بسم اللہ الرحمن الرحیم

نجوم الفرقان

من تفسیر آیات القرآن

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام

کتاب لاریب کی توضیحات وتشریحات، علوم عقلیہ ونقلیہ کی روشنی میں
علمی وتحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لئے قدیم وجدید احکامات ومسائل پر ابحاث کا حسین مرقع
تفسیر القرآن بالقرآن، ارشادات نبویہ، اقوال صحابہ، تحقیقات اسلاف اور روایات صحیحہ پر مشتمل تفسیر

مسمی بہ

نجوم الفرقان

من تفسیر آیات القرآن

جلد ششم

سورۃ البقرۃ آیات 243 تا 283

از رشحات قلم

محقق اہلسنت

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا

عبدالرزاق بھترالوی طاروی

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم راولپنڈی

شعبہ نشر واشاعت

جامعہ جماعتیہ مہر العلوم شکریال راولپنڈی

Marfat.com

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

☆ نام کتاب .... نجوم الفرقان فی تفسیر آیات القرآن

سورۃ البقرۃ آیات نمبر 243 تا 283

☆ تالیف .... علامہ مولانا عبدالرزاق بھترالوی حطاروی

☆ کمپوٹر گرافکس .... محمد اسحاق ہزاروی

☆ کمپوزر .... محمد اکرم رضوی، افتخار احمد ہزاروی

☆ کمپوزنگ سنٹر .... مہر العلوم کمپوزنگ سنٹر شکریال راولپنڈی

☆ بار طباعت .... اول

☆ ناشر .... جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم ٹاؤن شکریال راولپنڈی

ملنے کے پتے

☆ جامعہ جماعتیہ مہر العلوم شکریال راولپنڈی

☆ احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

☆ فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور

☆ نیو مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

☆ جامع مسجد غوثیہ ایف، سکس ون، اسلام آباد

☆ مکتبہ قادریہ نزد دستا ہوٹل گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ برکاتیہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ اہلسنت کالج روڈ راولپنڈی

اور ہر اچھے بکسٹال سے خرید فرمائیں۔

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
الم ترالی الذین خرجوا....الخ	23	حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب	35
مختصر مطلب	23	تنبیہ	36
ماقبل سے تعلق	24	طاعون کیا ہے؟	36
فائدہ	24	طاعون کا حکم کیا ہے؟	36
اس آیۃ کریمہ میں کن لوگوں کا ذکر ہے؟	24	موت سے بھاگنا نفع مند نہیں	38
پہلا واقعہ	24	مقام طاعون سے ارادہ فرار	39
دوسرا واقعہ	26	طاعون عمواس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ	40
تیسرا واقعہ	26	مختصر وضاحت حدیث	43
علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا موقف	27	وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا	44
راقم کا موقف	28	یہ خطاب کسے ہے؟	44
الم ترالی الذین خرجوا	28	اللہ کی راہ سے مراد	45
دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں	29	واعلموا ان اللہ سمیع علیم	45
الم تر کا خطاب کسے؟	29	من ذالذی یقرض اللہ	46
راقم نے یوں سمجھا	30	ماقبل سے رابطہ	47
لفظ الی کا مطلب	30	تنبیہ	48
رؤیۃ بمعنی دیکھنا	30	دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کے لئے	49
وھم الوف	31	قرض کا لغوی معنی	49
وہ کتنے ہزار تھے؟	31	قرض کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کیسے؟	49
حذر الموت	31	قرض دینے کی فضیلت	51
فقال لھم اللہ موتوا	31	دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں	52
ثم احیاھم	32	حاصل کلام	52
مسئلہ	32	فائدہ	54
مسئلہ عجیبہ	33	فائدہ	55
ان اللہ لذوفضل علی الناس	34	والیہ ترجعون	55
ولکن اکثر الناس لایشکرون	35	الم ترالی الملا .... الخ	56
حضرت حزقیل علیہ السلام	35	ماقبل سے تعلق	57
حضرت حزقیل علیہ السلام کی کنیت	35	کس نبی اور قوم کا ذکر	57

Marfat.com

عنوان	صفحہ
الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل	59
اذ قالوا النبی لهم ابعث لنا ملک	60
تنبیہ	61
نقاتل فی سبیل الله	62
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	62
قال هل عسیتم ان لاتقاتلوا	62
قالوا ومالنا ان لانقاتل	63
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	63
فلما کتب علیهم القتال	65
والله علیم بالظلمین	65
فائدہ	65
وقال لهم نبیهم ان الله	66
طالوت کا انتخاب کیسے؟	66
قوم کا جواب	69
ان کا سوال کس قسم کا تھا؟	67
قال ان الله اصطفاه علیکم	68
فائدہ جلیلہ	69
وزاده بسطة	69
جواب کی خوبی	70
فائدہ	71
والله واسع علیم	71
تنبیہ	72
وقال لهم نبیهم ان آیة ......الخ	73
وقال لهم نبیهم ان آیة ملکه	74
تابوت کیا ہے؟	74
فیه سکینة من ربکم	75
تابوت کی وجہ تسمیہ	75
تابوت کا آنا معجزہ تھا	75
تابوت کے متعلق یہ بھی کہا گیا	75
وبقیة مماترک آل موسی	76
آل کا معنی کیا ہے؟	76
تحمله الملائکة	76
ان فی ذلک لآیة	78
فائدہ	78
فلما فصل طالوت............الخ	79
ماقبل سے تعلق	80
مختصر مطلب	80
فلما فصل طالوت بالجنود	81
طالوت کا خوب اعلان	81
قال ان الله مبتلیکم بنهر	82
آزمانے میں حکمت	82
پہلی وجہ	82
دوسری وجہ	83
وہ نہر کون سی تھی	83
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	84
آزمائش کس لئے تھی؟	84
رب تعالیٰ کو آزمائش کی کیا ضرورت تھی	84
فمن شرب منه فلیس منی	85
طعم کے ذکر کے فوائد	86
فائدہ	87
الا من اغترف غرفة بیده	88
ایک چلو پانی ایک شخص کو بمع اسکے خدام اور سواریوں کے کیسے کافی ہوا؟	88
فائدہ جلیلہ	89

Marfat.com

عنوان	صفحہ
فبشربوا منه قليلا منهم	90
قلیل کی تعداد	90
پانی پینے والوں کا انجام	90
فلماجاوزه هو والذين آمنو	91
مقام توجہ	91
اس مسئلہ میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں	92
ہاں اس مسئلہ میں اختلاف	92
اس میں ایک قول یہ ہے	92
ان حضرات کے دلائل	92
دوسرے حضرات کی دلیل	93
راقم کا موقف	94
قال الذين يظنون	95
جالوت اور اس کے لشکر سے	96
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	97
والله مع الصابرين	97
نتیجہ	97
ولما برزوا لجالوت......الخ	98
ولما برزوا لجالوت	98
دعاء کرنے والے کون	98
قالوا ربنا افرغ علينا	99
تین امور مطلوبہ کے مطابق	100
نکتہ	101
بہت عمدہ ترتیب	101
فائدہ	102
دشمن کے خلاف دعائیں	102
فهزموهم باذن الله......الخ	103
ماقبل سے تعلق	103
فهزموهم باذن الله	104
تنبیہ	104
طلباء کرام کی توجہ کیلئے	105
وقتل داؤد جالوت	105
تنبیہ	108
وآتاه الله الملك والحكمة	108
سلطنت کا ذکر نبوت سے پہلے	109
فائدہ	109
وعلمه مما يشاء	109
آپکو زرہ بنانے کا علم دیا گیا	109
پرندوں کی بولی	110
علم زبور	110
خوبصورت آواز	110
ملکی سیاست	110
ولولا دفع الله الناس	110
مدافعت کی مختلف صورتیں	111
فائدہ	111
گزشتہ سے پیوستہ	114
نیک لوگوں ہی کی وجہ سے دین قائم ہے	115
ولكن الله ذو فضل على العلمين	117
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	117
اعتراض	118
جواب	118
فائدہ	118
تلك آيات الله نتلوها......الخ	119
تلك آيات الله	119
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	120

Marfat.com

عنوان	صفحہ
نتلوھا علیک بالحق	120
فائدہ	121
وانک لمن المرسلین	122
نتیجہ	122
تلک الرسل .... الخ	124
مختصر مطلب	125
ماقبل سے تعلق	125
تلک الرسل فضلنا بعضھم	125
تنبیہ	126
اجماع امت	126
اعتراض	127
پہلا جواب	127
وضاحت حدیث	127
ولد آدم	128
یوم القیامۃ	128
ولافخر	129
تنبیہ	130
دوسرا جواب	130
تیسرا جواب	131
فائدہ	132
چوتھا جواب	132
پانچواں جواب	132
تنبیہ	132
افضلیت مصطفی ﷺ پر دلائل	133
فائدہ	138
فائدہ	142
تنبیہ	144
حبیب درجہ مراد میں	144
تنبیہ	149
تنبیہ	153
اعتراض	154
جواب	154
منھم من کلم اللہ	157
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	157
فائدہ جلیلہ	158
اعتراض	158
جواب	158
تنبیہ	159
ورفع بعضم درجات	159
اعتراض	159
جواب	159
رفعت درجات پر چند احادیث	160
فائدہ	160
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	163
وبعثت الی الناس عامۃ	163
وآتیناعیسی ابن مریم البینات	164
وایدنابروح القدس	164
روح قدس سے کیا مراد ہے	164
دو انبیاء کرام کے خصوصی ذکر کی وجہ	166
ولوشاء اللہ مااقتتل الذین	166
ہر چیز اللہ تعالی کی قضاء قدر میں ہے	167
ولو شاء اللہ مااقتتلو	167
ولکن اللہ یفعل مایرید	167
تنبیہ	167

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
یایھا الذین امنوا انفقوا......الخ	168	تنبیہ	185
ماقبل سے تعلق	169	دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	186
اس خرچ کرنے سے کیا مراد ہے	169	له مافی السموات ومافی الارض	187
راقم کا موقف	170	دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	187
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	170	کفار کا رد	188
ایک اور توجہ کی ضرورت	170	من ذاالذی یشفع عنده الاباذنه	188
فائدہ	170	یعلم مابین ایدیهم و ما خلفهم	190
من قبل ان یاتی یوم	171	دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	190
لابیع	171	ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے	191
ولاخلة	172	ولایحیطون بشیء من علمه	192
ولاشفاعة	173	فائدہ جلیلہ	193
ولاخلة ولاشفاعة	173	دینی طلباء کرام کے لئے فائدہ عظیمہ	193
والکافرون هم الظالمون	177	وسع کرسیه السماوات	194
کیا خوب اظہار تشکر	178	آیۃ کریمہ میں کرسی سے مراد کیا ہے؟	194
الله لااله الاهو ......الخ	179	بعض حضرات نے احادیث کو ظاہر پر رکھا	195
ماقبل سے تعلق	180	ایک اور قول	196
الله لااله الاهو	180	کرسی کہاں ہے	196
الحی القیوم	180	راقم کا موقف	198
تنبیہ	182	ولایؤده حفظهما	198
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	182	اعتراض	198
القیوم	183	جواب	198
فائدہ	183	دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے	199
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	184	وهو العلی العظیم	199
مقام توجہ	184	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	200
اعتراض	185	تنبیہ	201
جواب	185	فائدہ جلیلہ	201
نیند کے اسباب	185	آیات کرسی کے فضائل میں احادیث مبارکہ	202

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	205	نکتہ	225
لااکراہ فی الدین ......الخ	208	شان نزول میں تین احتمال	225
شان نزول	209	والذین کفروااولیاء ھم الطاغوت	226
قابل توجہ	211	اولیاء ھم الطاغوت	226
خوبصورت اقتباس	212	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	226
قد تبین الرشد من الغی	212	یخرجونھم من النورالی الظلمات	227
فائدہ	213	دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	227
فمن یکفربالطاغوت ویؤمن باللہ	214	اعتراض	227
طلباء کے لئے	214	پہلا جواب	227
قابل توجہ	214	دوسرا جواب	228
ویؤمن باللہ	216	تیسرا جواب	228
فائدہ	217	چوتھا جواب	228
فقد استمسک بالعروۃ الوثقی	217	اولئک اصحاب النار	228
طلباء کرام کے فائدے کے لئے	217	ھم فیھاخلدو	228
وہ مجازی معنی کیا ہے	218	تنبیہ	229
طلباء کرام توجہ فرمائیں	218	فائدہ جلیلہ	229
طلباء کرام کی اور کامل توجہ کی ضرورت	218	الم ترالی الذی ....الخ	230
لاانفصام لھا	219	ماقبل سے تعلق	231
واللہ سمیع علیم	219	مختصر مطلب	231
فائدہ	220	نمرود کی بے وقوفی	231
گذشتہ سے پیوستہ	222	نمرود کا نسب	232
اللہ ولی الذین آمنوا......الخ	222	یہ مناظرہ کب ہوا؟	232
اللہ ولی الذین آمنو	223	تمام روئے زمین کے چار بادشاہ	232
لفظ ولی کے معانی	223	تسکین الجنان کا ایک ورق	233
اعتراض	224	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	234
جواب	224	فائدہ جلیلہ	235
یخرجھم من الظلمات الی النور	224	جھگڑے اور مناظرے کی وجہ	235

Marfat.com

عنوان	صفحہ
مسئلہ	236
اذقال ابراهيم ربی الذی يحی ويميت	236
قال اناحي واميت	236
قال ابراهيم فان الله ياتی بالشمس	237
اہل علم کی تحقیقی بحث	237
فائدہ	238
تنبیہ	239
فبهت الذی كفر	239
اعتراض	239
پہلا جواب	239
دوسرا جواب	240
والله لايهدی القوم الظالمين	240
اسی مناظرہ میں دلچسپ واقعہ	240
او كالذی مرعلى قرية......الخ	242
ماقبل سے تعلق	243
مختصر مطلب	243
فائدہ	244
او كالذی مرعلى قرية......الخ	244
وهي خاوية على عرشها	245
قال انی يحی هذه الله بعدموتها	245
دینی طلباء کے لئے	245
فاماته الله مائةعام ثم بعثه	246
نکتہ	247
قال كم لبثت	247
قال لبثت يوماًاوبعض يوم	247
قال بل لبثت مائة عام	248
فانظر الى طعامك وشرابك	248
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	248
طلباء کرام ایک اور توجہ فرمائیں	249
وانظر الى حمارك	249
ولنجعلك آية لناس	249
وانظر الى العظام	250
كيف ننشزها	251
ثم نكسوها لحما	251
فلما تبين له	252
قال اعلم ان الله على شیء قدير	252
حضرت عزیز علیہ السلام کا واقعہ	252
تنبیہ	254
تنبیہ	255
واذ قال ابراهيم ......الخ	256
مختصر مطلب	256
ماقبل سے تعلق	257
اعتراض	257
جواب	258
واذ قال ابراهيم رب ارنی	258
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	258
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کرنیکی وجوہ	259
تنبیہ	261
سؤال کرنے کی چار معتبر وجوہ	261
پہلی وجہ	261
دوسری وجہ	261
تیسری وجہ	261
چوتھی وجہ	261
اعتراض	262

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
جواب	262	سیدالاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کا فتوی	282
قال فخذ اربعة من الطير	263	خلاصہ ترجمہ	283
چار پرندے کون سے تھے	263	دانہ سے تشبیہ کا مطلب	284
تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں	263	دانہ سے مراد کونسا دانہ ہے؟	284
چار کا حکم دینے کی وجہ	264	والله يضاعف لمن يشاء	285
سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنیکی وجہ	264	والله واسع عليم	287
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	265	خرچ کرنے کے مراتب	287
فائدہ	265	پیشہ زراعت کی فضیلت	288
فصرهن اليک	266	الذين ينفقون اموالهم ...... الخ	289
ثم اجعل على كل جبل منهن جزء	266	شان نزول	289
ثم ادعهن ياتينک سعيا	267	فائدہ	290
اعتراض	267	تنبیہ	291
جواب	267	من اور اذی کا مطلب	291
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا تحقیقی ترجمہ	268	صدقات کی تین قسمیں	292
فائدہ جلیلہ	268	احسان جتلانا گناہ کبیرہ ہے	293
واعلم ان الله عزيز حكيم	269	لهم اجرهم عند ربهم	294
اعتراض	269	ولاخوف عليهم ولاهم يحزنون	294
جواب	269	دینی طلباء کرام توجہ فرمائی	295
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	270	قول معروف ومغفرة ...... الخ	296
فائدہ جلیلہ	270	قول معروف	296
تنبیہ	273	ومغفرة	297
مثل الذين ينفقون ...... الخ	274	دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	299
ماقبل سے تعلق	274	والله غني حليم	299
اللہ تعالیٰ کی راہ کون سی راہ ہے	276	قول معروف بہتر صدقہ	300
صدقہ اور ہدیہ میں فرق	281	سوال کرنے والا ہوسکتا ہے کوئی اور ہی مخلوق ہو	303
تنبیہ	281	يايها الذين امنو لاتبطلوا ...... الخ	305
وہ بنو ہاشم جن پر صدقات فرضیہ حرام ہیں	282	مختصر مطلب	305

Marfat.com

عنوان	صفحہ
یاایھاالذین امنو الاتبطلوا	306
اعتراض	306
جواب	306
کالذی ینفق ماله رئاء الناس	306
فمثله کمثل صفوان علیه تراب	307
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	307
مثال کی وضاحت	308
لایقدرون علی شیء مما کسبوا	308
والله لایهدی القوم الکافرین	308
تنبیہ	308
ریاءکاری شرک اصغر ہے	309
فقیر کوغنیمت سمجھا جائے	312
ومثل الذین ینفقون ......الخ	313
ماقبل سے تعلق	313
مختصر مطلب	314
ومثل الذین ینفقون اموالهم ابتغاء	314
تنبیہ	316
کمثل جنة بربوة	318
اقوال میں تطبیق	320
تنبیہ	321
ان لم یصبها وابل فطل	322
والله بما تعملون بصیر	322
فائدہ	322
صدقہ کاایک ایک حرف کمال پردلالت کررہاہے	323
ایود احدکم ان تکون له ......الخ	324
مختصر مطلب	324
ایود	326
نتیجہ واضح ہے	327
کذلک یبین الله لکم الآیات	328
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	328
ایک اورتوجہ	329
شیطان کے پندرہ دشمن	329
شیطان کے دس دوست	329
یاایھاالذین امنو اانفقوا ......الخ	330
مختصر مطلب	331
شان نزول	331
یاایھاالذین امنو اانفقوا	332
تنبیہ	334
ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون	335
مسئلہ	335
مسئلہ	337
اونٹ کانصاب	337
گائےاوربھینس کانصاب	337
بھیڑبکری کانصاب	337
گھوڑوں میں زکوۃ دینے کاحکم	337
سونے کانصاب	338
چاندی کانصاب	338
سامان تجارت	338
مسئلہ	338
مسئلہ	338
تنبیہ	338
راقم کاترددادرعلماءکرام کی توجہ کی ضرورت	339
ومماا خرجنا لکم من الارض	339
عشر کانصاب	340

Marfat.com

عنوان	صفحہ
عشر اور نصف عشر	341
کن چیزوں میں عشر ہے؟	341
ان حضرات کے دلائل	342
ان احادیث کی توجیہ	344
مسئلہ	345
مسئلہ	345
عشر کے مسئلہ میں راقم کا موقف	345
معدنیات کا حکم	346
صدقات کی تمام قسموں پر تقریباً جامع حدیث	347
صدقہ فطر نہ ادا کرنے پر وعید	348
مسئلہ	348
مسئلہ	349
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	349
ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون	350
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	350
ایک اور توجیہ	350
اعتراض	350
جواب	351
ولستم بآخذیہ الا ان تغمضوا فیہ	351
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	351
فائدہ	352
واعلموا ان اللہ غنی حمید	352
الشیطن یعدکم الفقر ...... الخ	354
ماقبل سے تعلق	354
الشیطن یعدکم الفقر	354
تسکین الجنان کا ایک ورق	355
ویامرکم بالفحشاء	356
الفحشاء عام گناہوں کو بھی شامل ہے	356
واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا	358
فائدہ جلیلہ	358
وہ مغفرت عظیمہ کیا ہے	358
فضل سے مراد کیا ہے	359
شیطان کی دھمکی اور رب تعالیٰ کا وعدہ	360
واللہ واسع علیم	361
آیہ کریمہ سے متعلق احادیث مبارکہ	362
اقوال صحابہ	365
یؤتی الحکمۃ من یشآء ...... الخ	366
ماقبل سے تعلق	366
یؤتی الحکمۃ من یشاء	367
حکمت کے مختلف معانی	367
حکمت کا لغوی معنی	369
حکمت قرآن میں بظاہر چار معانی میں استعمال ہے	369
تمام معانی کا جامع معنی	370
ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیر کثیرا	370
فائدہ	371
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	371
کامل فقیہ کون؟	371
نبی کریم ﷺ کیا چیز تقسیم فرماتے ہیں	372
فائدہ	374
علم وفعل صواب اور انبیاء کرام	375
وما یذکر الا اولوا الالباب	375
فائدہ جلیلہ	376
کون سا علم قابل تعریف ہے؟	376
فائدہ	378

Marfat.com

عنوان	صفحہ
وماانفقتم من نفقة ......الخ	379
ماقبل سے تعلق	379
وماانفقتم من نفقة	380
اونذرتم من نذر	380
فان الله يعلم	380
دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کیلئے	381
تنبیہ	381
ومن نذر کیا ہے؟	382
نذر اولیاء بمعنی نذرانہ	382
نذر کی دو قسمیں ہیں	382
نذر کی ایک اور تقسیم	383
اعتراض	384
جواب	384
ومالظلمين من انصار	385
دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کے لئے	386
معتزلہ کا مذہب	386
جواب اول	386
جواب دوم	386
تنبیہ	387
نذر کے متعلق احادیث مبارکہ	387
وضاحت حدیث	387
دوسرا طریقہ زمانہ جاہلیت کا یہ تھا	387
وضاحت حدیث	389
ان تبدو الصدقات ......الخ	391
ماقبل سے تعلق	391
شان نزول	391
مختصر مطلب	392

عنوان	صفحہ
صدقہ کیا ہے؟	392
ان تبدو الصدقات فنعماهی	392
وان تخفوها وتؤتوها الفقراء	393
ويكفر عنكم من سياتكم	393
تنبیہ	393
والله بماتعملون خبير	394
کونسا دن صدقہ مخفی بہتر اور کونسا دن ظاہر بہتر	394
صدقات فرضیہ کا مخفی رکھنا کب بہتر ہے	394
شان صحابہ کرام	395
راقم کا موقف	395
چھپا کر صدقہ دینے کے فوائد	396
صدقہ کو صدقہ کہنے کی وجہ	396
سوال	497
جواب	497
راقم کا موقف	498
مخفی صدقہ دینے کی افضلیت پر احادیث مبارکہ	499
فائدہ	407
حکمت	407
نفلی صدقہ اغنیاء، ذمی اور خود بھی کھا سکتا ہے	408
تنبیہ	409
صدقات واجبہ غنی کو دینا منع ہے	409
زوجہ کو صدقات واجبہ دینا جائز نہیں	410
رشتہ داروں پر صدقہ افضل ہے	410
فوائد	411
میت کیلئے پہلے دن صدقہ میں اہلسنت کا عقیدہ	412
اصل اشیاء میں اباحت ہے	413
مستحب کیا ہے؟	413

Marfat.com

عنوان	صفحہ
تنبیہ	413
مستحب کا حکم	414
مباح کا حکم	414
حرام کا حکم	414
حلال کو حرام سمجھنا	415
حلال کو حرام بنانے کی دو قسمیں ہیں	415
مکروہ تنزیہی بھی بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتا	415
مقام توجہ	415
نبی کریم ﷺ کی کھانے میں شرکت	416
حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد	417
تنبیہ	418
فائدہ	420
وجہ اختلاف کیا ہے؟	421
جائز ماننے والوں کا مقام عجز	421
ناجائز کہنے والوں کی خدا سے بے پرواہی	423
معاملہ قسمت کا۔	424
لیس علیک ھداھم ...... الخ	425
شان نزول	425
تنبیہ	427
مقام توجہ	428
اعتراض	429
جواب	429
تنبیہ	432
ولکن اللہ یھدی من یشاء	432
گنہگار کو صدقہ دینا	432
تنبیہ	433
مسئلہ	434

عنوان	صفحہ
وماتنفقوا من خیر فلانفسکم	434
وماتنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ	435
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	435
فائدہ جلیلہ	435
وماتنفقوا من خیر یوف الیکم	436
لفظ الی کا فائدہ	437
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	437
وانتم لاتظلمون	438
گزشتہ سے پیوستہ	439
درس نظامی کے مقاصد	440
للفقرآء الذین احصروا...... الخ	447
مختصر مطلب	447
شان نزول	448
تنبیہ	448
صرف مہاجرین فقراء کی تخصیص کیوں؟	448
للفقرآء الذین احصروا فی سبیل اللہ	449
تنبیہ	450
لایستطیعون ضربا فی الارض	450
فائدہ	451
اعادہ	451
اصحاب صفہ اور کرامت ابی بکر رضی اللہ عنہ	452
حدیث پاک کی وضاحت	454
مسئلہ	456
تنبیہ	460
محصرین اور ان پر مال خرچ کرنا	460
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	461
یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف	462

Marfat.com

عنوان	صفحہ
اعتراض	462
جواب	463
تنبیہ	463
مسئلہ	463
تعرفهم بسيماهم	464
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	464
علامہ رازی رحمہ اللہ کا موقف	464
راقم کا موقف	466
علامات پر بھی احکام مرتب ہوتے ہیں	466
علامات پر قرآنی فیصلہ	467
لایسالون الناس الحافا	468
علامہ رازی رحمہ اللہ کی تحقیق اور اعلیحضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ	469
ایک وجہ	469
دوسری وجہ	469
تیسری وجہ	471
چوتھی وجہ	471
پانچویں وجہ	471
چھٹی وجہ	472
دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں	473
حقیقی فقیر کون ہے؟	473
حقیقی مسکین کون؟	474
وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم	475
ایک وجہ	475
دوسری وجہ	475
فقراء کی فضیلت میں احادیث مبارکہ	476
وضاحت حدیث	476
اللہ پر قسم اٹھانے کا کیا مطلب؟	477
وضاحت حدیث	478
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	479
وضاحت حدیث	480
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	480
اغنیاء مؤمنین کو رو کے جانے کا کیا مطلب؟	481
کثیر عورتوں کے جہنم میں جانے کی وجہ	482
دونوں حدیثوں کی وضاحت و تطبیق	482
فائدہ	484
تنبیہ	484
نبی کریم ﷺ کا فقر	485
وضاحت حدیث	486
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عرض کی وجہ	486
نبی کریم ﷺ کا جواب	487
دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں	487
مقصد کلام	487
وضاحت حدیث	490
وضاحت حدیث	492
تنبیہ	495
فقیر شخص اپنے سے زیادہ فقیر کو دیکھے	495
وضاحت حدیث	496
دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کشی بہتر	497
وضاحت حدیث	497
تھوڑے رزق پر راضی رہے	498
احتیاجی کو چھپا کر رکھے	499
وضاحت حدیث	499
خوبصورت مسجع وضاحت	500
فقراء مہاجرین کی برکت سے دعا	501

Marfat.com

عنوان	صفحہ
وضاحت حدیث	501
فقراء کے ساتھ مہاجرین کی قید کا کیا فائدہ؟	501
فاسق کے مال پر رشک کرنا	502
وضاحت حدیث	502
سوال کرنا کب جائز ہے اور کب ناجائز ہے	503
وضاحت حدیث	504
فائدہ	504
اعتراض	506
جواب	506
وضاحت حدیث	507
مجازی معنی یہ ہے	507
حقیقی معنی یہ ہے	508
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	508
حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی پیاری دعاء	509
وضاحت حدیث	509
تنبیہ	510
وضاحت حدیث	511
وضاحت حدیث	513
عرفات میں سوال پر حضرت علی رضی اللہ کا غصہ	514
وضاحت حدیث	514
یہاں سے ہی واضح ہوگیا	515
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبولیت دعاء	515
سوال نیک آدمیوں سے کرے	516
وضاحت حدیث	516
نیک لوگوں سے سوال کرنے کی کیا وجہ ہے؟	516
سوال کرنے سے مزدوری کرنا بہتر ہے	518
حدیث سے فوائد حاصل ہوئے	519
سوال کے بغیر جو مال ملے اسے قبول کرلے	519
مسئلہ	521
عذر کے ہوتے ہوئے تین مرتبہ سوالکرنا جائز ہے	521
سائل محتاج کو جمعہ اور عید کے ادا کرنے کیلئے کپڑے لے کر دیئے جائیں	521
اصحاب صفہ اور دینی مدارس کے طلباء	522
سب سے پہلا دینی مدرسہ	523
دینی مدرسہ کو دیکھ کر کون خوش ہوئے	523
دینی مدرسہ کو دیکھ کر کون جلا	523
رب تعالی کے مدرسہ کے مقابل دوسرا مدرسہ	524
شیطانی مدرسہ کی تعلیم	524
رحمانی مدرسہ کی تعلیم	526
قدیم نصاب کا واویلا	528
استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا حافظ عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ کا عظیم بیان	529
الذین ینفقون اموالھم بالیل ....الخ	530
ماقبل سے تعلق	530
شان نزول	531
شان نزول کی دوسری وجہ	532
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	536
نکتہ	537
دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے	537
اعلی حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اور روح المعانی	537
فائدہ جلیلہ	538
فقیر سادات کو سلام محبت کرے	538
چھ چیزوں کا حسن چھ چیزوں میں	539
عقلمند شخص کی علامت	540

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
الذین یاکلون الربوا ...... الخ	541	اعتراض	557
مختصر مطلب	542	جواب	557
الذین یاکلون الربوا	542	بیع اور سود میں ایک نمایاں فرق	557
لفظ ربوا کا رسم الخط اور خوبصورت نکتہ	544	بیع میں توکل اور سود میں فرعونیت ہے	557
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کا اور روح المعانی و در منثور	544	وامرہ الی اللہ	558
الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان	545	ومن عاد	559
دینی طلباء کرام کی دلچسپی کیلئے	546	دینی طلباء کرام کی خصوصی توجہ کیلئے	559
مخبوط الحواس کر کے اٹھانے کی وجہ	546	مقام توجہ	559
تنبیہ	546	سود کی ممانعت میں احادیث مبارکہ	560
اعتراض	547	حدیث پاک سے حاصل ہوا	562
جواب	547	فائدہ عظیمہ	563
مقام توجہ	547	احادیث سے مسئلہ حاصل ہوا	564
جنون کی کچھ اور وجوہ	548	سود میں علت	564
جنات کے اثرات میں معتزلہ کا مذہب	549	نتیجہ اختلاف	565
معتزلہ کی غلطی کی وجہ	549	راقم کا موقف مذاہب ثلاثہ (تین مذاہب) میں	565
جنات کے اثرات کا ثبوت قرآن وحدیث سے	550	ربوٰ التفاضل (زیادتی کے سود) میں حرمت کی دو وجہ ہیں	566
ذلک بانہم قالو انما البیع مثل الربوا	551	ربوا نسیئہ (یعنی ادھار کے سود) میں ایک وجہ ناجائز ہے	566
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	551	اعتراض	567
احل اللہ البیع وحرم الربوا	552	جواب	567
سود کیا ہے؟	552	اعتراض	569
سود کی دو قسمیں	553	جواب نمبر ۱	569
ربا النسیئۃ (ادھار کا سود) کیا ہے؟	553	جواب نمبر ۲	569
ربا الفضل (زیادتی کا سود)	554	جواب نمبر ۳	569
ربوا کو بیع کی طرح سمجھنے میں غلط فہمی کی وجہ	554	تجارتی مال پر سود لینا بھی حرام ہے	570
سود کھانے والے لوگوں کے اور عقلی ڈھکو سلے	544	غیر مسلم ممالک میں سودی کاروبار کے متعلق فتوی	570
ایمان والوں کیلئے تو اتنے الفاظ ہی کافی ہیں	555	**الاستفتاء**	571
بیع اور سود میں فرق	556	نوٹ	572

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
الجواب	572	جواب نمبر۲	592
ترجمہ و وضاحت	575	جواب نمبر۳	592
تنبیہ	576	بیع کی تعریف	592
سود لینے اور دینے والے پر لعنت	576	فضولی کی بیع	593
سود پر وعید شدید	577	ایک صحابی کی بیع پر نبی کریم ﷺ کی دعاء	593
وضاحت حدیث	577	مال کی دو قسمیں	594
سود کھانے والے عذاب میں مبتلاء	579	مال کے لحاظ پر بیع کی چار قسمیں ہیں	594
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	579	خیال رہے	596
گذشتہ سے پیوستہ	580	ربوا سے بچنے کا طریقہ	597
فقہاء کی صریح عبارات سے عقلی ڈھکوسلے ختم ہو گئے	580	ہر وہ بیع جس میں ربوا کا شبہ ہو وہ ناجائز ہوگی	599
غلط فہمی کی وجہ	581	بیع محاقلہ کیا ہے؟	599
کیا آجکل کوئی ملک دار حرب نہیں	582	بیع مزابنۃ	599
صورت مسئلہ تین وجہ پر ہے	583	بیع مخابرۃ	600
امام صاحب اور صاحبین کے اقوال میں محاکمہ	584	بیع معاومہ	600
ممالک کی تقسیم یوں ہے	585	الثنیا	601
اعتراض	585	عرایا	601
جواب	586	جس بیع میں دھوکا پایا جائے وہ ناجائز ہے	601
مقروض اپنی خوشی سے زیادہ دے تو جائز ہے	586	زمانہ جاہلیت میں کنکری پھینکنے کی بیع کے تین طریقے	601
وضاحت حدیث	587	منابذہ کی بھی دو صورتیں تھیں	503
بینک میں کھاتا اکاؤنٹ	588	مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا حرام ہے	604
اعتراض	590	کسی چیز کو بیچنے کیلئے دودھ نہ دوہنا جائز ہے	605
جواب	590	دلالی حرام ہے	606
وضاحت حدیث	591	پراپرٹی ڈیلرز	606
اعتراض	591	اعتراض	607
جواب	591	جواب	608
اعتراض	592	آجکل کے بیانہ کا طریقہ ناجائز ہے	608
جواب نمبر۱	592		

Marfat.com

عنوان	صفحہ
تلقی جلب منع ہے	609
مطلب واضح ہے	610
نتیجہ واضح ہوا	610
انعامی بانڈ میں راقم کا موقف	610
ہنڈی کا طریقہ کار	611
گروپ انشورنس اور بینولینٹ فنڈ	611
جنرل پروویڈنٹ فنڈ، جی۔ پی فنڈ	612
انشورنس یعنی بیمہ پالیسی	613
بخار اور غبار سے مراد کیا ہے	614
قسطوں سے مہنگے دام بیچنا خریدنا جائز ہے	615
اعتراض	618
جواب	618
بیع میں عیب چھپانا باعث لعنت ہے	619
وضاحت حدیث	620
یمحق الله الربوا الخ	621
ماقبل سے تعلق	622
سود کا مٹنا کیسے ہے؟	623
سود کے دنیا میں مٹ جانے کی چند وجوہ	623
آخرت میں سود کا مٹ جانا	624
صدقات کو بڑھانے کی وجوہ	626
ویربی الصدقات	626
دنیا میں صدقات کو بڑھانے کو وجوہ	627
صدقات کا آخرت میں بڑھنا	628
والله لا یحب کل کفار اثیم	628
دینی طلباء کرام کے فائدہ کیلئے	630
طلباء کرام ایک اور ضابطہ کی طرف توجہ فرمائیں	630
اس آیہ کریمہ پر آیہ کو ختم کرنے میں حکمت	630
"والله لا یحب "ای یبغض	631
تنبیہ	631
ان الذین امنوا وعملوا الخ	632
ماقبل سے تعلق	632
ان الذین امنوا	633
وعملوا الصالحات	633
واقاموا الصلوة واتوا الزکوة	634
لهم اجرهم عند ربهم	634
ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون	634
دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں	635
اعتراض	636
جواب	637
سوال	637
جواب	638
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	638
یا ایها الذین امنوا ...... الخ	639
شان نزول	639
مقام توجہ	641
فان تفعلو فاذنوا ...... الخ	643
فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب	643
یہ خطاب سے اور "اگر تم نہ کرو سے مراد کیا؟	645
دوسرا قول	646
اعتراض	646
جواب	646
نتیجہ واضح ہوا	648
تنبیہ	650
وضاحت حدیث	651

Marfat.com

عنوان	صفحہ
تارکین صلوۃ اور مانعین زکوۃ	652
آیۃ ربوا میں حرب سے مراد کون سی حرب ہے؟	654
سود شراب سے برا	655
وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم	656
سود سے توبہ کیسے کی جائے؟	657
لاتظلمون ولاتظلمون	657
اور دینی طلباء سے یہ مخفی نہیں	658
اپنا اصلی مال مقروض کی مرضی کے بغیر لیا جا سکتا ہے	659
بغیر کسی عذر کے قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے	660
قرض ادا کرنے والے کو قید کا حکم	661
کتنی دیر قید رکھا جائے؟	661
مسئلہ	661
سود تمام دینوں میں منع رہا	662
دین میں غلو جائز نہیں	663
گندم کا بطور قرض لین دین	664
مسئلہ	667
مسئلہ	668
روٹی قرض لینا جائز ہے	668
وان کان ذو عسر الخ	668
تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلتیں	
احادیث مبارکہ	669
وضاحت حدیث	670
آپ نے قرض خواہوں کو قرض لینے سے کس طرح منع فرمایا جبکہ قرض لینا ان کا حق تھا	670
وضاحت حدیث	671
علمی نکتہ	672
وضاحت حدیث	673
الفائدة الجليلة	673
وضاحت حدیث	675
فائدہ	676
تین قسم کی ضرورتوں کیلئے قرض لینا	680
نبی کریم ﷺ نے قرض لینے کیلئے آسانی پیدا فرمادی	680
تارک فرائض کو قرض نہ دیا جائے	681
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے	682
دینی طلباء کرام ایک اور توجہ فرمائیں	682
واتقوا یوم ترجعون .... الخ	683
ماقبل سے تعلق	683
یہ آیت نزول کے لحاظ پر آخری آیت ہے	683
دینی طلباء کرام کی خصوصی توجہ کیلئے	684
دن سے ڈرنے سے کیا مراد ہے	684
اللہ تعالیٰ کیطرف لوٹائے جانے سے کیا مراد ہے؟	685
بعض حضرات کا جواب	685
علامہ رازی رحمہ اللہ کا رد	685
علامہ رازی رحمہ اللہ کیطرف سے جواب	686
ثم توفی کل نفس ماکسبت	687
وهم لایظلمون	688
سوال	688
جواب	688
نبی کریم ﷺ کے وصال پر بے قراری کا عالم	690
یہ آیۃ کریمہ تمام قرآن پاک کا خلاصہ ہے	690
عوام کا تقوی	692
خواص کا تقوی	692
خواص الخواص کا تقوی	693

Marfat.com

عنوان	صفحہ
یا یھا الذین امنو اذا تداینتم الخ	694
آیہ کریمہ کا مختصر مطلب	696
ماقبل سے تعلق	697
دوسری وجہ	697
یا یھا الذین امنو اذا تداینتم	698
شان نزول	698
قرض اور دین میں فرق	698
قرض کی تعریف	698
دین کی تعریف	699
آیہ کریمہ کے شان نزول میں مفسرین کے اقوال	700
پہلی قسم	700
دوسری قسم	700
تیسری قسم	701
چوتھی قسم	701
اعتراض	701
اعتراض	701
پہلا جواب	701
دوسرا جواب	702
تیسرا جواب	702
چوتھا جواب	702
پانچواں جواب	702
بیع سلم کا جواز حدیث پاک سے	702
تنبیہ	703
بیع سلم کی تفصیلی بحث	703
بیع سلم کن چیزوں میں جائز ہے اور کن میں ناجائز؟	703

عنوان	صفحہ
تنبیہ	704
بیع سلم کا جواز	704
مذروعات اور معدودات متقاربہ میں بیع سلم کا جواز	704
حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں	705
بیع سلم کا موجود ہونا ضروری ہے۔	705
نمک لگائی مچھلی کی بیع سلم جائز ہے۔	706
تازہ مچھلی کی بیع سلم	706
گوشت کی بیع سلم	706
کسی معین کے کیل یا پیمائش سے بیع جائز نہیں	706
معین شہر کی چیز کی بیع سلم جائز نہیں	707
بیع سلم کی شرائط	707
تنبیہ	707
مسئلہ	708
ضابطہ	708
الی اجل مسمی	708
سوال	708
جواب	708
اجل معین	708
اجل مبہم	708
فاکتبوہ	709
لکھنے کا حکم استحبابی ہے	709
دینی طلباء کرام کی توجہ مطلوب ہے	710
ذلکم اقسط عنداللہ واقوم للشھادۃ	711
مقصود حصول کتابت ہے	711
ولیکتب بینکم کاتب بالعدل	712

Marfat.com

عنوان	صفحہ
عدل سے لکھنے کا مطلب	712
ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمه	713
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	714
ولیملل الذی علیه الحق	715
دینی طلباء کرام کے لئے فائدہ مند	715
ولیتق الله ربه ولا یبخس منه شیئا	716
تنبیہ	716
دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے	717
فان کان الذی علیه الحق	717
قرآن کی عظمت شان	717
عقل میں ضعف پر حدیث پاک	718
فرشتوں نے لکھی ہوئی دستاویز آدم علیہ السلام کے سامنے رکھ دی	719
رب تعالیٰ کی کیا خوب رحمت ہے۔	721
واستشهدو اشهیدین	721
شہادت یعنی گواہی کے متعلق تفصیلی بیان	723
شہادت (گواہی) کی شرطیں	723
شرط مکان	723
شرائط تحمل	724
شرائط عامہ لاداء دس ہیں	724
شرائط خاصہ لاداء سات ہیں۔	725
رکن شہادت	726
تنبیہ	726
تنبیہ شدید	727
الاعتباہ	728
گواہ پیش کرنا کیوں ضروری ہے	728
وضاحت حدیث	729
اعتراض	729
جواب	729
مدعیٰ علیہ کے قسم اٹھانے پر اسکے حق میں فیصلہ ہوگا	730
وضاحت حدیث	730
فائدہ	731
جھوٹی قسم سے مال ہتھیانہ جہنم حاصل کرنا ہے	732
وضاحت حدیث	733
گواہی طلب کرنے سے پہلے گواہی دینا بہتر ہے	734
اعتراض	734
جواب	734
وہ کونسی گواہی ہے جسے چھپانا بہتر ہے	735
فائدہ	735
فاسق کی گواہی پر قاضی کا فیصلہ کرنا	736
گواہی کس طرح دی جائے	736
گواہوں کے عادل ہونے کا کیسے پتہ چلایا جائے	736
گواہ صرف اپنے خط کو دیکھ کر گواہی نہ دیں	737
دس چیزوں کی شہادت سوائے دیکھنے سے دے سکتا ہے	737
تنبیہ	738
فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان	738
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	739
تنبیہ	739
دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے	740
قرآن کی شان بیان	741

Marfat.com

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فائدہ جلیلہ	742	ولاتسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا	758
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	743	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	759
ان تضل احداھمافتذکر احداھم الاخری	743	صغیرا کو کبیرا پر مقدم کرنے کی وجہ	760
عورتوں کے بھولنے پر ارشاد مصطفوی ﷺ	744	دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	760
عورت کے بھولنے کی اور وجہ	745	ذلکم اقسط عنداللہ واقوم للشھادۃ	760
تنبیہ	745	عربی زبان کی چاشنی	761
دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے	745	واقوم للشھادۃ	761
جہاں بھی عقل کی کمی ہوگی گواہی قبول نہیں ہوگی	745	تنبیہ	762
حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہونا اور		وادنی ان لاترتابوا	763
باقی معاملات میں قبول کیوں؟	746	فائدہ	763
اعتراض	747	امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خوب تحقیق	764
جواب	747	الاان تکون تجارۃ	765
بہت مفید	747	واشھدوا اذاتبایعتم	765
عورت بحیثیت گواہ	748	حدیث شریف سے مسائل کے استنباط میں	
پہلی قسم	748	قاضی مظہری رحمہ اللہ کا موقف	767
دوسری قسم	749	احتیاط یہ ہے کہ گواہ بنالئے جائیں	768
تیسری قسم	749	ولایضار کاتب ولاشھید	769
چوتھی قسم	751	وان تفعلوا فانہ فسوق بکم	770
دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے دلچسپ بحث	752	تنبیہ	770
ولایاب الشھداء اذامادعوا	755	واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ	771
تنبیہ شدید	757	واللہ بکل شیء علیم	772
مسئلہ	757	فائدہ جلیلہ	773
مسئلہ	757	رب تعالی کا حال بندوں سے یہ ہے	773
مسئلہ	758	بندوں کا حال آپس میں	774
دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں	758	وان کنتم علی سفر .... الخ	779

Marfat.com

عنوان	صفحہ
ماقبل سے تعلق	779
آیت کریمہ کا مختصر مطلب	780
وان کنتم علی سفر	780
ولم تجدوا کاتبا	780
فرھان مقبوضة	781
رہن کا اصطلاحی معنی	781
رہن کا لغوی معنی	782
اصطلاحات	782
دینی طلباء کرام کے ذوق کے لئے	782
رہن کے جواز پر دلیل	783
رہن کے لئے قبض کرنا ضروری ہے	783
رہن کی تکمیل کے بعد مرہون کا حکم	784
راہن کے مرہون میں تصرفات	785
مرہون کے نفقہ اور اس کے زوائد کا حکم	786
مرہون کے زوائد بھی مرہون ہوں گے	787
معاشرہ کا بگاڑ	787
فقیہ اعظم رحمہ اللہ کا عظیم فتوی	787
الاستفتاء	788
جواب	788
مرتہن کا مرہون پر خرچ کرنے کا حکم	791
اعتراض	792
جواب	792
مرہون چیز مرتہن کی زمان میں ہوتی ہے	792
احناف کے دلائل یہ ہیں	793
راہن سے ہلاک ہونے پر زمان کا طریقہ	795
مرہون چیز کو روک رکھنے کا حکم	796
مرہون چیز سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا منع ہے	796
مرہون چیز کی حفاظت کون کرے گا	796
مرتہن کا رہن میں تعدی کرنا	797
مرتہن کا رہن میں تصرف کرنا	797
تنبیہ	797
وہ چیزیں جن کا رہن رکھنا منع ہے	798
باپ کو چھوٹے بیٹے، بیٹی کا مال رہن رکھنا	798
کسی تیسرے کے پاس رہن رکھنا	799
راہن کی وفات پر رہن کا حکم	799
فائدہ عظیمہ	799
فان امن بعضکم بعضا	800
اعلی حضرت رحمہ اللہ کا خوبصورت تحقیق پر مبنی ترجمہ	801
ولیتق اللہ ربہ	802
ولاتکتموا الشھادة	802
ومن یکتمھافانہ اثم قلبہ	803
گناہ کی نسبت دل کی طرف کرنے کی کیا وجہ	803
دل کی طرف منسوب کرنے کی اور وجہ یہ ہے	803
اعتراض	804
جواب	804
واللہ بماتعملون علیم	805
آیہ کریمہ سے یہ واضح ہوا	805
مال دولت کا جمع کرنا شرعا منع نہیں	806
تاہم فقر کی تعریف	807
فائدہ جلیلہ	807

Marfat.com

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَھُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَھُمُ اللّٰہُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر،۲۴۳)

﴿۱﴾

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مرجاؤ پھر انہیں زندہ فرمادیا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

﴿۲﴾

کیا آپ کو علم نہیں حاصل ہوا ان لوگوں کا جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو فرمایا ان کو اللہ نے مرجاؤ پھر ان کو زندہ کیا، بیشک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

مختصر مطلب:

نبی کریم ﷺ کو تعجب دلایا جارہا ہے اور آپ کی امت کو درس عبرت دیا جارہا ہے کہ اے نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کیا تمہیں علم حاصل نہیں؟ یقیناً علم حاصل ہے آپ کو ان لوگوں کا جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، وہ موت سے ڈر رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو واقع کردیا، پھر ان کو زندہ کردیا، یہ اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر فضل تھا، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل فرماتا رہتا ہے، حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا شکریہ ادا کریں، لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

Marfat.com

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے پہلے احکام کو بیان فرمایا، اب قصص (واقعات) بیان فرمارہا ہے تاکہ سامعین اس سے عبرت حاصل کریں اور سرکشی اور عناد کو چھوڑ دیں، زیادہ خشوع وخضوع اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالائیں۔ (کبیر)

اللہ تعالیٰ نے پہلے جو احکام بیان فرمائے ان میں وفات کی عدت، اور وفات کی عدت کے دوران زوجہ کو خرچ دینا اور رہنے کا مکان دینا بیان فرمایا، اب یہاں سے عجیب واقعہ کو بیان فرما کر اپنی عظیم قدرت پر متنبہ فرمایا اور یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو وہ قیامت میں بھی تمہیں زندہ کر کے تم سے اعمال کا حساب لے گا، لہذا قیامت کی تیاری کرلو، اور اپنے اعمال درست کرلو، اور جو حقوق تمہارے ذمہ ہیں ان کو پورا کرو اور مشقت پر صبر کرو۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں ذکر فرمایا۔ " كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تعقلون "

اسی طرح واضح طور پر اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات کو تاکہ تم کامل عقل رکھو۔

" ذكر هذه القصة لانها من عظيم آياته وبدائع قدرته "

اس کے بعد یہ واقعہ ذکر کر کے اپنی عظیم نشانیوں کو بیان فرمایا اور اپنی عجیب قدرت کا اظہار فرمایا۔ (روح المعانی)

فائدہ: اس واقعہ کو آنے والے حکم " وقاتلوا في سبيل الله " (اور قتال کرو اللہ کی راہ میں) کے لئے تمہید بھی بنایا جس سے مسلمانوں کو جہاد پر شجاعت دلانی مقصود ہے، اور مسلمانوں کو شہادت پر ابھارا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا درس دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہیں۔ (از روح المعانی)

اس آیۃ کریمہ میں کن لوگوں کا ذکر ہے؟

مفسرین کرام نے تین واقعات کو ذکر کیا ہے، جن میں راقم کا موقف یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ کا تعلق ان تینوں واقعات سے ہے، کیونکہ تمام واقعات نبی کریم ﷺ سے پہلے کے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ سے ان تمام واقعات کی یاد دلا کر اپنی قدرت کا ذکر فرمایا اور مسلمانوں کے لئے اسے درس عبرت بنایا۔

پہلا واقعہ: سدی کی روایت میں ذکر ہے کہ ایک بستی داوردان میں طاعون واقع ہوا، تو وہاں کے کچھ لوگ بستی کو

Marfat.com

چھوڑ کر بھاگ گئے اور کچھ لوگ اس بستی میں رہے۔ جو بھاگ گئے وہ طاعون سے بچ گئے، اور جو وہاں ہی رہے ان میں اکثر طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ طاعون کے ختم ہو جانے پر بھاگ کر جانے والے جب صحیح وسلامت واپس لوٹ کر آ گئے تو وہاں رہ جانے والے کہنے لگے کہ یہ لوگ تو ہم سے زیادہ عقل والے نکلے ہیں کہ یہ طاعون سے بچ گئے ہیں، اگر ہم بھی بھاگ جاتے تو ہم بھی محفوظ رہتے اور ہمارے مرجانے والے لوگ نہ مرتے۔

اب اگر دوبارہ طاعون واقع ہوا تو ہم بھی بھاگ کر اپنے آپ کو بچالیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا امتحان لینے کے لئے دوبارہ طاعون واقع ہو گیا، وہ لوگ وہاں سے بھاگ کر اس جگہ چلے گئے جہاں طاعون واقع نہیں تھا۔ یہ بھاگنے والے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

جب یہ لوگ اپنے خیال کے مطابق بھاگ کر محفوظ جگہ پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے بھیجے، ایک نے وادی کے نیچے کی جانب سے اور دوسرے نے وادی کے اوپر کی جانب سے پکار کر کہا "ان موتو، فھلکوا" مرجاؤ تو وہ مر گئے یہاں تک کے ان کے جسم پرانے ہو گئے یعنی ہڈیاں گل سڑ گئیں۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام گزرے، جب آپ نے ان مرے ہوئے لوگوں کو دیکھا، تو آپ نے کھڑے ہو کر ان کے بارے میں تفکر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی۔

"اتریدان اریک کیف احییھم؟فقال نعم"

کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں دکھاؤں کہ میں ان کو کیسے زندہ کرتا ہوں، تو وہ اللہ کے نبی کہنے لگے ہاں میرے مولیٰ ان کو میرے سامنے زندہ کرتا کہ میں دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کہا۔

" ناد ایتھاالعظام ان اللہ یأ مرک ان تجتمعی"

تم آواز دو کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جمع ہو جاؤ۔

بکھری ہوئی ہڈیاں اللہ تعالیٰ کا پیغام سن کر اپنی اپنی ہڈیوں سے مل گئیں، اپنا اپنا ہر ایک شخص کا ڈھانچا مکمل ہو گیا، پھر اللہ کے نبی کو حکم دیا گیا کہ اب تم کہو۔

"یاایتھا العظام ان اللہ یا مرک ان تکتسی لحماودما"

Marfat.com

کہ اے ہڈیو! بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اب اپنے آپ پر گوشت اور خون کو بھی جمع کرلو، اس طرح ان ہڈیوں پر گوشت اور خون جمع ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کہا کہ اب تم ان گوشت اور خون والی ہڈیوں کو کہو۔

"ان اللہ یا مرک ان تقومی فقامت" بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ کھڑی ہو جاؤ، وہ حکم سنتے ہی کھڑی ہوگئیں۔ اس طرح وہ لوگ زندہ ہو کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔

"سبحانک ربنا وبحمدک لا الہ انت" وہ لوگ زندہ ہو کر اپنی بستیوں کی طرف لوٹ کر آئے۔ کچھ مدت تک زندہ رہے، ان کے چہرے کی زردی باقی رہی، پھر وہ زندہ رہے، اپنی اپنی موت کے وقت ان پر موت آئی۔

دوسرا واقعہ: بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے اپنے فوجیوں کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اس کی فوج کے لوگ عیاش تھے، وہ جنگ سے ڈرنے لگے، وہ دشمن کے مقابلہ سے پیچھے ہٹنے کے قائل تھے، آگے بڑھنے کے قائل ہی نہیں تھے، وہ کہنے لگے وہاں تو وباء پھیلی ہوئی ہے۔

"فنحن لا نذھب الیھاحتی یزول ذلک الو باء فاما تھم اللہ باسرھم"

ہم تو وہاں اس وقت تک نہیں جائیں گے یہاں تک کے وہاں سے وباء زائل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو ماردیا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔

آٹھ دن اسی مردہ حالت میں رہے، یہاں تک کہ ان کے جسم سوج گئے اور بدبودار ہوگئے۔ پیچھے گھروں میں رہنے والے بنی اسرائیل کے عوام کو اپنے فوجیوں کے مرنے کے متعلق جب پتہ چلا تو وہ آئے لیکن مرنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے، اس لئے وہ لوگ ان کو دفن تو نہ کرسکے، البتہ ان کے اردگرد کچھ رکاوٹیں کھڑی کردیں کہ درندے ان کے جسموں کا کھانہ جائیں۔

"فاحیاھم اللہ بعدالثمانیة وبقی فیھم شئ ذلک النتن وبقی ذلک فی اولاد ھم الی ھذاالیوم"

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آٹھ دنوں میں زندہ کردیا، ان کے جسموں میں بو باقی رہی جو آج تک ان کی اولاد کے جسموں میں موجود ہے۔

تیسرا واقعہ: اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کی طرف بھلایا۔ لیکن ان

Marfat.com

کی قوم نے جہاد میں جانا ناپسند کیا اور بزدلی دکھائی، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو بھیجنا شروع فرما دیا۔ جب ان میں زیادہ موت واقع ہونے لگی تو وہ موت سے ڈر کر سیانے (عقلمند) بن کر ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے کہ وہ موت سے بچ جائیں گے۔ حضرت حزقیل علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ پہلے تو یہ جہاد کے لئے آمادہ نہیں ہوئے، اب اپنے شہروں سے بھاگ کر گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مقابلہ رہے ہیں تو آپ نے ان الفاظ میں ان کے خلاف دعاء کی۔

"اللھم الہ یعقوب والہ موسی تری معصیۃ عبادک فأرھم آیۃ فی انفسھم تد لھم علی نفاذ قدرتک وانھم لا یخرجون عن قبضتک "

اے اللہ اے حضرت یعقوب علیہ السلام کے معبود اور اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود! تو اپنے بندوں کی نافرمانی کو دیکھ رہا ہے تو ان کو ان کی جانوں میں کوئی ایسی نشانی دکھا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ تیری قدرت غالب اور جاری وساری ہے، وہ تیرے قبضہ سے نکل نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعاء کو قبول فرمایا" فارسل اللہ علیھم الموت " تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو بھیج دیا، وہ تمام مر گئے۔

لیکن ان کی موت پر حضرت حزقیل علیہ السلام کو پریشانی لاحق ہوگئی، اور ان پر رحم کرتے ہوئے"فدعا مرۃ اخری فا حیا ھم اللہ تعالیٰ "ان کے لئے پھر دعاء رحمت کر دی۔ اے رب کائنات ان کو زندہ کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو پھر قبول کرتے ہوئے ان کو زندہ کر دیا۔ (ماخوذ از کبیر وخازن وروح المعانی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا موقف:

آپ نے بھی مختصر الفاظ میں ان واقعات کو بیان فرمایا، لیکن اس کے بعد اپنا مختار قول یوں بیان فرمایا۔

"وھذہ القصص کلہ لین الا سانید وانما اللازم من الآیۃ ان اللہ تعالیٰ اخبر نبیہ محمدا ﷺ اخبارا فی عبارۃ التنبیہ والتوقیف عن قوم من البشر خرجوا من دیارھم فرارا من الموت فاماتھم اللہ تعالیٰ ثم احیاھم لیروھم وکل من خلف من بعدھم ان الاماتۃ انما ھی بید

Marfat.com

اللہ تعالیٰ لا بید غیرہ،فلا معنی لخوف خائف ولا لاغترار مغتر" (قرطبی)

ان تمام واقعات کی روایت کے اسناد میں نرمی (ضعف) پایا جاتا ہے،آیۃ کریمہ میں مقصد یہ بیان کرنا ہے کے رسول اللہ ﷺ کی امت کو خبر دی جائے کہ اس آیۃ کریمہ میں اس بات پر متنبہ (خبردار) کیا گیا ہے کہ وہ لوگ موت کے ڈر سے بھاگے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کو مسلط کر دیا، وہ مر گئے تو پھر ان کو زندہ کر دیا، تو اے آنے والے لوگو! تم بھی سمجھ لو کہ موت حیات سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، کسی اور کے ہاتھ میں نہیں، لہٰذا نہ ہی کسی کے ڈرانے سے ڈرنا اور نہ ہی کسی دھوکا دینے والے کے دھوکے میں آنا۔

یعنی علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ واقعات کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی واقعہ کو معین کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ آیۃ کریمہ کے بیان کے مقصد کو دیکھا جائے۔ یہی قول میرے روح جان حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ نے پسند کرتے ہوئے ضیاء القرآن میں ذکر کیا ہے۔

راقم کا موقف:

اس مسئلہ میں راقم کا موقف یہ ہے کہ واقعات اگر چہ ضعیف الاسناد بھی ہوں تو بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگوں کا ذکر ہے تو وہ مراد تو ضرور ہیں، اور تینوں واقعات ہی معتبر ہیں اور تینوں ہی اجتماعی طور پر مراد ہیں، اور آیۃ کریمہ کا مقصد بھی ذہن میں ضرور رکھا جائے، صرف واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے مقصد بیان کو ذہنوں سے نہ نکال دیا جائے۔ مقصد درس عبرت ہی ہے۔

"الم ترالی الذین خرجوا من دیارھم":

"کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا ان لوگوں کا جو نکلے اپنے گھروں سے۔"

"اعلم ان الرؤیۃ قد تجئ بمعنی رؤیۃ البصیرۃ و القلب وذلک راجع الی العلم کقولہ وارنا مناسکنا" معناہ "علمنا" وقال "فاحکم بین الناس بما اراک اللہ" ای علمک"

Marfat.com

بیشک " رؤیۃ " کا معنی کبھی بصیرت یعنی دل سے دیکھنا، ہوتا ہے۔ اور اس کا مطلب علم ہوتا ہے، جیسا کے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی " وارنا مناسکنا " کا معنی یہ ہے ''ہمیں ہماری عبادت کا علم عطا فرما۔
اور رب تعالیٰ نے فرمایا "فاحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ" کا معنی یہ ہے '' آپ فیصلہ فرمائیں لوگوں کے درمیان اس سے جو اللہ نے آپ کو علم عطاء کیا''۔

رؤیۃ قلبی (دل سے دیکھنا یعنی علم حاصل ہونا) کی پھر دو قسمیں ہیں، کبھی مخاطب کو پہلے علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ کلام کا تعلق ابتداء سے ہوتا ہے، جس طرح کوئی شخص دوسرے کو کہے "الم ترالی ماجری علی فلان" کیا تمہیں فلاں شخص کے جاری رہنے والے کام کا علم حاصل نہیں، اس کلام کا مقصد دوسرے کو بتانا ہوتا ہے، جسے پہلے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔

رؤیۃ قلبی کی دوسری قسم یہ ہے کے جب کسی کو پہلے سے علم حاصل ہوتا ہے، پھر بات کو پختہ کرنے کے لئے استفہام انکاری کے طور پر یہ کلام کیا جاتا ہے " الم تر " کیا تمہیں علم حاصل نہیں؟ یعنی یقیناً تمہیں علم حاصل ہے۔

دونوں معانی مراد ہوسکتے ہیں:

"فعلی ھذا یجوز ان یکون النبی ﷺ لم یعرف ھذہ القصۃ الا بھذہ الآیۃ "
پہلے معنی کے لحاظ سے اس آیۃ کریمہ یہ احتمال پایا گیا ہے کے نبی کریم ﷺ کو پہلے اس واقعہ کا علم نہ ہو بلکہ اس آیۃ کریمہ کو نازل فرما کر آپ کو علم عطا کیا گیا ہو۔

" ویجوز ان نقول کان العلم بھا سابقا علی نزول ھذہ الآیۃ ثم ان اللّٰہ تعالیٰ انزل ھذہ الآیۃ علی وفق ذلک العلم "
دوسرے معنی کے لحاظ سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کے نبی کریم ﷺ کو اس آیۃ کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے اس واقعہ کا علم حاصل تھا، آپ کے علم کے مطابق آیۃ کریمہ کو نازل کیا گیا۔ اب مطلب واضح ہے کے یہ کہا گیا ہے۔ کیا آپ کو علم حاصل نہیں؟ یعنی یقیناً آپ کو علم حاصل ہے۔ (از کبیر)

" الم تر " کا خطاب کسے؟

ظاہر تو یہی ہے کے یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو کیا گیا، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ کو بھی ہے اور آپ

Marfat.com

کے ساتھ آپ کی امت کو بھی ہو، البتہ ابتداء خطاب کی آپ سے ہو، پھر امت کو خطاب ہو، جیسا کہ " یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء " الخ میں خطاب آپ کو بھی ہے اور آپ کی امت کو بھی خطاب کیا گیا ہے۔ (کبیر)

راقم نے یوں سمجھا:

جب اس آیۃ کریمہ میں خطاب نبی کریم ﷺ کو بھی ہے اور آپ کی امت کو بھی، تو اسی سے راقم نے سمجھا کے یوں کہا جائے کے جب نسبت خطاب نبی کریم ﷺ کی طرف ہو تو یوں کہا جائے کیا آپ کو علم حاصل نہیں؟ یقیناً آپ کو تو پہلے سے ہی علم حاصل ہے، اور جب خطاب کی نسبت امت کی طرف ہو تو یہ کہا جائے، کیا تمہیں علم حاصل نہیں؟ ہاں تمہیں اب نبی کریم ﷺ کے واسطے سے علم عطاء کیا جارہا ہے۔

لفظ "الی" کا مطلب :

" الی " انتہاء کے لئے ہے، جب رویۃ کا معنی علم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا۔

"فمن علم بتعلیم معلم فکأن ذلک المعلم اوصل ذلک المتعلم الی ذلک المعلوم وانهاء الیه "

کہ معلم نے متعلم کو علم عطاء کیا یعنی متعلم تک معلومات پہنچانے میں انتہا کردی۔ (کبیر)

اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جو معلم حقیقی ہے اس نے اپنے متعلم خاص یعنی نبی کریم ﷺ کو معلومات عطاء کر کے آپ تک علم کی انتہاء کردی، یعنی آپ کو پہلے ہی علم عطاء فرمادیا تھا، پھر اس آیۃ کریمہ کے ذریعے اس کی مزید وضاحت فرمادی۔

رؤیۃ بمعنی دیکھنا:

ایک اور احتمال یہ ہے کہ "الم تر" کا معنی یہ کیا جائے "کیا آپ نے نہیں دیکھا"۔

" واذا عدی رایت بالی اقتضی معنی النظر المودی الی الاعتبار " (مفردات راغب)

"روية" جب " الی " کے ذریعے متعدی ہو تو دیکھنے والا معنی آتا ہے، جو عبرت حاصل کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

Marfat.com

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ تمام کائنات سے پہلے نبی کریم ﷺ کی تخلیق ہوئی اور تمام جہان آپ کے سامنے بنایا گیا، اب یہ کہنا بھی تعجب دلانے اور شوق دلانے کے لئے خوبصورت انداز ہے" کیا آپ نے نہیں دیکھا؟" یقیناً آپ نے دیکھا ہے۔

راقم نے "علم" والا ترجمہ کیا ہے تا کہ طلباء کرام کی نظر تمام مطالب کی طرف ہو۔ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس مقام میں " رویة" کا معنیٰ مجازی کہا ہے۔ "والرویة اما بمعنی الا بصار مجازا عن النظر" رویۃ کا معنیٰ دیکھنا یہاں مجازی ہے۔ (روح المعانی)

"وهم الوف": "اور وہ ہزاروں تھے۔"

وہ کتنے ہزار تھے؟ اگر چہ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

"والصحیح انهم زادوا علی عشرة آلاف لقوله تعالیٰ (وهم الوف) وهو جمع الکثرة ولا یقال فی عشرة فما دونها الوف" (قرطبی)

لیکن صحیح قول یہی ہے کہ وہ دس ہزار سے زائد تھے، چونکہ " الوف" جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا۔ تاہم تلویح اور حاشیہ عبد الغفور میں یہ بھی آتا ہے کہ جمع کثرت تین سے شروع ہو جاتی ہے اور دس پر رکتی نہیں، اس قانون کے لحاظ سے دوسرے اقوال کو صحیح قرار دیا جا سکتا ہے "واللہ اعلم بالصواب"

"حذر الموت": "موت کے ڈر سے۔"

یعنی ان لوگوں کے گھروں سے نکلنے کا سبب موت کا ڈر تھا، دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء کرام بخوبی یہ مسئلہ جانتے ہیں کہ یہ مفعول لہ ہے، مفعول لہ میں نصب کے آنے کے لئے لام تعلیلیہ کو مقدر مانا جاتا ہے۔ اصل میں "لحذر الموت" تھا۔ (از قرطبی)

"فقال لهم الله موتوا": "تو کہا ان کو اللہ نے مر جاؤ۔"

Marfat.com

ان الفاظ مبارکہ کا وہی مطلب ہے جو"انما قولنالشئ اذاارد ناہ ان نقول له کن فیکون"کا مطلب ہے۔

"یعنی انه لیس المراد منه اثبات قول بل المراد انه تعالٰی متی اراد ذلک وقع من غیر منع و تأخیر"

رب تعالیٰ کو کہنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی، بلکہ جب وہ کسی چیز کے واقع ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ چیز بغیر کسی رکاوٹ کے اور بغیر کسی تاخیر کے واقع ہو جاتی ہے۔

اب مطلب یہ ہوگیا کہ رب تعالیٰ نے ان کی موت کا ارادہ ہی فرمایا تو وہ مر گئے، اسی طرح"انماقولنا لشئ الخ" کا ترجمہ بھی یوں کیا جا سکتا ہے"بیشک ہمارا ارادہ کسی چیز کا، جب ہم اس کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ہمارے ارادۂ کن سے ہی وہ چیز واقع ہو جاتی ہے"یعنی قول بمعنی ارادہ واقع ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے کہلایا ہو کے"تم مرجاؤ"تو وہ مر گئے ہوں۔(از کبیر)

لیکن یہ بھی خیال میں رہے کے کبیر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے"والقول الأول اقرب الی التحقیق" پہلا معنی ہی بہتر ہے کیونکہ وہ تحقیق کے زیادہ قریب ہے۔

"ثم احیا هم": "پھر ان کو زندہ کیا۔"

یہاں سے دو مسئلے حاصل ہو گئے، ایک یہ کے جب ان کے مرنے کا ارادہ کیا یا ان کو کہا کہ مرجاؤ تو وہ مر گئے، کیونکہ زندہ کرنے کا یہی مطلب ہے کے وہ مر گئے تھے تو ان کو زندہ کیا۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ ان کی موت کے بعد کچھ دیر بعد انہیں زندہ کیا گیا، یہ مسئلہ "ثم" سے سمجھ آیا کیونکہ "ثم" تراخی کے لئے آتا ہے، پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کو موت کے آٹھ دن بعد زندہ کیا گیا۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ جو صادق ذات ہے جب اس نے خبر دی کہ ان کو موت کے بعد زندہ کیا تو اس پر یقین رکھنا اور ایمان لانا ضروری ہو گیا، اور اس پر ایمان رکھنا بھی واجب ہے کہ بکھرے ہوئے اجزاء کو اپنے ہی اجزاء سے ملا دینا ممکن ہے اور پہلی صورت پر واپس لوٹانا ممکن ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہی لوگ اپنی اپنی صورتوں اور اپنے اپنے اجزاء یعنی ہڈیوں، گوشت اور

Marfat.com

خون سے زندہ نہ ہوتے بلکہ خلط ملط (گڈمڈ) ہوتے، حالانکہ وہ حقیقی طور پر اپنی اصلی حالت میں زندہ ہوئے۔

معتزلہ کہتے ہیں یہ کام خرق عادت (عادت کے خلاف) ہے، خرق عادت کام صرف نبی سے بطور معجزہ سرزد ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔

اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کے خرق عادت کام کو صرف نبی کے معجزہ میں بند کر غلط ہے۔ خرق عادت کام ولی سے بطور کرامت بھی سرزد ہوتا ہے۔ اور جو کام لوگوں کی عادت کے خلاف ہو رب تعالیٰ کے "ارادہ کن" سے واقع ہونا اس کی قدرت عظیمہ ہے، لہٰذا رب تعالیٰ کی طرف موت کے بعد زندہ کرنے کی نسبت کو محال کہنا ہی درحقیقت محال ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

مسئلہ عجیبہ: ان لوگوں پر جو موت واقع ہوئی اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ان پر موت اچانک واقع ہوئی ہو، ان کو موت کی شدت اور ہولناکی کا علم حاصل نہ ہوا، جس طرح سوتے ہوئے کسی کو نیند آ جائے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے ہولناکیوں اور شدتوں کا مشاہدہ کر لیا، پھر ان پر موت واقع ہوئی ہو اور پھر ان کو زندہ کر لیا ہو۔

"وان عاينوا الاهوال والاحوال التى معها صارت معارفهم ضرورية"

اگر انہوں نے ہولناکیوں اور احوال کی شدت کا مشاہدہ کر لیا تھا تو ان کی معرفت ان لوگوں پر ضروری اور بدیہی درجہ میں آ گئی۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ زندہ ہونے کے بعد پھر زندگی بھر ان کو وہ حالات بھولے نہیں ہوں گے۔ ساری زندگی ان کے سامنے وہ ضروری اور بدیہی درجہ میں رہے ہوں۔ اور یہ بھی واضح قانون ہے۔

"وبقاء تلك المعارف الضرورية يمنع من صحة التكليف كما انه لا يبقى التكليف في الآخرة، واما ان يقال انهم بقوا بعد الاحياء غير مكلفين وليس في الآية مايمنع منه"

جب ان کو ضروری اور بدیہی معرفت حاصل ہونے کا قول کیا جائے تو یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ زندگی کے بعد احکام شرائع کے مکلف نہیں رہے تھے، کیونکہ معرفت بدیہیہ پر تکلیف مرتب نہیں ہوسکتی جس طرح آخرت میں کوئی شخص احکام شرعیہ کا مکلف نہیں ہوگا صراحۃً نہ ذکر کیا گیا اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ احتمال ہو کہ ان پر اچانک موت واقع ہوگئی تھی جیسے سوتے ہوئے موت واقع ہو جائے تو ان کو موت کی ہولناکی اور شدت کا بدیہی علم حاصل نہیں ہوا ہوگا، بلکہ انہیں پھر جب موت آئے گی تو ان چیزوں کا سامنا کرنے پڑے گا۔ اس احتمال پر وہ زندہ

Marfat.com

رہنے کے بعد بھی احکام شرعیہ کے مکلف رہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا دونوں احتمال عقل تسلیم کرتی ہیں۔ " واللہ اعلم بحقائق الامور" حقیقی امور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (کبیر)

تاہم راقم کا خیال یہ ہے کہ ان کو مارا ہی غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے تھا، اس لئے ان پر موت اچانک واقع ہوئی ہوگی اور وہ زندہ رہنے کے بعد مکلف رہے ہوں گے۔" واللہ اعلم با لصواب "

"ان اللہ لذوفضل علی الناس": "بیشک اللہ فضل والا ہے لوگوں پر۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کا تمام لوگوں پر فضل ہے، اس حکم کو مطلق بھی رکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور اس خاص واقع سے بھی متعلق ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو موت کے بعد زندہ کر کے ان پر خاص فضل فرمایا کیونکہ اگر وہ اسی طرح مرے رہتے تو ان کی موت تو معصیت پر آئی تھی کیونکہ وہ اپنی عقلوں کے مطابق اپنے آپ کو موت سے بچانا چاہتے تھے گویا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم قدرت باری تعالیٰ سے مقابلہ کر سکتے ہیں یہ عظیم معصیت تھی، ان کو زندہ کر کے توبہ کی توفیق عطاء کردی، یہ ان پر فضل تھا۔ اور دوسرے لوگوں کو ان کے اس واقعہ سے درس عبرت عطاء کر کے ان پر فضل فرمادیا۔ (از روح المعانی و کبیر)

عرب لوگ قیامت کا انکار کرتے تھے، درحقیقت وہ یہود کے اقوال سے دلیل پکڑتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے یہود کو متنبہ کیا، جو پہلے ہی اس واقعہ کا علم رکھتے تھے، جب یہود نے اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے عرب لوگوں کو بتایا تو وہ قیامت کے انکار کو چھوڑ کر قیامت پر ایمان لے آئے، اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو عذاب سے بچالیا اور ثواب کے مستحق ہو گئے۔

" فکان ذکر ھذہ القصۃ فضلا من اللہ تعالیٰ واحسانافی حق ھؤلاء المنکرین"

اس واقعہ کا ذکر منکرین قیامت کے لئے رب تعالیٰ کی طرف بہت بڑا فضل واحسان تھا کہ ان کو توبہ کی توفیق مل گئی وہ قیامت پر ایمان لے آئے۔

Marfat.com

اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ موت سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں ،اس واقعہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت پر قائم رہنے کی شجاعت دلائی گئی اور ان کے دلوں سے موت کے ڈر کو زائل کیا گیا۔اس واقعہ کے ذکر سے گویا کہ انسان کو معصیت سے دور کیا گیا اور طاعت کے قریب کیا گیا جو ثواب عظیم کا سبب ہے،اس سے یہ واضح ہوا کہ......

" فكان ذكر هذه القصة فضلا واحسانا من الله تعالٰى على عبده"

اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل واحسان ہے۔ (کبیر)

"ولكن اكثر الناس لا يشكرون": لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

یعنی جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ اس کا شکر نہیں کرتے ،کافر لوگ تو مطلقاً شکر نہیں کرتے اور مومن لوگ کامل شکر نہیں کرتے جیسا شکر کرنے کا حق ہے۔ (خازن)

حضرت حزقیل علیہ السلام:

بنی اسرائیل کے موسی علیہ السلام کے بعد تیسرے خلیفہ تھے ، کیونکہ موسی علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون آئے ،ان کے بعد کالب بن یوقنا خلیفہ بنے اور ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام آئے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کی کنیت:

آپ کی کنیت "ابن العجوز" تھی عجوز بڑھیا عورت کو کہا جاتا ہے۔آپ کی یہ کنیت رکھنے کی وجہ یہ تھی۔

"لان امه كانت عجوزا فسالت الله تعالٰى الولد بعدما كبرت وعقمت فوهب الله لها حزقيل"

کہ آپ کی والدہ بڑھاپے کی عمر میں تھیں تو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے اولاد کا سوال کیا حالانکہ وہ عمر بانجھ ہونے کی تھی ،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرمایا اور ان کو بیٹا حزقیل عطاء کردیا۔

اسی وجہ سے ان کی کنیت " ابن العجوز "(بڑھیا کا بیٹا) ہوگئی۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا لقب:

Marfat.com

آپ کا لقب ذوالکفل تھا۔"ویقال له ذو الکفل سمی به لأنه تکفل سبعین نبیاء انجاهم من القتل"ان کو ذوالکفل کہا جاتا تھا کیونکہ انہوں نے ستر نبیوں کی کفالت کی اوران کو قتل سے بچایا۔ (ماخوذ از خازن)

یہ بھی واضح ہے کہ ایک ایک وقت کئی کئی نبی رہے جو مختلف خطوں میں مقرر رہے، اس لئے ستر نبیوں کی کفالت پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

تنبیہ: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی ذوالکفل کا صراحۃً ذکر کیا ہے، لیکن وہ اور نبی ہیں، اس سے مراد حضرت حزقیل علیہ السلام نہیں، کیونکہ آپ نام سے زیادہ مشہور تھے، لقب سے زیادہ مشہور نہیں تھے، مشہور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ راقم کی کتاب تذکرۃ الانبیاء کو دیکھیں۔

طاعون کیا ہے؟

طاعون ایک بیماری کا نام ہے جس کی وجہ سے جسم میں آبلے (چھالے، پھنسیاں) بن جاتے ہیں، وہ آبلے اگر چہ سارے جسم میں ہوتے ہیں لیکن کہنیوں کے اندرونی حصہ میں اور بغلوں میں اور ہاتھوں اور انگلیوں پر زیادہ ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ورم ہو جاتا ہے (سوجن ہو جاتی ہے) اور بڑا شدید درد ہوتا ہے، اوران میں شدید جلن ہوتی ہے، ان آبلوں کا اردگرد سیاہ، سرخ، سبز اور مٹیالا ہو جاتا ہے، دل میں خفقان پیدا ہو جاتا ہے۔

طاعون کا حکم کیا ہے؟

(۱) جس مقام میں طاعون ہو وہاں سے موت کے ڈر کی وجہ سے بھاگے نہیں۔

(۲) جب یہ پتہ چلے کہ فلاں جگہ طاعون کی مرض پھیلی ہوئی ہے وہاں نہ جائے۔

(۳) جس جگہ طاعون واقعہ ہو وہاں سے بھاگنے کی غرض سے نہیں، بلکہ اس عقیدہ سے کہ موت تو ہر جگہ پر آنی ہی آنی ہے، موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے، میرے یہاں سے نکلنے کی وجہ سے موت ٹل نہیں سکتی، البتہ میں یہاں سے آب وہوا بدل لینے کی غرض سے نکل جاؤں تو بہتر ہے، اس عقیدہ سے وہاں سے نکل جانا جائز ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ پر توکل رکھتے ہوئے مقام طاعون میں ہی رہے اور موت واقعہ ہو جائے تو اسے درجہ شہادت حاصل

Marfat.com

ہوگا۔ان تمام مسائل پر احادیث ودلائل کو دیکھیں۔

☆ ”عن سعدبن ابی وقاص انه سمعه یسأل اسامة بن زید ماذا سمعت من رسول الله ﷺ فی الطاعون فقال اسامة قال رسول الله ﷺ الطاعون رجز ارسل علی بنی اسرائیل او علی من قبلکم فاذااسمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذاوقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارامنه وقال ابو النضر لایخرجکم الا فرار منه“ (مسلم، ج۲، باب الطاعون)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ایک شخص حضرت اسامہ سے سوال کر رہے تھے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق کیا سنا ؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا طاعون عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بھیجا یا تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا (راوی کو شک تھا) جب تم سنو کہ فلاں زمین میں طاعون ہے تو وہاں تم نہ جاؤ، جب تم کسی زمین پر ہو تو وہاں طاعون واقع ہو جائے تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو، ابو النضر نے (راوی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا کہ تمہیں وہاں سے نہ نکالے سوائے بھاگنے کے۔

” قال العلماء هذاالوباء قدیرسله الله نعمة وعقوبة علی من یشأء من العصاة من عبید وکفرتهم وقد یرسله شهادة ورحمة للصالحین“ (قرطبی)

نافرمان اور کافرلوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ طاعون کو بطور عذاب بھیجتا ہے۔لیکن وہی طاعون اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

☆ ” قال رسول الله ﷺ الطاعون شهادة والمطعون شهید“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاعون شہادت ہے۔اور جو شخص طاعون کی وجہ سے فوت ہو جائے وہ شہید ہے،لیکن یہ مرتبہ اس شخص کو حاصل ہوگا۔

” قوله والمطعون شهید ای الصابر علیه المحتسب اجره علی الله العالم انه لن یصیبه الاما کتب الله علیه “

جس نے طاعون کی مرض پر صبر کیا،اللہ تعالیٰ اسے اجر عطاء فرماتا ہے،وہی مرتبہ شہادت حاصل کرتا ہے جسے

Marfat.com

یقین حاصل ہوتا ہے کہ ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی اور نہ ہی موت واقع ہوسکتی سوائے اس وقت کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

" ولذلک تمنى معاذ ان يموت فيه لعلمه ان من مات فهو شهيد"

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب معلوم تھا کہ طاعون کی وجہ سے واقع ہونے والی موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے تو آپ نے طاعون میں موت کی تمنا فرمائی۔

"واما من جزع من الطاعون وكرهه وفر منه فليس بداخل فی معنی الحديث" واللہ اعلم"

جو آدمی طاعون کی وجہ سے جزع وفزع کرے، صبر نہ کرے اور بیماری کو ناپسند کرے۔ اور وہاں سے بھاگ کر اپنے آپ کو موت سے بچانے کی کوشش کرے وہ حدیث پاک میں بیان کی ہوئی فضیلت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ (القرطبی)

موت سے بھاگنا نفع مند نہیں:

کوئی شخص یہ خیال کرے کہ وہ بھاگ کر اپنے آپ کو موت سے بچالے گا، تو اس کا یہ خیال باطل ہے ارشادات باری تعالیٰ کے مخالف ہے، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"قل لن ينفعكم الفرار ان فررتم من الموت او القتل"

اے محبوب! آپ فرمادیں ہرگز تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا، اگر تم موت یا قتل سے بھاگے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقيكم "

اے محبوب! فرمادو بیشک موت جس سے تم بھاگ رہے ہو وہ یقیناً تمہیں ملنی ہے۔ رب قدوس کا اور ارشاد یہ ہے۔" اينما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم فی بروج مشيدة "

تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں پالے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

اور رب تعالیٰ کا ارشاد ہے " فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون"

Marfat.com

تو جب ان کی اجل آ گئی تو ایک گھڑی بھی اس سے تاخیر نہیں ہوگی اور نہ ہی تقدیم ۔

نتیجہ واضح ہوا "الفرار من قدر الله عزوجل لامحيص لأحدعنه" بھاگنے سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی حکم تمام وبائی امراض کا ہے، کوئی مرض ذاتی طور پر متعدی (ایک سے دوسرے کی طرف تجاوز کرنے والی) نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہے مریض کردے جسے چاہے نہ مریض کرے۔

کسی علاقہ میں وبائی مرض کسی قسم کی واقع ہو تو وہاں سے بھاگے نہیں، اور پتہ چل جائے تو وہاں جائے نہیں، بھاگنے کا ارادہ نہ ہو، عقیدہ درست ہو تو وہاں سے نکل سکتا ہے۔

☆ " عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الفرار من الطاعون كالفرار من الزحف والصابر فيه كالصابر فى الزحف "

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں طاعون سے بھاگنا ایسے ہی ہے جیسے جہاد سے بھاگنا ہے، (جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ اس پر شدید ناراض ہوتا ہے) اور طاعون میں صبر کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے کہ جہاد میں صبر کرنے والا ہے، (کیونکہ جہاد میں ثابت قدم رہنا صبر سے کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سبب ہے اور عظیم مرتبہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے) (ماخوذ از احکام القرآن للجصاص)

مقام طاعون سے ارادۂ فرار کے بغیر نکلنا جائز ہے:

چونکہ حدیث شریف میں جس نکلنے سے منع کیا گیا اس میں "فرارا عنه" کی قید ہے کہ بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے نہ نکلے، اور حدیث شریف کے راویوں میں سے ابوالنضر کی وضاحت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے "لايخرجكم الا فرارا منه" یعنی جس سے نکلنے کی ممانعت ہے اس سے وہ نکلنا مراد ہے جو صرف بھاگنے کے ارادہ سے ہو۔

"قوله عليه السلام "اذاوقع الوباء بأرض وانتم بهافلا تخرجوا فرارا منه" دليل على انه يجوز الخروج من بلدة الطاعون على غير سبيل الفرار منه اذااعتقدان ما اصابه لم يكن ليخطئه"

Marfat.com

"نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ جس زمین میں وبائی مرض ہو وہاں سے تم بھاگ کر نہ نکلو' دلیل ہے اس پر کے طاعون والے شہر سے بغیر بھاگنے کے ارادے سے نکلنا جائز ہے، جبکہ عقیدہ یہ ہو کہ جو مصیبت اسے پہنچنی ہے وہ ٹل نہیں سکتی وہ ضرور پہنچ کر رہے گی۔اسی سے ایک اور مسئلہ حل ہو گیا۔

"وکذلک حکم الداخل اذا یقن ان دخولها لا یجلب الیه قدرا لم یکن الله قدره له، فمباح له الدخول الیه"

ایک جگہ پر طاعون یا کوئی اور وبائی مرض واقع ہو تو ایک شخص وہاں اس پختہ ایمان ویقین سے چلا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر میری تقدیر میں وہ مرض میرے لئے مقدر نہیں کی تو میں وہاں چلا گیا تو پھر بھی مجھے وہ مرض کبھی بھی لاحق نہیں ہو سکتی، تو اس صاف وشفاف عقیدہ سے وہاں اس کا جانا جائز ہے

یعنی ان مسائل کی دارومدار اور جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا تعلق عقیدہ سے ہے، درست عقیدہ سے مقام طاعون میں جانا بھی جائز ہے اور وہاں سے نکلنا بھی جائز، اور اگر عقیدہ درست نہ ہوا تو وہاں جانا اور وہاں سے نکلنا ناجائز ہوں گے۔ (ماخوذ از قرطبی)

طاعون عمواس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

شام کے ایک علاقہ میں ایک بستی عمواس میں طاعون واقع تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھ ایک قافلہ بھی ادھر ہی جا رہا تھا، آپ کو جب طاعون کی خبر دی گئی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، پھر ایک حدیث پاک سے دلیل پکڑتے ہوئے آپ نے واپس ہونے کو ترجیح دی، اس مکمل واقعہ کو مندرجہ ذیل حدیث پاک میں دیکھیں۔

☆ عن عبد الله بن عباس ان عمر بن الخطاب خرج الی الشام حتی اذا کان بسرغ لقیه اهل الاجناد ابو عبیدة بن الجراح واصحابه فاخبروه ان الوباء قد وقع بالشام قال ابن عباس فقال عمر ادع لی المهاجرین الاولین فدعوتهم فاستشار واخبرهم ان الوباء وقع بالشام فاختلفوا فقال بعضهم قد خرجت لامر ولا نری ان ترجع عنه' وقال بعضهم معک بقیة الناس واصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا نری ان

Marfat.com

تقدمهم علی هذاالوباء 'قال ارتفعوا عنی 'ثم قال ادع لی الانصار فدعوتهم له فاستشارهم فسلکوا سبیل المهاجرین واختلفوا کاختلافهم 'فقال ارتفعوا عنی' ثم قال ادع من کان ههنامن مشیخة قریش من مهاجرة الفتح فدعوتهم فلم یختلف علیه رجلان فقالوا نری ان ترجع بالناس ولا تقدمهم علی هذا الوباء 'فنادی عمر فی الناس انی مصبح علی ظهر 'فاصبحوا علیه "فقال ابو عبیده بن الجراح افرارامن قدر الله" فقال عمر لو غیرک قالها یااباعبیدة عمر یکره خلافه 'نعم نفر من قدر الله الی قدر الله ارأیت لو کانت لک ابل فهبطت وادیا له عدوتان احدهما خصیبة والاخری جدبة الیس ان رعیت الخصبة رعیتها بقدر الله وان رعیت الجدبة رعیتها بقدر الله 'قال جاء عبدالرحمن بن عوف وکان متغیبا فی بعض حاجته فقال ان عندی من هذا علما سمعت رسول الله ﷺ یقول اذاسمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه قال فحمدالله عمر بن الخطاب ثم انصرف" (مسلم ج۲ باب الطاعون)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام (کے علاقہ عمواس) کی طرف نکلے، جب مقام سرغ پر پہنچے تو آپ کو اہل اجناد (شام وفلسطین وغیرہ کی طرف سے آنے والے) ابوعبیدہ بن جراح اوران کے ساتھی ملے، انہوں نے خبر دی کہ بیشک شام کے علاقہ میں وباء پھیلی ہوئی ہے (یعنی طاعون کی مرض میں لوگ مبتلا ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس اولین مہاجرین کو بلایا جائے، تو میں نے ان کو بلایا، (وہ آگئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا اوران کو خبر دی شام کے علاقہ میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے، مہاجرین نے اپنی اپنی رائے دینے میں اختلاف کیا، بعض نے کہا آپ ایک کام (نیک مقصد جہاد) کے لئے نکلے ہیں، ہم یہ رائے نہیں دیتے کہ آپ اس سے لوٹ جائیں (بلکہ اپنے کام کو پورا کرنے کے لئے وہاں ضرور جائیں) اور کچھ حضرات نے کہا کہ آپ کے پاس باقی لوگ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام آپ کے ساتھ ہیں (یعنی رسول کریم ﷺ کے پیچھے رہنے والے آپ کی یادگار لوگ اور آپ کی

Marfat.com

نشانی کے طور پر رہنے والے لوگ آپ کے ساتھ ہیں) ہم یہ رائے نہیں دیتے کہ آپ اس وباء والے علاقے میں جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اولین مہاجرین کو فرمایا، آپ تشریف لے جائیں (اختلاف کی وجہ سے آپ نے ان میں سے کسی کی رائے پر کوئی فیصلہ نہ فرمایا)

پھر آپ نے فرمایا میرے پاس انصار حضرات کو بلایا جائے، حضرت ابن عباس ان کو بلا کر لے آئے، آپ نے ان سے مشورہ کیا، وہ بھی مہاجرین کے راستہ پر چلے اور ان کی طرح ان کا بھی اختلاف ہوا، آپ نے ان کو بھی فرمایا کہ تشریف لے جاؤ، پھر آپ نے فرمایا میرے پاس فتح مکہ کے وقت ہجرت کرنے والے بزرگ حضرات یعنی بڑی عمر کے مشائخ کو بلایا جائے، حضرت ابن عباس ان کو بلا کر لے آئے، (ان سے آپ نے مشورہ کیا) تو ان میں سے دو شخصوں نے بھی آپس میں کوئی اختلاف نہ کیا (یعنی اجتماعی اور اتفاقی رائے یہ دی) انہوں نے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے لوٹ جائیں طاعون والے علاقہ میں نہ جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مشائخ کی رائے کے بعد) اعلان فرما دیا میں صبح واپس جا رہا ہوں، تم بھی واپس لوٹ جاؤ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوعبیدہ کاش کہ تمہارے بغیر کوئی اور یہ بات کرتا، یعنی آپ نے کہا (ایک جلیل القدر صحابی) ان کے اختلاف کو پسند نہیں فرمایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں اگر تمہارے اونٹ ہوں اور تم ان کو ایک وادی میں لے جاؤ جس کی ایک طرف سرسبز و شاداب ہو اور دوسری طرف خشک ہو، تو کیا ایسا نہیں کہ اگر تم سرسبز و شاداب طرف اپنے اونٹوں کو چراؤ تو تم نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق چرایا، اور اگر تم خشک طرف چراؤ تو تم نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق چرایا؟

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اتنی دیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے جو اپنی حاجت کی وجہ سے کہیں گئے ہوئے تھے، وہاں موجود نہ تھے، انہوں نے کہا میرے پاس اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطاء کیا ہوا علم موجود ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جب تم کسی علاقہ کے متعلق سنو کہ وہاں وباء ہے تو وہاں نہ جاؤ، اور اگر تم کسی جگہ موجود ہو وہاں وباء آ جائے تو تم وہاں سے نکلو نہیں، حضرت ابن عباس کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (فرمان نبوی کو سن کر) اللہ تعالیٰ کی حمد کی، یعنی صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

Marfat.com

مختصر وضاحت حدیث:

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مہاجرین انصار اور فتح مکہ کے بزرگوں سے مشورہ لینا اس وجہ سے تھا کہ ان کو ابھی تک اس مسئلہ میں حدیث نہیں پہنچی ہوئی تھی، اس لئے آپ صحابہ کرام کے مشورہ سے فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

☆ اور یہ مسئلہ سمجھ آیا کہ کسی مسئلہ میں اجتہاد کی صورت میں اختلاف رائے سنت صحابہ کرام ہے۔

☆ اتفاق حاصل ہونے پر کوئی فیصلہ کرنا مستحسن ہے۔

☆ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنی رائے کا اختلاف ذکر کر کے واضح کردیا کہ دینی مسائل میں اختلاف رائے حاکم کے سامنے کرنا جائز ہے۔

☆ اور حاکم اسے برداشت کرے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے برداشت کیا، صرف اظہار تمنا تھا کہ کاش اس مسئلہ میں ایک جلیل القدر صحابی کا اختلاف نہ ہوتا۔

☆ اجتہاد کرنا سنت صحابہ ہے، اجتہاد میں خطاء بھی ہوسکتی ہے، اختلاف برائے اختلاف نہ ہو بلکہ تحقیق کا اختلاف رحمت ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر توکل اور اسے تسلیم کرنا بھی ضروری ہے اور ظاہری اسباب کا سہارا لینا بھی درست ہے، جیسا کہ چوروں سے مال کی حفاظت کے لئے چوکیدار یا مکان کو تالہ لگانا توکل کے خلاف نہیں۔ عقیدہ یہ ہو کہ ہونا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوگا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆

﴿۱﴾ اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔

﴿۲﴾ اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں، اور جان لو اللہ بیشک سننے والا ہے۔

یہ خطاب کسے ہے؟

یہ خطاب ان لوگوں کو بھی کیا گیا تھا جن کا پہلے ذکر کیا گیا کہ وہ جہاد سے منہ موڑ گئے اور کہنے لگے کہ ہم تو وہاں نہیں جائیں گے کیونکہ وہاں طاعون کی بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ماردیا، پھر زندہ کردیا، زندہ کرنے کے بعد ان کو کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، تم تو موت سے بھاگ رہے تھے، اب تمہیں پتہ چل چکا ہے کہ کوئی شخص موت سے بھاگ نہیں سکتا، موت وحیات رب تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ یہاں ان سے جو ارشاد فرمایا تھا اسی کی حکایت بیان کی گئی، گویا کہ اصل ارشاد گرامی یوں ہے۔"وقیل لھم قاتلوا"(اور ان کو کہا گیا قتال کرو)

اور یہ خطاب نبی کریم ﷺ کی امت کو بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے جہاد کا حکم دینے سے پہلے اس قوم کا ذکر کیا جن پر موت واقع کرکے پھر ان کو زندہ کیا۔

"لئلاینکص عن امر اللہ بحب الحیاۃ بسبب خوف الموت،ولیعلم کل احدانہ یترک القتال لایثق با لسلامۃ من الموت"

تاکہ اللہ تعالیٰ کے جہاد کے حکم سے یہ لوگ زندگی سے محبت کرکے موت کے خوف کے سبب سے منہ نہ موڑیں، تاکہ ہر ایک معلوم ہوجائے کہ جہاد چھوڑنے سے موت سے بچنا ممکن نہیں۔

جہاد کا حکم دے کر اور جہاد پر برانگیختہ کرکے دو بھلائیوں میں سے ایک کا وعدہ فرمادیا۔

" امافی العاجل الظھور علی العدواوفی الآجل الفوز بالخلود فی النعیم،والوصول الی ماتشتھی الا نفس وتلذ الاعین "

یا تو وہ بھلائی جلدی ہی دشمن پر کامیابی کی صورت میں حاصل کرلو گے، یا کچھ دیر بعد جنت میں ہمیشہ

Marfat.com

رہنے کی بڑی کامیابی حاصل کرلو گے، اور وہ نعمتیں عطاء ہوں گی جن کی تمہارے نفوس خواہش کریں گے۔ اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ (از کبیر)

اللہ کی راہ سے مراد:

"ای لاعلاء دینه لا لغنیمة ولالا ظهار شجاعته ونحو ذلک" (جلالین وصاوی)

اللہ کے دین کی بلندی کی غرض سے جہاد کرنا اللہ کی راہ ہے، اگر وہ جہاد مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے یا اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کے لئے یا کوئی اور دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے تو وہ اللہ کی راہ نہیں بلکہ وہ حقیقت میں شیطانی راہ ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا کہ جہاد میں مقصد دین کی بلندی ہو، اس کے بعد آپ نے ذکر فرمایا۔
"سبیل اللہ کثیرة فهی عامةفی کل سبیل" اللہ تعالیٰ کے راستے کثیر ہیں، جو ایک ایک راستے میں کئی کئی راستے ہیں۔

اس کی مزید وضاحت کبیر کے ان الفاظ میں دیکھئے۔

"وسمیت العبادات سبیلاالی اللہ تعالیٰ من حیث ان الانسان یسلکها ویتو صل الی اللہ تعالی بها، ومعلوم ان الجهاد تقویة الدین فکان طاعة فلا جرم کان المجاهدمقاتلا فی سبیل اللہ "
تمام عبادات اللہ تعالیٰ کے راستے ہیں، کیونکہ انسان ان راستوں پر چلتا ہے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے، یعنی کسی عبادت سے کفار منع کریں تو ان کے خلاف جہاد کیا جائے، کیونکہ جہاد سے دین کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اسی سے یقینی طور پر واضح ہوگیا کہ مجاہد اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرتا ہے، اس کا حکم اس آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔

"واعلموا ان اللہ سمیع علیم":

"اور جان لو بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔"

ان الفاظ مبارکہ میں وعید بھی ہے اور وعدہ بھی۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص جہاد سے دوسروں کو روکتا ہے، ان کو موت سے ڈراتا ہے، یہ کہتا ہے کہ کافروں کے پاس بڑا جدید اسلحہ ہے وہ تمہیں تباہ و برباد کردیں گے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا، اس طرح اگر کوئی شخص دین کی بلندی کے لئے جہاد نہیں کرتا بلکہ دنیاوی مقاصد کے لئے جہاد کرتا

Marfat.com

ہے تو وہ بھی رب تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا، ان لوگوں کے اقوال کو رب تعالیٰ سننے والا ہے اور ان کی نیات کو جاننے والا ہے، یہ وعید ہے، یعنی خوف دلایا گیا۔

اگر کسی نے دوسرے کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دلائی، اور جہاد صرف دین کی بلندی کے لئے کیا تو اللہ تعالیٰ ان کے اقوال اور نیات کو جانتا ہے، ان کو ثواب عطاء فرمائے گا، عظیم درجات سے نوازے گا، یہ رب تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے۔ یہ حکم عام بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو سننے والا ہے اور تمہارے ارادوں اور تمہاری نیتوں کو جاننے والا ہے، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ تمہارا ہر قول اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، اسی طرح تمہارے افعال اور تمہاری نیتیں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ہوں، ایسا کوئی فعل نہ پایا جائے جس سے اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو، کسی ایسے کام کا ارادہ اور کسی ایسے کام کی نیت نہ پائی جائے جس سے رب تعالیٰ ناراض ہو۔

☆☆☆☆☆

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۴۵)

﴿۱﴾

ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لئے بہت گنا بڑھا دے، اور اللہ تنگی اور کشائش کرتا ہے۔ اور تمہیں اس کی طرف پھر جانا ہے۔

﴿۲﴾

کون ہے جو دے اللہ کو قرض حسن تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا، اور اللہ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

راقم کا ترجمہ بھی تقریباً ضیاء القرآن سے ہی نقل ہے، اس آیۃ کریمہ کا مختصر مطلب بھی حضرت پیر محمد کرم شاہ

Marfat.com

رحمہ اللہ کی زبانی سنیں، آپ رقمطراز ہیں۔

لغت عرب میں قرض کا یہ مفہوم نہیں جو ہم اردو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی، اس لئے دوسرے سے ادھار لے کر پوری کر لی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غنی حمید ہے، ضرورت کے تصور سے بھی پاک ہے بلکہ "القرض اسم لکل مایلتمس علیه الجزاء" (قرطبی)

یعنی قرض ہر وہ چیز یا عمل ہے جس پر جزاء اور بدلہ طلب کیا جائے، اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہیں ہوگا، پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس حسن بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے شوق دلایا جا رہا ہے، یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ کی گئی تو واپس نہیں ملے گی، بلکہ اس کا تمہیں کئی گنا معاوضہ دے گا۔ (ضیاء القرآن)

ماقبل سے رابطہ:

پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا چونکہ جہاد میں مال خرچ کرنے کی ضرورت در پیش آتی ہے۔ اس لئے اس آیۃ کریمہ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ جو لوگ مال خرچ نہیں کر سکتے لیکن جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے ان کی دوسرے لوگ امداد کریں، اور جو جہاد بھی کر سکتے ہوں اور مال بھی خرچ سکتے ہوں، وہ جہاد بھی کریں اور اپنے آپ پر ہی اپنا مال خرچ نہ کریں، بلکہ دوسروں کی امداد بھی کریں۔

آیۃ کریمہ میں مطلقاً اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ذکر بھی موجود ہے، خواہ صدقات نافلہ ہوں یا واجبہ۔ (از کبیر)

☆ "اخرج سعید بن منصور وابن سعد والبزار وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والحکیم الترمذی فی نوا در الاصول والطبرانی والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود قال لما نزلت "من ذا الذی یقرض الله قرضا حسنا فیضاعفه له" قال ابو الدحداح الا نصاری یارسول الله وان الله لیرید منا القرض قال نعم یا ابا الدحداح قال ارنی یدک یارسول الله فناوله یده قال فانی قد اقرضت ربی حائطی له فیه ستمائة وام الدحداح فیه وعیالها فجاء ابو الدحداح فناداها یاام الداحداح قالت

Marfat.com

لبیک قال اخرجی فقد اقرضت ربی عزوجل" (درمنثور)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیۃ کریمہ "من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنافیضاعفہ لہ" نازل ہوئی تو ابوالدحداح انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں تو آپ نے فرمایا ہاں، ابوالداحداح، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ اپنا ہاتھ مبارک مجھے دکھائیں، تو آپ نے اپنا ہاتھ ان کے آگے کیا، انہوں نے اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں ڈال کر عرض کیا، میں اپنے رب کے حضور اپنا ایک باغ پیش کر رہا ہوں جس میں چھ سو درخت ہیں۔ ان کی زوجہ ام الدحداح اور ان کے بچے اسی باغ میں رہتے تھے، ابوالدحداح آئے، اپنی زوجہ ام الدحداح کو پکارا، اس نے کہا "لبیک" تو وہ کہنے لگے اب اس باغ سے نکل آؤ یہ باغ میں نے اپنے رب کے حضور پیش کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ابوالدحداح نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے دو باغ ہیں، اگر ان میں سے ایک میں صدقہ کر دوں تو کیا مجھے ایسا باغ جنت میں حاصل ہوگا؟ حضور نے فرمایا، ہاں، انہوں نے پھر عرض کیا، کیا میری زوجہ ام الدحداح بھی میرے ساتھ ہوگی؟ آپ نے فرمایا، ہاں، انہوں نے پھر پوچھا کیا میرے بچے بھی میرے ساتھ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ تو انہوں نے ایک باغ صدقہ کر دیا، اس باغ کا نام انہوں نے "حنینہ" رکھا ہوا تھا۔ صدقہ کرنے کے بعد باغ میں آئے تو اپنی زوجہ کو بتایا کہ میں اس باغ کا رب تعالیٰ سے جنت کے بدلے سودا کر لیا ہے، تو آپ کی زوجہ نے کہا" بارک اللہ فیما اشتریت" تمہارے سودے میں اللہ تعالیٰ برکت دے۔

سبحان اللہ! کیسی وہ نیک عورتیں تھیں، رب تعالیٰ کی راہ میں دیے ہوئے مال پر خوش ہوتی تھیں، آج کی کوئی عورت ہوتی تو خاوند سے لڑائی کرتی" الا ما شاء اللہ"۔

تنبیہ: تفسیر کبیر نے دوسری روایت کے مطابق ابوالدحداح کے واقعہ کو آیۃ کریمہ کا شان نزول بنایا ہے کہ انہوں نے پہلے باغ صدقہ کیا، پھر آیۃ کریمہ کا نزول ہوا، لیکن درمنثور، ابن کثیر، خازن اور قرطبی نے پہلی روایت کو ہی نقل کیا ہے کہ یہ آیۃ کریمہ کا نزول پہلے ہوا اور ابوالدحداح نے باغ بعد میں صدقہ کیا۔ راقم کو بھی درمنثور وغیرہ کی روایت سے

Marfat.com

ہی اتفاق ہے۔"واللہ اعلم بالصواب"

"من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ" کون ہے جو دے اللہ کو قرض حسن تو بڑھا ئے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا۔

دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"(من) استفھامیۃ مرفوعۃ المحل بالا بتداء و(ذا) خبرہ (الذی) صفۃ لہ او بدل منہ، ولا یجوز ان یکون (من ذا) بمنزلۃ اسم واحد مثل ما تکون ما ذا کذلک کما نص علیہ ابو البقاء لان ما اشد ابھاما من "من"

"من" استفہامیہ ہے مرفوع محلاً مبتداء واقع ہو رہا ہے۔ اور "ذا" اس کی خبر ہے "الذی" "ذا" کی صفت ہے یا بدل ہے۔ "من ذا" ایک ہی کلمہ نہیں جیسا کہ "ماذا کذلک" میں "ماذا" ایک ہی کلمہ ہے، جیسا کہ ابو البقاء نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ "ما" میں بنسبت "من" کے زیادہ ابہام پایا گیا ہے، اس لئے "ماذا" ایک ہی کلمہ متصور ہوتا ہے، لیکن "من ذا" ایک ہی کلمہ متصور نہیں ہوتا۔ (روح المعانی)

قرض کا لغوی معنی:

قرض کا لغوی معنی "قطع کرنا" ہے۔ ایک دوسرے کو جو مال دیا جاتا ہے اسے بھی اسی وجہ سے قرض کہا جاتا ہے کہ اپنے مال کا کچھ حصہ مال سے کاٹ کر دے دیا گیا۔ (از مظہری)

قرض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے؟

یعنی اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

ایک یہ کہ حقیقی طور پر قرض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، لیکن قرض کا وہ معنی نہیں جو ہم مطلب لیتے ہیں کہ ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے کسی سے مال لے لیا جائے بلکہ وہ معنی لیا جائے گا جو قرطبی کے حوالہ سے ضیاء القرآن

Marfat.com

سے نقل کر دیا گیا ہے۔اور تفسیر کبیر میں بھی یہ مذکور ہے۔

" قال الزجاج انه حقیقة وذلک لان القرض ہو کل مایفعل لیجازی علیہ"

زجاج نے کہا یہاں قرض کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے، کیونکہ قرض ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس پر جزاء دی جائے۔ (کبیر)

اب واضح ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کون ہے جو مجھے مال دے کر، یعنی میرے حضور مال پیش کر کے اس پر جزاء خیر حاصل کرے اور میرا تقرب حاصل کرے، یعنی تم سے مال خرچ کرنے کا مطالبہ میری مجبوری نہیں، بلکہ تمہاری مجبوری ہے کہ جزاء خیر کے حاصل کرنے کے تم ہر وقت مجبور رہو۔

یہ معنی عرب میں عام مشہور ہے، کہا جاتا ہے "لک عندی قرض حسن وسیء والمرادمنہ الفعل الذی یجازی علیہ" تمہارے اچھے یا برے فعل کا میں نے بدلہ دینا ہے۔امیہ بن صلت نے کہا۔

کل امرئ سوف یجزقرضہ حسنا او سیناًاومدیناکا لذی دانا

ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے فعل کا بدلہ دیا جائے گا یا اس کے عمل کی طرح عمل پایا جائے گا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قرض کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف مجازی طور پر ہے، اور حذف مضاف پایا گیا ہے، گویا کہ معنوی طور پر عبارت یہ ہوگی "من ذالذی یقرض عباداللہ قرضاحسنا" وہ کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض حسن دے۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

☆ " عن ابی ہریرۃ مرفوعاان اللہ یقول یوم القیامة یاابن آدم استطعمک فلم تطعمنی قال یارب کیف اطعمک وانت رب العالمین قال استطعمک عبدی فلان فلم تطعمہ اماعلمت انک لو اطعمتہ لو جدت ذلک عندی" الخ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے ابن آدم (انسان) میں نے تجھ سے طعام طلب کیا تھا تو نے مجھے طعام نہیں کھلایا تھا، بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے طعام کھلاتا تو تو رب العلمین ہے، رب فرمائے گا

Marfat.com

میرے فلاں بندے نے تجھ سے طعام طلب کیا تھا تو نے اسے طعام نہیں کھلایا تھا، کیا تجھے معلوم نہیں اگر تو اسے طعام کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (یعنی میرے بندے کو طعام کھلانے سے تجھے میری رحمت حاصل ہوتی اور میرا تقرب حاصل ہوتا) (از مظھری)

قرض دینے کی فضیلت:

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ رأیت لیلۃ اسری بی علی باب الجنۃ مکتوبا الصدقۃ بعشر امثالھا والقرض بثمانیۃ عشر فقلت لجبریل مابال القرض افضل من الصدقۃ قال لان السائل یسأل وعندہ والمستقرض لایستقرض الامن حاجۃ" (ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے معراج کی رات کو جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا، صدقہ دس مثل ہے اور قرض اٹھارہ مثل (یہ حد کم از کم ہے کہ صدقہ پر دس گنا اجر حاصل ہو اور قرض پر اٹھارہ گنا، زیادہ کی حد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے) میں نے جبریل کو کہا قرض کے صدقہ سے افضل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا سائل سوال کرتا ہے اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے، اور قرض طلب کرنے والا سوائے حاجت کے قرض طلب نہیں کرتا۔ (از قرطبی)

☆ "عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال کل قرض صدقہ" (رواہ الطبرانی بسند حسن والبیھقی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر قرضہ صدقہ ہے۔ (مظھری)

یعنی قرض دینے میں ایسے ہی ثواب حاصل ہوتا ہے جیسے صدقہ سے ثواب حاصل ہوتا ہے، بلکہ قرض دینے میں اور ہی زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

☆ "وعن ابن مسعود قال ان النبی ﷺ قال من مسلم یقرض مسلما قرضا مرۃ الا کان کصدقۃ مرتین" (رواہ ابن ماجہ وصححہ ابن حبان واخرجہ البیھقی مرفوعا وموقوفا)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان کسی مسلمان کو

Marfat.com

ایک مرتبہ قرض نہیں دیتا مگر یہ کہ اسے دو مرتبہ صدقہ دینے کا ثواب عطاء کیا جاتا ہے۔(از مظہری)

دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"قرضا حسنا" میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ "قرضا" پر نصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہو، اور "قرضا" بنی للمفعول ہو، اب مطلب یہ ہوگا "مقرضا حلا لا طیبا" حلال اور طیب قرض دیا گیا، یعنی بغیر سود کے اور بغیر احسان جتلانے کے اور بغیر کسی قسم کی تکلیف دینے کے اس نے مہربانی کرتے ہوئے قرض دیا، وہی قرض حلال اور طیب ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "قرضا" پر نصب مصدریۃ کے طور پر ہو، یعنی مفعول مطلق ہو، اب مفہوم یہ ہوگا "قرضا مقرونا بالاخلاص وطیب النفس" یعنی قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرض دے جو اخلاص اور نفس کی خوشی سے ملا ہوا ہو۔ (از مظہری)

"اضعافا کثیرۃ" (کئی گنا زیادہ) یہاں کوئی حد بیان نہیں کی گئی کہ رب تعالیٰ کتنے گنا زیادہ عطاء فرماتا ہے، بعض حضرات نے کہا دس گنا سے لیکر سات گنا تک۔ لیکن تفسیر خازن میں یہ ہے۔

"قال السدی هذا التضعیف لایعلمه الا الله تعالیٰ وهذا هو الاصح وانما ابهم الله ذلک لان ذکر المبهم فی باب الترغیب اقوی من ذکر المحدود"

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کئی گنا سے مراد کتنے گنا ہے اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مبہم ذکر کیا ہے، ترغیب کے مقام مبہم کا ذکر کرنا بنسبت محدود کے زیادہ قوی ہے۔

یعنی رب تعالیٰ نے جب کوئی حد بیان نہیں کی بلکہ پوشیدہ ہی رکھا ہے کہ کئی گنا عطاء فرمائے گا، تو اسے پوشیدہ ہی رکھا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطاء فرمائے گا۔ (از خازن)

حاصل کلام: اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو رب تعالیٰ کی رضاء مندی حاصل کرنے کے لئے قرض دینے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا، جس پر وہ بے حساب اجر و ثواب عطاء کرے گا، ہمارے ذہنوں پر چھا جانے والا قرض مراد نہیں، اس میں چند وجوہ ہیں، جن کی وجہ سے عام مشہور قرض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہوسکتی۔

Marfat.com

(۱) قرض وہ لیتا ہے جو محتاج ہو، رب تعالیٰ کو محتاج تصور کرنا کفر ہے، رب تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی ہے۔"واللہ الغنی وانتم الفقراء" اور اللہ غنی ہے تم فقیر ہو۔

(۲) قرض میں بدل اسی کی مثل ہوتا ہے، زیادتی مقرر کرنا سود ہے جو نا جائز ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اجر وثواب زیادہ عطاء کرے گا، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں خیر و برکت عطاء فرمائے گا جس کی وجہ سے اس کا مال بڑھ جائے گا۔

(۳) بطور قرض مال لینے والا مال کا مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک قرض دینے والا ہوتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ تو تمام مالوں کا مالک ہے، بلکہ تمام جانوں کا بھی مالک ہے۔

مندرجہ بالا تمام بحثوں سے مسئلہ کو بخوبی سمجھ لیا جائے کہ قرض کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کیسے ہے، یہود کی طرح یہ نہ کہا جائے "ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء" بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

انہوں نے بھی قرض کا معنی نہیں سمجھا تھا "وھذا الکلام لائق بجھلھم و حمقھم" یہ کلام ان کی جہالت اور حماقت کے مطابق تھا، کیونکہ وہ تو اپنے شیخ کو بھی معبود سمجھتے تھے "من یقول فی معبود مثل ھذاالقول لایستبعد منہ ان یصفہ بالفقر" جو شخص معبود کے متعلق یہ قول کرے اس سے یہ بعید نہیں کہ وہ رب تعالیٰ کو فقیر کہہ دے۔

درحقیقت وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہاں قرض کا معنی کیا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو قرض سے تعبیر کیوں کیا؟

"سماہ اللہ قرضا والحکمۃ فیہ التنبیہ علی ان ذلک لا یضیع عنداللہ فکما ان القرض یجب اداؤہ ولا یجوز الاخلال بہ فکذاالثواب الواجب علی ھذاالانفاق واصل الی المکلف"

اللہ تعالیٰ پر اگرچہ کوئی چیز واجب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بعض چیزوں کا وعدہ فرما کر اپنے ذمہ کرم میں لے آتا ہے، اسی وجہ سے اس کی راہ میں خرچ کرنے والے مال کو قرض سے تعبیر کر کے واضح فرما دیا کہ جس طرح قرض کا ادا کرنا واجب ہے، اس میں خلل واقع کرنا جائز نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس خرچ پر ثواب عطاء کرتا ہے جو اس کی راہ میں کیا جائے وہ یقیناً

Marfat.com

ثواب عطاء کرے گا، اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔

فائدہ: "من" استفہامیہ ذکر کرنے میں یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دعاء میں فعل کے قریب ہونے میں رغبت دلائی گئی ہے۔کون ہے جو اللہ کی راہ میں قرض حسن دے گا تو اسے کئی گنا ثواب حاصل ہوگا۔یعنی ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ (ماخوذ از کبیر)

"واللہ یقبض ویبسط" اور اللہ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور کشادہ کرتا ہے۔

"(واللہ یقبض) یمسک الرزق عمن یشاء ابتلاء (ویبسط) بوسعہ لمن یشاء امتحانا" (جلالین)

اللہ تعالیٰ رزق کو جس کے لئے چاہے تنگ کرتا ہے، رب تعالیٰ کا رزق تنگ کرنا بندوں کی آزمائش کے لئے ہوتا ہے، کیا میرے بندے صبر کرتے ہیں یا نہیں، کیا وہ شکوہ کرتے ہیں یا نہیں اور رب تعالیٰ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، رب تعالیٰ کا رزق کشادہ کرنا بھی بندوں کا امتحان لینا مقصود ہوتا ہے، کہ رزق کو فراخی کے بعد میرے بندے میرا شکریہ کرتے ہیں یا نہیں، مقصد عظیم ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حصول کے بعد اس کا شکر بجالایا جائے۔

نعمتوں کے بعد امتحان میں کامیابی بہت زیادہ مشکل ہے، اکثر لوگ عیاش ہو کر سرکش ہو جاتے ہیں، دین اسلام سے بغاوت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ دینداروں سے مزاح اڑانا ان کا وطیرہ بن جاتا ہے، کسی شاعر نے اغنیاء اور فقراء کو کیا ہی نصیحت کی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

استغن ما اغناک ربک بالغنی   واذا تصبک خصاصۃ فتحمل

تو اپنے آپ کو بے پروا سمجھ اس چیز سے جو رب تعالیٰ نے تمہیں عطا کر کے غنی (بے پرواہ) کر دیا ہے۔اور جب تجھے حاجت (فقر) پہنچے تو تو اسے برداشت کر۔

نتیجہ واضح ہوا "فلا یشکو ربہ فی حال فقرہ ولا یطغی فی حال غناہ" فقر و حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا شکوہ نہ کیا جائے، اور غنی ہونے کی صورت میں کسی قسم کی سرکشی نہ کی جائے۔

Marfat.com

اسی سے مقصد عظیم واضح ہو گیا۔

"ان الا نفاق لا يقبض الرزق وعلمه لا يبسطه بل القابض الباسط هو الله"

کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے رزق میں کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس میں برکت ہوتی ہے اور مال بڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال نہ خرچ کرنے سے رزق کشادہ نہیں ہوتا، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی رزق کو تنگ کرنے والا ہے اور وہی رزق کو کشادہ کرنے والا ہے۔

فائدہ: آیۃ کریمہ میں " یقبض " کو پہلے ذکر کیا اور " یبسط " کو بعد میں، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ رزق کی تنگی کے بعد فراخی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ لیکن رزق کی فراخی کے بعد تنگی کا آنا ضروری ہے۔ (از صاوی)

"والیه ترجعون": ''اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جانا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے قیامت میں تمہیں اٹھا کر (زندہ کر کے) اپنے حضور پیش کرنا ہے اور اس نے تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دینی، اچھے اعمال پر ثواب عطاء کرنا ہے اور اس کے حکم سے عدولی کرنے والوں کو عذاب دینا ہے، لہٰذا واضح ہوا" فیثیب المنفق ویعذب الممسک" کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے کو ثواب دیا جائے گا اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے والے یعنی قرض اور واجب صدقات سے منہ پھیرنے والے کو عذاب دیا جائے گا۔

(ماخوذ از جلالین وصاوی)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ قَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَ اَبۡنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۴۶)

﴿۱﴾

اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا جب اپنے ایک پیغمبر سے بولے ہمارے لئے کھڑا کردو ایک بادشاہ کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں، نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں کے تھوڑے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔

﴿۲﴾

کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا ایک گروہ کا بنی اسرائیل سے بعد موسیٰ کے، جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کردو ہمارے لئے امیر، ہم لڑائی کریں اللہ کی راہ میں، کہا (نبی نے) کیا تم ایسے نہیں کہ تم لڑائی نہ کرو، انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا کہ ہم نہ لڑائی کریں اللہ کی راہ میں، حالانکہ نکالا گیا ہمیں ہمارے شہروں سے اور اپنی اولاد سے، جب فرض کردیا گیا ان پر جہاد کرنا تو وہ منہ پھیر گئے سوائے تھوڑے ان میں سے، اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔

Marfat.com

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے فرض ہونے کا ذکر "وقاتلوا فی سبیل اللہ" آیۃ کریمہ میں کیا، پھر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا، کیونکہ مال خرچ کرنے سے ہی جہاد میں کامل مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بغیر اسلحہ اور جنگی تیاری کے نقصان ہی اٹھانا ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر وقت کفار کے مقابل اپنے اپنے آپ کو جہاد میں تیار رکھیں۔

اب اس آیۃ کریمہ میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کو جب جہاد کا حکم دیا گیا تو وہ پھر گئے، جہاد سے انہوں نے منہ موڑ لیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی انہوں نے مخالفت کی تو رب تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔ اوران کو ظالم قرار دیا، اور ساتھ ساتھ اپنے عذاب کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے کہ وہ اس کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔ اور اس واقعہ سے نبی کریم ﷺ کی امت کو یہ سبق دیا گیا۔

"والمقصود منه ان لا يقدم المأ مورون بالقتال من هذه الامة على المخالفة و ان يكونوا مستمرين فى القتا ل مع اعداء الله تعالىٰ"

کہ اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد عظیم یہ ہے کہ تمہیں بھی جہاد کا حکم دیا گیا، کہیں تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر کے ظالم نہ بن جانا، اپنے آپ کو عذاب کا مستحق نہ بنا لینا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ہمیشہ ہی جہاد کرنے میں تیار رہنا، دشمن کے سامنے سر جھکا کر نہ رہنا، بلکہ سر اٹھا کر رہنا۔ (از کبیر)

کس نبی اور قوم کا ذکر ہے:

علامہ رازی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کا مقصد تو نبی کریم ﷺ کی امت کو جہاد کی ترغیب دینا اور بزدلی سے ان کو دور رکھنا ہے۔

"سواء علمنا ان ذلك النبى من كان اولئك، ان اولئك الملاء من كانوا، اولم نعلم شيأمن ذلك، لأن المقصود هو الترغيب فى باب الجهاد و ذلك لا يختلف"

ہمیں اس کا علم حاصل ہو یا نہ ہو کہ وہ نبی کون تھے اور کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور وہ بنی

Marfat.com

اسرائیل کا گروہ کون سا تھا۔ مقصود جب جہاد کی ترغیب تھی تو اس میں یہ علم حاصل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اخبار متواترہ سے تو یہ واقعہ ثابت نہیں، البتہ اخبار احاد سے ثابت ہے جو ظنی درجہ میں رہے گا۔ (کبیر)

اس کے بعد کبیر میں بھی مختصر واقعہ ذکر کیا گیا ہے، خازن، صاوی وغیرہ نے بھی نقل کیا، تاہم مظہری نے کچھ وضاحت سے ذکر کیا، اسی سے نقل کیا جا رہا ہے۔ کہ یہاں جس نبی کا ذکر ہے وہ اشموئیل علیہ السلام ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام آئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ فرماتے رہے، اور توراۃ کے مطابق عمل کرنے کی تبلیغ فرماتے رہے، ان کے بعد کالب اور ان کے بعد ''حزقیل'' اور ان کے بعد ''الیاس'' اور ان کے بعد ''الیسع'' علیھم السلام آئے۔

ان حضرات کے بعد بنی اسرائیل پر ان کے دشمن جالوت کی قوم عمالقہ غالب آ گئی، اس وقت بنی اسرائیل بحر روم یعنی مصر اور فلسطین کے درمیان تھے، بنی عمالقہ نے ان کے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا، اور ان کے بڑے بڑے رئیسوں کے بیٹے چار سو چالیس کی تعداد میں قیدی بنا لئے، اور ان پر جزیہ مقرر کر دیا، اور ان کی تورات بھی لے گئے، اس وقت ان کے کوئی نبی نہیں تھے جو ان کے معاملات کی تدبیر کرتے۔

خاندان نبوت کے سب لوگ وفات پا چکے تھے، صرف ایک عورت خاندان نبوت سے زندہ تھی جو حاملہ تھی، دعاء کرتی رہتی تھی ''اشموئیل'' (اے اللہ سن) یعنی اے اللہ دعاء قبول کر۔

عبرانی زبان میں ''اشمو'' کا معنی سن، اور ''ایل'' کا معنی اللہ۔

بچہ پیدا ہونے پر یہی نام رکھا، جب بچہ بڑا ہوا تو اس کی ماں نے توراۃ دی اور بیت المقدس کی خدمت پر مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے نبوت عطاء فرمائی، جب وہ نبی بن کر اپنی قوم میں آئے تو قوم نے کہا کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو، جس کی زیر قیادت ہم قوم عمالقہ سے جہاد کریں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا تم وعدہ کو پورا نہیں کر سکو گے، انہوں نے کہا کے ہم ضرور جہاد کریں گے، کیا وجہ ہے کے ہم جہاد نہیں کریں گے جبکہ ان لوگوں نے ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا، اور ہماری اولاد کو قیدی بنا لیا۔

Marfat.com

اولاد سے مراد ان کے آباء کی اولاد تھی، یا وہ بڑی عمروں کے تھے اور ان کی اپنی ہی اولاد تھی، کیونکہ ان کو گھروں سے نکالنے اور اپنے نبی کو یہ کہنے کے درمیان چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا، اس لئے کہ چالیس سال کی عمر میں تقریباً تمام انبیاء کرام کو اظہار نبوت کا حکم ملا، (واللہ اعلم بالصواب) (از مظهری وصاوی وخازن)

خیال رہے کہ اس واقعہ میں جس نبی کا ذکر ہے ان کے نام میں اختلاف اگرچہ پایا گیا ہے، تاہم علامہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"کان اسم ذلک النبی اشموئیل من بنی ھارون واسمہ بالعبریۃ اسمعیل وھوقول الاکثرین"

اللہ تعالیٰ کے اس نبی کا نام ''اشموئیل'' تھا' جو عبرانی زبان میں تھا' اور عبرانی زبان میں ہی ''اشموئیل'' کو اسماعیل بھی کہا جاتا تھا۔ معنی دونوں کا ایک ہی ہے ''اے اللہ سن''

اشموئیل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھے، اکثر اہلِ علم نے یہی بیان فرمایا ہے۔ (از کبیر)

"الم ترالی الملإمن بنی اسرائیل من بعد موسی":

''کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا ایک گروہ کا بنی اسرائیل سے بعد موسیٰ کے۔''

"الم تر" کی تحقیق پہلے ذکر ہو چکی ہے، راقم نے ترجمہ کیا ہے ''کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا'' یہ صرف طلبہ کرام کے ذہنوں میں وسیع تر مفہوم بٹھانے کے لئے، ورنہ اکثر اہل علم نے ''کیا آپ نے نہیں دیکھا'' ترجمہ کیا ہے۔

"الملأ" کا معنی ''قوم کے سرکردہ لوگ، بادشاہ کے چمچے'' عام استعمال ہوتا ہے، اور یہ ایک جماعت پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کے قوم اور رہط اور جیش کا معنی جماعت آتا ہے، یہاں یہی معنی معتبر ہے۔

یہ لفظ لیا ہوا ہے ''الملء'' سے، جس کا معنی ہے بھرنا، جماعت کو "الملأ" کہنے کی وجہ یہ ہے ''وھم الذین یملأون العیون ھیبۃ" کہ جب لوگ متحد اور متفق ہو کر ایک جماعت بن جائیں تو وہ لوگوں کی آنکھوں کو رعب اور ہیبت سے بھر دیتے ہیں۔

اور وجہ یہ ہے " ھم الذین یملأون المکان اذا حضروا" کہ جماعت کے لوگ جس جگہ جمع ہو جائیں اس جگہ کو بھر دیتے ہیں۔ قوم کے سرکردہ لوگوں کو ''الملأ" کہنے کی وجہ زجاج نے یہ بیان کی۔

Marfat.com

" الملأ الرؤ ساء سمو ابذلک لأنهم یملأون القلوب بمایحتاج الیه "

رئیسوں کو " الملأ" کہنے کی وجہ یہ ہے وہ اپنے دلوں کو ان چیزوں سے بھر لیتے ہیں جن کے وہ محتاج ہوتے ہیں۔ (کبیر)

خاص کر کے بادشاہوں کے چمچے، کڑچھے قومی خزانے سے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں جو درحقیقت اپنے دلوں کو گناہوں سے بھر لیتے ہیں۔

''من بنی اسرائیل من بعدموسی'' بنی اسرائیل کی لفظی تحقیق پارہ میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی جس قوم کا ذکر ہو رہا ہے وہ بنی اسرائیل تھے، اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے، جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔

''اذ قالوالنبی لهم ابعث لنا ملكا'':

''جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کرو ہمارے لئے امیر۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ " ابعث لنا ملکا " کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں" ای اقم لنا امیرا "مقرر کرو ہمارے لئے امیر۔

" ابعث " ماخوذ ہے بعث سے، اس کا اصل میں معنی یہ ہے''ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا''

لیکن اس کے معانی متعلقات کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، ''بعث البعیر من مبر که " اونٹ کو بیٹھنے کی جگہ سے اٹھایا۔ ''بعثته فی السیر'' میں نے اسے چلنے پر ابھارا۔ ''بعث اللہ تعالیٰ المیت'' اللہ نے مردہ کو زندہ کیا''ضرب البعث علی الجند ''لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ (روح المعانی)

آیۃ کریمہ میں ''مقرر کرنا، قائم کرنا، منتخب کرنا' معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

ہمارے عام محاورہ کے مطابق ''امیر بنادو، امیر کھڑا کردو'' بھی معانی کئے جاسکتے ہیں، محاورات کو ارباب علم بخوبی جانتے ہیں۔ خیال رہے کہ تفسیر تبصیر الرحمٰن میں بھی روح المعانی والا ہی معنی لیا گیا ہے۔

تفسیر ابی السعود میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔''انهض للقتال معناامیر اتصدر فی تدبیر امر الحرب عن رائیه'' جہاد کے لئے ہمارے ساتھ ایک امیر کھڑا کریں جس کی رائے سے ہم لڑائی کے معاملات کی تدبیر کو کام میں لائیں۔

مفردات راغب میں ہے:

Marfat.com

"الملک هو المتصرف بالامر والنھی فی الجمھور وذلک یختص بسیاسة الناطقین ولھذا یقال ملک الناس ولا یقال ملک الاشیاء"

ملک (بکسر اللام) کا معنی یہ ہے کہ جمہور میں امر و نہی کا مالک ہو، یہ ذوی العقول کی سیاست سے خاص ہے۔ اسی وجہ سے "ملک الناس" (لوگوں کا متصرف الامور اور مدبر) کہا جاتا ہے "ملک الاشیاء" (چیزوں کا مدبر) نہیں کہا جاتا۔

بیضاوی میں "ابعث لنا ملکا" کی تفسیر ان الفاظ سے بیان کی گئی۔ "اقم لنا امیرا ننھض معه للقتال یدبر امرہ ونصدر فیه رایه" ہمارے لئے امیر قائم کرو جس کی معیت میں ہم لڑائی کریں، وہ ہمارے امور کی تدبیر کرے، اور ہم اس کی رائے کے مطابق کام کریں۔

بیضاوی کی اس عبارت پر خفاجی نے بیان کیا ہے کہ "ونصدر فیه رایه" حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔

"نصدر" کا معنی "نرجع" (ہم لوٹیں) ہے، لیکن یہاں مجازی معنی ہے "نفعل ما نفعل برایه" ہم جو کام بھی کریں اس کی رائے کے مطابق کریں۔

اس تمام تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر "ملک" کا معنی "امیر، قائد، سپہ سالار" ہے۔ اگر معنی "بادشاہ" کریں تو پھر بھی "والیِ امور" اور "مدبر" معنی ہوگا، جو ہمارے ذہنوں میں بادشاہ کا معنی ہے، جو نسل بہ نسل حاکم ہوتے ہیں، وہ معنی مراد نہیں، اور نہ ہی اسلام میں بادشاہت کا تصور ہے، اور نہ ہی اسلام کسی غاصب، لٹیرے کو حاکمیت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی انگریزوں کی پیروی کرتے ہوئے انگریزی جمہوریت کی اجازت دیتا ہے، اور نہ ہی فوجی جرنیل کی چھتری میں نام نہاد جمہوریت کی اجازت دیتا ہے، اسلام میں نظام خلافت ہے، اس کی تفصیل پہلے پارہ چوتھے رکوع میں دیکھیں۔

تنبیہ: "ملک" کی وضاحت کے بعد مودودی صاحب کی تفسیر بے اثر ہو کر رہ گئی، جو انہوں نے کتاب سموئیل سے نقل کر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اللہ کے نبی نے ان لوگوں کے مطالبہ کو پسند نہیں کیا تھا کہ بادشاہ بنایا جائے۔

ہمارے تصور والا بادشاہ بنانے کا ان کا مطالبہ ہی نہیں تھا، قرآن پاک میں کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ

Marfat.com

اللہ کے نبی نے ان کے ''ملک'' بنانے کے مطالبہ کو ناپسند کیا ہو۔

''نقاتل فی سبیل اللّٰہ'': ''ہم لڑائی کریں اللہ کی راہ میں۔''

یعنی آپ ہمارا امیر اور جنگی قائد، سپہ سالار مقرر کردیں تاکہ اس کی زیر قیادت اور اس کی رائے اور تدبیر کے مطابق ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔

دینی طلبۂ کرام توجہ فرمائیں:

''نقاتل'' مضارع مجزوم ہے جواب امر میں واقع ہونے کی وجہ سے، اور ایک قرأت میں مرفوع بھی ہے، اس میں پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یہ جملہ حال مقدرہ ہو، تقدیر عبارت یہ ہو'' **ابعثه لنا مقدرين القتال**'' اور یا جملہ استینافیہ بیانیہ ہو، گویا کہ ان کے نبی نے ان کے مطالبہ کے بعد سوال کیا ہو'' **فماذا تفعلون مع الملک** '' تم کیوں امیر مقرر کرانا چاہتے ہو، اس کی معیت میں تم کیا کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا'' **نقاتل فی سبیل اللّٰہ** '' اور ایک قراءت میں ''یاء'' سے بھی پڑھا گیا ہے'' **یقاتل** '' اس میں پھر وہی مجزوم اور مرفوع کے احتمال پائے گئے ہیں۔

''قال هل عسيتم ان لا تقاتلوا'': ''کہا (نبی نے) کیا تم ایسے نہیں کہ تم لڑائی نہ کرو۔''

یعنی اللہ کے نبی نے اپنی قوم کو یہ ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے'' **هل قاربتم ان لا تقاتلوا** '' کیا تم اس کے قریب ہو کہ تم لڑائی نہیں کرو گے، اس کلام کا مطلب یہ ہے'' **اتوقع جبنكم عن القتال** '' میں لڑائی سے تمہاری بزدلی کی توقع رکھتا ہوں۔

'' **هل** '' استفہامیہ داخل کر کے ''توقع'' اور ''ظن'' کے متعلق سوال کیا گیا، یہ استفہام تقریری ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کیا تم اس کے قریب ہو کہ تم لڑائی نہیں کرو گے؟ ہاں یقیناً تم لڑائی نہیں کرو گے، یعنی جواب خود ہی اس میں موجود ہے،'' **وثبت ان المتوقع كائن له وانه صائب فی توقعه** '' ثابت ہوا کہ اللہ کے نبی نے بظاہر جوان سے توقع کی تھی اس نے واقع ہونا ہی تھا، اسی لئے وہ ہو کر رہا کہ وہ چند آدمیوں کے بغیر لڑائی سے پھر گئے، بزدلی دکھا

Marfat.com

دی، نبی کی توقع درست ہوتی ہے، نبی جو کہے وہ ہو کر رہتا ہے، اسی کا نام علم غیب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کو عطاء کیا گیا۔ (از کبیر بزیادۃ)

”قالوا ومالنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابناءنا“:

انہوں نے کہا ہمیں کیا ہوا ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہمیں نکالا گیا ہمارے شہروں سے اور اپنی اولاد سے۔

انہوں نے اپنے اس کلام سے قوی ضمانت دلائی، اور قوی وجہ بیان کی کہ ہم پر شدت کر کے جب عمالقہ قوم نے ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیا اور ہمارے بچوں کو قیدی بنالیا تو ہم ان سے لڑائی کیوں نہیں کریں گے، ہم ان سے شدید لڑائی کریں اور ان سے بدلہ لیں گے۔

سبحان اللہ! ان کا یقین دلانا اور پختہ دلائل قائم کرنا اور بڑے مضبوط دعوے کرنا، جس سے عام سننے والے کو یقین آ گیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے نبی کے منہ سے نکلا ہوا جملہ (کہ ہوسکتا ہے تم لڑائی نہیں کرو گے) ان پر غالب آ گیا۔

دینی طلبا کرام توجہ فرمائیں:

بظاہر ایک وہم پیدا ہوتا ہے کہ ”وما“ کے بعد ”ان“ نہیں آتا۔ یہ کہا جاتا ہے ”مالک تفعل کذا“ (تمہیں کیا ہے تم اس طرح کرتے ہو) لیکن ”مالک ان تفعل کذا“ نہیں کہا جاتا، اللہ تعالیٰ کے کلام ”مالکم لا ترجون للہ وقارا“ (تمہیں کیا ہو اللہ سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے) اور رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”ومالکم لا تومنون باللہ“ (اور تمہیں کیا ہو تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے) میں بھی ”وما“ کے بعد ”ان“ ذکر نہیں۔ تو یہاں کیوں ذکر ہے۔

اس کے مختلف جواب دیئے گئے، ایک جواب مبرد نے دیا کہ یہاں ”ما“ استفہامیہ نہیں جس کے بعد ”ان“ نہیں آتا، بلکہ یہ ”ما“ جحد کے لئے آیا ہوا ہے، ان کے کہنے کا یہ مطلب تھا ”مالنا نترک القتال“ ہم ایسے نہیں کہ لڑائی نہ

Marfat.com

کریں یعنی ہم لڑائی کو چھوڑنے والے نہیں۔

ایک اور جواب اخفش نے دیا کہ "ما" تو استفہامیہ ہے البتہ "ان" زائد ہے۔ معنوی لحاظ پر عبارت صرف یہ ہے۔ "مالنا لا نقاتل" ہمیں کیا ہے ہم لڑائی نہیں کریں گے، لیکن اخفش کے اس قول کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے رد کر دیا کہ یہ قول ضعیف ہے۔

" لان القول بثبوت الزيادة فی کلام الله خلاف الاصل"

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کسی لفظ کو زائد کہنا خلاف اصل ہے، اس لئے یہ قول ضعیف و باطل ہے۔

ایک اور جواب فراء نے دیا کہ "ما" استفہامیہ کے بعد بھی جہاں "ان" نہیں ہوتا اس کا معنی بھی "ان" والا ہوتا ہے، جیسا کہا جائے "مالک لا تقاتل" اس کا معنی یہ ہے "مایمنک ان تقاتل" تمہیں کیا ہے کہ تم لڑائی نہیں کرتے، یعنی تمہیں لڑائی کرنے سے کیا چیز مانع ہے، مطلب یہ ہے کہ معنوی طور پر "ما" استفہامیہ کے بعد "ان" ہر جگہ معتبر ہوتا ہے، اس لئے لفظوں میں اس کا ذکر ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ "فلماذهب الى معنى المنع حسن ادخال ان فيه" جب منع والا معنی پایا جائے تو وہاں "ان" کا داخل کرنا بہتر ہوتا ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں "ان" کا استعمال ہے، "ما منعک ان تسجد" کس چیز نے تمہیں منع کیا کہ تم نے سجدہ نہیں کیا، "ان تسجد" میں "لا" مقدر ہے جس کا بیان دوسری آیۃ کریمہ میں موجود ہے۔

کسائی اس کا جواب دیتے ہیں "ومالنا ان لا نقاتل" کا معنی لحاظ پر اصل میں مطلب یہ تھا "ای شئ لنا فی ترک القتال" کیا چیز ہے ہمارے لئے لڑائی کے چھوڑنے میں۔

یعنی "فی" کا لفظ کلام میں تھا پھر اسے حذف کر دیا گیا "ان" کا لفظ لایا گیا۔ نحوی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے ابوعلی فارسی نے کسائی کے قول کو راجح قرار دیا۔

راقم کہتا ہے کیا ہی عظمت قرآن پاک ہے کہ نحو کے ائمہ، علم کے بے کنار سمندر بھی ایک لفظ کے سمجھنے میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ سبحان اللہ! قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت کا کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا، کوئی سر پھرا،

Marfat.com

دین کا باغی، کافروں کا یار، نام نہاد مسلمان قرآن پاک کے کسی حکم پر اعتراض کرے تو اس کی جہالت روز روشن کی طرح اہل علم پر واضح ہو جائے گی۔

"فلما کتب علیھم القتال تولوا الا قلیلا منھم":

"جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو وہ پھر گئے سوائے تھوڑے ان میں سے۔"

یعنی ان کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ کے نبی نے پہلے تو بیان کر دیا کہ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو تم جہاد نہیں کرو گے۔ لیکن ان کے مطالبہ اور اصرار پر رب تعالیٰ کے حضور دعاء کر دی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے امیر مقرر فرمایا (جس کا ذکر اگلی آیۃ کریمہ میں ان شاء اللہ آ رہا ہے) اور جہاد فرض کر دیا لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے مطابق جہاد سے پھر گئے، منہ موڑ گئے، سوائے چند لوگوں کے، جو لوگ جہاد سے نہیں پھرے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے کئے گئے وعدہ کے مطابق خلوص سے جہاد میں شریک ہوئے۔

"کان عدد ھذا القلیل ثلثماتۃ عشر عدد اعلی عدد اھل بدر"

وہ بدر میں شریک صحابہ کرام کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ تھے۔

بدر والوں کی تعداد بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (از کبیر و روح المعانی)

"واللہ علیم بالظالمین":

"اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔"

یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے کئے گئے وعدوں کو پورا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے، یعنی یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کس عذاب کے مستحق ہیں، اور وہ کہاں ہیں، اور ان کے دلی ارادے کیا ہیں، وہ کہاں تک روگردانی کرنے والے ہیں، لہٰذا یہ لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکیں گے، کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے کہ وہ کوئی پناہ حاصل کر لیں۔ (از کبیر بزیادۃ)

فائدہ: "قال النبی ﷺ "لا تتمنو القاء العدو و اسئلو اللہ العافیۃ فاذا القیتموھم فاثبتوا"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو، ہاں جب تمہاری ملاقات کافروں سے ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو۔ (قرطبی)

Marfat.com

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر، ۲۴۷)

﴿۱﴾

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے طالوت کوتمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے، بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی، فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

﴿۲﴾

اور فرمایا ان کو ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر کردیا ہے تمہارے لئے طالوت کو امیر، انہوں نے کہا کیسے ہوگی اس کو سرداری ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حق رکھتے ہیں سرداری کا اس سے، اور نہیں دی گئی اسے وسعت مال سے، فرمایا بیشک اللہ نے چن لیا ہے اسے تم پر، اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم اور جسم میں، اور اللہ دیتا ہے اپنا ملک جسے چاہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

طالوت کا انتخاب کیسے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتایا کہ قوم جس امیر کا مطالبہ کررہی ہے اور آپ بھی دعا کررہے ہیں، اس کی دونشانیاں

Marfat.com

ہیں، ایک یہ کہ آپ اپنے عصا سے قد کی پیمائش کریں جس شخص کا قد اس عصا کے برابر ہوگا وہی ان کا امیر اور سپہ سالار ہوگا۔

دوسری نشانی یہ ہے کہ آپ کے پاس جو سینگ بطور بوتل استعمال ہوتا ہے، اس میں جب تیل خود ہی کسی شخص کے آنے پر چھلک پڑے وہی ان کا امیر ہوگا۔

طالوت کے جانور گم ہو گئے تھے وہ ان کی تلاش میں نکلے، ان کے ساتھ ان کا ایک دوست بھی تھا، اس نے کہا کہ ہم اگر اس نبی کے گھر جائیں اور جانوروں کے ملنے کے لئے دعاء کرائیں یا ان سے راہنمائی طلب کریں تو ہوسکتا ہے ہمیں جانور مل جائیں۔ طالوت نے کہا ٹھیک ہے، جو وہ اللہ کے نبی کے گھر گئے تو سینگ میں تیل خود ہی چھلک پڑا، قد ناپنے پر طالوت کا قد بھی عصا کے برابر پایا گیا۔ اللہ کے نبی نے دونوں نشانیوں کو جب طالوت میں پایا تو قوم میں اعلان کر دیا کہ اللہ نے تمہارا امیر طالوت کو بنا دیا ہے۔ (از خازن و روح المعانی)

قوم کا جواب:

پہلے انہوں نے خود ہی اللہ تعالیٰ کے نبی سے سوال کیا کہ ہمیں کوئی بادشاہ عطاء کریں، جب انہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بادشاہ اور امیر طالوت کو منتخب کر دیا ہے، تو وہ اس کا انکار کرنے لگے کہ یہ کیسے ہمارا امیر اور سپہ سالار ہوسکتا ہے؟

ان کا اسے بعید سمجھنا دو وجہ سے تھا، ایک یہ کہ بنی اسرائیل میں نبوت لاوی بن یعقوب کی اولاد میں آ رہی تھی اسی خاندان سے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام تھے، اور بادشاہت یہودا کی اولاد میں آ رہی تھی، اس خاندان سے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ لاسلام تھے، چونکہ طالوت ان دو قبیلوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کے طالوت ایک غریب شخص تھے، رنگ ساز یا ماشکی تھے، لہٰذا انہوں نے کہا" ولم یؤت سعة من المال" اسے تو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی، وہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟

ان کا سوال کس قسم کا تھا؟

کیا انہوں نے مطلقاً اپنے نبی کے قول کو رد کرنے کی غرض سے انکار کیا تھا اور یہ کہا تھا" انی یکون له الملک علینا " (اس کو ہم پر کیسے بادشاہی اور سرداری حاصل ہوگی) یا کہ ان کے انکار کی کوئی اور وجہ تھی۔

Marfat.com

"ای من این یکون او کیف یکون لہ ذلک ؟ والا ستفهام حقیقی اوللتعجب لا تکذیب نبیهم، والا نکار علیه فی رأی"

"انی" یا "این" کے معنی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ اسے کہاں سے بادشاہی اور سرداری حاصل ہوگی۔ یا" کیف" کے معنی ہیں کہ اسے کیسے بادشاہی اور سرداری حاصل ہوگی۔

ان لوگوں کا سوال یا تو حقیقی طور پر علم حاصل کرنے کے لئے تھا، ان کا گمان یہ تھا کے قائد اور سپہ سالار کے لئے مالدار ہونا ضروری ہے اور بڑا سرکردہ ہونا ضروری ہے، یہ مالدار بھی نہیں غریب شخص ہے، اور بڑا سرکردہ شخص بھی نہیں، ایک معمولی شخص ہے، رنگ ساز یا ماشکی ہے، تو اسے کیسے ہمارا قائد بنایا جائے گا۔ یا ان کا سوال بطور تعجب تھا کہ ہم تو نہایت سوچ میں پڑ گئے کہ اسے کس طرح امیر اور سپہ سالار بنا دیا گیا ہے، ان لوگوں نے یہ کلام نبی کے ارشاد کو رد کرنے کے لئے نہیں کیا تھا، ہاں البتہ بعض لوگوں کی یہ رائے بھی ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کے قول کو رد کرنے کے لئے یہ کہا تھا۔" واللہ اعلم بالصواب" (روح المعانی)

"قال ان اللہ اصطفاہ علیکم": اللہ کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے چن لیا ہے اسے تم پر۔

یہ ان کے تعجب کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نبی نے بطور دلیل ارشاد فرمایا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی نبوت کا اقرار کر رہے تھے، جب یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا امیر مقرر فرما دیا ہے، پھر ان کے تعجب کو اس سے زائل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے تم پر پسند کر لیا ہے، تو یہ ان کے لئے قطعی دلیل قائم ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو ایمان والے لوگ سچا مانتے ہیں، اگر وہ نبی کو جھوٹا مان لیں تو نبی کے اقوال پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا، اور نبی پر عیب لگانے کے مترادف ہوگا، اس لئے نبی کی نبوت کا اقرار کرنے والوں سے یہ مقصود نہیں ہوسکتا۔

"واذا ثبت صدق المخبر ثبت ان اللہ تعالیٰ خصه بالملک واذا ثبت ذلک کان ملکا واجب الطاعة وکانت الا عتراضات ساقطة"

جب خبر دینے والے کا سچا ہونا ان کے نزدیک بھی ثابت تھا تو انہیں پتہ چل گیا کہ طالوت واقع ہی ہمارا قائد ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے، اس دلیل سے ان کا تعجب والا سوال اٹھ گیا۔ (از کبیر)

Marfat.com

"واصطفاه من الصفوة بمعنى الاستخلاص وهوان يأخذ الشئى خالصالنفسه"

اصطفی ماخوذ ہے صفوۃ سے یعنی کسی کو اپنے نفس کے لئے خالص کر لینا، مراد چن لینا، پسند کرنا، اختیار کرنا، اس لئے کہ وہ غیروں سے صاف ہے۔ (از کبیر)

فائدہ جلیلہ: "وهذه الاية تدل على بطلان قول من يقول، ان الامامة موروثة وذلک لان بنی اسرائیل انکروا ان یکون ملکهم من لا یکون من بیت المملکة فاعلمهم الله تعالٰى ان هذا ساقط، والمستحق لذلک من خصه الله تعالٰى وهو نظیر قوله تعالٰى "تو تی الملک من تشاء وتنزع ممن تشاء"

یہ آیۃ اس پر دلالت کر رہی کہ ان لوگوں کا قول باطل ہے جو موروثی حاکیت کے قائل ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل نے اپنے امیر کا اسی وجہ سے انکار کیا تھا کہ یہ تو اس گھرانے اور اس خاندان کا فرد ہی نہیں جس خاندان میں بادشاہت آرہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر واضح کر دیا کہ تمہارا یہ دعوی ہی باطل ہے بادشاہت کا مستحق تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بادشاہی عطاء کرے،، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے (اے محبوب تم کہو اے اللہ) تو جسے چاہے ملک عطاء کرتا ہے اور جس چاہے ملک چھین لیتا ہے۔ (کبیر)

"وزاده بسطة فى العلم والجسم" "اور اسے زیادہ دی ہے کشادگی علم اور جسم میں"۔

یہ دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کے نبی نے ان کو دی کہ طالوت کو بادشاہی اور سرداری جو دی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے علم عطاء کیا گیا ہے جو تمہیں عطاء نہیں کیا گیا۔

" ان العمدةوفور العلم ليتمكن به من معرفة الامور السياسة"

بیشک علم کی زیادتی ہی عمدہ چیز ہے، کیونکہ علم سے انسان سیاسی امور میں قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

" وجسامة البدن ليكون اعظم خطرافى القلوب"

بدن کا جسیم ہونا دشمن کے دلوں میں رعب ڈالتا ہے، اور انسان دشمن پر دلیر ہوتا ہے اور لڑائی کرنے میں جرأت سے کام لیتا ہے۔ (از روح المعانی)

Marfat.com

جواب کی خوبی:

ان لوگوں نے طالوت کی امارۃ پر دو وجہ سے اعتراض کیا کہ یہ مستحق قیادت نہیں، کیونکہ شاہی خاندان کا فرد نہیں، دوسرا یہ کہ مالدار نہیں بلکہ فقیر ہے۔ رب تعالیٰ نے مستحق قیادت کے دو وصف بیان فرمائے، ایک عالم ہونا، اور دوسرا جسیم ہونا، علم اور طاقت کو مال اور مرتبہ پر کئی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔

(۱) علم اور طاقت کمالات حقیقیہ سے ہیں، مال اور مرتبہ کمالات حقیقیہ سے نہیں۔

(۲) علم اور طاقت انسان کے جوہر سے تعلق رکھتے ہیں، جبکہ مال اور مرتبہ انسان سے جدا اوصاف ہیں۔

(۳) علم اور طاقت انسان سے زائل نہیں ہوتے، مال اور مرتبہ زائل ہو جاتے ہیں یعنی یہ آنی جانی چیزیں ہیں۔

(۴) جو شخص جنگی تدابیر کا علم رکھتا ہو اور لڑائی کرنے کی بہت زیادہ قوت رکھتا ہو وہ دشمن کے شر کو مندفع کر سکتا ہے اور شہروں کی صحیح حفاظت کر سکتا ہے۔

صرف مالدار ہونا اور شاہی خاندان کا فرد ہونا ان چیزوں کے لئے کافی نہیں، کیونکہ جب اسے جنگی تدابیر کا علم ہی نہ ہو اور طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو اس نے اپنے شہروں اور ملک کی حفاظت کیا کرنی ہے اور اس نے دشمن کے شر کو کیسے دور کرنا ہے۔

☆ "فثبت بماذکرنا ان اسناد الملک الی العالم القادر اولی من اسناده الی النسیب الغنی"

جن وجوہ کا ہم نے ذکر کیا ان سے واضح ہو گیا کہ صاحب علم اور صاحب قدرت وطاقت زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے قائد وامیر اور بادشاہ وسپہ سالا بنایا جائے بنسبت غنی اور کسی خاص نسب سے تعلق رکھنے والے کے۔ (کبیر)

طالوت کا صاحب جسم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا قد بھی باقیوں سے لمبا تھا، دوسرے لوگ اس کے کندھے کے برابر تھے، وہ خوبصورت بھی تھا اور طاقت ور بھی تھا، اس کے امیر ہونے کے مستحق ہونے کی زیادہ دار ومدار اس کی بہادری پر تھی۔ (کبیر بتصرف)

Marfat.com

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے علم کا ذکر پہلے فرمایا اور جسم کا بعد میں، جس سے اس پر متنبہ فرمایا گیا۔

"ان الفضائل النفسانية اعلى واشرف واكمل من الفضائل الجسمانية"

کہ نفسانی فضائل جسمانی فضائل سے اعلیٰ اور اشرف اور اکمل ہیں۔ (کبیر)

"والله يؤتيه ملكه من يشاء" اور اللہ دیتا ہے اپنا ملک جسے چاہے۔

اللہ کے نبی نے اپنی قوم کے سامنے یہ تیسری دلیل قائم کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ سب ملک اللہ کا ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے اور لوگ اس کے عبد ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہے عطا کر دے، کسی ایک کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔

"لان المالک اذا تصرف فی ملكه فلا اعتراض لاحد عليه فی فعله"

اس لئے کہ مالک جب اپنی ملکیت میں تصرف کرے تو کسی کو اس کے فعل پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (کبیر)

"والله واسع عليم" "اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے نبی نے چوتھی دلیل یہ قائم کی ہے، البتہ اس دلیل کو تین طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۱) اللہ وسیع فضل، وسیع رزق اور وسیع رحمت کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، تم طالوت کے غریب ہونے پر اعتراض کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ وسیع فضل و رحمت کا مالک ہے اور اسی ذات کبریا نے طالوت کو امیر مقرر کیا ہے۔

"فان علم ان الملک لا يتمشى الا بالمال فالله تعالى يفتح عليه باب الرزق والسعة فی المال"

اللہ تعالیٰ کے علم میں سے تو کوئی بات مخفی نہیں، اگر بادشی اور قیادت کی دار و مدار مال پر ہوتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ طالوت پر رزق کے دروازے کھول دیتا اور اس کے مال میں وسعت پیدا کرتا۔

جب اسے مال نہیں دیا گیا اور امیر مقرر کر دیا گیا اور رب تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی بھی نہیں تو یقیناً واضح ہوا کہ بادشاہت اور قیادت کی دار و مدار مال دولت پر نہیں بلکہ علم و طاقت پر ہے۔

Marfat.com

(۲) واسع بمعنی موسع ہو "ای یو سع علی من یشاء من نعمته" اللہ تعالیٰ جسے چاہے وسیع نعمتیں عطا کرتا ہے، طالوت کو جب نعمت قیادت سے نوازا اور نعمت رزق میں وسعت نہیں دی تو اسی سے معلوم ہو گیا کہ قیادت رزق پر موقوف نہیں بلکہ قیامت کا تعلق علم وقدرت (طاقت) سے ہے۔

( ) " والثالث انه واسع بمعنی ذوسعة ویجیٔ فاعل ومعناه ذو کذا " صرفی قانون یہ ہے کہ فاعل کبھی بمعنی "ذو کذا" کے آتا ہے، اس فاعل کا نام ہی 'ذی کذا' ہوتا ہے، جیسے "تـامـر" صاحب تمر، اور "لابن" صاحب لبن کو کہا جاتا ہے۔

اس معنی کے لحاظ پر بھی مطلب وہی ہوگا جو بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب وسعت ہے جس کو خود ہی قائد بنا رہا ہے اسے رزق کی وسعت نہ دینا یقیناً اس کی حکمت پر موقوف ہے۔ (کبیر)

" علیم" اللہ تعالیٰ فقیر کو غنی بنانے کی قدررت کے ساتھ تمام مقادیر کا علم بھی رکھتا ہے، لہٰذا یوں کہا جائے گا۔

"انه عالم بمقادیر مایحتاج الیه فی تدبیر الملک وعالم بحال ذلک الملک فی الحاضر والمستقبل"

کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ شخص ملک کی تدبیر میں کن چیزوں کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اب اور بعد میں کن چیزوں کی بادشاہت وقیادت میں محتاج ہوگا، وہی چیزیں اللہ تعالیٰ نے طالوت کو عطاء کیں۔

تنبیہ: زیادہ تفصیل تو ان شاء اللہ "قل اللھم مالک الملک الخ" کے ضمن میں آئے گی، لیکن یہاں اتنا سمجھ لیا جائے کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی کی طرف وحی بھیج کر منتخب کیا، لہٰذا انہیں تمام ان تدبیروں کا علم دیا اور طاقت دی جس کہ وہ محتاج تھے، ان کو اللہ تعالیٰ منتخب کرنے میں راضی تھا، ہر بادشاہ کو یہ مقام حاصل نہیں، کافر اور ظالم جاہل اور نا اہل بھی بادشاہ ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ اَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوْسٰى وَآلُ هَارُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر، ۲۴۸)

﴿۱﴾

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے۔

﴿۲﴾

اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک نشانی اس کے امیر بننے کی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس تابوت (صندوق) اس میں تسکین ہوگی تمہارے رب کی طرف سے، اور اس میں کچھ بقایا چیزیں ہیں اس سے جو چھوڑ گئے معزز موسیٰ اور معزز ہارون، اٹھائے ہوں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

ماقبل سے تعلق واضح ہے، اور پہلی آیۃ کریمہ سے یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنے نبی کی نبوت کا اقرار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت بیان کی "اذقالو النبی لھم ابعث لنا ملکا" (جب کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا مقرر کر دو ہمارے لئے امیر) اسی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ اللہ کے نبی کا اعتراف کرتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ یہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث (بھیجا ہوا) ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے نبی نے ان کو بتایا " ان اللہ قد بعث

Marfat.com

لکم طالوت ملکا" (بیشک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو امیر مقرر کر دیا) یہ قطعی دلیل تھی۔

ان کا انکار بطور تعجب تھا یا بطور عادت تھا تاہم بوجہ کفر نہیں تھا۔

"ثم انه تعالٰی لکمال رحمته بالخلق ضم الی ذلک الدلیل دلیلا آخریدل کو ن ذلک النبی صاد قا فی ذلک"

پھر اللہ تعالٰی نے مخلوق پر کامل رحمت فرماتے ہوئے کہ ان دلوں کو مزید تسکین حاصل ہو جائے اور دلیل پیش فرمادی اور اسی سے نبی کی صداقت پر مزید دلیل بھی قائم فرمادی۔

"وید ل ایضاعلی ان طالوت نصبه الله تعالٰی الملک و اکثار الدالائل من الله تعالٰی جائز"

تابوت کے نازل ہونے کی دلیل سے بھی یہ واضح کیا کہ طالوت کو امیر خود رب تعالٰی نے مقرر فرمایا، اللہ تعالٰی کی یہ خاص مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کثیر دلائل دے کر مطمئن کرتا ہے کہ یہ اپنے عقل و اختیار کی وجہ سے کہیں حد سے تجاوز نہ کر جائیں بلکہ اپنے عقل و اختیار کو رب تعالٰی کے احکام کے تابع کریں۔

"ولذلک انه کثرت معجزات موسی علیه السلام و محمد علیه السلام"

اسی وجہ سے اللہ تعالٰی کی طرف سے حضرت موسٰی علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم محمد مصطفٰی ﷺ کو کثیر معجزات عطاء کئے گئے، جہاں کثرت معجزات سے ان کو معزز بنایا وہاں ان کی امتوں پر بھی مہربانی کی گئی کہ وہ کثیر معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں، اور ایمان لانے کے بعد دین سے پھریں نہیں۔

"وقال لهم نبيهم ان آية ملكه ان يا تيكم التا بوت":

اور فرمایا ان کو ان کے نبی نے کہ بیشک اس کی بادشاہت و قیادت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا۔

تابوت کیا تھا؟

"هو صندوق التو راة وقيل وكان موسى عليه السلام اذا قاتل قد مه فكانت تسكين

Marfat.com

نفوس من بنی اسرائیل ولاَ یفرون "

وہ جس میں توراہ کو رکھا جاتا تھا، موسیٰ علیہ السلام جب جہاد کرتے تھے تو اس صندوق کو آگے رکھتے تھے جس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو سکون حاصل ہوتا تھا اور وہ میدان جنگ سے بھاگتے نہیں تھے۔

"فیه سکینة من ربکم " "اس میں تسکین ہوگی تمہارے رب کی طرف سے۔"

"فیه سکینة من ربکم "ای فی اتیانه سکون و طمانینة"

یعنی تابوت کے آنے کی وجہ سے تمہارے دلوں کو چین حاصل ہوگا، اور دل مطمئن ہوں گے۔ (روح المعانی)

"کل شئ یسکنون الیه فهو سکینة" ہر چیز جس سے دلوں کو سکون حاصل ہوا سے سکینہ کہا جاتا ہے۔ (خازن)

تابوت کی وجہ تسمیہ:

تابوت کا لفظ "تـوب" سے لیا ہوا ہے، جس کا معنی ہے رجوع کرنا، چونکہ تابوت ایک صندوق تھا، جس میں انبیاء کرام کے تبرکات رکھے ہوئے تھے، جب وہ نکالے جاتے تھے تو پھر ان کو اسی میں لوٹا دیا جاتا تھا، اس لئے اس کا نام تابوت رکھا گیا۔ (کبیر)

راقم کے خیال میں اس مسئلہ کو یوں منقش کر دیا گیا کہ وہ تابوت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا سبب بھی تھا کیونکہ جب اس کے آنے سے ان کے دلوں کو چین حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ کی رجوع کی توفیق بھی حاصل ہوگی۔ "واللہ اعلم بالصواب"

تابوت کا آنا معجزہ تھا:

اللہ تعالیٰ کے نبی اشموئیل علیہ السلام کا معجزہ تھا اور طالوت کی کرامت تھی کہ ان کے پاس خرق عادت تابوت آ گیا۔

تابوت کے متعلق یہ بھی کہا گیا:

کہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آ رہا تھا جس میں کئی انبیاء کرام کے تبرکات تھے، جو ان لوگوں کے دلوں کا چین بنے۔

Marfat.com

"وبقية مماترک آل موسی و آل هارون":

''اوراس میں کچھ بقایا چیزیں ہیں جو چھوڑ گئے معزز موسی اور معزز ہارون۔''

اس تابوت میں موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی چھوڑی ہوئی چیزیں تھی۔ آسمانوں سے تورات کی جو تختیاں نازل ہوئی تھیں ان کے ٹکڑے تھے، موسی علیہ السلام کا عصا تھا اور آپ کے کپڑے تھے اور ہارون علیہ السلام کی نعلین تھیں۔ اوران پر جو رب تعالیٰ کی طرف سے من نازل ہوتا رہا اس میں سے کچھ اس تابوت میں تھا۔ (از کبیر و قرطبی)

آل کا معنی کیا ہے؟

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ''معزز موسی اور معزز ہارون'' ترجمہ کیا ہے۔ راقم نے بھی وہی نقل کیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

"قال بعض المفسرين يحتمل ان يكون المراد من آل موسى و آل هارون انفسهما"

بعض مفسرین کرام نے بیان فرمایا کہ اس مقام میں قوی احتمال یہی ہے کہ آل موسی سے مراد موسی علیہ السلام کی ذات ہے اور اسی طرح آل ہارون سے مراد ہارون علیہ السلام کی ذات ہے۔

اس پر دلیل یہ دی گئی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

" لقد اوتی هذا مزمارمن مزامير آل داؤد" واراد به نفسه لأنه لم يكن لا حد من آل داؤد من الصوت الحسن مثل ما كان لداؤد عليه السلام "

''تحقیق ان کو داؤد علیہ السلام کی طرح اچھی آواز دی گئی، آپ کے ارشاد مبارک میں بھی "آل داؤد" ذکر ہے لیکن اس سے مراد ان کی ذات ہے اولاد نہیں، کیونکہ ان کی اولاد میں کسی کو ان کی طرح خوبصورت آواز نہیں دی گئی تھی۔ (کبیر)

"تحمله الملائكة": ''اٹھائے ہوں گے اسے فرشتے۔''

اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ نبی اسرائیل کے اختلافات کی وجہ سے وہ تابوت نبی عمالقہ نے ان پر غالب آ

Marfat.com

کر چھین لیا تھا اور وہ اس کی بے حرمتی کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعاء سے بنی عمالقہ سے وہ تابوت فرشتے لے آئے، جسے بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے کہ تابوت کو فرشتے بیل گاڑی پر رکھ کر لا رہے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور مظالم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تابوت کو آسمانوں پر اٹھا لیا تھا اور حضرت اشموئیل علیہ السلام کی دعاء سے اور آپ کا معجزہ ظاہر کرنے کے لئے طالوت کی قیادت پر بطور دلیل آسمانوں سے نازل فرمایا۔

فرشتوں کے اٹھانے میں بھی دو احتمال ہیں کہ انہوں نے تابوت کو اٹھایا ہوا تھا۔ ان کی طرف نسبت اٹھانے کی حقیقی ہے یا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یوں ہی تابوت کو نازل فرمایا، فرشتے اس کے ساتھ حفاظت کے لئے نازل ہوئے، اس طرح فرشتوں کی طرف اٹھانے کی نسبت مجازی ہوگی۔ (ماخوذ از کبیر و روح المعانی)

راقم کے ذہن میں ان تمام اقوال کے جمع کرنے کی یہ صورت آئی کہ بنی اسرائیل کے اختلافات اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر عمالقہ قوم غالب آگئی، جو ان کا تابوت بھی لے گئی، جس میں کئی انبیاء کرام کے تبرکات تھے اور خاص کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے تبرکات بھی اس میں تھے، عمالقہ قوم نے اس تابوت کی بے حرمتی کی، ناپاک جگہ پر رکھ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کے تبرکات کی توہین کو برداشت نہ کیا تو تابوت کو آسمان پر اٹھا لیا۔ طالوت کے امیر مقرر کرنے پر بطور دلیل اور خاص کر کے بنی اسرائیل کے دلوں کو چین عطاء کرنے کے لئے تابوت کو رب تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بغیر فرشتوں کے اٹھانے کے زمین پر نازل ہوا، جسے بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے۔

زمیں پر آکر فرشتوں نے انسانی شکل میں ہو کر اس تابوت کو اٹھایا اور ایک بیل گاڑی پر رکھ دیا، اس طرح وہ تابوت ان بنی اسرائیل پر نازل کر کے ان پر رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ میں جو چاہوں کرتا ہوں، میری اسی مشیت (چاہت) کی وجہ سے طالوت کو تمہارا امیر مقرر کیا گیا۔ اور حضرت اشموئیل علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا اور طالوت کی کرامت اور بنی اسرائیل علیہ السلام کے دلوں کا چین بنا۔

Marfat.com

"ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین":

بیشک اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

یعنی تابوت کا تمہارے پاس آنا میرے نبی کا معجزہ ہے جو تمہارے لئے بہت بڑی واضح نشانی ہے، اگر تمہارا ایمان ہوا تو یقیناً تم اسے تسلیم کرلو گے۔

"ولیس المقصود حقیقۃ الشرطیۃ اذا کان المخاطب من تحقق ایمانہ، وقیل ھی بمعنی اذ"

اس آیہ کریمہ میں "ان" حقیقی طور پر شرط کے لئے استعمال نہیں کیونکہ جن لوگوں کو خطاب کیا جارہا ہے وہ مومن تھے کافر نہیں تھے، اس لئے مطلب یہی ہے کہ اگر تمہارا ایمان کامل ہوگیا تو تم اسے تسلیم کرلو گے۔

"تم اسے تسلیم کرلو گے" یہ جواب ہے جو محذوف ہے، سیاق وسباق سے سمجھ آرہا ہے، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "ان" بمعنی "اذ" ہو، یعنی جبکہ تم ایمان رکھتے ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ تمہارے لئے نشانی ہے۔ (از روح المعانی)

"(ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم مؤمنین) عظیمۃ (لکم) دالۃ علی ملک طالوت او علی نبوۃ محمد ﷺ حیث اخبر بھذہ التفاصیل علی ماھی من غیر سماع من البشر"

بیشک اس میں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے جو طالوت کی قیادت پر دلالت کررہی ہے یا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت پر دلالت کررہی کہ آپ نے اتنی تفصیل سے خبریں دے دیں جو کسی انسان سے آپ نے نہیں سنیں تھیں۔ (ابو السعود) وہ خبریں یقیناً غیبی تھیں جو رب تعالیٰ کی عطاء تھیں۔

فائدہ: اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور ﷺ کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے، حضرت خالد کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور کریم ﷺ کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا، حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب وکامران کرتا ہے۔ (ضیاء القرآن)

Marfat.com

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِیَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۴۹)

﴿۱﴾

پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا بیشک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔ تو سب نے اس پیا مگر تھوڑوں نے پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی بولے وہ جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

﴿۲﴾

پھر جب جدا ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ، کہا بیشک اللہ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے تو جس شخص نے پیا اس سے تو وہ نہیں ہے میرا، اور جس شخص نے پیا اس سے وہ میرا ہے سوائے اس کے جس نے چلو لے لیا اپنے ہاتھ سے، تو سب نے پی لیا اس سے سوائے تھوڑوں کے ان میں سے، پھر جب گزر گیا اس سے وہ اور

Marfat.com

(گزر گئے) اس کے ساتھ ایمان والے انہوں نے کہا نہیں ہے طاقت ہمیں آج کے دن جالوت اور اس کے لشکروں کی، کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ بیشک انہوں نے ملنا ہے اللہ سے، کتنی ہی تھوڑی تعداد جماعتیں غالب آئی ہیں کثیر تعداد جماعتوں پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ ساتھ صبر کرنے والوں کے۔

ماقبل سے تعلق:

"لمااتاهم بآية التابوت اذعنواله واجابوا الى الميسر تحت رأيته"

پہلی آیۃ میں تابوت کے آنے کا ذکر کیا، ان کے پاس جب تابوت آ گیا تو اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کو امیر مقرر کئے جانے کا ان کو یقین ہو گیا اور طالوت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر وہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے، تو اس آیۃ کریمہ میں ان کے چلنے اور ایک امتحان میں ناکام ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

مختصر مطلب:

طالوت ان کو بیت المقدس سے لے کر عمالقہ قوم کی طرف چلے تو ان کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آگے ایک نہر آئے گی جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمانا ہے، یعنی تم پر پیاس کو غالب کر دینا ہے اور نہر کا پانی بھی تمہیں میسر ہو جانا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ وہاں سے صرف چلو بھر اپنے ہاتھوں سے لے کر پی سکتے ہیں، جنہوں نے اس سے زیادہ نہ پیا وہ تو میرے ساتھ تعلق رکھنے والے ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ کے دین اور احکام پر چلنے والے ہوں گے، اور جنہوں نے اس نہر سے چلو بھر سے زیادہ سے پی لیا وہ میرے ساتھ تعلق رکھنے والے نہیں ہوں گے۔

وہ جب نہر پر پہنچے تو ان پر پیاس کی شدت غالب ہو گئی تو سوائے چند آدمیوں کے باقی سب نے پی لیا، تو رب تعالیٰ کے حکم سے عدولی کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ باوجود مومن ہونے کے جب طالوت کے ساتھ نہر سے آگے گزرے ہی تھے تو ان پر بزدلی غالب آ گئی۔

Marfat.com

تو انہوں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ وہ ہمارے مقابلہ میں تعداد کے لحاظ سے زیادہ ہیں اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت زیادہ ہے، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملنے کا یقین تھا، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چلو بھر سے زیادہ پانی نہیں پیا تھا، انہوں نے کہا کہ کتنی ہی کم تعداد والی جماعتیں زیادہ تعداد والی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب آئی ہیں، یعنی جنگ جیتنے کے لئے صرف تعداد کی زیادتی اور اسلحہ کی کثرت کافی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی امداد کا شامل حال ہونا ضروری ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کی توفیق اور اس کی مہربانی پر یقین رکھتے ہیں اور اسی پر توکل رکھتے ہوئے صبر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی امداد ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ آج کے مسلمان بھی بنی اسرائیل کی طرح کفار کے اسلحہ کو دیکھ کر ڈرنے کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو رہے ہیں، کاش کہ رب تعالیٰ کی رحمت پر بھی یقین رکھتے۔

"فلمافصل طالوت بالجنود": پھر جب جدا ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ۔

"فصل يفصل فصلا" کا اصل میں معنی ہے "قطع کرنا" یہ فعل متعدی ہے، یعنی اصل میں اس کا استعمال اسی طرح ہونا چاہئے تھا "فصل نفسه عن بلده" اس نے اپنے آپ کو شہر سے جدا کیا اور نکالا۔ لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے اسے لازم کے درجہ میں رکھ لیا جاتا ہے اور مفعول کو حذف کر لیا جاتا ہے، اب اس کا معنی یہ ہوتا ہے "انفصل عن بلده" اپنے شہر سے جدا ہوا۔ (مظھری)

"بالجنود" جار و مجرور کا تعلق "متلبسابهم و مصاحبالهم" سے ہو کر حال واقع ہو رہا ہے۔ اب مکمل ترجمہ یہ ہو گیا "جب طالوت اپنے ساتھ اپنے لشکروں کا ملا کر (اپنے شہر بیت المقدس سے) نکلا"۔ (ابوالسعود)

"الجنود الاعوان والا انصار جمع جند وفيه معنى الجمع"

جنود جمع ہے جند کی، جس کا معنی ہے مددگار، چونکہ وہ مختلف قبائل پر مشتمل لشکر تھا اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ (از روح المعانی)

طالوت کا بہت خوب اعلان:

حضرت طالوت نے اپنے ساتھ ملانے کے لئے اور لشکر کو تیار کرنے کے لئے یہ اعلان فرمایا، میرے ساتھ وہ

Marfat.com

شخص نہ چلے جو تعمیر میں مشغول ہو تعمیر سے فارغ نہ ہوا ہو، اور ایسا شخص بھی نہ چلے جو تجارت میں مشغول ہو، یعنی اس نے کوئی قرضہ لینا ہے اور کوئی دینا ہے اور مال وغیرہ کی اسے فکر لاحق ہو، اور وہ شخص بھی نہ چلے جس نے شادی کی ہو اور ابھی تک جماع نہ کیا ہو۔ اور میرے ساتھ صرف چست، بہادر، پھرتیلے نوجوان نکلیں جو دنیاوی مشاغل سے فارغ ہوں، کیونکہ دنیاوی کاموں میں مشغول دلجمعی سے جنگ نہیں کرسکیں گے، بلکہ ان کی توجہ اپنے اپنے کاموں کی طرف ہوگی۔

حضرت طالوت کے اعلان پر ستر ہزار سے لے کر اسی ہزار تک لوگ جمع ہوگئے۔ (از روح المعانی)

"قال وهب لم يتخلف عنه الا ذو عذر من صغر او كبر او مرض"

وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت طالوت کے اعلان کے بعد صرف چھوٹے بچے اور بوڑھے اور مریض لوگ پیچھے رہ گئے تھے، جن لوگوں کو جہاد کرنے کی طاقت حاصل تھی وہ تمام ان کے ساتھ نکل پڑے تھے۔ (قرطبی)

"قال ان اللہ مبتلیکم بنھر": "کہا بیشک اللہ آزمانے والا ہے تمہیں ایک نہر سے۔"

ظاہر یہی ہے کہ یہ کلام حضرت طالوت کا تھا، لیکن طالوت نبی نہیں تھے، ان کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت اشموئیل علیہ السلام کے خبر دینے کی وجہ سے تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طالوت اور ان کے لشکر کو الوداع کرنے کے لئے اللہ کے نبی خود تشریف لائے ہوں اور یہ ارشاد ان کا براہ راست ہو۔ ماقبل اور مابعد کو دیکھنے سے زیادہ قوی احتمال پہلا ہی ہے کہ یہ کلام طالوت کا ہے، اگرچہ انہوں نے اللہ کے نبی سے حاصل کیا۔ (کبیر)

آزمانے میں حکمت:

اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کو آزمانا اور آزمائش سے پہلے خبر دے دینا درحقیقت ان لوگوں پر مہربانی کے لئے تھے، اس آزمائش میں دو وجہ پائی گئی ہیں۔

پہلی وجہ:

"كان مشهور من بني اسرائيل انهم يخالفون الانبياء والملوك مع ظهور الآيات الباهرة"

Marfat.com

یہ بات بھی مشہور و معروف ہے کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام اور اپنے بادشاہوں کی روشن اور واضح نشانیوں سے ظاہر ہونے کے باوجود مخالفت کرتے رہتے تھے۔

(راقم کے خیال میں ان کی یہ مخالفت عادت کے طور پر تھی کفر یہ طور پر نہیں جیسا کہ کبیر کی عبارت کے ترجمہ سے واضح سمجھ آ رہا ہے)

تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ دشمن سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی ان پر آزمائش کا ذکر کر دیا جائے تا کہ لڑائی میں صبر سے کام لینے والے اور صبر نہ کرنے والوں میں فرق واضح ہو جائے۔

"لان الرجوع قبل لقاء العدو لا یوثر کتاثیرہ حال لقاء العدو"

اس لئے کہ دشمن کی ملاقات سے پہلے جنگ سے لوٹ آنا اتنا اثر انداز نہیں جتنا دشمن سے آمنا سامنا ہو جانے کے بعد لوٹ آنا اثر انداز ہوتا ہے، کیونکہ جنگ سے دشمن کے مقابلہ سے بھاگ کر آنا گناہ کبیرہ ہے۔ دشمن سے مقابلہ کرنے سے پہلے ہی ان کی اصلاح کے لئے رب تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے ان کو اس آزمائش کی خبر دے دی۔

دوسری وجہ:

آزمائش کی دوسری وجہ یہ تھی۔" انہ تعالٰی ابتلا ھم لیتعودو الصبر علی الشدائد"

کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں اس لئے مبتلاء کیا تا کہ وہ شدید تکالیف کو برداشت کرنے کی عادت بنا کر صبر کریں اور صبر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا قرب حاصل کریں۔ (از کبیر)

وہ نہر کون سی تھی:

ایک قول قتادہ اور ربیع رحمہما اللہ کا ہے کہ وہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ نہر فلسطین تھی۔

" والتو فیق بین القولین ان لنھر الممتدمن بلد الی بلد یضاف الی احدالبلدین"

ان دونوں قولوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ وہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی، لیکن جو نہر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف چلے اس کی نسبت ایک کی طرف کی جا سکتی ہے، اسی وجہ سے اسے نہر فلسطین بھی کہا جاتا تھا۔ (کبیر)

Marfat.com

اگر اسے نہر اردن کہہ لیا جائے تب بھی یہی مطلب ہوگا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ جنگ سخت گرمی میں تھی انہوں نے کہا کہ ہم سے پانی نہیں اٹھایا جائے گا، بلکہ ہمیں پانی کی کوئی نہر مل جائے تو ان کو بتایا گیا کہ تمہارا نہر سے ہی گزر ہوگا البتہ وہی نہر تمہاری آزمائش بنے گی۔ (از کبیر وقرطبی)

یہ قول بھی پہلے دونوں اقوال سے مختلف نہیں، کیونکہ ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ کس راستہ سے جانا ہے اور عمالقہ سے جنگ کرنی ہے، ان کے کہنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ نہر کا راستہ اختیار کیا جائے جس نہر سے ان کے مطالبہ پر آزمایا گیا یہ وہی نہر تھی جو فلسطین اور اردن کے درمیان تھی۔ (راقم)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"نھر" کے عین کلمہ "ھا" پر حرکت بھی ہے اور سکون بھی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے۔

"کل ثلاثی حشوہ حرف الحلق فانه یجیئ علی ھذین"

ہر ثلاثی جس کا درمیانی حرف، حروف حلقی سے ہو، اس میں یہی دو صورتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

صحر اور شعر میں بھی یہی وجوہ ہیں۔ (بلکہ طلباء کرام صرفی کتب میں دی ہوئی مثال شھد کو مدنظر رکھیں) (کبیر)

آزمائش کیسے تھی؟

"فروی انھم اتوا النھر وقد نالھم عطش وھو فی غایة العذوبة والحسن"

روایت بیان کی گئی کہ وہ جب نہر پر آئے تو ان کو شدید پیاس لگی، اور نہر کا پانی بہت میٹھا اور صاف شفاف تھا۔

اس حالت میں کہ پیاس شدید ہو اور پانی صاف شفاف اور میٹھا ہو، یہ بہت بڑی آزمائش تھی، اسی وجہ سے چلو بھر پینے کی اجازت دی گئی، مطیع لوگوں کو وہ ایک چلو ہی کفایت کر گیا، (لیکن زیادہ مقدار میں پینے والے نافرمان ہوگئے اور مرض میں مبتلا ہوگئے)۔ (قرطبی)

رب تعالیٰ کو آزمائش کی کیا ضرورت تھی؟

جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کون سے لوگ مطیع ہیں اور کون سے نافرمان ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس وجہ سے آزمایا؟

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اسے علم حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ایک قانون مرتب مقصود کرنا ہوتا ہے کہ اے انسانو! اپنے علم سے فیصلہ نہ کرنا بلکہ مقدمات میں کسی کے اقرار کرنے اور گواہوں کو دیکھ کر فیصلے کرنا۔

"ولما کان الا بتلاء بین الناس انمایکون لظهور الشئ وثبت ان اللہ تعالیٰ لا یثیب ولا یعاقب علی علمه انما یفعل ذلک بظهور الا فعال بین الناس وذلک لایحصل الا بالتکلیف لاجرم سمی التکلیف ابتلاء"

آزمائش کا مقصد لوگوں پر ظاہر کرنا ہوتا ہے، اور یہ بھی واضح طور پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق کسی کو نہ ثواب عطاء کرتا ہے اور نہ عذاب دیتا ہے، بلکہ جب کسی کے افعال لوگوں پر ظاہر ہوتے ہیں تو ان کو ان افعال کے مطابق جزاء دیتا ہے، اور یہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی کو کچھ کاموں کا حکم دے کر اور کچھ کاموں سے روک کر تکلیف دی جائے، اسی تکلیف کا نام آزمائش ہے۔ (از کبیر)

"فمن شرب منه فلیس منی ومن لم یطعمه فانه منی":

"تو جس شخص نے پیا اس سے تو وہ میرا نہیں اور جس نے نہ پیا اس سے تو وہ میرا ہے۔"

یہاں پینے سے مراد چلو بھر سے زیادہ پینا ہے، کیونکہ چلو بھر پینے کی اجازت کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔

" فلیس منی "اور میرا مطیع نہیں ہوگا۔ (کبیر)

"لیس من اشیاعی اولیس بمتصل بی و متحد معی" وہ میرے متبعین سے نہیں ہوگا، وہ میرے ساتھ متصل نہیں ہوگا، اور اس کا مجھ سے اتفاق واتحاد نہیں ہوگا۔ (روح المعانی)

ان معانی کو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے مختصر فصیح و بلیغ الفاظ سے یوں بیان کیا" وہ میرا نہیں"

یعنی جس نہر سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمانا ہے اس سے تم نے چلو سے زائد پانی پی لیا تو تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، تم میرے دین پر نہیں ہوگے، تم میرے مطیع نہیں ہوگے، تم میرے متبعین سے نہیں ہوگے، تمہارا میرے

Marfat.com

ساتھ اتحاد و اتفاق نہیں ہوگا۔

"ومن لم یطعمه فانه منی" اور جس نے نہ پیا اس سے تو وہ میرا ہے۔ "طعم الشئ اذاذاقه ماکولا کان او مشروبا" "طعم" کا لفظ کسی چیز کو چکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ چیز کھائی جاتی ہو یا پی جاتی ہو۔ جوہری نے بیان کیا ہے کہ "طعم" اس چیز کو کہتے ہیں جس سے ذوق حاصل ہو۔

"وعلی التقدیر ین استعمال طعم الماء بمعنی ذاق طعمه"

دونوں معنوں کے لحاظ پر یعنی طعم کا معنی چکھنا ہو یا چکھنے والی چیز ہو، اس کا استعمال پانی پینے کے معنی میں بھی ہے۔

البتہ کھانے والا معنی بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ زمزم کے پانی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"طعام طعم و شفاء سقم" اس پانی میں کھانے کی تاثیر بھی موجود اور بیمار کے لئے شفاء بھی۔

اس حدیث پاک میں "طعام طعم" کا معنی پانی پینا لینا ممکن نہیں۔ یعنی "طعم" کی نسبت پانی کی طرف ہو تو اس وقت معنی "پانی پینا" ہوتا ہے۔ لیکن کبھی پانی کی طرف نسبت ہونے کے باوجود معنی "کھانا" کرنا پڑتا ہے جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ (از روح المعانی)

"طعم" کے ذکر کے فوائد:

"من لم یطعمه" فرمایا "من لم یشرب منه" نہیں فرمایا گیا، اس لئے کہ اس میں دو فائدے پائے گئے ہیں۔

(۱) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انسان جب بہت زیادہ پیاسا ہوتا ہے، پھر پانی پیتا ہے تو اسے پانی کی مٹھاس اور لذت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے "کانه الجلاب، وکانه العسل" یہ عرق گلاب میں ڈالا ہوا خوشبودار اور میٹھا شہد سمجھ آتا ہے، یا یہ شہد کی طرح میٹھا اور لذت دار سمجھ آتا ہے، تو وہ شخص شدید پیاس کی حالت میں پانی پینے کو طعام سے تشبیہ دے رہا ہے، کیونکہ شہد خواہ خالص یا عرق گلاب میں ملا ہوا (الجلاب) ہو وہ کھایا جاتا ہے پیا نہیں جاتا، اسے مطعوم کہا جاتا ہے مشروب نہیں کہا جاتا۔

اب اس وجہ کے لحاظ سے "ومن لم یطعمه" ارشاد فرما کر یہ حکم دیا گیا کہ اگر تمہیں بہت پیاس محسوس ہو

Marfat.com

یہاں تک کہ تم پانی کو شہد سے تشبیہ دے رہے ہو تو ایسی حالت میں ہی رب تعالیٰ تمہیں آزمائے گا، اس حالت میں بھی "فیحب الاحتراز عنه وان لا یشر به" تم پر اس پانی سے بچنا لازم ہوگا، اور پانی نہ پینا تا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ امتحان میں کامیاب فرمائے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص منہ میں پانی ڈالے اور اسے منہ میں گھما کر یعنی کلی کر کے نکال دے اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں " انه ذا قه" بیشک اس نے پانی چکھا، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا " انه شرب" کہ اس نے پانی پیا، اگر " ومن لم یشربه" کہا جاتا تو ممانعت کا تعلق پانی سے ہوتا، لیکن جب ارشاد فرمایا " ومن لم یطعمه" تو اسے پانی پینے سے بھی روک دیا گیا اور لذت حاصل کرنے کے لئے کلی کرنے سے بھی منع کر دیا گیا، ہاں صرف ایک چلو پیاس کو روکنے کے لئے پینے کی اجازت دی گئی، لیکن وہ بھی اس میٹھے اور شفاف پانی سے لذت حاصل کرنے کے لئے نہیں،" ومعلوم ان هذا التکلیف اشق" یہ بات واضح ہے کہ پانی پینے سے بھی ممانعت اور حصول لذت کے لئے کلی کرنے کی بھی ممانعت ان کے لئے شدید مشقت کا سبب تھی، اور یہ آزمائش بہت بڑی مشکل آزمائش تھی۔ (از کبیر)

فائدہ: "فمن شرب منه فلیس منی" کے بعد ذکر فرمایا " ومن لم یطعمه فانه منی" اس میں سے ایک عظیم فائدہ حاصل ہو رہا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کہے " الایشرب من هذا النهر" اس نہر سے نہیں پیئے گا۔ تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی قسم اس وقت ٹوٹے گی جب وہ نہر سے منہ لگا کر پانی پیے، اگر اس نے نہر سے کسی برتن میں لے کر پانی پی لیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یعنی آپ حقیقی معنی پر عمل کرتے ہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ مجاز پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اس نے نہر کا پانی برتن میں لے کر بھی پی لیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

جب ظاہر یہی ہو رہا ہے کہ " فمن شرب منه" میں نہر سے پینے پر وعید ہے کہ وہ میرا نہیں، نہر کا پانی برتن میں لے کر پینے کی ممانعت نظر نہیں آ رہی تھی تو " ومن لم یطعمه" ارشاد فرما کر اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ اگر نہر کا پانی کسی شخص نے کسی طرح بھی پی لیا، خواہ منہ لگا کر یا برتن میں لے کر، خواہ اس میں پینے کی غرض پائی گئی یا لذت حاصل کرنے کی غرض پائی گئی، تو وہ میرا نہیں، اور جس نے کسی طرح بھی پانی نہ پیا اور نہ لذت حاصل کی وہ میرا ہے، ہاں البتہ ایک چلو اسے پینے کی اجازت ہوگی۔ (از کبیر)

Marfat.com

"الامن اغترف غرفة بیده": "مگر وہ جو ایک چلو اپنے ہاتھ سے لے لے۔"

یہ حکم ماقبل سے مستثنیٰ ہے یعنی اس حکم کو ماقبل حکم سے علیحدہ کر دیا گیا ہے کہ ایک چلو اپنے ہاتھ میں لے کر پینے کا وہ حکم نہیں جو پہلے بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کی اجازت ہے۔

"الغرفة" (بالضم) قلیل چیز جو ہتھیلی میں حاصل ہوتی ہے، یعنی چلو۔

"الغرفة" (بالفتح) قلیل چیز ہاتھ میں لینا، جیسے "اکلة" (بالضم) لقمہ، اور "اکلة" (بالفتح) ایک لقمہ کھانا۔

"الحزة" (بالضم) گوشت کا ایک ٹکڑا۔ "الحزة" (بالفتح) گوشت کا ٹکڑا کاٹنا۔

"الخطوة" (بالضم) دو قدموں کے درمیان فاصلہ یعنی قدم۔ "الخطوة" (بالفتح) قدم اٹھانا۔

☆ قال ابن عباس رضی الله عنهما كانت الغرفة يشرب منهاهوو دوابه وخدمته"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس آزمائش میں پورے اترے، انہوں نے ایک چلو پانی لیا، اسی سے کچھ قطرات خود پی لئے اور کچھ قطرات اپنے چوپاؤں کو پلا دیئے اور کچھ قطرات اپنے خدام کو پلائے، وہی ایک چلو ان تمام کو کفایت کر گیا۔

ایک چلو پانی ایک شخص کو بمع اس کے خدام اور سواریوں کے کیسے کافی ہوا؟

"ان الله تعالىٰ يجعل البركة فيه حتى يكفى لكل هؤلاء وهذاكان معجزة لنبى ذلك الزمان كماانه تعالىٰ ان يروى الخلق العظيم من الماء القليل فى زمان محمد ﷺ"

اللہ تعالیٰ نے ایک چلو پانی میں یہ برکت رکھ دی تھی کہ وہ ان تمام کو کافی ہو گیا، یہ اس وقت کے نبی حضرت اشموئیل علیہ السلام کا معجزہ تھا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ واقع ہوا کہ تھوڑے پانی سے عظیم مخلوق کو سیراب کر دیا۔ (کبیر)

فائدہ جلیلہ:

عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ ان يشرب على بطو ننا و هو الكرع، ونهانا ان نغترف باليدالواحدة قال لا يلغ احدكم كما يلغ الكلب ولايشرب باليدالواحدة

Marfat.com

كما يشرب القوم الذين سخط الله عليهم ولا يشرب بالليل في اناء حتى يحركه الا ان يكون مخمّرا ومن شرب بيده وهو يقدر على اناء يريد به التواضع كتب الله له بعدد اصابعه حسنات وهو اناء عيسى ابن مريم عليهما السلام اذ طرح القدح فقال اف هذا مع الدنيا"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے پیٹ کے بل ہوکر پانی پینے سے منع فرمایا، یعنی نہر وغیرہ سے پانی منہ لگا کر نہ پیئے، اور آپ نے ہمیں ایک ہاتھ سے چلو لے کر پانی پینے سے منع کیا، اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص کتے کی طرح پانی نہ پیئے (یعنی زبان سے پانی نہ پیئے) اور ایک ہاتھ سے پانی نہ پیئے جیسے اس قوم نے پیا جن کے بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، اور رات کو برتن سے پانی سوائے برتن کے ہلانے کے نہ پیئے ہاں البتہ برتن ڈھانپا ہوا ہو، (تو اسی طرح بغیر حرکت دینے کے پی لے) اور جس نے اپنے ہاتھ سے عاجزی کے طور پر پانی پیا باوجود اس کے کہ وہ برتن استعمال کرنے پر قادر تھا، اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کی تعداد کے مطابق اس کی نیکیاں لکھتا ہے کیونکہ ہاتھ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا برتن تھا، آپ نے پیالہ استعمال کرنا اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ یہ بھی دنیا کا مال ہے۔ (ابن ماجہ، ماخوذ از قرطبی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص شک شبہ سے بچنا چاہتا ہے تو وہ چشموں اور نہروں کا پانی اپنے ہاتھ سے پیئے۔

" مبتغيا بذلک من الله كسب الحسنات ووضع الا وزار واللحوق بالائمة الابرار"

اس کی نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیکیاں عطاء فرمائے اور میرے گناہ معاف کردے اور مجھے نیک ائمہ کرام سے ملا دے تو اسے اللہ تعالیٰ یہ مقام عطاء کردے گا۔ (از قرطبی)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے متعلق یہ ارشاد فرمایا لیکن جب ہم اپنے زمانہ کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو تصور کرنے سے یوں ہی پتہ چلتا ہے کہ آج کے دور میں کوئی شخص کھانے پینے میں کراہیت کے شک وشبہ سے

Marfat.com

بالاتر نظر نہیں آتا، بالواسطہ یا بلا واسطہ ہر طرف رزق حرام ہی نظر آتا ہے۔ " الا مان الحفیظ"

"فشر بوا منہ قلیلا منھم":

''تو سب نے پی لیا اس سے سوائے تھوڑوں کے ان میں سے۔''

یعنی حضرت طالوت کے ساتھ جو اسی ہزار کا لشکر تھا ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے سب نے پانی پی لیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں کامیاب نہ ہو سکے، ہاں البتہ چند لوگ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے، جنہوں نے ایک چلو پانی لیا جو ان کو اور ان کے خدام اور ان کی سواریوں کو کافی ہو گیا۔

قلیل کی تعداد:

تھوڑے حضرات جو آزمائش میں پورے اترے ان کی تعداد یہ تھی۔

" اخرج ابن حمید و ابن حاتم عن سعید بن جبیر "فشربوا منه الاقلیلامنهم" قال القلیل ثلاث مائة و بضعة عشر عدة اهل بدر" (درمنثور)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ابن حمید نے ابن حاتم سے نقل کی ہے کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی "فشربوا منه الا قلیلامنهم" میں جن قلیل کا ذکر ہے ان کی تعداد بدر میں شریک صحابہ کرام کی تعداد کے مطابق ہی تھی، یعنی وہ بھی تین سو تیرہ ہی، جیسے بدر میں تین سو تیرہ تھے۔

اسی سے واضح ہوا کہ پھر جانے والوں کی تعداد (جو آزمائش میں ناکام ہوئے) چھہتر ہزار چھ سو ستاسی تھی۔

پانی پینے والوں کا انجام:

جن لوگوں نے پانی پی لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے اور ان پر پیاس غالب آ گئی اور وہ سیراب نہ ہوئے، اور نہر کے کنارے پر ہی رہ گئے اور دشمن سے مقابلہ کرنے میں بزدل ہو گئے۔

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی اطاعت کی تو ان کے دلوں کو قوت حاصل ہوئی، اور وہ اپنے ایمان کے کامل درجہ پر قائم رہے اور نہر کو سلامتی سے عبور کر لیا۔ (از کبیر)

Marfat.com

”فلما جاوزہ هو والذین آمنوا معه قالوا لا طاقة لنا الیوم بجالوت وجنوده“

”پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ مسلمان نہر سے پار گئے، بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی۔“

یہ مندرجہ بالا ترجمہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا ہے۔راقم نے اسی کے مطابق یوں ترجمہ کیا۔

”اور گزر گیا اس سے وہ اور (گزر گئے) اس کے ساتھ ایمان والے۔انہوں نے کہا نہیں ہے طاقت ہمیں آج جالوت اور اس کے لشکروں کی“۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ مطلب سمجھانے کے لئے بہت خوبصورت انداز پر پیش کیا گیا ہے،راقم نے لفظی ترجمہ کیا ہے جو مطلب کو سمجھنے کیلئے تقریبا کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ تفسیر ابی السعود کی اس عبادت کے مطابق ہے۔

”(والذین آمنوا معه) عطف علی الضمیر المتصل المؤکد بالمنفصل و الظرف متعلق بجاوز لا بآمنوا والحال ان الذین آمنوا کائنون معه“ (ابو السعود)

یعنی” والذین آمنو امعه“ کا عطف ہے” جاوز“ میں ” ھو “ضمیر مستتر متصل پر اسی لئے پھر ” ھو“ ضمیر بارز منفصل سے تاکید لگائی گئی۔اور ظرف یعنی ” معه“ کا تعلق ”جاوز“ سے ہے، ”آمنوا “ سے نہیں۔

یعنی معنی یہ ہے کہ جب طالوت نہر سے پار گزر گئے ایسے حال میں کہ ان کے ساتھ ہی گز گئے ایمان والے۔یہ معنی نہیں کہ گزر گئے وہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔

مقام توجہ : اتنی بات واضح ہے کہ طالوت کے ساتھ جو لوگ بیت المقدس کی بستی سے نکلے تھے وہ اسی ہزار کی تعداد میں تمام کے تمام مومن تھے،کیا وہ آزمائش میں ناکام ہونے کے بعد مومن رہے یا کافر رہے،اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

Marfat.com

" لاخلاف بین المفسرین ان الذین عصوا الله وشربوا من النهر رجعوا الی بلدهم ولم یتوجه معه الی لقاء العدو الا من اطاع الله تعالیٰ فی باب الشرب من النهر "

اس مسئلہ میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں:

کہ بیشک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور نہر سے پانی پی لیا وہ اپنے شہروں کی طرف لوٹ کر آ گئے، دشمن سے مقابلہ کرنے کی ان کو ہمت حاصل نہیں ہو سکی، دشمن سے مقابلہ صرف وہی لوگ کر سکے جنہوں نے نہر سے پانی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

ہاں اس مسئلہ میں اختلاف پایا گیا ہے:

کہ وہ نہر سے گزر جانے کے بعد واپس لوٹے یا نہر سے گزرنے کی بھی ان کو طاقت حاصل نہ ہو سکی بلکہ وہ پہلے ہی واپس لوٹ آئے۔

اس میں ایک قول یہ ہے:

"انه ماعبر معه الا المطیع" نہر سے گزرے والے صرف مطیع تھے، جو تھوڑی تعداد میں تھے، زیادہ مفسرین کا اسی طرف رجحان نظر آتا ہے۔

ان حضرات کے دلائل:

(۱) ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" الذین امنو امعه" طالوت کے ساتھ نہر سے گذرنے والے ایمان والے تھے، لیکن اس مقام میں ایمان بمقابلہ کفر استعمال نہیں، بلکہ بمقابلہ طاعت استعمال ہے۔

"فالمراد بقوله تعالیٰ (الذین آمنوا معه) الذین وافقوه فی تلک الطاعة"

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "الذین آمنوا معه" کا مطلب یہ ہے پہلے کل لشکر کا ذکر فرمایا ، پھر مطیع لوگوں کا ذکر کیا کہ وہ نہر سے گزر گئے۔

"علمنا انه ماعبر النهر احد الا المطیعون"

Marfat.com

اسی سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ نہر سے گزرنے والے صرف مطیع لوگ تھے۔

(۲) ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے۔"فمن شرب منه فليس مني" (طالوت نے کہا) میں نے اس سے پی لیا وہ میرا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ "ليس من اصحابي في سفري" وہ سفر میں میرا ساتھی نہیں ہوگا۔ جس طرح کوئی شخص دوسرے کو کہے" لست انت منافي هذا الامر" اس معاملہ تو ہمارے ساتھ نہیں۔

جب انہوں نے نہر سے پی لیا تو وہ ان کے لوٹ آنے اور نہر کو عبور نہ کرنے کا سبب بن گیا،" **وذلك لفساد دينهم و قلبهم**" ان کے دین اور دل کے فساد کی وجہ سے ہی پانی پینے کا واقعہ درپیش آیا۔

(۳) ان کو آزمانے کی وجہ ایک یہ تھی کہ مطیع اور نافرمان کو جدا جدا کیا جا سکے تاکہ طالوت نافرمانوں کو دشمن کے مقابل جانے سے پہلے ہی روک دیں۔ اس سے پتہ چلا کہ نافرمان لوگ نہر کو عبور نہیں کر سکے۔

دوسرے حضرات کی دلیل:

جن حضرات کا موقف یہ ہے کہ تمام ہی نہر سے گزر گئے، کیونکہ پانی پینے سے وہ گنہگار ہوئے کافر نہیں ہوئے، اس لئے طالوت اور ان کے ساتھ سارے ہی ایمان والے گزر گئے تو ان کے درمیان مکالمہ ہوا۔ جنہوں نے پانی پی لیا تھا انہوں نے کہا آج ہم جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھتے تھے (یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے چلو سے زیادہ پانی نہیں پیا تھا اور آزمائش میں پورے اترے تھے) انہوں نے کہا کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آئیں۔ آیۃ کریمہ کے انداز بیان سے واضح ہے کہ نہر سے پار تمام ہی گزر گئے۔

پہلے حضرات کی طرف سے ایک جواب یہ دیا گیا کہ طالوت کے ساتھ نہر سے گزرنے والے تو صرف مخلصین ہی تھے، البتہ ان کے درمیان مکالمہ نہر کی دو طرفوں سے تھا، مخلصین نہر سے گذر کر دوسری طرف تھے اور دوسرے ناکام لوگ نہر کی اسی جانب تھے جہاں پہلے تھے، بات ادھر ادھر سے ہو رہی تھی۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ نہر سے گزر جانے والے دو فریق ہوں۔

Marfat.com

"بعضهم ممن یحب الحیاۃ ویکرہ الموت وکان الخوف والجزع غالبا علی طبعه ومنهم من کان شجاعاقوی للقلب لایبالی بالموت فی طاعة اللّٰہ تعالٰی"

بعض لوگ وہ تھے جو زندگی کو پسند کرتے تھے اور موت کو ناپسند، ان کی طبعیت پر خوف اور جزع و فزع غالب تھے، اور ان میں سے بعض بہادر اور قوی دل والے تھے، جن کے سامنے مقصد عظیم اللہ تعالیٰ کی طاعت تھی، اسی وجہ سے انہیں موت کی کوئی فکر نہیں تھی۔ (از کبیر)

راقم کا موقف:

علامہ رازی رحمہ اللہ نے یہ دوسرا جواب جو دیا ہے راقم کے ذہن نے بھی زیادہ اسی کو قبول کیا کہ نہر کے امتحان سے پہلے تو طالوت کے ساتھ جانے والے تمام ہی مومن تھے، لیکن نہر کی آزمائش کے بعد کئی لوگ کافر ہو گئے اور کچھ لوگ گنہگار ہوئے اور کچھ لوگ پرہیزگار رہے۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے تائید حاصل ہے۔

"(فشربوا منه الاقلیلامنهم) قال ابن عباس شربوا علی قدر یقینهم فشرب الکفار و شرب العاصون دون ذلک وانصرف من القوم ستة وسبعون الفا وبقی بعض المؤمنین لم یشرب شیأ واخذ بعضهم الغرفة فامامن شرب فلم یروبل برح العطش واما من ترک الماء فحسنت حاله وکان اجلد ممن اخذ الغرفة"

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ انہوں نے پی لیا سوائے چند آدمیوں کے، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہوں نے یقین کی حد تک پی لیا۔ پھر مزید تفصیل بیان فرمائی کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے معاذ اللہ مرتد ہو گئے۔ ان کافروں نے تو اس نہر کا صاف وشفاف اور لذت دار پانی اتنی کثیر مقدار میں پیا جس طرح اونٹ پیتا ہے کہ ایک دن ہی وہ اتنا پانی پی لیتا ہے کہ کئی دن اسی پر گزارا کر لیتا ہے۔ کچھ لوگ کافر تو نہیں ہوئے لیکن پانی انہوں نے سیر ہو کر پی لیا، اگرچہ کفار سے انہوں نے کم مقدار میں پیا، یہ گنہگار اور فاسق ہوئے، جہاد سے پھر جانے والے چھہتر ہزار تھے۔

Marfat.com

وہ مومن جو گنہگار نہیں ہوئے ان میں پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جنہوں نے پانی بالکل ایک قطرہ بھی نہیں پیا، دوسرے وہ تھے جنہوں نے رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق صرف ایک چلو پر اکتفاء (گذارا) کیا۔ جن لوگوں نے پانی سیر ہو کر پی لیا تھا ان پر پیاس غالب ہی آتی رہی ان کی پیاس ختم نہ ہو سکی، اور جن لوگوں نے پانی بالکل نہیں پیا تھا ان کو ایک چلو پینے والوں سے بھی زیادہ بہادری حاصل رہی۔ (قرطبی)

اس روایت کے مطابق یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے تھے وہ نہر کو عبور نہیں کر سکے، اور گنہگار اور پرہیز گار نہر کو عبور کر گئے، گنہگار نہر کو عبور کر کے کہنے لگے ہم میں تو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں، پرہیز گاروں نے ان کو سمجھایا کہ کتنی چھوٹی جماعتیں اللہ کے فضل و کرم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئیں۔

پھر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے بالکل پانی نہ پینے والوں نے زیادہ بہادری سے مقابلہ کیا اور چلو پینے والے بھی میدان جہاد میں ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے۔ " واللہ اعلم بالصواب "

"قال الذین یظنون انھم ملاقوا اللہ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ":

"کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ بیشک انہوں نے ملاقات کرنی ہے اللہ سے کتنی ہی کم تعداد جماعتیں غالب آئیں کثیر تعداد جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔"

"والظن ھنا بمعنی الیقین" ظن اس مقام پر بمعنی یقین کے ہے۔ (قرطبی)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے جو راقم نے بھی نقل کیا۔

یعنی مخصین مومنین کو یقین تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہے، قیامت بھی آنی ہے، اور وہ دن روز جزاء ہے، اس لئے آج رب تعالیٰ کا حکم مانیں گے تب ہی وہاں کامیابی حاصل ہوگی۔

اور ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں "ظن" بمعنی شک ہو۔ یہ ثابت کیا گیا ہو کہ اس جنگ میں مومنین کو شہید

Marfat.com

ہونے میں شک ہوسکتا ہے شہید ہوجائیں اور ہوسکتا ہے زندہ لوٹ جائیں۔ (قرطبی)

اس طرح یہ ترجمہ بھی درست رہے گا "کہا ان لوگوں نے جو گمان رکھتے تھے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی"

حضرت قتادۃ کا قول اسی کے مطابق ہے۔ آپ فرماتے ہیں "ان المراد من لقاء اللہ الموت" بیشک اللہ کی ملاقات سے مراد موت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء ہ ومن کرہ لقاء اللہ لقاء ہ"

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ (اس ملاقات سے مراد یہی ہے)

یعنی "یظنون" کا معنی گمان کرنا بھی صحیح ہے کہ ان کو اس میدان جنگ میں شہید ہوجانے میں شک تھا۔

اور وجہ یہ بھی ہے کہ "ملا قو اللہ ثواب سبب ھذہ الطاعۃ" اس مقام میں اللہ کی ملاقات کرنے کا مطلب اس طاعت کی وجہ سے ثواب حاصل کرنا ہو، چونکہ کوئی شخص اپنے انجام کو نہیں جانتا اس لئے ان کو "ثواب حاصل کرنے میں گمان تھا"۔ (از کبیر)

تاہم یہ بھی خیال رہے کہ علامہ رازی رحمہ اللہ نے بھی، یقین والا معنی زیادہ مفسرین کا پسندیدہ ذکر کیا ہے۔

جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ نہ کرسکنے کی وجہ:

جب ان لوگوں نے جالوت اور اس کے لشکر کی کثرت اور شدت کو دیکھا تو انہوں نے کہا ہم تو اس سے مقابلہ بھی نہیں کرسکتے، کامیابی حاصل کرنا تو دور کی بات ہے۔ جالوت کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی، جو اسلحہ سے مسلح تھے، بعض نے کہا تین لاکھ کی تعداد میں تھے۔ (روح المعانی)

ان دونوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ایک لاکھ بہت بہادر اور خصوصی اسلحہ سے مسلح تھے، اور دو لاکھ کے پاس بنسبت ان کے کچھ کم اسلحہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب (راقم)

"فئۃ" کا معنی ہے جماعت، یا تو یہ لفظ لیا ہو "فاء بمعنی رجع" سے لوٹنا، یعنی بعض لوگ دوسرے بعض

Marfat.com

کی طرف لوٹتے ہیں اور ایک جگہ جمع ہو کر جماعت بن جاتے ہیں، اس لئے جماعت کو" فئة" کہا جاتا ہے۔ اور یا یہ لفظ لیا ہوا ہے "فأوت رأسه بالسيف" میں نے اس کا سر تلوار سے کاٹا۔ چونکہ ایک جماعت بھی لوگوں سے کٹ کر ایک فرقہ بن جاتا ہے، اس لئے اسے" فئة "کہا جاتا ہے۔ (کبیر)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

" كم هنا خبرية ومعناها كثير، و(من) زائدة وفئة تمير"

اس آیہ کریمہ میں "کم" خبریہ ہے، اور معنی اس کا کثیر ہے۔ اور" من" تمیز پر پڑھایا گیا ہے اور" فئة "تمیز ہے ۔یعنی بہت زیادہ مرتبہ یہ ہو چکا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں۔

" باذن الله" اى بحكمه و تيسيره "اللہ کے اذن کا معنی" اللہ کا حکم" اور اللہ کے آسان کرنے سے حکم کا آسان کرنا۔

(روح المعانی)

"واللہ مع الصابرین": ''اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کرنے والوں کو امداد حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ ان پر احسان فرماتا ہے۔ (روح المعانی)

نتیجہ: "والمعنى انه لاعبرة بكثرة العدد انما العبرة با لتائيدالالهى والنصر السماوى، فاذا جاء ت الدولة فلا مضرة فى القلة والذلة واذاجاء ت المحنة فلامنفعة فى كثيرة العدد والعدة" (کبیر)

اس آیہ کریمہ کے بیان سے واضح طور پر نتیجہ سامنے آ گیا کہ اعتبار تعداد کی کثرت کا نہیں، بلکہ اعتبار اللہ تعالیٰ کی تائید اور قدرتی امداد کا ہے۔ جب رب تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی طرف سے امداد کی دولت میسر ہو جائے تو تعداد کی کمی اور بے سروسامانی سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد میسر نہ ہو، اور رب تعالیٰ اسے مشقت میں ڈال دے تو تعداد کی زیادتی اور بہت بڑی جنگی تیاری کا کوئی فائدہ نہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ☆ (سورة البقرة آيت نمبر ۲۵۰)

﴿۱﴾

پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے عرض کی اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل اور ہمارے پاؤں جمے رکھ کافروں پر ہماری مدد کر۔

﴿۲﴾

اور جب وہ مقابلہ میں آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے، تو انہوں نے عرض کیا اے ہمارے رب بہادے ہم پر صبر، اور ثابت رکھ ہمارے قدموں کو، اور امداد فرما ہماری کافروں کی قوم پر ۔

''ولما برزوا لجالوت وجنوده'':

''اور جب وہ مقابلہ میں آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے۔''

''المبارزة فی الحروب'' کا مطلب ہوتا ہے جنگ کے وقت ایک دوسرے کے سامنے اور مقابلہ آجانا، اصل میں اس زمین کو براز کہا جاتا ہے جو کھلی فضاء ہو اور اس میں کوئی حجاب نہ ہو۔

دعاء کرنے والے کون تھے:

ظاہر تو یہی ہے کہ وہ تین سو تیرہ جو آزمائش میں کامیاب ہوئے تھے وہی دعاء کرنے والے تھے، تاہم علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طالوت کے لشکر میں علماء اور بہادر حضرات عوام کے ساتھ موجود تھے، جو جہاد کرنے کے لئے قائم تھے وہی کمزور دل عوام کو کہہ رہے تھے ''کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله'' کتنی ہی قلیل تعداد جماعتیں غالب آئیں کثیر تعداد جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔

Marfat.com

اور علماء کرام ہی "واوضحوا ان الفتح والنصرة لا یحصلان الا باعانة الله" ان پر واضح کر رہے تھے کہ کامیابی اور امداد صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اسی کی معاونت سے حاصل ہوتی ہیں۔

علماء کرام نے جب جالوت کے لشکر کی کثرت اور ان کی جنگی تیاری کو دیکھا اور ادھر اپنے لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اور بے سروسامانی کو دیکھا "لاجرم اشتغلوا بالدعاء والتضرع" تو یقیناً وہ دعاء کرنے اور رب تعالیٰ کے حضور عاجزی پیش کرنے میں مشغول ہو گئے، اور یہ دعاء "ربنا افرغ علینا" الخ بھی علماء کرام کی ہی تھی۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ انبیاء کرام اپنے ساتھ اللہ والوں کے جہاد میں مشغول حضرات کے لئے یہ دعاء فرماتے رہے۔

"ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین"

اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنی امت کے لئے ہر میدان جنگ میں دعاء فرماتے رہے، بدر میں آپ نماز ادا کر کے رب تعالیٰ سے وعدہ پورا کرنے کی دعاء کر رہے تھے، یعنی اے اللہ! تیرا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ تو مومنین کی امداد فرمائے گا، اس لئے یہی وہ وقت ہے جس میں تیری امداد کی ہمیں ضرورت ہے، ہمیں یقین ہے کہ تو ہمارے ساتھ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ اور نبی کریم ﷺ دشمن کے مقابلہ یہ دعاء فرماتے تھے۔

"اللھم انی اعوذبک من شرورھم واجعلک فی نحورھم"

اور یہ دعاء فرماتے تھے "اللھم بک اصول وبک اجول" (کبیر)

"قالوا ربنا افرغ علینا صبرا": "انہوں نے کہا اے ہمارے رب بہادے ہم پر صبر۔"

"ربنا" اصل میں "یا ربنا" ہے، حرف نداء محذوف ہے۔ اے ہمارے رب۔ دعاء کو "ربنا" سے شروع کرنے میں یہ حکمت تھی۔

"وفی التوسل بوصف الربوبیة المنبئة عن التبلیغ الی الکمال"

کہ "رب" کا معنی ہی یہ ہے "تبلیغ الشئ الی کماله بحسب استعداده الازلی شیأفشیأ" (روح المعانی)

کسی چیز کو اس کی ازلی صلاحیت کے مطابق درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانا۔

Marfat.com

تو یہاں بھی "ربنا" سے دعاء کا آغاز کر کے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا گیا تو نے ہی ہمیں درجہ کمال تک پہنچانا ہے، تجھی سے ہی عرض کر رہے ہیں۔ (ماخوذ از تفسیر ابی السعود)

"افرغ علینا صبرا" الا فراغ الصب" افراغ کا معنی انڈیل دینا، بہادینا، جیسا کہ کہا جاتا ہے "افرغت الاناء" میں نے برتن سے پانی بہادیا ہے، انڈیل دیا ہے۔ قرآن پاک کا کیا خوب انداز فصاحت ہے صرف یہ نہیں کہا گیا کہ اے اللہ تو ہمیں صبر عطاء کر، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ تو ہم پر صبر بہادے، یعنی جس طرح پانی بہایا جاتا ہے اسی طرح ہم پر صبر بہادے۔

"فمعنی "افرغ علیناصبرا" ای اصبب علیناالتم صب و ابلغه"

اب معنی یہ ہوا کہ اے ہمارے رب ہم پر کامل طریقہ پر صبر پانی کی طرح بہادے اور بہت زیادہ صبر ہمیں عطاء کر۔

تین امور مطلوبہ کے مطابق تین دعائیں:

(۱) جنگ میں انسان دشمن سے جب ہولناک چیزوں کو دیکھے، اور دشمن کی تعداد اور ان کے رعب اور دبدبہ کو دیکھ کر جب یہ خوف میں مبتلا ہو تو اس کے لئے صبر کرنا ضروری ہے۔ جنگ میں یہی چیز سب سے اعلیٰ اور سب سے ضروری ہے "لانه اذا کان جبانا لایحصل منه مقصودا اصلا" اس لئے کہ جب بزدل ہوگا تو اسے جنگ میں کامیابی کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو حاصل کرنے کے لئے دعاء کی گئی "ربنا افرغ علیناصبرا" اے ہمارے رب ہم پر صبر بہادے۔

(۲) جنگ میں اسلحہ کا پایا جانا، ہر قسم کے جنگی آلات مہیا ہونا، پھر اچھا اتفاق حاصل ہونا ایسے مقامات حاصل ہونا جن میں خود چھپ سکے اور دشمن پر چھپ کر حملہ کر سکے، ان چیزوں کے حصول سے انسان اپنے آپ کو مطمئن سمجھتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دعاء کی گئی۔

"وثبت اقدامنا "ای هب لنا کمال القوة و الرسوخ عند المقارعة بحیث لا تزلزل، ولیس المراد بتثبیت الاقدام مجرد تقررها فی حیز واحد اذلیس فی ذلک کثیر جدوی"

(روح المعانی)

Marfat.com

کہ اے اللہ! ہمیں کامل طاقت عطاء فرما، اور جب دشمن سے مقابلہ ہو آمنے سامنے سے تلواریں چلیں تو ہمیں مقابلہ کرنے میں پختگی عطاء فرما، ہمارے پاؤں ڈگمگائیں نہیں، یعنی جنگ میں ہر وہ چیز عطاء کر جو ہمیں ڈگمگانے سے بچائے اور خصوصا بھاگنے سے بچائے۔

ثابت قدمی کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بالکل ہی ایک جگہ جم کر کھڑے ہو جائیں، ہمارے قدم اپنی جگہ سے ہلیں نہیں، کیونکہ اس چیز کے حاصل کرنے کی دعاء میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔

(۳) جنگ میں یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ انسان کو دشمن کے مقابل زیادہ قوت حاصل ہو، تا کہ دشمن کو شکست دینے کی طاقت حاصل ہو سکے۔اس کے لئے دعاء کی۔

''وانصرنا علی القوم الکافرین'' اور امداد فرما ہماری کافروں کی قوم پر (ماخوذ از کبیر)

نکتہ: ''التعبیر بعلی المشعر بجعل ذلک کالظرف وجعلھم کالمظروفین''

اس مقام میں لفظ ''علی'' ذکر کیا جو ظرفیت کے معنی کی خبر دے رہا، چونکہ ظرف مظروف پر (جس طرح برتن پانی پر) حاوی ہوتا ہے، نصرت کی دعاء میں لفظ ''علی'' ذکر کر کے یوں دعاء کی گئی کہ اے ہمارے رب! ہمیں ظرف کی طرح بنادے اور ہمارے دشمن کو مظروف کی طرح، یعنی ہم ان پر چھا جائیں اور ان پر حاوی ہو جائیں۔ (روح المعانی)

بہت عمدہ ترتیب:

رب تعالیٰ کے کلام کو ہی دیکھ کر فصحاء و بلغاء نے فصاحت و بلاغت کو حاصل کیا یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات میں مفسرین کرام نکات بیان کرتے تو بے اختیار کہنا پڑتا ہے''قرآن تیری عظمت پر قربان'' پہلے دعاء کی صبر حاصل ہونے کی، پھر دعاء کی ثابت قدمی کی، یعنی دشمن پر قوت حاصل کرنے کی، کیونکہ صبر کا مقام ہی پہلے ہے''لان الصبر قد یحصل لمن لامقاومة له'' اس لئے کہ صبر کبھی اسے بھی حاصل ہوتا ہے جسے مقابلہ کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔

''وثالثا العمدة والمقصود من المحاربة وھو النصرة علی الخصم حیث ان الشجاعة

Marfat.com

بدون النصرة طریق عتبة عن النفع خارجة"

اور تیری دعاء دشمن پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے رب تعالیٰ سے امداد حاصل کرنے کے لئے کی جو اصل میں بہت بڑا مقصد ہے، یقیناً یہ عمدہ دعاء ہے، کیونکہ بہادری بغیر اللہ تعالیٰ کی امداد کے اور اس کی ناراضگی پائے جانے کے تو نفع سے خارج ہے۔ (از روح المعانی)

بظاہر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ ترتیب پائی گئی ہے تو "فاء" ذکر ہوتی جو ترتیب پر دلالت کرتی ہے "واو" کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے۔

"ان الواو ابلغ لانه عول فی الترتیب علی الذهن الذی هو اعدل شاهد کماذکر السکاکی"

کہ "واؤ" کا ذکر کرنا اس لئے زیادہ بہتر ہے کہ ذہن میں پائی جانی والی ترتیب کا لحاظ کیا گیا، اس لئے کہ جب ایک چیز ذہن میں چھائی ہوئی ہو تو وہ خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، اس پر دلالت کرنے والے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (از روح المعانی)

فائدہ: "احتج الأصحاب علی ان افعال العباد مخلوقة للہ تعالیٰ"

اسی آیۃ کریمہ سے اہل سنت علماء کرام نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، اس لئے صبر اور ثابت قدمی اور نصرت اسی سے طلب کئے گئے کہ وہی خالق ہے اور وہی مالک ہے اور وہی عطاء کرنے والا ہے۔ (از کبیر مختصراً)

دشمن کے خلاف دعائیں:

یہ دعاء کی جائے اے اللہ مسلمانوں پر مہربانی فرما کہ دشمن کا آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے، ایک دوسرے سے متفرق ہو جائیں تا کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو جرأت حاصل ہو۔ اور یہ دعاء کی جائے اے اللہ ان کے شہروں اور گھروں اور ان کے مالوں میں مصیبت ڈال دے کہ ان میں موت اور موذی مرض واقع ہوتا کہ وہ اپنے آپ میں مشغول ہو جائیں اور جنگ کرنے کی ان کو فراغت ہی نہ مل سکے، یہ بھی مسلمانوں کی جرأت کا سبب بنے گا۔

Marfat.com

اور یہ دعاء کرے کہ ان کے عام لوگ مرض میں مبتلاء ہوں، ان کو کمزوری لاحق ہو، ان کا رئیس (صدر، وزیر اعظم) مرجائے تا کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ کرسکیں اور مسلمان ان کے خلاف بہادری دکھاسکیں۔

(از کبیر تبصرف)

دشمن کے خلاف اس قسم کی دعائیں جائز ہیں، اگرچہ کفار کے یار مسلمانوں کے غدار نام نہاد مسلمان اسے پسند نہیں کرتے لیکن غدار آخرکار ذلیل ہی ہوا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ☆

(سورة البقرة آیت نمبر ۲۵۱)

﴿۱﴾

تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطاء فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔

﴿۲﴾

تو شکست دے دی انہوں نے ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو، اور عطاء کی اسے بادشاہی اور حکمت، اور سکھایا اسے جو چاہا، اور اگر نہ دفع کرے اللہ لوگوں کو بعض سے بعض کو ضرور زمین تباہ ہو جائے لیکن اللہ فضل فرمانے والا ہے تمام جہانوں پر۔

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی دعاء کو قبول فرمالیا، یعنی پہلی آیۃ کریمہ میں دعاؤں کا ذکر ہے اور اس آیۃ کریمہ میں

Marfat.com

ان دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو صبر عطاء فرمایا اور ثابت قدم رکھا اور کافروں کی قوم یعنی جالوت اور اس کے لشکر پر امداد عطاء فرمائی، جس کی وجہ سے مومنین نے بہت بڑے لشکر کو شکست دی اور لشکر کے سردار جالوت کو قتل کر دیا۔ پہلے مخلصین کے قول کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ کتنی ہی کم تعداد جماعتیں کثیر تعداد جماعتوں کثیر پر غالب آئی ہیں، تو اس آیۃ کریمہ میں ان کے قول کے ثابت ہو جانے اور حق ثابت ہو جانے کا ذکر کیا۔

"فھزموھم باذن اللہ": "تو انہوں نے شکست دی ان کو اللہ کے حکم سے۔"

یعنی اللہ کے حکم اور اس کے آسان کرنے اور اس کے فضل و کرم کی وجہ سے مومنین نے کفار کو شکست دے دی، ان کا رعب اور دبدبہ توڑ دیا اور ان کو بھگا دیا۔ "ھزم" کا لغوی معنی ہے "توڑنا" کہا جاتا "سقاء منھزم" پیالہ ٹوٹ گیا اور خشک ہو گیا، "ھزمت العظم والقصبۃ" ہڈی ٹوٹ گئی، کانا ٹوٹ گیا۔ پہاڑی میں سوراخ کرنے یا کسی پتھر اور چٹان میں سوراخ کرنے کو بھی "ھزمۃ" کہا جاتا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے زمزم کے متعلق فرمایا۔ "ھی ھزمۃ جبریل" یرید ھزمھا برجلہ فخرج الماء"
یہ جبریل کا ہزمہ ہے، یعنی جبریل نے پاؤں مارا تو پانی نکلا۔

خیال رہے کہ پہلے پارہ میں وضاحت سے ذکر کر دیا گیا کہ زمزم کے پانی نکلنے میں جبریل کے پاؤں کی ٹھوکر کا بھی اثر تھا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے کا بھی تھا۔

"سمعت ھزمۃ الرعد" میں بجلی کی کڑک سنی جو کانوں کو پھاڑ رہی تھی، اور بادل کو بھی "ھزیم" کہا جاتا ہے کہ وہ بارش سے پھٹ جاتے ہیں۔ (از کبیر)

تنبیہ: "ثم اخبر تعالیٰ تلک الھزیمۃ کانت باذن اللہ وباعانتہ وتوفیقہ وتیسیرہ وانہ لو لا اعانتہ وتیسیرہ لماحصل البتۃ"

مومنوں کی اس بڑی کامیابی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو یہ شکست اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی امداد اور اس کی توفیق اور اس کے آسان کرنے سے ہی انہوں نے دی، اگر رب تعالیٰ

Marfat.com

ان کی امداد نہ فرماتا اور ان پر آسان نہ کرتا تو یہ بہت بڑے لشکر کو بھی شکست نہ دے سکتے، جو ہر قسم کے جنگی اسلحہ سے مسلح تھے۔ (از کبیر)

طلباءکرام کی توجہ کے لئے:

"فھزموھم" میں "فا" فصیحہ ہے۔ اس ایک "فا" سے اتنا بڑا فائدہ حاصل ہو رہا کہ اصل مفہوم یہ ہو گیا۔

" استجاب اللہ تعالٰی دعاء ھم فصبروا وثبتوا ونصروا فھزموھم"

مومنوں کی دعاء کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا، ان کو صبر عطاء کیا اور ان کو ثابت قدم رکھا، اور ان کی امداد کی گئی۔ تو انہوں نے کفار کو شکست دے دی۔ (روح المعانی)

"باذن اللہ" کی باء میں تین احتمال ہیں کہ باء استعانۃ کے لئے ہو، یا سببیۃ کے لئے ہو، یا مصاحبۃ کیلئے ہو۔

استعانت والی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادہ سے امداد طلب کرتے ہوئے مومنوں نے کفار کو شکست دی۔

سببیت والی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سبب مومنوں نے کفار کو شکست دی۔ مصاحبت والی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور ارادہ ان کے ساتھ رہا، یعنی ان کا شامل حال رہا جس کی وجہ سے مومنوں نے کفار کو شکست دی۔ (روح المعانی)

"وقتل داؤد جالوت": "اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو"

حضرت داؤد علیہ السلام کے باپ کا نام ایشا (بکسر الھمزۃ) تھا، آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے سات بھائی طالوت کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، آپ ان سب سے چھوٹے تھے، بھیڑ بکریاں چراتے تھے، جب جنگ جاری تھی تو آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں بھی جنگ ہوتے ہوئے دیکھوں، آپ جا رہے تھے تو راستہ میں ایک پتھر نے آپ کو پکار کر کہا "یاداؤد خذنی فبی تقتل جالوت" "اے داؤد تم مجھے لے لو میرے ساتھ جالوت کو قتل کرو گے۔ پھر آپ آگے چلے، آپ کو ایک پتھر نے کہا مجھے لے لو۔ پھر آپ آگے

Marfat.com

چلے، ایک اور پتھر نے آپ کو کہا مجھے اپنے پاس رکھ لو۔ آپ نے وہ تینوں پتھر اپنے تھیلے میں لے لئے، اسی طرح چلتے ہوئے آپ میدان جنگ میں پہنچ گئے، آپ نے میدان جنگ میں پہنچتے ہوئے اپنے بھائیوں کو کہا "امـا فیکم من یخرج الی ھذا الاقلف" تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس ختنہ نہ کئے ہوئے کو قتل کر دے۔

ادھر جالوت اپنے مقابلہ کے لئے کسی شخص کو طلب کر رہا تھا، ادھر طالوت اپنے لشکر میں اعلان کر رہے تھے جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا اور اسے اپنی آدھی سلطنت دے دوں گا۔

" وکان جالوت اشد الناس واقواھم وکان یھزم الجیوش وحدہ "

جالوت بڑا بہادر شخص تھا جو اکیلے ہی بہت بڑے لشکر کو شکست دے دیتا تھا۔

اسی وجہ سے اس کے مقابلہ کے لئے نکلنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو رہا تھا کہ اس سے کیسے مقابلہ کیا جائے، حضرت داؤد علیہ السلام پتھر پھینکنے والا آلہ چلانے کے ماہر تھے، بکریوں کے ریوڑ میں اگر کوئی بھیڑیا وغیرہ آتا تو آپ اسی آلہ سے بھیڑیئے وغیرہ پر پتھر پھینک کر اسے بھگا دیتے یا مار دیتے۔

ادھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آپ کے ساتھ تین پتھر کلام کر چکے تھے جو آپ نے اپنے تھیلے میں محفوظ کر لئے تھے، داؤد علیہ السلام نے طالوت کو کہا، جالوت کے مقابلہ میں نکلتا ہوں، لیکن طالوت نے خیال کیا کہ یہ تو بہت چھوٹی عمر کا نوجوان ہے اور اس کا قد بھی چھوٹا ہے، یہ بہت بڑے بہادر سے کیسے مقابلہ کرے گا، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے بار بار مطالبہ کرنے پر اور لشکر میں سے کسی اور کے جرات نہ کرنے پر آپ کو طالوت نے اجازت دے دی۔ طالوت نے آپ کو سواری کے لئے گھوڑا دیا اور ایک زرہ دی، آپ نے زرہ پہن لی اور گھوڑے کی سواری اختیار کر لی تھوڑا آگے جا کر واپس لوٹ آئے " فقال الناس جبن الفتی " لوگوں نے سمجھا شائد جوان بزدل ہو گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا میں نے جالوت کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی امداد سے قتل کرنا ہے۔

" ان اللہ ان لم یقتلہ لی و یعنّی علیہ لم ینفعنی ھذا الفرس ولا ھذا السلاح "

اگر اللہ تعالیٰ نے میرے سبب سے اسے قتل نہیں کرنا اور میری امداد اس کے خلاف نہیں فرمائی تو مجھے گھوڑا اور ہتھیار کام نہیں آسکتے۔

Marfat.com

میں اپنی عادت کے مطابق ہی اس پر پتھر پھینکنے والا آلہ سے اس پر پتھر پھینک کر اسے قتل کر دوں گا جیسا کہ میں بھیڑیے وغیرہ کو پتھروں سے قتل کر دیتا ہوں۔

خیال رہے کہ آپ کے پتھر پھینکنے والے آلہ کو ''مقلاع'' کہا گیا ہے۔ اگرچہ ''مقلاع'' کا معنی غلیل بھی آتا ہے، لیکن غلیل سے بڑے پتھر نہیں پھینکے جا سکتے، بلکہ رسی کا بنا ہوا ایک آلہ ہوتا ہے جسے پنجابی میں کھبانی کہا جاتا ہے۔ راقم کے خیال میں اس قسم کا کوئی آلہ تھا کیونکہ اس سے بڑے پتھر بھی پھینکے جا سکتے ہیں ''واللہ اعلم بالصواب''

آپ نے اپنا پتھروں والا تھیلا لیا اور پتھر پھینکنے والا آلہ لیا، جالوت کے سامنے مقابلہ کے لئے پہنچ گئے۔ جالوت نے نوجوان کو دیکھ کر بڑے تعجب سے پوچھا ''انت تقاتلنی ؟ قال داؤد'' نعم'' ''کیا تو میرے ساتھ لڑائی کرے گا؟ آپ نے اسے بغیر کسی خوف و خطر کے بڑے اطمینان سے جواب دیا، ہاں میں ہی تمہارے ساتھ مقابلہ کروں گا۔

''قال ویلک ماخرجت الا کما تخرج الی الکلب بالمقلاع والحجارة لأبددن (لأمزقن) لحمک ولأ طعمنه الیوم للطیر والسباع''

جالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو کہا، تیرے لئے بربادی تجھ پر افسوس ہے، تو تو پتھر لے کر اور پتھر پھینکنے والا آلہ لے کر ایسے نکلا ہے جیسے کسی کتے کو پتھر پھینک کر بھگا دیا جائے، تجھے میری طاقت اور بہادری کا علم نہیں، میں تمہارے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پرندوں اور درندوں کے سامنے پھینک دوں گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت ہی پیارا جواب دیا۔'' بل انت عدو اللہ تعالٰی شر من الکلب'' کہ تو اللہ کا دشمن ہے اس لئے تو کتے سے بھی برا ہے، اسی وجہ سے میں نے کتے کو ہی مارنے کا سامان ساتھ لیا ہے۔ یہ کہتے ہی دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے، جالوت جدید اسلحہ سے دندناتا ہوا، غراتا ہوا میدان جنگ میں نکلا، ادھر اللہ کا بندہ سراپاءِ عجز بن کر اللہ تعالٰی پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں آ گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنے تھیلے میں ڈالا تا کہ پتھر نکالیں ''فروی انھا التأمت فصارت حجرا واحدا'' تو بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے جب وہ پتھر باہر نکالنا چاہا ہے تو وہ تینوں پتھر مل کر ایک پتھر بن چکا تھا۔

Marfat.com

آپ نے اسے اپنے آلہ میں رکھا"فسمی اللہ و ادارہ ورماہ"بسم اللہ شریف پڑھ کر اپنے آلہ کو گھمایا اور پتھر جالوت کی طرف پھینک دیا۔

"فاصابت بین عینیہ حتی قعدت فی دماغه فصرع جالوت وانھزم من معه واحتزراسه"

وہ پتھر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان جا لگا، جو اس کے دماغ میں گڑ گیا، تو جالوت چیخا چلایا،

اس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کا بہت بڑا لشکر بھاگ کھڑا ہوا، جالوت کا سر کاٹ لیا گیا۔

"وقتل بعده ناسا کثیرا" حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھروں سے ہی جالوت کے بھاگتے ہوئے لشکر کے بہت تعداد میں لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ جالوت کے قتل ہونے پر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، ہر طرف اللہ اکبر کے نعروں کی گونج تھی، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا تھا۔

"لما رجع وفی با لشرط فانکح داؤد ابنة واجری خاتمه فی ملکه"

حضرت داؤد علیہ السلام جب جالوت کو قتل کر کے واپس لوٹے تو طالوت نے اپنے وعدہ کو پورا کر دیا، اپنی بیٹی کا آپ سے نکاح کر دیا، اور اپنی سلطنت میں آپ کو شریک کر دیا، آپ کی بھی بادشاہی مہر خطوط وغیرہ پر لگنی شروع ہو گئی۔

خیال رہے یہ تمام واقعہ، کبیر اور روح المعانی اور قرطبی سے لیا گیا ہے، پختہ باتوں کو نقل کر دیا گیا ہے اور ضعیف روایات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

تنبیہ: تینوں پتھر ایک ہی بنے قرطبی کی روایت کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ تھیلے میں ہی تینوں ایک بن گئے تھے، لیکن نازان نے یوں بیان کیا کہ آپ نے پہلا پتھر "باسم اللہ ابراھیم" پڑھ کر نکالا، اور دوسرا پتھر "باسم اللہ اسحق" پڑھ کر تھیلے سے نکالا، اور تیسرا "باسم اللہ یعقوب" پڑھ کر نکالا، تینوں پتھر جب آپ نے پتھر پھینکنے والے آلہ میں ڈالے تو وہ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک بن گئے۔

"وآتاه الله الملک والحکمة": اور عطاء کی آپ کو اللہ نے سلطنت اور حکمت۔

حکمت سے مراد نبوت ہے۔

Marfat.com

"جمع اللہ لداؤد بین الملک والنبوۃ ولم یکن کذلک من قبل بل کانت النبوۃ فی سبط والملک فی سبط "

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دونوں چیزیں یعنی بادشاہی اور نبوت عطاء کیں، حالانکہ اس سے پہلے یہ دونوں چیزیں کسی کو عطاء نہیں کی گئی تھیں، نبوت ایک خاندان میں آ رہی تھی اور سلطنت دوسرے خاندان میں آ رہی تھی۔ اور حکمت کا معنی علم مع العمل بھی ہے، کہ آپ کو بادشاہت بھی عطاء کی گئی اور علم مع عمل بھی عطاء کیا گیا۔ یہ معنی پہلے معنی کے مخالف نہیں کیونکہ ہر نبی عالم باعمل ہوتا ہے۔ (ماخوذ از خازن)

سلطنت کا ذکر نبوت سے پہلے:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلطنت پہلے عطاء کی اور اعلان نبوت کا حکم بعض میں دیا، اگر چہ نبی پیدائشی طور پر ہی نبی ہوتا ہے، یعنی جو چیز پہلے دی گئی اس کا ذکر بھی پہلے کیا گیا۔ اور وجہ یہ بھی ہے کہ سلطنت گھٹیا چیز ہے "ھذا للترقی من ذکر الادنی الی ذکر الاعلی" اس لئے ادنی سے اعلی کی طرف ترقی پائی گئی ہے۔ (از روح المعانی)

فائدہ: حکمت کا اصل معنی یہ ہے کہ تمام امور کو اپنی اپنی جگہ درست طریقہ سے رکھنا۔

"وکمال ھذا المعنی انما بالنبوۃ" حکمت کا کامل درجہ نبوت سے ہی حاصل ہوتا ہے، جس میں کوئی غلطی نہیں پائی جاتی، بلکہ ہر کام درست ہی درست ہوتا ہے۔ (کبیر)

"وعلمه مما یشاء": "اور سکھایا آپ کو جو چاہا۔"

آپ کو زرہ بنانے کا علم دیا گیا:

"وعلم اللہ داؤد صنعة الدروع فکان یصنعها و یبیعها و کان لایاکل الامن عمل یده"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانے کا علم دیا، آپ زرہ بنا کر بیچتے تھے، اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے فقط کھاتے تھے۔

Marfat.com

پرندوں کی بولی:

" وقیل علمه منطق الطیر " اور یہ بھی بیان کی گیا ہے کہ آپ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم بھی عطاء کیا گیا تھا، اس کا ذکر بھی اس آیۃ کریمہ ہے۔

علم زبور: " وقیل علمه الزبور " آپ پر زبور کو نازل کیا گیا، اور زبور کا آپ کو علم عطاء کیا گیا۔ اس کا ذکر بھی اس آیۃ کریمہ میں موجود ہے۔

خوبصورت آواز: آپ کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت آواز عطاء فرمائی جو اس وقت کسی اور کو حاصل نہیں تھی، وہ کیسی پیاری اور خوبصورت آواز تھی؟

"اذا قرأالزبور تدنو منه الوحوش حتی یؤخذباعناقهاوتظله الطیر مصیخة له ویرکد الماء الجاری وتسکن الریاح عند قراء ته"

جب آپ زبور پڑھتے تو آپ کی خوبصورت آواز کو سن کر وحشی جانور آپ کے قریب آجاتے تھے جنہیں آپ گردن سے پکڑ لیتے تھے، اور پرندے چہچہاتے ہوئے آپ کے سر پر سایہ کر لیتے تھے ، پانی چلتا ہوا رک جاتا تھا، اور چلتی ہوا بھی رک کر آپ کے زبور کی تلاوت سنتی۔

ملکی سیاست:

"وقیل علمه سیاسة الملک وضبطه وذلک لا نه لم یکن من بیت الملک حتی یتعلمه من آبائه"

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں ملکی سیاست کا ذکر عطاء کرنے کا بھی ذکر ہے، کیونکہ آپ کو بادشاہت اور سیاست کا علم آباء واجداد سے نہیں ملا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو یہ علم عطاء فرمایا۔

" ولولادفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض ":

" اور اگر نہ دفع کرے اللہ لوگوں کو بعض سے بعض کو ضرور زمین تباہ ہو جائے۔"

اللہ تعالیٰ نے جالوت اور اس کے لشکر کے فساد پھیلانے کا ذکر فرمایا اور طالوت اور اس کے لشکر کے ذریعے

Marfat.com

فسادکو دور کرنے کا ذکر فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد یہ عام ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعے بعض دوسرے لوگوں کو فساد سے دور کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر یہ مہربانی نہ فرماتا کہ بعض شر پسند لوگوں کا دوسرے لوگوں کے ذریعے دفاع نہ کرتا تو زمین ان کے فساد سے برباد ہو کر رہ جاتی۔

مدافعت کی مختلف صورتیں:

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور ائمہ کرام اور علماء کرام کے ذریعے کافروں کے کفر کو دور کر کے، انہیں اسلام کی توفیق عطاء کر کے فساد کو دور کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اچھے کاموں کا حکم دینے والے اور برے کاموں سے روکنے والے علماء کے ذریعے گنہگاروں کے گناہوں کو دور کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ مدافعت نہ فرماتا تو لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے زمین میں فساد پھیلتا اور زمین میں رہنے والے ہلاک ہو جاتے۔

"وتصدیق هذا ماروی ان النبی ﷺ قال یدفع بمن یصلی من امتی عمن لا یصلی، و بمن یزکی عمن لا یزکی، وبمن یصوم عمن لا یصوم، وبمن یحج عمن لا یحج، و بمن یجاهد عمن لایجاهد، ولو اجتمعوا علی ترک هذه الاشیاء لما انظرهم الله طرفة عین"

(اخرجه البیهقی، درمنثور)

مندرجہ بالا مسئلہ کی تصدیق اس روایت میں پائی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، نمازی بے نمازی کا دفاع کرتا ہے زکوۃ دینے والا زکوۃ نہ دینے والے کا دفاع کرتا ہے، روزہ رکھنے والا روزہ نہ رکھنے والے کا دفاع کرتا ہے، حج کرنے والا حج نہ کرنے والے کا دفاع کرتا ہے، جہاد کرنے والا جہاد نہ کرنے والے کا دفاع کرتا ہے، اگر سب لوگ ان عبادات کو چھوڑنے والے ہوتے (کوئی ایک دوسرے کی عبادت کرنے کی نصیحت نہ کرنے والے ہوتے) تو اللہ تعالیٰ کسی ایک پر آنکھ جھپکنے کی مقدار میں بھی نظر رحمت نہ فرماتا۔ (از کبیر)

فائدہ: مدافعت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین میں نیک بندے چالیس کی تعداد میں ابدال قائم رکھتا ہے، ان میں سے جب بھی کسی کا وصال ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو قائم کر دیتا ہے، ان کے ذریعے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ لوگوں سے فساد کو دور کرتا ہے۔

"روی عن علی رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الا بدال یکونو ن بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات منھم رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینصربھم علی الاعداء ویصرف بھم عن اھل الارض البلاء"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک ابدال شام میں پائے جاتے ہیں۔ وہ چالیس مرد ہوتے ہیں، جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کی جگہ دوسرے کو قائم کر دیا جاتا ہے، ان کے ذریعے رب تعالیٰ بارش عطاء فرماتا ہے اور دشمن پر مسلمانوں کو کامیابی اور امداد ان کے ذریعے ہی عطاء فرماتا ہے اور ان کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔ (ذکرہ الحکیم الترمذی فی نو اد رالاصول)

"وخرج ایضا عن ابی الدرداء قال ان الانبیاء کانو ااوتا د الارض فلما انقطعت النبوۃ ابدل اللہ مکانھم قوما من امۃ محمد ﷺ یقال لھم الابدال لم یفضلو االناس بکثرۃ صوم ولاصلوۃ ولکن بحسن الخلق وصدق الورع حسن النیۃ وسلا مۃ القلوب لجمیع المسلمین والنصیحۃ لھم ابتغاء مرضا ۃ اللہ"

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں انبیاء کرام زمین میں اوتاد تھے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدل نبی کریم ﷺ کی امت سے ابدال بنائے ان کو فضیلت زیادہ (نفلی) نمازوں اور (نفلی) روزوں سے حاصل نہیں، ان کو فضیلت اچھے اخلاق اور نیکی میں خلوص اور تمام مسلمانوں کے لئے دل میں سلامتی اور اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے ان کو نصیحت کرنے کی وجہ سے حاصل ہے۔ (از قرطبی)

وعن النبی ﷺ قال ان للہ ملائکۃ تنادی کل یو م لولا عباد رکع واطفال رضع وبھائم رتع لصب علیکم العذاب صبا"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ کے فرشتے ہر دن آواز دیتے ہیں اگر اللہ کے بندے رکوع والے

Marfat.com

نہ ہوتے (یعنی عبادت کرنے والے نہ ہوتے) اور دودھ پینے والے بچے نہ ہوتے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے، البتہ تم پر بہت بڑا عذاب نازل ہوتا۔

مطلب واضح ہے کے اللہ تعالیٰ مستحقین عذاب مومنوں سے نیک بندوں اور دودھ پینے والے معصوم بچوں اور چرنے والے جانوروں کی وجہ سے عذاب دور فرما دیتا ہے، مستحقین عذاب سے عذاب کو دور کرنا دفاع ہی ہے۔

ایک اور حدیث میں معمولی الفاظ کا فرق ہے، مفہوم تقریباً یہی ہے۔

"عن عبداللہ قال قال رسول ﷺ لولافیکم رجال خشع وبهائم رتع وصبیان رضع لصب العذاب علی المؤمنین صبا"

حضرت عبداللہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں خشوع کرنے والے شخص نہ ہوتے (یعنی عبادت میں خشوع کرنے والے نہ ہوتے) اور چرنے والے چوپائے نہ ہوتے اور دودھ پینے والے بچے نہ ہوتے تو البتہ (گنہگار) مومنوں پر عذاب نازل ہوتا۔

یعنی نیک بندوں اور اور معصوم بچوں اور جانوروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گنہگار مؤمنین مستحقین عذاب کو عذاب سے نجات دے دیتا ہے۔ ان احادیث کا ترجمہ کسی شاعر نے شعر میں پیش کیا، اردو ترجمہ وہی ہے جو دو مرتبہ پیش کیا جا چکا ہے۔

لو لا عباد للاله رکع — وصبیة من الیتامی رضع

ومهملات فی الفلاة رتع — صب علیکم العذاب الاوجع

"وروی جابر ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ لیصلح بصلاح الرجل ولده وولد ولده واهل دویرته ودویرات حوله ولا یزالون فی حفظ اللہ مادام فیهم"

(اخرج ابن جریر، درمنثور)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک نیک شخص کی نیکیوں کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے گھر والوں اور اس کے گھر کے ارد گرد رہنے والوں کو بھی نیک بنا دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان لوگوں میں موجود ہے اللہ تعالیٰ ان کو

Marfat.com

اپنی حفاظت میں رکھتا ہے۔

"وقال قتادة یبتلی الله المؤمن بالکافر ویعافی الکافر بالمومن "

حضرت قتادہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مومن کو کافر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، اور کافر کو مومن کی وجہ سے معاف کر دیتا ہے۔

یعنی کبھی کافر عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں تو دنیا میں ان کے عذاب کی تکالیف میں مومن بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اگرچہ مومن کے لئے وہ تکالیف باعث راحت بنتی ہیں، کیونکہ ان مدارج بلند ہوتے ہیں، اوران کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور کبھی کفار دنیا میں عذاب کے مستحق ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کسی مومن کی وجہ سے انہیں بھی دنیاوی عذاب سے محفوظ رکھ لیتا ہے، تاہم ان کو اخروی عذاب ہونا ہی ہونا ہے۔

"وقال ابن عمر قال الینی ﷺ ان الله لیدفع بالمومن الصالح عن مائة من اهل بیته و جیرانه البلاء"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نیک مومن کی وجہ سے اس کے گھر کے اور پڑوسیوں کے سوافراد سے مصیبتوں سے دور فرماتا ہے۔ (ماخوذ از قرطبی)

گذشتہ سے پیوستہ:

"اخرج الطبرانی عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لا یزال اربعون رجلا من امتی قلوبهم علی قلب ابراهیم علیه السلام یدفع الله بهم عن اهل الارض یقال لهم الابدال انهم لن یدرکوهابصلوة ولا بصوم ولا بصدقة قالوایارسول الله فیم ادرکوها قال بالسخاء والنصیحة للمسلمین "

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں چالیس مرد ہمیشہ رہیں گے، جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہوں گے! ان کی وجہ سے اللہ زمین والوں سے مدافعت فرمائے گا، ان کو ابدال کہا جائے گا، ان کو

Marfat.com

یہ مقام (نفلی) نمازوں اور روزوں اور صدقات سے نہیں ملے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو یہ مرتبہ کیسے ملے گا؟ آپ نے فرمایا سخاوت اور مسلمانوں کو نصیحت کرنے اور مسلمانوں سے خلوص سے درپیش آنے سے ملے گا۔ (درمنثور)

☆ " واخرج الطبرانی فی الکبیر عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ الا بدال فی امتی ثلاثون بھم تقوم الارض وبھم تمطرون وبھم تنصرون "

طبرانی نے معجم کبیر میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے زمین قائم رہے گی اور ان کی وجہ سے بارش ہوگی، اور ان کی وجہ سے ہی تمہاری امداد کی جائے گی۔ (درمنثور)

نیک لوگوں ہی کی وجہ سے دین قائم ہے:

"عن معاویة بن ابی سفیان سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تزال طائفة من امتی قائمة بامر الله لا یضرھم من خذلھم او خالفیھم حتی یاتی امر الله وھم علی ذلک "

(بخاری مسلم ،ابن ماجة)

حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے امر پر قائم رہے گا، ان کو کسی کے رسواء کرنے یا کسی کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور ان کو کسی کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، یہاں تک کے اللہ کا امر آجائے (یعنی ان کو موت آجائے) وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔ (درمنثور)

یعنی اللہ کے نیک بندے کسی کی ملامت اور رسوائی کی پرواہ کے بغیر ہی موت تک دین حق پر قائم رہیں گے اور ان کو غلبہ حاصل ہوگا۔

☆ " عن ابی ھریرة ان رسول الله ﷺ قال لا تزال طائفة من امتی قوامة علی امر الله عزوجل لا یضرھا من خالفھا" (ابن ماجة)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کو کسی کی مخالفت سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (درمنثور)

☆ "عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة" (اخرجه الحاكم و صححه)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک قائم رہے گا۔ (درمنثور)

☆ "عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله ﷺ لا يزال هذا الدين قائما يقاتل عليه المسلمون حتى تقوم الساعة" (اخرجه مسلم والحاكم وصححه)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قیامت تک رہے گا اور مسلمان دین کی سربلندی کے لئے قیامت تک جہاد کرتے رہیں گے۔ (درمنثور)

☆ "عن عمران بن حصين ان رسول الله ﷺ قال لا تزال طائفة من امتى يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال"
(اخرجه ابو داؤد والحاكم وصححه)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ دین حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا اور ان کو دشمنوں پر غلبہ حاصل رہے گا، یہاں تک کے ان کا آخری شخص مسیح دجال کو قتل کرے گا۔ (درمنثور)

☆ "عن عقبة بن عامر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تزال عصابة من امتى يقاتلون على امر الله قاهرين لعدوهم لا يضرهم من خالفهم حتى تأتيهم الساعة وهم على ذلك" (اخرجه مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین کی خاطر جہاد کرتی رہے گی، ان کو دشمن پر غلبہ حاصل رہے گا، ان

Marfat.com

کو کسی کی مخالفت نقصان نہیں پہنچائے گی، یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی چلتا رہے گا وہ اسی پر قائم رہیں گے۔ (درمنثور)

☆ "عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال ان الله یبعث لهذه الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها" (اخرجه ابو داؤد والحاکم وصححه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اس میری (امت) کے لئے ہر سو سال کے بعد ایک شخص کو بھیجتا ہے جو دین (میں واقع ہونے والی رخنہ اندازیوں) کی تجدید فرماتا ہے۔ (درمنثور)

"ولکن الله ذوفضل علی العالمین":

"لیکن اللہ تعالیٰ فضل فرمانے والا ہے تمام جہانوں پر۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کا مؤمنوں کے ذریعے کافروں کے شر کو مندفع کرنا، یہ اس کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔ (قرطبی)

رب تعالیٰ نے اپنی صفت " ذوفضل " ذکر فرما کر واضح کر دیا کہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، بعض لوگوں کے ذریعے بعض کے شر مندفع (دور) کرنا صرف اس کے فضل کی وجہ سے ہے پھر رب تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ "اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے" واضح کر دیا کہ اس کا فضل صرف کافروں کے شر مندفع کرنے میں بند نہیں، اس کا فضل تو بہت وسیع ہے، جہان والوں کی جو ضروریات بھی درپیش آتی ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ان تمام میں پایا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کا احاطہ کرنا ممکن بھی نہیں۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی "ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض" قیاس استثنائی شرطی اتصالی ہے۔ اس مقام میں استثناء نقیض مقدم کا پایا گیا ہے۔ جس سے نتیجہ نقیض تالی آ رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بعض سے بعض کو مندفع کر دیتا ہے، استثناء نقیض مقدم اور نتیجہ نقیض تالی کی عبارت یہ بن گئی۔

Marfat.com

"(ولولا دفع اللہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض)ولکنه تعالٰی یدفع فساد بعضهم ببعض فلا تفسد الارض وینتظم به مصالح العالم و یصلح احوال الامم"

لیکن اللہ تعالٰی بعض کے فساد کو بعض کے ذریعے مندفع کر دیتا ہے، یہ ہے استثناء نقیض مقدم کا، اور اس کا نتیجہ یہ ہے 'زمین میں بربادی وفساد نہیں ہوتا اور جہان کی مصلحتوں میں نظام پایا جاتا ہے اور قوموں کے احوال درست رہتے ہیں۔

اعتراض : اس مسئلہ پر مفتی دیار رومیہ نے اعتراض کیا ہے کہ قیاس استثنائی شرطی اتصالی کا نتیجہ دو طرح آتا ہے استثناء وضع مقدم نتیجہ وضع تالی۔ اور استثناء نقیض تالی نتیجہ نقیض مقدم، لیکن یہ بیان کرنا کیسے صحیح ہے کہ یہاں استثناء نقیض مقدم نتیجہ نقیض تالی؟

جواب : دو طرح نتیجہ کا آنا جو منطقی حضرات بیان کرتے ہیں وہ قاعدہ کو کلیہ بنانے کے لئے کیونکہ کبھی مقدم اور تالی میں نسبت عموم وخصوص کی پائی جاتی ہے، وہاں نتیجہ دو طرح ہی آتا ہے جو اعتراض میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جب مقدم اور تالی میں نسبت مساوات کی ہو تو وہاں نتیجہ چار طرح آسکتا ہے، استثناء عین مقدم نتیجہ عین تالی۔ استثناء نقیض مقدم نتیجہ نقیض تالی۔ استثناء عین تالی نتیجہ عین مقدم۔ استثناء نقیض تالی نتیجہ نقیض مقدم۔

طلباء کرام معمولی توجہ سے "کلما کانت الشمس طالعة فالنهار موجود" میں چار نتیجے نکال سکتے ہیں۔

اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ میں چار نتیجے نکال سکتے ہیں، کیونکہ عدم مدافعت اور فساد میں مساوات پائی گئی ہے۔ (ماخوذ از روح المعانی)

فائدہ : "ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین" سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا "ان الکل بقضاء اللہ تعالٰی" سب چیزیں اللہ تعالٰی کی قضاء وقدر میں ہیں اور تمام چیزیں اللہ تعالٰی کی مخلوق ہیں۔

اگر بندے کے افعال اللہ تعالٰی تخلیق میں نہ آئیں، بلکہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہو، معتزلہ کے مذہب کے مطابق تو......

Marfat.com

"لم یکن دفع المحققین شر المبطلین فضلا من اللہ تعالیٰ علی اهل الدنیا لان المتولی لذلک الدفع اذا کان هو العبد من قبل نفسه وباختیاره ولم یکن اللہ تعالیٰ فی ذلک الدفع اثر اصلا البتة"

حق پر قائم لوگوں کے ذریعے باطل لوگوں کے شر کو مندفع کرنا، دنیا والوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا بلکہ بندے خود اپنے اختیار سے اپنے نفسوں کے والی ہوتے اور اس اندفاع میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اثر ہی بالکل نہ پایا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر طرح کا فضل تمام جہانوں پر پایا جاتا ہے تو واضح ہو گیا کہ معتزلہ کا یہ کہنا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، باطل ہے، صحیح مذہب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اہل سنت و جماعت کا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، وہی بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ (از کبیر)

☆☆☆☆☆

تِلْکَ آیَاتُ اللہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ☆

(سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۲)

﴿۱﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور تم بیشک رسولوں میں ہو۔

﴿۲﴾ یہ آیتیں ہیں اللہ کی، ہم تلاوت کرتے ہیں ان کو آپ پر حق سے، اور بیشک آپ رسولوں سے ہیں۔

"تلک آیات اللہ": "یہ آیتیں ہیں اللہ کی۔"

"تلک" کا اشارہ ہے ان واقعات کی طرف جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے، ہزاروں لوگوں کا گھروں سے نکلنا اور ان پر موت کا واقع ہونا اور ان کو زندہ کرنا اور طالوت کو قیادت عطاء کرنا، اور طالوت کی قیادت و بادشاہت پر آسمانوں سے تابوت کو نازل کر کے نشانی بنانا، اور جابر بادشاہ اور اس کے لشکر کو ایک فقیر بچے حضرت داؤد علیہ السلام اور بہت قلیل تعداد میں طالوت کے لشکر سے شکست دینا۔

"ولاشک ان هذه الاحوال آیات باهرة دالة علی کمال قدرة اللہ تعالیٰ وحکمة ورحمة"

Marfat.com

یقیناً یہ تمام احوال اللہ تعالیٰ کی واضح اور روشن دلیلیں اور روشن نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت اور اس کی حکمت ورحمت پر دلالت کر رہی ہیں۔ (کبیر)

دینی طلبہ کرام کی توجہ کے لئے:

بظاہر یہاں اعتراض ہوتا ہے کہ "تلک" کا اشارہ غائب کے لئے ہوتا ہے یہ واقعات تو قریب ہی حاضر کے درجہ میں ہیں، ان کی طرف اشارہ "ھذہ" سے ہونا چاہئے تھا نہ کہ "تلک" سے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کے کبھی کبھی "تلک" کو "ھذہ" اور "ذلک" کو "ھذا" کے درجہ میں رکھ لیا جاتا ہے، اس لئے "تلک" کا معنیٰ "ھذہ" کا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے بھی "تلک" کا معنیٰ "یہ" کیا ہے "وہ" نہیں کیا، یعنی آپ کا ترجمہ اسی جواب کے مطابق ہے، راقم نے بھی یہی ترجمہ نقل کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کے یہ واقعات گذر جانے کی وجہ سے درجہ غائب میں چلے گئے، لہٰذا "تلک" اشارہ بعید کا ذکر صحیح ہے۔ لیکن اس جواب کے مطابق "تلک" کا ترجمہ "وہ" ہوگا۔ (از کبیر)

تیسرا جواب یہ ہے کے جب عظیم واقعات کا ذکر ہو تو وہاں اشارہ بعید کا لایا جاتا ہے، اس لحاظ پر ترجمہ یہ ہوگا یہ اللہ کی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ راقم کے نزدیک یہ ترجمہ بھی بہت خوب ہے۔

"نتلوھا علیک بالحق": "ہم تلاوت کرتے ہیں ان کو آپ پر حق سے۔"

"علیک" کا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، اگر چہ قرآن پاک آپ پر جبریل کے واسطہ سے نازل ہوا، یہاں بھی مراد یہی ہے۔

"لکنہ تعالیٰ جعل تلاوۃ جبریل علیہ السلام تلاوۃ لنفسہ وھذا تشریف عظیم لجبریل علیہ السلام"

لیکن اللہ تعالیٰ نے جبریل کی تلاوت کو اپنی طرف منسوب کر کے جبریل کو شرف عظیم (بہت بڑا مرتبہ) عطاء فرمایا۔ جیسا کہ...... **"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ"**

Marfat.com

بیشک وہ لوگ آپ سے بیت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔......میں نے نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام کے بیعت کرنے کو اپنی بیعت قرار دے کر نبی کریم ﷺ کا عظیم مرتبہ ذکر فرمادیا۔ (کبیر)

"بالحق" میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ حال واقع ہو "نتلوھا" کی ضمیر منصوب سے، اب معنی یہ ہوگا، ہم تلاوت کرتے ہیں وہ آیتیں جو آیتیں حق ہیں، ان میں نہ اہل کتاب شک کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی مورخ شک کر سکتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ حال واقع ہو فاعل سے، اب معنی یہ ہوگا کہ ''ہم تلاوت کرتے ہیں آپ پر وہ آیتیں، ہمارا تلاوت کرنا حق ہے۔ (از تفسیر ابی السعود)

فائدہ: "بالحق" ذکر کر کے چند فوائد پر مطلع فرمادیا، ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت پر یہ واضح کیا گیا کہ پہلی امتوں میں سے نیک مخلص مومن حضرات نے جہاد میں شدائد پر صبر کیا اور مصائب کو برداشت کیا، صبر و استقامت سے ثابت قدم رہے، لہٰذا آپ کا اور آپ کی امت کا زیادہ حق ہے کہ تم بھی جہاد کی مشقوں کو برداشت کرو۔

اور "بالحق" سے یہ ثابت کیا گیا کہ آپ پر جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ حق ہیں، یقینی ہیں، ان میں کوئی شک نہیں۔

"لا يشك فيه اهل الكتاب لأنه في كتبهم كذلك من غير تفاوت اصلا"

ان واقعات میں اہلِ کتاب کو بھی شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کی کتب میں بھی یہ واقعات اسی طرح ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔

اور یہ فائدہ حاصل ہو رہا ہے کہ یہ آیات نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کر رہی ہیں، کیونکہ ان میں فصاحت و بلاغت پائی گئی ہے، یعنی قرآن پاک میں فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ معیار پایا گیا ہے، ایسا معیار کسی فصیح و بلیغ شاعر اور صاحب علم کے کلام میں نہیں پایا گیا، اسی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر نامور بلغاء قرآن پاک کے معاملہ میں عاجز آگئے۔

اور یہ واضح کیا کہ آپ پر آیات کو حق سے نازل کیا گیا ہے، لہٰذا تمام لوگوں کو یقینی طور پر معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ آیات آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، یہ (معاذ اللہ) شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں نہیں ڈالی

Marfat.com

گئیں ہیں اور نہ ہی جادوگروں اور کاہنوں کی طرف سے آپ کو عطاء کی گئیں۔ (ماخوز از کبیر)

”وانک لمن المرسلین“: ”اور بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں۔“

ان الفاظ مبارکہ کے ذکر کرنے سے چند فوائد حاصل ہوئے، ایک یہ کہ آپ نے ان واقعات کی خبر دی، جبکہ آپ نے کسی انسان سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کسی مکتب و مدرسہ میں پڑھا۔

” وذلک یدل علی انہ ﷺ انما ذکرھا وعرفھا بسبب الوحی من اللہ تعالیٰ “

یہ اس پر دلالت کررہا ہے کہ آپ نے یہ واقعات وحی کے ذریعے پہچانے اور ان کو بیان فرمایا۔

ان واقعات کے ذریعے اور یہ ثابت کیا گیا کہ پہلے انبیاء کرام کی امتیں ان کی مخالفت کرتی رہیں، اور ان کے اقوال کو رد کرتی رہیں۔

” فلا یعظمن علیک کفر من خالف علیک لأنک مثلھم “

لہٰذا آپ کے ساتھ بھی کفر کرنے والوں کا کوئی عجیب اور عظیم کام نہیں، اور آپ کی بھی مخالفت کریں گے اس لئے کہ نفس نبوت میں آپ بھی پہلے انبیاء کرام کی مثل ہیں۔

تمام انبیاء کرام کو بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ اپنے منصبِ رسالت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچائیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو خود بھی اپنی خوشی سے بغیر کسی جبر کے تسلیم کریں اور لوگوں کو بھی اسی کی تبلیغ فرمائیں۔

نبی کریم ﷺ کافروں کے کفر اور منافقوں کی منافقت سے بہت پریشان ہوتے تھے، آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ بھی اللہ کے رسولوں میں سے ایک برگزیدہ رسول ہیں، انبیاء کرام سے لوگ کفر کرتے رہے اور ان کی مخالفت کرتے رہے، لیکن انبیاء کرام پر کوئی عتاب نہیں ہوا، بلکہ وہ لوگ رب تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے، اسی طرح آپ سے کفر کرنے والے اور مخالفت کرنے والے رب تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، آپ پر کسی قسم کا کوئی عتاب نہیں ہوگا۔ (از کبیر)

نتیجہ: اللہ تعالیٰ نے ہر سرکش ظالم قوم کے مظالم کو روکنے کے لئے اپنے نیک بندوں کو ان کے مقابل قائم کر دیا، جنہوں نے ظالموں کا قلع قمع کیا، تمام انبیاء کرام باطل کا مقابلہ کرتے آئے، نبی کریم ﷺ کی شریعت کے

Marfat.com

قانون جہاد کے خلاف اٹھنے والی زبانیں، یہود ونصاریٰ کے مخالفانہ اور بیہودہ اقوال کو رد کر دیا کہ تم حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے ہو اور ان کے جہاد کو بھی تسلیم کرتے ہو، لیکن نبی کریم ﷺ کے جہاد پر اعتراض کرتے ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی مانتے ہو اور ان کا باطل سے یعنی نمرود مقابلہ کرنے کو بھی مانتے ہو لیکن نبی کریم ﷺ کے جہاد پر اعتراض کرتے ہو۔

اے یہودیو! تم موسیٰ علیہ السلام کو نبی بھی مانتے ہو اور ان کا فرعون اور اس کے ماننے والوں سے مقابلہ کرنا بھی مانتے ہو، لیکن نبی کریم ﷺ کے جہاد پر اعتراض کرتے ہو۔ اس سے تو صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ سوائے ضد اور مخالفت برائے مخالفت کے تمہارا اور کوئی نظریہ نہیں۔

آجکل پاکستان میں بھی یہود ونصاریٰ کے پیروکار نام نہاد مسلمان جہاد کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ وہ ذلیل ہوتے چلے جائیں گے، غالب میرے حبیب پاک ﷺ کا ارشاد ہی رہے گا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ آخری جہاد مسیح دجال کو قتل کرنے سے ہوگا، ان شاء اللہ حق ہی غالب رہے گا، باطل مٹتا چلا جائے گا۔

الحمد للہ آج دوسرے پارے کا ترجمہ اور تشریحات کو مکمل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے سعادت نصیب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ توفیق شامل حال رکھے کہ اس سے آگے بھی قرآن پاک کے ترجمہ وتشریحات کا کام جاری رکھ سکوں۔ آمین ثم آمین۔

عبدالرزاق بھتر الوی، حطاروی

ابن قاضی عبد العزیز ابن قاضی فیض احمد ابن قاضی غلام نبی رحمھم اللہ

اتوار، بوقت سحر، ۱۸ جنوری ۲۰۰۴ء ۲۵ ذیقعد ۱۴۲۴ھ

Marfat.com

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ، وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ، وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ☆ (سورۃالبقرۃآیت،۲۵۳)

﴿۱﴾

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی اور اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں لیکن وہ مختلف ہو گئے ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا اور اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہے کرے۔

﴿۲﴾

یہ رسول ہیں فضلیت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور بلند کئے ان میں کسی بعض کے درجے، اور ہم نے عطاء کیں عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں، اور مدد کی ہم نے اس کی پاکیزہ روح سے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے اس کے بعد کہ آگئیں

Marfat.com

ان کے پاس نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض ایمان پر رہے اور بعض ان میں سے کافر ہو گئے، اور اگر چاہتا اللہ تو نہ لڑتے، لیکن اللہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

مختصر مطلب:

یہ رسول ہیں جن کا اے محبوب آپ کو علم عطاء کر دیا گیا، ان میں سے بعض کو بعض پر ہم نے درجات کے لحاظ پر فضیلت دی، یعنی انبیاء اکرام کو ایک دوسرے پر فضیلت دی اور ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست بغیر واسطہ جبریل کے کلام فرمایا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان میں کسی شخصیت کے یعنی آپ کے درجات ہم نے سب سے بلند فرمائے، اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں اور ظاہری معجزات عطا فرمائے اور ان کو روح قدس یعنی جبریل سے تائید دی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انبیاء کرام کے بعد ان کی امتیں آپس میں نہ لڑتیں جب ان کے پاس کھلی نشانیاں اور دلائل بھی آ چکے تھے، لیکن وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے، کئی لوگ ان میں سے اپنے ایمان پر قائم رہے اور کئی لوگ ان میں کافر ہو گئے اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے، لیکن وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

اس سے پہلے ذکر کیا گیا" انک لمن المرسلین" بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ اس سے وہم ہو سکتا تھا کہ شائد سارے رسول ایک ہی مرتبہ کے ہوں گے، تو اس آیہ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض کو بعض پر درجات کے لحاظ پر فضیلت دی گئی اور سب سے افضل نبی کریم ﷺ کو بنایا گیا۔ (ماخوذ از روح المعانی)

"تلک الرسول فضلنا بعضهم علی بعض":

"یہ رسول ہیں فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر۔"

" تلک " ذکر کیا ہے، جو مونث ہے، مذکر اشارہ نہیں ذکر کیا، اس لئے کہ یہ رسولوں کی جماعت کی طرف

Marfat.com

اشارہ ہے۔اس اشارہ میں تین احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے پہلے جن انبیاء کرام کا ذکر ہو چکا ہے ان کی طرف اشارہ ہو، وہ حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب حضرت اشمویئل اور حضرت داؤد علیھم السلام۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اشارہ ہو قریب ذکر ہونے والے انبیاء کرام کی طرف، وہ فقط حضرت اشمویئل علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اشارہ ہو ان انبیاء کرام کی طرف جو فساد کو دور کرنے کے لئے تشریف لائے، وہ سارے انبیاء کرام ہیں کیونکہ تمام انبیاء کرام تشریف ہی اس لئے لائے ہیں کہ وہ فساد کو دور کریں۔

تنبیہ: قرآن پاک میں چند انبیاء کرام کا ذکر ہے تمام انبیاء کرام کا ذکر نہیں، اس کا ذکر انشاء اللہ " **منهم من قصصنا عليک ومنهم من لم نقصص عليک** " کی وضاحت میں آئے گا۔

انبیاء کرام کی تعداد کا مختلف روایات کی وجہ سے اگر چہ ہمیں یقین نہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی علم نہیں تھا اور تفصیلی طور پر انبیاء کرام کے واقعات کو نہ ذکر کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ آپ پر بذریعہ وحی کئی انبیاء کرام علیھم السلام کے حالات ظاہر نہیں کئے گئے اگر بذریعہ وحی آپ کو خبر دی جاتی تو ہمیں بھی علم حاصل ہوتا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے اپنے علم کا یہ عالم ہے۔

" **انه ﷺ يخرج من الدنيا حتى علمه الله بجميع مغيبات الدنيا و الآخرة ولكن امر بكتم اشياء منها** " (صاوی، حاشیہ جلالین (زیر آیۃ "يسئلونک عن الساعة ايان مرساها")

بیشک نبی کریم ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام غیبی علوم عطاء فرما دیئے، البتہ بعض چیزوں کو چھپانے کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

اجماع امت:

"اجمعت الأمة على ان بعض الانبياء افضل من بعض، وعلى أن محمد ﷺ افضل من الكل"

Marfat.com

اس مسئلہ میں تمام امت کا اتفاق ہے کہ بے شک بعض انبیاء کرام بعض سے افضل ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع امت ہے کہ ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے فرمایا " لا تفضلوا بین الانبیاء " انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو، اور دوسری حدیث شریف میں آپ کا ارشاد گرامی ہے " لا تخیرونی علی موسی " مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، ان احادیث کو دیکھ کر یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

پہلا جواب: نبی کریم ﷺ نے بعض اوقات کلام عاجزانہ فرمایا اور بعض اوقات حقیقت حال کو بیان فرمایا، جن احادیث میں فضیلت نہ دینے کا ذکر ہے وہ آپ کا عاجزانہ کلام ہے۔ اور حقیقت حال کو آپ نے یوں بیان فرمایا۔

"عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الاتحت لوائی"

(مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا، اس پر کوئی فخر نہیں اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے سوا میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

وضاحت حدیث:

"**سید**" جو تمام قوم سے فضیلت و خیریت میں برتر ہو اسے سید کہتے ہیں، اسی طرح اور سید کا مطلب یہ ہے۔

" هو الذی یفزع الیه فی النوائب والشدائد فیقوم با مرهم ویتحمل عنهم مکارههم ویدفعها عنهم " (نووی شرح مسلم کتاب الفضائل جلد ثانی)

"سید" اسے کہتے ہیں جس کی طرف قوم اپنے مصائب و آلام میں پناہ پکڑے وہ ان کی حاجات کو پورا کرے، خود مشقتیں برداشت کر کے ان کی تکالیف کو دور کرے۔

Marfat.com

"ولد آدم"

ظاہر طور پر اس کا معنی "اولاد آدم" ہے یعنی تمام اولاد آدم پر مجھے سیادت وفضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس پر بظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کی افضلیت آدم علیہ السلام پر ثابت نہیں ہوسکتی، ہاں آپ کی اولاد پر جب آپ کی افضلیت ثابت ہوگی تو باقی تمام انبیاء کرام پر افضلیت ثابت ہوجائے گی کیونکہ وہ تمام آدم علیہ السلام کی اولاد میں داخل ہیں۔

تو اس کا ایک جواب یہ دیا گیا " فانهم يستعملون ولد آدم بمعنى نو ع الانسان " (نبراس)

عربی زبان والے "ولد آدم" بمعنی نوع انسان کے لیتے ہیں۔

یعنی عام محاورہ کے مطابق معنی صرف اولاد آدم نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ میں تمام انسانوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا۔

اس معنی کے لحاظ پر نبی کریم ﷺ کی افضلیت حضرت آدم علیہ السلام پر بھی واضح طور پر ثابت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ......

" ان لحديث تتمة موضحة للمطلوب وهو قوله عليه السلام ومامن نبى يو منذ آدم فمن سواه الاتحت لوائى "

کہ مطلب کو واضح کرنے کے لئے حدیث پاک کے آخری الفاظ سے تکمیل ہورہی ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کے سواء تمام انبیاء کرام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

جب تمام انبیاء کرام اور خصوصاً حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے پناہ لینے پر مجبور ہوں گے تو اسی سے واضح ہوگیا کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام پر بھی فضیلت حاصل ہوگی۔ (نبراس)

"یوم القیامۃ":

نبی کریم ﷺ نے قیامت کے دن کا ذکر فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن سرداری حاصل ہوگی۔ حالانکہ آپ کو دنیا میں بھی تمام پر سیادت حاصل ہے، پھر قیامت کے دن کے ذکر کرنے کا کیا مطلب؟

Marfat.com

اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت میں آپ کی فضیلت تمام پر ظاہر ہو جائے گی۔

" ان فی یو م القیامة یظهر سو دده لکل احد و لایبقی مناز ع و لا معا ند " (نو وی)

بے شک قیامت کے دن آپ کی برتری سب پر ظاہر ہو جائے گی، کوئی جھگڑا کرنے والا جھگڑا نہیں کرے گا، اور کوئی شخص عناد نہیں کرے گا۔

دنیا کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ دنیا میں کفار اور مشرکین نے آپ کی افضلیت کو تسلیم نہیں کیا، دنیا میں اگر چہ بہت لوگ آپ کے وسیلہ جلیلہ کے بغیر براہ راست خدا تک رسائی حاصل کرنے کے دعویدار ہیں، لیکن قیامت کے دن تمام کو ہی میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کا ہی وسیلہ تلاش کرنا پڑے گا۔

جب تمام امتوں کو انبیاء کرام فرمائیں گے " اذ هبو ا الی غیر ی "کسی اور کے پاس جاؤ اس کا وسیلہ تلاش کرو، اس وقت میرے پیارے حبیب پاک ﷺ کی زبان مبارک پر ہوگا " انا لها " اس شفاعت کا میں ہی حق دار ہوں۔ اس وقت آپ کی شان رسالت کی فوقیت واضح ہو جائے گی، کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

نبی کریم ﷺ کا قیامت کا ذکر کرنا ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لمن الملک الیوم لله الواحد القهار" آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔ اگر چہ آج بھی ہر قسم کی بادشاہی اسی کو حاصل ہے، اور تمام چیزیں اس کی ملکیت ثابت کرتی ہیں، اسی طرح مجازاً لوگوں کی طرف ملکیت کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، لیکن قیامت کے دن تمام کی ملکیتیں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی شخص بھی کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ ہی مجازاً کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوگا، صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی۔ نہ کوئی شخص اس کا انکار کرے گا اور نہ ہی اپنی ملکیت کا دعویٰ کر سکے گا۔

"ولا فخر":

"ای ولا اقوله تفاخرابل اعتدادا بفضله وتحدثا بنعمته وتبلیغا لما امرت به "

یعنی میں اپنی سیادت و برتری اور افضلیت کوئی فخر و تکبر کے طور پر نہیں بیان کر رہا بلکہ اللہ تعالیٰ کے

Marfat.com

فضل اور نعمت کو بیان کرنے کے لئے ذکر کر رہا ہوں اور جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ امت کو پہنچانے کے لئے ذکر کر رہا ہوں کہ امت مجھے پہچان لے۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنی سیادت کو دو وجہ کے پیش نظر بیان کیا۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ پر اپنے مراتب بیان کرنے ضروری ہوتے ہیں تاکہ آپ کی امت آپ کو پہچان لے اور آپ پر اعتقاد رکھے اور آپ کی عزت وتکریم کرنے کا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اسی طرح اس پر عمل کر سکے۔

دوسری وجہ یہ ہے ''امتثالا لا مر اللہ تعالیٰ واما بنعمة ربک فحدث'' آپ نے اپنے مراتب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرتے ہوئے بیان فرمائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

'' واما بنعمة ربک فحدث'' اپنے رب کی نعمتوں کو خوب بیان کرو۔ (از نووی)

تنبیہ : آیۂ کریمہ اور حدیث پاک میں تطبیق ثابت کی جارہی ہے اور یہ بیان کیا جارہا کہ نبی کریم ﷺ نے انبیاء کرام کی افضلیت سے کیوں منع فرمایا اور یہ کیوں فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر برتری نہ دو۔

اس کا ایک جواب ذکر کیا جاچکا ہے اس کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا۔

''قالہ ادبا وتواضعا'' نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد دوسرے انبیاء کرام کے ادب واحترام کے ثابت کرنے کے لئے اور اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے فرمایا۔

دوسرا جواب : ''انہ ﷺ قال قبل ان یعلم انہ سید ولد آدم فلماعلم اخبر بہ'' اس کی اور وجہ یہ ہے کہ یہ ارشاد آپ کا ہے کہ مجھے موسی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اس علم سے پہلے کا ہے جس میں آپ کی تمام انسانوں کی سرداری کا بیان ہے، جب آپ کو یہ علم حاصل ہوگیا تو آپ نے اپنی حقیقت حال کا ذکر بھی فرمادیا۔

اکثر اہل سنت وجماعت کے نزدیک آپ کا علم تدریجی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا'' وللاخرة خیر لک من الاولی '' آپ کی ہر آنے والی گھڑی بہتر ہے پہلی سے۔

آپ کو وقتاً فوقتاً روز بروز علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جاتا رہا یہاں تک کہ آپ کو لوح محفوظ کے تمام علوم عطاء فرمادیے گئے۔

Marfat.com

انبیاء کرام پر فضیلت دینے کی ممانعت کا قول آپ کا پہلے کا ہے، جب آپ کو یہ علم عطا کر دیا گیا کہ آپ کو تمام مخلوق پر سیادت حاصل ہے تو پھر آپ نے دوسرا ارشاد فرمایا" انا سید ولد آدم" میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔

تیسرا جواب:" والثالث ان النهی انماهو عن تفضیل یو دی الی تنقیص المفضول"

آیۃ کریمہ اور حدیث پاک میں تطبیق کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی فضیلت دینے سے منع کیا جس کی وجہ سے دوسرے انبیاء کرام کی شان میں تنقیص لازم آئے۔

اصل میں موسی علیہ السلام پر برتری دینے کی ممانعت کی وجہ ہی یہ تھی کہ ایک یہودی ذمی نے کہا " ان الله اصطفی موسی" بے شک اللہ نے موسی علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا۔ اس کے ان الفاظ کو سن کر ایک صحابی نے اسے تھپڑ مار دیا کہ نبی کریم ﷺ ہم میں موجود ہیں پھر بھی تو کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام کو اللہ نے برگزیدہ بنایا۔

اس ذمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ نے ہمارے مال اور جان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی، لیکن آپ کے صحابی نے مجھے تھپڑ مار دیا۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس کی وجہ پوچھی اور آپ کو بتایا گیا اس یہودی نے یہ کہا تھا" ان الله اصطفی موسی" بے شک اللہ نے موسی علیہ السلام کو چن لیا، برگزیدہ بنایا، تو اس پر صحابی کو طیش آیا۔ تو میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ نے اس وقت یہ فرمایا" **لا تخیر ونی علی موسی**" مجھے موسی علیہ السلام پر برتری نہ دو۔

اس کا مطلب ہی واضح ہے کہ موسی علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں۔ اللہ کے نبی باقی مخلوق پر افضل ہوتے ہیں۔ لہٰذا موسی علیہ السلام کی فضیلت بیان کرنے سے غصہ نہ کیا جائے، یہ انداز جو اختیار کیا گیا ہے درست نہیں، کیونکہ ایک نبی کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے نبی کی تنقیص لازم آئے، یہ منع ہے۔

فائدہ: جب اس جواب سے یہ مطلب واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی ایسی فضیلت بیان کرنا منع ہے جس سے دوسرے انبیاء کرام کی شان میں کمی لازم آئے اور ان کی توہین کا پہلو نکلے۔

اسی سے یہ فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور وحدانیت اس طرح بیان کرنا جس سے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی شان میں کمی لازم آئے یقیناً وہ منع ہے، بتوں کے حق میں جن آیات کو نازل کیا گیا ہے ان کو اولیاء کرام اور انبیاء کرام پر چسپاں کرنا، اور کافروں کے حق میں نازل ہونے والی آیات کو مومنوں پر چسپاں کرنا ظلم عظیم

Marfat.com

ہے، اور اپنے ہی ایمان کو ضائع کرنا ہے۔

اس سے اور یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ خارجیوں کی طرح صحابہ کرام کی ایسی شان بیان کرنا جس سے اہل بیت اطہار کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلے وہ شان صحابہ مردود ہوگی اور رافضیوں کی طرح اہل بیت کی ایسی شان بیان کرنا جس سے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی پائی جائے اور صحابہ کرام کی شان میں تنقیص لازم آئے تو وہ شان اہل بیت بھی مردود ہوگی۔ ہاں اگر اہل بیت اور صحابہ کرام کی شان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے درجہ میں رکھے تو یہی ایمان ہے۔

چوتھا جواب:" والرابع انما نهى عن تفضيل يو دى الى الخصومة والفتنة "

نبی کریم ﷺ نے جس فضیلت دینے سے منع فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر ایسی فضیلت نہ دو جو جھگڑے کا سبب بنے۔ جیسا کہ ذمی اور صحابی کے درمیان جھگڑا ہوا، جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

پانچواں جواب : "والخامس ان النهي مختص با لتفضيل في نفس النبوة فلا تفا ضل فيها وانما التفاضل با لخصائص وفضائل اخرى ولا بد من اعتقاد التفضيل فقد قال الله تعالىٰ تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض"

پانچواں جواب یہ ہے کہ جس فضیلت سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نفس نبوت میں ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو، کیونکہ تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں برابر ہیں۔ البتہ خصائص اور کمالات وغیرہ سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کرام کا بعض کا بعض پر افضل ہونے کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض انبیاء کرام کی فضیلت دوسرے انبیاء کرام پر "تلک الرسل فضلنا بعضهم على بعض" سے بیان کر دی تو اس میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ (ماخوذ از نووی و مرقاۃ وقرطبی)

تنبیہ : جب واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں برابر ہیں تو یہ کہنا خود بخود باطل ہو جائے گا کہ نبی کریم ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض

Marfat.com

ہیں۔نہیں نہیں! بلکہ سب انبیاء کرام نبوت سے متصف بالذات ہیں۔کسی نبی کی نبوت بالعرض نہیں۔اس مسئلہ کو کوئی تفصیل سے دیکھنا چاہے تو غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کے رسالہ" التبشیر بر التحذیر" کا مطالعہ کرے۔

افضلیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل:

(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا "وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین" (پ ۱۷،الانبیاء آیۃ ۱۰۷)

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

" فلما کان رحمۃ لکل العالمین لزم ان یکون افضل من کل العالمین "

جب آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں تو یقینی طور پر آپ تمام جہانوں سے افضل ہیں۔

یعنی آپ افضل المخلوقات ہیں۔"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" یعنی مختصر بات یہی ہے کہ خدا کے بعد سب سے افضل آپ ہی ہیں۔

(۲) رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ورفعنالک ذکرک" (پ ۳۰،الانشراح آیۃ ۴)

اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔

مالک الملک نے اپنے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذکر کو متصل کیا،کلمہ شہادت میں،اذان میں،اور تشہد وغیرہ میں۔" ولم یکن سائر الانبیاء کذلک" اور باقی تمام انبیاء کرام کا ذکر اس طرح نہیں،لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ آپ افضل الانبیاء ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا اور فرمایا۔

"من یطع الرسول فقداطاع اللہ" (پ ۵ النساء آیتہ ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔آپ کی بیعت کو رب تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا اور فرمایا۔

" ان الذین یبا یعونک انما یبا یعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم "(پ ۲۶ ،سورۃ الفتح آیۃ ۱۰)

Marfat.com

بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہے

اور آپ کی عزت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

" وللّٰہِ العزۃ ولرسولہ وللمو منین" (پ۲۸، المنافقون آیۃ۸)

اور عزت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے۔

اور آپ کی رضا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کے ساتھ ذکر فرمایا۔

"واللہ ورسولہ احق ان یر ضوہ" (پ۱۰، التوبہ آیۃ۶۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زائد ہے کہ انہیں راضی کریں۔

رب قدوس نے آپ کے بلانے پر حاضر ہونے کو اپنے بلانے پر حاضر ہونے کے ساتھ ذکر فرمایا۔

"یاایھاالذین امنو استجیبو اللہ وللرسول" (پ۹، الانفال آیۃ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو۔

یہ عظمت صرف نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے دوسرے انبیاء کرام کو حاصل نہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا کہ آپ قرآن پاک کی ہر سورۃ سے چیلنج کریں، کون شخص ہے جو قرآن پاک کی سورۃ جیسی سورۃ بنا کر لائے۔ " فاتو بسورۃ من مثلہ "تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ۔

سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے جس میں تین آیتیں ہیں تو گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے ہر تین آیتوں سے چیلنج کیا لیکن وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے تو جب قرآن پاک میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں تو ہر تین تین آیتیں جب معجزہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی دو ہزار بائیس معجزات پر مشتمل ہے، باقی معجزات علیحدہ ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نو معجزات عطاء کئے ہیں تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو کثیر معجزات کی وجہ سے تمام انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے۔

(۵) نبی کریم ﷺ کا معجزہ یعنی قرآن پاک تمام انبیاء کرام کے معجزات سے افضل ہے۔ لہٰذا ہمارے رسول پاک کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا بھی ثابت ہے، چونکہ قرآن پاک کو تمام کلاموں میں اولیت حاصل ہے جیسے

Marfat.com

آدم علیہ السلام کو تمام انسانوں پر اولیت حاصل ہے (لیکن بحیثیت بشری وجود کے، حقیقت کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کو ہی اولیت بھی حاصل ہے) اور یہ بھی واضح ہے کہ لباس اعلیٰ ہو تو لباس والے کو شان حاصل ہوتی ہے تو ایسا کیوں نہ ہو کہ معجزہ اعلیٰ ہو تو صاحب معجزہ بھی اعلیٰ ہو۔

(۶) باقی تمام انبیاء کرام کے معجزات فانی تھے، انبیاء کرام علیھم السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ لیکن حضور ﷺ کا معجزہ قرآن پاک ہمیشہ کے لئے باقی ہے، یقینی بات ہے کہ باقی رہنے والی چیز اعلیٰ ہے فنا ہونے والی سے، لہٰذا جس کو وہ معجزہ ملا جو باقی رہنے والا ہے تو اس ذات کا بھی بلند مرتبہ ماننا ضروری ہے۔

(۷) تمام انبیاء کرام کو جو کمالات انفرادی طور پر حاصل تھے وہ تمام نبی کریم ﷺ کو حاصل تھے اس لئے آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا، "**اولئک الذین هدی الله فبهد اهم اقتداه**" یہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تو تم ان کی راہ پر چلو۔

اس آیۂ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو پہلے انبیاء کرام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ پہلے انبیاء کرام کی اصول دین میں اقتداء کریں تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقلید ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو پہلے انبیاء کرام کی فروع دین میں اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ آپ کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ ہے تو اقتداء کا اور کوئی مطلب نہیں سوائے اس کے " **فلم یبق الاان یکون المراد محاسن الاخلاق**" کہ اس سے مراد اچھے اخلاق اور کمالات ہوں۔

گویا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو فرمایا ہم آپ کو انبیاء کرام علیہ السلام کے احوال وعادات پر مطلع کرتے ہیں آپ ان کے اچھے اور احسن اخلاق وعادات کو اپنے لئے پسند فرمالیں اور ان کی ان عادات میں اقتداء کریں۔

"**وهذا یقتضی انه اجتمع فیه من الخصال المرضیة ما کان متفرقا فیهم فوجب ان یکون افضل منهم**"

اس بحث سے واضح ہوا کہ تمام اچھی عادات جو تمام انبیاء کرام کو متفرق طور پر حاصل تھیں وہ آپ کو اجتماعی طور پر حاصل ہوئیں، لہٰذا آپ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں۔

Marfat.com

یہ بھی خیال رہے کہ انبیاء کرام کو حاصل ہی اچھی عادات تھیں، کوئی بری عادت حاصل نہیں تھی، لہٰذا آپ کو تمام انبیاء کرام کے تمام کمالات ہی حاصل تھے۔

(۸) نبی کریم ﷺ کو تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا، رب تعالیٰ نے فرمایا۔

"وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا" (پ۲۲، السباء آیۃ۲۸)

"اور اے محبوب ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر"

جتنے زیادہ امتی ہوں اتنی ہی زیادہ مشقت نبی پر ہوتی ہے، نیکیوں کے کاموں میں جتنی مشقت زیادہ برداشت کی جائے اسی قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اور خصوصاً جب انسان کو مال حاصل نہ ہو اور دوست، یار، مددگار نہ ہوں اور پھر لوگوں کو کہے "یا ایھا الکافرون" (پ۳۰، الکافرون) اے کافرو۔

یہ سن کر لوگ دشمن بن جائیں تو یہ کتنا خوف کا مقام ہے جو بہت بڑی مشقت کا ذریعہ ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطاء کر کے بھیجا گیا تو آپ کے دشمن صرف فرعون اور فرعون کی قوم کے لوگ تھے، لیکن بنی اسرائیل آپ کا ساتھ دینے والے تھے۔

لیکن ادھر نبی کریم ﷺ کو دیکھیں آپ کے تمام لوگ ابتدائی طور پر مخالف تھے یہی وجہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام پر فضیلت دی اور خیال رہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی ساری عمر رات دن کے طویل اوقات میں انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائیں اور خصوصاً ایسے حالات میں ان کی عادت کے مطابق حالات بالکل واضح تھے کہ یہ تو آپ سے دشمنی کریں گے آپ کو تکالیف پہنچائیں گے، معاذ اللہ آپ کو حقیر سمجھیں گے۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی تاخیر نہیں کی، بلکہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے احکام آپ نے پہنچائے اور عظیم مشقتیں آپ نے برداشت کیں، عظیم مشقت برداشت کرنا افضلیت کا سبب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ کرام کی بعد میں ایمان لانے والوں سے افضلیت بیان کی، اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے تکالیف برداشت کیں، اس وجہ سے وہ افضل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل" (پ۲۷، الحدید، آیۃ۱۰)

Marfat.com

تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا۔

صحابہ کرام جنہوں نے زیادہ مشقتیں برداشت کیں جب وہ دوسروں سے زیادہ افضل ہیں تو یقیناً وہ نبی جنہوں نے سب انبیاء کرام سے زیادہ تکالیف اٹھائیں سب انبیائے کرام سے زیادہ فضیلت کے مالک ہیں۔

(۹) نبی کریم ﷺ کا دین تمام دینوں سے افضل ہے، تو آپ کا سب انبیائے کرام سے افضل ہونا بھی ضروری ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دوسرے تمام دینوں کے لئے منسوخ کرنے والا بنایا تو یہ ظاہر ہے کہ جو دین دوسرے دینوں کو منسوخ کردے وہ افضل دین ہے۔ اور آپ کے دین کی افضلیت آپ کے اس قول سے بھی ثابت ہے۔

"من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الی یوم القیامة"

جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس ایجاد پر اجر حاصل ہوگا، اور قیامت تک جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے اعمال کے مطابق اجر بھی اسے ملے گا۔

جب آپ کے دین میں اجر و ثواب زیادہ ہے اور خصوصاً "کان واضعه اکثر ثوابا من واضعی سائر الادیان" آپ کے دین میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے جو دوسرے دینوں میں اس طرح نہیں۔

"فیلزم ان یکون محمد ﷺ افضل من سائر الانبیاء"

تو اس سے ضروری ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیائے کرام پر فضیلت حاصل ہو۔

(۱۰) نبی کریم ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے تو یقیناً آپ کو بھی سب انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے، آپ کی امت کی شان کو رب تعالیٰ نے ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا۔

"کنتم خیر امة اخرجت للناس" تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

آپ کی امت کو بہتری اور فضیلت کیوں حاصل ہے؟ اس لئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے تابع ہیں اور آپ کی تابعداری کی وجہ سے ہی دوسری امتوں سے افضل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔

Marfat.com

رب تعالیٰ نے فرمایا۔

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (پ ۲،البقرۃ،آیۃ ۳۱)

اے محبوب تم فرماؤ کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔

جب آپ کی امت کو آپ کی تابعداری کی وجہ سے افضلیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی حاصل ہوگئی تو آپ کی ذات کا بھی سب انبیائے کرام سے افضل ہونا ثابت ہو گیا۔

نیز نبی کریم ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے نبی بن کر تشریف لائے تو آپ کو اجر وثواب زیادہ حاصل ہوا، انسان کے مدارج کی بلندی اجر وثواب کی زیادتی پر ہے، اسی وجہ سے جتنے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے زیادہ ہوں گے اسی قدر آپ کے مراتب بلند ہوں گے، یہ شان دوسرے انبیاء کرام کو حاصل نہیں۔

فائدہ: "عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علیّ صلوۃ" (ترمذی،مشکوۃ باب صلوۃ النبی ﷺ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے قیامت کے دن میرے نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اولی الناس ای اقربھم بی او احقھم بشفاعتی یوم القیامۃ اکثرھم علی صلوۃ لان کثرۃ الصلوۃ منبئۃ عن التعظیم المقتضی للمتابعۃ الناشئۃ عن المحبۃ الکاملۃ المرتبۃ علیھا محبۃ اللہ تعالیٰ قال قال تعالیٰ" قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم" (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۰)

"اولی" کا معنی ہے " اقرب " ایک تو اس کا ظاہری معنی ہے کہ آپ پر زیادہ درود پڑھنے والے کو بنسبت دوسرے لوگوں کے جنت میں قریب مقام حاصل ہوگا اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ شخص میری خصوصی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا، نبی کریم ﷺ پر زیادہ درود شریف وہی پڑھے

Marfat.com

گا جس کے دل میں آپ کی تعظیم پائی جائی گی، اور جس شخص کو آپ کی عظمت کا خیال ہو گا وہ آپ کی تابعداری بھی کرے گا، آپ کی تابعداری وہی شخص کامل طور پر کرتا ہے جسے محبت کاملہ حاصل ہوتی ہے، جسے نبی کریم ﷺ سے کامل محبت حاصل ہوتی ہے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے، رب تعالیٰ نے فرمایا ''اے محبوب آپ فرمادیں کہ لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا''۔

سبحان اللہ! نتیجہ کتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کے بغیر رب تعالیٰ سے محبت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی رب تعالیٰ کو اس سے محبت ہو گی، صرف نام سے توحیدی کہلانے سے کچھ نہیں بنتا اگر تو نے اپنی عاقبت سنوارنی ہے تو آ، سید الانبیاء کا غلام بن جا تو یہ بھی کہتا رہے کہ نبی کریم ﷺ کو علم غیب حاصل نہیں تھا، وہ دیوار کے پیچھے کا علم نہیں رکھتے تھے، ان کا مرتبہ ہمارے بڑے بھائی جیسا تھا، وہ کسی اختیار کے مالک نہیں تھے، وہ تو ہم جیسے بشر تھے، اس قسم کے لغویات زبان سے نکالتا رہے اور پھر یہ بھی کہے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ سے محبت ہے تیری اس بات پر کون اعتبار کرے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے   کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

(۱۱) نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، جب آپ کے ذریعہ سلسلہ نبوت ختم ہو گیا یعنی آپ کی آمد سے انبیاء کرام کی تشریف آوری منسوخ ہو گئی تو یقینی بات ہے کہ وہ دوسروں کی آمد کا ناسخ بن سکتا ہے جو سب سے افضل ہو یہ عقل کے خلاف ہے کہ کم مرتبہ والا اعلیٰ کی آمد کو منسوخ کردے۔

(۱۲) بعض انبیاء کرام کو بعض پر معجزات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے، کثرت معجزات ان کی صداقت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں، جب نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء کرام سے زیادہ معجزات حاصل ہیں تو آپ کو فضیلت بھی سب سے زیادہ حاصل ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضور ﷺ کا بظاہر ایک معجزہ قرآن پاک ہی تین ہزار سے زائد معجزات پر مشتمل ہے۔

''ومنها مایتعلق بالقدرة'' پھر بعض معجزات آپ کو وہ حاصل ہیں جو آپ کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں جیسے تھوڑے طعام سے کثیر مخلوق کو سیر کر دیا اور تھوڑے پانی سے کثیر لوگوں کو سیراب کر دیا۔

Marfat.com

" ومنهاما یتعلق با لعلوم کالاخبار عن الغیوب" اور بعض معجزات آپ کے علوم سے متعلق ہیں، جیسے کہ غیبی خبریں۔

کاش کہ میری برادری کے میرے پیارے جہال کو بھی یہ سمجھ آجاتا کہ غیبی خبریں دینا حضور ﷺ کا معجزہ ہے۔آپ کے معجزات کاانکار کافر بھی نہیں کرسکتے تھے۔

"ومنہااختصاصہ فی ذاتہ بالفضائل" آپ کے بعض معجزات وہ ہیں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں، تمام اشراف عرب سے آپ اعلیٰ حسب ونسب کے مالک ہیں، شجاعت، اخلاق کریمہ، بردباری، وعدہ کی وفاء، فصاحت وبلاغت، اور سخاوت۔ان تمام اوصاف میں نبی کریم ﷺ کا کوئی مثل نہیں، لہٰذا آپ کا سب سے افضل ہونا واضح ہوگیا۔

(۱۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا" **آدم ومن دونہ تحت لوائی یو م القیامۃ**" آدم علیہ السلام اوران کے ماسوا قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

اس سے واضح ہوا کہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام اوران کی تمام اولاد (جس میں انبیاء کرام بھی ہیں) پرفضیلت حاصل ہے اور نبی کریم ﷺ کاارشاد یہ ہے "**انا سید ولد آدم ولافخر**"میں اولاد آدم کاسردار ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

اور نبی کریم ﷺ کاارشاد ہے۔

"**لا یدخل الجنۃ احدمن النبین حتی ادخلھاانا و لایدخلھااحد من الامم حتی تدخلھا امتی**"

انبیاء کرام میں سے کوئی ایک بھی جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوگا جب تک میں نہیں داخل ہوں گا اور تمام امتوں میں سے کوئی ایک بھی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک میری امت داخل نہیں ہوگی۔

ان احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام پر افضل ہیں۔

(۱۴) "**عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ انا اول الناس خروجا اذابعثوا اناخطیبھم اذاوفدوا وانا مبشرھم اذاایسوالواء الحمد بیدی وانا اکرم ولد آدم علی ربی ولافخر**"

جب لوگوں کو (قیامت کے دن) اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے قبر سے باہر میں ہی آؤں گا۔

Marfat.com

جب سب لوگ آئیں گے تو میں ہی ان سے خطاب کروں گا، جب لوگ ناامید ہو جائیں گے تو میں ہی ان کو بشارت دوں گا، لواء الحمد (خصوصی عظمت والے جھنڈے کا نام) میرے ہاتھ میں ہو گا، تمام اولاد آدم پر رب تعالیٰ کے ہاں میں ہی مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ بیٹھ کر تذکرہ کر رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا کلام سنا کہ بعض نے تعجب کرتے ہوئے کہا "ان اللہ اتخذ ابراھیم خلیلا" بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، اور بعض نے کہا" ماذا با عجب من کلام موسی کلمه تکلیما" موسیٰ علیہ السلام کے کلام پر اور زیادہ تعجب ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے کلیم بنایا۔ کچھ اور نے کہا "عیسی کلمة الله وروحه" عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ بعض اور حضرات نے کہا" آدم اصطفاه الله" آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔

اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا ہے، اور تمہارے دلائل سنے ہیں، بیشک یہ حقیقت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، واقعی ایسا ہی ہے، اور عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں، یقیناً ایسا ہی ہے، اور آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، ہاں یہی بات ہے۔

"الاوانا حبيب الله ولافخر وانا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر وانااول شافع وانا اول مشفع يوم القيامة ولا فخر وانا اول من يحرك حلقة الجنة فيفتح لى فادخلها ومعى الفقراء المومنين ولا فخر وانا اكرم الا ولين والآخرين ولافخر"

خبردار میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن لواء الحمد میں ہی اٹھانے والا ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت کو قبول کیا جائے گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کے دروازے کو میں ہی کھٹکاؤں گا اور میرے لئے دروازہ کھل جائے گا میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب مسلمان ہوں گے مجھے اس پر کوئی

Marfat.com

فخر نہیں، تمام پہلے اور پچھلے لوگوں سے میں ہی زیادہ مکرم ہوں گا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

یہ تمام احادیث جن کو ذکر کیا گیا ہے روز روشن کی طرح نبی کریم ﷺ کی افضیلت پر دلالت کر رہی ہیں۔

فائدہ: خلیل وحبیب کے معانی میں فرق کیا ہے؟ اگر خلیل کا اشتقاق خلل سے ہو تو خلیل وہ ہوگا جو یکسو ہو کر خدا کی طرف ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف یکسوئی اور اس کی محبت میں کوئی خلل ونقصان نہ ہو۔ (مدارج النبوۃ)

نبی کریم ﷺ خلیل بھی ہیں اور حبیب بھی، اور رب تعالیٰ آپ کا خلیل ہے، آپ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

"لو کنت متخذا خلیلا غیر ربی لا تحذت ابا بکر خلیلا"

اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نہیں۔

اس معنی کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خلیل نہیں، لیکن نبی کریم ﷺ خود صحابہ کرام کے خلیل ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے لئے "خلیلی" (میرے خلیل) کا لفظ استعمال فرمایا، اور بعض صحابہ کرام سے بھی اسی طرح ثابت ہے۔

اس کا مقصد یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی کامل یکسوئی اور توجہ کا مرکز نبی کریم ﷺ تھے، اسی وجہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض صحابہ کرام نے آپ کو "خلیلی" (میرے خلیل) کہا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام کی توجہ کا مرکز نبی کریم ﷺ اور آپ کی توجہ کا مرکز اللہ تعالیٰ۔

"خلیل" اگر مشتق ہو "خلة" (بالفتح) سے تو معنی ہوگا فقر واحتیاج، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس لئے خلیل کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام حاجات کو خدا پر چھوڑ دیا تھا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی کی طرف پھیر دیا تھا اور خود کو بھی خدا کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا، یہاں تک کہ آپ کو آگ میں ڈالنے کے لئے جب منجنیق میں ڈالا گیا اس وقت جبریل نے آکر کہا "ھل لک حاجة" کیا آپ کو میری امداد کی ضرورت ہے؟

آپ نے فرمایا "اما الیک فلا" لیکن تیری طرف کوئی حاجت نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جبریل

Marfat.com

کی امداد سے انکار دو وجہ سے تھا۔

ایک وجہ یہ تھی کہ آپ نے کامل طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا، اسی وجہ سے آپ نے اللہ تعالیٰ سے بھی یہ درخواست نہیں کی کہ اے اللہ مجھے آگ سے بچالے، کیونکہ آپ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال سے باخبر ہے، مجھے عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اس وقت کائنات عالم میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مجھے ہی علو مرتبت (مرتبہ کی بلندی) حاصل ہے، تو کیا ضرورت تھی کہ آپ جبریل سے امداد طلب کرتے، جبکہ جبریل ابراہیم علیہ السلام سے کم مرتبہ تھے۔

خیال رہے کہ ہر نبی کا ہر فرشتے سے مرتبہ بلند ہوتا ہے، خواہ وہ فرشتے کتنے ہی مقرب ہوں۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے خلیل وحبیب کے فرق کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ آیئے دیکھئے کیا خوب بیان فرمایا۔

"والحاصل انه يقال محمد حبيب الله والله حبيب محمد ولا يقال والله خليل ابراهيم مع جوازه ابراهيم خليل الله"

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے محمد ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور اللہ محمد ﷺ کا حبیب ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ ابراہیم علیہ السلام کا خلیل ہے البتہ یہ کہنا جائز ہے ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔

اس لئے کہ حبیب بمعنی فاعل ہو تو محب (محبت کرنے والا) ہوگا، اگر بمعنی مفعول ہو تو بمعنی محبوب (جس سے محبت کی جائے) ہوگا۔ ان دونوں معنوں کے لحاظ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرنے والا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کا محبوب ہے۔ اگرچہ حبیب بمعنی فاعل اور مفعول کے آتا ہے لیکن اس مقام میں بمعنی مفعول لینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ "الا انا حبيب الله" کا معنی یہ ہوگا "خبردار میں اللہ کا محبوب ہوں"

"لا شك ان نسبة المفعولية في هذا المقام اتم من نسبة الفاعلية في المرام كما

Marfat.com

یشیر الیہ قولہ سبحانہ وتعالی یحبھم ویحبونہ لاسیما ومحبۃ اللہ تعالی کاملۃ سابقۃ ذاتیۃ ازلیۃ ومحبۃ العبد نا قصۃ لا حقۃ عرضیۃ غرضیۃ" (شرح شفاء)

یقیناً اس مقام میں مفعولیت والا معنی لینا بنسبت فاعلیت کے زیادہ بہتر اور کامل ہے، مقصد بیان کو زیادہ واضح کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی" یحبھم ویحبونہ" (وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) میں اسی طرف اشارہ ہے خصوصاً اللہ تعالیٰ کی محبت کامل، سابق، ذاتی، ازلی اور ابدی ہے۔ اور بندے کی محبت ناقص، لاحق، عرضی اور غرضی ہے۔

اگر "خلیل" مشتق ہو " خلۃ" (بالضم) سے تو معنی ہوگا محبت۔

اس معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کا خلیل اور ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہوں گے، اللہ تعالیٰ کو نبی کریم ﷺ کا خلیل ہونا پہلے حدیث پاک سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کا خلیل ہونا ان احادیث سے ثابت ہے۔

" ان صاحبکم خلیل اللہ" بیشک تمہارا صاحب (تمہارا آقا) اللہ کا خلیل ہے۔

" وقد اتخذ اللہ صاحبکم خلیل اللہ" بلاشبہ اللہ نے تمہارے آقا کو خلیل بنایا۔

تنبیہ : اگرچہ خلیل کا معنی بھی محبت کے معنی کا حامل ہے لیکن حبیب کے معنی میں زیادتی محبت اور محبت خاصہ ہوگی گویا حبیب خلیل تو ہوگا لیکن خلیل کے لئے حبیب ہونا ضروری نہیں۔

حبیب درجہء مراد میں :

خلیل درجہ مرید میں ہوگا اور حبیب درجہ مراد میں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امید و طمع کو یوں بیان فرمایا ہے۔

" والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین"

اور (میرا رب) وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔

انبیاء کرام معصوم ہیں گناہ ان سے صادر نہیں ہوتے، ان کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور امت

Marfat.com

کے لئے طلب مغفرت کی تعلیم ہے۔اور حبیب پاک ﷺ کے متعلق رب تعالیٰ ذوالجلال کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔

"لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تأخر"

تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔

☆ مولائے کائنات نے اپنے خلیل کے طلب طریق کا ذکر یوں فرمایا "ولا تخزنی یوم یبعثون" اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائیں جائیں گے۔لیکن اپنے حبیب ﷺ کو بلا مطالبہ از خود ارشاد فرمایا "یوم لا یجزی اللہ النبی" قیامت کے دن اللہ اپنے نبی کو رسوا نہیں کرے گا۔

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام طلب کرتے ہیں، اور حبیب ﷺ کو بغیر طلب کے عطاء کیا جاتا ہے، جس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام درجہ مرید میں ہیں اور حضور ﷺ درجہ مراد میں، اسی طرح یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام درجہ طالب میں ہیں اور حبیب ﷺ درجہ مطلوب میں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا آپ نے اگرچہ سوال نہیں کیا لیکن جبریل کے کہنے پر کہ آپ مجھ سے امداد نہیں طلب کرتے تو اللہ تعالیٰ سے ہی امداد طلب کرو اور دعاء کرو وہ تمہیں اس مصیبت سے بچالے، آپ نے فرمایا "حسبی اللہ" مجھے اللہ کافی ہے۔یعنی سوال کرنے کے بغیر ہی وہ میرے حال سے باخبر ہے اور وہی مجھے کافی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق ارشاد فرمایا "یا ایھا النبی حسبک اللہ" اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے۔ان دونوں قولوں میں وجہ فرق یہ ہے۔

"ان کل احد یدعی انہ محب اللہ ولکن الکمال ھو ان یقول اللہ انامحبوبہ او محبہ"

(شرح شفاء)

بلاشبہ ہر شخص دعوی کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتا ہے لیکن کمال یہ ہے کہ خود رب ذوالجلال کہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ فلاں مجھ سے محبت کرتا ہے۔

یہاں یہی صورت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خود "حسبی اللہ" کہتے ہیں، لیکن حبیب ﷺ کے متعلق خود رب کائنات کہتا ہے "یا ایھا النبی حسبک اللہ" گویا ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ اللہ میرے

Marfat.com

ساتھ محبت کرتا ہے لیکن یہ کیسا ہی کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے متعلق فرمارہا ہے کہ میں اپنے پیارے نبی سے محبت کرتا ہوں۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعاء فرماتے ہیں" **واجعل لی لسان صدق فی الاخرین**" اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔یعنی ان امتوں میں میرا ذکر بلند فرما جو میرے بعد آئیں اوران کے دلوں میں میری محبت ڈال، آپ کی اس دعاء کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔بعد میں آنے والی تمام امتیں آپ سے محبت کرتی رہیں، اورآپ کی طرف منسوب ہونے کی تمنا کرتی رہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لئے (آپ کی دعاء کے بغیر) فرمایا"**ورفعنالک ذکرک**" اور بلند کیا ہم نے تمہارا ذکر۔آپ کا ذکر اس طرح بلند فرمایا کہ اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو رکھا، یہاں تک کہ اذان، نماز، مساجد کے منبروں پر جہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے گا وہاں مصطفیٰ ﷺ کا بھی ذکر ہوگا۔

"بل مکتو با علی ساق عر شه واشجار جنته وقصور ها ونحور حورها" (شرح شفاء)

بلکہ آپ کے اسم گرامی کو عرش معلیٰ اور جنت کے درختوں اور جنت کے محلات اورحوروں کے سینے پر تحریر فرمایا ہے۔

جو مرتبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بعد از سوال عطاء فرمایا وہی مرتبہ حبیب پاک ﷺ کو بغیر طلب کرنے کے عطاء فرمایا، بلکہ اس سے بلندترین۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ ذوالجلال میں یوں دعاء گو ہیں"**واجنبی وبنی ان نعبد الاصنام**" مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

انبیائے کرام علیہ السلام بت پرستی اور تمام گناہوں سے معصوم ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعاء کرنا بارگاہ الٰہی میں تواضع واظہار احتیاج کے لئے ہے کہ باوجودیکہ تونے اپنے کرم سے معصوم کیا لیکن ہم تیرے فضل ورحمت کی طرف دست احتیاج دراز رکھتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء میں جو بیٹوں کا ذکر ہے اس سے مراد آپ کے صلبی بیٹے

Marfat.com

ہیں کیونکہ آپ کی اولاد میں سے کئی لوگ کافر بھی ہوئے ہیں، اس لحاظ سے آپ کی یہ دعاء کامل قبول ہوئی کہ آپ کے ذاتی بیٹوں میں سے کوئی کافر نہیں، لیکن خالق کائنات اپنے پیارے حبیب ﷺ کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا"

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

یعنی گناہوں کی نجاست سے تم آلودہ نہ ہو، اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور اہل بیت میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی مرتضٰی اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم سب داخل ہیں، آیت و احادیث جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی امام منصور ماتریدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ ان آیات میں اہل بیت رسول اللہ ﷺ کو نصیحت فرمائی گئی تا کہ وہ گناہوں سے بچیں اور تقوی و پرہیز گاری کے پابند رہیں۔

گناہوں کو ناپاکی سے اور پرہیز گاری کو پاکی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، کیونکہ گناہوں کا مرتکب ان سے ایسا ہی ملوث ہوتا ہے جیسا جسم نجاستوں سے۔ اس طرز کلام سے مقصود یہ ہے کہ ارباب عقول کو گناہوں سے نفرت دلائی جائے، اور تقوی و پرہیز گاری کی ترغیب دی جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کے گناہوں سے دور رہنے کی دعاء فرماتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خود ہی بشارت دی کہ آپ کی آل یعنی ازواج مطہرات اور حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین، بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھرانہ گناہوں سے پاک ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی رسائی بالواسطہ اور نبی کریم ﷺ کی بلا واسطہ۔

خلیل اللہ علیہ السلام کے متعلق رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"وکذلک نری ابراھیم ملکوت السماوات والارض ولیکون من الموقنین"

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

Marfat.com

یعنی جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو دین میں بینائی عطاء فرمائی ایسے ہی انہیں آسمان اور زمین کے ملک دکھائے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "اس سے آسمان اور زمین کی تمام مخلوق مراد ہے"

مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ آیات سماوات وارضی مراد ہیں۔ یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ (پتھر) پر کھڑا کیا گیا، اور آپ کے لئے آسمان منکشف کئے گئے، یہاں تک کہ آپ نے عرش وکرسی اور آسمانوں کے تمام عجائب اور جنت میں اپنے مقام کا معائنہ فرمایا، آپ کے لئے زمین منکشف فرمادی گئی، یہاں تک کہ آپ کے لئے سب سے نیچے کی زمین کشف فرمادی گئی تو آپ نے سب سے نیچے کی زمین تک نظر کی اور زمینوں کے تمام عجائب دیکھے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ رویئت (دیکھنا) بچشم باطن تھی یا بچشم سر۔

(یہ انکشاف یہاں تک تھا) کہ ہر ظاہر و باطن چیز ان کے سامنے ظاہر کردی گئی اور خلق کے اعمال سے کچھ بھی ان سے نہ چھپا رہا۔ (خزائن العرفان)

لیکن حبیب پاک ﷺ کی رسائی بذاتہ بلا واسطہ ہوئی، صرف میں اس رب تعالیٰ کی عطاء کا دخل ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی اس رسائی کو ان الفاظ مبارکہ ذکر فرمایا۔

" ثم دنافتدلی" پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا۔ " فکان قاب قوسین او ادنی "تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ "فا وحی الی عبدہ ما اوحی" اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

ان آیات مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی ذات باری تعالیٰ سے ملاقات کا تذکرہ فرمایا گیا۔

" وقد اخرج عنہ احمد قال قال رسول اللہ ﷺ رأیت ربی" (روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ذکر کی گئی ہے، آپ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا۔

" عن عبداللہ قال قلت لابی ذر لو رأیت رسول اللہ ﷺ سألتہ فقال عن ای شئ کنت تسالہ قال کنت أسالہ ھل رایت ربک؟ فقال ابو ذر قد سالتہ فقال رأیت نو را"

Marfat.com

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کرتا تو آپ سے سوال کرتا، تو انہوں نے کہا تم کون سی چیز کے بارے میں سوال کرتے؟ میں نے کہا میں آپ سے یہ پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہی سوال آپ سے کیا تھا آپ نے فرمایا میں نے نور کی زیارت کی۔

ابھی تک بیان کردہ بحث سے خلیل وحبیب میں فرق ہو چکا ہے۔ (روح المعانی)

تنبیه: محبت ماخوذ ہے "حبۃ القلب" سے معنی یہ ہوا کہ محب کا اپنی طبعیت کے موافق محبوب کی طرف قلبی میلان اور اس سے تلذذ حاصل کرنا۔

محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی مخالفت نہ کرے بلکہ اس کے ہر امر کی اطاعت کرے۔ بندے کا رب سے محبت کرنا بھی بطور نتیجہ ہی معتبر ہے، یعنی بندے کا رب سے محبت کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کا مطیع ہے، اس کے احکام پر عمل پیرا ہے یعنی اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا اسی مقصد عظیم کو ان الفاظ میں پیش فرماتی ہیں۔

تعصی الا له وانت تزعم حبه   هذالعمرک فی الضیع بدیع

لو کان حبک صا دقا لا طعته   ان المحب لمن یحب مطیع

تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا بھی دعوی دار ہے۔ تیری عمر کی قسم تیرا یہ فعل بہت ہی عجیب وغریب ہے۔ اگر تو اپنی محبت کے دعوی میں سچا ہے تو اپنے رب کا مطیع ہو جا۔ بیشک سچا محب تو وہی ہے جو اپنے محبوب کا مطیع ہو۔

لیکن یہ معنی تو اس وقت ہو سکتا ہے جب دل کا میلان اور تلذذ اور انتفاع ثابت ہو سکے، لیکن اللہ تعالی ان اسباب حدوث سے پاک ہے اس کے لئے دل کا ثبوت اور اس کے دل کا میلان اور اس کا کسی سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، کیونکہ وہ اغراض سے پاک ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے بندے کو طاعت وعبادت کی قدرت عطاء فرماتا ہے اور اس کو گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ فرماتا ہے، اور اس کی قربت کے

Marfat.com

اسباب یعنی نوافل روزہ، صدقات، تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل وغیرہ مہیا فرماتا ہے، اور اس پر فیضان رحمت فرماتا ہے جس کی وجہ سے اس کو اپنا مقرب بناتا ہے، سب سے بڑھ کر محبت کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ بندے کے دل سے حجابات کو اٹھا دیتا ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنے دل کی آنکھوں سے تجلیات انوار الٰہی کا مشاہدہ کرتا ہے، تو انسان کو رب کی یاد میں محویت اور اللہ کے دربار میں حضوری حاصل ہوتی ہے، بس اللہ تعالی کی بندے سے یہی محبت ہے۔

(۱۵) بیہقی نے فضائل صحابہ کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دور سے نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ھذا سید العرب" یہ شخص عربیوں کا سردار ہے۔تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی" الست انت سید العرب" کیا آپ تمام عربیوں کے سردار نہیں؟ تو آپ نے فرمایا" وانا سید العالمین وھو سید العرب" میں تو تمام جہانوں کا سردار ہوں، وہ عربیوں کے سردار ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ تمام جہانوں میں انبیاء کرام بھی ہیں، لہٰذا آپ کو تمام انبیاء کرام پر سیادت، فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

(۱۶) نبی کریم ﷺ کی فضیلت کو محمد بن عیسی حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مثال سے اس طرح بیان کیا کہ ہر امیر کو اپنی رعیت کی مقدار پر مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اگر ایک شخص ایک بستی کا امیر ہو تو اسے مشقت اس بستی کے رہنے والوں کی مقدار میں اٹھانی پڑے گی اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا ہوگا، اور اگر ایک شخص تمام روئے زمین کا مشرق ومغرب تک حاکم بنا دیا جائے تو اسے بنسبت ایک بستی یا ایک علاقے کے حاکم سے زیادہ مال اور ذخائر کی ضرورت ہوگی، کیونکہ اس نے بہت ہی زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا اور ان کے انتظامات کرنے ہیں۔

اسی طرح اگر ایک رسول کو ایک قوم کی طرف بھیجا جائے تو اسے توحید کے خزانے اور معرفت کے جواہر اسی مقدار میں دیئے جاتے ہیں کیونکہ جتنی مقدار رسالت کی ہے، یعنی جتنے امتی ہوں گے اسی مقدار میں کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔اور اگر کسی رسول کو ایک علاقہ میں رسول بنا کر بھیجا گیا تو اس رسول کو اپنے امتیوں کی تعداد کے مطابق کنوز توحید اور جواہر معرفت کی ضرورت ہوگی۔

Marfat.com

اگر کسی ذات کو تمام اہل مغرب و مشرق اور تمام جنوں اور انسانوں کا رسول بنایا گیا ہو تو یقیناً اسے اس کی رسالت کی وسعت کے پیش نظر روحانی خزانے یعنی معرفت کے جواہر اور توحید کے خزانے بھی وسیع تر عطا ہوں گے تا کہ ان کی مقدار امت کے مطابق ہو سکے۔

تمام انبیاء کرام کو اتنی وسیع نبوت نہیں عطا کی گئی جتنی کہ نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی کیونکہ ہر نبی کو کسی قوم یا کسی علاقے کا نبی بنایا لیکن حبیب پاک ﷺ کو ساری کائنات کا نبی بنایا گیا۔

" ولما كان كذلك لا جرم اعطى من كنوز الحكمة والعلم مالم يعط احد قبله فلا جرم بلغ فى العلم الى الحد الذى لم يبلغه احد من البشر "

جب یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وسیع تر ہے تو یقیناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ کو حکمت اور علم کے وہ خزانے عطاء کئے گئے جو آپ سے پہلے کسی کو بھی عطاء نہیں کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا " فاوحى الى عبده ما اوحى " (پ ۲۷ النجم آیة ۱۰)

وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

صاحب روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی، یہ وحی بغیر واسطہ (شب معراج یا عام اوقات میں بذریعہ القاء) کے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔

یہ اس وحی کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں، ان اسرار پر کسی اور کو اطلاع نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ تمام راز تمام مخلوق سے مخفی رکھے، کسی کو نہیں بتایا کہ وہ وحی کیا تھی کیونکہ یہ محب اور محبوب کے راز تھے، محب اور محبوب اپنے درمیان مخفی رازوں کو دوسرے پر مطلع نہیں کرتے، صرف اسی ایک مقام پر یہ شعر سچا آتا ہے۔

میان طالب و مطلوب رمزیست   کراما کاتبین را ہم خبر نیست

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان وہ راز تھے جن پر کراماً کاتبین بھی مطلع نہیں تھے، اور فصاحت میں بھی نبی کریم ﷺ کا کوئی ثانی نہیں تھا، نبی کریم ﷺ اپنے خصوصی انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے

Marfat.com

ہیں "اوتیت جوامع الکلم" مجھے جوامع الکلم عطاء کئے گئے، یعنی مختصر کلام جو کثیر مطالب کو حاوی ہو وہ جوامع الکلم کہلاتے ہیں، یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے جو کسی کو عطا نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو جو کتاب (قرآن مجید) عطاء کی گئی وہ سب کتابوں سے افضل اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ ان تمام وجوہ کے پیش نظر حضور ﷺ کی افضلیت تمام انبیاء کرام پر ظاہر و عیاں ہوگئی۔

(۱۷) محمد بن حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب النوادر میں ذکر کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں بیشک آپ نے فرمایا۔

"ان اللہ اتخذ ابراھیم خلیلا وموسی نجیا واتخذنی حبیبا ثم قال وعزتی وجلالتی لأوثرن حبیبی علی خلیلی ونجیی"

بیشک اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجی بنایا، اور مجھے حبیب بنایا، پھر رب تعالیٰ نے فرمایا (حدیث قدسی) کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت کی اور قسم ہے مجھے اپنے جلال کی میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر ترجیح دے رہا ہوں۔

جب رب تعالیٰ نے قسم اٹھا کر اپنے خلیل اور اپنے نجی پر اپنے حبیب کی برتری کو بیان فرمادیا تو اب سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہی کہ آپ ہی افضل الانبیاء ہیں۔

(۱۸) بخاری اور مسلم میں عمامہ بن منبہ رحمہ اللہ سے روایت مذکور ہے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان فرمائی، رسول ﷺ نے فرمایا میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا بہت حسین وجمیل بنایا اور مکمل بنایا لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگوں نے (اس گھر کو دیکھنے کے لئے) اس میں چکر لگانا شروع کیا اور وہ اس کی تعمیر پر تعجب کرنے لگے (کہ بہت حسین وجمیل اور مکمل طور پر بنایا گیا ہے) اور کہنے لگے کہ یہاں تم نے ایک اینٹ کیوں نہیں لگائی کہ یہ گھر مکمل ہو جاتا، حضور ﷺ نے فرمایا "کنت انا تلک اللبنة" وہ اینٹ میں ہی تھا۔

Marfat.com

یعنی اللہ تعالیٰ نے قصر نبوت شاندار حسین وجمیل بنایا لیکن ایک نبی کے آنے کی جگہ کو چھوڑ دیا لوگ اس کے منتظر تھے کہ وہ خاتم النبیین بھی آجائیں تا کہ قصر نبوت کی باقی جگہ مکمل ہو جائے، (تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا) تو میں نے آکر اس قصر نبوت کی تکمیل کی۔

اب واضح ہوا کہ جس ذات کے بغیر قصر نبوت نامکمل تھا اور اس ذات نے آکر اسے مکمل کیا وہ ذات ہی سب سے افضل ہے وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سید الانبیاء ہیں۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اگر کسی کو نداء کی تو ذاتی نام سے پکارا، جیسے فرمایا۔

"یآدم اسکن انت وزوجک الجنۃ" اے آدم تم ٹھہر جاؤ اور تمہاری زوجہ جنت میں۔

"ونادیناہ ان یاابراھیم" ہم نے اسے پکارا یعنی اے ابراھیم۔

"یا موسی انی انا ربک" اے موسیٰ بیشک میں تیرا رب ہوں۔

لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کو ذاتی نام سے کہیں نہیں پکارا یعنی "یا محمد" نہیں کہا، بلکہ "یاایھاالنبی" (اے نبی) "یاایھاالرسول" (اے رسول) اور اس قسم کے صفاتی نام سے پکارا جو آپ کی افضلیت پر واضح دلیل ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

تنبیہ: راقم بغیر ضرورت شعری کے "یا محمد" کا اسی وجہ سے قائل نہیں کہ اس میں وہ ادب نہیں پایا جاتا جو آپ کے صفاتی ناموں سے آپ کو پکارنے میں ادب پایا جاتا ہے، اس لئے مساجد میں "یا اللہ۔ یا محمد" کے کتبے لگانے کی بجائے "یا اللہ، یارسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ، یا رحمۃ للعلمین" کے کتبے لگائے جائیں۔

(۲۰) راقم کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی تمام انبیاء کرام پر فضیلت کی بیسویں وجہ یہ ہے کے آپ کو جس طرح کے اصحاب ملے ایسے جان نثار صحابہ کسی اور نبی کو نہیں ملے، پھر خاص کر کے نبی کریم ﷺ کے چار یار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح تھے اس طرح کے بلند مرتبہ یار کسی اور نبی کے نہ تھے، ان چار کو ہی آپ کے خلفائے راشدین ہونے کا شرف ملا۔

Marfat.com

اعتراض: انبیاء کرام کو عظیم معجزات ظاہر طور پر عطاء کئے گئے جو نبی کریم ﷺ کو عطا نہیں ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا آپ کو سجدہ نہیں کیا، اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا اور آگ آپ پر گلزار بن گئی یہ مقام نبی کریم ﷺ کو حاصل نہیں ہوا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے براہ راست کلام فرمایا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم کیا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں، انسانوں اور پرندوں کی بادشاہی عطاء کی گئی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کی طاقت دی گئی، یہ تمام معجزات نبی کریم ﷺ کو عطا نہیں کئے گئے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کے نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء کرام پر افضلیت حاصل ہے؟

جواب: آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو نبی کریم ﷺ پر فضیلت حاصل ہو کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے " آدم ومن دونه تحت لوائی یوم القیامة "آدم اور ان کے ماسوا سب ہی قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں" کنت نبیا و آدم لمنجدل فی طینته" میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا جا رہا تھا۔

" ونقل ان جبرئیل اخذ برکاب محمد ﷺ لیلة المعراج ، وهذا اعظم من السجود "

اور بیان یہ کیا گیا ہے کہ معراج کی رات کو جبرائیل نے نبی کریم ﷺ کی رکاب کو پکڑا تو آپ نے اس میں اپنے پاؤں مبارک کو ڈالا، یہ فرشتوں کے سجدہ کرنے سے بھی عظیم مقام ہے۔

" وایضا انه تعالیٰ صلی بنفسه علی محمد وامر الملائکة والمؤمنین بالصلوة علیه وذلک افضل من سجود الملائکة "

اور وجہ یہ بھی واضح ہے کہ رب تعالیٰ خود نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتا ہے یعنی رحمت خاصہ نازل فرماتا ہے اور فرشتوں کو بھی حکم دیتا ہے دورو شریف پڑھنے کا، نبی کریم ﷺ کو جو یہ مقام حاصل ہے یہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے سے افضل ہے۔ درود کو سجدہ پر افضلیت چند وجہ سے حاصل ہے۔

" الاول انه تعالیٰ امر الملائکة بسجود آدم علیه السلام وامرهم بالصلوة علی محمد ﷺ تقریباً "

Marfat.com

ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ادب سکھانے کے لئے لیکن نبی کریم ﷺ پر دورد پاک پڑھنے کا حکم دیا کہ اس سے تمہیں رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل ہوگا، ان کے وسیلہ سے میرا قرب حاصل ہوگا۔

" والثانی ان الصلوة علی محمد ﷺ دائمة الی یوم القیامة و اما سجود الملائکة لآدم علیه السلام ما کان الامرة واحدة "

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ پر دورد پاک پڑھنے کا حکم ہمیشہ قیامت تک ثابت ہے اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو صرف ایک مرتبہ تھا۔

" الثالث ان السجود لآدم انما تو لاه الملائکة و اما الصلوة علی محمد ﷺ فانما تو لاها رب العالمین ثم امر بها الملائکة و المؤمنین "

تیسری وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا والی صرف فرشتوں کو بنایا، لیکن نبی کریم ﷺ پر دورد پڑھنے کی ولایت خود رب العالمین نے اپنے پاس رکھی کہ وہ خود نبی کریم ﷺ پر دورد پاک پڑھتا ہے یعنی رحمت خاصہ کا آپ پر نزول فرماتا ہے، پھر فرشتوں اور مومنوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی آپ پر دورد پڑھیں۔

"والرابع ان الملائکة امروا بالسجود لآدم لاجل ان نور محمد ﷺ فی جبهة آدم "

چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہی اس لئے دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کا نور حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا تھا۔

ان تمام وجوہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دینے کے باوجود افضلیت نبی کریم ﷺ کو ہی حاصل رہی۔ (از کبیر)

بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا علم نبی کریم ﷺ کے علم سے زیادہ ہے کیونکہ ان کے علم کو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا" وعلم آدم الاسماء کلها" آدم کو سکھا دیئے تمام چیزوں کے نام۔

Marfat.com

پھر یہ کہ آدم علیہ السلام کا معلم خود رب تعالیٰ ہے اور نبی کریم ﷺ کا معلم جبریل ہیں، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا "وعلمه شديد القوى" آپ کو شدید طاقت والے (جبریل) نے علم عطاء کیا۔

لیکن جب غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم بھی زیادہ ہے اور آپ کا معلم بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔" وعلمک ما لم تکن تعلم و کان فضل الله عليک عظيما" اور سکھایا آپ کو جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور ہے فضل اللہ کا آپ پر بہت بڑا۔

اور رب تعالیٰ نے فرمایا "الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان" رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا،" ما کان و ما یکون" کا بیان انہیں سکھایا۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "ادبنی ربی فاحسن تادیبی" میرے رب نے مجھے اچھا ادب سکھایا۔

جہاں تک جبرائیل کی طرف سکھانے کی نسبت کی گئی وہ مجازی طور پر تھی، حقیقی تعلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تھی، جبرائیل رب تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے تو تلقین جبرائیل کی جانب سے پائی گئی۔

یہ ایسے ہی ہے جیسا کے رب تعالیٰ نے فرمایا "الله يتوفى الانفس" اللہ نفسوں کو فوت کرتا ہے۔

لیکن دوسرے مقام میں فرمایا " قل يتو فا كم ملك الموت " فرمادیجئے تمہیں ملک الموت فوت کرتا ہے، یعنی حقیقی طور پر تو موت رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور مجازی طور پر عزرائیل کی طرف بھی نسبت پائی گئی ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے روح قبض کرتا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

نوح علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے مقامات میں فرق بھی قرآن پاک کی آیات کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"انا ارسلنا نوحا الى قومه ان انذر قومک من قبل ان يا تيهم عذاب اليم"

بیشک ہم نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ ان کے پاس دردناک عذاب آنے سے پہلے۔

اور نبی کریم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا۔" وما ارسلنک الا رحمة للعلمين" اور نہیں بھیجا ہم نے

Marfat.com

آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔ یعنی نوح علیہ السلام کی ابتداء عذاب سے ہوئی اور نبی کریم ﷺ کی رحمت سے۔

اور نوح علیہ السلام کی انتہاء کو رب تعالیٰ کے اس ارشاد میں دیکھئے " رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" اے میرے رب زمین پر کافروں کی کوئی بستی نہ چھوڑ۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی انتہاء کے متعلق رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا" قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ پر کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ یعنی آپ کی مقام محمود پر جلوہ گری ہوگی، آپ ہی شفاعت فرمائیں گے، یہ مقام صرف آپ کو ہی حاصل ہوگا کسی اور نبی کو یہ مرتبہ رفیعہ حاصل نہیں ہوگا۔

جب حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب ہی آپ کے لواء الحمد کے نیچے پناہ لئے ہوئے ہوں گے تو یقیناً نبی کریم ﷺ کا مقام ان کے مقامات سے بلند ہے، اور نبی کریم ﷺ کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ قرآن پاک تمام انبیاء کرام کے معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔ (ماخوذ از کبیر بزیادۃ)

"منهم من کلم الله": "ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا"۔

اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی آپ سے اللہ تعالیٰ نے براہ راست بغیر واسطہ جبرائیل کے کلام فرمایا، " انما الشرف فی ان یکلمه الله تعالیٰ " یعنی آپ کی عظمت کو بیان ہی اس لئے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا۔ رب تعالیٰ بندے سے کلام کرے تو یہی عظمت ہے کیونکہ ہر ایمان رکھنے والا بندہ نماز کی حالت میں رب تعالیٰ سے کلام کرتا ہی ہے، جیسا کے نبی کریم ﷺ نے فرمایا " المصلی مناج ربه " نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

دینی طلبہ کرام کی توجہ کے لئے:

علامہ اشعری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا اور آپ نے جو سنا۔

" وهو الکلام القدیم الازلی الذی لیس بحرف ولا صوت ام غیره "

وہ کلام ازلی، کلام قدیم تھا نہ اس میں حروف تھے اور نہ ہی اس میں آواز وغیرہ تھی۔

Marfat.com

جس طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار مؤمنین کو دار آخرت میں بغیر کسی کیفیت کے حاصل ہوگا، ایسے ہی موسی علیہ السلام نے رب تعالیٰ کا کلام قدیم وازلی بلا کیف سنا۔ اور علامہ ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کلام قدیم وازلی کا سننا محال ہے جو کلام موسی علیہ السلام نے سنا وہ حروف اور آواز پر مشتمل تھا۔ (از کبیر)

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلافی مسائل میں کئی مسائل ہیں۔ بس راقم کا ذہن اس مسئلہ کی طرح علامہ اشعری رحمہ اللہ کی طرف کیوں منتقل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ جلیلہ : اگرچہ موسی علیہ السلام کا رب تعالیٰ کا کلام براہ راست سننا آپ کا درجہ رفیعہ ہے، لیکن اس سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے معراج کی رات لامکاں پر بلا کیف کلام فرمایا، جسے رب تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

" فاوحی الی عبدہ ما اوحی "وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔

یہ معراج کی رات کا ہی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے براہ راست کلام فرمایا نہ وہاں جبریل ہے اور نہ ہی کوئی فرشتہ ہے، صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے اور مصطفیٰ کریم ﷺ ہیں، رب تعالیٰ نے کتنے علوم آپ کو عطاء فرمائے اور مصطفیٰ کریم ﷺ نے کتنے علوم حاصل کئے، یہ صرف خدا اور اس کے حبیب ﷺ کو معلوم ہے، دوسرا کوئی نہیں جانتا۔

اعتراض : رب تعالیٰ کا کسی سے کلام کرنا اعزاز کیسے ہے؟ جب کہ رب تعالیٰ نے کلام ابلیس سے بھی فرمایا۔ ابلیس نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا " انظرنی الی یوم یبعثون " مجھے مہلت دے اس دن تک جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا" قال فانک المنظرین الی یوم الوقت المعلوم " بیشک تمہیں مہلت ہے مقرر دن تک، اس طرح رب تعالیٰ نے ابلیس سے اور بھی کلام فرمایا، اگر رب تعالیٰ کا کلام کرنا اعزاز ہوتا تو یہ اعزاز ابلیس کو بھی حاصل ہوتا۔

جواب: "ان قصۃ ابلیس لیس فیھا ما یدل علی انہ تعالیٰ قال تلک الجوابات معہ من غیر واسطۃ فلعل الواسطۃ کانت موجودۃ"

ابلیس کے واقعہ میں ایسے کوئی الفاظ نہیں جو اس پر دلالت کریں کہ رب تعالیٰ نے ابلیس سے کلام بغیر کسی واسطہ کے کیا بلکہ یہ کلام فرشتوں کے واسطہ سے تھا۔ (از کبیر)

Marfat.com

راقم کہتا ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ رب تعالیٰ نے ابلیس سے بغیر کسی واسطہ کے کلام فرمایا تو پھر بھی ابلیس سے کلام کی انتہاء کو دیکھا جائے جس میں یہ ذکر ہے "فاخرج منها فانک رجیم" "نکل جا یہاں سے بیشک تو راندہ ہوا ہے۔ یہ کلام زجر و توبیخ پر مبنی ہے، یعنی رب تعالیٰ کا کلام ابلیس سے اسے ذلیل کرنے کے لئے تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام سے کلام ان کی عزت افزائی کے لئے تھا۔

تنبیہ: حضرت آدم علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے کلام جنت میں فرمایا اور نبی کریم ﷺ پر لامکاں پر۔ دنیا میں کلام کرنے کی فضیلت صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی، اس لحاظ پر آپ کی جزوی خصوصیت بن جائے گی۔ لیکن یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے براہ راست کلام فرما کر آپ کو فضیلت عطاء فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ سے بھی کلام فرما کر ان کو بھی منازل رفیعہ عطاء فرمائے۔

"ورفع بعضهم درجات": "اور بلند کئے ان میں کسی بعض کے درجے"۔

چونکہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ بہت خوب ہے۔ آپ رقمطراز ہیں "اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا" راقم نے بھی اپنے ترجمہ میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی۔ تاہم لغوی ترجمہ کو بھی مدنظر رکھنے کی کوشش کی۔

اعتراض: اگر "ورفع بعضهم درجات" سے مراد نبی کریم ﷺ ہوں تو ان الفاظ مبارکہ اور "فضلنا بعضهم علی بعض" کا مفہوم ایک ہوگا، یہ تکرار ہوگا، تکرار کا کیا فائدہ ہوگا۔

پھر خود غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ "فضلنا بعضهم علی بعض" حکم کلی ہے، اس کے بعد اس کی جزئیات کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے، "منهم من کلهم الله" اس کے بعد اگر "ورفع بعضهم درجات" بھی حکم کلی ہو تو کس طرح درست ہوگا۔

جواب: قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ "فضلنا بعضهم علی بعض" سے صرف یہ ثابت ہے کہ بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، کچھ درجات بلند ہیں یا کثیر درجات کس شخصیت کے بلند ہیں یہ ذکر

Marfat.com

نہیں۔" ورفع بعضهم درجات" سے اس کی تفصیل بیان کردی کہ کوئی ہستی ان میں سے وہ بھی ہے جسے درجوں بلند کردیا۔

ہاں البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ " فضلنا بعضهم علی بعض " سے جب یہ ثابت ہوا کہ بعض انبیاء کرام کو بعض پر فضیلت حاصل ہے تو اہل علم نے قرآن پاک اور احادیث کو دیکھا کہ سب انبیاء کرام پر کسے فضیلت حاصل ہے تو اس پر اجماع امت ہوا کہ سب انبیاء کرام سے افضل ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ افضل ہیں۔

رفعت درجات پر چند احادیث مبارکہ کا تذکرہ:

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان اکثر الانبیاء تبعا یو م القیامة وانا اول من یقرع باب الجنة" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں تمام انبیاء سے زیادہ متبعین والا ہوں گا، اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں ہی کھٹکاؤں گا۔

فائدہ:

" وفیه اشعار بان اکثریة الاتباع توجب افضلیة المتبوع وکذلک الامام العاصم من بین القراء فابو حنیفة رحمه الله له حظ عظیم ونصیب جسیم من ذلک فان غالب اهل الاسلام من اتباعه فی فروع الاحکام"

اور اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ جس ذات کے متبعین (تابعداری کرنے والے) زیادہ ہوں گے وہ ذات بھی افضل ہوگی، اسی وجہ سے قراء میں امام عاصم کے زیادہ متبعین ہیں۔ لہٰذا قراء پر افضل مقام رکھتے ہیں۔ اور ائمہ مجتہدین کے درمیان امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام بلند و بالا ہے، کیونکہ فروع احکام میں عالم دنیا میں جتنے مسلمان آپ کی تابعداری کرنے والے ہیں اتنے اور کسی امام کے تابعداری کرنے والے نہیں۔ (ازمرقاۃ ج ۱۱، ص ۷۶)

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ما من الانبیاء من نبی الا قد أعطی من الآیات ما

Marfat.com

مثلہ آمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ" (بخاری ومسلم، مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیائے کرام میں سے کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ ان کو نشانیاں عطاء کی گئیں جن کی مثل ان پر انسانوں نے ایمان لایا، مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی عطاء کی میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میری تابعداری کرنے والے ہوں گے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ہر نبی کو معجزات عطاء کیے گئے، جب وہ نبی دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے معجزات بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے، لیکن نبی کریم ﷺ کا معجزہ قرآن پاک کا ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور باقی رہنے والا ہے جس نے ختم نہیں ہونا، اسی لئے قیامت تک آپ کی امت میں زیادتی ہوتی رہے گی۔

☆ "وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت الی الارض مسجد اوطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی ﷺ یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ فضائل سید المرسلین)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں عطاء کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو بھی نہیں عطاء کی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے میری امداد کی گئی۔ اور تمام زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، میری امت میں سے جس شخص پر بھی جہاں نماز کا وقت آ جائے وہاں ہی نماز ادا کر لے۔ اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا جبکہ مجھ سے پہلے کسی ایک کے لئے بھی حلال نہیں کیا گیا۔ اور مجھے شفاعت عطاء کی گئی۔ اور ہر نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔

Marfat.com

نبی کریم ﷺ کو جن خصوصیات سے نوازا گیا وہ کسی اور نبی کو نہیں عطاء کی گئیں، بعد میں کسی ولی کو عطاء کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، ہاں نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے آپ کی امت کو بالواسطہ ان انعامات سے نوازا جانا بھی آپ کی خصوصیت ہی رہے گی۔

ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے امداد دیئے جانے کا یہ مطلب ہے۔

"قد اوقع الله تعالٰی فی قلوب اعداء النبی ﷺ الخوف منه فاذا کان بینه وبینهم مسیرة شهر هابوا وفزعوا منه"

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کے دلوں میں ایسا خوف ڈال دیا تھا کہ جب آپ کسی قوم پر حملہ کرنا چاہتے تو وہ ایک ماہ کی مسافت سے ڈر کر ہی اکثر اوقات بھاگ جاتے۔

تمام زمین کو مسجد اور پاک بنانے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں پر خصوصی عبادتخانوں میں نماز ادا کرنا لازمی تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کو یہ مقام عطاء کیا گیا کہ آپ کی امت کو جہاں بھی نماز کا وقت مل جائے وہیں نماز ادا کر لیں، تمام زمین ہی ان کے لئے مسجد ہے، پہلی امتوں کے لئے تیمّم جائز نہیں تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کے لئے تمام زمین کو پاکیزہ بنا دیا گیا کہ آپ کی امت پانی نہ ملنے پر یعنی تقریباً پونے دو کلومیٹر پانی دور ہونے پر یا پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہونے پر تیمّم کر لیں۔

مال غنیمت کے حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں اگر مال غنیمت میں جانور حاصل ہوتے تو وہ امت کے لوگوں کو دے دیئے جاتے، انبیاء کرام وہ مال نہیں لے سکتے تھے، اور اگر کوئی اور مال ہوتا تو اسے ایک جگہ جمع کر لیا جاتا، قدرتی طور پر آگ آ کر اسے جلا دیتی تھی۔

آگ کے جلانے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ جہاد میں خالص اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ مال کی طرف ان کی توجہ نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر مال غنیمت میں حصہ دار بنایا گیا اور آپ کی امت کے غازی حضرات کو بھی مال غنیمت عطاء کیا گیا، آگ آ کر مال کو نہیں کھاتی۔

اسی سے ایک اور بات واضح ہوگئی کہ امت مصطفیٰ ﷺ کی یہ عظیم شان ہے کہ مال غنیمت عطاء کرنے کے

Marfat.com

باوجود ان کی توجہ مال کی طرف نہیں ہوتی بلکہ صرف رب تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے یہ جہاد کرتے ہیں۔

شفاعت دیئے جانے کا مطلب یہ ہے " الشفاعة العامة للا راحة من المحشر " کہ آپ نے فرمایا محشر میں حساب وکتاب کے شروع کرنے کے لئے شدید حرات سے راحت حاصل کرنے کے لئے شفاعت کا حق مجھے ہی دیا گیا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی " وکان النبی یبعث الی قومه خاصة " کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔

" لما تقرر فی علم المعانی ان استغراق المفرد اشمل من استغراق الجمع "

چونکہ " النبی " مفرد لفظ پر الف لام جنسی ذکر کیا گیا ہے، علم معانی میں اس مسئلہ کو واضح کیا گیا ہے کہ استغراق مفرد بنسبت استغراق جمع کے زیادہ افراد کو شامل ہے کیونکہ استغراق جمع سے ایک یا دو فرد خارج ہوتے ہیں۔

وبعثت الی الناس عامة:

اور مجھے عام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کو تمام عرب وعجم کا رسول بنا کر بھیجا گیا، بلکہ دوسری حدیث شریف جو مسلم میں مذکور ہے، اس میں آتا ہے " وارسلت الی الخلق کافة " مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" (وارسلت الی الخلق کافة) ای الی الموجودات باسرها عامة من الجن والانس والملک والحیوانات والجمادات "

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، خواہ وہ جن ہوں یا انسان ہوں یا فرشتے ہوں، خواہ وہ حیوانات ہوں یا جمادات ہوں۔

(مرقاة ج ۱۱ ص ۴۹)

Marfat.com

☆ "وعن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوی لی الارض فرائیت مشارقھا و مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا" (مسلم، فضائل سید المراسلین)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا، بیشک میری امت کی ملکیت یعنی سکونت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا۔

ان آخری الفاظ کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے۔

"ای امت من رسید در جمیع ممالک رفتہ برفتہ یعنی اسلام در جمیع ممالک خواہد رسید"

یعنی میری امت آہستہ آہستہ تمام ممالک میں پہنچ جائے گی، مطلب یہ ہے کہ تمام ممالک میں اسلام پہنچ جائے گا۔ (اشعۃ اللمعات)

ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں، ہر جگہ اسلام پہنچ چکا ہے تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو ظاہری حیات میں ہی تمام روئے زمین دکھادی گئی اور اس کا علم دے دیا گیا۔

"وآتینا عیسی ابن مریم البینات":

"اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں۔"

"البینات" سے مراد کھلی نشانیاں اور معجزات ظاہرہ ہیں۔ یعنی مردوں کو زندہ کرنا اور مادرزاد اندھے کو نظر عطاء کرنا، اور برص کی مرض والوں کو شفاء عطاء کرنا" والاخبار بالمغیبات" اور آپ کو غیبی خبریں عطاء کرنا، اور انجیل عطاء کرنا ہے۔ (تفسیر ابی السعود)

"وایدناہ بروح القدس": "اور مدد کی ہم نے اس کی پاکیزہ روح سے"۔

روح قدس سے مراد کیا ہے؟

اس سے مراد یا تو عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی روح ہے۔ "وانما وصفت بالقدس للکرامۃ"

Marfat.com

اسے کرامت کی وجہ سے قدس سے متصف کر دیا گیا یا اس وجہ سے اسے روح قدس کہا گیا کہ وہ آباء کی صلبوں اور ماؤں کی رحموں (بچہ دانیوں) کی آلودگی سے پاک تھی۔

"وقیل بجبریل" اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ روح قدس سے مراد جبریل ہیں کیونکہ ان کا لقب "روح امین" ہے آپ کو جبریل سے تقویت پہنچائی گئی، جبریل سے اول میں آپ کو تائید دی گئی کہ انہوں نے پھونکا تو آپ ماں کی بچہ دانی میں موجود ہو گئے۔ اور درمیان میں جبریل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لا کر علوم پہنچائے اور آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھا، اور آخر میں آپ کو تقویت پہنچائی گئی کہ جب یہود نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو جبریل نے ہی آپ کی امداد کی کہ آپ کو آسمانوں پر اٹھا کر لے گئے۔ روح قدس سے مراد انجیل ہے، یعنی جس طرح قرآن پاک کا لقب روح ہے، اسی طرح انجیل کا لقب بھی روح ہے کہ اس سے قوت ایمانی اور حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے، روح قدس سے مراد اسم اعظم ہے جس کی وجہ سے آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ (ما خوذ از تفسیر ابی السعود و کبیر)

دو انبیاء کرام کے خصوصی ذکر کی وجہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے معجزات زیادہ واضح اور ظاہر تھے اور ان دونوں حضرات کی امتیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود تھیں اسی وجہ سے ان کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا اور ان کی امتوں کی ضمناً مذمت بھی کی گئی، گویا کہ یہ کہا گیا ہے۔

" ھذا ان الرسولان مع علو درجتھما و کثر ة معجزاتھما لم یحصل الا نقیاد من امتھما بل نازعوا و خالفوا، وعن الواجب علیھم فی طاعتھما اعر ضوا"

کہ ان دونوں رسولوں کو رب تعالیٰ نے بلند مرتبہ عطاء کیا اور ان دونوں کو کثیر معجزات عطاء کئے گئے، لیکن ان کی امتوں نے ان کی فرمانبرداری نہ کی، بلکہ مخالفت کی اور ان سے نزاع کیا۔ ان کی امتوں پر واجب تھا کہ وہ ان کی طاعت کرتیں لیکن انہوں نے ان سے اعراض کیا۔ (کبیر)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے بھی کیا گیا کہ یہود کی مذمت کی گئی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ

Marfat.com

السلام کے معجزات ظاہر اور واضح دیکھ کر بھی آپ پر ایمان نہ لائے اور منکر ہی رہے گویا کہ عقل کے اندھے ہی رہے۔ (از کبیر)

”ولو شاء اللہ ما اقتتل الذین من بعدھم من بعدما جاء تھم البینات ولکن اختلفوا فمنھم من آمن ومنھم من کفر“:

”اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے اس کے بعد آ گئی ان کے پاس نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں بعض ایمان پر رہے اور بعض کافر ہو گئے۔“

ان الفاظ مبارکہ کا ماقبل سے تعلق واضح ہے کہ انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کے پاس کھلی نشانیاں لائیں، اور دلائل اور براہین ان کے سامنے بیان فرمائے تو قوموں کا آپس میں اختلاف ہوا، بعض نے ان میں سے ایمان لایا اور بعض نے ان میں سے کفر کیا، اسی اختلاف کی وجہ سے ان میں لڑائیاں ہوئیں اور ایک دوسرے کو قتل کیا۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں ہے:

اس آیت کریمہ سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا کہ وہ آپس میں لڑائی نہ کریں تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے ان کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ حالانکہ لڑائی کرنا معصیت ہے، اسی سے واضح ہوا کہ ہر اچھائی یا برائی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس سے معتزلہ کا رد ہو گیا جو بندے کو اپنے اعمال کا خالق مانتے ہیں۔

" فدل ذلک علی ان الکفر والایمان والطاعة والعصیان بقضاء اللہ وقدرہ ومشیئتہ وعلی ان قتل الکفار وقتالھم للمومنین بارادة اللہ تعالیٰ"

اس آیۃ کریمہ کے مضمون سے یہ واضح ہو گیا کہ بیشک کفر اور ایمان، طاعت اور نافرمانی سب ہی اللہ تعالیٰ قضاء وقدر میں ہیں، یہاں تک کہ مومنوں کا کفار کو قتل کرنا، اور کافروں کا مومنوں سے لڑنا سب ہی اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ہیں۔ (از کبیر)

لیکن انہوں نے اختلاف کیا، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ اختلاف نہ کرتے، اگر وہ اختلاف نہ کرتے تو وہ آپس

Marfat.com

میں نہ لڑتے، لیکن ان کے اختلاف کی وجہ سے ہی ان میں لڑائیاں واقع ہوئیں۔

"ولوشاء اللہ ما اقتتلوا": "اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ نہ لڑائی کرتے۔"

یہ دوبارہ ذکر کیا گیا ہے تاکید کے لئے (کبیر مظہری) لیکن روح المعانی اور تفسیر ابو سعود میں ہے کہ یہ تکرار نہیں بلکہ اس سے نیا مطلب ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ اللہ چاہتا تو وہ نہ اختلاف کرتے اور نہ لڑتے یعنی اختلاف ان کی لڑائی کا سبب تھا، اب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ اختلاف کرنے کے باوجود آپس میں نہ لڑتے۔

راقم کا اس میں موقف یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک کی عظمت کو بیان کیا گیا کہ کبیر اور مظہری کے مطابق یہ تاکید ہے اور تکرار و اعادہ ہے، لیکن روح المعانی اور ابوالسعود کے مطابق تجدید ہے تکرار نہیں۔

سبحان اللہ! قرآن پاک کیسا ہی خوب موجزن سمندر ہے کہ اپنی اپنی وسعت کے مطابق خوب جواہر نکالے گئے ہیں۔

"ولکن اللہ یفعل مایرید": "اور لیکن اللہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔"

"ای یفعل مایرید من غیر ان یو جبه علیه مو جب او یمنعه منه ما نع" (تفسیر ابی السعود)

یعنی اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے وہ کرتا ہے، اس پر کوئی چیز واجب نہیں، اور نہ ہی اسے کوئی منع کر سکتا ہے۔ کسی میں طاقت نہیں کہ وہ اس کے کام میں دخل اندازی کر سکے۔

تنبیہ: رب تعالیٰ جو چاہے وہ کرتا ہے اس کی ذات پر جس طرح اعتراض جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے کاموں کی حکمت کی حقیقت کو جاننا بھی ضروری نہیں۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔

"سأل رجل علی ابن طالب فقال یاامیرالمومنین اخبرنی عن القدر قال طریق مظلم فلا تسلکه فاعادالسوال فقال بحر عمیق فلا تلجه فا عاد فقال سر خفی فلا تفتشه"

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقدیر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ ایک تاریک راستہ ہے اس پر نہ چلو، جب اس نے پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ گہرا سمندر ہے اس میں نہ داخل ہو جب اس نے پھر سوال کو لوٹایا تو آپ نے فرمایا یہ مخفی راز ہے اس کی تفتیش نہ کرو۔

Marfat.com

یعنی تقدیر ایک ایسا مسئلہ ہے اس کا عقل سے پالینا ممکن نہیں، اس کی تفتیش سے ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تاریک راستہ میں چلنے اور گہرے سمندر میں واقع ہونے سے ہلاکت واقع ہوتی ہے۔

☆ عن عائشة قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول من تکلم فی شیٔ من القدر سئل عنه یوم القیامة و من لم یتکلم فیه لم یسئل عنه" (رواہ ابن ماجة)

حضرت عائشہ رضی عنہ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے تقدیر کے متعلق کلام کیا قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا، اور جس نے تقدیر کے متعلق کوئی کلام نہ کیا اس سے اس کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے گا۔ (ماخوذ از مظہری)

☆☆☆☆☆

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۴)

﴿۱﴾

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ کافروں کے لئے دوستی اور نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں۔

﴿۲﴾

اے ایمان والو! خرچ کرو اس سے جو دیا ہم نے تمہیں، اس سے پہلے کہ آ جائے وہ دن جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں اور (کافروں کے لئے) نہ دوستی، نہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں۔

Marfat.com

ماقبل سے تعلق:

انسان کے لئے مشکل یہ ہے کہ وہ جہاد میں اپنی جان قربان کردے، اور اسے طرح انسان کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرے، پہلے رب تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا اب رب تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔

(کبیر)

اس خرچ کرنے سے کیا مراد ہے؟

اس میں تین اقوال ہیں۔

﴿۱﴾ ایک قول حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس خرچ کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد زکوۃ ادا کرنا ہے کیونکہ اس حکم کے ساتھ وعید پائی گئی ہے کہ اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کرو جس دن نہ خرید وفروخت ہے اور نہ کافروں کے لئے دوستی اور نہ شفاعت ہے۔ اس قسم کی وعید صرف واجبات میں پائی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا قول جمہور حضرات کا ہے کہ یہ حکم عام ہے صدقات واجبہ کو شامل ہے اور صدقات نافلہ کو بھی شامل ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، فرائض وواجبات بھی ادا کرو اور نفلی طور پر بھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے رہو تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوسکے، جمہور نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یوں دیا۔

”ولیس فی الآیۃ وعید فکانہ قیل حصلوا منافع الآخرۃ حین تکو نو ن فی الدنیا فانکم اذاخرجتم من الدنیا لا یمکنکم تحصیلھا و اکتسا بھا فی الآخرۃ“

آیۃ کریمہ میں وعید نہیں پائی گی، بلکہ صرف اتنا بتایا گیا کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا منافع حاصل کرلو، اس لئے کہ جب تم دنیا سے نکل جاؤ گے تو تمہارے لئے ممکن نہیں کہ آخرت میں جاکر وہ فوائد حاصل کرسکو۔

﴿۳﴾ تیسرا قول اصم رحمہ اللہ کا ہے کہ اس خرچ کرنے سے مراد جہاد میں خرچ کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ اسے جہاد کے حکم کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ (از کبیر)

Marfat.com

راقم کا موقف: اس مسئلہ میں راقم کا موقف یہ ہے کہ تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مطلقاً خرچ کرنے کا ہے، گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ رب تعالیٰ نے جو مال تمہیں دیا ہے وہ مال اس کی راہ میں خرچ کرو، اگر تم پر خرچ کرنا فرض ہو یعنی زکوۃ ادا کرنی ہو تو زکوۃ ادا کرو، اور اگر صدقہ فطر اور قربانی وغیرہ تم پر واجب ہوں تو واجبات ادا کرو، اور اگر جہاد میں مال کی ضرورت درپیش ہو تو جہاد میں مال خرچ کرو، اور نفلی طور پر بھی صدقات کرتے رہو۔

چونکہ اس صورت پاک میں زکوۃ کا بھی ذکر ہو چکا ہے صدقات واجبہ کا بھی ذکر آ چکا ہے، جہاد میں مال خرچ کرنے کا ذکر بھی آ چکا ہے، صدقات نافلہ کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، اس لئے اس حکم کو مطلق رکھنے اور تمام معانی کو جمع کرنے سے آیۃ کریمہ کا ماقبل سے ربط قائم رہے گا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

رزق عام ہے حلال اور حرام دونوں کو شامل ہے لیکن صرف حلال مال کا استعمال جائز ہے اور حرام مال کا استعمال حرام ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی حلال مال خرچ کرنے سے ثواب حاصل ہوگا، اللہ کی راہ میں حرام مال خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔

ایک اور توجہ کی ضرورت:

دینی مدارس کے طلباء کرام بخوبی جانتے ہیں کہ لانفی جنس کے بعد نکرہ مفردہ یعنی غیر مضاف جب تکرار لا نکرہ مفرد سے آئے تو اس کی پانچ وجہ جائز ہیں جیسا کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" میں پانچ وجہ جائز ہیں وہی وجوہ "لا بیع فیه خلة ولا شفاعة" میں بھی جائز ہیں اور "لابیع فیه ولاخلال" میں، اور "لا لغو فیها ولا تاثیم" میں بھی وہی وجوہ جائز ہیں

(ماخوذ از قرطبی)

فائدہ: آیۃ کریمہ کے ترجمہ سے ہی یہ واضح ہو رہا ہے کہ انسان رب تعالیٰ کے حضور اکیلے حاضر ہوگا اور اس کے ساتھ دنیا کی کوئی چیز نہیں ہوگی، خواہ اولاد ہو یا مال، جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

"ولقد جئتمونا فرادی کما خلقناکم اول مرة وترکتم ما خولناکم وراء ظهورکم"

Marfat.com

اور تحقیق تم ہمارے پاس اکیلے آؤ گے جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ، اور تم چھوڑ آؤ گے پیٹھ پیچھے جو مال ومنافع ہم نے تمہیں دیئے۔ (پ ۷ سورۃ الانعام آیۃ ۹۴)

"من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیہ ولا خلۃ ولا شفاعۃ":

"اس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس میں کوئی خرید وفروخت نہیں اور (کافروں کے لئے) نہ دوستی اور نہ شفاعت۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا ساتھ ساتھ یہ بھی یاد دلایا کہ ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہتے رہو کہ کل خرچ کردیں گے، پرسوں خرچ کردیں گے کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ تم پر کب موت آجائے، پھر موت کے بعد قیامت تم تک عالم برزخ میں تمہیں رہنا ہوگا۔ پھر قیامت نے قائم ہونا ہے تو اس دنیا کی زندگی کے بعد تمہیں مال خرچ کرنے کا وقت نہیں ملے گا اور نہ ہی تم اپنی اس غلطی کا تدارک کرسکو گے، پھر تمہیں یہ کہنا نفع مند نہیں ہوسکے گا۔ "لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق" تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ کرتا۔ (ماخوذ از قرطبی)

"لا بیع":

کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ بیع بمعنی فدیہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ" اس دن تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا، اور فرمایا "ولا یقبل منھا عدل" کسی نفس سے کوئی بدلہ، کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور ارشاد فرمایا "وان تعدل کل عدل لا یوخذ منھا" اگر کوئی نفس ہر قسم کا بدلہ دے تو اس سے نہیں لیا جائے گا۔ اس معنی کے لحاظ پر یہاں آیۃ کریمہ کا معنی یہ ہوگا۔

"من قبل ان یاتی یوم لا تجارۃ فیہ فتکتسب ما تفتدی بہ من العذاب"

اے ایمان والو! خرچ کرو اس سے جو ہم نے رزق تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں کوئی تجارت نہ کی جاسکے کہ اس سے مال حاصل کرکے فدیہ دے کر تم عذاب سے چھٹکارا پاسکو۔ یعنی اس دن نہ ہی مال

Marfat.com

ہو سکے گا اور نہ ہی فدیہ قبول کیا جائے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے۔

"قدموا الانفسکم من المال الذی ھو فی ملککم قبل ان یأتی الیوم الذی لا یکون فیه تجارة و لا مبایعة حتی یکتسب شئ من المال"

اپنے نفسوں کے لئے وہ مال آگے بھیج دو جو تمہاری ملکیت میں ہے (یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو جس کا ثواب تمہیں آگے جا کر ملے) اس دن کے آنے سے پہلے جس دن کوئی تجارت نہیں ہوگی اور نہ ہی خرید و فروخت ہوگی کہ تم مال حاصل کرسکو۔

"ولا خلة": "اور نہیں دوستی ہوگی (کافروں میں)"

"والخلة" (بالضم) خالص المودة" یعنی "خلة" کا معنی خالص محبت ہے، یہ ماخوذ ہے "تخلل الاسرار بین الصدیقین" (دوستوں کے درمیان راز کا واقع ہونا) ہے۔

" خلالة " خاء کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ سے، یعنی تینوں صورتوں میں اس کا معنی دوستی اور محبت ہے۔

خلة (بالفتحة) حاجت اور فقر، "خلة" (بالکسر) تلوار کے نیام کو سونے سے منقش کرنا، اور دانتوں کے درمیان طعام وغیرہ کا رہ جانا۔ (ماخوذ از قرطبی)

دوستی نہ ہونے کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔

"الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین"

اس دن دوست بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے اور ارشاد فرمایا " وتقطعت بھم الاسباب" ان کے درمیان اسباب منقطع ہو جائیں گے اور ارشاد فرمایا" ویوم القیامة یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا" اور قیامت کے دن بعض بعض کا انکار کریں گے اور بعض بعض پر لعنت بھیجیں گے۔

اور ارشاد فرمایا "فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم"

(کفار اس دن کہیں گے) ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں اور نہ ہی کوئی گہرا دوست ہے۔

Marfat.com

اور ارشاد فرمایا" وما للظالمین من انصار" ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

"ولا شفاعة" "اور نہ ہی شفاعت (کافروں کے لئے)"

بظاہر طور پر" ولا خلة و لا شفاعة" میں عام نفی نظر آتی ہے کہ کوئی شخص کسی کا دوست نہیں ہوگا اور نہ ہی کوئی کسی کی شفاعت کرے گا، لیکن یہ بات بھی واضح ہے۔

" ان سائر الدلائل دلت علی ثبوت المو دة والمحبة بین المومنین وعلی ثبوت الشفاعة للمومنین"

کہ تمام دلائل سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن ایک دوسرے سے محبت کام آئے گی اور مومنوں کے حق میں شفاعت بھی ہوگی۔ (از کبیر)

کبیر کی اس وضاحت سے سمجھ آ گیا کہ جس دوستی اور شفاعت کی نفی ہے اس سے مراد کفار ہیں مومنین مراد نہیں۔ آیئے راقم کی تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ باکمال کو دیکھئے۔

"ولا خلة ولا شفاعة":

اور نہ آشنائی اور نہ سفارش	(محمود الحسن صاحب)
نہ دوستی کام آئے گی نہ سفارش چلے گی	(مودودی صاحب)
اور نہ دوستی نہ سفارش	(عبدالماجد صاحب)
اور نہ آشنائی ہے اور نہ سفارش	(شاہ عبدالقادر)
اور نہ دوستی اور نہ سفارش ہو سکے	(فتح محمد صاحب)
اور نہیں دوستی اور نہیں سفارش	(شاہ رفیع الدین صاحب)
نہ (کافروں کے لئے) دوستی اور نہ شفاعت	(اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں دوستی اور شفاعت کی نفی کو کافروں کے ساتھ مختص کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے تراجم میں عام

Marfat.com

طور پر نفی کی گئی ہے جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں کی شفاعت ہو سکے گی یا نہیں۔

آیئے تفاسیر کی نظر میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو دیکھیں تو روز روشن کی طرح عیاں ہوگا کہ جس مسئلہ کو تفاسیر نے اعتراضات وجوابات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کو ایک لفظ کی زیادتی سے بیان فرمادیا ہے۔

"(ولا خلة) صداقة تنفع" (جلالین)

دوستی نہیں ہوگی جو کسی کو قیامت میں نفع پہنچائے۔

" قوله صداقة تنفع لان الخلة لا تنفع يو م القيامة بين الا خلاء الا بين المتقين، لقوله تعالىٰ "الاخلا ء يومئذ بعضهم لبعض عدو الاالمتقين" (حاشیہ جلالین)

دوستی کسی کے کئے نفع مند نہیں ہوگی قیامت میں سوائے پرہیز گاروں کے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

"(ولا شفاعة) بغير اذنه وهو يو م القيامة" (جلالین)

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قیامت کے دن کسی کو شفاعت کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

" قوله بغير اذنه هو جواب سوال كيف يصح نفى الشفاعة على سبيل الاستغراق و قد تثبت شفاعة الانبياء يوم القيامة با لاحاديث كحد يث انس سالت النبى ﷺ ان يشفع لى يوم القيامة فقال انا فاعل، حسنه الترمذى، وايضاحه ان الآية مقيد "الا من اذن له الرحمن ورضى له قولا" والنبى ماذون له اويستأذن فيوذن له" (جمل)

مفسر رحمہ اللہ نے بغیر اذنہ کی قید کا کیوں اضافہ کیا؟ اس لئے کہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، وہ سوال یہ ہے کہ مطلقاً شفاعت کی نفی کیسے کی گئی ہے کہ کسی کو کسی شفاعت کام نہیں آئے گی، حالانکہ حدیث پاک سے انبیاء کرام کی شفاعت کا ثبوت ہے۔ کہ ان کو قیامت کے دن شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ میں شفاعت کروں گا، اس

Marfat.com

حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔

واضح ہوا کہ آیت کریمہ میں شفاعت کی نفی اس کی اجازت کے بغیر کرنے سے مقید ہے، جس کو رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی اور رب تعالیٰ نے جس کی بات کو پسند کیا وہ شفاعت کر سکے گا اسی وجہ سے انبیاء کرام کو شفاعت کی اجازت ہوگی، اسی طرح انبیاء کرام نے اگر اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی اجازت طلب کی تو ان کو شفاعت کرنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

"لیس لاحد ان یشفع عندہ الا باذنہ وھو بیان لملکوتہ و کبریائہ وان احدا لا یتمالک ان یتکلم یو م القیامۃ الا اذا اذن لہ فی الکلام وفیہ رد لزعم الکفار ان الأصنام تشفع لھم"

کسی ایک کو رب تعالیٰ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کا حق نہیں ہوگا یہاں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور کبریائی کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن کسی کو اس کی اجازت کے بغیر اس سے کلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اور اس آیۃ کریمہ میں کافروں کا رد کیا جا رہا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے بت ہماری سفارش کریں گے۔ (مدارک)

یہاں سے بھی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا، لیکن انبیائے کرام، صلحاء اور شہداء کو تو شفاعت کا حق خود رب تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوگا۔

"والشفاعۃ ثابتۃ للرسول والاخیار فی حق اھل الکبائر بالمستفیض من الاخبار خلافا للمعتزلۃ" (شرح عقائد)

رسولوں اور نیک لوگوں کو کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے لئے شفاعت کا حق حاصل ہونا اخبار متواترہ اور مشہورہ سے ثابت ہے، اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔

ان کی ذریت معنوی بھی یہ راگ الاپ رہی ہے۔

"قولہ علیہ السلام شفاعتی لاھل الکبائر من امتی وھو مشھور بل الاحادیث فی باب الشفاعۃ متواترۃ" (شرح عقائد)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیر کے مرتکبین کے لئے بھی ہوگی۔ یہ

Marfat.com

حدیث مشہور ہے، بلکہ شفاعت والی احادیث متواترۃ المعنی ہیں۔

حدیث شریف میں جو" والا خیار" کا ذکر ہے، اس سے مراد کون لوگ ہیں؟

"والاخیارهم الملائكة والصلحاء والشهداء" اخیار سے مراد فرشتے اور نیک لوگ اور شہید لوگ ہیں۔

نیز اسی مقام پر شرح عقائد کے حاشیہ میں ہے۔

" قال الغزالی اعلم انه اذا حق دخول النار علی طوائف من المومنین فان الله تعالی بفضله یقبل فیهم شفاعة الانبیاء والصدیقین بل شفاعة العلماء والصالحین وکل من له عندالله تعالی جاه وحسن معاملة فان له شفاعة فی اهله وقرابته واصدقائه ومعارفه فکن حریصا علی ان تکتب لنفسک عندهم مراتبة الشهداء"

علامہ غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ حقیقت ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ یعنی گناہگار لوگ جہنم میں جائیں گے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے لئے انبیاء کرام اور صدیقین کی شفاعت قبول فرمائے گا، بلکہ علماء اور نیک لوگ اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے، اسے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنے اہل واقرباء اور احباب اور جان پہچان والے لوگوں کی شفاعت کر سکیں، لہٰذا اے عام مخاطب تو بھی ان کے ہاں اپنی ذات کے لئے مرتبہ شفاعت حاصل کرنے میں حریص ہو جا۔

شفاعت کا ذکر احادیث میں بہت بساطت سے کیا گیا ہے یہاں تو اختصار کے پیش نظر اس پر بحث نہیں کی جا رہی ورنہ یہی باب ایک ضخیم کتاب کو مستلزم ہے، ایک مختصر حدیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

"عن عثمان بن عفان قال قال رسول الله ﷺ یشفع یوم القیامة ثلاثة الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء" (رواہ ابن ماجة)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین حضرات انبیاء کرام، علماء اور شہداء شفاعت کریں گے، تین کا ذکر اتفاقی ہے ان تین میں انحصار نہیں۔ (مرقاۃ)

Marfat.com

"شافعاو مشفعا" تو آپ نماز جنازہ میں بچوں کے لئے دعاء میں بھی پڑھتے ہیں، جہاں ان کی شفاعت کرنا، اوران کی شفاعت کا مقبول کیا جانا واضح طور پر مذکور ہے۔

اب حقیقت حال واضح ہو چکی ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ میں کیا خوبیاں موجود ہیں؟ وہ تفاسیر پر نظر رکھنے سے ہی پتہ چلتی ہیں۔ (تسکین الجنان، ج ۷۵. ص ۷۷)

"والکافرون هم الظالمون": "اور کافر ہی ظالم ہیں۔"

"الظلم وضع الشیٔ فی غیر موضعه" ظلم کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔

کافر چونکہ عبادت رب تعالیٰ کی نہیں کرتے تھے بلکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے باطل راہ میں خرچ کرتے تھے، عیاشیوں اور بے ہودگیوں میں مال خرچ کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑ کر وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بناتے ہیں اور کافروں سے مراد زکوۃ کا انکار کرنے والے بھی ہیں کہ وہ اپنے آپ پر زکوۃ کا انکار کر کے ظلم کرتے ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں کفار سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوۃ نہیں دیتے، اگرچہ زکوۃ نہ دینا گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں، لیکن ایک حکم سخت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے، گویا کہ بتایا گیا ہے کہ "ان ترک الزکوة من صفات الکفار" بیشک زکوۃ ادا نہ کرنا کفار کی صفات سے ہے۔

☆ "عن عمربن الخطاب رضی اللہ عنه قال لما قبض رسول اللہ ﷺ ارتدت العرب وقالوا لا نؤدی زکوة فقال ابو بکر لو منعونی عقا لا لجاهد تهم علیه فقلت یاخلیفة رسول اللہ ﷺ تألف الناس وارفق بهم فقال لی اجبار فی الجاهلیة وخوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حی" (رواہ رزین، مشکوۃ باب مناقب ابی بکر)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا تو عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم زکوۃ ادا نہیں کرتے (یعنی انہوں نے زکوۃ کی فرضیت کا انکار کر دیا) تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ اونٹ کی رسی بطور زکوۃ دینے سے انکار

Marfat.com

کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول کے خلیفہ لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آئیں اور ان پر نرمی کریں، آپ نے فرمایا اے عمر کیا تم زمانہ جاہلیت میں بہادر تھے اور اسلام میں آ کر بزدل ہو گئے ہو؟ بیشک وحی کے آنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے دین مکمل ہو چکا ہے کیا میری زندگی میں دین میں کمی کر دی جائے گی؟ (یہ کبھی نہیں ہو سکتا) (ماخوذ از مظہری)

کیا خوب اظہار تشکر:

"فنقل عن عطاء بن یسار انه کان یقول الحمدلله الذی قال "والکافرون هم الظالمون" ولم یقل "الظالمون هم الکافرون" (کبیر)

حضرت عطاء بن یسار کہتے تھے کہ سب تعریفیں اللہ رب العزۃ کے لئے ہیں جس نے یہ تو فرمایا کہ "کافر ہی ظالم ہیں" لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ظالم ہی کافر ہیں۔

یعنی کفار کا عبادت بے محل کرنا، مال بیجا خرچ کرنا اور رب تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ظلم ہی ہے، لہٰذا کافروں کا ظالم ہونا تو واضح ہے، لیکن مسلمان بھی بے جا مال خرچ کرتے ہیں جو ظلم ہے، اس لئے اگر ظلم کو کفر کہا جاتا تو اکثر مسلمان کافر ہو جاتے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہر ظالم کو کافر نہیں کہا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلۡـحَیُّ الۡـقَیُّوۡمُ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الۡاَرۡضِ مَنۡ ذَاالَّـذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ یَعۡلَمُ مَابَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَمَاخَلۡفَھُمۡ وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَا یَئُوۡدُہٗ حِفۡظُھُمَا وَ ھُوَالۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۵)

﴿۱﴾

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اوروں کا قائم رکھنے والا، اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی ہے بلند بڑائی والا۔

﴿۲﴾

اللہ ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے جو ہمیشہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، نہیں پکڑتی اسے اونگھ اور نہ نیند، اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کون ہے وہ جو شفاعت کرے اس کے ہاں سوائے اس کی اجازت کے، وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور نہیں جانتے کچھ بھی اس کے علم کی حقیقت سے سوائے اس کے جو کچھ وہ چاہے، وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو، اور نہیں بھاری اس پر ان کی حفاظت، اور وہی ہے بلند بڑائی والا ۔

Marfat.com

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ علم توحید، علم احکام اور قصص کو ملا جلا کر بیان کرتا ہے تاکہ ایک ہی مضمون سے انسان کا دل اکتا نہ جائے، ایک قسم کے بیان سے دوسری قسم کے بیان کی طرف منتقل ہونا ایسے ہی ہے جیسا کہ کوئی مسافر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہو جائے اور ایک باغ سے دوسرے باغ کی طرف منتقل ہونا یقیناً باعث لذت ہے، اسی طرح ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونا بھی باعث سرور ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ قصص کے بیان سے یا تو مقصد دلائل توحید کو پختہ کرنا ہوتا ہے، یا احکام کو لازم کرنا ہوتا ہے اور انسان کو مکلف بنانے میں تاکید مقصود ہوتی ہے۔ پہلے قصص واحکام کو بیان کیا گیا ہے اور اب دلائل توحید کو بیان کیا جا رہا ہے۔ (از کبیر)

''اللہ لا الہ الاھو'': ''اللہ ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے۔''

اللہ واجب الوجود یعنی خود بخود قائم ہے، اس کا وجود حقیقی ہے، کسی اور نے اسے موجود نہیں کیا اور اس کی صفات کمالیہ میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق ہے۔ (تبصیر الرحمٰن)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفسیر تبصیر الرحمٰن کے ان الفاظ کے مطابق ہے۔ (اللہ) الواجب الوجود (اللہ ہے) راقم نے بھی اسے پسند کیا۔ تاہم بعض تفاسیر کے مطابق ''اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں'' ترجمہ بھی درست ہے۔

خیال رہے لفظ ''اللہ'' کے متعلق تفصیلی بحث سورۃ فاتحہ میں گزر چکی ہے، اور '' لا الہ الاھو '' کی بحث '' انما الھکم الہ واحد'' آیۃ کریمہ میں گزر چکی ہے۔

''الحی القیوم'': ''وہ ہمیشہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے (اوروں کو)''

یعنی باقی تمام مخلوق ذاتی طور پر مردہ کی حیثیت سے ہے بلکہ معدومیت کے درجہ میں ہے، رب تعالیٰ کے موجود کرنے سے مخلوق کو وجود حاصل ہوا، بلکہ ''حیاۃ الغیر من ظھور حیاتہ فیہ'' بلکہ مخلوق کی زندگی رب تعالیٰ کی

Marfat.com

حیات کا عکس ہے اور اسی کی تجلیات ان میں موثر ہے۔ (تبصیر الرحمن)

" القیوم " وہ قائم بذاتہ ہے اور اپنے ماسوا تمام کو وہی قائم کرنے والا ہے، تمام چیزوں کا وجود ہی اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ کو نور کا ظہور ان میں موجود ہے۔ (تبصیر الرحمن)

طلباء کرام کے فائدہ کے لئے تبصیر الرحمٰن کی عبارت نقل کی جارہی ہے۔

"(الله) الواجب الوجود الذی له الوجود الحقیقی لا لغیره لا یشار که فی صفات کماله ولا فی استحقاق العباد ة غیره اذ(لا اله الاهو) و کیف یستحقها غیره وهو میت لذاته اذهو(الحی) لذاته وحیا ة الغیر من ظهور حیاته فیه بل الغیرمعدوم فی ذاته اذهو(القیوم)ای القائم بذاته المفهوم لکل ما عداه فوجود الکل من ظهورنور وجود ه فیه"

(تبصیر الرحمن)

تبصیر الرحمٰن کی عبارت کو دیکھئے پھر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو دیکھئے تو خوب ترین نظر آئے گا۔

راقم نے " الحی "کا ترجمہ خازن سے لیا ہے۔

"(الحی) یعنی الباقی علی الا بد الدائم بلا زوال والحی فی صفة الله تعالی هو الذی لم یزل موجودوبالحیاةموصوفالم تحدث له الحیاة بعدموت ولا یعتریه الموت بعد حیاة "

(خازن)

" الحی "جب اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے ہمیشہ موجود، زندہ رہنے والا، اور ایسے حیات اسے حاصل ہے جو موت اور معدومیت کے بعد وہ حیات حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کی حیات کے بعد موت واقع ہونے والی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی طور پر زندہ قائم ودائم ہے۔ نہ ہی اس کی ابتداء ہے اور نہ ہی اس کی انتہاء ہے، باقی تمام مخلوق عدم سے وجود میں آئی اور وجود کے بعد موت طاری ہوتی ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس پر شاہد ہے "کل شیٔ ھا لک الا وجھه" ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

یعنی رب تعالیٰ کے بغیر کسی چیز کو بھی دائمی بقاء حاصل نہیں۔

Marfat.com

تنبیہ: تفسیر خازن نے "الحی" کے متعلق مختصر اور خوبصورت جو بیان کیا ہے اس سے کبیر اور روح المعانی کی طویل بحثوں کی ضرورت ختم ہوگئی کہ "الحی" اسے کہا جاتا ہے جس میں علم و قدرت اور سمع و بصر اور ارادہ و مثبت کا پایا جانا صحیح ہو۔

پھر اس پر اعتراض کہ یہ صفات تو عام انسان میں بھی پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب کہ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات سے مراد "لان المفهوم من الحی هو الکامل" اللہ تعالیٰ کے "حی" ہونے سے مراد وہ ان صفات میں کامل ہے۔ اور کامل کا مطلق ذکر کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ ہر طرح کامل ہو۔

"والکامل هو ان لا یکون قابلا للعدم لا فی ذاته ولا فی صفاته الحقیقة ولا فی صفاته النسبیة والاضافیة" (کبیر)

کامل وہی ہے جو ذات اور صفات حقیقیہ اور صفات نسبیہ اور صفات اضافیہ کے لحاظ پر معدوم نہ ہو سکے۔
پھر اس پر روح المعانی کا یہ کہنا کہ "الحی" کا معنیٰ "کامل ہونا" لغت سے ثابت نہیں۔ اس تمام بحث میں الجھنے کے بغیر خازن کی مختصر اور خوبصورت اور اعتراضات سے محفوظ تفسیر پر اکتفاء کیا جائے۔ (راقم)

رب تعالیٰ نے اپنی صفت "الحی" ذکر فرمائی کیونکہ وہی تمام امور کا متصرف (پھیرنے والا) ہے، اور تمام چیزوں کی تقدیر اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

"وقال قتادة الحی الذی لا یموت" حضرت قتادہ نے کہا "الحی" سے مراد یہاں وہ ذات ہے جس پر موت واقع نہیں ہوتی۔ "وقال السدی المراد بالحی الباقی" سدی رحمہ اللہ نے فرمایا "الحی" سے مراد ہمیشہ رہنے والا۔ (قرطبی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"الحی" اصل "حیی" بروزن حذر یعنی بکسر العین ہے، اور دو حرف ایک جنس کے جمع ہونے کی وجہ سے ادغام کرلیا گیا، یا اصل "حیو" بسکون العین ہے، "سید" کے قاعدہ کے مطابق واؤ کو یاء کیا گیا اور یاء کو یاء میں ادغام کرلیا گیا۔ (از کبیر)

Marfat.com

"القیوم":

میں قائم کے معنی میں مبالغہ ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "القیوم القائم علی کل شئ" "قیوم" کا معنی ہر چیز پر قائم رہنے والا، پھر اس کا مطلب یہ ہوگا۔ "انه قائم بتدبیر امر الخلق فی ایجادهم وفی ارزاقهم" بیشک اللہ تعالیٰ مخلوق کے امور کی تدبیر میں ہمیشہ کے لئے قائم ہے، وہی ہے جو مخلوق کو موجود کرنے والا ہے اور وہی ہے جو رزق دینے والا ہے۔

"قال الضحاک " القیوم الدائم الوجود الذی یمتنع علیه التغیر"

ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس ذات کو قیوم کہا جاتا ہے جو ہمیشہ کے لئے قائم ہو، موجود ہو، جس پر کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہو۔

اس معنی کے لحاظ پر مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود میں خود بخود قائم ہو۔

" وقال بعضهم القیوم الذی لا ینام با لسریانیه و هذا القول بعید"

بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ سریانی زبان کا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ سوتا نہیں۔ اس قول کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے رد فرمایا کہ یہ قول بعید ہے کیونکہ اس سے " ولا سنة ولا نوم" کا تکرار لازم آئے گا۔ (از کبیر)

راقم کا اس میں موقف یہ ہے کہ تفسیر تبصیر الرحمٰن اور خازن کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہی مدنظر رکھا جائے۔ "اوروں کو قائم رکھنے والا" جب یہ معنی لیا جائے گا کہ وہ اوروں کو قائم کرنے والا ہے تو یقیناً اس کا خود بخود قائم ہونا لازم ہوگا اور اسے نیند کا نہ آنا بھی لازم ہوگا، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: "الحی القیوم" اسم اعظم ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرتے تو " قم باذن اللہ" کہنے سے پہلے " یا حی یا قیوم" پڑھتے۔ اور آصف بن برخیا نے بلقیس کا تخت لانے کا جب ارادہ فرمایا تو انہوں نے بھی "یاحی یاقیوم" پڑھا۔ (از قرطبی)

Marfat.com

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

" قیوم" اصل میں " قیووم " بروزن فیعول ہے، اس لئے سید کے قاعدہ کے مطابق پہلی واؤ کو یاء کیا اور یاء کو یاء میں ادغام کیا۔

یہ بھی خیال رکھا جائے کہ " قیوم "کا وزن " فعول " عین کی تشدید سے نہیں اس لئے کہ عین کلمہ کو مشدد ماننے اور "فعول "کا وزن ماننے سے یہ کلمہ اجوف یائی ہوگا حالانکہ اجوف واوی ہے۔ (انتھی)

"ان ذاالعرش للذی یرزق الناس، وحی علیھم قیوم"

بیشک صاحب عرش ہی وہ ذات ہے جو لوگوں کو رزق دیتا ہے خود زندہ ہے، اوروں کو قائم کرنے والا ہے۔

امیہ بن الصلت نے کہا۔

لم تخلق السما والنجوم　　والشمس معھا قمر یقوم

قدرہ　مھیمن　قیوم　　والحشر والجنۃ والنعیم

الا لامر شانہ عظیم

آسمان اور ستارے اور سورج اور چاند جن کو رب تعالیٰ یعنی مہیمن اور قیوم ذات نے ایک تقدیر پر قائم کیا اور حشر اور جنت اور اس کی نعمتیں یہ تمام چیزیں نہیں پیدا کی گئیں سوائے اس کے کہ وہ ایک عظیم الشان امر کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یعنی سب ہی اللہ تعالیٰ جو قیوم ہے اس کے حکم کی پابند ہیں۔ (از قرطبی)

راقم کا مندرجہ بالا ترجمہ (نہیں پکڑتی اسے اونگھ اور نہ نیند) لفظی ترجمہ ہے، ورنہ بامحاورہ ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ہی ہے "اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند" "سنۃ" نیند سے پہلے آنے والی مستی وفتور ہے جس سے معمولی اعصاب کے تناؤ میں کمی واقع ہوتی ہے۔

مقام توجہ : سنۃ بھی اونگھ کو کیا جاتا ہے اور نعاس بھی اونگھ کو کہا جاتا ہے، لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے۔

Marfat.com

"السنة فی الراس والنعاس فی العین والنوم فی القلب"

سر میں بوجھل پن کا پیدا ہونا "سنة" ہے، اور آنکھوں میں بوجھل پن پیدا ہونا "نعاس" ہے، اور دل پر اثر ہونا "نوم" ہے۔ نوم یعنی دل پر چھا جاتی ہے جیسے پردہ چھا جاتا ہے جو اشیاء کو معرفت سے منع کرتا ہے۔ (از خازن)

اعتراض: جب نیند سے پہلے اونگھ آتی ہے تو اونگھ کی نفی سے نیند کی نفی خود بخود ہوگئی۔ "لا تاخذه سنة" کے بعد "ولا نوم" کا ذکر تو تکرار غیر مفید ہے۔

جواب: آیۃ کریمہ کا معنی یہ ہے "لا تاخذه سنة فضل عن ان یا خذالنوم" اسے اونگھ نہیں آتی چہ جائے کہ اسے نیند آئے۔ (از کبیر)

نیند کے اسباب:

نیند کی وجہ سے دماغی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں، تر بخارات معدہ سے اوپر چڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے حواس ظاہرہ مکمل طور پر موقوف ہو جاتے ہیں، اپنا اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں۔ (روح المعانی)

تنبیہ: علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ "ان سبب النوم شم هو اء یهب من تحت العرش"

کہ نیند کا سبب وہ ہوا ہے جو عرش کے نیچے سے چلتی ہے جس کے سونگھنے سے نیند آتی ہے۔

اس سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا موقف نیند کے اسباب میں باقی حضرات سے جداگانہ ہے، لیکن علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ سیوطی رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت فرماتے ہیں کہ آپ کے قول کا مطلب یہ ہے۔

"ولعله ارادتصا عد الابخرة من المعدة تحت القلب هو عرش الروح"

کہ معدہ سے بخار دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جو نیند کا سبب بنتے ہیں، معدہ چونکہ دل کے نیچے ہوتا ہے اور دل روح کا عرش ہے۔

اس وضاحت کے بعد پتہ چلا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا موقف بھی وہی ہے جو دوسرے حضرات کا ہے، البتہ ظاہری الفاظ سے غلطی کا امکان ہوتا ہے، یعنی آپ نے عرش کا ذکر کیا، عرش سے مراد عرش الٰہی نہیں بلکہ مراد روح کا

Marfat.com

عرش جو دل ہے، جس کے نیچے معدہ سے اٹھنے والی ہوا دماغ تک پہنچتی ہے تو نیند آتی ہے۔ (روح المعانی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

" سنة " مثال واوی ہے " عدة " کے وزن پر ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

وسنان اقصده النعاس فر نقت في عينه سنة وليس بنائم

نیند سے بیدار ہونے والے کا اونگھ قصد کرتی ہے تو خط ملط ہو جاتی ہے اس کی آنکھوں میں اونگھ حالانکہ وہ سویا ہوا نہیں ہوتا۔

"وقال ابن زيد"الوسنان الذي يقوم من النوم وهولا يعقل حتى ربماجردالسيف على اهله"

ابن زید نے کہا وسنان یعنی نیند سے بیدار ہونے والا عقل نہیں رکھتا، یعنی اس کی آنکھوں اور اس کے دماغ پر سستی چھائی ہوتی ہے یہاں تک کہ بسا اوقات وہ اپنے گھر والوں پر ہی تلوار نیام سے نکال لیتا ہے۔ (قرطبی)

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ان الله لاينـا م ولاينبغي له ان ينام" بیشک اللہ تعالیٰ نہ سوتا ہے اور نہ ہی اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ سوئے۔ (مسلم، ابن کثیر، مظهری)

☆ وعن ابن عباس ان بني اسرائيل قالوا ياموسى هل ينام ربک ؟قال اتقوا الله،فناداه ربه عزوجل يا موسى سالو ک هل ينام ربک؟خذ ذجاجتين في يد يک فقم الليلة ففعل موسى فلماذهب من الليل ثلث نعس فوقع لر كبتية ثم انتعس فضبطها حتى اذا كان آخر الليل نعس فسقطت الزجاجتان في يد يک،فانزل الله عزوجل على نبيه آية الكرسي " (رواه ابن ابي حاتم عن سعيد بن جبير عن ابن عباس) (ابن کثیر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک بنی اسرائیل نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا، کیا تمہارا رب سوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نداء دی اے موسیٰ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں، کیا تمہارا رب سوتا ہے؟ آپ اپنے دونوں ہاتھوں میں دو شیشے لیں اور پوری رات کھڑے رہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی کیا، یہاں تک

Marfat.com

کہ جب رات کا تہائی حصہ چلا گیا تو آپ کو اونگھ آئی وہ شیشے آپ کے گھٹنوں سے آ لگے۔ آپ بیدار ہوئے پھر ان کو سنبھالا، یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آیا تو آپ کو پھر اونگھ آئی تو وہ دونوں شیشے آپ کے ہاتھوں سے گر کر ٹوٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا اے موسیٰ اگر میں سو جاؤں تو آسمان اور زمین گر کر اسی طرح برباد ہو جائیں جس طرح تمہاری اونگھ سے تمہارے ہاتھوں سے شیشے گر کر ٹوٹ گئے۔ (ھکذا فی التفاسیر الاخر)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر آیت الکرسی نازل فرما کر آپ کی امت پر واضح کر دیا کہ اسے اونگھ نہیں آتی چہ جائیکہ اسے نیند آئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی امت کے دلوں میں شک پیدا ہونے سے پہلے ہی ان کی راہنمائی کر دی۔

”لہ ما فی السماوات ومافی الارض“:

”اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔“

یعنی تمام مخلوق اس کی مملوک ہے، اسی کے قہر و سلطنت میں ہے، کوئی چیز بھی اس کی ملکیت سے باہر نہیں۔ (از ابن کثیر)

ان الفاظ مبارکہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے قیوم ہونے کی وضاحت فرمائی کہ وہ اوروں کو قائم کرنے والا ہے، وہی معبود ہے، اس کے بغیر کوئی معبود نہیں، کیونکہ چاند، سورج، ستارے، فرشتے، بت اور شیاطین سب ہی اس کی ملکیت میں ہیں، اور سب ہی اس کی مخلوق ہیں، لہٰذا ان میں سے کسی میں بھی معبود بننے کی صلاحیت نہیں۔ (روح المعانی)

جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے (خود بخود قائم ہے) اور اس کے بغیر تمام چیزیں ممکن الوجود ہیں (اپنے قیام میں غیر کی محتاج ہیں) ہر ممکن کے لئے موثر کا ہونا ضروری ہے، اور جس چیز کا موثر ہو وہ حادث ہوتا ہے تو یقیناً سب کو موجود کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، ساری کائنات اسی کی ملکیت میں ہے، اسی کے موجود کرنے سے موجود ہے۔ (کبیر)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

Marfat.com

بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ " ما "غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے، اس کا استعمال کیوں کیا گیا؟" من" جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے اس کا استعمال کیوں نہیں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذوی العقول صرف انسان، جن اور فرشتے ہیں، تعداد کے لحاظ پر باقی مخلوق زیادہ ہے، اس لئے لفظ "ما" ذکر کیا گیا ہے۔ (از کبیر)

جب یہ واضح ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اسی سے واضح ہو گیا کہ بندوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں داخل ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس مسئلہ کو واضح کرتا ہے۔" **واللہ خلقکم وما تعملون**" اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور جو تم عمل کرتے ہو (ان کا بھی وہی خالق ہے) (از کبیر)

کفار کا رد:

" وفی ذلک رد علی الکفار حیث اثبتوا له شریکا فکأن اللہ یقول لهم ما اشرکتموہ لا یخرج عن السماوات والارض وشان الشریک ان یکون مستقلا خارجا عن مملکة الشریک الآخر" (صاوی)

رب تعالیٰ نے" **له ما فی السماوات وما فی الارض**" سے کفار کا رد کر دیا کہ انہوں نے رب تعالیٰ کے شریک بنائے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس نے پیدا کی اور اسی کی مملوک ہے، تمہارے شریک آسمانوں اور زمین سے باہر نہیں حالانکہ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو مستقل ہو اور ان سے خارج ہو اور ان کا خالق ہو، لہٰذا واضح ہوا کہ تمہارے بنائے ہوئے شریک باطل ہیں۔

"من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه":

"کون ہے وہ جو شفاعت کرے اس کے ہاں سوائے اس کی اجازت کے۔"

اس مقام میں استفہام بمعنی نفی اور انکار کے ہے۔ اب مطلب یہ ہوا" **لا یشفع عنده احد الا بامره**" اس کے ہاں کوئی ایک بھی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اس میں مشرکین کا رد ہے وہ اپنے بتوں کے متعلق کہتے تھے" **هؤلاء شفعاؤنا عند اللہ**" یہ اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے اور وہ بتوں کی عبادت

Marfat.com

کرنے کے متعلق کہتے تھے "مانعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی" ہم ان کی عبادت نہیں کرتے سوائے اس کے کہ یہ ہمیں اللہ کے ہاں قریب کریں گے۔ تو رب تعالیٰ نے ان کا رد کر دیا کہ رب تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا، تمہارے بت تو جہنم کا ایندھن ہوں گے وہ کیسے شفاعت کر سکیں گے۔

"یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لا یتکلمون الامن اذن لہ الرحمن"

اس دن روح (الروح الامین جبریل) اور دوسرے فرشتے صف بنا کر کھڑے ہوں گے کوئی کلام نہیں کر سکے گا سوائے اس کے کہ رحمان اسے اجازت دے۔ (کبیر)

"وتقرر فی ھذہ الآیۃ ان اللہ یأذن لمن یشاء فی الشفاعۃ وھم الانبیاء والعلماء والمجاھدون والملائکۃ وغیر ھم ممن اکرمھم وشرفھم اللہ ثم لا یشفعون الا لمن ارتضی، کما قال "ولا یشفعون الالمن ارتضی"

اس آیۃ کریمہ سے یہ واضح ہو گیا بیشک اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہے شفاعت کی جسے چاہے، جن کو رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی وہ انبیاء کرام اور علماء کرام اور مجاھدین اور فرشتے اور ان کے بغیر جن کو رب تعالیٰ نے عزت اور شرافت دے رکھی ہے یعنی نیک لوگ، متقی حضرات اللہ کے ولی ہوں گے۔ چونکہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے مطابق اس کے ہاں وہی شفاعت کر سکیں گے جن کو اس نے پسند کر رکھا ہوگا۔

"لا یبعد ان یکون للمؤمنین شفاعتان شفاعۃ فیمن لم یصل الی النار وشفاعۃ فیمن وصل الیھا ودخلھا اجارنا اللہ منھا"

مومنین کے لئے انبیاء کرام اور علماء صلحا، کو دو قسم کی شفاعتوں کا حق حاصل ہوگا ایک یہ کہ جو لوگ آگ میں داخل نہیں ہوں گے لیکن جنت میں بھی داخل نہیں ہونگے ان کے لئے شفاعت ہوگی کہ ان کو مقام اعراف سے جنت میں داخل کر لیا جائے گا اور دوسرے وہ مومنین جن کو جہنم میں داخل کر لیا ہوگا ان کے حق میں شفاعت ہوگی ان کو جہنم سے جلدی نکال لیا جائے گا ان کی سزا ختم ہونے کی انتظار نہیں کی جائے گی۔

Marfat.com

☆ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ یصف الناس یو م القیامة صفوفاوقال ابن نمیر اھل الجنةفیمر الرجل من اھل النارعلی الرجل فیقول یا فلان اما تذ کر یوم استسقیت فسقیتک شربة؟ قال فیشفع له ویمر الرجل علی الرجل فیقول اما تذکر یوم ناولتک طھورا؟فیشفع له ،قال ابن نمیرویقول یا فلان اما تذ کریوم بعثنی لحاجة کذاو کذا فذ ھبت لک فیشفع له"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جنت والوں کی صفیں بنی ہوں گی وہاں سے ایک شخص جہنم کا مستحق گذرے گا وہ ایک شخص کو کہے گا کیا تجھے یاد ہے تم نے مجھ سے ایک دن پینے کے لئے مشروب (پانی وغیرہ) طلب کیا تھا تو میں نے تمہیں پلایا تھا؟ وہ جنتی اس کے حق میں شفاعت کرے گا، پھر ایک شخص (جہنم کا مستحق) دوسرے پر گذرے گا وہ کہے گا کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے طہارت کے لئے تمہیں پانی دیا تھا تو وہ جنتی شخص اس جہنمی کے حق میں شفاعت کرے گا، اس طرح کئی شخص جو جہنم کے مستحق ہوں گے جنت کا حق رکھنے والوں کو یاد دلائیں گے ہم نے تمہاری فلاں حاجت کو پورا کیا تھا تو وہ جنتی کے حق میں شفاعت کریں گے۔

یہ واضح ہے کہ جہنم کے مستحقین سے مراد مومنین گنہگار لوگ ہوں گے نہ کہ کفار۔ (ماخوذ از قرطبی)

"یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم":

"وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔"

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

ضمیر "ما فی السماوات وما فی الارض" کی طرف لوٹ رہی ہے، ذوی العقول کی شرافت کے پیش نظر ضمیر جمع مذکر غائب کی لائی گئی، واحد مونث نہیں لائی، اگر چہ مراد تمام مخلوق ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد ہی ذوی

Marfat.com

العقول کے بلند مراتب اشخاص ہوں جن کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ (از کبیر)

ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے کیا مراد ہے؟

اس میں کئی احتمال ہیں لیکن تقریباً مفہوم قریب قریب ہی ہے۔

﴿۱﴾ اس میں ایک قول مجاہد، عطاء اور سدی رحمہم اللہ کا ہے کہ " **مابین ایدیھم** " سے مراد ان کے امور دنیا ہیں کہ وہ ان کے آگے ہیں یعنی پہلے واقع ہیں۔" **وما خلفھم** " سے مراد امور آخرت ہیں کہ وہ پیچھے آنے ہیں۔ یعنی " **مابین ایدیھم** " سے مراد پہلے امور، اور " **وما خلفھم** " سے مراد بعد والے امور ہیں۔

﴿۲﴾ ضحاک وغیرہ کا قول یہ ہے کہ " **مابین ایدیھم** " سے مراد امور آخرت ہیں، کیونکہ وہ آگے آنے والے ہیں، اور " **ماخلفھم** " سے مراد امور دنیا ہیں کہ وہ پیٹھ پیچھے رہ جانے والے ہیں۔

﴿۳﴾ عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ " **مابین اید یھم** " سے مراد آسمانوں سے زمین تک، اور " **وماخلفھم** " سے مراد آسمانوں میں پائی جانے والی مخلوق۔

﴿۴﴾ " **مابین اید یھم** " سے مراد موت کے بعد کے امور، اور " **وماخلفھم** " سے مراد موت سے پہلے کے امور۔

﴿۵﴾ " **مابین اید یھم** " سے مراد جو اچھے یا برے اعمال کر چکے ہیں، اور " **وما خلفھم** " سے جو اچھے یا برے اعمال ان سے سرزد ہونے ہیں۔ (از کبیر)

تمام احتمالات کا جامع معنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ زمینوں و آسمان میں رہنے والی تمام مخلوق کے تمام امور خواہ وہ عملیات ہوں یا اعتقادات ہوں، وہ گزر چکے ہوں یا واقع ہونے ہوں، سب کو ہی جانتا ہے۔

چونکہ پہلے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا تو یہاں سے گویا کہ یہ بھی وضاحت کردی کہ رب تعالیٰ شفاعت کرنے والے کو جانتا ہے اور جس کے حق میں شفاعت کی گئی اسے بھی جانتا ہے کہ یہ ثواب کا مستحق ہے یا عذاب کا کیونکہ وہ تمام معلومات کو جاننے والا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، اور شفاعت کرنے والے ذاتی طور پر نہیں جانتے کہ ان کو رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کی وجہ سے اتنا عظیم مرتبہ حاصل ہے کہ وہ رب تعالیٰ

Marfat.com

کے ہاں اعلیٰ درجہ کی مقبولیت پر فائز ہیں۔اور پھر انہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ شفاعت کی ہمیں اجازت ہے یا نہیں۔

" وهذا يدل على انه ليس لأحد من الخلائق ان يقدم على الشفاعة الا باذن الله"

اسی سے پتہ چل گیا کہ مخلوق میں سے کسی ایک کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا ۔ (از کبیر)

خیال رہے کہ عام شفاعت کرنے والے صلحاء وعلماء کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں مندرجہ بالا امور کا علم حاصل نہیں ہوگا لیکن انبیاء کرام کو یہ علم حاصل ہوگا، جہاں ان کو اجازت نہیں ہوگی وہ کہیں گے۔"اذ هبوا الی غیری" میرے بغیر کسی اور کے پاس جاؤ، اور نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ ارشاد فرمائیں گے "انا لها" میں ہی اس کا حق رکھتا ہوں۔ یہ ہوگی شفاعت کبریٰ، اور اپنی اپنی امت کے مومنین مستحق شفاعت کے لئے شفاعت صغریٰ اسی علم کے مطابق کریں گے جو رب تعالیٰ نے انہیں پہلے سے ہی عطاء کر رکھا ہوگا۔

"ولا يحيطون بشئ من علمه الا بما شاء":

''اور نہیں جانتے کچھ بھی اس کے علم کی حقیقت سے سوائے اس کے جو کچھ وہ چاہے''

یہاں علم سے مراد معلوم ہے، جس طرح کہا جاتا ہے "اللهم اغفر لنا علمك فينا الى معلومك" اے اللہ ہمارے متعلق تو اپنی معلومات کے مطابق ہماری مغفرت فرما۔ یعنی ہم اپنے اعمال کے مطابق اتنی معلومات نہیں رکھتے جتنی تیری معلومات ہمارے اعمال کے مطابق ہیں۔

اسی طرح ''قدرۃ'' کبھی بمعنیٰ ''مقدور'' کے استعمال ہوتی ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے "هذه قدرة الله، ای مقدوره'' اسی مثال میں قدرۃ بمعنیٰ مقدور ہے۔ آیۃ کریمہ میں مذکورہ الفاظ مبارکہ کا معنیٰ یہ ہوا۔

" انه تعالى عالم بكل معلومات و الخلق لا يعلمون كل المعلومات بل لا يعلمون منها الا قليل"

کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کو جانتا ہے اور مخلوق تمام معلومات کو نہیں جانتی بلکہ معمولی علم مخلوق کو حاصل ہے۔ (از کبیر)

" والمعنى لايعلم احد من هؤلاء كنه شئ مامن معلو ما ته تعالى"

Marfat.com

معنی یہ ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ کے معلومات کی کنہ وحقیقت کو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا کسی کو مطلع کیا ہے۔ (روح المعانی)

فائدہ جلیلہ:

"وجوز ان يراد من علمه معلومه الخاص وهو كل ما في الغيب" فلا يظهر على غيبه الا من ارتضى من رسول"

یہاں علم سے مراد اللہ تعالیٰ کی خاص معلومات مراد ہوں جن کو غیب کہا جاتا ہے، تو اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات خاصہ یعنی غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے جو وہ چاہے۔

یعنی رب تعالیٰ چاہے تو اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع کردے، جیسا کہ رب تعالیٰ نے واضح طور اس آیہ کریمہ میں بیان فرمایا" فلايظهر على غيبه احدا الامن ارتضى من رسول" اللہ تعالیٰ اپنی غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوائے اس کہ جس رسول کو وہ پسند کرلے۔

دینی طلبا کرام کے لئے فائدہ عظیمہ:

"وعطفت هذه الجملة على ما قبلها لمغاير تهاله لان ذلک يشعر بأنه سبحانه يعلم كل شيء وهذه تفيد انه لا يعلمه غيره و مجموعهمادال على تفرده تعالى بالعلم الذاتي هو من صفات الكمال التي يجب ان يتصف الاله تعالى شانه بهابالفعل"

اس جملہ یعنی" ولا يحيطون...... الخ" کا عطف ہے پہلے جملہ "يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم" پر ہے کیونکہ عطف کے تقاضا کے مطابق دونوں جملوں میں مغائرت بھی پائی گئی ہے، اس لئے کہ پہلے جملہ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس جملہ میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا۔

دونوں جملوں کے مجموعہ سے یہ پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی علم میں متفرد (اکیلا) ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت کمال ہے اور جو ذات معبود برحق ہو اس کا اس صفت کاملہ سے بالفعل متصف ہونا ضروری ہے۔ (روح المعانی)

Marfat.com

اور ''الا بما شاء'' کے استثناء سے واضح ہوگیا کہ ''عطائی علم غیب'' انبیاء کرام کو بھی حاصل ہے، ذاتی غیب رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور اگر عطائی غیب کو بھی رب تعالیٰ کا خاصہ مانا جائے کہ تو لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ کو کوئی اور غیب عطاء کرتا ہے۔ (راقم)

''وسع کرسیه السماوات والارض'':

''وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں زمینوں کو''

'' الکرسی '' کا لغوی معنی بعض چیزوں کا بعض سے مرکب ہونا۔ اور چوپاؤں کا پیشاب اور مینگنیاں کرنا جو بعض بعض سے مل جل جائیں اسے '' الکرس '' کہا جاتا ہے، اور وہ گھر جس میں کثیر مقدار میں پیشاب اور مینگنیاں پائی جائیں جو بعض بعض سے مل جائیں تو اس گھر کے متعلق کہا جاتا '' اکرست الدار '' کہا جاتا ''تکارس الشیٔ'' جب کوئی چیز مرکب ہو۔ '' الکراسة ''کاپی کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اوراق بعض بعض سے ملے ہوتے ہیں۔ (از کبیر)

عام اصطلاح میں کرسی مشہور ہے ''اصل الکرسی مایجلس علیه ولا یفضل عن مقعد القاعد''
اصل میں کرسی وہ چیز ہے جس پر بیٹھے تو بیٹھنے والے کی نشست سے زیادہ جگہ نہ ہو۔ (روح المعانی)

آیۃ کریمہ میں کرسی سے مراد کیا ہے؟

'' قال البیضاوی تصویر لعظمته وتمثیل مجرد ولا کرسی ولا قاعد ''
بیضاوی رحمۃ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ کرسی سے مراد حقیقی کرسی نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی بیٹھنے والا ہے بلکہ یہ فقط ایک مثال بیان کی گئی ہے اور اس سے مراد رب تعالیٰ کی عظمت ہے۔

'' وروی سعید بن جبیر عن ابن عباس قال اراد با لکرسی علمه وهو قول مجاهد ومنه قیل لصحیفة العلم کراسته ومنه قیل للعماء الکرسی لا نهم المعتمد علیهم کما یقال اوتاد الارض ورجحه الطبری''
حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کرسی

Marfat.com

سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ اس کا علم زمین و آسمان پر وسیع ہے، یہی قول مجاہد رحمہ اللہ کا ہے اسی قول کو طبری نے راجح قول قرار دیا ہے۔ اسی مناسبت سے علم کے صحیفہ، کتابچہ کو کراسۃ کہا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے علماء کرام کو کراسی کہا جاتا ہے، کیونکہ ان پر اعتماد کیا جاتا ہے جیسا کہ علماء کو زمین کے اوتاد کہا جاتا ہے۔ (ماخوذ از مظھری و قرطبی)

بعض حضرات نے احادیث کو ظاہر پر رکھا:

"عن ابی ذرانہ سأل النبی ﷺ عن الکرسی فقال یا اباذر ما فی السموات السبع والا رضون السبع عند الکرسی الا کحلقۃ ملقاۃ بارض فلاۃ وان فضل العرش علی الکرسی کفضل الفلاۃ علی تلک الحلقۃ" (اخرجہ ابن جریر وابو الشیخ وابن مردویہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کرسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا اے ابوذر سات آسمانوں اور سات زمینوں کی تمام چیزوں کو کرسی سے ایسی نسبت ہے، جیسے ایک مندری (انگوٹھی) کو جنگل میں ڈال دیا جائے تو اسے جو جنگل سے نسبت ہے پھر عرش کو کرسی پر اسی طرح وسعت اور فضیلت حاصل ہے جس طرح جنگل کو ایک مندری (انگوٹھی) پر وسعت حاصل ہے۔ (از روح المعانی)

"عن ابن عباس ان السماوات السبع فی الکرسی کدراھم سبعۃ القیت فی ترس"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیشک سات آسمانوں کو کرسی میں ڈال دیا جائے تو ایسے ہی ہوں گے جیسے ایک ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔ (از مظھری)

"وقال السدی الکرسی تحت العرش" سدی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کرسی عرش کے نیچے ہے۔

"وقال الضحاک عن ابن عباس لو ان السماوات السبع والارضین السبع بسطن ثم وصلن بعضھن الی بعض ماکن فی سعۃ الکرسی الا بمنزلۃ الحلقۃ فی المفازۃ"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر بیشک سات آسمانوں اور سات زمینیں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملالئے جائیں تو ان کو کرسی کے مقابل وہی حیثیت حاصل

Marfat.com

ہو گی جیسے کہ ایک مندری (انگوٹھی) کو جنگل میں ڈال دیا جائے۔

" وعن عمر رضی الله عنه قال اتت امرأة الی رسول الله ﷺ فقالت ادع الله ان یدخلنی الجنة،قال فعظم الرب تبارک وتعالی وقال ان کرسیه وسع السموات والارض وان له أطیطا کأطیط الرحل الجدید من ثقله"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اس نے عرض کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعاء کریں کہ مجھے جنت میں داخل کرے، راوی کہتے ہیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان فرمائی اور (ساتھ یہ بھی) فرمایا بیشک اس کی کرسی سات آسمانوں اور زمینوں کو وسیع ہے، اور بیشک اس کی ایسے آواز ہو گی جیسے نئے کجاوہ پر بوجھ ڈالنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ (از ابن کثیر)

ایک اور قول:

کہ مراد کرسی سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت وقدرت ہے، کیونکہ بغیر سلطنت وقدرت اور ایجاد وخلق کے معبود ہونا ممکن نہیں، یعنی کرسی سے مراد کبھی بادشاہ ہوتا ہے، کیونکہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔ یعنی کرسی کے متعلق کل چار قول ہوئے، کرسی سے مراد جسم، کرسی سے مراد علم، کرسی سے مراد بادشاہ، کرسی سے مراد عظمت وکبریائی۔ (ماخوذ از کبیر)

کرسی کہاں ہے:

" عن ابن مسعود قال بین کل سمائین مسیرة خمس مائة عام وبین السماء السابعة وبین الکرسی خمس مائة عام وبین الکرسی وبین العرش مسیرة خمس مائة عام"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو سال کی راہ ہے اور ساتوں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کی راہ ہے اور کرسی اور عرش کے درمیان پانچ سو سال کی راہ ہے۔ (قرطبی)

Marfat.com

اس حدیث سے واضح ہوا کہ سات آسمانوں کے اوپر کرسی اور عرش ہے۔ایک اور روایت میں ہے۔

" الکرسی تحت العرش و الله واضع کرسیه فوق العرش، قال البیهقی فی هذا اشارة الی کرسیین احد هما العرش و الآخر موضوع علی العرش"

کرسی عرش کے نیچے ہے اور اللہ تعالیٰ کرسی کو عرش پر رکھنے والا ہے، بیہقی نے کہا اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کرسیاں دو ہیں ایک عرش کے نیچے ہوگی اور ایک عرش کے اوپر۔ (قرطبی)

راقم کا موقف یہ ہے کہ کرسی ایک ہی ہے اور عرش کے نیچے ہی ہے تاہم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں کہ اسے عرش کے اوپر رکھ لیا جائے اور یہ عقلاً بھی بعید نہیں کیونکہ چھوٹی چیز بڑی میں سما جاتی ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"واکثر السلف الصالح جعلوا ذلک المتشابه الذی لا یحیطون به علما وفوضوا علمه الی الله تعالی مع القول بغایة التنزیه والتقدیس له تعالی شانه"

اکثر سلف صالحین کا قول یہ ہے کہ کرسی کا ذکر متشابہات سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیٹھنے سے پاک ہے، اس کی ذات بلند و بالا ہے اور وہ جسم ہونے سے پاک ہے اس لئے اس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہی ہے وہی بہتر جانتا ہے۔

"والقائلون بالمظاهر من ساداتنا الصوفية قدس الله تعالی اسرارهم لم یشکل علیهم شئ من امثال ذلک"

ہمارے بزرگ صوفیاء کرام نے کرسی کا ظاہر معنیٰ مراد لیا ہے کہ آسمانوں کے اوپر کرسی ہے آسمانوں کی طرح کرسی کا بھی وجود ہے ان کا قول بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی نظر آسمانوں سے آگے تک کام کرتی ہے ان پر اس قسم کی چیزوں کو بیان کرنا مشکل نہیں ہوتا۔

(از روح المعانی ترجمہ بالوضاحت)

Marfat.com

راقم کا موقف:

کرسی سے مراد جب بادشاہ لیا جائے تو تمام معانی اس میں سمٹ کر آ جائیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ تمام زمینوں و آسمانوں اور ان میں پائی جانے والی مخلوق کا خالق و موجد ہے، اسے ہی سلطنت قدرت حاصل ہے، اس کی عظمت و کبریائی اس کی تمام مخلوق پر وسیع و حاوی ہے، اس کا علم تمام اشیاء کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، اس کی آسمانوں پر پائی جانے والی کرسی جسے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کے بغیر کوئی نہیں جانتا اس کو تمام زمینوں اور آسمانوں پر وسعت حاصل ہے، وہ کرسی آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے، رب تعالیٰ چاہے تو اسے عرش کے اوپر کر دے۔

(واللہ اعلم بالصواب)

"ولا یؤدہ حفظھما": "اور نہیں بھاری اس پر ان کی حفاظت۔"

"ولا یؤدہ" ای لا یثقلہ" اسے بھاری نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ مشتق ہے "آد، یؤد، اودا" سے، جس کا معنی ہے ٹیڑھا کر دینا، چونکہ بھاری چیز بھی اپنے ماتحت کو ایک طرف جھکا دیتی ہے اور ٹیڑھا کر دیتی ہے۔

"ولا یؤدہ" میں ضمیر منصوب میں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ کرسی کی طرف لوٹ رہی ہو، لیکن زیادہ قوی صورت اور صحیح وجہ یہ ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ تمام صفات رب تعالیٰ کی ہی بیان ہو رہی ہیں۔

"حفظھما" ای السموات والارض" "ھا" ضمیر کا مرجع "سماوات وارض" ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت بھاری نہیں۔

جب زمین و آسمان کا ذکر ہو گیا تو ان میں پائی جانے والی اشیاء خود بخود اس میں داخل ہو گئیں۔ اب مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ پر بھاری نہیں آسمانوں اور زمینوں اور آسمانوں اور زمینوں میں پائی جانے والی چیزوں کی حفاظت۔

اعتراض: زمین و آسمان کا ذکر کیا گیا تو عرش و کرسی کا ذکر کیوں نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ پر عرش و کرسی کی حفاظت بھاری نہیں؟

جواب: زمین و آسمان لوگوں کو نظر آتے ہیں اس لئے ان کا ذکر کر دیا اور عرش و کرسی لوگوں کو نظر نہیں آتے اس لئے

Marfat.com

ان کا ذکر نہیں کیا کہ درحقیقت مقصد لوگوں کو سمجھانا تھا۔ (از روح المعانی)

دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے:

بعض حضرات نے قاعدہ استخدام کے طور پر عرش وکرسی کے ذکر کو تسلیم کیا کہ قاعدہ استخدام کے طور پر اس میں مزید وسعت پائی گئی ہے، اس قانون کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر زمین وآسمان اور ان میں پائی جانے والی اشیاء اور عرش وکرسی کی حفاظت بھاری نہیں۔ طلباء کرام اس بات کو نہ بھولیں کہ اس مقام میں استخدام کے قاعدہ کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس وجہ سے بعید سمجھا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، لیکن راقم کے نزدیک استخدام کے قانون کو اس مقام پر تسلیم کرنے سے معنی میں وسعت آئے گی اور عظمت قرآن سمجھ آئے گی۔ "واللہ اعلم بالصواب"

(راقم)

یعنی اللہ تعالیٰ پر تمام مخلوق کی حفاظت بھاری نہیں اور نہ ہی اسے مخلوق کی حفاظت عاجز کرسکتی ہے، بلکہ اس پر تمام مخلوق کی حفاظت آسان ہے: وہ ہر نفس کے کسب پر قائم ہے، وہ "**غنی حمید**" (بے پرواہ، تعریف کیا ہوا) ہے اور مخلوق اس کی محتاج ہے، اور اس کی صفت "**فعال لمایرید**" (وہ کرتا ہے جو چاہے) ہے۔ اور وہ اس صفت کا مالک ہے "**لا یسال عما یفعل وهم یسالون**" کہ اس سے نہیں پوچھا جاسکتا کہ وہ کیا کرتا ہے اور ان سے پوچھا جائے گا (کہ وہ کیا کرتے ہیں) اور رب تعالیٰ "**هو القاهر لكل شيء**" (وہ ہر چیز قہر وغلبہ رکھنے والا ہے) کا مصداق ہے، اور رب کائنات "**الحسيب على كل شيء**" (ہر چیز کا حساب لینے والا) ہے، اور مالک الملک "**الرقيب العلي العظيم**" (نگہبان، بلند، بڑا) ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ (ابن کثیر)

یعنی یہ تمام فوائد "**ولا يؤده حفظهما**" سے حاصل ہوئے۔

"وهو العلي العظيم": "اور وہی ہے بلند، بڑائی والا۔"

"(وهو العلي) اي المتعالي عن الاشباه والانداد والأمثال والاضداد وعن امارات النقص ودلات الحدوث"

Marfat.com

اور وہی رب تعالیٰ بلند ہے، یعنی مشابہت، شریک، مثل، ضد اور نقص کی علامات اور حدوث کی دلالات سے بلند ہے۔ یعنی ان صفات سے وہ پاک ہے۔ دراصل یہ تمام صفات نقص ہیں جو رب تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔

"وقیل ھو من العلو الذی ھو بمعنی القدرۃ والسلطان والملک وعلو الشان والقھر والاعتلاء والجلال والکبریاء"

اور رب تعالیٰ بلند ہے یعنی اسے قدرت وسلطنت و بادشاہت حاصل ہیں۔ اور بلندی اور قہر وغلبہ اسے حاصل ہیں، اور ہر طرح کی بلندی اور بزرگی اور کبریائی اسے حاصل ہیں۔ (روح المعانی)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

جب "تعالیٰ" متعدی بعن یا بمن ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے فلاں چیز سے بلند، یعنی اس میں صفت نہیں پائی جاتی، جیسے میں کہوں " استاذی ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی تعالی عن تضییع اوقات الطلباء " میرے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی طلباء کرام کے وقت ضائع کرنے سے بلند ہیں، یعنی اس صفت ناقصہ سے آپ پاک ہیں۔

اور جب "تعالی" کے بعد " عن یا من " نہ واقع ہوں تو اس کا معنی بلند ہونا یعنی کسی صفت کاملہ سے متصف ہونا ہوتا ہے، جیسے میں کہوں۔ "استاذی ابو الحسنات محمد اشرف سیالوی تعالی با لتدریس وبالحافظۃ والتحقیق والتدقیق والتبحر" میرے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا محمد اشرف سیالوی تدریس اور حافظہ اور تحقیق وتدقیق اور تبحر علمی میں بلند وبالا مقام رکھتے ہیں۔

راقم نے جب اس شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذ خم کیا تو سمجھا کہ منصب تدریس کے لائق یہی شخص ہو سکتا ہے، رب تعالیٰ نے کمال حافظہ آپ کو عطاء فرمایا ہے، عربی وفارسی عبارات زبانی آپ اس روانگی سے پڑھتے ہیں جیسے میرے جیسا حافظ قرآن پاک کی آیات نہیں پڑھ سکتا۔ تحقیق وتدقیق میں آپ کو وہ کمال حاصل ہے کہ پڑھاتے ہوئے آپ کی نظر حواشی و شرح میں رہتی ہے، اور کبھی کبھی محشی حضرات اور شارحین کے تساہل کو بیان فرماتے رہتے ہیں۔ تبحر علمی کا یہ مقام ہے کہ جن فن

Marfat.com

کی جو کتاب بھی آپ کو پڑھاتے ہوئے دیکھا یوں ہی سمجھا کہ آپ اس فن میں اپنی مثال نہیں رکھتے، راقم پر آپ کے بڑے احسانات ہیں۔ "فجزاہ اللہ خیر الجزاء"

"(العظیم) ذو العظمة و کل شئ بالا ضافة الیه حقیر"

اسے ہی بڑائی حاصل ہے باقی ساری مخلوق اس کے سامنے چھوٹی ہے۔ (روح المعانی)

تنبیہ: مفسرین کرام رب تعالیٰ کی صفت "عظیم" کے مقابل مخلوق کی صفت "حقیر" بیان کرتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ شان کے لحاظ پر جسے عظمت حاصل ہو اسے عظیم کہا جاتا ہے اور جسے وہ عظمت حاصل نہ ہو اسے حقیر کہا جاتا ہے۔

عربی زبان میں تو یہی تقابل پایا گیا ہے لیکن اردو میں حقیر گھٹیا کو کہا جاتا ہے۔ عربی اور اردو کے استعمال کے فرق کو نہ سمجھتے ہوئے جہلاء نے انبیاء کرام کو بھی حقیر اور ذلیل کہہ دیا۔ "العیاذ باللہ"

حقیقت یہ ہے کہ علم اور عقل اور رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کے مجموعہ سے ہی انسان کما حقہ کسی مسئلہ کو سمجھتا ہے ورنہ وہ بھٹکتا ہی رہتا ہے۔ (راقم)

فائدہ جلیلہ: رب تعالیٰ کی صفات الوہیت یعنی وحدانیت، حیات، علم، ملک، قدرت اور ارادہ کا اس آیۃ کریمہ میں ذکر ہے، اور سترہ جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، کہیں صراحۃً، کہیں ضمیر لوٹا کر۔

اور آیۃ کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، الوہیت میں وہ واحد ہے، اس کی کوئی مثل نہیں، ہمیشہ کیلئے قائم دائم ہے واجب الوجود ہے اور غیروں کو موجود کرنے والا ہے، مکان میں رہنے سے وہ پاک ہے، تغیر و تبدل سے وہ پاک ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی سستی نہیں پائی جاتی۔ اس کی کوئی نظیر نہیں کہ اس کے مشابہ ہو سکے، البتہ مخلوق اس کے نور کا عکس ہے، عکس اور عین میں مشابہت کا تصور ہی باطل ہے، جو عوارضات وغیرہ عام نفوس و ارواح کو عارض ہوتے ہیں وہ رب تعالیٰ کو عارض نہیں ہو سکتے۔ ملک و ملکوت کو پیدا کرنے والا وہی ہے، اصول و فروع کا خالق وہی ہے، تمام جہان اس کی شدید گرفت میں ہے، مخلوق میں کوئی چیز بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔ گرفت سے مراد اس کی ملکیت و حفاظت میں ہونا، عذاب کی پکڑ نہیں ورنہ اس کے اپنے کرم سے انبیاء کرام اور صلحاء عذاب سے محفوظ ہوں گے۔

Marfat.com

مندرجہ بالا تمام صفات آیۃ الکرسی سے ہی حاصل ہورہی ہیں گویا یہ مسائل الٰہیہ کا خزینہ ہے۔ (از روح المعانی)

آیۃ الکرسی کے فضائل میں احادیث مبارکہ:

"قال رسول اللہ ﷺ ان اعظم آیۃ فی القرآن آیۃ الکرسی"
(اخرجہ مسلم واحمد وغیرھما)

قرآن پاک میں عظیم آیۃ (یعنی عظیم المرتبہ آیۃ) آیۃ الکرسی ہے۔

☆ عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ من قرآ آیۃ الکرسی فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ حفظ الی الصلوۃ الأخری ولایحافظ علیھا الانبی اوصدیق اوشھید" (اخرجہ البیھقی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اسے دوسری نماز تک محفوظ رکھا جاتا ہے اس پر ہمیشگی کرنے والے صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں۔

لیکن یہ خیال رہے کہ آیۃ الکرسی فرض نماز کے بعد متصل پڑھنے کے بجائے سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد پڑھے۔ یہی علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے، جسے راقم نے تفصیلی طور پر اپنے رسالہ "نماز کے بعد ذکر ودعاء مستحب ہے" میں ذکر کیا ہے۔

☆ " اخرج الدیلمی عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال اوتعلمون مافیھالماتر کتموھاعلی حال ان رسول اللہ ﷺ قال اعطیت آیۃ الکرسی من کنز تحت العرش لم یؤتھا نبی قبل"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہیں معلوم ہو کہ آیۃ الکرسی میں کیا خیر و برکت ہے تو تم اسے کسی حال میں نہ چھوڑو، بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے عرش کے نیچے خزانہ سے آیۃ الکرسی دی گئی، مجھ سے پہلے کسی نبی کو (اس قسم کی آیۃ) نہیں دی گئی۔

☆ " عن ابی ھریرۃ قال وکلنی رسول اللہ ﷺ قال وکلنی رسول اللہ ﷺ بحفظ زکوۃ رمضان فاتانی آت فجعل یحثو من الطعام فاخذتہ قلت لارفعنک الی رسول اللہ ﷺ قال دعنی فانی محتاج وعلیّ عیال ولی حاجۃ شدیدۃ قال فخلیت عنہ فاصبحت فقال النبی ﷺ یا ابا ھریرۃ مافعل اسیرک البارحۃ ،قال قلت یارسول اللہ شکاحاجۃ

Marfat.com

شدیدة و عیالا فرحمته و خلیت سبیله،قال اما انه قد کذ بک و سیعود، فعرفت انه سیعود لقول رسول اللهﷺ "انه سیعود" فرصدته فجاء یحثو من الطعام فاخذته،فقلت لأرفعنک الی رسول الله ﷺ قال دعنی فانی محتاج و علیّ عیال، لا اعود،فرحمته و خلیت سبیله،قال "اما انه قد کذبک و سیعود"فرصدته الثالثة فجاء یحثو من الطعام فاخذته فقلت لارفعنک الی رسول اللهﷺ، وهذا آخر ثلاث مرات انک تزعم انک لا تعود ثم تعود ، فقال دعنی ا علمک کلمات ینفعک الله بها، قلت و ما هی؟قال اذا اویت الی فراشک فاقرأ آیة الکرسی الله لا اله الا هو الحی القیو م حتی تختم الآیة،فانک لن یزال علیک من الله حافظ و لا یقربک شیطان حتی تصبح، فخلیت سبیله،فا صبحت فقال لی رسول اللهﷺ مافعل اسیرک البارحة؟قلت یارسول اللهزعم انه یعلمنی کلمات ینفعنی الله بها فخلیت سبیله،قال "ماهی؟قال قال لی"اذااویت الی فراشک فاقرأ آیة الکرسی من اولها حتی تختم الآیة " الله لا اله الاهو الحی القیوم"وقال لی لن یزال علیک من الله حافظ، ولایقربک شیطان حتی تصبح،وکانوا احرص شئ علی الخیر،فقال النبی ﷺ اما انه صدقک وهو کذوب، تعلم من تخا طب من ثلاث لیال یا اباهریرة قلت لا قال ذاک شیطان"

(بخاری فی فضل آیة الکرسی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہﷺ نے وکیل بنایا، پھر آپ نے وضاحت فرمائی کہ مجھے رمضان کی زکوۃ کے مال کی حفاظت کا وکیل بنایا (یعنی وہ مال میرے سپرد کیا کہ میں اس کی حفاظت کروں) کوئی آنے والا آیا اس نے طعام کو سمیٹنا شروع کیا تو میں نے اسے پکڑ لیا،اور میں نے کہاں تمہیں ضرور بر ضرور رسول اللہﷺ کے پاس پہنچاؤں گا،اس نے کہا مجھے چھوڑ دو بیشک میں محتاج ہوں اور مجھ پر میرے اہل و عیال کی ذمہ داری ہے،اور میں بہت ہی زیادہ ضرورتمند ہوں، حضرت ابوھریرہ کہتے ہیں میں نے اسے چھوڑ دیا صبح میں نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،تو آپ نے فرمایا

Marfat.com

اے ابو ہریرہ تمہارے گذشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا؟ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے شدید حاجت اور عیال داری کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا بیشک اس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے، وہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور لوٹ کر آئے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمادیا ہے وہ لوٹ کر آئے گا۔ تو میں اس کی انتظار میں رہا (دوسری رات) وہ پھر آ گیا، اس نے مال سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا، پھر میں نے کہا میں تمہیں ضرور بر ضرور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، بیشک میں محتاج ہوں اور عیال دار ہوں، اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرۃ تمہارے گذشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا؟ میں عرض کیا یا رسول اللہ اس نے حاجتمندی اور عیال داری کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے، وہ پھر لوٹ کر آئے گا میں اس کی تیسری رات پھر انتظار کرنے لگا، وہ (تیسری رات پھر) آ گیا اور اس نے طعام سمیٹنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا تو میں نے کہا اب میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ضرور لے کر جاؤں گا، یہ آخری تیسری مرتبہ ہے تو یقین دلاتا ہے کہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا لیکن پھر تو آ جاتا ہے اسنے کہا مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں کچھ کلمات سکھاتا ہوں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع دے گا میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو اس نے "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" سے لے کر مکمل آیت پڑھی (کہ یہ تم پڑھ لیا کرو) اللہ تعالیٰ تمام رات تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا تو میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے فرمایا تمہارے گذشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے مجھے چند کلمات سکھا دیئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے ذریعے نفع دے گا تو میں نے سے چھوڑ دیا، تو آپ نے فرمایا وہ کلمات کیا ہیں؟ تو میں نے کہا کہ اس

Marfat.com

نے مجھے بتایا کہ جب تم بستر پر آ کر لیٹو تو آیۃ الکرسی اول سے آخر تک پڑھ لیا کرو تو تمام رات اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

صحابہ کرام نیکیوں پر بہت زیادہ حریص تھے (اسی وجہ سے تیسری رات کو اس سے آیۃ الکرسی پڑھنے کی برکت سن کر چھوڑ دیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا، خبردار بیشک وہ تمہیں سچ بتا کر گیا ہے اگر چہ وہ بڑا جھوٹا ہے پھر آپ نے فرمایا اے ابو ہریرہ کیا تم جانتے ہو کہ تین راتیں تمہارے ساتھ خطاب کون کر رہا تھا؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔

(بخاری ، نسائی، ابن مردویہ ، ابو نعیم ،صابونی در منثور)

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

نبی کریم ﷺ کو علم غیب حاصل تھا اسی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بتانے کے بغیر ہی آپ پوچھ رہے تھے تمہارے گذشتہ رات کے قیدی نے کیا کیا؟ تین راتیں آپ نے یہی پوچھا، دو راتوں پر آپ نے فرمایا وہ پھر لوٹ کر آئے گا ،تو وہ لوٹ کر آیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے سن کر ہی یقین آ گیا کہ جب آپ نے فرمادیا ہے کہ وہ لوٹ کر آئے گا تو یقیناً وہ لوٹ کر آئے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رحم دل تھے اس کی منت سماجت پر اسے چھوڑ دیتے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت سمجھ آ گئی کہ رات کو پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انسان کو شیطان سے محفوظ رکھتا ہے جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جھوٹا بھی کبھی سچی بات کر دیتا ہے، اس لئے اس کی سچی بات سے فائدہ حاصل کر لیا جائے ،اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا " انظر الی ماقال ولا تنظر الی من قال" یہ دیکھو کسی نے کیا کہا ہے، یہ نہ دیکھو کہنے والا کون ہے۔ ●

☆ " عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال سورة البقرة فيها آية سيدة آی القرآن لا تقرأ فی بيت فيه شيطان الاخرج منه" (رواه الحاكم) وقد رواه الترمذی ولفظه لكل شئ سنام وسنام القرآن سورة البقرة وفيها آية هی سيدة آی القرآن آية الكرسی"

مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۃ

Marfat.com

البقرۃ میں ایک آیۃ ہے جو قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سردار ہے، جس گھر میں شیطان ہو اس میں وہ آیت تم نہیں پڑھو گے مگر یہ کہ شیطان اس سے نکل جائے گا اور ترمذی میں اس آیت الکرسی کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی کوہان (بلندی، چوٹی) ہوتی ہے، اور قرآن پاک کی کوہان سورۃ بقرۃ ہے اور اس میں ایک آیت ہے جو قرآن پاک کی تمام آیتوں کی سردار ہے وہ آیت آیۃ الکرسی ہے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ جس گھر میں شیطان (جنات) ہوں اس گھر میں آیۃ الکرسی پڑھی جائے تو اس گھر سے شیطان کا نکلنا یقینی ہو جاتا ہے۔

☆ **" واخرج الدارمی عن ایفع بن عبدالله الکلاعی قال قال رجل یا رسول الله ای آیت فی کتا ب الله اعظم؟قال آیة الکرسی" الله لا اله الاهوالحی القیوم"**

ایفع بن عبداللہ کلاعی فرماتے ہیں ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کون سی آیۃ عظیم مرتبہ والی ہے؟ آپ نے فرمایا آیت الکرسی۔ (درمنثور)

" عن اسماء بنت یزیدبن السکن قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول فی ها تین الآتین "الله لا اله الا هو الحی القیوم "و" الم ☆ الله لا اله الا هو الحی القیوم" ان فیها اسم الله الاعظم" (رواه احمد)

اسماء بنت یزید بن سکن فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ ان دو آیتوں میں یعنی " الله لا اله الاهو الحی القیوم" میں اور " الم☆ الله لا اله الا هو الحی القیوم" میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔(یعنی" الحی القیوم" اسم اعظم ہے) (صابونی)

☆ **"عن ابی امامة یر فعه قال اسم الله الاعظم الذی اذادعی به اجاب فی ثلاث سورة البقرة و آل عمران وطه،وقال هشام اماالبقرة"الله لااله الاهوالحی القیوم"وفی آل عمران"الم☆ الله لا اله الا هوالحی القیوم"وفی طه" وعنت الوجوه للحی القیوم"**

Marfat.com

حضرت ابوامامہ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ذکر کر کے جب دعاء کی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے، وہ تین سورتوں میں ہے سورۃ البقرۃ میں اور آل عمران میں اور سورۃ طٰہ میں۔ پھر ہشام نے وضاحت فرمائی کہ بقرہ میں ہے۔ "الله لا الـه الاهو الحی القیوم" اور آل عمران میں ہے۔ "الم ☆ الله لا الـه الاهو الحی القیوم" اور طٰہ میں ہے "وعنت الوجوه للحی القیوم" (یعنی ان تمام آیات میں "الحی القیوم" کا ذکر ہے جو اسم اعظم ہے) (صابونی)

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من قرأ "حم المومن الی "الیه المصیر" وآیة الکرسی حین یصبح حفظ بهما حتی یمسی، ومن قرأ هما حین یمسی حفظ بهما حتی یصبح" (رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حم المؤمن کو الیہ المصیر تک اور آیۃ الکرسی صبح کے وقت پڑھی تو ان کی برکت کی وجہ سے اسے شام تک محفوظ رکھا جائے گا اور اگر شام کو پڑھیں تو صبح تک اسے ان کی برکت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ (صابونی)

"حم المومن، الیه المصیر" تک کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ المؤمن جو "حم" سے شروع ہو رہی ہے اس کی پہلی تین آیات پڑھیں۔

☆ "واخرج ابو عبید فی فضائله والدارمی والطبرانی وابو نعیم فی دلائل النبوة والبیهقی عن ابن مسعود قال خرج رجل من الانس فلقیه رجل من الجن فقال هل لک ان تصارعنی فان صرعتنی علمتک آیة اذاقرأتها حین تدخل بیتک لم یدخله شیطان فصارعه فصرعه الانسی فقال تقرأ آیة الکرسی فانه لا یقرؤها احد اذا دخل بیته الا خرج الشیطان له خیج کخیج الحمار فقیل لابن مسعود اهو عمر قال من عسی ان یکون الاعمر (الخیج الضراط)"

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں ایک انسان کو ایک جن ملا، اس جن نے کہا کہ کیا تم مجھے (کشتی میں)

Marfat.com

پچھاڑ سکتے ہو، اگر تم نے مجھے گرا لیا تو میں تمہیں ایک آیۃ سکھاؤں گا، جب بھی تم وہ آیت پڑھو گے تو تمہارے گھر شیطان داخل نہیں ہوگا، تو اس جن نے انسان سے کشتی کی، انسان نے اسے گرا دیا، تو اس نے بتایا کے تم آیۃ الکرسی پڑھا کرو جب بھی تم آیۃ الکرسی پڑھو گے تو شیطان گدھے کی طرح اپنی (دبر سے) ہوا نکالتے ہوئے اس گھر سے نکل جائے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ وہ انسان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ عمر کے بغیر اور کون ہوسکتا ہے۔ (درمنثور)

☆☆☆☆☆

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶)

﴿۱﴾

نہیں کچھ زبردستی دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

﴿۲﴾

نہیں کچھ زبردستی دین میں، تحقیق خوب ظاہر ہوگئی ہدایت گمراہی سے، تو جس شخص نے نہ مانا شیطان کو اور ایمان لایا اللہ پر تو تحقیق اس نے تھام لیا مضبوط گرہ کو جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سننے والا، اور جاننے والا ہے۔

بعض حضرات نے یہ بیان کیا کہ یہ آیۃ اور اس کے بعد والی آیۃ " خالدون " تک آیۃ الکرسی کا حصہ ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں آیۃ الکرسی کا حصہ نہیں بلکہ نیا جملہ ہے، پہلے توحید کا ذکر کیا گیا تو اس سے وہم کا گمان تھا کہ شاید اللہ

Marfat.com

تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے لوگوں پر جبر کیا جائے تو اس آیۃ کریمہ سے اس کی وضاحت کردی کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔

"لانہ فی الحقیقۃ الزام الغیر فعلا لایری فیہ خیرا یحملہ علیہ والدین خیر کلہ"

اس لئے کہ جبر کرنے کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ کسی پر فعل کو لازم کرنا، جس فعل کو وہ اچھا نہیں سمجھ رہا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی پر جبر کرکے کوئی فعل اس سے کرایا جائے تو وہ کام اس کے نزدیک اچھا نہیں ہوتا حالانکہ دین تمام کا تمام ہی اچھا ہے، تو واضح ہوا کہ دین میں جبر نہیں۔ (از روح المعانی)

شانِ نزول:

اس آیۃ کریمہ کا نزول چند واقعات کے بعد ہوا تمام ہی اس کا شانِ نزول ہیں۔

﴿۱﴾ ابوداؤد، نسائی اور ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ اسلام سے قبل انصار کی جس عورت کی اولاد نہیں ہوتی تھی وہ نذر مانتی تھی کہ اگر میری اولاد ہو تو میں اسے یہودی دین پر قائم کردوں گی۔ جب بنونضیر کو جلاوطن کردیا گیا تو ان میں انصار کے کئی بچے تھے۔

"فقالو لا ندع ابنائنا فانزل اللہ لا اکراہ فی الدین"

تو انصار نے کہا ہم کسی صورت میں بھی اپنے بچوں کو بنونضیر کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دیں گے، تو رب تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ کو نازل فرمایا لا اکراہ فی الدین" کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

ایک روایت میں ہے جب بنونضیر کو جلاءوطن کیا گیا تو انصار نے کہا "یارسول اللہ ابناؤنا واخواننا فیھم" یارسول اللہ ہمارے بیٹے اور بھائی ان میں موجود ہیں تو رسول اللہ ﷺ وحی کے انتظار میں خاموش رہے تو رب تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ " لا اکراہ فی الدین "کو نازل فرمایا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اصحاب کو اختیار دے دیا گیا ہے "فان اختاروکم فھم منکم وان اختاروھم فھم منھم" اگر وہ تمہیں پسند کریں تو وہ تمہارے ساتھ رہیں یعنی اسلام لے آئیں، اور اگر وہ یہودیوں کو پسند کریں کہ ان کے دین پر قائم رہیں تو وہ ان کے ساتھ ہوجائیں۔

"فلحق بھم من لم یسلم فاجلوھم معھم" جو یہودیوں کے ساتھ مل گئے اور اسلام نہ لائے تو ان کو

Marfat.com

جلاوطن کردیا گیا" وبقی من اسلم "اور جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا ان کو جلاوطن نہیں کیا گیا۔انصار نے وجہ بیان کی کہ ہم اپنی اولاد کو یہودیوں کے دین پر قائم رہنے کی اجازت کیوں دیتے تھے۔

"فقالو انماجعلناهم علی دینهم ونحن نری ان دینهم افضل من دیننا" اس لئے کہ ہم یہودیوں کے دین کو اپنے دین سے اچھا دین سمجھتے تھے تو اپنی اولاد کو بھی ان کے دین میں رہنے کی اجازت دیتے تھے۔ اب جبکہ اسلام آگیا جو تمام دینوں سے افضل ہے تو ہم اپنی اولاد کو کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ یہودیوں کے ساتھ رہیں تو رب تعالیٰ نے فرمایا" لا کراہ فی الدین "دین میں زبردستی نہیں۔

﴿۲﴾ انصار کے قبیلہ بنی سالم بن عوف سے ایک شخص تھا جس کا نام حصین تھا، یہ خود مسلمان تھے ان کے دو بیٹے نصرانی ہو گئے جو شام کے علاقہ میں چلے گئے تھے، پھر وہ شام سے مدینہ طیبہ میں تجارتی غرض سے چند اپنے نصرانی ساتھیوں سے مل کر آئے تو ان کے باپ نے ان کو زبردستی پکڑ لیا کہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اسلام لے آؤ لیکن انہوں نے اسلام لانے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو حصین نے کہا "یارسول اللہ ﷺ ایدخل بعض النار وانا انظر" یارسول اللہ کیا میرے جسم کے ٹکڑے آگ میں جل رہے ہوں گے اور میں انہیں دیکھ رہا ہوں گا (یہ منظر میرے لئے ہولناک ہوگا، اس لئے میں ان کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ مسلمان نہیں ہو جاتے) تو رب تعالیٰ نے آیۃ کریمہ "لا اکراہ فی الدین" نازل فرمائی تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ (ماخوذ از در منثور)

﴿۳﴾ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیۃ اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ جب جزیہ دے دیں تو ان پر کسی قسم کا جبر نہیں البتہ حجاز کے بت پرستوں کے لئے جزیہ مقرر نہیں تھا اس لئے ان سے صرف اسلام قبول کیا جاتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ بوڑھی عورت کو کہا" اسلم ایتها العجوز تسلمی " اے بوڑھی عورت اسلام لے آ تاکہ تو سلامتی میں رہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق سے مبعوث فرمایا، اس نے کہا میں بہت بوڑھی عورت ہوں موت قریب ہے (گویا کہ اس کا مطلب تھا کہ اس عمر میں اپنے دین کو کیوں چھوڑوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا" اللهم اشهد وتلا "لا اکراہ فی الدین" اے اللہ تو گواہ رہ۔

Marfat.com

پھر آپ نے " لا اکراہ فی الدین" پڑھا، یعنی تیرا اپنا ہی ارشاد ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ (قرطبی)

﴿۴﴾ " وقیل معناها لا تقولوا لمن اسلم تحت السیف مجبرا مکرها"

یعنی آیۃ کریمہ کے شانِ نزول کی یہ وجہ ہے کہ کہا گیا ہے جو لوگ اسلام لے آئیں ان سے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ جبراً تلوار کی وجہ سے اسلام لائے ہیں بلکہ اسلام لانے والوں نے خوشی اور رضامندی سے اسلام قبول کیا۔ (قرطبی)

قابل توجہ:

بعض حضرات نے بیان کیا کہ یہ آیۃ منسوخ ہے۔ " یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم "(اے نبی جہاد کریں کفار ومنافقین سے اور ان پر سختی کریں) سے۔

لیکن علامہ بغوی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے منسوخیت والے قول کا خوبصورت محاسبہ کیا ہے، آپ کہتے ہیں کہ نسخ وہاں پایا جاتا ہے جہاں تعارض پایا جائے، جہاد اور قتال کے حکم اور " لا اکراہ فی الدین" میں تعارض نہیں پایا جاتا۔

" فان الامر بالقتال والجهاد ولیس لاجل الاکراه علی الدین بل لدفع الفساد من الارض فان الکفار یفسدون فی الارض ویصدون عباد الله عن الهدی والعبادة "

جہاد اور قتال کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا کہ ان سے جبراً اسلام قبول کرایا جائے بلکہ جہاد کا حکم کافر کے فساد کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے، کیونکہ کفار زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سیدھی راہ اور عبادت سے منع کرتے تھے اس لئے ان کو جہاد میں قتل کرنے کا ایسے ہی حکم دیا گیا جیسے سانپ اور بچھو اور کاٹنے والے کتے کے شر سے بچنے کے لئے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔

بلکہ کافروں کا قتل کرنا سانپ اور بچھو اور کاٹنے والے کتے کے قتل سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ ان سے صرف جان کا خطرہ ہوتا ہے اور کفار سے جان کو بھی خطرہ ہوتا ہے اور ایمان کو بھی، یہی وجہ ہے کہ کفار اگر فساد سے باز آنے کا معاہدہ کرلیں اور جزیہ دینے کا معاہدہ کرلیں تو ان کو قتل کرنے سے ان الفاظ مبارکہ سے منع کردیا۔

Marfat.com

" حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون"

اور نبی کریم ﷺ کا کفار کے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور راہبوں اور نابینوں اور چلنے پھرنے سے عاجز لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمانا۔ یہ بھی دلیل ہے اس کی کہ جہاد میں جن لوگوں سے فساد کا گمان ہوتا ہو ان کو قتل کیا جائے اور جن لوگوں سے فساد کا گمان نہ ہو ان کو قتل نہ کیا جائے، اگرچہ جبری طور پر ایمان قبول کرانا مقصود ہوتا تو بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جاتا۔

"وکیف یقال بالنسخ مع ان الاکراہ فی الدین لا یتصور ولا یفید"

منسوخیت کا قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ دین میں جبر کرنا متصور نہیں، اور نہ ہی جبری طور پر ایمان قبول کرانا نفع مند ہوسکتا ہے۔ (ازمظہری)

خوبصورت اقتباس:

اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں، نیز اسلام بحیثیت دین انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا؟ اور اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ (ضیاء القرآن)

"قد تبین الرشد من الغی": "تحقیق خوب ظاہر ہوگئی ہدایت گمراہی سے"۔

" بان الشیء واستبان وتبین اذا ظھر ووضح "

یعنی "بان، استبان" اور "تبین" کا ایک ہی معنی ہے بہت ہی واضح ہونا اور ظاہر ہونا جیسا کہ کہا جاتا ہے۔" قد تبین الصبح لذی عینین "تحقیق صبح خوب واضح ہوگئی دو آنکھوں والے پر۔

Marfat.com

عام طور پر تو یہی کہا جاتا ہے کہ "بان" جب بیان سے لیا جائے تو اس کا معنی ظاہر ہونا، اور جب "بینونة" سے لیا جائے تو اس وقت معنی ہوتا ہے جدا ہونا، لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں معنی ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں۔

"وعندی ان الایضاح والتعریف انما سمی بیانا لأنہ یوقع الفصل والبینونة بین المقصود وغیرہ"

کہ میرے نزدیک وضاحت اور کسی چیز کی تعریف کرنے کو بیان اس لئے کہا جاتا ہے کہ مقصود اور غیر مقصود کے درمیان فرق کر دیا جاتا ہے۔

"الرشد فی اللغة معناہ اصابة الخیر"

رشد کا لغوی معنی کسی کو بھلائی پہنچانا ہے، اور یہی معنی ارشاد کا بھی ہے "والغی نقیض الرشد" غیّ نقیض (الٹ) ہے رشد کی، جب کوئی بھلائی کی راہ پر چلے بھٹک جائے گمراہ ہو جائے تو اس وقت یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں "غوی یغوی غیاً، غوایة"

اب مطلب یہ ہوا کہ کثیر دلائل اور واضح آیات وعلامات کی وجہ سے حق باطل سے جدا ہو گیا، اور ایمان کفر سے، اور ہدایت گمراہی سے۔

"المراد انہ حصلت البینونة بین الرشد والغی بسبب قوة الدلائل وتاکید البراھین"

مراد یہ ہے کہ دلائل وبراہین کی قوت وتاکید سے ہدایت اور گمراہی جدا جدا ہو گئے۔ واضح ہو گیا کہ یہ ہدایت ہے اور یہ گمراہی ہے۔ (از کبیر)

فائدہ: اسی سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ جب رب تعالیٰ نے دلائل وعلامات سے ایمان وکفر کی راہوں کو جدا جدا کر دیا اور واضح کر دیا کہ ایمان حق ہے اور کفر باطل ہے تو انسان اپنی عقل اور محبت سے ہی ایمان قبول کرتا ہے کسی کو زبردستی ایمان لانے پر رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں نے مجبور نہیں کیا، گویا کہ "قد تبین الرشد من الغی" سے اور زیادہ "لا اکراہ فی الدین" کی وضاحت کر دی۔

Marfat.com

"فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقداستمسک بالعروۃ الوثقی"

تو جس شخص نے نہ مانا شیطان کو اور ایمان لایا اللہ پر تو تحقیق اس نے تھام لیا مضبوط گرہ کو جسے کبھی کھلنا نہیں۔

"طاغوت" ماخوذ ہے "طغی یطغی" (ف) سے، اوریا ماخوذ ہے "طغا یطغو طغیانا" (ن) سے "وذلک تجاوز الحدفی العصیان" یعنی گناہوں میں سے حد سے تجاوز کرنے کو "طغیان" کہا جاتا ہے۔

"والطاغوت عبارۃ عن کل متعد وکل معبود من دون اللہ ویستعمل فی الواحد والجمع"

حد سے تجاوز کرنے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے اور رب تعالیٰ کے بغیر جس کی عبادت کی جائے اسے بھی طاغوت کہا جاتا ہے۔

"ولماتقدم سمی الساحر والکاھن والماردمن الجن والصارف عن طریق الحق طاغوتا"

جب پہلے بیان کر دیا گیا کہ حد سے تجاوز کرنے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے تو اسی سے واضح ہو گیا، جادوگر، کاہن (نجومی وغیرہ) اور جنوں سے سرکش (شیطان اور ہر وہ شخص جو سیدھے راہ سے ہٹ جائے ان کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ (مفردات راغب)

طلباء کے لئے:

طاغوت کا وزن فعلوت ہے جبروت اور ملکوت کی طرح اصل میں "طغووت" ہے، پھر اس میں قلب کیا گیا واؤ کو فا کلمہ اور عین کلمہ کے درمیان لاکر الف سے بدل دیا گیا "طاغوت" ہو گیا۔ (مفردات راغب)

"والطاغوت ای الشیطان" اس مقام میں طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ (روح المعانی)

قابل توجہ:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ پر چند اعتراضات ایک رسالہ "کنز الایمان پر پابندی کیوں؟" میں کئے گئے تھے، ان کا جواب دینے کے لئے اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کے مزید محاسن بیان کرنے کے لئے راقم نے سب سے پہلی کتاب "تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان" تصنیف کی، جس کی برکت کی وجہ سے تصنیف کا کام رب تعالیٰ

Marfat.com

کے فضل وکرم سے اتنا کیا جو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

اسی معترض کے رسالہ میں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو قصابی زبان کہا گیا، اور بیہودہ زبان استعمال کی گئی راقم نے اس کا محاسبہ کرتے ہوئے ''تسکین الجنان'' کی ''ابتداءِ سخن'' میں یوں لکھا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو قصابی زبان سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس میں فصاحت و بلاحت نہیں لیکن تقابل جائزہ سے معاملہ دگرگوں نظر آتا ہے، آیئے دیکھیے۔

''وکان من الکافرین''

اور تھا وہ کافروں میں کا۔ (محمود الحسن صاحب)

اور وہ کافر ہو گیا۔ (اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

''ثم بعثنکم من بعد موتکم''

پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے۔ (محمود الحسن صاحب)

پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا۔ (اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

''وکل انسان طائرہ فی عنقہ''

اور جو آدمی ہے لگادی ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے (محمود الحسن صاحب)

اور ہر انسان کی قسمت اس کی گردن سے لگادی ہے۔ (اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

''واجتنبوا الطاغوت''

اور بچو ہڑ دنگے سے۔ (محمود الحسن صاحب)

اور شیطان سے بچو۔ (اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

محمود الحسن صاحب نے ''طاغوت'' کا معنی ''ہڑ دنگے'' کیا ہے، اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے شیطان معنی کیا ہے، جو فصیح بھی ہے اور تفاسیر کے مطابق بھی ہے۔

Marfat.com

مذکورہ بالا چند مثالیں صرف بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ان سے ہر ذی شعور انسان فصاحت و بلاحت کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس ترجمہ میں فصیح زبان کو پیش کیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کو جو گالیاں دی گئیں ان کی دو تین مثالیں ملاحظہ ہوں، حریفوں کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جائے کہ کس طرح پست ذہن رکھنے والے ہیں۔

﴿۱﴾ برصغیر پاک و ہند کے مبتدع اعظم فتنہ تکفیر کے بانی مولانا احمد رضا خان۔

﴿۲﴾ مذکورہ ترجمہ وتفسیر اسی فرقہ ضالہ کے پیشوا مولانا احمد رضا خان بریلوی اور اس کے خلیفہ مفتی نعیم الدین مراد آبادی کی خامہ فرسائی کا نتیجہ ہے۔

﴿۳﴾ مولانا بریلوی کے ترجمہ قرآن پاک پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا انسان مسلمانوں کا رہنما یا عالم اور اہل وسنت کا امام تو کیا ایمان کی نور سے ہی خالی ہے۔

اگر چہ ایسی نازیبا عبارات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہیں، حق تو یہ تھا کہ اسی طرح کا جواب دیا جاتا لیکن پھر بھی اخلاق وسنجیدگی کا دامن تھامتے ہوئے فقط اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کے محاسن وکمالات تقاسیر کے آئینہ میں پیش کئے جارہے ہیں، جہاں دیگر مترجمین کی کشتیاں تلاطم امواج میں ہچکولے کھاتی نظر آتی ہیں، وہاں محب رسول کی وسعت علم اور دقّتِ نظر جیسے مضبوط وقوی ناخدا کے سہارے کشتی صحیح وسلامت کنارے پر لنگر انداز نظر آتی ہے۔

(مقدمہ تسکین الجنان)

”ویؤ من باللہ“: (اور ایمان لایا اللہ پر)

”ای بالتوحید وتصدیق الرسل“ (بیضاوی)

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لایا اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی واضح ہوا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی نہیں پائی جائے گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان بھی مکمل نہیں ہوگا، وہی راہ، راہِ ہدایت ہے جس راہ کو میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ نے واضح فرمایا، اپنی عقل سے توحید کو ماننے والے حقیقت میں توحیدی نہیں، آیئے سمجھئے حقیقت یہ ہے کے صرف محبّ رسول ﷺ ہی توحیدی کہلانے کا حقدار ہے۔

Marfat.com

فائدہ: شیطان کو نہ ماننے کا ذکر پہلے کیا اور اللہ پر ایمان لانے کا ذکر بعد میں کیا، جس سے یہ واضح کیا گیا کہ

"انه لابدللكافرمن ان يتوب اولا عن الكفر ثم يؤمن بعد ذلك"

بیشک کافر کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے کفر سے باز آجائے، توبہ کر لے، پھر اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا معتبر ہوگا۔ (کبیر)

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے کافر اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے لیکن بت پرستی بھی کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی تصدیق نہیں کرتے تھے اس لئے وہ رب تعالیٰ کو خالق ماننے کے باوجود کافر ہی رہے مومن نہ بن سکے۔

"فقد استمسک بالعروة الوثقی": "تو تحقیق اس نے تھام لیا مضبوط گرہ کو"۔

"العروة" عری یعری (ض، س) ننگا ہونا، "العراء" اس مکان کو کہتے ہیں جس کے آگے پیچھے کوئی مکان نہ ہو یعنی کھلی جگہ، جنگل وغیرہ میں وہ مکان ہو، جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ "فنبذناه بالعراء وهو سقيم" پھر ہم نے اسے (یونس علیہ السلام کو) میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھا۔

"عرا" جب الف مقصورہ سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے "کنارہ" اور "عروة" لوٹے وغیرہ کے کنارے پر لگا ہوا دستہ جس سے لوٹے کو پکڑا جاتا ہے، جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ "فقد استمسک بالعروه الوثقی" وذلک علی سبیل التمثیل"

یعنی اس مقام میں "العروة الوثقی" کو بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے، جس کا مجازی معنی لیا گیا ہے وہ ہے "محکم گرہ" اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

"عروة" اس درخت کو بھی کہا جاتا ہے جس کے ساتھ اونٹوں کو باندھا جائے۔ (از مفردات راغب)

طلباء کرام کے فائدے کے لئے:

اسی سے بیع عرایا کو بھی لیا ہوا ہے، یعنی جب کوئی شخص دوسرے کو اپنے باغ سے کچھ درختوں سے پھل حاصل کرنے کی اجازت دے دے، بعد میں دیکھے کہ باغ میں کام کرنے کے لئے اہل وعیال بھی ہوتے ہیں، لہٰذا دوسرے

Marfat.com

آدمی کے آنے جانے سے تکلیف ہوگی تو وہ انہیں ان درختوں کے پھل کی مناسب مقدار میں توڑی ہوئی کھجوریں دے دے، یہ درحقیقت عطیہ ہے، جسے بیع سے تعبیر کر دیا گیا ہے جو جائز ہے۔ (نووی شرح مسلم)

"الوثقی" اوثق کی مؤنث ہے، مضبوط پختہ۔ اس مقام میں عقلی چیز کو حسی چیز سے تشبیہ دی گئی۔

"لان من اراد امساک شئ یتعلق بعروته فکذا ههنا من اراد امساک هذاالدین تعلق بالدلائل الدالة علیه"

کیونکہ جو شخص کسی چیز کو پکڑنا چاہے وہ اسے دستہ (ہینڈل) سے پکڑتا ہے، اسی طرح جو شخص دین کو مضبوطی سے پکڑنا چاہے، یعنی مضبوطی سے کامل طریقہ پر اس پر قائم رہنا چاہے تو دلائل کو پکڑتا ہے، یعنی مضبوط دلائل کے ذریعے اس پر عمل کرتا ہے۔ اسلام کے دلائل جب قوی، محکم اور واضح ہیں تو ان کو "العروۃ الوثقی" سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ (از کبیر)

وہ مجازی معنی کیا ہے؟

وہ مجازی معنی یہ ہے "بالعروۃ الوثقی" بالعقد المحکم "مضبوط گرہ۔ (جلالین)

طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"استمسک" کا معنی جلالین میں "تمسک" کیا گیا ہے تو اس پر صاوی میں وضاحت کی گئی ہے کہ "تمسک" معنی کر کے واضح کر دیا کہ اس مقام میں "استمسک" میں سین اور تاء طلب کے لئے نہیں، بلکہ استفعال بمعنی تفعل استعمال ہے۔

طلباء کرام کی اور کامل توجہ کی ضرورت:

مفسر رحمہ اللہ نے "العروۃ الوثقی" کا معنی "عقد محکم" کیا ہے، اس پر صاوی میں بیان کیا گیا ہے یا تو اس میں استعارہ مصرحہ پایا گیا ہے، یعنی دین اسلام کو تشبیہ دی گئی "عروۃ وثقی" سے، یہ رسی کے تھامنے کی جگہ ہے اور وجہ

Marfat.com

شبہ یہ ہے کہ جس طرح رسی کو مضبوط گرہ یا لوٹے کے دستہ کو پکڑا جائے تو وہ گرنے سے اور خلل واقع ہونے سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح یہ بیان کیا گیا ہے کہ دین اسلام کو مضبوطی سے پکڑا جائے تا کہ اس میں خلل نہ واقع ہو، یعنی "عروۃ وثقی" مشبہ بہ ہے، اور دین اسلام مشبہ ہے، استمساک اور عدم انفصام ترشیح ہیں، کیونکہ مشبہ بہ کے مناسبات سے ہیں اور یا استعارہ تمثیلیہ پایا گیا ہے یعنی اسلام کو مضبوطی سے پکڑنے اور محکم کرنے کا حال کو رسی کی گرہ کو تھامنے کے حال سے تشبیہ دی گئی تا کہ خلل واقع نہ ہو۔ (صاوی)

"لا انفصام لها": "جسے کبھی کھلنا نہیں۔"

الانفصام بالفاء الانقطاع بغیر بینونۃ والانقصام بالقاف الانقطاع مع بینونۃ بالانفصام ابلغ"

انفصام (فاء کے ساتھ) کا معنی ہے رسی کے اجزاء کے کھلنے (ادھڑنے یا ادھیڑنے) کے بغیر رسی کا ٹوٹ جانا، اور انقصام (قاف کے ساتھ) کا معنی ہے رسی کے اجزاء کا کھل کر ٹوٹنا، یہاں انفصام ذکر کر کے حکم میں مبالغہ ثابت کیا گیا ہے۔ (صاوی)

اب مکمل معنی یہ ہو گیا۔

"من خلع الانداد والاوثان ومایدعوا الیہ الشیطان من عبادۃ کل مایعبد من دون اللہ ووحد اللہ فعبدہ وحدہ وشھد ان لا الہ الا اللہ فقد ثبت فی امرہ واستقام علی الطریقۃ المثلی والصراط المستقیم"

جس نے اللہ تعالیٰ کے شریکوں اور بتوں اور شیطانی معبودوں سے بیزاری اختیار کر لی، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی اور اس وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی، اور کلمہ شہادت پر قائم ہوا تو وہ اپنے امر (معاملہ) میں پختہ ہو گیا اور درست راہ اور سیدھی راہ پر قائم ہو گیا۔ (صابونی)

"واللہ سمیع علیم": "اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ اقوال کو سننے والا ہے اور نیتوں اور عقیدوں کو جاننے والا ہے۔ (ابو السعود)

Marfat.com

گویا کہ نبی کریم ﷺ کو خطاب کیا آپ جو لوگوں کو دعوت اسلام دے رہیں ہیں اور آپ کے تمام اقوال اور ان لوگو ں کے اقوال کو رب سن رہا ہے اور آپ جو حرص ومحبت رکھتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں رب تعالیٰ اسے جاننے والا ہے اسی طرح ہر شخص جو اپنے یا دوسرے کے اعمال اور نیات کی تصیح میں اور کفر ونفاق سے ڈرانے کی کوشش میں ہے رب تعالیٰ اسے بھی جاننے والا ہے۔ (مظهری)

فائدة: "العروۃالوثقی" سے مراد ایمان بھی ہے اور قرآن بھی ہے اور " الحب فی اللہ والبغض فی اللہ "(اللہ تعالیٰ کی رضامندی ھے کے لئے کسی سے محبت اور اللہ کی رضامندی کے لئے کسی سے بغض) بھی ہے اور اسلام بھی ہے۔

" وقال الامام احمدعن محمدبن قیس بن عبادة قال کنت فی المسجدفجاء رجل فی وجهه اثرمن خشوع،فصلی رکعتین أوجز فیهما،فقال القوم هذارجل من اهل الجنةفلماخرج اتبعته حتی دخل منزله قد خلت معه فحدثته،فلمااستأنس قلت له ، ان القوم لما دخلت المسجد قا لواکذاوکذا،قال سبحان الله ماینبغی لأحد ان یقول مالم یعلم،وساحدثک لِم؟انی رأیت رؤیاعلی عهدرسول اللهﷺ فقصصتهاعلیه، رایت کانی فی روضة خضراء،قال ابن عون فذکرمن خضرتهاوسعتهاعمودحدید اسفله فی الارض واعلاه فی السماء،فی اعلاه عروة، فقیل لی اصعد علیه،فقلت لااستطیع، فجاء فی منصف،قال ابن عون هوا لوصیف،فرفع ثیابی من خلفی،فقال اصعد، فصعدت حتی اخذت با لعروة،فقال استمسک بالعروۃ،فاستقیظت وانها لفی یدی،فاتیت رسول الله ﷺ فقصصتهاعلیه فقال،اما الروضة فروضة الاسلام، واما العمود فعمود الاسلام،واما العروة فهی"العروة الوثقی"انت علی الاسلام حتی تموت،قال وهوعبداللهابن سلام"

(رواه احمد واخرجاه فی الصحیین واخرجه البخاری من وجه آخر)

محمد بن قیس بن عبادہ فرماتے ہیں میں مسجد میں تھا، تو ایک شخص آئے جن کے چہرے پر خشوع کے اثرات تھے انہوں نے دو رکعت مختصر طور پر ادا کیں ، تو لوگوں نے کہا یہ شخص جنتی ہیں، جب وہ

Marfat.com

نکلے تو میں ان کے پیچھے پیچھے چلا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے (ان کی اجازت سے) میں بھی ان کے ساتھ ان کے گھر داخل ہو گیا۔ میں نے ان سے باتیں شروع کر دیں، جب وہ میری باتوں سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا، آپ جب مسجد میں داخل ہوئے تھے تو قوم نے آپ کے متعلق اس طرح کہا تھا (کہ یہ جنتی ہیں) انہوں نے کہا سبحان اللہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی بات کرے جس کا اسے علم نہ ہو، ہاں البتہ میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں کہ قوم نے یہ کیوں کہا (وجہ اس کی یہ ہے) کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خواب دیکھا، وہ خواب میں نے آپ پر پیش کیا، کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں ایک سرسبز و شاداب باغ میں ہوں ابن عوف راوی نے خضرۃ سے مراد وسعت لی ہے، یعنی میں ایک وسیع باغ میں ہوں اور اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جس کے نیچے والا حصہ زمین میں ہے اور اوپر والا آسمان میں ہے اور اس ستون کے اوپر (رسی یا کسی چیز کا) دستہ (ہاتھ سے پکڑنے والی چیز ہے)۔ مجھے کہا گیا اس پر چڑھو، میں نے کہا میں طاقت نہیں رکھتا، تو میرے پاس ایک معاون (خادم کی طرح) آ گیا، جس نے پیچھے سے میرے کپڑے کو پکڑ کر مجھے بلند کیا اور کہا اب اوپر چڑھو تو میں اوپر چڑھا یہاں تک کہ میں نے اس دستہ کو پکڑ لیا پھر آپ کہتے ہیں میں نے اس پکڑنے والے آلہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو میں جاگ گیا، جب میں جاگا تو وہ دستہ یعنی مضبوط گرہ والی رسی میری ہاتھ میں تھی۔ تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ پر اپنا خواب بیان کیا تو آپ نے فرمایا باغ سے مراد اسلام کا باغ ہے، اور ستون سے مراد اسلام کا ستون ہے، اور ''عروۃ'' سے مراد "العروۃ الوثقی" ہے (یعنی تم نے اسلام کی مضبوط گرہ کو تھام لیا) تم موت تک اسلام پر قائم رہو گے راوی فرماتے ہیں وہ شخص عبداللہ بن سلام تھے۔

(صابونی)

جنہوں نے یہ خواب دیکھا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام پر مضبوطی سے قائم رہنے کی بشارت دی، اسی وجہ سے قوم نے ان کو جنتی کہا، ان کا یہ کہنا کہ سبحان اللہ کوئی شخص وہ بات نہ کرے جس کا اسے علم نہ ہو [illegible]

Marfat.com

پرکلام تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ نے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہی حق تھی۔

گذشتہ سے پیوستہ:

"قال ﷺ سید البشر آدم وسید العرب محمد ولا فخر وسید الفارس سلمان وسید الروم صهیب وسید الحبشة بلال وسید الجبال طور وسید الایام یو م الجمعة وسید الکلام قرآن وسید القرآن سورة البقرة وسید البقرة آیة الکرسی" (ابوسعود)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سید البشر آدم علیہ السلام ہیں، سید العرب محمد ﷺ ہیں، سید الفارس سلمان ہیں، سید الروم صہیب ہیں۔ سید الحبشہ بلال ہیں، سید الجبال طور ہیں، سید الایام (تمام دنوں کا سردار) جمعہ کا دن ہے، سید الکلام قرآن پاک ہے، سید القرآن سورۃ البقرۃ ہے، سید البقرۃ آیۃ الکرسی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہاں اگر " سید العرب محمد' فرمایا تو اس سے کوئی شخص غلطی کا شکار نہ ہو کہ آپ صرف عرب کے ہی سردار ہیں، کیونکہ دوسری حدیث میں ہے، "ان سید ولد آدم" میں اولاد آدم کا سردار ہوں، اور آپ کا ارشاد ہے " انا سید الاولین و الآخرین " میں سب اگلے اور پچھلوں کا سردار ہوں۔

(ماخوذ از تفسیر ابی السعود)

☆☆☆☆☆

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۷)

﴿۱﴾

اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں

Marfat.com

کے حمایتی شیطان ہیں وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں یہی لوگ دوزخ والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

﴿۲﴾

اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف، اور کافروں کے ساتھی شیطان ہیں، نکالتے ہیں ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف، یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔

"اللہ ولی الذین آمنوا": "اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا"۔

" الولی فعیل بمعنی فاعل،قال الخطابی الولی الناصر ینصرعبادہ المومنین،قال اللہ تعالی ذلک بان اللہ مولی الذین آمنواوان الکافرین لامولی لھم"

(قرطبی بحذف)

"ولی "فعیل کے وزن پر ہے اور فاعل کے معنی میں ہے خطابی نے فرمایا کہ "ولی" بمعنی مددگار ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی امداد فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے اور بیشک کافروں کا کوئی مددگار نہیں، یعنی تمثیل کے طور پر دوسری آیت جو بیان فرمائی اس میں "مولی" بمعنی مددگار استعمال ہے۔

لفظ "ولی" کے معانی:

ولی کا لغوی معنی" اصلہ من الولی الذی ھو القرب" یعنی "ولی یلی ولیا" کا لغت میں معنی ہے "قرب" جس طرح کہا جاتا ہے" داری تلی دارھا"میرا گھر اس کے گھر کے قریب ہے۔

"منہ یقال للمحب المعاون ولی لأ نہ یقرب منک با لمحبۃ والنصرۃ ولا یفارقک"

اسی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے محبت کرنے والے کو بھی ولی کہا جاتا ہے کیونکہ محبت کرنے والا

Marfat.com

تمہارے قریب ہوگا اور تم سے جدا نہیں ہوگا۔اور مددگار کو بھی ولی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مدد کرنے کے لحاظ سے تمہارے قریب ہوتا ہے، جدا نہیں ہوتا۔

"ومنه الوالی لأنه یلی القوم بالتدبیر والأمر والنهی"

اسی معنی کے لحاظ سے "ولی" بمعنی "والی" کے بھی آتا ہے، کیونکہ وہ قوم کی تدبیر کرنے میں اور قوم کو اچھے کاموں کا حکم دینے میں اور برے کاموں سے روکنے میں ان کے قریب آتا ہے۔

یہ تمام معنی "مولی" میں پائے جاتے ہیں یعنی مددگار، محبت کرنے والا اور والی۔

"الولایة" کی ضد "العداوة" ہے، لہٰذا مدد نہ کرنے والے، اور محبت نہ کرنے والے، اور امور کے والی نہ بننے والے کو "عـــدو" کہا جائے گا، لیکن جب وہ مدد کرنے یا محبت کرنے یا والی بننے کی مخالفت کرے بلکہ دوسرے کی محبت کرنے اور امداد کرنے سے چلے۔ (ماخوذ از کبیر)

اعتراض: "آمنوا" ماضی کا صیغہ ہے، اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس آیۃ کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے جو ایمان لا چکے تھے اللہ تعالیٰ صرف ان کا مددگار اور والی تھا اس کے بعد ایمان والوں کا مددگار ہونا اور والی ہونا کیسے ثابت ہے؟ اور جو ایمان لا چکے ہیں ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: "والمراد منهم من اراد ایمانه وثبت فی علمه انه مؤمن" (بیضاوی)

یہاں سے مراد صرف وہ لوگ نہیں جو ایمان لا چکے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ میں جتنے لوگوں نے بھی ایمان لانا ہے وہ تمام ہی مراد ہیں، لہٰذا اعتراض مکمل طور پر مندفع ہوگیا۔

"یخرجهم من الظلمات الی النور":

"نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔"

اکثر مفسرین نے علامہ واقدی کے قول کو اس مقام پر نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں قرآن پاک میں جہاں بھی ظلمات اور نور استعمال ہیں وہاں ہی نور سے مراد ایمان ہے اور ظلمات سے مراد کفر ہے، سوائے سورۃ انعام کے اس میں

Marfat.com

ظلمات سے مراد رات نور سے مراد دن ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو نقل کیا لیکن اس کے بعد اپنا مختار بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں

" والا ولی ان یحمل الظلمات علی المعنی الذی یعم سائر انواعھا ویحمل النور ایضاعلی ما یعم سائر انواعه "

بہتر یہ ہے کے ظلمات اور نور کا معنی عام مطلقاً تاریکی اور نور مرادلیا جائے تا کہ تمام قسموں کو شامل ہو جائے۔

لہٰذا مطلب یہ ہوگا کے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو کفر سے ایمان کی طرف نکالتا ہے (ایمان والوں سے مراد جن کا ایمان لانا اس کے ارادہ اور علم میں ہے) اور معاصی سے نیکیوں کی طرف نکالتا ہے۔ اور شبہات سے یقین کی طرف نکالتا ہے۔ اور ظلمت دلیل سے نور عیاں کی طرف نکالتا ہے، اور ظلمت وحشت سے نور وصلت کی طرف نکالتا ہے، اور عالم اشباح (عکس، مثال) سے عالم ارواح کی طرف نکالتا ہے۔ (از روح المعانی)

نکتہ: نور کو واحد اور ظلمات کو جمع ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے حق ایک ہی ہے اور باطل کے کئی راستے ہیں اس لئے نور کو واحد ذکر کیا ہے، اور ظلمات کو جمع ذکر کیا ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حق پر قائم رہنے والے تھوڑے ہوں گے اور گمراہ زیادہ ہوں گے۔ (روح المعانی)

شان نزول میں تین احتمال:

﴿۱﴾ یہ آیۃ بنی اسرائیل کے متعلق نازل ہوئی کے ان میں سے بعض لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور بعض نے کفر کیا۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہوا تھا وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

﴿۲﴾ یہ آیۃ ان نصرانیوں کے حق میں نازل ہوئی جو عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے خیال کے مطابق ایمان رکھتے تھے یعنی آپ کو اللہ کا بیٹا یا اللہ کا شریک مانتے تھے، لیکن پھر نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تو ان کو اللہ تعالیٰ نے ظلمت سے نور کی طرف نکال لیا۔

Marfat.com

﴿۳﴾ اور تیسرا احتمال یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیۃ تمام کافروں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا۔ (از کبیر) تمام وجوہ کے بعد جب آیۃ کریمہ کا نزول ہوا تو تمام ہی شان نزول ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں۔

"والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت": "اور کافروں کے ساتھی شیطان ہیں۔"

"والذین کفروا" تین قسم کے کفار کو شامل ہے۔

﴿۱﴾ وہ لوگ جو حقیقۃً کافر تھے۔ ﴿۲﴾ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور علم میں کافر تھے۔

﴿۳﴾ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا ارداہ کیا۔

"اولیاؤھم الطاغوت": "ان کے ساتھی شیطان ہیں"۔

اولیاء سے مراد یا ان کے حقیقی مددگار ہیں، یعنی وہ شیطان ہیں، اور یا اس سے مراد ان کے ارادہ کے مطابق یعنی جن کو یہ اپنا مددگار سمجھتے ہیں وہ شیطان ہیں، یا جادوگر ہیں، یا بت ہیں، اور ہر قسم کے گمراہ کرنے والے، راہ راست سے بھٹکانے والے طاغوت ہی ہیں (واضح ہوا کہ روشن ضمیر اور روشن دماغ عطاء کرنے کے دعویدار اور دین سے برگشتہ کرنے والے درحقیقت طاغوت ہی ہیں، ضال اور مضل کا تاج انہوں نے پہن رکھا ہے) (از روح المعانی)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"الطاغوت" پر الف لام استغراقی ہے، اس وجہ سے بعض قرأتوں میں جمع کا صیغہ "الطواغیت" بھی آیا ہوا ہے، اور "الطاغوت" کا ذکر رب جلیل کے ذکر کے مقابل کر کے ان کے گمراہ کرنے کو مبالغۃً بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو بندے کو اختیار دے رکھا ہے، لیکن شیاطین گویا کہ اسے دنیا اور شر اور باطل راہ کو اس طرح مزین کر کے دکھاتے ہیں کہ اس کی سوچنے کی قوت کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ (از روح المعانی)

Marfat.com

"یخرجونھم من النورالی الظلمات":

"نکالتے ہیں ان کونور سے تاریکیوں کی طرف۔"

شیاطین کفار کونور سے تاریکیوں کی طرف کیسے نکالتے ہیں؟ وہ وسوسے ڈال کرنکالتے ہیں، اوران کے دلوں میں شبہات ڈال کران کونور سے تاریکیوں کی طرف نکالتے ہیں۔

اور وجہ یہ ہے کہ کفاراس حال پر تھے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ معبودان باطلہ ہمارے نفع ونقصان کے مالک ہیں اور یہ ہمیں اللہ کے قریب کرتے ہیں اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں گویا کہ کفار کی بدعقیدگی اور معبودان باطلہ کی عبادت کرنے کوان کے معبودوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمادیا کہ وہ ان کو گمراہ کرتے ہیں۔ (از روح المعانی)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"یخرجون" میں ضمیر جمع مذکر کی جو عقلاء کی طرف لوٹ رہی ہے، یا تو اس میں قاعدہ تغلیب جاری کیا گیا ہے کہ ساحروں اور کاہنوں اور گمراہ کرنے والے انسانوں کو بتوں پر غالب سمجھتے ہوئے ذکر کیا گیا ہے اور یا ان کے دلوں کے مطابق ذکر کردیا گیا کہ وہ اپنے معبودان باطلہ یعنی بتوں کو ذی العقول سمجھتے تھے تو ان کو بتایا کہ تمہارے عقل رکھنے والے معبودان باطلہ تمہیں بے عقل بنا کر جہنم کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں۔ (از روح المعانی)

اعتراض: کافر تو پہلے ہی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے ان کو جب نور حاصل ہی نہیں تھا تو ان کونور سے تاریکیوں کی طرف نکالنے کا کیا معنی؟

پہلا جواب: اس نور سے مراد فطری نور ہے، جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد سے فرمادیا ہے۔

"کل مولو دیولد علی الفطرة فابواہ یھو دانہ اوینصرانہ اویمجسانہ"

ہر بچہ فطرۃ اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اس میں عادت کے مطابق اسلام لانے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جو نور کی مثال ہے) اس کی ماں باپ اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

Marfat.com

واضح ہوا کہ فطری صلاحیت یعنی نور سے گمراہی کی طرف لے جانے میں اس کے ماں باپ جو باطل دین پر ہوتے ہیں ان کا بھی ہاتھ ہوتا ہے اور ہر قسم کے گمراہ کرنے والے بھی اسے گمراہ کر کے تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں ، جو سب ہی طاغوت ہیں ۔

دوسرا جواب: کہ نور سے مراد واضح اور روشن دلائل ہیں جن کی حقانیت کو سمجھنے کے باوجود حسد، ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان نہ لائے اور گمراہ کرنے والوں نے بھی ان کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

تیسرا جواب: کہ " اخراج " (نکالنا) کبھی بمعنی روکنے کی بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں ان کو پہلے نور حاصل ہونا ضروری نہیں۔ اب معنی یہ ہوگا کہ شیطان ان کو نور کی طرف آنے سے روکتے ہیں اور تاریکی میں ہی ان کو رکھتے ہیں۔

چوتھا جواب: مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ آیۃ مرتدین کے متعلق نازل ہوئی، اس لحاظ پر حقیقی نور ایمان مراد ہے کہ جن لوگوں کو نور ایمان حاصل ہوا ان میں سے بعض کو گمراہ کرنے والوں نے مرتد بنا کر تاریکی میں پھر ڈال دیا۔ یعنی مرتد ہونے والوں کے مددگار شیطان ہیں جو ان کو نور ایمان سے نکال کر کفر کی تاریکی میں لے جاتے ہیں۔

(از روح المعانی)

"ظلمات " سے مراد کفر، گمراہی میں منہمک ہونا، آیات و بینات کو دیکھ کر بھی خوف نہ رکھنا اور ہدایت پر نہ ہونا۔

"اولٰئک اصحاب النار": "یہی لوگ آگ والے ہیں۔"

" اولٰئک " کا اشارہ کفار اور ان کے اولیاء کی طرف ہے، یعنی یہی کفار اور ان کو گمراہ کرنے والے آگ والے ہیں کہ آگ کو لازم پکڑنے والے ہوں گے، وجہ اس کی ان کا کفر ہی ہے جو تمام جرائم سے عظیم گناہ ہے ایسا گناہ جو ایمان لانے کے بغیر کسی اور طریقہ سے معاف ہونے والا نہیں۔

"ھم فیھا خالدون": "وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

یعنی کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے، جس سے ان کو نہیں نکالا جائے گا، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ کافروں کے

Marfat.com

لئے وعید شدید ہے۔

تنبیه: جیسا کہ " لا اکراہ" الخ کی بحث کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ روح المعانی میں (اوراسی طرح صاوی میں) مذکور ہے کہ بعض حضرات نے کہا آیۃ الکرسی " ھم فیھا خالدون" تک ہے، اگر چہ دونوں تفسیروں میں ساتھ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حق یہی ہے کہ بعد والی دونوں آیتیں آیۃ الکرسی میں داخل نہیں، تاہم راقم کے نزدیک جب کوئی آیۃ الکرسی پڑھے تو" خالدون " تک پڑھ لے تو یقیناً بہتر ہوگا۔

والدمکرم قاضی عبدالعزیز رحمہ اللہ آیۃ الکرسی عام طور اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ قریب بیٹھا آدمی آسانی سے سن لیتا تھا، آپ " خالدون" تک ہی پڑھتے تھے۔ گاؤں کے اور کئی بزرگوں کو بھی آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے سنا تو وہ بھی" خالدون" تک ہی پڑھتے تھے۔ شائد یہ تربیت والدمکرم کے چچا قاضی رسول احمد المعروف بغلام رسول صاحبِ صرف بھتر ال کی تھی۔

فائدہ جلیلہ:

حضرت علامہ مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ نے جاء الحق میں تفسیر نیشاپوری اور روح البیان کے حوالہ سے نقل فرمایا۔

"یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم" ای یعلم محمد ﷺ مابین ایدیھم من اولیات الامر قبل الخلائق وماخلفھم من احوال القیامۃ" (نیشاپوری)

یعنی " یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم" کی تفسیر یہ ہے کہ حضورﷺ مخلوق کے پہلے کے اولی معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال ہیں وہ بھی جانتے ہیں۔

"یعلم محمد علیہ السلام مابین ایدیھم من الامور الاولیات قبل الخلائق وماخلفھم من احوال القیامۃ وفزع الخلق وغضب الرب" (روح البیان)

حضورﷺ مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اوران کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں یعنی قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ جانتے ہیں۔

Marfat.com

ان تفاسیر کے مطابق "من ذاالذی یشفع" سے لے کر" الا بما شاء "تک آیۃ الکرسی میں تین وصف رسول اللہ ﷺ کے بیان ہوئے، اور باقی صفات رب تعالیٰ کی بیان ہیں۔

☆☆☆☆☆

اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ اَنْ اٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ، اِذْقَالَ اِبْرَاھِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِی وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَااُحْیِی وَاُمِیْتُ قَالَ اِبْرَاھِیْمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَأْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِھَامِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَوَاللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۸)

﴿۱﴾

اے محبوب! کیا تم نے دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے، بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔

﴿۲﴾

کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا اس شخص کی طرف جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق اس وجہ سے کہ دی اس کو اللہ نے بادشاہی، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، کہا ابراہیم نے بیشک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو لے آ اسے مغرب سے تو ہوش اڑ گئے کافر کے، اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوموں کو۔

Marfat.com

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی صفات کو بیان کیا" الحی القیوم" جو خود ہمیشہ کے لئے قائم ودائم ہے اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہے، تو اس آیۃ میں ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا ذکر کیا جو آپ نے نمرود کے سامنے پیش کی کہ میرا رب وہ ہے جو زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اسی طرح پہلی آیۃ میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کافروں کے ساتھی اور حمایتی شیاطین ہیں۔ تو یہاں اسی کی وضاحت فرمادی کہ ابراہیم علیہ السلام کی امداد رب تعالیٰ فرمارہا تھا اور نمرود کا حمایتی شیطان تھا اسی وجہ سے مبہوت ہوگیا، اس کے ہوش اڑ گئے وہ لاجواب ہوگیا۔

مختصر مطلب:

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے آپ کے رب کے متعلق جھگڑا کیا اور آپ سے دلیل طلب کی تو آپ نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے، یعنی جسموں میں موت وحیات کو پیدا کرتا ہے، ایک خدا کو نہ پہنچاننے والے کے لئے یہ بہترین ہدایت تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ خود تیری زندگی رب تعالیٰ کے وجود کی شہادت دی رہی ہے کہ تو ایک بے جان نطفہ تھا جس نے اس نطفہ کو انسانی صورت دی اور حیات عطاء فرمائی وہ رب ہے۔ اور زندگی کے بعد جو جسموں کو موت دیتا ہے وہ رب ہے، اس کی قدرت کی شہادت خود تیری اپنی موت وحیات میں موجود ہے اس کے وجود سے بے خبر رہنا کمال جہالت اور بے وقوفی اور بہت زیادہ بدنصیبی ہے۔

نمرود کی بے وقوفی:

نمرود نے دو شخصوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، یعنی کسی کو گرفتار کر کے چھوڑ دیتا ہوں اسے زندہ کرتا ہوں اور کسی کو قتل کر کے مار دیتا ہوں۔ درحقیقت یہ بات اس کی بے وقوفی کو واضح کر رہی ہے کہ خدائی کا دعویدار یہ بھی نہ سمجھا سکا کہ قتل کرنا اور چھوڑنا کیا ہے اور موت و زندگی کو پیدا کرنا کیا ہے ان میں نسبت ہی کیا ہے۔ قتل کیے ہوئے شخص کو زندہ کرنے سے عاجز رہنا اور بجائے اس کے زندہ کے چھوڑنے کو یہ کہنا کہ میں زندہ کرتا ہوں اس کی ذلت کے لئے کافی تھا عقلمندوں پر ظاہر ہوگیا تھا کہ حضرت

Marfat.com

ابراہیم علیہ السلام کی دلیل قوی اور قطعی ہے، اس کا جواب ممکن نہیں۔

نمرود نے جو دلیل قائم کی تھی اس میں دعوی بھی پایا گیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ اے جھوٹے مدعی الوہیت موت وحیات پیدا کرنا تیری قدرت میں کہاں، بلکہ تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا اس سے آسان کام کر کے دکھا یعنی میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا تو وہ کافر مبہوت ہوگیا، اس کے ہوش اڑ گئے رب تعالیٰ نے اسے لاجواب کر دیا، حالانکہ وہ اس دلیل میں یہ کہہ سکتا تھا کہ سورج کو مشرق کی طرف سے تو میں نکالتا ہوں، تم اپنے رب کو کہو کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالے، لیکن یہ کہنے کی اسے ہمت ہی نہ ہوسکی۔

نمرود کا نسب:

علامہ آلوسی نے بیان کیا ہے، نمرود بن کنعان بن سنجاریب۔ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے، نمرود بن کوش بن کنعان بن سام بن نوح۔ ''واللہ اعلم بالصواب'' اسی طرح دال مہملہ سے بھی ذکر آیا ہوا ہے، اور ذال معجمہ سے نمرود بھی آیا ہوا ہے۔

یہ مناظرہ کب ہوا:

کبیر اور روح المعانی میں دو قول نقل کئے گئے ہیں ایک قول مقاتل رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ بتوں کو توڑنے کے بعد اور آگ میں ڈالنے سے پہلے واقع ہوا۔ اور دوسرا قول حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ واقعہ آگ میں ڈالنے کے بعد کا ہے جبکہ آپ آگ سے باہر تشریف لے آئے۔

تمام روئے زمین کے چار بادشاہ:

جن کو کل دنیا کی بادشاہت حاصل رہی وہ صرف چار شخص ہیں۔ دو مسلمان اور دو کافر، دو مسلمان تھے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبی بھی تھے اور دوسرے سکندر ذوالقرنین، جو صرف روئے زمین کے بادشاہ تھے لیکن صحیح قول کے مطابق وہ نبی نہیں تھے اور دو کافر یہ تھے، ایک نمرود اور ایک شداد بن عاد جس کا نام بخت نصر تھا۔

Marfat.com

شداد نے ہی رب تعالیٰ کے مقابل اپنی خدائی کا دعوی کرتے ہوئے عدن کے جنگلات میں اپنی جنت بنوائی تھی، جنت جب تیار ہوگئی تو دیکھنے گیا ابھی اس کے گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس کی مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ عزرائیل کو حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کرلو۔ (ماخوذ از روح المعانی ، وعزیزی .پ ۱ . خازن)

سب سے پہلے سر پر تاج نمرود نے ہی پہنا یہ جابر وظالم بادشاہ تھا اور اس نے ربوبیت کا دعوی کیا۔

(خازن)

تسکین الجنان کا ایک ورق:

• راقم نے "فبهت الذی کفر" میں تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

"فبهت الذی کفر"

تب حیران رہ گیا وہ کافر۔	(محمود الحسن صاحب)
یہ سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا۔	(مودودی صاحب)
اس پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا۔	(عبدالماجد صاحب)
اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر۔	(اشرف علی صاحب)
تب حیران رہ گیا وہ منکر۔	(شاہ عبدالقادر صاحب)
یہ (سن کر) کافر حیران رہ گیا۔	(فتح محمد)
تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔	(اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ)

اس مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمرود کو لا جواب کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ جب نمرود کو آپ نے یہ فرمایا کہ میرا اللہ تعالیٰ تو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں (آگے واقعہ وہی جو اوپر ذکر ہو چکا ہے) جب ابراہیم علیہ السلام نے اس غبی کی حماقت کو دیکھا کہ سمجھنے کی اہلیت سے محروم ہے تو آپ نے دوسری دلیل پیش فرمادی کہ میرا رب تو سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے اور تو مغرب سے نکال، وہ کافر جواب دینے سے

Marfat.com

عاجز آ گیا، اسی بات کو رب قدوس نے " فبهت الذی کفر " سے ذکر فرمایا۔

اب آپ دیکھیں کہ یہ تراجم" کافر حیران رہ گیا" "ششدر رہ گیا" کیا مقصد واضح کر رہے ہیں؟ نہیں ان سے مقصد واضح نہیں ہو رہا اس لئے کہ اردو زبان میں حیران، ششدر رہنا اور دنگ رہنا مقام تعجب میں بھی بولے جاتے ہیں، جیسے کسی چیز کو خوبصورتی کو دیکھا جائے تو کہا جائے میں اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کسی چھوٹے بچے سے ذہانت کی بات سنی جائے تو کہا جائے میں اس بچے سے یہ بات سن کر" دنگ رہ گیا" اور کسی سے الٹی، سیدھی خبر سن کر کہا جائے میں اس کی بات سن کر" ششدر رہ گیا" یہاں تو معنی لاجواب ہونا ہے، اس معنی کو اعلی حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ زیادہ واضح کر رہا ہے۔ آپ کا ترجمہ یہ ہے" تو ہوش اڑ گئے کافر کے" یہ صرف اسی معنی کو شامل ہے کہ وہ جواب دینے کی ہمت نہ کر سکا۔

" تحیر و دهش " (مدارک وجلالین)

یعنی تفسیر مدارک اور جلالین میں بھی متحیر و مدہوش معنی کیا گیا ہے کہ اس کافر کے جواب نہ دے سکنے پر حیرانگی سے ہوش اڑ گئے۔ (تسکین الجنان بتصرف)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"الم تر"همزة الاستفهام لا نكار النفی و تقرير المنفی" (روح المعانی)

یعنی" الم تر" میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے اور نفی پر نفی آئے تو ثبوت کا معنی پایا جاتا ہے۔" ایسا نہیں کہ آپ نے نہیں دیکھا" یعنی اے محمد مصطفیٰ آپ نے نمرود کے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کو یقیناً دیکھا، (اور یہ وجہ بھی واضح ہے کہ آپ تخلیق میں اول الکائنات ہیں، سارے واقعات آپ کے سامنے گذرے جن کو آپ دیکھ رہے تھے اور یہ بھی احتمال پایا گیا ہے کہ استفہام تعجب کے لئے ہو، جس طرح کہا جاتا ہے۔

"الم ترالی فلان کیف یصنع "

کیا تم نے فلاں کو نہیں دیکھا کیسا کاریگر ہے یعنی اس کی کاریگری کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

یعنی نبی کریم ﷺ کو تعجب دلایا گیا کہ کیا آپ کو علم حاصل نہیں؟ یقیناً آپ کو ہم نے علم عطاء کر دیا ہے کہ وہ شخص جس کو کوئی ولایت حاصل نہ تھی اور نہ ہی رب تعالیٰ سے اسے امداد حاصل تھی، اس نے اس ذات سے مناظرہ شروع کر دیا جسے رب تعالیٰ کی طرف سے امداد حاصل تھی، اسی وجہ سے رب تعالیٰ کی اسی امداد سے محروم ذلیل وخوار ہوا اور لاجواب ہو گیا اس کے ہوش اڑ گئے گویا کہ رب تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اے محبوب دیکھیں۔

"کیف خذلت راس الطاغین و کیف اخذت بالاذناب الارذلین"

میں کیسے سرکشوں کی سرکوبی کرتا ہوں اوران کا کیسے سرنیچے کرتا ہوں اور کیسے ذلیل لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے گرفت میں لیتا ہوں۔ (ازروح المعانی)

فائدہ جلیلہ:

اس واقعہ سے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی گویا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا۔

"ایھا الحبیب و البشر بالنصر فقد نصرت الخلیل و این مقام الخلیل من الحبیب"

اے حبیب آپ خوش ہو جائیں، میں آپ کی امداد بھی کروں گا جبکہ میں نے اپنے خلیل کی امداد کر دی، حبیب کے مقابل خلیل کا کیا مقام ہے؟ یعنی جب حبیب کا مقام خلیل کے مقام سے بلند و بالا ہے تو حبیب کی امداد بھی خلیل کی امداد سے زیادہ ہوگی، لہٰذا آپ کے مقابل سرکش لوگوں کا بھی سرنیچا ہوگا، ذلیل وخوار ہوں گے۔ (ماخوذ ازروح المعانی)

جھگڑے اور مناظرے کی وجہ:

"الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ"

کیا آپ نے نہیں دیکھا اس کی طرف جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق۔

اس کی ویک وجہ یہ تھی "حاج فی معارضتہ ربوبیۃ ربہ" کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس لئے ان کے رب متعلق جھگڑا کیا کہ یہ خود اپنے رب ہونے کا دعویدار تھا، تو اس اس کا مطلب یہ تھا کہ تم بیان کرو تمہارا رب کون ہے، کیا وہ مجھ سے بڑا ہے؟

Marfat.com

" ان آتاه الله الملک" اس وجہ سے کہ دی اس کو اللہ نے بادشاہی۔

"لان آتا ہ اللہ یعنی ان ایتاہ الملک ابطرہ واورثه الکبر فحاج لذلک"

دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی دی یعنی رب تعالیٰ کی طرف اسے بادشاہی دینے کی وجہ سے وہ اکڑ میں آ گیا، اترانے لگا اور متکبر ہو گیا اور اسی ذات کبریاء کے متعلق جھگڑا شروع کر دیا۔ (از مدارک التنزیل)

"وما حمله علی هذ الطغیان والکفر الغلیظ والمعاندة الشدیدة الا تجبره وطول مدته فی الملک وذلک انه مکث اربع مائة سنة فی ملکه"

تیسری وجہ اس کی سرکشی اور کفر اور عناد کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی لمبی مدت کے لئے دی کہ وہ چار سو سال تک حکمرانی کرتا رہا جس کی وجہ سے وہ متکبر ہو کر خدا بن بیٹھا۔ (صابونی)

مسئلہ: "هذه الآیة تدل علی جو از تسمیة الکافر ملکا اذا آتاه الله الملک والعز والرفعة فی الدنیا"

یہ آیۃ کریمہ اس مسئلہ پر دلالت کر رہی ہے کہ کافر کو بادشاہ کہنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں بادشاہت اور دنیاوی عزت اور دنیا میں ظاہری طور پر بلند مرتبہ عطاء کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیاوی جاہ و جلال کی قدر و منزلت اتنی بھی نہیں جتنی مچھر کے پر کی ہوتی ہے۔ (ماخوذ از قرطبی)

"اذقال ابراهیم ربی الذی یحی و یمیت":

"جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے"۔

" یخلق الحیاة والموت فی الاجساد" یعنی وہ جسموں مین موت و حیات کو پیدا فرماتا ہے۔ (بیضاوی)

"قال انا احی وامیت": "اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں"۔

"بالغ من القتل والقتل" یعنی میں قتل کے مستحق کو معاف کر کے زندہ کرتا ہوں اور معافی کے مستحق کو قتل کر کے مارتا ہوں۔ (بیضاوی)

Marfat.com

اس پر اس احمق نے عمل کر کے دکھایا، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

”قال ابراھیم فان اللّٰہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب“:

”کہا ابراہیم نے تو بیشک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے تو تو لے آ اسے مغرب سے۔“

اہلِ علم کی تحقیقی بحث:

بعض حضرات نے بیان کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے عدول کر کے یہ دوسری دلیل دی، اور بعض حضرات نے بیان کیا کہ یہ دوسری دلیل نہیں، بلکہ پہلی دلیل کا ہی حصہ ہے، اس مقام پر تفسیر کبیر اور روح المعانی میں بہت طویل بحث ہے اور کئی اعتراضات وجوابات پیش کئے گئے ہیں، لیکن راقم بہت ہی مختصر طور پر ایک حصہ تنویر الابصار سے اور ایک حصہ صاوی سے پیش کر رہا ہے۔

”قال ابراھیم“ اریدالا حیاء والاماتة بنفخ الروح واخرجه وانت عاجزعن تحریک بعض الاجسام المتحرکة الی جهة بتحویلهاالی اخری مع ان اصل التحریک من آثار الحیاةفاذاعجزت عن اثرمن آثارهامع وجودمثله فانت عنهافی غایة العجز(فان اللّٰہ یأتی بالشمس)بتحریک فلکهاعلی خلاف حرکته الخاصة(من المشرق) الی المغرب(فأت بها)بتحریک فلکهاعلی حرکته الخا صة(من المغرب)الی المشرق ان قدرت علی مقاومته“

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ دلیل دی کہ میرا رب زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس کے جواب میں جب نمرود نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مراد زندہ کرنے سے روح پھونکنا ہے یعنی حیات پیدا کرنا، اور موت دینے سے مراد روح کو نکالنا ہے یعنی موت پیدا کرنا ہے، تو حرکت کرنے والے جسموں کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنے سے عاجز ہے حالانکہ کسی چیز کو حرکت دینا اور پھیرنا زندگی کی علامات میں سے

Marfat.com

ایک علامت ہے، جب تو زندگی کی علامات میں سے ایک علامت سے عاجز ہے تو تو بہت بڑا عاجز ہے اگر تیرا خیال ہے کہ تو اجسام متحرکہ کو پھیرنے کی طاقت رکھتا ہے اور مقابلہ کر سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فلک کی حرکت خاصہ کے خلاف حرکت دے کر سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے تو تو سورج کو فلک حرکت خاصہ کے مطابق حرکت دے کر مغرب سے نکال۔ (تنویر الابصار)

اس سے پتہ چلا کہ ایک ہی دلیل ہے جس کا اعلیٰ حصہ سے پستی کی طرف رخ کیا گیا ہے، یعنی تو موت وحیات پیدا کرنے سے قاصر تو کم از کم سورج کو مغرب سے ہی نکال کر دکھا دے، لیکن جلالین میں ذکر کیا گیا ہے۔

"فلمارآه غبيا(قال ابراهيم منتقلا الى حجة اوضح"

جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بے وقوف ہے تو آپ نے واضح دلیل کی طرف انتقال فرمایا۔

اس پر صاوی نے بیان فرمایا کہ مفسر رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے ایک سوال کا جواب دیا، وہ سوال یہ تھا کہ جب اس کافر نے یہ کہا تھا کہ "میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں" تو مناظرہ کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے اس کا رد کرتے پھر اور دلیل قائم کرتے، آپ نے اس کی دلیل کا جواب دینے سے پہلے ہی اور دلیل کیوں قائم کی۔

"اجاب المفسر بانه لمارآه غبيالم يدقق عليه فى ذلك وانتقل لحجة اخرى"

مفسر رحمہ اللہ نے جواب یہ دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اسے دیکھا کہ یہ تو بیوقوف انسان ہے اس میں دقیق (باریک) دلائل سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں تو آپ نے پہلی دلیل سے واضح دلیل کی طرف انتقال فرمایا۔ (صاوی)

اس سے واضح ہوا کہ مناظر اپنے مقابل کو غبی (کند ذہن) دیکھ کر ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف عدول کر سکتا ہے۔

فائدہ: اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ حق راہ کو ثابت کرنے کے لئے مناظرہ کرنا اور اپنے موقف پر دلائل دینا جائز ہے، قرآن پاک اور حدیث پاک سے واضح ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے، اس طرح اور آیات بھی اسے ثابت کر رہی ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

"قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" ان عندكم من سلطان" قالوا يانوح قدجادلتنا

Marfat.com

فاكثرت جدالنا" وانابرئ مما تجرمون"

اور نبی کریم ﷺ کا نجران کے عیسائیوں سے مناظرہ کرنا اور مباہلہ کا چیلنج کرنا واضح دلیل ہے۔

پھر صحابہ کرام یوم سقیفہ میں خلافت کے معاملہ میں مناظرہ کرنا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہونا بھی اس مسئلہ پر واضح دلیل ہے۔ (ماخوذ از قرطبی)

تنبیہ: "انا" کا آخری الف لکھنے میں آتا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا، جس طرح ہمزہ وصلی درج کلام میں لکھنے میں آتا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا۔ لہٰذا "ان" ہمزہ اور نون کے فتحہ (زبر) سے پڑھا جائے گا۔ (از کبیر)

"فبهت الذی كفر": "تو ہوش اڑ گئے کافر کے"۔

"فتحير وتدهش" یعنی وہ لاجواب ہونے کی حیرانگی میں مبتلاء ہو کر دہشت میں آ گیا اس کے ہوش اڑ گئے۔

(جلالین، مدارک، خازن وغیرہ)

اعتراض: نمرود جب روئے زمین کا بادشاہ تھا تو وہ مبہوت کیوں ہو گیا، اس کے ہوش کیوں اڑ گئے، اور وہ خدائی کا دعویدار بھی تھا تو اس نے یوں کیوں نہ کہہ دیا "فليأت ربك بهامن المغرب" کہ مشرق سے تو سورج میں نکالتا ہوں، تو اپنے رب کو کہہ کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالے۔

پہلا جواب: اگر آگ میں ڈالے جانے اور آپ کے صحیح وسلامت باہر آنے کے بعد یہ مناظرہ تھا تو یہ جواب دیا جائے گا۔

"فعلم ان من قدر علی حفظ ابراهيم فی تلک النار العظيمة من الاحتراق يقدر علی ان ياتی بالشمس من المغرب"

کہ نمرود کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کو جب یہ طاقت حاصل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بہت بڑی آگ سے اس نے بچا لیا ہے تو میں نے اگر یہ مطالبہ کیا کہ وہ سورج مغرب سے لے آئے تو ابراہیم کے کہنے پر وہ سورج مغرب سے لے آئے گا اس میں میری زیادہ ذلت ورسوائی ہوگی، میری خدائی کا بھرم کھل جائے گا، جو بے وقوف مجھے خدا مان

Marfat.com

رہے ہیں وہ بھی چھوڑ جائیں گے۔

دوسرا جواب: "ان اللہ خذلہ وانساہ ایرادھذہ الشبہۃ نصرۃلنبیہ علیہ السلام"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امداد فرمائی کہ نمرود کو ذلیل کر دیا گیا اور اس کے ذہن سے ہی یہ نکال دیا گیا کہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات اس کی عقل میں ہی نہ آ سکے۔ (از کبیر)

یہ دوسرا جواب ہی زیادہ قوی ہے، جو دونوں قولوں کو شامل ہے خواہ مناظرہ آگ کے واقعہ کے بعد ہوا ہو یا پہلے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نبی سے جھوٹے خدا کا مقابلہ کرنا اور غالب آنا ممکن ہی نہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی امداد کر رہا تھا اور جھوٹے خدا کو ذلیل کر رہا تھا، نبی کا مقام تو بہت ہی بلند ہے۔

پھر نبی بھی جلیل القدر اور بلند شان والا اللہ کا خلیل اس کے مقابلے میں کافر نے ذلیل ہونا ہی تھا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی یعنی سید الاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے مقابلہ میں آنے سے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو جرأت نہ کر سکنے کی ذلت میں مبتلاء کیا۔

"واللہ لا یھدی القوم الظالمین": "اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالموں کی قوم کو"۔

"ظالمین" سے مراد یہاں کافرین ہے، یعنی نمرود اور دوسرے کفار کو رب تعالیٰ یہ توفیق ہی نہیں عطاء کرتا کہ وہ اپنے دلائل اور اعتراضات میں اللہ تعالیٰ کے محبوبوں پر غالب آ سکیں۔ (خازن و مدارک)

اور یہ مطلب بھی عموم الفاظ سے لینا زیادہ مناسب نظر آتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں پر کفر کا زنگ لگا ہوا ان کے دلوں میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندوں کی نصیحت کو قبول کر کے راہ راست پر آ جائیں۔

اسی مناظرہ میں دلچسپ واقعہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات نمرود سے کس طرح ہوئی جب آپ سے اس نے مناظرہ کیا؟ وہ اس

Marfat.com

طرح تھی کہ ایک مرتبہ قحط سالی پڑ گئی، لوگ غلہ لینے کے لئے نمرود کے پاس جاتے تھے جو بھی جاتا تھا نمرود اس سے پوچھتا تھا" من ربک" تیرا رب کون ہے؟ اگر وہ جواب دیتا" انت ربی" تو میرا رب ہے تو اسے غلہ دے دیتا تھا ورنہ غلہ نہیں دیتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس غلہ لینے کے لئے گئے تو اس نے پوچھا" من ربک" تمہارا رب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔"ربی الذی یحی ویمیت" میرا رب وہ ہے جو زندگی عطاء کرتا ہے اور مارتا ہے۔(اس کے بعد تمام مناظرہ کا ذکر آیۃ کریمہ کی وضاحت میں بیان ہو چکا ہے)

آپ کو نمرود نے غلہ نہ دیا، آپ واپس آرہے تھے تو ریت کے ایک ٹیلے سے گذرے تو یہ خیال کیا کہ خالی ہاتھ گھر نہ جاؤں وہاں سے ریت کی ایک بوری بھر لی گھر آکر ریت کو اتار کر رکھ دیا اور خود جا کر لیٹ گئے یہاں تک کہ سو گئے، آپ کی زوجہ نے بوری کو کھول کر دیکھا تو اس میں اعلیٰ قسم کی گندم موجود تھی، انہوں نے کھانا تیار کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کی زوجہ نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ آپ کی زوجہ نے بتایا کہ اس غلہ سے تیار کیا ہے جو آپ نے لایا۔

"فعلم ابراھیم ان اللہ قدرزقه فحمداللہ تعالی"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ سے ہمیں یہ رزق عطاء کیا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر بجالایا۔ (از خازن ودر منثور وغیرہ)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ
لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی
طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا
فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۹)

﴿۱﴾

یا اس کی طرح جو گذرا ایک بستی پر اور وہ ڈھی پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا پھر زندہ کر دیا فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں تجھے سو برس گذر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بو نہ لایا اور اپنے گدھے کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطہ نشانی کریں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

﴿۲﴾

یا مثل اس شخص کے جو گذرا ایک بستی پر اور وہ گری ہوئی تھی اپنی چھتوں پر کیا اس نے کہا اس نے کیسے زندہ کرے گا اس اللہ موت کے بعد تو موت دی اسے اللہ نے سو سال

Marfat.com

تک پھر اسے اٹھایا۔ کہا تم کتنا ٹھہرے ہو، عرض کیا ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تم ٹھہرے ہو ایک سو سال تو دیکھ اپنے کھانے اور پینے کو تبدیل نہیں ہو اا ور دیکھ اپنے گدھے کو اور بناتے ہیں ہم تمہیں نشانی لوگوں کے لئے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کس طرح ہم ان کو اٹھان دیتے ہیں پھر ہم انہیں پہناتے ہیں گوشت، تو جب خوب ظاہر ہوا اس پر، کہا میں خوب جانتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ماقبل سے تعلق:

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ذکر فرمایا کہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ابراہیم علیہ السلام کی امداد فرمائی ان کو خدائی کے دعویدار بادشاہ پر برتری دی اور اس کافر کو مبہوت کر کے ذلیل وخوار کر دیا۔ اس آیہ کریمہ میں مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت کا ذکر فرمایا کہ اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کے کہنے پر ان کے سامنے مردہ کو زندہ کر کے دکھادیا تا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر علم الیقین سے ترقی دے کر عین الیقین کے درجہ پر فائز کر دیا جائے۔

مختصر مطلب:

حضرت عزیر علیہ السلام ایک تباہ شدہ بستی سے گذرے تو بطور تعجب عرض کیا کہ اس بستی والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا وہ کیسی خوب قدرت ہوگی، وہ کیسے خوب انداز سے ان کو زندہ کرے گا، دل دل میں ہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے کسی مردہ کو زندہ کرے تا کہ میرا علم جو پہلے خبر سے حاصل ہے اب وہ اس سے بڑھ کر آنکھوں دیکھے حال تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سو سال تک وہاں ہی مردہ حال میں ٹھہرا دیا، یعنی ان پر موت کو مسلط کر دیا، اور اسی حال میں ان کو ایک سو سال وہی ٹھہرائے رکھا، پھر ان کو زندہ کر کے اٹھایا اور ان سے پوچھا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہو انہوں نے اندازہ سے عرض کیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم مقدار میں ٹھہرا ہوں گا تو رب تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تم تو یہاں ایک سو سال ٹھہرے ہو، اب میری قدرت کو آنکھوں سے دیکھو، اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو

Marfat.com

دیکھو وہ جوں کی توں ہیں، ان میں ذرا بھر بھی تبدیلی واقعہ نہیں ہوئی اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو، جس کی ہڈیاں گل سڑ گئیں، اب دیکھو اسے ہم تمہارے سامنے زندہ کرتے ہیں، کس طرح ہم اس کی ہڈیوں کو جمع کر کے جوڑ کر اسے پھر سے اٹھان دیتے ہیں اور کیسے اس پر گوشت چڑھاتے ہیں، ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا ہے، جب عزیر علیہ السلام پر مردہ کو زندہ کرنا خوب واضح ہو گیا تو آپ نے کہا کہ آنکھوں سے دیکھنے کی وجہ سے اب میرے علم میں خوب ترقی ہو چکی ہے میں خوب طور پر جان گیا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فائدہ: راقم کو اس واقعہ سے عجیب نکتہ سمجھ آیا کہ رب تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کے کھانے اور پینے کی چیزوں کو ذرا بھر بھی نہیں تبدیل ہونے دیا، ان میں نہ بو واقع ہوئی اور نہ ہی سو سال تک وہ خشک ہو کر برباد ہوئیں اس سے اشارہ اس طرف کیا گیا کہ میں انبیاء کرام اور اولیاء کرام، صلحاء کے جسموں کو دفن کے بعد ایسے ہی محفوظ رکھتا ہوں جیسے تمہارے کھانے پینے کی چیزوں کو محفوظ رکھا، صلحاء کے جسموں کو گلنے سڑنے نہیں دیتا اور نہ ہی زمین ان کو کھاتی ہے، اس پر حدیث پاک کے یہ الفاظ شاہد ہیں۔

''ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء''

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔

اور گدھے کی ہڈیوں کو بکھیر کر اور ریزہ ریزہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ کفار اور بعض گنہگار مسلمانوں کے جسموں کو ہڈیاں ہڈیاں کر دیا جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں، لیکن ان کو بھی ایسے ہی زندہ کر لیا جائے گا جیسا کہ تمہارے سامنے تمہارے گدھے کی گلی سڑی ہڈیوں کو جوڑ کر ان پر گوشت چڑھا کر زندہ کیا جا رہا ہے۔ (راقم)

''او کالذی مر علی قریۃ'': ''یا مثل اس شخص کے جو گذرا ایک بستی پر''۔

اس کا عطف ہے '' الم تر الی الذی حاج ابراھیم'' پر، اب مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو جو گذرے ایک بستی پر۔

وہ گذرنے والا شخص کون تھا؟ صحیح قول یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر بن شرخیا علیہ السلام تھے۔

Marfat.com

یہی روایت مستدرک حاکم میں ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اسحٰق بن بشر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی روایت ذکر کی، یہی قول حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ اور حضرت ربیع اور ضحاک اور سدی رضی اللہ عنہم کا ہے۔" و علیه خلق کثیر" یہی قول بہت سے اہل علم حضرات کا ہے اور یہی قول معتبر ہے۔ (از روح المعانی)

وہ بستی کون سی تھی؟"والقریۃالمذکورۃھی بیت المقدس" جس بستی کا یہاں ذکر ہے وہ بیت المقدس ہے، یہی قول وہب بن منبہ اور قتادہ اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہم کا ہے اور بھی کئی حضرات کا یہی قول ہے۔ (قرطبی)

"وھی خاویۃ علی عروشھا": اور وہ گری ہوئی اپنی چھتوں پر۔

گھر کی چھت کو" عریش" کہا جاتا ہے، اسی طرح ہر خیمہ یا چھت وغیرہ جس سے سایہ حاصل کیا جائے اسے بھی" عریش" کہا جاتا ہے، اور ہر وہ جگہ جہاں آدمی چھپ سکے اسے بھی عریش کہا جاتا ہے، کنوئیں کی ارہٹ کے اوپر چھت کو " عریش الدالیہ" کہا جاتا ہے۔ چھت پر گرنے کا مقصد یہ تھا" سقطت القطت الحیطان علیھا" بستی کے مکانوں کی چھتیں گری ہوئی تھیں، ان کے اوپر دیواریں گری ہوئی تھیں۔ (قرطبی)

"قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا":

" کہا کیسے زندہ کرے گا اللہ اسے بعد اس کی موت کے۔"

حضرت عزیر علیہ السلام نے یا تو دل میں کہا اور یا زبان سے کہا جیسا کہ عام طور انسان کی عادت یہی ہے کہ وہ تعجب کے وقت اکیلا ہو تو پھر بھی بلند آواز سے کہتا ہے یہ کیسے ہوگا؟

دینی طلباء کے لئے:

" ھذہ" کا اشارہ یا بستی کی طرف ہے اس صورت میں "اماتۃ" اور " احیاء "کا معنی مجازی ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اس بستی کو برباد ہونے کے بعد کیسے آباد کرے گا اور یا حذف مضاف ہے، یعنی" اصحاب ھذہ القریۃ "اس

Marfat.com

صورت میں ''احیاء'' اور'' اماتۃ ''کا مفہوم حقیقی ہوگا۔اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی والے لوگوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ (روح المعانی)

راقم کے نزدیک دونوں کا مطلب ایک ہی ہے کیونکہ بستی کو برباد ہونے کے بعد آباد کرنے کا مطلب بھی بستی کے لوگوں کو ہی زندہ کرکے آباد کرنا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ ارشاد اللہ کی قدرت میں شک کرنے کی وجہ سے نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے یہ عام مومن بھی نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ کا نبی کیسے شک کرسکتا ہے، پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب قاضی بیضاوی رحمہ اللہ ان لفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''(قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا) اعترافا بالقصور عن معرفۃ طریق الاحیاء واستعظاما لقدرۃ المحی''

حضرت عزیر علیہ السلام برباد شدہ بستی کو دیکھ کر تعجب کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے زندہ کرے گا جبکہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوچکی ہیں یہ درحقیقت اپنی معرفت کے قصور کا اعتراف تھا کہ آج تک ایسی حالت سے کسی کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں، اور زندہ کرنے والے کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے کہا۔ (از بیضاوی)

''فاماته اللہ مائۃ ثم بعثه'': ''تو موت دی اسے اللہ نے سو سال تک پھر اسے اٹھایا''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سو سال تک مردہ حالت میں ٹھہرایا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت عطاء کردی اور آپ ایک سو سال ٹھہرے رہے۔

'' ثم بعثه'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کرکے پھر اٹھایا۔ (ماخوذ از بیضاوی)

کہا جاتا ہے ''بعث الشیٔ'' فلاں چیز کو اپنی جگہ سے اٹھالیا۔اسی طرح کہا جاتا ہے '' بعث الناقۃ '' میں نے اونٹنی کو اس کی جگہ سے اٹھایا، اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جانے کو بھی '' یوم انبعث'' کہا جاتا ہے۔

(از شیخ زادہ)

Marfat.com

نکتہ: رب تعالیٰ نے فرمایا" ثم بعثه " پھر اسے اٹھایا، یہ نہیں فرمایا " ثم احیاہ " پھر اسے زندہ کیا۔ اس لئے کہ اس سے یہ اشارہ کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پہلی حالت کی طرف لوٹایا یعنی آپ کو زندہ کیا اور عقل وفہم پہلے کی طرح عطاء کئے، اور نظر و استدلال اور معرفت الٰہیہ عطاء کی۔

" ولو قال" ثم احیاہ" لم تحصل هذه الفوائد "

اور اگر رب تعالیٰ" ثم بعثه" کہ جگہ " ثم احیاہ "فرماتا تو یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ (شیخ زادہ)

"قال کم لبثت": " کہا تم کتنا ٹھہرے ہو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے سو سال کے بعد آپ کو زندہ، صحیح وسلامت اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹا کر پوچھا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟

" کم لبثت" کا معنی ہے" کم مکثت" تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ (جلالین)

"قال لبثت یوما او بعض یوم": کہا میں ٹھہرا ہوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔

آپ پر جب موت کو مسلط کیا گیا تو وہ چاشت کا وقت تھا اور جب آپ کو اٹھایا گیا تو وہ غروب کے قریب کا وقت تھا، جب آپ سے رب تعالیٰ نے پوچھا تم کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ تو آپ کا جواب ایک تو ایسا تھا" کقول الظان" جیسا کہ کوئی گمان کرنے والا اپنے گمان کے مطابق جواب دیتا ہے، یقین سے نہیں۔

اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے خوبصورت ترجمہ کیا ''عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم''

فقال قبل النظر الی الشمس یوما ' حضرت عزیز علیہ السلام نے سورج کی طرف نظر کرنے سے پہلے عرض کیا ایک دن ٹھہرا ہوں گا۔

"ثم التفت فرای بقیۃ منها فقال "او بعض یوم "علی الاضراب"

پھر جب سورج کو دیکھا کہ ابھی تو سورج غروب نہیں ہوا بلکہ دن کا کچھ حصہ باقی ہے تو پہلی بات سے اضراب کر کے (یعنی پہلی بات سے ہٹ کر) کہا کہ ''دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں'' (بیضاوی)

Marfat.com

"قال بل لبثت مائة عام": "کہا بلکہ تم ٹھہرے ہوا یک سوسال۔"

یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دن یا کچھ کم ٹھہرنے والی بات نہیں بلکہ تم تو ایک سو سال وفات کی حالت میں ٹھہرے رہے۔

"فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ":

"تو دیکھ اپنے کھانے اور پینے کو جو تبدیل نہیں ہوا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا آپ کو مشاہدہ کرایا اور ارشاد فرمایا کہ اپنے کھانے پینے کی اشیاء یعنی انجیر اور انگور، اور نچوڑ (مشروب) اور دودھ کو دیکھ ایک سو سال گذر جانے کے باوجود ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، نہ ان کی بو بدلی۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"لم یتسنہ" اصل میں کیا ہے، اس میں تین احتمال ہیں۔ چونکہ معنی سب صورتوں میں ایک ہی ہے اس لئے سب احتمال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

﴿۱﴾ آخر میں "ہا" لام کلمہ ہے، اصل میں "سنہ یسنہ سنہا" ہے، اور "ہاء" پر جزم لم جازمہ کی وجہ سے ہے، عام طور پر استعمال ہوتا ہے "تسنہ یتسنہ تسنہا" ای تغیر "معنی اس صورت میں بھی تبدیل ہونا ہی ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا احتمال یہ ہے کہ "ہا" سکتہ کے لئے ہو، اصل میں "ناقص واوی" ہو، اس صورت میں لام کلمہ واو یاء بن کر اور یاء الف بن کر لم جازمہ کی وجہ سے محذوف ہے، اور ہاء سکتہ کے لئے ہے "تسنی یتسنی" کا معنی بھی تغیر وتبدیل ہی آتا ہے۔

جب دو احتمال ہو گئے کہ اصل اس کا "سنہ" ہے اور کبھی "سنو" آتا ہے، اسی وجہ سے اس کی تصغیر کبھی "سنیہ" بھی آتی ہے جو کہ اس کی اصل "سنہ" پر دلالت کرتی ہے اور کبھی اس کی تصغیر "سنیہ" بھی آتی ہے جو اس کے اصل "سنو" پر دلالت کرتی ہے۔

Marfat.com

﴿۳﴾ کہ اصل میں لام کلمہ نون ہے جیسا کہ " من حمأ مسنون "میں مسنون کا" بدلی ہوئی بو" ہے، پھر نون کو یاء بنایا گیا جیسا کہ " تظنن "میں نون کو یاء بنا کر " تظنی " پڑھا جاتا ہے۔

اس صورت میں ہاء وقف کی ہوگی، وصل کی صورت میں " لم یتسن " پڑھا جائے گا اور وقف کی صورت میں " لم یتسنہ " پڑھا جائے گا۔ معنی اس صورت میں بھی بدلنے والا ہی ہے۔

یعنی تینوں صورتوں میں معنی ایک ہی رہے گا" اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی"۔ (بیضاوی از شیخ زادہ)

طلباء کرام ایک اور توجہ فرمائیں:

" ولم یتسنہ" افرادالضمیر لان الطعام والشراب کالجنس الواحد"

" ولم یتسنہ " میں مرفوع کی ضمیر واحد ہے حالانکہ پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے" کھانے اور پینے کا" اس کی وجہ یہ ہے کہ" کھانا اور پینا" ایک ہی جنس ہے اس لئے ضمیر واحد کی لوٹا دی۔ (بیضاوی)

"وانظر الی حمارک": "اور دیکھو اپنے گدھے کو۔"

یعنی اپنے گدھے کو دیکھو اس کی ہڈیاں کیسے بکھر چکی ہیں، گدھے کو اس حال میں اس لئے کیا ہے تا کہ آپ اس کی گلی سڑی ہڈیوں کو بھی دیکھیں، پھر اسے زندہ ہوتے بھی دیکھیں۔ (ماخوذ از جلالین)

"ولنجعلک آیۃ للناس": "اور بناتے ہیں ہم تمہیں نشانی لوگوں کے لئے۔"

یہ مختصر الفاظ عظیم مطالب کو شامل ہیں کیونکہ حضرت عزیز علیہ السلام کو لوگوں کے لئے نشانی بنانے کے کئی مطالب ہیں۔

﴿۱﴾ "(ولنجعلک آیۃ) علی البعث (للناس)

آپ کو سو سال تک وفات عطاء کر کے پھر زندہ کرنا لوگوں کے لئے قیامت پر دلیل ہے اور نشانی ہے، کہ جس ذات نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ایک سو سال کے بعد زندہ کیا وہ باقی لوگوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے، اور جس ذات نے آپ کے سامنے گدھے کی گلی سڑی ہڈیوں کو جوڑ کر زندہ

Marfat.com

فرمادیا وہ قیامت کے دن بھی لوگوں کو بوسیدہ ہڈیوں سے زندہ کردے گا۔ (جلالین مع وضاحت)

یہی معنی تنویر الابصار اور صابونی میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو سوسال بعد زندہ کرنا قیامت پر دلیل ہے۔

﴿۲﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق بیان کیا۔

"وجعلناھا وابنھا آیۃ للعلمین"

اور ہم نے اسے (مریم کو) اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنایا۔

یعنی رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کو پنگھوڑے میں بولنے کی طاقت دی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عظیم دلیلیں ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی رب تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر دلیل ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

﴿۳﴾ "(ولنجعلک آیۃ للناس) یدل علی التشریف العظیم"

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو نشانی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بہت شرافت اور بلند مرتبہ والے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کو لوگوں کی عبرت کے لئے نشانی بنایا۔

"ای لانھم یعتبرون بذلک ویعرفون بہ قدرۃ اللہ تعالی ونبوۃ نبی ذلک الزمان"

کہ وہ لوگ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اللہ کی قدرت کو پہچانیں اور اپنے زمانے کے نبی کی نبوت کو پہچانیں اور ایمان لائیں تاکہ قیامت کے دن کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ (از کبیر)

"وانظر الی العظام": "اور دیکھ ہڈیوں کی طرف"۔

اس سے مراد گدھے کی ہڈیاں ہیں پہلے حکم دیا۔" وانظر الی حمارک "اور دیکھ اپنے گدھے کی طرف۔

اس میں مقصد یہ تھا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو ایک سوسال گذر جانے کی وجہ سے کیسے وہ ہڈیاں ہڈیاں ہوگیا، ہڈیاں اس کی بکھر گئیں، پرانی ہوکر گل سڑ گئیں، ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ اب جو گدھے کی ہڈیاں دیکھنے کا حکم دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ اب دیکھو ہم کس طرح ہڈیوں کو جوڑ کر ان پر گوشت چڑھا کر زندہ کرتے ہیں، یہ قول سدی رحمہ اللہ کا ہے

Marfat.com

یہ قول معتبر ہے۔

ایک قول اور یہ ہے کہ تباہ شدہ بستی کے لوگوں کی ہڈیوں کو دیکھنے کا حکم دیا گیا اسی طرح ایک اور قول یہ ہے کہ پہلے آپ کو ایک سو سال کے بعد زندہ کرنے کے لئے آنکھیں عطاء کیں، پھر کہا تم اپنی ہڈیوں کو دیکھو۔

ایک اور قول یہ ہے کہ حکم یہ تھا کہ تم اپنی ہڈیوں کو دیکھو اور اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو۔ پہلے قول کے بعد تینوں اقوال کے متعلق علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" والکل لا یعول علیه" ان تمام اقوال میں سے کسی ایک پر بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ (از روح المعانی)

"کیف ننشزھا": "کس طرح ہم ان کو اٹھان دیتے ہیں۔"

"ننشزھا" انشاز (زاء معجمہ) سے لیا ہوا ہے جس کا معنی ہے "اٹھانا"

"کیف نرفعھامن الارض فنردھاالی اماکنھامن الجسد"

یعنی اپنے گدھے کی ہڈیوں کی طرف دیکھو کس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر اس کے جسم کے اپنی اپنی جگہ پر رکھتے ہیں۔

کسائی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے " کیف نلینھا و نعظھما" ہم کس طرح ان کو نرم کرتے ہیں اور ان کو بڑا کرتے ہیں۔

(روح المعانی)

اعلی حضرت رحمہ اللہ کا کیسا پیارا ترجمہ ہے "کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے ہیں' راقم نے بھی اسی سے نقل کیا ہے۔

"ثم نکسوھا لحما": "پھر ہم انہیں پہناتے گوشت"

" ای نسترھا به کما نستر الجسد با للباس" یعنی تم دیکھو کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح گوشت سے چھپاتے ہیں جس طرح لباس سے جسم کو چھپایا جاتا ہے۔

(روح المعانی)

Marfat.com

"فلما تبین لہ": "تو جب خوب ظاہر ہوا اس پر۔"

راقم نے ترجمہ میں خوب کا لفظ بڑھایا ہے، روح المعانی کے ان الفاظ کو دیکھ کر "اتضح اتضاحا تاما له مادل علیه الامر من کیفیة الاحیاء بمادیه" ہڈیوں کو جڑتے ہوئے زمین سے اٹھ کر ایک دوسرے پر اٹھان سے ہی آپ پر کامل طور پر واضح ہو گیا۔ "یعنی خوب ظاہر ہو گیا" کہ اب اسے زندہ ہونا ہی ہے پھر آپ کی آنکھوں کے سامنے زندہ کیا جانا مزید اس پر دلیل ہے کہ آپ پر معاملہ "بہت خوب ظاہر ہو گیا"۔

"قال اعلم ان اللّٰہ علی کل شیٔ قدیر":

"کہا میں خوب جانتا ہوں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

علامہ آلوسی رحمہ اللہ "قال اعلم" کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں' ومن جملته ما شوهد" آپ کو مشاہدہ کرا دیا گیا یعنی پہلے فقط علم تھا اب مشاہدہ حاصل ہو گیا۔ (روح المعانی)

تفسیر صاوی میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو علم یقین سے عین الیقین حاصل ہو گیا، یعنی اس کا مطلب کوئی غلط نہ سمجھ بیٹھے کہ آپ کو پہلے یہ علم حاصل نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق یہ گمان کرنا ممکن نہیں جبکہ ہر مومن یہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے مطلب یہی ہے کہ پہلے علم الیقین تھا، مشاہدہ کے بعد اس میں ترقی ہو گئی اور عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔

حضرت عزیز علیہ السلام کا واقعہ:

بخت نصر نے جب بیت المقدس کو خراب کر دیا۔ تو بابل میں بنی اسرائیل کے قیدیوں کو لایا گیا جن میں حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام بھی تھے اور حضرت داود علیہ السلام کی اولاد سے بھی ایک جماعت قید ہو کر آئی۔ جب حضرت عزیر علیہ السلام نے نجات پائی تو آپ دجلہ کے کنارے ہرقل کے عبادت خانہ میں آئے بستی کو دیکھا جو تباہ و برباد ہو چکی تھی کوئی شخص نظر نہیں آرہا تھا آپ نے درختوں کے پھل کھائے اور انگور کا نچوڑ پیا، پھر آپ نے کچھ پھل

Marfat.com

اپنی ٹوکری میں ڈال لئے اور انگور کا نچوڑ چھوٹے مشکیزہ میں ڈال لیا۔ اس وقت بستی کو تباہ شدہ دیکھ کر رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا" انی یحی هذه الله بعد مو تها " کیسے زندہ کرے گا اللہ ان کو موت کے بعد۔ (مظھری)

آپ کو ایک سو سال کے بعد وفات کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ زندہ کیا اور آپ کے سامنے آپ کے گدھے کو بھی زندہ کیا تو آپ اسی گدھے پر سوار ہو کر اپنے شہر اور محلہ میں آئے لوگ آپ کو نہیں پہنچاتے تھے اور آپ لوگوں کو نہیں پہچان رہے تھے، نہ ہی آپ کو اپنے گھر کا یقین آ رہا تھا، سو سال میں مکانوں کے نقشے بدل چکے تھے، آپ اپنے گمان کے مطابق اپنے گھر میں گئے، وہاں ایک بوڑھی نابینا عورت تھی جو چل پھر نہیں سکتی تھی جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی یہ آپ کی لونڈی تھی جب حضرت عزیر علیہ السلام اپنے گھر سے گئے تھے اس وقت لونڈی کی عمر بیس سال تھی، آپ نے اس سے پوچھا کیا یہی گھر عزیر کا ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں، یہ کہتے ہی وہ رونے لگ گئی اور کہنے لگی میں نے اتنے عرصہ سے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے عزیر کا ذکر کیا ہو، لوگ اسے بھول چکے ہیں عزیر ہم سے گم ہو گئے، ان ان کا کوئی پتہ نہیں اور نہ ہی ہم نے ان کا ذکر سنا۔ آپ نے فرمایا بیشک میں عزیر ہی ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک سو سال تک وفات کی حالت میں رکھا، پھر مجھے زندہ کر دیا۔

اس عورت نے کہا بیشک حضرت عزیر تو مستجاب الدعوات تھے، ان کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا تھا، وہ کسی مریض کے لئے دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطاء فرماتا اور اگر کسی مصیبت زدہ کے لئے دعاء فرماتے تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور فرماتا۔ اگر تم واقعی عزیز ہو تو میرے لئے دعاء فرماؤ اللہ تعالیٰ میری نظر لوٹا دے تو تاکہ میں دیکھ کر تمہیں پہچان سکوں آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے دعاء کی اور جب یقین ہو گیا کہ یہ میری لونڈی ہے تو آپ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی نظر صحیح ہو گئی، اور حضرت عزیر نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا "قوی باذن الله" اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ، تو اللہ تعالیٰ نے اسے چلنے کی توفیق عطاء فرما دی، وہ اس طرح صحیح و سلامت اور چست ہو کر، پھرتیلی ہو کر چلنے لگی جس طرح جانور کی رسی کو کھولا جائے تو اس کی حالت ہوتی ہے۔

جب اس عورت نے آپ کو دیکھا تو کہنے لگی " اشهد انک عزیر " میں گواہی دیتی ہوں بیشک آپ عزیر ہیں۔ یہ عورت آپ کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کے محلہ میں گئی جہاں ان کے مکانات اور محافل و مجالس قائم ہوتیں،

Marfat.com

وہاں آپ کا ایک بیٹا تھا جو ایک سو اٹھارہ سال کا بوڑھا تھا اور آپ کے پوتے بھی بوڑھے تھے، لیکن آپ چالیس سال کے تھے کیونکہ آپ پر جب موت کو مسلط کیا گیا تھا آپ کی عمر چالیس سال تھی، اور جب آپ کو زندہ کیا گیا تو اس وقت بھی آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

اس عورت نے لوگوں کو بتایا یہ عزیر ہیں پہلے تو ان لوگوں نے اس کی بات کو نہ مانا لیکن جب اس نے بتایا کہ میں تمہاری لونڈی ہوں میرا نام یہ ہے، مجھے ان کی دعاء سے ہی نظر واپس مل گئی اور مجھے چلنے پھرنے کی طاقت حاصل ہوگئی جبکہ اس سے پہلے میں چلنے پھرنے سے عاجز ہو چکی تھی۔

اس عورت کی بات کو سن کر بنی اسرائیل اٹھے، حضرت عزیر کو دیکھنے لگے، آپ کے بیٹے نے کہا میرے باپ کے کندھوں کے درمیان سیاہ بال ھلال (ابتدائی دو تین تاریخوں کے چاند) کی طرح تھے، جب آپ کے کندھوں کو دیکھا گیا تو ان کے درمیان سیاہ بالوں کا چاند نظر آ گیا، کافی حد تک لوگوں کو اطمینان حاصل ہو گیا کہ یہ عزیر ہیں، مزید یقین حاصل کرنے کے لئے وہ کہنے لگے کہ ہم میں توراۃ صرف عزیر علیہ السلام کو یاد تھی۔ بخت نصر (کافر بادشاہ) نے توراۃ کو جلا دیا ہے، اس لئے اب ہمارے پاس توراۃ نہیں اگر تم واقعی عزیر ہو تو توراۃ سنا دو اور لکھا دو، آپ نے توراۃ لکھا دی۔

بخت نصر کے زمانہ میں توراۃ کا ایک نسخہ آپ کے باپ نے دفن کر دیا تھا جس کی جگہ کو بھی صرف آپ ہی جانتے تھے توراۃ لکھانے کے بعد اس جگہ کی آپ نے نشاندہی کی، وہاں سے توراۃ کا نسخہ نکال لیا گیا۔ آپ کے لکھائے ہوئے توراۃ کے نسخہ اور پہلے کے مدفون توراۃ کے نسخہ کو نکالنے کے بعد ان دونوں نسخوں کو حرف بحرف پڑھا گیا۔

"فما اختلفا فی حرف واحد" ان دونوں نسخوں کے درمیان ایک حرف کا بھی اختلاف نظر نہ آیا۔

(ماخوذ از روح المعانی و درمنثور)

تنبیہ: دفن شدہ توراۃ کے نسخہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ جو لوگ بخت نصر کے قیدی ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ میرے دادا نے توراۃ کا ایک نسخہ ایک مٹکے میں بند کر کے اپنے انگور کے باغ میں دفن کر دیا تھا اگر تم مجھے میرے دادا کے انگوروں کے باغ کی نشاندہی کرو تو وہاں سے وہ نسخہ نکالا جا سکتا ہے لوگوں نے اسے بتایا تو جگہ کھود کر وہ نسخہ نکالا گیا، اس سے جب عزیر علیہ السلام کے لکھوائے ہوئے نسخہ

Marfat.com

سے موازنہ کیا گیا تو حرف بحرف برابر پایا۔ (تفسیر ابی السعود)

تنبیہ: کئی صدیوں سے جن باطل فرقوں کا مفسرین کرام، شارحین احادیث، علماء ربانیین نے کامل طور پر رد فرمایا آج ان ہی باطل فرقوں کا پھر سے پرچار ہونے لگا، اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں بھی جو باطل قول بیان ہوا اسے ذکر کرکے اس کا تقاسیر کی رو سے رد کیا جائے۔

وہ باطل قول یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں جس شخص کا ذکر ہے وہ کافر تھا، قیامت کے متعلق اسے شک تھا تو یہ سوال اس کا تھا کہ اس بستی والوں کو کیسے اللہ زندہ کرے گا جو مر کر تباہ ہو چکے ہیں۔ اس قول کا رد علامہ رازی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: "ولنجعلک آیة للناس" ہم نے آپ کو لوگوں کیلئے نشانی بنایا۔

"ان المراد منه التشريف و التعظيم و الوعد بالدرجة العالية في الدين و الدنيا، و ذلك لا يليق بمن مات على الكفر و الشك في قدرة الله تعالى"

اس سے مراد بزرگی بیان کرنا، اور عظمت کا ذکر کرنا، اور دین و دنیا میں درجات بلند کرنے کا وعدہ کرنا، یہ لائق نہیں اس کے جو کفر پر مر جائے اور اللہ کی قدرت میں شک کرے۔ (کبیر)

اس سے واضح ہوا کہ یہ قول ہی سرے سے باطل ہے کہ اس آیت کریمہ میں کافر کا ذکر ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۰)

﴿۱﴾

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا، فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلالے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلتے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

﴿۲﴾

اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب دکھا مجھے، کیسے زندہ کرتا ہے تو مردوں کو، کہا کیا تمہیں یقین نہیں۔ کہا کیوں نہیں، اور لیکن مطمئن ہو جائے میرا دل کہا تو پکڑ چار پرندے، تو مائل کر لے ان کو اپنی طرف، پھر کر پہاڑ پر ان سے ایک ایک ٹکڑا، پھر بلا ان کو، وہ آئیں گے تیرے پاس تیزی سے، اور جان رکھ بیشک اللہ غالب ہے (اور) حکمت والا ہے۔

مختصر مطلب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریا کے کنارے ایک مردہ شخص کو دیکھا جو حبشی دکھائی دے رہا تھا، دریائی

Marfat.com

جانور آتے ہیں اس مردہ کا گوشت کھاتے ہیں پھر درندے آتے ہیں وہ گوشت کھاتے ہیں پھر پرندے آتے ہیں وہ اس کا گوشت نوچتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا تو رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے میرے رب اس مردہ شخص کو مختلف دریائی جانوروں اور درندوں اور پرندوں نے کھالیا ہے پھر وہ جانور، درندے اور پرندے مر جائیں گے جن کی ہڈیاں بکھر جائیں گی تو تو ان کو کیسے زندہ کرے گا، رب تعالیٰ نے فرمایا کیا آپ کو یقین نہیں آپ نے عرض کیا اے اللہ یقین تو ہے، میں چاہتا ہوں کہ مردوں کو ظاہر طور پر زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لوں تاکہ دل کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے پکڑلو، ان کو اپنے ساتھ ہلا ملا لو، تاکہ تم ان کو پہچان سکو کہ یہ وہی پرندے ہیں پھر ان کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر ان ٹکڑوں کو رکھ دو، پھر ان پرندوں کو بلاؤ وہ تمہارے پاس تیزی سے آجائیں گے، اور تم اپنے اس علم پر قائم رہو، جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی اور وہ حکمت والا ہے، اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ (ماخوذ از در منشور)

ماقبل سے تعلق:

پہلی آیۃ کریمہ میں بھی اللہ کے نبی کے سوال پر ظاہر طور پر مردہ کو زندہ کر کے دکھایا گیا اور قیامت پر دلیل قائم کی گئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی اسی طرح مردوں کو زندہ فرمائے گا۔ اس آیۃ کریمہ میں بھی اللہ کے نبی کے سوال پر مردوں کو زندہ کر کے قیامت پر دلیل قائم کی گئی۔ (ماخوذ از شیخ زادہ)

اعتراض: جب دونوں آیتوں کا مقصد بیان ایک ہی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے دونوں نبیوں کے مطالبہ پر مردے زندہ فرمائے اور مردوں کو زندہ کر کے قیامت پر دلیل بنایا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ عزیر علیہ السلام کا نام ذکر نہیں فرمایا صرف یہ فرمایا۔

"او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا"

یا مثل اس شخص کے جو گذرا ایک بستی پر جو گری ہوئی تھی چھتوں پر۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا "واذقال ابراھیم" (یاد کر اس وقت

Marfat.com

کو جب ابراہیم نے کہا) تو وجہ فرق کیا ہے۔

جواب : جیسا کہ اسی پارہ کی پہلی آیۃ کریمہ میں گذر چکا ہے کہ انبیاء کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی، اس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا، اور بلند درجہ عطاء فرمایا، جو مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطاء کیا گیا وہ حضرت عزیز علیہ السلام کو عطاء نہیں کیا گیا۔

اسی وجہ سے دونوں حضرات کے کلام میں فرق تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا۔"رب ارنی کیف تحی الموتی" اے میرے رب مجھے دکھا تو کیسے زندہ کرتا ہے مردوں کو۔

ابراہیم علیہ السلام نے پہلے "رب" کہہ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اے میرے رب (یہ اصل میں یاربی ہے) پھر اپنے عجز کا اظہار کیا اور عرض کیا" ارنی " (مجھے دکھا) یعنی اے اللہ میں جانتا ہوں کہ تو مردے زندہ کر لیتا ہے تیری قدرت سے کوئی بعید نہیں، لیکن میں نے مردہ زندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لئے چاہتا ہوں تو میرے سامنے مردے زندہ کر دے تا کہ میں دیکھ لوں۔ آپ کے اس کلام میں وہ ادب پایا گیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کے کلام میں نہیں کیونکہ انہوں نے تباہ شدہ بستی کو دیکھ کر کہا۔ " انی یحی ھذہ اللہ بعد مو تھا" کیسے زندہ کرے گا اللہ اسے بعد موت کے۔ یہی وجہ تھی کہ عزیر علیہ السلام پر ایک سو سال تک موت کو مسلط رکھا پھر آپ کو زندہ کیا تا کہ آپ اپنی موت وحیات سے بھی میری قدرت کا اندازہ لگا لیں پھر آپ کے سامنے گدھے کو زندہ کر کے آپ کو دکھا بھی دیا، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موت کو مسلط نہیں کیا صرف پرندے آپ کے سامنے زندہ کر کے دکھا دئے۔ (از کبیر وشیخ زادہ)

"واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی":

" اور یاد کرو جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اے میرے رب دکھا مجھے کیسے زندہ کرتا ہے تو مردوں کو۔"

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"واذ قال الخ" یا تو مفعول فیہ ہے" اولم تؤ من" کا یا عبارت مقدر کا مفعول فیہ ہے، اصل عبارت ہے

Marfat.com

" قال لہ ربہ ذلک وقت قول ابراھیم ذلک"

اور یا مفعول فیہ ہے" اذکر" مقدر کا۔ (راقم کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے) (شیخ زادہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کرنے کی وجوہ:

﴿۱﴾ ایک وجہ تو وہی ہے جس کا ذکر مختصر مطلب میں ہو چکا ہے کہ آپ نے دیکھا ایک مردہ کو دریائی جانور اور درندے اور پرندے کھا رہے ہیں، تو آپ نے بطور تعجب رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ رب کائنات کتنی ہی تیری عظیم قدرت ہوگی کہ تو ان کو زندہ کرے گا، مجھے بھی دکھا دے کہ میں مردے زندہ ہوتے دیکھ لوں۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ تھی کہ جب آپ کا نمرود سے مناظرہ ہوا تو آپ نے جب یہ فرمایا" رب الذی یحی ویمیت" (میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) تو اس پر نمرود نے کہا کیا تم نے مردے زندہ ہوتے ہوئے دیکھے؟ اس وقت تو آپ بات کو ٹال گئے، کیونکہ آپ نے اس سے پہلے تو مردے زندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھے تھے، لیکن رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے میرے رب مجھے دکھا دے تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے کہ میں آنکھوں سے ایک مرتبہ دیکھ لوں اس کے بعد اگر کوئی مجھ سے سوال کرے" کیا تم نے مردے زندہ ہوتے ہوئے دیکھے" ؟ تو میں اُسے جواب دے سکوں کہ ہاں میں نے مردے زندہ ہوتے ہوئے دیکھے۔

﴿۳﴾ تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت جبیر اور حضرت سدی رحمہ اللہ کی روایات میں یہ بھی ذکر ہے۔" ان اللہ تعالی اوحی الیہ انی متخذ بشرا خلیلا" کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میں ایک بشر کو خلیل بنانے والا ہوں، تو آپ نے اسے عظیم سمجھتے ہوئے تعجب کیا کہ وہ کتنا عظیم انسان ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اپنا خلیل بنائے گا۔

"وقال الھی ما علامۃ ذلک؟ فقال علامتہ انہ یحی المیت بدعائہ"

عرض کی اس بشر کی علامت کیا ہے جسے تو اپنا خلیل بنائے گا؟ رب تعالیٰ نے فرمایا اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی دعاء سے میں مردے زندہ کروں گا۔

"فلما عظم مقام ابراھیم علیہ السلام فی درجات العبودیۃ واداء الرسالۃ خطر ببالہ

Marfat.com

انی لعلی ان اکون ذلک الخلیل فسأل احیاء المیت فقال اللہ تعالی (اولم تو من قال بلی ولکن لیطمئن قلبی) علی اننی خلیل لک"

جب ابراہیم علیہ السلام درجہ عبودیت اور ادائے رسالت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوئے تو آپ کے دل میں یہ خیال کھٹکا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ خلیل میں ہی ہوں، جب خلیل کی دعاء سے مردے زندہ ہونے ہیں تو میں ہی دعاء کر کے دیکھ لوں، تو رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے میرے رب مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے رب تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں، عرض کیا یقین تو ہے لیکن چاہتا یہ ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ بیشک میں ہی خلیل ہوں۔

﴿۴﴾ چوتھی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال اپنی قوم کے لئے تھا اس لئے کہ انبیاء کرام سے ان کی امتوں نے مختلف سوال کئے کوئی حق پر مبنی ہوتے اور کئی باطل ہوتے، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آپ سے باطل مطالبہ یہ کیا" اجعل لنا الھا کما لھم آلھة" ہمارے لئے معبود بنادو جیسا کہ ان لوگوں (گائے کی پوجا کرنے والوں) کا معبود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب مردے ظاہر طور پر زندہ کر دیئے جائیں گے تو میری قوم کے لوگ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوسیدہ ہڈیوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

﴿۵﴾ ابراہیم علیہ السلام نے نازل ہونے والے صحیفوں میں شائد دیکھ کر یقین کر لیا تھا کہ میری اولاد میں عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے مردہ کو زندہ کیا جائے گا، تو آپ نے بھی رب تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردے زندہ کرتا ہے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں یقین نہیں، عرض کیا یقین تو ہے لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے "انی لست اقل منزلة فی حضرتک من ولدی عیسیٰ" بیشک میں تیرے حضور اپنے ولد عیسیٰ علیہ السلام سے درجہ میں کم نہیں ہوں۔

﴿۶﴾ ابراہیم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کرو تو آپ نے حکم ماننے میں جلدی کی اب آپ نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے میرے رب تو نے مجھے حکم دیا کہ میں روح والے کو بے روح کر دوں تو میں نے تیرے حکم پر سر جھکا دیا، اب میں تیرے حضور عرض کرتا ہوں کہ میں مردے زندہ

Marfat.com

ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، اس لئے تو بغیر روح والوں کو روح والا بنا دے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر)

تنبیہ: علامہ رازی رحمہ اللہ نے اس مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال کرنے کی سترہ وجوہ بیان کی ہیں۔ لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ معتبر صرف چار وجوہ ہیں، باقی تمام غیر معتبر ہیں۔

سوال کرنے کی چار معتبر وجوہ:

پہلی وجہ: آپ کو علم استدلالی حاصل تھا اب آپ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے تا کہ علم ضروری بدیہی بھی حاصل ہو جائے، اس لئے کہ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ علم استدالی میں کبھی شکوک واقعہ ہوتے ہیں لیکن علم ضروری شکوک سے پاک ہوتا ہے جو علم مشاہدہ سے عیاناً حاصل ہو وہ ضروری ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ خود نبی کیلئے علم استدلالی یا ضروری میں فرق نہیں ہوتا کیونکہ نبی کا علم شک سے پاک ہوتا ہے، البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کسی کو بھی یہ کہنے کا حق حاصل نہ ہو کہ تم نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں تمہارے علم پر کیسے یقین کیا جائے۔

دوسری وجہ: آپ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میرا مرتبہ اللہ کے نزدیک کیا ہے اور میری دعاء کی قبولیت کا کیا مقام ہے، اس صورت میں "اولم تومن" کا مطلب یہ ہوگا کیا تمہیں یقین نہیں تمہارا مرتبہ میرے نزدیک عظیم ہے، تم میرے پسندیدہ اور تم میرے خلیل ہو۔

تیسری وجہ: آپ کو پہلے بھی شک نہیں تھا آپ نے سوال اس لئے کیا تا کہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی ہو جائے کیونکہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ عین الیقین مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ لیکن علم الیقین میں مشاہدہ ضروری نہیں۔

چوتھی وجہ: جب آپ نے مشرکین پر یہ دلیل قائم فرمائی "ربی الذی یحی ویمیت" (میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے اللہ تو مجھے دکھا کس طرح مردے زندہ کرتا ہے؟ یعنی ان کو میرے سامنے زندہ کرتا کہ میں دیکھوں اور میری دلیل کافروں پر ظاہر ہو جائے۔ (نووی علی المسلم، ج ۱، کتاب الایمان، باب زیادۃ طمانیۃ القلب)

Marfat.com

اعتراض: حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتے ہیں، اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ نے مردوں کو زندہ کا سوال شک کی وجہ سے کیا تھا یعنی آپ کو یقین نہیں تھا۔

جواب: حدیث پاک کے ترجمہ سمجھنے میں لوگ غلطی کرتے ہیں، حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں جو معترضین پیش کرتے ہیں ، حدیث پاک کے ترجمہ اور وضاحت کی طرف توجہ کریں خود بخود واضح ہو جائے گا۔

☆ ”عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال نحن احق بالشک من ابراهیم اذقال رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤ من قال بلی ولکن لیطمئن قلبی“

(مسلم، ج ۱ ،کتاب الایمان باب زیادة طمانینة القلب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے کا زیادہ حق رکھتے ، جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے اے میرے رب مجھے دکھا دے تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا؟ فرمایا کیا تجھے یقین نہیں۔ عرض کی کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں شک کیا تھا اور ہمیں ان کی نسبت زیادہ شک ہے، بلکہ اس حدیث پاک کا جو ترجمہ پیش کیا ہے اسی سے مطلب واضح ہو رہا ہے تاہم زیادتی وضاحت کے لئے علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث پاک کی شرح بیان کی ہے اس سے ایک قول بیان کیا جا رہا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد ” نحن اشک من ابراهیم “ کے معنی بیان کرنے میں علماء کے بہت اقوال ہیں لیکن سب سے حسین اور صحیح قول وہ ہے جو امام ابو ابراہیم مزنی اور علماء کی کئی جماعتوں نے بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

”معناه ان الشک مستحیل فی حق ابراهیم فان الشک فی احیاء الموتی لو کان

Marfat.com

متطرقا الی الانبیاء لکنت انا احق به عن ابراهیم وقد علمتم انی لم اشک فاعلموا ان ابراهیم لم یشک"

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا محال ہے اگر اللہ تعالیٰ کے مردوں کو زندہ کرنے میں انبیاء کرام علیہم السلام سے شک واقع ہوسکتا تو بنسبت ابراہیم علیہ السلام کے شک کرنے میں زیادہ حق رکھتا، اور تحقیق تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ مجھے مردوں کو زندہ کرنے میں کوئی شک نہیں، تو تمہیں یقیناً اس امر کا بھی علم ہونا چاہئے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ (از نووی)

خیال رہے کہ اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان کی ہے اور عجز وانکساری سے اپنے آپ کو ان سے کم مرتبہ بیان کیا ورنہ دوسرے مقام پر حقیقت بیان کرتے ہوئے تمام کائنات پر اپنی فضیلت بیان کی ہے جس کا ذکر اسی پارہ کے شروع میں ہو چکا ہے۔

"قال فخذ اربعة من الطیر": "کہا تو پکڑ چار پرندے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ کی دعاء کو قبول کیا جا رہا ہے اس لئے تم چار پرندے پکڑو، ان کو تمہارے سامنے زندہ کیا جاتا ہے۔

چار پرندے کون سے تھے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ چار پرندے یہ تھے۔ مور، گدھ، کواء اور مرغ۔

اور حضرت مجاہد بن جریج کی روایت کے مطابق گدھ کی جگہ کبوتر تھا۔ (کبیر)

تمام جانداروں سے پرندوں کا انتخاب کیوں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار پرندے مانوس کرنے کا حکم دیا اور حیوانوں کا حکم نہیں دیا اس کی کیا وجہ ہے؟

Marfat.com

اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ پرندوں کو اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اڑنے اور ہوا میں بلند ہونے کی طاقت عطاء فرمائی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی علو مرتبت یعنی مراتب کی بلندی اور ملکوت تک پہنچنے کی ہمت عطاء فرمائی ہے اس لئے پرندوں کو ذبح کرنے اور گوشت کو ملا جلا کر رکھنے کا حکم دیا تا کہ آپ کا معجزہ آپ کے مراتب کے مشابہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پرندوں کو ذبح کر دیا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ملا جلا کر پہاڑی کی چوٹی پر رکھ دیا پھر ان کو بلایا تو تمام ٹکڑے ملے جلے گوشت سے جدا ہو کر اپنے اپنے ٹکڑوں سے مل گئے، قیامت کے دن بھی اسی طرح تمام بکھرے ہوئے ذرات جمع ہو جائیں گے اور ان سے جسم معرض وجود میں آئیں گے ان کی روحیں ان سے مل جائیں گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس کی تائید کر رہا ہے۔

"خشعا ابصارهم يخرجون من الاجداث كانهم جراد منتشر" (پ ۲۷ سورۃ القمر ۷)

نیچی آنکھیں کئے ہوئے قبروں سے نکلیں گے گویا وہ ٹڈی ہے پھیلی ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

چار کا حکم دینے کی وجہ:

ابراہیم علیہ السلام نے صرف مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کی درخواست کی لیکن مالک الملک نے کہا اے میرے خلیل تم نے تو اپنی عبودیت کے پیش نظر ایک مردہ کو زندہ ہوتے دیکھنا چاہا لیکن میں اپنی ربوبیت کی وجہ سے تمہیں چار مردے زندہ کر کے دکھاتا ہوں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حیوانات وغیرہ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، پانی اور ہوا سے مرکب ہیں، اس لئے چار کو ذبح کرنے کا حکم دیا کہ میں جس طرح ان چار کو زندہ کر رہا ہوں ایسے ہی تمام عناصر اربعہ کے مرکبات کو زندہ کروں گا۔ (کبیر)

سب پرندوں میں سے چار کو خاص کرنے کی وجہ:

تمام پرندوں میں سے مور، گدھ، مرغ اور کوے کو منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو زینت اور مرتبہ سے محبت ہے انسان بلند مراتب کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور یہ اوصاف مور میں بھی پائے جاتے ہیں۔

انسان کی زینت سے محبت کو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا" زين للناس حب الشهوات" (پ ۳ سورۃ آل عمران ۱۴)

Marfat.com

خواہشات کی محبت کولوگوں کے لئے مزین کردیا گیا۔

انسان جس طرح زیادہ کھانے سے شغف رکھتا ہے اسی طرح گدھ کو بھی کھانے سے ہی زیادہ کام ہوتا ہے۔

اسی طرح انسان کو فرج کی خواہشات پوری کرنے سے جس طرح کام ہوتا ہے اس طرح مرغ میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے۔

انسان مال طلب کرنے اور جمع کرنے کا زیادہ حریص ہوتا ہے اسی طرح کوا بھی مال طلب کرنے اور مال جمع کرنے کا حریص ہوتا ہے کیونکہ سوائے کوے کے رات کو اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں ہے اور سخت سردی میں دن کو صرف کو ہی نکلتا ہے۔

ان چار کو منتخب کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان جب تک خواہشات نفسانیہ اور خواہشات فرج اور مال کی حرص اور زیب و زینت کو ختم نہیں کرے گا اس وقت تک اس کے دل پر روحانیت کا اثر نہیں ہوگا، اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے جلال کے نور سے راحت حاصل ہوگی اور جہاں گدھ کی جگہ کبوتر کا ذکر ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اے انسان کبوتر کا یہ وصف ہے کہ وہ اپنے گھونسلے میں اور اپنی جگہ زیادہ رہتا ہے۔ اسی اپنی جگہ کبوتری انڈے دیتی ہے اور بچے نکالتی ہے ہاں ضرورت کے مطابق روزی کے لئے بھی اس کی اڑان پائی جاتی ہے تو تو بھی اے انسان اس طبعی جہان سے محبت رکھ، رب تعالیٰ کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے گھروں یعنی مساجد میں ہی زیادہ وقت گذار، ضرورت کے مطابق روزی کی طلب میں کسب بھی کر، بلندی کی طرف کم اڑان کر تو تجھے کامیابی حاصل ہوگی، رب تعالیٰ کے حضور تیرا مقرب ہونا ہی تجھے کامیاب کرے گا۔ (از کبیر و شیخ زادہ)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"طیر" مصدر بھی ہے جسے کہا جاتا ہے "طار یطیر طیرا" اور اسم جنس بھی ہے اور طائر کی جمع بھی ہے جیسے صاحب کی جمع صحب، اور تاجر کی جمع تجر آتی ہے، اور اسم جمع بھی ہے جیسے رکب، اور سفر، اور مشدد لفظ سے مخفف بھی ہے یعنی طیر (با تشدید) سے مخفف ہے، جیسا کہ ھیّن اور میّت مشدد سے مخفف کر کے "ھین اور میت" پڑھا جاتا ہے۔

(از شیخ زادہ)

فائدہ: انسان کوے کی طرح حریص نہ ہو، ضرورت کے مطابق روزی کی تلاش میں رہے اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔

☆ "قال رسول اللہ ﷺ لو توکلتم علی اللہ تعالی حق توکلہ لرزقکم کما ترزق الطیر تغدو

Marfat.com

خماصاوتروح بطانا"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطاء فرمائے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، صبح وہ بھوکے نکلتے ہیں، شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (از روح المعانی)

"فصرھن الیک": "تو مائل کرلو ان کو اپنی طرف۔"

ان الفاظ مبارکہ کا معنی علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے بیان کیا۔

"فاملھن واضممھن الیک لتتأملھا" مائل کرلو ان کو اپنی طرف، ان کو مانوس کرلو، ان کو اپنے ساتھ ملا لو تا کہ تم ان میں تامل (سوچ) کرسکو اور ان کی علامات کو پہچان سکو، جب ہم ان کو زندہ کریں تو آپ کو پتہ چل جائے کہ ہاں یہ وہی پرندے ہیں، آپ کو اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔ "صر" میں دو قرأتیں ہیں، صاد کے ضمہ سے "صرا یصرو" اور صاد کے کسرہ سے بھی آیا ہوا ہے۔ صری یصری معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی رہے گا کیونکہ اس میں دونوں قرأتیں ہیں۔ (از بیضاوی)

"ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا":

"پھر کر ہر پہاڑ پر ان سے ایک ایک ٹکڑا۔"

یعنی ان پرندوں کو ذبح کر کے ان کا ایک ایک ٹکڑا ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیں، وہ پہاڑ چار تھے یا سات تھے، جو آپ کے سامنے تھے۔

خیال رہے کہ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ چار پرندوں کے جمیع اجزاء ملا کر پہاڑوں پر رکھے گئے تھے، آپ نے جب اللہ کے اذن سے ان کو بلایا تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آگئے، مانوس کرنے میں حکمت بھی یہی تھی کہ آپ نے ان کے آنے پر پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں جو میں نے اپنے ساتھ ہلا ملا لئے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ آپ نے ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا تھا آپ کے بلانے پر ان کے تمام اجزاء اپنے اپنے اجزاء

Marfat.com

سے مل کر اپنے اپنے سروں سے آکر مل گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی صورت بھی بعید نہیں جو صورت بھی ہو قدرت کی عجیب نشانی کا ظہور ہے۔ (از کبیر)

"ثم ادعهن یاتینک سعیا": "پھر بلا، وہ ان کو آئیں گے تیرے پاس تیزی سے"۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے گوشت کے ٹکڑوں کر پکارا (آپ نے تمام پرندوں کے ٹکڑوں کو ملا جل کر رکھا تھا) اے جدا جدا ہڈیو! اے متفرق گوشت کے ٹکڑو، اے کاٹی ہوئی رگو، ایک دوسرے سے مل جاؤ، تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری روحوں کو تمہارے اندر لوٹا دے۔ یہ سن کر ہڈیاں اپنی دوسری ہڈیوں کی طرف چلیں یعنی ہر پرندے کی اپنی اپنی ہڈیاں ایک دوسری سے مل گئیں، پر دوسرے پرندوں سے جا ملے، گوشت کے ٹکڑے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں سے ملنے لگے، یہاں تک کہ خون خون سے مل گیا۔

اس طرح آپ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے سامنے مردوں کو زندہ کر کے آپ کو عین الیقین کا مرتبہ عطاء کر دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے ابراہیم تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے، بیشک میں نے زمین کو پیدا کیا ہے، اس میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں۔

﴿۱﴾ شمالی جانب سے چلنے والی ہوا۔ ﴿۲﴾ جنوبی جانب سے چلنے والی ہوا۔

﴿۳﴾ بادصبا ﴿۴﴾ باددبور۔

یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تمام مردے اور مقتول صور پھونکنے پر جمع ہو جائیں گے، جیسے ان چار پرندوں کو تمہارے سامنے پہاڑوں سے جمع کر دیا گیا ہے، میرے سامنے تم تمام کا پیدا کرنا اور پھر موت کے بعد زندہ کرنا ایسے ہی ہے جس طرح کسی ایک شخص کو پیدا کرنا یا زندہ کرنا۔ (روح المعانی)

یعنی چار ہواؤں نے چار طرفوں سے گوشت وغیرہ کے ٹکڑے جمع کر دیئے۔

اعتراض: غیر ذوی العقول کو اور خاص کر کے گوشت کے ٹکڑوں کو بلانا عقل میں نہیں آتا۔

جواب: یہی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اسے صفت خلق و تکوین حاصل ہے، وہ "کن" سے اشیاء (چیزوں) کو

Marfat.com

معرض وجود میں لاتا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح شدہ پرندوں کے گوشت کے ٹکڑوں کو بلا رہے تھے تو وہی مالک الملک آپ کی آواز کو ان تک پہنچا رہا تھا۔ (از روح المعانی)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا تحقیقی ترجمہ:

راقم نے بیضاوی اور دوسری کئی تفاسیر کو دیکھ کر "سعیا" کا معنی "تیزی سے" لکھا ہے کیونکہ بیضاوی میں ہے۔

"(یاتینک سعیا) ساعیات مصرعات طیرانا اومشیا"

وہ آپ کے پاس تیزی سے اڑتے ہوئے آئیں گے۔لیکن اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ہے "وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے" (کنز الایمان)

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"اما قوله تعالى ثم ادعهن يا تينك سعيا" فقيل عدوا ومشيا على ارجلهن لأن ذلك ابلغ فى الحجة وقيل طيرانا وليس يصح لانه لا يقال للطير اذا طار سعى"

اللہ تعالیٰ کے ارشادگرامی "ثم ادعهن يا تينك سعيا" یہ معنی مقصد کو بہت کامل طریقہ سے واضح کر رہا ہے۔اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے "پھر بلاؤ ان کو وہ تمہارے پاس تیز اڑان سے آئیں گے"۔اس معنی کے متعلق علامہ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا "یہ معنی صحیح نہیں" کیونکہ پرندے کی تیز اڑان کے لئے عرب حضرات لفظ "سعی" استعمال نہیں کرتے۔ (از کبیر)

علامہ رازی رحمہ اللہ کا مندرجہ بالا ارشاد جب دیکھتا ہوں تو بلا اختیار یہ لفظ منہ سے صادر ہوتے ہیں، واہ! اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ تو علم کا بحر بیکراں تھا، تحقیق و تدقیق کا موجزن سمندر تھا، کنز الایمان لکھنے میں یعنی قرآن پاک کا ترجمہ کرنے میں تو نے کتنی محنت کی، کتنی ہی تفاسیر کو مدنظر رکھا، تیری قبر پر اللہ تعالیٰ ہزار ہزار بلکہ کروڑوں بلکہ ان گنت رحمتیں نازل فرمائے، تیرا ترجمہ امت مصطفیٰ کریم ﷺ پر احسان عظیم ہے۔ (راقم)

فائدہ جلیلہ:

Marfat.com

”وقد احتج اصحابنا بهذه الآیة علی ان البنیة لیست شرطا فی صحة الحیاة وذلک لانه تعالی جعل کل واحد من تلک الاجزاء والأبعاض حیا فاهما للنداء قادرا علی السعی والعدو فدل ذلک علی ان البنیة لیست شرطا فی صحة الحیاة“ (کبیر)

ہمارے اہل سنت احباب نے اسی آیۃ کریمہ سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ زندگی حاصل ہونے کے لئے جسم کا مکمل ہونا ضروری نہیں بلکہ جسم کے اجزاء اور ذرات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندگی آجاتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرندوں کے گوشت کے ٹکڑوں کو بلانے کا حکم دیا جس سے واضح ہو رہا ہے کہ گوشت کے ٹکڑوں میں بھی رب تعالیٰ نے زندگی پیدا کر دی تھی، ان کو سمجھنے پر قادر کر دیا اور ان کو تیز دوڑنے اور چلنے کی طاقت عطاء کر دی، اسی لئے وہ دوڑتے ہوئے اپنے اپنے اجزاء سے مل گئے۔

لہٰذا اس آیۃ کریمہ سے واضح ہو گیا کہ زندگی کے لئے جسم کا مکمل ہونا ضروری نہیں اللہ تعالیٰ اجزاء کو بھی زندگی عطاء فرما دیتا ہے۔

”واعلم ان اللہ عزیز حکیم“: ”اور جان رکھ بیشک اللہ غالب ہے اور حکمت والا۔“

یعنی اگرچہ آپ کو علم تو پہلے ہی حاصل ہے لیکن آپ اس علم پر قائم رہیں، بیشک اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر غالب ہے اور تمام امور کے انجام کو وہ جانتا ہے، اور اشیاء کی انتہاء کو وہ جانتا ہے اس لئے اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔

اعتراض: یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے عین الیقین حاصل کرنے کے لئے سوال کیا، حالانکہ انبیاء کرام کو حق الیقین حاصل ہوتا ہے جو علم الیقین اور عین الیقین سے اوپر درجہ رکھتا ہے، حق الیقین کے ہوتے ہوئے علم الیقین حاصل ہونے کی تمنا کا کیا مقصد ہے۔

جواب: یہاں صرف سوال اس کا نہیں کہ تیری ایجاد کو دیکھوں، بلکہ سوال یہ تھا کہ تیرے زندہ کرنے کی کیفیت کو دیکھوں تا کہ تیری ذات وصفات کا مشاہدہ کرلوں، گویا مردے زندہ کرنے کے سوال کے پیچھے رب تعالیٰ کی

Marfat.com

ذات وصفات کو دیکھنے کا سوال ہے۔ اگرچہ آپ کے سوال کو کیفیت کے دکھانے کی حد تک قبول کیا گیا ہے،
ذات کا مشاہدہ تو بغیر کیفیت کے بیان کے صرف نبی کریم ﷺ کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔
اور اس کا جواب یہ بھی ہے کہ آپ کے سوال کا مقصد درحقیقت قوم کو کامل طور پر دلیل پر مطلع کرنا تھا۔

”وانما طلب ذلک لا جل تمام الاستدلال والاحتجاج علی قومه وهذا هو الاتم“

یعنی آپ نے سوال اپنی ذات کے لئے نہیں کیا بلکہ قوم پر حجت قائم کرنے کے لئے تاکہ رب تعالیٰ کی قدرت کا پتہ چل جائے، درحقیقت کامل قوم کے لئے دلیل حاصل کرنے کا مطالبہ تھا۔ (از صاوی)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

آیۂ کریمہ میں ” ارنـــی “ الفاظ گرامی ” ار “ باب افعال سے امر ہے ” اکـــرم “ کے وزن پر، اصل میں ” ارئـــی “ تھا، امر میں آخر سے حرف علت محذوف ہوگیا، اور ہمزہ کی حرکت ماقبل کو دے کر ہمزہ کو بھی حذف کیا گیا، ” نـی “ میں نون وقایہ ہے، اور یائے متکلم مفعول ہے۔ اور لفظ ” بلی “ نفی کے بعد ثبوت کے لئے آتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے یوم میثاق کو فرمایا ” الست بربکم “ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انسانوں نے اس کے جواب میں کہا ” قالوا بلیٰ “ انہوں نے کہا کیوں نہیں، یعنی تو ہمارا رب ہے، اسی طرح یہاں بھی ” قال اولم تومن “ رب تعالیٰ نے کہا کیا تمہیں یقین نہیں؟ اس جملہ میں نفی پائی گئی ہے، اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا، ” قال بلی “ آپ نے عرض کیا کیوں نہیں، یعنی یقین تو ہے، البتہ سوال کرنے کی وجہ یہ ” ولکن لیطمئن قلبی “ یہاں ” لیطمئن “ میں لام، لام کَیْ ہے، جو حقیقت میں لام جارہ ہوتا ہے، اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے تقدیر عبارت کی یہ ” ولکن سالت ذلک ارادة طمانینة القلب “ لیکن میں نے اس کا سوال اطمینان قلب کے ارادہ سے کیا۔

(ماخوذ از مدارک)

اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے مگر یہ چاہتا ہوں میرے دل کو قرار آجائے۔

فائدہ جلیلہ: انبیاء کرام کے دو مقام ہیں، ایک مقام عروج، دوسرا مقام نزول۔

مقام عروج میں ان کی توجہ مخلوق سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، اس وقت ان سے صفات بشریہ کو ہٹا

Marfat.com

لیا جاتا ہے اور فرشتوں والی صفات اور رب تعالیٰ کی صفات کو حاصل ہوتی ہیں، یہی مطلب اس عبارت میں دیکھئے۔

"الاول مقام العروج وهو الانخلاع من الصفات البشر ية ولتلبس بالصفات الملكية والصفات القدسية"

اسی مقام پر ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے "صوم وصال" (دن رات کا لگا تار روزہ درمیان میں بالکل افطار نہیں) رکھے، لیکن صحابہ کرام نے جب صوم وصال رکھنے شروع کیا تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ "لست كهيئتكم ابيت عندربي يطعمني ويسقيني" میں تمہاری طرح نہیں، میں رات اپنے رب کے ہاں گذارتا ہوں وہی مجھے (طعام محبت) کھلاتا ہے اور وہی مجھے (شراب محبت) پلاتا ہے۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ مجھے رب تعالیٰ کی صفت حاصل ہے اس لئے میں کھانے پینے سے بے نیاز ہوسکتا ہوں تمہیں یہ مقام حاصل نہیں اس لئے تم جب کھانے پینے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے تو صوم وصال بھی نہیں رکھ سکتے۔ یہ مقام عروج ہے جسے "السير الى الله والسير فى الله" کہا جاتا ہے۔

دوسرا مقام، مقام نزول ہے، یعنی انبیاء کرام کی توجہ بندوں کی تبلیغ کی طرف ہوتی ہے اور خالق کی ذات میں مقام استغراق نہیں ہوتا۔

"والثانی مقام النزول وهو التلبس بالصفات البشرية ثانيا بعد الانخلاع التّام، وهذا المقام مقام التكميل ودعوة الخلق الى الله"

دوسرا مقام، مقام نزول ہے اس وقت انبیا کرام مستغرق فی اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے میں غرق ہونے کی کیفیت) سے مکمل طور پر ہٹ کر مخلوق کو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور ان کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس وقت انبیاء کرام صفات بشریہ سے متصف ہوتے ہیں۔

اس مقام کو "السیر من اللہ والسیر باللہ" کہا جاتا ہے، دراصل اس میں حکمت یہ ہے۔

"انه لابدبين المفيض والمستفيض من المناسبة حتى يتسر به الاستفاضة على طريق الصبح"

کہ فیض دینے والے اور فیض لینے والے کے درمیان مناسبہ پائی جائے یہاں تک کہ کامل

Marfat.com

طریقہ سے فیض حاصل کیا جا سکے۔

اسی وجہ رب تعالیٰ نے انسانوں کو دعوت ایمان دینے کے لئے انسانوں میں ہی انبیاء کرام بنائے۔

"ولم یتصور للعوام اخذ الفیض من اللہ تعالی لفقد المناسبۃ وھو تعالی غنی عن العلیمن"

عام انسان اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیضان حاصل کر نہیں سکتے تھے، کیونکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے کوئی مناسبت نہیں رب تعالیٰ لطیف ہے بندے کثیف ہیں، اور رب تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ذات ہے اور بندے فرشتوں سے بھی براہ راست فیض حاصل نہیں کر سکتے تھے، اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ "ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا" اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے تو اسے انسانی شکل میں بھیجتے۔

ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ تیرانداز جب بہت بلندی میں ہو اس کا نشانہ پستی میں ہو تو اس کا تیر نشانہ پر صحیح نہیں لگتا۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"انکروا دعوۃ نوح لما کان من الفرقان واجابوا دعوۃ محمد ﷺ لما کان من القران"

نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ پر ایمان نہ لایا آپ کی نبوت کا انکار کرتے رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی قوم آپ کے قریب نہ ہوئی، آپ سے جدا رہی، اس کی وجہ بھی یہی تھی۔

"نوح علیہ السلام کان فی مقام العروج لم یتأثر العوام منہ لا جل الفراق بینھما"

کہ حضرت نوح علیہ السلام مقام عروج میں زیادہ رہتے تھے جب آپ کے اور آپ کی قوم کے درمیان جدائی زیادہ رہی تو آپ کے عوام آپ سے فائدہ حاصل نہ کر سکے اور آپ سے زیادہ متاثر نہ ہوئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی امت کے لوگ آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ تعداد میں ایمان لے آئے، اس کی وجہ یہ تھی۔

"ولما نزل محمد ﷺ غایۃ النزول اجابوا دعوتہ محصول مقارنۃ"

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر مہربانی فرمانے کے لئے مقام نزول کو زیادہ پسند کیا، اور لوگوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھا اسی لئے آپ پر ایمان لانے والے کثیر تعداد میں ہوتے۔

صحابہ کرام کے ساتھ زرہ پہنے ہوئے نبی کریم ﷺ نظر آتے ہیں اور خندق کھودتے ہوئے بھی آپ اپنے صحابہ

Marfat.com

کرام کے ساتھ شریک نظر آتے ہیں۔ جب نبی کا مقام نزول یعنی عوام کے ساتھ ملنے کا وقت ہوتا ہے، اس وقت ہی ظاہر اسباب کا بھی سہارا لیتے ہیں اور عوام کو سمجھانے اور ان کی تسلی کے لئے سوال کرتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سوال بھی اس مقام میں تھا۔ (مظہری بتصرف قلیل)

تنبیہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ دل کو اطمینان حاصل ہو جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت جو مشاہدہ میں آسکتی ہے میں اس کا سوال کر رہا ہوں۔

"وعدم حصول هذه الطما نينة قيل لا ينافي حصول الايمان بالقدرة على الاحياء على اكمل الوجوه"

مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا بغیر مشاہدہ کرنے کے اطمینان قلب نہ حاصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو یہ ایمان حاصل نہیں تھا کہ اللہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے یہ ایمان تو آپ کو کامل طریقہ سے حاصل تھا۔

" ولاأرى رؤية الكيفيه زادت في ايمانه المطلوب منه عليه السلام شيا وانما افادت امراً لا يجب الايمان به"

آپ نے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کا جو سوال کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے ایمان میں پہلے کمی تھی اور آپ نے مردوں کو زندہ ہوتے ہوئے جب دیکھا تو آپ کا ایمان زیادہ ہو گیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ قول باطل ہے کہ آپ کے ایمان میں کمی تھی پھر زیادتی ہو گئی۔ اسی سے ایک اور قول کا لغو اور بیہودہ ہونا واضح ہو گیا۔

"ومن هنها تعلم ان عليا كرم الله تعالى وجهه لم يثبت لنفسه مرتبة في الايمان اعلى مرتبة الخليل فيه بقوله لو كشفت لي انعطاء ماازددت يقينا كماظنه جهلة الشيعة و كثيرمن اصحابنا"

اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ " (اگر میرے لئے پردے کھول دئے

Marfat.com

جائیں تو میرے یقین میں زیادتی نہیں ہوتی)'' اس پر دلالت نہیں کر رہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان (معاذ اللہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ پختہ تھا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے زیادتی ایمان کے لئے مردے زندہ کرنے کا مطالبہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے سے کامل ایمان تھا، یہ قول بالکل غلط ہے جو جاہل شیعہ اور جاہل سنیوں نے گھڑ لیا ہے، جن کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زیادتی ایمان کا سوال ہی نہیں کیا اور ان جہلا کو معلوم ہی نہیں کہ غیر انبیاء خواہ کتنے ہی بلند مرتبہ نہ ہوں وہ سارے مل کر نبی کے مرتبہ کو نہیں پا سکتے۔ (ماخوذ از روح المعانی)

☆☆☆☆☆

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۱)

﴿۱﴾

ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

﴿۲﴾

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں مثل اس دانہ کی ہے جس نے اگائیں سات بالیاں ہر بالی میں سو دانے، اور اللہ زیادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے، اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

﴿۱﴾ اس آیۃ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر کیا گیا کہ ان کے سامنے مردے

Marfat.com

زندہ کئے گئے جو قیامت قائم ہونے پر واضح دلیل ہے۔اس آیۃ کریمہ میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ذکر کیا جارہا ہے جو قیامت میں نفع مند ہوگا۔ (روح المعانی)

﴿۲﴾ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا۔

"من ذالذی یقرض اللہ قرضاحسنافیضاعفہ لہ اضعافاکثیرۃ"

یعنی ان الفاظ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر اسے بڑھانے کا ذکر تھا اس میں تفصیل مذکور نہیں تھی،اب اس آیۃ کریمہ میں اس کی تفصیل ذکر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے سات سو گنا تک زیادہ فرماتا ہے اور جس کے لئے چاہے اور زیادہ فرماتا ہے۔

ان دونوں آیتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت عطاء کرنے پر اپنی قدرت کا ذکر فرمایا،کیونکہ اگر موت کے بعد حیات نہ ہوتو انسان کو مکلّف بنانے،یعنی اسے احکام کا پابند کرنے کا کوئی مقصد نہیں رہتا۔

"لولاوجودالالہ المثیب المعاقب لکان الانفاق فی سائر الطاعات عبثا"

اگر رب تعالیٰ جو گناہوں پر عذاب دینے والا ہے اور نیکیوں پر ثواب دینے والا ہے موجود نہ ہوتو نیکی کی راہوں میں مال خرچ کرنا بھی بے مقصد ہوتا۔

گویا کہ رب تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کی ترغیب پر یہ اشارہ فرمایا کہ اے انسان تو جانتا ہے بیشک میں نے تمہیں پیدا کیا،اور میں نے تجھ پر موت وحیات عطاء کرنے کی نعمت کی تکمیل کی،اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں گناہوں پر عذاب دینے اور نیکیوں پر عذاب دینے کی بھی قدرت رکھتا ہوں۔

"فلیکن علمک بھذہ الأحوال داعیاالی انفاق المال فانہ یجازی القلیل بالکثیر"

جب تم ان احوال کا علم رکھتے ہوتو تمہیں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا چاہئے،تمہارا علم تمہیں اس کی دعوت دیتا ہے وہ رب کریم تھوڑا مال خرچ کرنے پر بہت جزاء دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے قلیل خرچ کرنے پر جزاء کثیر عطاء کرنے کو ایک مثال سے واضح فرمایا کہ جو رب کائنات ایک دانہ کاشت کرنے پر سات سو دانے پیدا کرنے پر قادر ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ پر قادر ہے تو وہ تمہاری ایک نیکی

Marfat.com

کوسات سوگنا تک زیادہ کرنے بلکہ اس سے بھی زیادہ کرنے پر قادر ہے۔ (از کبیر)

﴿۳﴾ اور ماقبل سے تعلق کی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے فضائل ومراتب کا ذکر کیا تا کہ لوگ انبیاء کرام کی تصدیق کریں، اور جہاد کریں جس سے شریعت کی بلندی اور ناموری پائی جائے، اب رب تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کی ترغیب دے کر نفس سے جہاد کرنے اور شریعت کی رفعت کی پاسداری کرنے کا حکم دیا۔ (از کبیر)

﴿۴﴾ اس سے پہلے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے اور کافروں کے ساتھی شیاطین ہیں، اس آیۃ کریمہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ مؤمنوں کا مال اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا ہے، اور یہاں سے ضمناً اور آگے صراحۃً پتہ چل رہا ہے کہ کافروں کا مال شیطانی راہ میں خرچ ہوتا ہے۔ (از کبیر)

اللہ کی راہ کون سی راہ ہے:

اس آیۃ کریمہ میں اللہ کی راہ سے مراد عام ہے، جو صدقات فرضیہ اور صدقات واجبہ اور صدقات نافلہ سب کو ہی شامل ہے۔ خواہ وہ مال جہاد میں خرچ کرے اپنی ذات پر یا اور لوگوں پر خواہ وہ مال ہجرت پر خرچ کرے، خواہ وہ اپنے اقرباء پر خرچ کرے یا غیروں پر خرچ کرے مساجد پر خرچ کرے یا دینی مدارس پر خرچ کرے جہاں پانی کی ضرورت ہو وہاں کنواں کھدوانے پر خرچ کرے، غرضیکہ نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنے کے ثواب کا اس آیۃ کریمہ میں ذکر ہے، البتہ جہاد میں مال خرچ کرنے کی زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔ (ماخوذ از روح المعانی)

☆ "عن علی بن ابی طالب و ابی الدادای وعبداللہ بن عمرو ابی امامۃ الباھلی وعبداللہ بن عمرو بن العاص و جابر بن عبداللہ وعمران بن حصین کلھم یحدث عن رسول اللہ ﷺ انہ قال من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ درھم و من غزا بنفسہ فی سبیل اللہ وانفق فی وجھہ فلہ بکل درھم سبعمائۃ الف درھم ثم تلا (ھذہ الآیۃ) واللہ یضاعف لمن یشاء" (رواہ ابن ماجۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنا نفقہ (مال) اللہ کی راہ میں بھیجا خود کسی عذر کی وجہ سے

Marfat.com

اپنے گھر میں ہی مقیم رہا اسے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم حاصل ہوں گے اور جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور مال خرچ کیا رب تعالیٰ کی رضا کے لئے، تو اسے ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم حاصل ہوں گے (سات سو درہم یا سات لاکھ درہم کا ثواب مراد ہے) پھر آپ نے (یہی آیۃ کریمہ) تلاوت فرمائی " واللہ یضاعف لمن یشاء " اور اللہ زیادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے۔ (قرطبی)

☆ " صدقة المؤمن تدفع عن صاحبها آفات الدنيا وفتنة القبر وعذاب يوم القيامة "(الحدیث)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مؤمن کا صدقہ کرنا اس شخص سے دنیا کی مصیبتوں اور عذاب قبر اور عذاب قیامت کے دن عذاب کو دور کرتا ہے۔ (از روح البیان)

☆ "الساعي على الا رملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله "

بیوہ عورتوں کی امداد کرنے والا اور مسکینوں کی امداد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔ (روح البیان)

☆ "عن عياض بن غطيف قال دخلنا على ابى عبيدة نعوده من شكوى اصابه بجنبه وامرأته قاعدة عندرأسه قلنا، كيف بات ابو عبيدة؟ قالت والله لقد بات بأجر، قال ابوعبيده مابت بأجر، وكان مقبلا بوجهه على الحائط فأقبل على القوم بوجهه وقال الا تسالوني عماقلت، قالوا اما اعجبناماقلت، فنسألک عنه، قال سمعت رسول ﷺ يقول من انفق نفقة فاضلة في سبيل الله فسبعمائة، ومن انفق على نفسه واهله اوعاد مريضا او أماط أذى فالحسنة بعشر امثالها، والصوم جنة مالم يخرقها، ومن ابتلاه الله عزوجل ببلاء في جسده فهوله حطة (اى كفارة لذنوبه) (مسند احمد)

عیاض بن غطیف کہتے ہیں، ہم ابوعبیدہ کے گھر ان کی عیادت کے لئے گئے، ان کو ایک پہلو میں (نمونیہ کا) درد لاحق تھا، ان کے سرہانے ان کی زوجہ بیٹھی ہوئی تھی، ہم نے ان سے پوچھا ابوعبیدہ نے رات کیسے گزاری؟ ان کی زوجہ نے کہا قسم ہے اللہ کی انہوں نے رات اجر میں گذاری (یعنی

Marfat.com

شدت تکلیف میں صبر کرنے سے اجر عظیم حاصل کیا) ابو عبیدہ نے کہا میں نے رات اجر میں نہیں گذاری، وہ پہلے دیوار کی طرف (شدید پریشانی کی وجہ سے) دیکھ رہے تھے، پھر قوم کی طرف توجہ کی، اور کہا کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرتے اس کے متعلق جو میں نے کہا، لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بات پر کوئی تعجب نہیں ہوا (یعنی انسان عاجزانہ طور پر ایسا کلام ہی کرتا ہے) چلو ہم تم سے سوال کر ہی لیتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جس نے اپنا زائد خرچ اللہ کی راہ میں دے دیا اسے سات سو گنا اجر حاصل ہوگا اور جس نے اپنے آپ پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا، یا مریض کی عیادت کی یا تکلیف دہ چیز کو دور کیا اسے ایک نیکی کا ثواب دس گنا حاصل ہوگا، اور روزہ ڈھال ہے جب تک اسے نہ توڑا، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی تکلیف میں مبتلا کیا، اس کی وہ تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بنے گی۔ (از صابونی)

ان کے یہ کہنے کہ ''میں نے رات اجر میں نہیں گزاری'' کا مطلب یہ تھا کہ مریض کی عیادت کے لئے تم آئے ہو اجر تم نے حاصل کیا، کیا میں نبی کریم ﷺ کے اقوال پر پورا اترتا ہوں۔ لیکن اگر ''ما بت اجرا'' میں ''ما استفہامیہ'' مانا جائے تو سارے تکلفات سے بچ سکتے ہیں، ان کا یہ کہنا تعجب کے طور پر تھا ''کیا میں نے رات اجر میں گذاری؟ ہاں اس کی وجہ میری شدت تکلیف ہوگی۔

☆ ''عن ابن مسعود ان رجلا تصدیق بناقة مخطومة فی سبیل اللہ فقال رسول ﷺ لتأتین یوم القیامة بسعمائة ناقة مخطومة'' (اخرجه مسلم واحمد، واللفظ من مسند احمد)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک نکیل والی اونٹنی صدقہ کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں نکیل والی تمہارے پاس آئیں گی، یعنی سات سو اونٹنیوں کا تمہیں اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

☆ ''عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول ﷺ ان اللہ جعل حسنة ابن آدم الی عشر امثالها الی سبعمائة ضعف الا الصوم والصوم لی وانا اجزی به، وللصائم فرحتان،

Marfat.com

فرحة عند افطاره وفرحة یوم القیامة ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک" (رواہ احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس گناہ سے لے کر سات سو گنا تک کر دیا سوائے روزہ دار کے، (رب تعالیٰ نے فرمایا) روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں، اور روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہیں، ایک خوشی اسے روزہ کے افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، اور ایک خوشی اسے قیامت کے دن حاصل ہوتی ہے، البتہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ (اور اچھی) ہے۔

☆ "عن ابن عمر لما نزلت هذه الآیة" مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله" قال النبی ﷺ رب زدامتی قال فانزل الله "من ذالذی یقرض الله قرضاحسنا" قال رب زدامتی قال فانزل الله "انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب"

(اخرجه ابن مردویه درواه ابو حاتم وابن حبان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیۃ کریمہ "مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله" الی آخر الآیة" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے رب تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے میرے رب میری امت کے لئے اور زیادہ کر تو اللہ تعالیٰ نے "من ذالذی یقرض الله قرضاحسنا" آیہ کریمہ کو نازل فرمایا، پھر آپ نے عرض کیا اے میرے رب میری امت کے لئے اور زیادہ کر تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ کریمہ نازل فرمائی "انمایو فی الصابرون اجرهم بغیر حساب" صبر کرنے والوں یعنی روزہ داروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔ (ماخوذ از صابونی)

☆ "اخرج البخاری فی تاریخه عن انس عن النبی ﷺ النفقة فی سبیل الله تضاعف سبعمائة ضعف"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے

Marfat.com

سے سات سو گنا تک ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (درمنثور)

☆ "واخرج احمد والطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی سننه عن بریدة قال قال رسول اللهﷺ النفقة فی الحج کا لنفقة فی سبیل الله الدرهم بسبعما ئة ضعف"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہﷺ نے فرمایا حج میں خرچ کرنے سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی طرح ہی سات سو گنا تک ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (درمنثور)

☆ " واخرج ابو داؤد والحاکم وصححه عن معاذ بن انس قال قال رسول اللهﷺ ان الصلوة والصیام و الذکر تضاعف علی النفقة فی سبیل الله بسبعما ئة ضعف"

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہﷺ نے فرمایا بیشک نماز اور روزے اور ذکر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر سات سو گنا زائد ہیں۔ (در منثور)

☆ "عن ابی ذر قال قال رسول اللهﷺ ان بکل تسبیحة صدقة و کل تکبیر ة صدقة و کل تحمید ة صدقة و کل تهلیلة صدقة و أمربا لمعروف صدقة ونهی عن المنکر صدقة وفی بضع احدکم صدقة قالو ایا رسول الله ایأ تی احد نا شهوته ویکون له فیها اجر قال ارأیتم لو وضعها فی حرام اکان علیه فیه وزر فکذ لک اذا وضعها فی الحلال کان له اجر" (رواہ مسلم، مشکوۃ کتاب الصدقۃ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہﷺ نے فرمایا بیشک ہر تسبیح صدقہ ہے، اور ہر تکبیر صدقہ ہے، اور ہر تحمید صدقہ ہے، اور ہر تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے، اور اچھے کام کا حکم دینا صدقہ ہے، اور برے کام سے روکنا صدقہ ہے، اور تم میں سے ہر ایک کا جماع کرنا صدقہ ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہﷺ کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرلے تو اسے بھی ثواب حاصل ہوگا آپ نے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں اگر کوئی شخص حرام کا ارتکاب کرے تو وہ گنہگار ہوگا۔ جب حرام سے بچ کر وہ حلال کام کرے گا تو اسے اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ ہر نیکی کا کام دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ثواب رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ

Marfat.com

جس کے لئے چاہے اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق:

"الصدقة هي منحة لثواب الآخرة والهدية ان يملك الرجل تقربا اليه واكرامالہ ففی الصدقة نوع ترحم وذل للآخذ ولذ لک حرمت على النبی ﷺ بخلاف الهدية"

(مرقاة، ج ۴ ۱۶۴، باب من لا تحل له الصدقة)

صدقہ اس عطیہ کو کہا جاتا ہے جو آخرت کے ثواب کو دیا جاتا ہے صدقہ میں دوسرے شخص پر رحم پایا جاتا ہے اور لینے والے کی ذلت بھی پائی جاتی ہے۔

ہدیہ اس عطیہ کو کہا جاتا ہے جس میں اس شخص کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس شخص کی عزت مقصود ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لئے صدقہ حرام تھا۔ لیکن ہدیہ آپ کے لئے جائز تھا۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے لئے صدقہ دینے کی ترغیب دی اور اس پر برانگیختہ کیا (ابھارا) اس کی وجہ غریب ومساکین پر شفقت تھی، یعنی مسلمان غنی لوگوں سے صدقات لے کر مسلمان فقراء کو دینے کا حکم تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو اغنیاء اور فقراء کے درمیان سفیر بنایا، خود آپ نے صدقہ نہیں لیا تا کہ طمع اور لالچ کا دروازہ مکمل طور پر بند کر دیا جائے۔ (مرقاة)

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے بیان کیا ہے کہ بنو ہاشم کے لئے فرضی صدقہ کا ہدیہ حرام ہے لیکن نفلی صدقہ جائز ہے، فرض صدقہ کی مثال اس پانی کی ہے جو حدث کو دور کرنے کیلئے استعمال کرے، کیونکہ صدقہ لوگوں کے مالوں کو میل کچیل ہے، لیکن نفلی صدقہ بنو ہاشم کے لئے جائز ہے یہ اس پانی کی طرح ہے جس کو صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔

"وقال ابن حجر وابن الملک يحرم عليه ﷺ الصدقة الواجبة والمندوبة واما على آله فالمفروضة لا غير" (مرقاة ج ۴، ص ۱۶۵، ۶۶)

نفلی صدقہ صرف نبی کریم ﷺ کی آل کے لئے جائز ہے، آپ کی اپنی ذات کی بلندی شان کے پیش نظر فرض اور نفلی صدقہ ہر قسم کا حرام تھا۔

Marfat.com

وہ بنو ہاشم جن پر صدقات فرضیہ حرام ہیں:

وہ ہیں آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بن عبدالمطلب۔ (قدوری)

نبی کریم ﷺ کے آباء واجداد میں سے چوتھے درجے پر عبدمناف ہیں۔ عبدمناف کے چار بیٹے تھے۔

مطلب، نوفل، عبدشمس، ہاشم۔

ہاشم کے چار بیٹے تھے، سب کی نسل منقطع ہوگئی سوائے عبدالمطلب کے، عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے، باقی تمام اولاد عبدالمطلب کو زکوۃ دینی جائز ہے جبکہ وہ مسلمان ہوں اور مستحق ہوں۔ صرف اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب اور اولاد ابی طالب کو زکوۃ نہیں دے سکتے، لیکن اولاد ابی طالب سے مراد بھی صرف اولاد علی، اولاد جعفر اور اولاد عقیل ہے۔

درحقیقت یہ لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے اور آپ کے خدمت گذار ہیں ان کو آپ کی قرابتداری حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ابولہب کی اولاد سے کوئی مسلمان اور مستحق زکوۃ ہو تو اسے زکوۃ دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لا قرابة بینی وبین ابی لھب" میرے اور ابولہب کے درمیان کوئی قرابت نہیں، اسی سے واضح ہوا کہ جن کتب میں ذکر ہے کہ بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں، اس سے مراد تمام بنو ہاشم نہیں، بلکہ بعض مراد ہیں، جن کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ (از طحطاوی)

سیدالاولیاء حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کا فتوی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، امابعد!

در حرمت صدقات فرضیہ بر بنی ھاشم حدیث بریرہ و حدیث تمرہ دلالت بر عموم دارد، لکن بعض مجتھدین کرام عند الامام الھمام ابا حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ حرمت را مخصوص بزمان آنحضرت ﷺ داشتہ و امام طحاوی رضی اللہ عنہ کہ از ثقات و مشار الیہ است در تحقیق وتنقید احادیث نبویہ علی صاحبھا الصلوۃ

Marfat.com

والسلام همیں را معتقد و معمول به قرار داده قال صاحب تفسیر روح البیان تحت الآیة واعلموا انما غنمتم (الی) وابن السبیل) بعد الترجمة والتحقیق اللفظی کما هورأبه شکر الله تعالی سعیه" وفی شرح الآثار عن ابی حنیفة ان الصدقات کلها الی فرضها ونا فلها جائزة علی بنی هاشم والحرمة فی زمان النبی علیه السلام لو صول خمس الخمس الیهم فلما سقط ذلک بمو ته حلت لهم الصدقة قال الطحاوی و با لجواز نأخذ " انتهی" پس نظریه قول امامنا الاعظم در ذهن نا قص همیں جو از است.
فان قلت کیف ذلک والا حا دیث مصرحة بعموم النهی فیستدل بها بعد العلم بصحتها علی تز نیف الروایة المذکورة فی شرح الآثار قلت اولا ان احتمال عدم وصول الاحادیث الی المجتهد ساقط فانه یسلم الحرمة لکن یخصه بعهد النبی ﷺ والحرمة مذکورة فی الا حا دیث فحسب فعلم ان اجتها ده افضا ه الی القول بالجواز فالا ستد لال المذکور با طل وثانیا ان الفقها ء صر حوا بان العجم ضیعوا انسا بهم فکیف یحکم قطعا با لحرمة" ایں است ما حضر والله اعلم وعلمه اتم وما ابرئ نفسی"

(الراقم مهر علی شاہ عفی عنه)

خلاصہ ترجمہ:

حضرت نے بحوالہ تفسیر روح البیان زیر آیت۔

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتامی و المساکین وابن السبیل" (انفال ۴۱)

معانی الآثار امام طحاوی سے نقل فرمایا کہ حضرت امام ابی حنیفہ کے نزدیک بنی ہاشم کے لئے ہر قسم کے صدقات فرضیہ ہوں یا نافلہ جائز ہیں۔ ان کی حرمت بنی ہاشم کے لئے فقط زمانہ نبی علیہ السلام میں تھی کیونکہ اس وقت انہیں مال خمس سے حصہ ملتا تھا جب آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد یہ حصہ ان کے لئے ساقط ہوگیا تو صدقات ان

Marfat.com

کے لئے حلال ہو گئے، امام طحاوی فرماتے ہیں ہم جواز پر فتوی دیتے ہیں رہا یہ سوال کہ ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ان احادیث کا علم نہ ہوا ہو جن سے صدقات فرضیہ کی حرمت بنی ہاشم کے لئے ثابت ہے، تو اس کا جواب حضرت قبلہ عالم رحمہ اللہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان احادیث کو جانتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حرمت اور منع آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے ساتھ مختص تھی لہٰذا ایک محقق مجتہد کے اجتہاد سے یہ ثابت ہوا کہ احادیث نہی اپنی جگہ درست ہیں، لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ نے نہی اور حرمت کی علت خمس کا حصہ ملنا قرار دیا، لہٰذا جب یہ حصہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہوئی، (نیز ایک الزامی جواب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا) کہ جب عجمی لوگوں کے انساب فقہاء کرام کے نزدیک ضائع ہو چکے ہیں یعنی ان کا اعتبار نہیں رہا تو محض شک سے حرمت کیسے ہوگی۔

(فتاوی مهریه ۱۸، ۱۹)

دانہ سے تشبیہ کا مطلب:

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو دانہ سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح ایک دانہ کاشت کیا جائے اس سے سات شاخیں نکلیں، ہر شاخ پر ایک بالی ہو اس طرح اس سے سات بالیاں (سٹے، خوشے) اگیں، اور ہر بالی یعنی ہر سٹے میں سو دانے ہوں تو ایک دانے سے سات سو دانے بن گئے، اسی طرح رب تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے سات سو نیکیوں کا ثواب حاصل ہوگا، یعنی خرچ ایک روپیہ کرے گا ثواب سات سو روپے خرچ کرنے کا حاصل ہوگا۔

دانہ سے مراد کونسا دانہ ہے؟

"وهذا التمثيل تصوير للاضعاف كأنها ماثلة بين عيني المناظر والممثل به موجود في الدخن والذرة"

اس مثال سے نیکیوں کے بڑھ جانے کی تصویر آنکھوں کے سامنے لائی گئی، کیونکہ انسان عام طور پر جوار اور باجرے کے دانہ میں دیکھتا رہتا ہے کہ ایک دانہ سے سات سو دانے ہو جاتے ہیں۔

(مدارک)

Marfat.com

"واللّٰه یضاعف لمن یشاء": "اور اللہ زیادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے"۔

"معناه یضاعف علی هذا ویزید لمن یشاء من .... سبعمائة الی مایشاء من الاضعاف ممالایعلمه الا اللّٰه"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے سات سو سے زیادہ کر دے اس زیادتی کی حد اور مقدار کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور نہیں جانتا۔ (خازن)

"فمثل المتصدق کمثل الزارع اذا کان حاذقا فی عمله وکان البذر جید وکانت الارض عامرة یکون الزرع اکثر فکذلک المتصدق اذا کان صالحا والمال طیبا و وضع فی موضعه یکون الثواب اکثر"

اللہ کی راہ میں صدقہ دینے والے کو جب کھیتی باڑی کرنے والے سے تشبیہ دی گئی تو اس سے مسئلہ بہت واضح ہو گیا کیونکہ کھیتی باڑی کرنے والا جب ماہر ہو، کام کو صحیح سمجھتا ہو، اور بیج (دانہ) عمدہ ہو، اور زمین زرخیز ہو یعنی زمین میں فصل اگانے کی کامل تاثیر پائی جاتی ہو تو کھیتی کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، ایک دانہ سات سو دانوں سے بھی کہیں زیادہ ہو جاتا ہے، اسی طرح صدقہ کرنے والا بھی جب نیک ہو اور مال حلال ہو اور صدقہ مستحقین کو دے اور شریعت کے مطابق عمل کرنے والوں کو دے، حلال کاموں پر خرچ کرنے والوں کو دے تو یقیناً ان لوگوں کے صدقہ کو اللہ تعالیٰ بڑھائے گا یعنی جن کو رب تعالیٰ چاہے انہیں اس کو توفیق عطا فرماتا ہے اور ان کے صدقہ میں ہی اجر و ثواب کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اس پر حدیث پاک دیکھئے۔

"عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل اللّٰه الا الطیب فان اللّٰه یتقبلها بیمینه ثم یربیهالصاحبها کمایربی احدکم فلوة حتی تکون مثل الجبل" (بخاری ومسلم، مشکوۃ باب فضل التصدق)(ماخوذ از روح البیان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا کسب حلال سے "اللہ تعالیٰ سوائے حلال مال کے قبول نہیں فرماتا" تو بیشک اللہ تعالیٰ

Marfat.com

اس کو اپنے دائیں دست قدرت (جواس کی شان کے لائق) سے قبول فرماتا ہے، پھر اس صدقہ کرنے والے کے لئے اسے بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنے گھوڑی کے بچے کی پرورش کرے تو وہ پہاڑ کی طرح مضبوط بن جائے۔

''بعدل تمرة''(بفتح العین و کسرھا) کھجور کی مقدار صدقہ کرے خواہ وہ صورت کے لحاظ پر کھجور کی مقدار میں ہو، یا قیمت کے لحاظ پر کھجور کی مقدار میں ہو۔

''من کسب طیب'' کسب حلال' خواہ وہ مال حلال طریقہ سے یعنی صنعت سے حاصل کرے یا تجارت سے یا زراعت وغیرہ سے۔ خواہ وہ حلال مال اسے بطور وراثت ملے یا بطور ہبہ ملے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ دائیں ہاتھ سے قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اچھی طرح قبول فرماتا ہے، اور اس کا صدقہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے مطابق واقع ہوتا ہے، اور وہ کامل صدقہ ہوتا ہے، یہ عام عادت کے مطابق محاورہ ہے، یعنی جس طرح پسندیدہ چیز کو دائیں ہاتھ میں لیا جاتا ہے اسی طرح (بلاتشبیہ وتمثیل) کسب حلال سے صدقہ کیا ہوا مال رب تعالیٰ کی رضا کے مطابق پسندیدہ صدقہ ہے جو اچھی طرح مقام قبولیت میں آتا ہے۔

''فلوہ''بفتح الفاء وبضم وبضم اللام وتشدید الواوای المھر وھو ولد الفرس''

یعنی 'فلو' کا معنی گھوڑے کا بچہ، پہاڑ کی طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہاڑ کی طرح مضبوط جسم ہو جائے۔

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ رزق حلال سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے حضور قبول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کو اتنا زیادہ ثواب عطاء کرتا ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے۔ (مرقاۃ)

دانہ سے مثال کے متعلق علامہ آلوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

''(انبتت سبع سنابل)ای اخرجت تلک الحبة ساقا تشعب منه سبع شعب لکل واحد منها سنبلة''

یعنی رب تعالیٰ نے اس دانہ سے تشبیہ دی جس سے سات بالیاں اگیں، مطلب یہ ہے کہ ایک دانے سے ایک شاخ پیدا ہوتی ہے، پھر اس سے سات شاخیں پیدا ہوتی ہیں، پھر ہر شاخ پر ایک بالی ایک سٹہ لگتا۔

Marfat.com

"فی کل سنبلة مائة حبة" ہر سٹے (بالی) میں سو دانہ ہو۔

"کما نری ذلک فی کثیر من الحب فی الاراضی المغلة بل اکثر من ذلک"

ہم غلہ دینے والی زمین میں دیکھتے ہیں کہ کثیر دانے ایسے ہیں جو ایک ایک سے سات سو بن جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ (روح المعانی)

روح المعانی کی اس بحث سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ کسی نے دیکھا کہ ایک دانہ سے سات سو دانے بن جاتے ہیں، یہ کلام علیم وخبیر ذات کا ہے جو حقیقت پر مبنی ہے، کوئی فرضی مثال نہیں، جن مفسرین کرام نے زراعت کا پیشہ اختیار نہیں کیا ان سے غلطی کا واقع ہونا باعث تعجب نہیں۔ راقم نے چونکہ تین سال زراعت کا پیشہ بھی اختیار کیا اس لئے روح المعانی سے ہی راقم کے ذہن نے موافقت کی۔

"واللّٰہ واسع علیم" "اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زیادہ ثواب عطاء کرنا چاہے تو اسے کوئی تنگی حاصل نہیں بلکہ وہ وسعت کا مالک ہے، اور وہ خرچ کرنے والے کی نیت اور خرچ کرنے کی مقدار کو جانتا ہے اور جو اس نے خرچ کیا اس پر ثواب حاصل ہونے کی کیفیت کو جانتا ہے۔ (روح البیان)

خرچ کرنے کے مراتب:

"انفاق العامة بالمال فاجرهم الجنة"

عام لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت عطاء فرماتا ہے اسے "انفاق العوام" کہا جاتا ہے۔

"وانفاق الخواص اصلاح الحال بتزکیة النفس وتصفیة القلب فاجرهم یوم القیامة النظر الی وجه الله تعالیٰ"

اور خرچ کرنے کا دوسرا درجہ "انفاق الخواص" ہے، وہ یہ ہے کہ نفس کو پاک کرنے اور دل کو صاف کرنے سے حال کو درست کرے، ان کا اجر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ذات کا (بغیر کسی کیفیت کے) دیدار حاصل ہونا ہے۔

Marfat.com

یہ بھی خیال رہے کہ انفاق کا پہلا درجہ حاصل ہوگا تو اس سے دوسرا درجہ بھی حاصل ہوگا، اسی لئے مومن کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں مال محبت وخلوص سے خرچ کر کے اپنے نفس کو پاکیزہ کرے اور اپنے دل کو صاف کرے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا اسے قرب حاصل ہو، اعلیٰ مقام حاصل ہو، اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو، اور انسان بخل سے کام نہ لے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ خسارہ پانے والوں میں نہ ہو۔ (از روح البیان)

پیشہ زراعت کی فضیلت:

یہ آیہ کریمہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ کھیتی باڑی تمام پیشوں اور کسبوں سے اعلیٰ پیشہ اور اعلیٰ کسب ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مثال بیان کی جو فی سبیل اللہ مال خرچ کرتے ہیں۔

☆ "عن النبی ﷺ مامن مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیأ کل منه طیر او انسان او بهیمة الاکان له صدقة" (رواہ مسلم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے تو اس سے پرندے کھائیں، یا انسان کھائیں، یا چوپائے کھائیں مگر یہ کے اسے صدقہ کا ثواب حاصل ہوگا۔

☆ "عن عائشة قال رسول ﷺ التمسو الرزق فی خبا یا الارض "یعنی الزرع" (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کھیتی باڑی میں رزق تلاش کرو۔

☆ "قال رسول اللہ ﷺ (فی النخل) هی الراسخات فی الوحل المطعمات فی المحل"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (یعنی کھجور کا درخت) نرم تر زمین میں راسخ ہوتا ہے جو قحط کے موقع پر رزق دیتا ہے۔

یعنی کھجور کے درخت کی جڑیں نیچے تر زمین تک پہنچی ہوتی ہیں، بارش نہ ہونے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ اسے پھل عطا کرتا ہے جو روزی کا ذریعہ ہے۔ ان تمام احادیث مبارکہ سے درخت لگانے اور کھیتی باڑی کرنے کی فضیلت واضح ہو رہی ہے۔

معتضد باللہ نے بیان کیا ہے میں نے خواب میں دیکھا کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے کندال

Marfat.com

(مین کھودنے کا آلہ) عطاء کی، اور فرمایا " خذھا فانھا مفاتیح خزائن الارض " اسے پکڑو بیشک یہ زمین کے خزانوں کی چابی ہے۔ یعنی یہ آلہ کھیتی باڑی میں کام آنے والا ہے، جو رزق کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ماخوذ از قرطبی)

☆☆☆☆☆

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۲)

﴿۱﴾

وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر دیئے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں، ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

﴿۲﴾

وہ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، پھر نہیں پیچھا کرتے خرچ کرنے کا احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے سے، ان کے لئے اجر ہے ان کا ان کے رب کے ہاں، اور نہیں ہے خوف ان پر اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

شانِ نزول:

بیان کیا گیا ہے کے یہ آیۃ کریمہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی کہ آپ نے غزوہ تبوک میں مسلمانوں کے لشکر کو تیار کیا ایک ہزار اونٹ بمع پالان وغیرہ کے دے کر، تو یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

" وعن عبد الرحمن بن سمرة جاء عثمان بالف دینار فی جیش العسرة فصبها فی حجر النبی ﷺ فرأیته یدخل یدہ فیها ویقلبها ویقول ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم

Marfat.com

فانزل الله الذین ینفقون اموالھم فی سبیل الله الخ"

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوہ عسرہ (غزوہ تبوک) کے لشکر کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ہزار دینار لائے اور نبی کریم ﷺ کی گود میں ڈال دیئے، میں نے آپ کو دیکھا کے آپ نے اپنا ہاتھ ان دیناروں میں ڈالا اور انہیں الٹ پلٹ کرر ہے ہیں، اور فرمار ہے ہیں آج کے بعد عثمان کو کوئی نقصان نہیں جو عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ کریمہ نازل فرمائی۔

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی درپیش آنے کے بعد یہ آیۃ نازل ہوئی۔

" واما عبد الرحمن فجاء باربعة آلاف درھم صدقة الی رسول الله ﷺ وقال عندی ثمانية آلاف فا مسكت لنفسی ولعيالی اربعة آلاف واربعة آلاف اخرجتها لربی عزوجل فقال رسول ﷺ بارک الله لک فيما امسكت وفيما اعطيت "

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے چار ہزار درھم لائے اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں، میں نے اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے چار ہزار رکھ لئے ہیں اور چار ہزار اپنے رب کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آپ کے پاس لے آیا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطاء فرمائے ان میں جو تم نے رکھ لئے ہیں اور برکت عطاء فرمائے ان میں جو تم نے خرچ کر لئے ہیں۔ (خازن)

فائدہ:

"وقال ابو سعيد الخدری رأيت النبی ﷺ رافعا يديه لعثمان يقول يارب عثمان انی رضيت عن عثمان فأرض عنه، فما زال يدعو حتی طلع الفجر فنزلت الذين ينفقون اموالھم الخ "

حضرت ابوسعید حدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں غزوہ تبوک کے لئے مال پیش کیا تو میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ ہاتھ

Marfat.com

اٹھائے ہوئے دعا فرمارہے ہیں اور عرض کررہے ہیں اے عثمان کے رب بیشک میں عثمان سے راضی ہوں، تو بھی اس سے راضی رہ، آپ صبح صادق تک یہی دعا فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ (قرطبی)

تنبیہ: پہلی آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس پر ثواب کی زیادتی کا ذکر فرمایا، اور اس آیۃ کریمہ میں وضاحت فرمائی کے وہی مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل کرے گا جس پر احسان نہ جتلایا گیا ہو اور نہ ہی اس شخص کو اذیت پہنچائی جائے جسے مال دیا گیا ہے۔ (از قرطبی)

منّ اور اذیٰ کا مطلب:

﴿۱﴾ "منّ" کے لغوی معانی میں سے ایک معنی ہے، انعام کرنا، جس طرح کہا جاتا ہے "منّ فلان علیٰ فلان" فلاں شخص نے فلاں پر انعام کیا۔ جیسا کے ابن عرابی کے شعر میں اسی معنی میں ذکر ہے۔

فمن علینا بالسلام فانما　　کلامک یاقوت ودرر منظم

ہم پر سلام کا احسان کرو بیشک، تمہارا کلام یاقوت اور پروئے ہوئے موتی ہیں۔

☆ "قال رسول اللہ ﷺ ما من الناس احدا منّ علینا فی صحبتہ ولاذات یدہ من ابن ابی قحافۃ"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کا ہم پر زیادہ احسان ہو بنسبت ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے خواہ وہ احسان ساتھ نبھانے کا ہو یا مالی معاونت کا ہو۔

اس حدیث شریف میں بھی "امنّ" کا لفظ استعمال ہے جس کا معنی احسان کرنا ہے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کے ان کا مجھ پر مالی تعاون کا اور سفر وحضر میں میرے ساتھ رہنے کا بہت بڑا احسان ہے۔

راقم نے ایک مرتبہ یہی حدیث تقریر میں بیان کی تو اس پر اس طرح وضاحت کی کہ یہ تو میرے نبی کریم ﷺ کی کرم نوازی ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان بیان کی کہ تمام صحابہ سے آپ نے نبی کریم ﷺ کی مالی معاونت زیادہ کی اور ہر سفر وحضر میں حضور ﷺ کا ساتھ نبھایا، ورنہ حقیقت میں احسان عظیم تو میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کا

Marfat.com

ہی ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمہ پڑھا کر دولت ایمان سے نوازا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور اللہ تعالیٰ کا وصف بھی ''منان'' ہے، جس کا معنی ہے ''منعم'' انعام کرنے والا، احسان کرنے والا۔

﴿۲﴾ " منّ " کا ایک معنی ہے، کم کرنا، اور ختم کرنا، یہی رب تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں استعمال ہوا ہے " وان لک لأجرا غیر ممنون " اور بیشک تمہارے لئے اجر ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔

موت کو بھی منون کہتے ہیں کیونکہ اس سے عمر ختم ہو جاتی ہے، سال، مہینے اور دنوں کے شمار میں اختتام ہو جاتا ہے۔

﴿۳﴾ " من " کا اور معنی ہے احسان جتلانا، یہ کہتے رہنا کہ میں نے تم پر احسان کیا، میں نے تمہاری مالی معاونت کی تم غریب تھے میں تمہاری امداد کرتا رہا، وغیرہ۔

آیۃ کریمہ میں یہ معنی لیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے پھر احسان نہ جتلائے۔

" اذی " کا معنی اذیت پہنچانا، تکلیف دینا۔ یعنی صدقہ کر کے پھر اس سے اپنا کام لینا اور اسے تکلیف دینا اذیت پہنچانا ہی ہے، بلکہ اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھنا اور اسے حقیر سمجھنا، اور اپنے دیئے ہوئے مال کو بڑا سمجھنا، اور یہ کہنا کہ تم میرے پاس آتے تھے میں تمہاری مالی امداد کرتا تھا یہ ذہنی اذیت پہنچانے کے مترادف ہے۔ (از شیخ زادہ)

صدقات کی تین قسمیں:

﴿۱﴾ " ان الصدقةيريدبها وجه الله تعالى و ثوابه بانفاقه على المتفق عليه "

صدقہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی حاصل کرنی مقصود ہو، اور جس شخص کو مال دے رہا ہے اس سے مراد صرف ثواب حاصل کرنا ہو، اس کے حال کو نہ دیکھا جائے بلکہ اس کے حق دار ہونے کو دیکھا جائے۔

﴿۲﴾ اگر کوئی شخص کسی کو اس لئے مال دے کہ اس کے مجھ پر احسانات ہیں، لہٰذا میں اسے مال دے دوں تاکہ احسانات کا بوجھ اتر جائے۔

﴿۳﴾ کسی کو مال دے کر اس پر احسان جتلایا جائے اور اسے اذیت پہنچائی جائے۔

ان تینوں قسموں میں پہلی قسم کا صدقہ معتبر ہے کیونکہ وہ اللہ کی رضا کے لئے دیا گیا ہے، دوسری دونوں قسمیں

Marfat.com

غیر معتبر ہیں اللہ کے ہاں وہ قبول نہیں، اس لئے کہ ان میں رب تعالیٰ کی رضا نہیں پائی گئی اور احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی بھی کی گئی۔ (ماخوذ از قرطبی)

احسان جتلانا گناہ کبیرہ ہے:

"عن ابی عمر قال رسول اللہ ﷺ ثلاثہ لا ینظر اللہ الیھم یوم القیامة العاق لوالدیہ والمراة المترجلة تشبہ بالرجال والدیوث، وثلاثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیہ والمدمن الخمر والمنان بمااعطی" (رواہ النسائی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا، ماں باپ کے نافرمان کی طرف، اس عورت کی طرف جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے، اور دیوث کی طرف، (دیوث اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی عورت کے ساتھ غیر محرموں کو رنگ رنگلیاں مناتے دیکھ کر برداشت کرتا ہے) اور تین شخص (ابتدائی طور پر) جنت میں داخل نہیں ہوں گے ایک ماں باپ کا نافرمان، اور دوسرا شرابی، اور تیسرا اعطاء کرنے پر احسان جتلانے والا۔ (از قرطبی)

☆ "اخرج البخاری و مسلم والترمذی عن عائشة قالت دخلت علی امرأة ومعھا ابنتان لھا تسألی فلم تجد عندی شیأ سوی تمرة واحدة فاعطیتھا ایاھا فقسمتھما بین ابنیتھا ولم تأکل منھا ثم قامت وخرجت فدخل النبی ﷺ فاخبرتہ فقال من ابتلی من ھذہ البنات بشیٔ فاحسن الیھن کن لہ سترامن النار"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک عورت میرے پاس آئی، اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، اس نے سوال کیا، لیکن اس نے میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ پایا وہی ایک کھجور میں نے اسے دے دی اس نے وہ کھجور دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور خود اس نے اس میں سے کچھ نہ کھایا، وہ اٹھ کر چلی گئی، تو نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا جو بیٹوں کے معاملہ میں مبتلاء ہوا اور ان پر احسان فرمایا تو اس کے لئے آگ

Marfat.com

سے حجاب بن جائے گا۔ (درمنثور)

واضح ہوا تھوڑا صدقہ خلوص سے دیا ہوا رب کے حضور قبول ہے، اور بیٹیوں پر رحم کرنا جہنم کی آگ سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

☆ " واخرج ابن ابی شیبة وابو داؤد والترمذی وابن حبان عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له ثلاث بنات اوثلاث اخوات اوبنتان او اختان فاحسن صحبتهن واتقی اللہ فیهن وفی لفظ فادبهن واحسن الیهن وزوّجهن فله الجنة"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں تو یہ شخص ان کو اچھی طرح اپنے پاس رکھے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کو ادب سکھائے، اور ان پر احسان فرمائے اور ان کا نکاح کر دے تو اس کے لئے جنت ہے۔ (در منثور)

"لهم اجرهم عند ربهم" : "ان کا اجر ان کے رب کے ہاں"۔

یعنی یہ مشروط ہے اس سے کہ مال خرچ کرنے والا مومن ہو، اور احسان جتلا کر یا جسے مال دیا اسے اذیت پہنچا کر اپنے صدقہ کو باطل کرنے والا نہ ہو۔

"ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون":

"اور نہیں خوف ان کو، اور نہ وہ غم میں ہوں گے"۔

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ان کا ضائع نہیں ہوگا اور قیامت کے دن ان کو وافر مقدار میں ثواب حاصل ہوگا، ان کو اس کا کوئی خوف کوئی غم نہیں ہوگا کہ ان کا ثواب کہیں ضائع نہ ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔" ومن یعمل من الصالحات فلا یخاف ظلما ولا هضما" (پ۱۶، طه ۱۱۲)

اور جو اچھے عمل کرے اس حال میں کہ وہ مؤمن تو اسے خوف نہیں ہوگا زیادتی کا اور نہ نقصان کا۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس کے بعد احسان نہ جتلانے والوں اور اذیت

Marfat.com

نہ پہنچانے والوں کو قیامت کے دن عذاب کا خوف نہیں ہوگا جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

" وهم من فزع يومئذ آمنون" اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے اور ارشاد فرمایا: "لا يحزنهم الفزع الا كبر" انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ۔ (از کبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

بظاہر یہاں وہم یہ ہے کہ علم نحو کا قانون یہ ہے کہ "ثم" تراخی پر دلالت کرتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ " الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله " جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں۔ اس کے بعد ذکر فرمایا۔"ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى" پھر وہ پیچھا نہیں کرتے خرچ کرنے پر احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے سے۔ مال خرچ کرنے کے بعد کچھ دیر سے احسان جتلانا اور اذیت پہنچانا منع ہے، لیکن اسی وقت احسان جتلانا اور اذیت پہنچانا منع نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔

"ثم للتفاوت بين الانفاق وترك المن وا لا ذى" (بیضاوی)

" يعنى انها للتر اخى فى الرتبة لا فى الزمان" (شیخ زادہ)

کہ یہاں لفظ "ثم" تراخی رتبی کے لئے ہے تراخی زمانی کے لئے نہیں۔ یعنی اس سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ خرچ کرنے اور احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کو چھوڑنے میں فرق ہے یعنی "من واذی" کو ترک کرنا فقط خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَاۤ اَذًى ‌ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۳)

﴿۱﴾

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو، اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے۔

﴿۲﴾

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے اذیت پہنچانا ہو، اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے۔

"قول معروف": "اچھی بات کہنا"۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے مختلف الفاظ پیش کیے ہیں جو تمام ہی معتبر ہیں اور "اچھی بات" میں سمٹ کر آجاتے ہیں۔

"قول معروف، ای کلمة طیبة و دعاء لمسلم" (صابونی)

اچھے کلام سے مراد اچھی بات اور مسلمان بھائی کے لئے دعاء کرنا۔

"(قول معروف) ای کلام جمیل تقبله القلوب ولا تنکره یر دبه السائل من غیر عطاء شیٔ" (ابو السعود)

اچھا کلام وہ ہے جسے دل قبول کریں اور دل اس کا انکار نہ کریں دل اس سے دور نہ ہوں، سائل کو بغیر دینے کے لوٹا دے لیکن کلام اچھا اور نرم ہو، جس سے اس کا دل مطمئن رہے، ایسا سخت کلام نہ کرے جس سے اس کا دل زخمی ہو وہ پہلے ہی تنگدستی کی وجہ سے پریشان حال ہے۔

"(قول معروف) ای کلام جمیل یر دبه السائل مثل یرحمک الله یرزقک الله ان شاء الله تعالی اعطیک بعدهذا"

اچھی بات سے سائل کو لوٹا دے، مثال کے طور پر یہ کہے اللہ تم پر رحم کرے، تمہیں رزق رب تعالیٰ

Marfat.com

عطاء فرمائے، پھر کبھی آنا میں بھی ان شاء اللہ تمہیں عطاء کروں گا۔ (روح المعانی)

"والقول المعروف هو الدعاء والتانيس والترجية بماعندالله خير من صدقة هي في ظاهرهاصدقة وفي باطنها لاشئ،لان ذكر القول المعروف فيه اجر وهذه لااجر فيه"
(قرطبی)

اچھی بات سے مراد دعاء کرنا اور محبت کا کلام۔ ضیا القران میں پیر صاحب نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے "میٹھے بول" اور سائل کو یہ امید دلانا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطاء فرمائے گا، اس خوبصورت انداز پر سائل کو لوٹانا بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے بعد احسان جتلایا جائے اور اسے اذیت پہنچائی جائے یا صدقہ دے اور جھڑک اور سخت کلامی سے اس کے دل کو زخمی کرے، اس قسم کا صدقہ ظاہری طور پر صدقہ ہے حقیقت میں وہ صدقہ نہیں، واضح ہوا کہ اچھی بات، میٹھے بول سے سائل کو خالی لوٹا دینے میں اجر ہے، لیکن صدقہ دے کر اسے تکلیف پہنچانے میں کوئی اجر ثواب نہیں۔

☆ "قال رسول اللہ ﷺ الكلمة الطيبة صدقة وان من المعروف ان تلقى اخاك بوجه طلق"
(مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھی بات، پیارا کلمہ بھی صدقہ ہے اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے ملو تو ہنس مکھ یعنی مسکراتے ہوئے کھلکھلاتے چہرے سے ملو۔

"فيتلقى السائل بالبشر والترحيب ويقابله بالطلاقة والتقريب ليكون مشكورا ان اعطى ومعذورا ان منع"

سائل کو خوشی سے ملنا اور مرحبا کہنا، اور اس کے سامنے کشادہ روئی (مسکراتے چہرہ) سے آنا اور سے اپنے قریب کرنا ہی بہتر ہے تاکہ سائل کو اگر تم کچھ عطاء کر دو تو وہ تمہارا شکر گزار رہے، اور اگر تم کسی وجہ سے نہ عطاء کر سکو تو وہ تمہیں معذور سمجھے۔ (قرطبی)

"ومغفرة": "اور درگزر کرنا"۔

اس مقام میں "مغفرت" کے بھی مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں جو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ "درگزر کرنا" میں تمام کے تمام ہی آجاتے ہیں۔

Marfat.com

''(ومغفرة)ای ستر لماوقع من السائل من الالحاف فی المسألةوغیره ممایثقل علی المسؤل وصفح عنه'' (روح المعانی)

مغفرت کا لغوی معنی ہے ڈھانپنا، مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات سوال کرنے والے چمٹ کر بار بار سوال کرتے ہیں دامن کو نہیں چھوڑتے ایسی صورت میں انسان کی طبعیت پر بوجھ آنا قدرتی امر ہے، لہٰذا اس طبعی بوجھ کو چھپا کر رکھنا اور اچھی طرح اس سے دامن چھڑانا مغفرت ہے، مراد درگزر رہی ہے۔

''(ومغفرة) ای تجاوزعن السائل الملحّ بالردالجمیل''

مغفرت کا معنی ہے چمٹ کر سوال کرنے والے کو اچھی طرح لوٹانا اور اس سے درگزر کرنا۔

''وقال البغوی ای یسترعلی السائل خلته ولایهتک عنه ستره''

علامہ بغوی نے بیان کیا ہے کہ مغفرت کا مطلب یہ بھی ہے کہ سائل کے سامنے اپنی محتاجی کا ذکر نہ کرے، اپنے حال کا پردہ نہ پھاڑے، اپنی مجبوری کو چھپا کر رکھے، یعنی محتاجی کی وجہ سے نہ دے سکنے پر درگزر کرے۔

''وقیل المرادبه نیل مغفرة من الله بالردالجمیل''

اور یہ بھی مراد لی گئی ہے کہ سائل کو اچھی طرح لوٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت حاصل کرنا۔

مطلب تقریباً یہی ہے کہ سائل سے درگزر کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔

''وقیل المرادمغفرةالسائل المسؤ ل عنه بان یعذره ویغتفررده''

اور معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ جس سے سوال کیا گیا ہے، اس کے عذر پیش کرنے اور سائل کے سوال کو رد کرنے پر سائل اسے معاف کرے۔

مطلب اس صورت میں بھی یہی ہوگا کہ جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سائل کی بات سے درگزر کرے اور اچھی طرح اسے جواب دے اور پیار و محبت سے اسے لوٹائے پھر سائل بھی اسے معذور سمجھتے ہوئے درگزر کرے۔

''وقال الکلبی والضحاک المرادبالمغفرة التجاوزعن من ظلمه''

اصل معنی مغفرت کا یہی ہے کہ جو شخص زیادتی کرے اس سے درگزر کرنا۔ (از مظهری)

Marfat.com

"خیر من صدقۃ یتبعھا اذی" بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے پیچھے ستانا پایا جائے۔

یعنی اچھا کلام، میٹھا بول اور سائل کے چمٹ کر سوال کرنے پر درگزر کرنا اور اسے پیار و محبت سے خالی لوٹا دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد سائل کو ستایا جائے اور احسان جتلایا جائے۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

بظاہر یہاں اعتراض یہ ہے کہ " خیر " اصل میں " اخیر " ہے جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اسم تفضیل میں زیادتی بنسبت غیر کے پائی جاتی ہے، اصل فعل دوسرے کو بھی حاصل رہتا ہے جیسا کہ کہا جائے " حامد افضل من محمود " حامد زیادہ فضیلت رکھتا ہے محمود سے، اس کا مطلب یہ ہے کہ محمود کو بھی فضیلت حاصل ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ آیۃ کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جس صدقہ میں اذیت پہنچائی جائے وہ بھی اچھا ہے لیکن جس میں اذیت نہ پہنچائی جائے وہ زیادہ اچھا ہے۔ حالانکہ یہ معنی درست نہیں کیونکہ جس صدقہ میں اذیت پہنچائی جائے وہ تو مکمل طور پر باطل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔

" عند کم ذلک خیر لکن اعلموا ان ھذا خیر لکم فی الدنیا والآخرۃ"

کہ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم اگر چہ اس صدقہ کو بھی اپنے حق میں بہتر سمجھ رہے ہو جس کے بعد اذیت پہنچاتے ہو حالانکہ حقیقت میں تو یہ صدقہ ہی باطل ہے لیکن اگر تم غور کرو تو تم بھی اسے تسلیم کرو گے کہ وہی صدقہ تمہارے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے دیا جائے اور اس میں خلوص پایا جائے اور اس کے بعد احسان جتلایا جائے اور نہ ہی اسے ستایا جائے جسے صدقہ دیا جائے۔

(ماخوذ از روح المعانی)

"واللہ غنی حلیم": "اور اللہ بے پرواہ، حلم والا ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ غنی ہے، اسے بندوں کی کوئی پرواہ نہیں اور اسے بندوں کے صدقات کی ضرورت نہیں، بندوں کو صدقات دینے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ ان کو ثواب حاصل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ حلم والا ہے کہ جو شخص صدقہ دے کر

Marfat.com

پھر اس پر احسان جتلائے اور جسے صدقہ دیا اسے ستائے، اذیت پہنچائے اسے رب تعالیٰ جلدی عذاب نہیں دیتا، بلکہ مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر سچے دل سے تائب ہو جائے۔ (از قرطبی)

قول معروف بہتر صدقہ:

☆ " اخرج ابن ماجة عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال افضل الصدقة ان يتعلم المرء المسلم علما ثم يعلمه اخاده المسلم"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان انسان علم حاصل کرے، پھر وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو تعلیم دے۔ (در منثور)

☆ " واخرج المرهبی فی فضل العلم والبيهقی فی الشعب عن عبدالله بن عمروان رسول الله ﷺ قال ما اهدی المرء المسلم لا خيه هدية افضل من كلمة حكمة يزيده الله بها هدی اوير ده عن ردی"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کسی مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی کے لئے اس سے بہتر اور کوئی صدقہ نہیں کہ یہ اسے کوئی علم کا کلمہ سکھا دے، جس سے اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت میں زیادتی کرے اور اسے غلط کاموں سے بچالے۔ (درمنثور)

☆ "واخرج الطبرانی عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ نعم العطية كلمة حق تسمعها ثم تحملها الی اخ لک مسلم فتعلمها اياه"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اچھا عطیہ یہ ہے کہ تم کلمہ حق سن کر دوسرے مسلمان بھائی کو پہنچانے کے لئے یاد کرلو، پھر اپنے مسلمان بھائی کو وہ کلمہ حق سکھا دو۔ (در منثور)

سوال کرنے والا ہوسکتا ہے کوئی اور ہی مخلوق ہو:

"وروی من حديث عمر رضی الله عنه قال قال النبی ﷺ اذا سأل السائل فلا تقطعوا

Marfat.com

علیہ مسألته حتی یفرغ منها ثم ردوا علیه بوقار ولین اوبذل یسیر اورد جمیل فقد یأتیکم من لیس بأنس ولا جان ینظرون صنیعکم فیماخوّ لکم الله تعالیٰ"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کے سوال کو ختم ہونے سے پہلے قطع نہ کرو ،تم اسے پروقار طریقہ سے اور نرم لہجہ سے رد کرو، یا اس پر تھوڑا مال خرچ کردو، یا اچھی طرح جواب دے دو، کبھی تمہارے پاس وہ مخلوق آتی ہے جو نہ انسان ہوتے ہیں اور نہ جن (بلکہ وہ فرشتے ہوتے ہیں) وہ تمہیں دیکھنے کے لئے آتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطاء کر رکھا تم اسے میں کیا کرتے ہو، (یعنی کتنا مال تم اس ذات کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے جس نے تمہیں وہ مال دیا ہے۔ (قرطبی)

قرطبی نے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا جو مکمل طور پر درج کی جارہی ہے۔

☆ "عن ابی هریرة انه سمع النبی ﷺ یقول ان ثلاثة فی بنی اسرائیل ابرص واقرع واعمی فاراد الله ان یبتلیهم فبعث الیهم ملکا فاتی الا برص فقال ای شیٔ احب الیک قال لون حسن وجلد حسن ویذهب عنی الذی قد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب عنه قذره واعطی لو ناحسنا وجلد احسنا قال فای المال احب الیک قال الابل قال البقر شک اسحاق الاان الابرص اوالاقرع فقال ای شیٔ احب الیک وقال الآخر البقر قال فاعطی ناقة عشراء فقال بارک الله لک فیها قال فاتی الا قرع فقال ای شیٔ احب الیک فقال شعر حسن ویذهب عنی الذی قد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب عنه قال واعطی شعراحسنا قال فای المال احب الیک قال البقر فاعطی بقرة حاملاقا ل بارک الله تعالی لک فیها قال الاعمی فقال ای شیٔ احب الیک قال ان یرد الله الیّ بصری فا بصربه الناس قال فمسحه فرد الله الیه بصره قال فای المال احب الیک قال الغنم فاعطی شاة والدا فانتج هذان وولد هذا،فکان لهذ اوادمن الأبل ولهذاوادمن البقرة ولهذاوادمن الغنم قال ثم انه اتی الابرص فی صورته وهیئته فقال رجل مسکین قدانقطعت بی الجبال فی سفری فلا بلاغ لی الیوم الابالله ثم بک اسألک با لذی اعطاک اللون الحسن

Marfat.com

والجلد الحسن والمال بعیرا اتبلغ علیه فی سفری فقال الحقوق کثیرة فقال له کانی اعرفک الم تکن ابرص یقذرک الناس فقیرا فاعطاک الله فقال انما ورثت هذا المال کابرا عن کابر فقال ان کنت کاذبا فصیرک الله الی ما کنت، قال واتی الاقرع فی صورته فقال له مثل ماقال لهذا ورد علیه مثل مارد علی هذا فقال ان کنت کاذبا فصیرک الله الی ما کنت قال واتی الاعمی فی صورته وهیئته فقال رجل مسکین وابن السبیل انقطعت بی الحبال فی سفری فلا بلاغ لی الیوم الا بالله ثم بک اسألک بالذی رد علیک بصرک شاة اتبلغ بها فی سفری فقال قد کنت اعمی فرد الله الیّ بصری فخذ ماشئت ودع ماشئت فوالله لا اجهدک الیوم شیأ اخذته لله فقال امسک مالک فانما ابتلیتم فقد رضی عنک وسخط علی صاحبیک" (مسلم، ج ۲ ص ۴۱۶ کتاب الزهد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے برص کی مرض والا، گنجا اور نابینا، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا تو ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا، وہ برص والے کے پاس آیا، اسے کہا تجھے کیا چیز پسند ہے کہا اچھا رنگ، اور اچھی جلد، یعنی میری یہ حالت ختم ہو جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ تو اس فرشتے (جو انسانی شکل میں تھا) نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کے جسم کی وہ ناپسندیدہ حالت دور ہوگئی، اسے اچھا رنگ مل گیا، اور اس کا چمڑا حسین ہوگیا کہا تجھے کون سا مال پسند ہے، اس نے کہا مجھے اونٹ پسند ہیں (دوسری روایت بلاشک ہیں) تو اسے دس ماہ کی حاملہ (گابھن) دے دی گئی، اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت عطاء فرمائے۔ پھر وہ گنجے کے پاس آیا کہا تجھے کیا پسند ہے اس نے کہا اچھے بال یعنی میری یہ حالت چلی جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں، اس نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی وہ حالت (گنجاپن) کی ختم ہوگئی، اور اسے اچھے بال عطاء کر دیے گئے پھر اس سے تجھے کون سا مال پسند ہے اس نے کہا گائے، اسے ایک حاملہ گائے دے دی گئی اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت عطاء فرمائے، پھر وہ نابینا کے پاس آیا اسے کہا تجھے کیا چیز پسند ہے

Marfat.com

اس نے کہا اللہ تعالیٰ میری نظر لوٹا دے، جس کے ذریعے میں لوگوں کو دیکھ سکوں، اس پر ہاتھ پھیرا اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر لوٹا دی، پھر اس سے پوچھا تجھے کونسا مال پسند ہے اس نے کہا بکری، اسے ایک حاملہ بکری دے دی گئی، اونٹنی اور گائے نے بچے جنے، اور بکری نے بھی بچے جنے اس طرح ہر جانور کی اولاد میں اتنی برکت ہوئی اونٹوں اور گائے اور بکریوں سے وادی بھر گئی پھر وہی شخص پہلی شکل وصورت میں برص والے کے پاس آیا، اس نے کہا میں ایک مسکین شخص ہوں، سفر میں بے خرچ ہو چکا ہوں، آج میں اپنی منزل مقصود تک اللہ تعالیٰ کے سہارے اور تمہارے واسطے کے نہیں پہنچ سکتا، میں تم سے اس ذات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں اچھا رنگ اور اچھی جلد دی، اور تمہیں مال یعنی اونٹ دیئے، کہا میں تمہارے اونٹ پر سوار ہو کر اپنا سفر طے کرسکتا ہوں، اس نے کہا حق کثیر ہیں (یعنی میں تمہیں مال نہیں دے سکتا) اس شخص نے کہا گویا کہ میں تمہیں جانتا ہوں تم برص کی مرض میں مبتلاء تھے، لوگ تم سے نفرت کرتے تھے اور تم فقیر تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطاء کیا۔ وہ کہنے لگا یہ مال تو مجھے بڑوں سے بطور وراثت ملا، اس (سائل) نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے حال پر کر دے، پھر وہ اپنی پہلی شکل وصورت میں گنجے کے پاس آیا، اس سے بھی اسی طرح سوال کیا اس نے پہلے کی طرح جواب دیا، تو اس (سائل) نے اسے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے حال پر کر دے پھر وہ شخص نابینا کے پاس اپنی پہلی شکل وصورت میں آیا، تو اسے کہا میں ایک مسکین شخص ہوں میرے پاس سفر کے اسباب ختم ہو چکے ہیں میں آج سوائے اللہ تعالیٰ نہیں پہنچ سکتا پھر میں تم سے اس ذات کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس نے تمہیں نظر لوٹا دی، کیا میں اس بکری (کی قیمت) کے ذریعے اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہوں؟ اس نے کہا ہاں میں اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے نظر لوٹا دی، تم جو مال چاہتے ہو لے جاؤ اور جو چاہتے ہو چھوڑ جاؤ، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جو مال تم لو گے اسے لوٹانے کی مشقت بھی تم پر لازم نہیں رہے گی، اس (سائل) نے کہا تم اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو، تم کو آزمایا گیا، اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو گیا، اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔

Marfat.com

اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کبھی سائل کی شکل میں آتے ہیں، اس لئے سائل کو ستائے نہیں۔ اس آیۃ کریمہ سے پہلی آیۃ کریمہ کے شان نزول میں ایک روایت روح البیان نے نقل فرمائی، اس سے بھی واضح ہورہا ہے کہ سائل کبھی فرشتے ہوتے ہیں۔

☆ "روی ان الحسن بن علی رضی اللہ عنہما اشتھی طعا ما فباع قمیص فاطمة بستة دراهم فسأ له سائل فأ عطا ها ثم لقی رجلا یبیع ناقة فا شترا ها بأ جل وبا عها من آخر فارادان یدفع الثمن الی بائعها فلم یجده فحکی القضیة الی النبی ﷺ فقال اما السائل فرضوان واما البائع فمیکا ئیل واما المشتری فجبریل" (روح البیان)

روایت میں آتا ہے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو طعام کی خواہش ہوئی (بھوک لگی) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی قمیص چھ درہم پر فروخت کردی، تو آپ کو ایک سائل مل گیا اس کے سوال کرنے پر آپ نے وہ تمام درہم اسے دے دیئے پھر آپ کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اونٹنی فروخت کررہا تھا آپ نے اس سے ایک وقت مقرر تک ادھار اونٹنی خرید لی، اور دوسرے شخص پر فروخت کردی ارادہ بنا کہ بیچنے والے کو قیمت دے دی جائے، لیکن بیچنے والا مل نہیں رہا، آپ نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا سوال کرنے والا رضوان فرشتہ تھا اور اونٹنی بیچنے والا میکائیل فرشتہ تھا اور اونٹنی خریدنے والا جبریل فرشتہ تھا۔

پتہ چلا کہ بعض اوقات سوال کرنے والی کبھی اور ہی مخلوق ہوتی ہے، اللہ کے بندوں کی آزمائش کے لئے فرشتے انسانی شکل میں سائل بن کر آتے ہیں، اللہ کے مقبول بندے کامیاب ہوجاتے ہیں اور دوسرے لوگ ناکام ہوجاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

يٰـاَيُّهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ'' (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۴)

﴿۱﴾

اے ایمان والوا پنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کراور ایذاء دے کراس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پرزور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

﴿۲﴾

اے ایمان والو نہ ضائع کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر، اس شخص کی طرح جو خرچ کرے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہ ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک چکنی چٹان ہو، اس پر کچھ مٹی ہو تو پہنچے اسے زوردار بارش چھوڑ دے اسے چٹیل پتھر، نہیں قدرت رکھیں گے وہ کسی چیز پر جو انہوں نے کسب کیا، اور اللہ نہیں ہدایت دیتا کافروں کی قوم کو۔

مختصر مطلب:

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خطاب فرمایا کہ تم صدقات دینے کے بعد سائلین، فقراء وغیرہ پر احسان جتلا کر

Marfat.com

یا اذیت پہنچا کر اپنے صدقات ضائع اور برباد نہ کرو، کیونکہ ان پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوگا، جس طرح کفار یعنی منافقین جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ مال خرچ کرتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے، انہیں اس پر کوئی ثواب حاصل نہیں ہوتا بلکہ عذاب ہی ہوتا ہے، جس طرح صاف اور چکنے پتھر پر کچھ مٹی ہو تو سخت بارش اسے دور کردے اور صاف چٹیل پتھر چھوڑ دے، اسی طرح صدقات کی وجہ سے جو ثواب حاصل ہونا تھا اسے دکھلاوے نے تباہ و برباد کردیا، اور یہ لوگ اس کا ثواب کسی وقت بھی حاصل نہیں کر پائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

”یاایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی“:

”اے ایمان والو! نہ ضائع کرو اپنے صدقات احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر“۔

اعتراض: ”ومن العقیدۃ ان السیآت لا تبطل الحسنات خلافا للمعتزلۃ“

اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کے برائیاں نیکیوں کو برباد نہیں کرتیں اور معتزلہ کا مذہب اس کے خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں برائیاں نیکیوں کو برباد کردیتی ہیں کیا اہل سنت کا مذہب اس آیت کے خلاف نہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو جب معلوم ہے کہ یہ شخص صدقہ دے کر احسان جتلائے گا اور اذیت پہنچائے گا تو وہ اس صدقہ کو ابتدائی طور پر ہی قبول نہیں فرماتا، گویا کہ صدقہ باطل کرنے کے مترادف ہے۔

” والا بطال المتنازع فیہ انما ھو فی عمل صحیح وقع عنداللہ تعالی فی حیز القبول وماھھنا لیس کذلک“

جس عمل میں اہلِ سنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے یہ وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جائے پھر گناہوں کی وجہ سے معتزلہ کے نزدیک باطل ہو جاتا ہے اور اہلِ سنت کے نزدیک باطل نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو وہ عمل مقام مقبولیت میں نہ آنے کی وجہ سے عمل ہی نہیں بنا۔ (روح المعانی)

”کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر“:

”مثل اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ایمان رکھتا اللہ پر، اور نہ ہی آخرت کے دن پر“۔

Marfat.com

یہاں جس شخص سے تشبیہ دی گئی اس سے مراد کون ہے؟ "وغالب المفسرین علی ان المراد به المنافق" اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ اس سے مراد منافق شخص ہے۔

یعنی اے مومنو! تم اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو اس منافق کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اگر چہ وہ بظاہر ایمان کا دعوی کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا نہ ہی اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہوتا ہے، وہ صرف دکھانے کے لئے مال خرچ کرتا ہے جو ضائع ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

بیضاوی اور مدارک میں بھی منافق ہی مراد لیا گیا ہے۔

"فمثله كمثل صفوان عليه تراب فاصابه وابل فتركه صلدا":

"اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک چکنی چٹان ہو اس پر کچھ مٹی ہو تو پہنچے اسے زوردار بارش، تو چھوڑ دے اسے چٹیل پتھر"۔

"(صفوان) حجر کبیر املس" صاف چکنے بڑے پتھر کو "صفوان" کہا جاتا ہے۔

"(وابل) مطر شدید الواقع" شدید واقع ہونے والی بارش کو "وابل" کہا جاتا ہے۔

"(فتركه صلدا) ای املس ليس عليه شئی من الغبار اصلا"

یعنی "صلدا" کا معنی صاف چکنا پتھر جس پر گرد و غبار بالکل نہ ہو۔

مطلب واضح ہے کہ اسے "چٹیل پتھر" یا "نرا پتھر" کہا جاتا ہے۔

دینی طلبہ کرام کی توجہ کے لئے:

"عليه تراب" میں لفظ "تراب" پر تنوین تنکیر کے لئے ہے اور اس کا استعمال تقلیل کے لئے ہے، اسی وجہ سے اس کا معنی بیان کیا گیا ہے۔ "(عليه تراب) ای شئ یسیر منه" اس پر تھوڑی مٹی ہو۔

Marfat.com

مثال کی وضاحت:

منافق کوتشبیہ دی گئی پتھر سے نفع نہ حاصل ہونے کی وجہ سے اوراس کے خرچ کرنے کوتشبیہ دی گئی مٹی سے کہ جس چٹان پر مٹی ہوتو امید ہوتی ہے کہ شائداس پر پودے پیدا ہو جائیں اس طرح منافق بھی ہوسکتا ہے اجر کی کچھ کچھ امید کرتا ہے اوراس کی ریاء کاری (دکھلاوے) کوتشبیہ دی گئی تیز بارش سے کہ جلدی ہی وہ نفع والی امید کوضائع کر دیتی ہے، بارش مٹی کوزائل کر کے اگانے کی امید کوختم کر دیتی ہے، اسی طرح ریاء کاری اجر وثواب کی امید کوزائل کر دیتی ہے یعنی منافق جوریاء کاری کی وجہ سے مال خرچ کرتا ہے وہ صاف چکنے بڑے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہوتو اسے زوردار بارش پہنچے اوراس مٹی کوزائل کر کے چٹیل پتھر کر دے، اس پر اگانے کی امید کوختم کر دے اگر منافق کچھ کچھ اجرو ثواب کی امید رکھتا ہواپنے خرچ کرنے میں تو پھر بھی اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کے دکھلاوے نے اس کے خرچ کرنے کوضائع اور برباد کر دیا ہے۔

”لا یقدرون علی شئ مما کسبوا“:

”وہ قدرت نہیں رکھیں گے کسی چیز پر جوانہوں نے کسب کیا۔“

یعنی دکھلاوے کے طور پر خرچ کئے ہوئے مال سے انہیں کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا، اور نہ ہی انہیں کوئی ثواب ہوگا۔

”واللہ لا یھدی القوم الکافرین“: ”اوراللہ نہیں ہدیت دیتا کافروں کی قوم کو“۔

یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو یہ توفیق نہیں عطاء فرماتا کہ وہ ایسا کام کریں جس سے انہیں قیامت میں نفع ہواور اجروثواب حاصل ہو، کیونکہ بغیر ایمان کے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں۔

تنبیہ:

”وفیہ تعریض بان کلا من الریاء والمن والاذی علی الانفاق من صفات الکفار ولابد للمؤ منین ان یجتنبوھا“

Marfat.com

اس سے ایک اور مسئلہ پر اشارہ مل گیا، وہ یہ ہے کہ حقیقت میں دکھلاوے کے لئے کوئی نیکی کا کام کرنا اور خرچ کرنے پر احسان جتلانا اور اذیت پہنچانا کفار کی صفات و عادات ہیں، مومن کو اس سے دور رہنا چاہئے۔ (از روح المعانی)

"فان الصدقة يبطل بالرياء وان كان المنفق مؤمنابالله واليوم الآخرلكن ذكرهذا تنبيها على ان الا نفاق رياء ليس من شان المومن بل هو من سيرةالمنافق"

بیشک صدقہ ریاء کاری سے باطل ہو جاتا ہے اگرچہ خرچ کرنے والا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ہی ہو، لیکن یہاں کافروں منافقوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مؤمنوں کو اس بات پر تنبیہ کی جاسکے کہ ریاء کاری منافق کا طریقہ ہے، مؤمن کی شان کے لائق نہیں۔

☆ "عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال قال رسول الله ﷺ لايدخل الجنةمنان و لاعاق" (رواه النسائی والدارمی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (ابتدائی طور پر) جنت میں نہیں داخل ہوگا احسان جتلانے والا اور ماں، باپ کا نافرمان۔ (مظهری)

☆ "روی عن النبی ﷺ انه قال اياكم والا متنان بالمعروف فانه يبطل الشكرويمحق الاجر"

نبی کریم ﷺ سے روایت کی گئی کہ بیشک آپ نے فرمایا تم اپنے آپ کو اچھے کاموں پر احسان جتلانے سے دور رکھو کیونکہ اس سے شکر ضائع ہو جاتا ہے اور اجر مٹ جاتا ہے۔

ریاء کاری شرک اصغر ہے:

"عن محمود بن لبيد ان النبی ﷺ قال ان اخوف ما اخاف عليكم الشرک الاصغر قالوايارسول الله ﷺ وما الشرک الاصغر قال الرياء" (رواه احمد)

محمود بن لبید کہتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر زیادہ خوف شرک اصغر (چھوٹے شرک) کا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ریاء (دکھلاوہ)۔ (مظہری)

Marfat.com

اسی حدیث کے آخر میں بیہقی شعب الایمان میں یہ الفاظ مبارکہ زائد ہیں۔

"یقول الله لهم یوم یجازی العباد باعمالهم اذهبوا الی الذین کنتم تراء ون فی الدنیا فانظروا اهل تجدون عند هم جزاء او خیرا"

جس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جزاء دے گا اس دن ریاء کاری والوں کو فرمائے گا تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جن کو دنیا میں دکھاتے تھے، اب دیکھو کیا ان سے تمہیں اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ (مظہری)

☆ "وعن ابی سعید ابن فضالة عن رسول الله ﷺ قال اذا جمع الله الناس یوم القیامة لیوم لاریب فیه نادی مناد من کان اشرک فی عمل عمله لله احدا فلیطلب ثوابه من غیر الله فان الله اغنی الشرکاء عن الشرک" (رواہ احمد)

ابوسعید بن فضالہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع فرمائے گا جس دن میں کوئی شک کی جگہ نہیں، اس دن نداء دینے والا نداء دے گا جس نے اللہ کے لئے عمل کرتے ہوئے کسی ایک کو اس عمل میں شریک کیا، وہ اسی غیر اللہ سے اپنا ثواب طلب کرے بیشک اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے بے پرواہ ہے۔ (مظہری)

☆ " وعن شداد بن اوس قال سمعت رسول الله ﷺ یقول من صلی یرائی فقد اشرک ومن صام یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک" (رواہ احمد)

شداد بن اوس فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے نماز ادا کی دکھلاوے کے لئے تحقیق اس نے شرک کیا، اور جس نے روزہ رکھا دکھلاوے کے لئے تحقیق اس نے شرک کیا اور جس شخص نے صدقہ دیا دکھلاوے کے لئے تحقیق اس نے شرک کیا۔ (مظہری)

اس حدیث پاک میں جس شرک کا ذکر ہے اس سے مراد شرک اصغر ہی ہے۔

☆ " عن ابی هریرة ان اول الناس یقضی علیه یوم القیامة رجل استشهد فاتی به فعرفه نعمته فعرفها فقال فما عملت فیها قال قاتلت فیک حتی استشهدت قال کذبت و

Marfat.com

لکنک قاتلت لان یقال جری، فقد قیل ثم امربه فسحب علی وجهه حتی القی فی النار، ورجل تعلم العلم وعلمه وقرأ القرآن فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال فما عملت فیها قال تعلمت العلم وعلمته وقرأت فیک القرآن قال کذبت ولکنک تعلمت العلم لیقال انک عالم وقرأت القرآن لیقال هو قاری فقد قیل ثم امربه فسحب علی وجهه حتی القی فی النار ورجل وسع اللہ علیه واعطاہ من اصناف المال کله فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال فما عملت فیها قال ما ترکت من سبیل تحب ان ینفق فی سبیل اللہ الا انفقت فیها لک قال کذبت ولکنک فعلت لیقال هوجواد فقد قیل به ثم امربه فسحب علی وجهه ثم القی فی النار" (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک سب لوگوں سے پہلے قیامت کے دن اس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا جو شہید کردیا گیا، اسے (رب تعالیٰ کے حضور) لایا جائے گا، رب تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا وہ پہچان لے گا، (یعنی تسلیم کرلے گا کہ اے اللہ تو نے مجھے ان گنت نعمتیں عطاء کی تھیں) تو رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں پر عمل کیا کیا تھا؟ وہ کہے گا میں نے تیری رضاء کے لئے جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید ہوگیا، رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے جہاد اس لئے کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے وہ کہہ دیا گیا، پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک اور شخص جس نے علم سیکھا ہوگا اور سکھایا ہوگا اور قرآن پڑھا ہوگا اور پڑھایا جائے گا، اسے لایا جائے گا، رب تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان لے گا (یعنی تسلیم کرلے گا) رب تعالیٰ اسے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو پڑھایا اور قرآن پڑھا یہ سب کام تیری رضاء کے لئے کیا، رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے علم اسے لئے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، اور تو نے قرآن اس لئے پڑھا تھا کہ یہ کہا جائے وہ شخص قاری ہے، یہ تو کہہ دیا گیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا، اور ایک شخص کو اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے وسعت دی ہوگی اور اسے ہر قسم کا مال دیا ہوگا، اسے لایا جائے گا رب تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا وہ پہچان لے گا، (یعنی تسلیم کرلے گا) رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں پر کیا عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا اے اللہ جو تو پسند کرتا تھا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا جائے ان راہوں میں سے میں نے کسی راہ کو بھی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ ان راہوں میں تیری رضاء کے لئے مال خرچ کیا، رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، لیکن تو نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے وہ کہہ دیا گیا، تو اس کے متعلق حکم دیا جائے گا، اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس حدیث پاک کو دیکھ کر کئی جہلاء، مکار، جھوٹے، فریبی علماء کو جہنمی کہہ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں کہ یہ ریاء کار ہیں، لیکن ان جاہلوں کو یہ پتہ نہیں کہ ریاء کاری دل کا کام ہے اس پر صرف رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو علم حاصل ہوتا ہے دوسرا کوئی دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔

کیا میدان جنگ میں شہید ہونے والے ہر شخص کو ریاء کار سمجھ کر جہنمی کہہ دیا جائے گا ؟ کیا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے ہر شخص کو ریاء کار سمجھ کر جہنمی کہہ دیا جائے گا ؟ نہیں نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حق پہنچتا ہے وہ کسی کے متعلق فیصلہ کریں۔

فقیر کو غنیمت سمجھا جائے:

☆ "قال رسول اللہ ﷺ لو لا الفقراء لهلک الاغنياء"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر فقراء نہ ہوتے تو اغنیاء ہلاک ہو جاتے یعنی اغنیاء کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے لئے مصرف نہ ملتا۔

☆ "قال رسول اللہ ﷺ الید العلیا خیر من الید السفلی"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

اگر چہ زیادہ حضرات نے تو اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ دینے والا لینے والے سے بہتر ہے لیکن بعض حضرات

Marfat.com

نے عجیب تشریح فرمائی جو راقم کے دل کو بھی بھلی لگی۔

" قیل ان الید العلیا ھی ید الفقیر و السفلی ید الغنی تعلی السفلی وتأخذ العلیا"

کہ اوپر والا ہاتھ فقیر کا ہے اور نیچے والا ہاتھ غنی کا ہے، کیونکہ دینے والا اپنا ہاتھ نیچے رکھتا ہے اور لینے والا اوپر سے اٹھاتا ہے۔ (روح البیان)

☆☆☆☆☆

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۵)

﴿۱﴾

اور ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضاء چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو، اس پر زور کا پانی پڑا تو دونے میوے لایا، پھر اگر زور کا مینہ اسے نہ پہنچے تو اوس کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

﴿۲﴾

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضاء طلب کرنے کے لئے اور اپنے دلوں کو ثابت کرنے کے لئے۔ (ان کی مثال ایسے ہے) جیسے باغ ہو کچھ بلند اور عمدہ زمین میں پہنچے اس کو زوردار پانی تو وہ دے اپنا پھل دوگنا، اگر نہ پہنچے اسے زوردار پانی تو شبنم ہی کافی ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

جب اس آیۃ کریمہ سے پہلی آیۃ کریمہ میں صدقات کے بعد احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے والوں اور

Marfat.com

ریاء کاری کرنے والوں کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا، تو اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی حاصل کرنے والوں کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جا رہا ہے۔

مختصر مطلب:

جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی حاصل ہو، اور ان کے دل ایمان واطاعت پر قائم رہیں تو ان کا وہ مال قلیل ہو یا کثیر ہو ہر مال میں وہ رب کے حضور مقبول ہوگا۔ پھر اس میں زیادہ خلوص ہوا تو زیادہ اجر وثواب حاصل ہوگا اور کم خلوص ہوا تو اجر وثواب کچھ کم ہوگا لیکن وہ خرچ کرنا ضائع نہیں ہوگا، جس طرح باغ زرخیز زمین میں ہو تو اسے زوردار بارش پہنچے تو وہ زیادہ پھل دیتا ہے لیکن اگر اسے تیز بارش نہ پہنچے تو شبنم یا ہلکی پھوار ہی کافی ہے جس سے وہ پھل دیتا ہے پھل سے خالی نہیں رہتا۔

''ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ و تثبیتا من انفسھم'':

''اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال طلب کرنے کے لئے اللہ کی رضاء اور ثابت کرنے کے لئے اپنے دلوں کو۔''

''ابتغاء'' کا معنی ہے طلب کرنا یہ باب افتعال ہے، مجرد اور مزید دونوں کا ایک ہی معنی ہے اس میں خاصہ موافقت فعل ہے، لہٰذا '' بغیت'' اور ''ابتغیت '' دونوں کا معنی ہے '' طلبت'' میں نے طلب کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جن خرچ کرنے والوں کی یہاں تعریف فرمائی ان کی دو غرضوں کو ذکر فرمایا کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کی ایک غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی رضاء طلب کرتے ہیں اور دوسری ان کی غرض ''تثبیت نفس'' ہوتی ہے۔ ''تثبیت نفس'' کی چند وجوہ ہیں۔

﴿۱﴾ ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے۔

Marfat.com

" انهم یو طنون انفسهم علی حفظ هذه الطاعة و ترک مایفسدها"

کہ وہ مال خرچ کرنے کی وجہ سے طاقت حاصل کرتے ہیں وہ اس میں اپنے نفسوں کو قائم رکھتے ہیں اور اس عبادت کو ضائع کرنے والی چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اس عبادت سے حاصل ہونے والا اجر و ثواب ضائع نہ ہو، جب وہ تمام مفسدات کو چھوڑتے ہیں تو یقیناً احسان جتلانے اور ایذاء پہنچانے اور ریاء کاری سے بھی دور رہتے ہیں۔

﴿۲﴾ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مومنوں کے نزدیک اپنے نفسوں کو ثابت کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں کہ ان کے نفوس ایمان میں سچے اور مخلص ہیں۔ چونکہ بعض قراتوں میں ہے " وتثبیتا من بعض انفسهم " اس کے لحاظ سے مندرجہ بالا مطلب بہتر ہوگا یہ قول مجاہد کا ہے، تاہم قرطبی میں اس قول کو ناپسند کیا گیا ہے، البتہ علامہ رازی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تیسری وجہ تقریباً اسی کا بیان ہے۔

﴿۳﴾ انسان کے نفس کو مقام عبودیت میں کوئی ثبات نہیں اس وقت تک جب تک اسے مجاہدہ سے مقہور نہ کیا جائے یعنی مجاہدہ و محنت و مشقت سے نفس پر قہر و جبر کیا جائے تو نفس مقام عبودیت میں قائم رہتا ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب نفس کو دو پسندیدہ چیزوں کا زوال پایا جائے وہ دو چیزیں یہ ہیں، کہ انسان کو دنیا کی زندگی سے زیادہ محبت ہے اور مال سے زیادہ محبت ہے جب مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو نفس کو بعض وجوہ سے مقہور کر دیا گیا، اور جب جان قربان کرنے کا حکم دیا گیا تو نفس کو مکمل طور پر مقہور کر دیا گیا جب اس آیۃ کریمہ میں مال خرچ کرنے کا حکم پایا گیا ہے تو بعض وجوہ سے نفس پر قہر پایا گیا ہے تو تثبیت (نفس کو ثابت رکھنا) بھی بعض وجوہ سے پائی گئی ہے اسی وجہ سے " من " برائے " تبعیض " داخل کیا گیا ہے، اب معنی یہ ہوا۔

"من بذل ماله لوجه الله فقد ثبت بعض نفسه"

جس شخص نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی کے لئے اس نے اپنے بعض نفس کو ثابت کرلیا اور قرار دے دیا۔

"ومن بذل ماله وروحه معافهو الذی ثبتها کلها وهو المراد من قوله تعالی وتجاهدون فی سبیل الله باموالكم وانفسكم"

Marfat.com

جس شخص نے مال اور جان دونوں ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے وہ کامل طور پر نفس پر کامیاب ہو گیا اور اس نے کامل طور پر اپنے نفس کو قرار دے دیا۔

تنبیہ: باقی سب صورتوں میں "من" ابتدائیہ ہے "تبعیضیۃ" صرف اسی صورت میں ہے۔

یہ تفسیر علامہ زمخشری معتزلی نے کشاف میں بیان کی لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ نے اسے پسند کرتے ہوئے فرمایا" وھو کلام حسن و تفسیر لطیف" یہ اچھا کلام ہے اور اچھی تفسیر ہے۔

﴿۴﴾ علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی مقام پر لکھتے ہوئے میرے دل میں خیال آیا کہ دل کو قرار سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔" الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے دل کو قرار کیسے آتا ہے؟ تو اس کا جواب ذہن میں یہ آیا۔

" من انفق ماله فی سبیل الله لم یحصل له اطمینان القلب فی مقام التجلی الا اذا کان انفاقه لمحض غرض العبودیة "

جو شخص اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے بظاہر تو یہ سمجھ آتا ہے کہ اس کے دل کو قرار حاصل نہیں ہوتا لیکن جب وہ مال اپنے آپ کو بندہ سمجھ کر اور رب تعالیٰ کو معبود سمجھ کر خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے خرچ کرتا ہے تو اس کے دل کو قرار حاصل ہوتا ہے رب تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسکین و یتیم و قیدی پر مال خرچ کرنے کے بعد ان کے قول کی حکایت ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمائی۔

" انما نطعمکم لو جه الله لانرید منکم جزاء و لا شکورا" (سورۃ الدھر)

ہم تمہیں طعام کھلاتے ہیں صرف اللہ کی رضاء کے لئے ہم نہیں چاہتے تم سے کوئی بدلہ اور شکر گزاری۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خرچ کرنے کی تعریف ان الفاظ مبارکہ سے فرمائی۔

"و مالاحد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی و لسوف یرضی"

اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب تعالیٰ کی رضاء چاہتا ہے جو

Marfat.com

سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔

واضح ہوا کہ جب انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بندہ سمجھ کر اور اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کا حق سمجھ کر رب تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے، اس میں اپنے نفس کی کوئی غرض نہ ہو، اور اپنے دنیاوی مقاصد اس میں نہ ہوں۔

"فهناک اطمأن قلبه واستقرت نفسه ولم يحصل لنفسه منازعة مع قلبه"

تو اس سے دل کو اطمینان حاصل ہوگا اور اس کے نفس کو قرار حاصل ہوگا اور اس کے نفس کو اس کے دل سے کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔

﴿۵﴾ پانچویں وجہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی کام بار بار کیا جائے تو اس سے ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ملکہ کیفیت راسخہ کو کہا جاتا ہے یعنی پختہ کیفیت جو انسان کی پکی عادت بن جائے وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بار بار مال خرچ کرتا ہے اور اس کا مقصد بھی صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنا ہوتا ہے تو اس کی یہ عادت بن جاتی ہے وہ آسانی سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کر لیتا ہے۔ اور دوسری چیز اسے یہ حاصل ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ کی رضاء کی طلب اس کے نفس میں قرار پکڑ جاتی ہے۔ اگر کبھی وہ غفلت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرلے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طلب کی طرف توجہ کرنا نہ آئے۔

"فرجع القلب الى جانب القدس" تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، یعنی اس کے دل کی غفلت حضوریٔ قلب سے بدل جاتی ہے۔

"وذلک بسبب ان تلک العبادة صارت كالعادة والخلق للروح"

کیونکہ عبادت اس کی عادت بن چکی ہے، اور اس کے روح کا حصہ اور اس کی غذا کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔

بندہ جب اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کی رضاء طلب کرنے کے لئے اس کی عبادت کرتا ہے تو اسے ملکہ حاصل ہو جاتا ہے یہی تثبیت نفس (نفس کا قرار پکڑنا) ہے، رب تعالیٰ نے اسی کا ذکر ان الفاظ مبارکہ سے کیا۔

"يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت" اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت سے۔

"تصير الروح في هذا العالم من جوهر الملائكة الروحانية والجواهر القدسية فصار

Marfat.com

العبد كما قاله بعض المحققين غائبا حاضرا، ظاعنامقيما"

اس وقت اس شخص کی روح دنیا میں ہی فرشتوں کی روحانیت کا جوہر بن جائے گی، اور جواہر قدسیہ کے درجہ میں آجائے گی، محققین حضرات کے قول کے مطابق بندے کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے گی کہ وہ غائب ہوتے ہوئے بھی حاضر ہوگا اور مسافر ہوتے ہوئے بھی مقیم سمجھا جائے گا۔

﴿٦﴾ تثبیت نفس سے مراد یہ ہے کہ وہ مال خرچ کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے نفوس اس پر مطمئن ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر اجر وثواب عطاء فرمائے گا اور ان کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا ان کی امیدیں محرومیت اور رسوائی کی طرف نہیں جائیں گے لیکن منافق اپنے عمل کو ضائع سمجھتا ہے اور ثواب کی امید نہیں رکھتا۔ لہٰذا مؤمن کے ثواب پر یقین رکھنے کو تثبیت نفس کہا جاتا ہے۔

"کمثل جنة بربوة": (ان کی مثال ایسے ہے) جیسے باغ ہو کچھ بلند اور عمدہ زمین میں۔

" جــنـة" باغ، یہ زمین کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جس میں درخت اگیں اور اس زمین کو ڈھانپ دیں کیونکہ اس لفظ میں فاء کلمہ میں جیم ہے اور عین کلمہ میں نون ہے یہ قانون جس کلمہ میں پایا جائے گا اسی میں چھپانے کا معنی پایا جائے گا جیسے "جن" وہ بھی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے، اور "جنین" وہ بھی ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

"ربوة" (بفتح الراء وضمها) عاصم اور ابن عامر کی قرأت میں راء کی زبر سے اور باقی حضرات کی قرأت میں راء کی پیش سے پڑھا گیا۔

" ربا یربو" بڑھنا، بلند ہونا، اسی سے "رابیہ" لیا ہوا ہے، جس کے اجزاء بلند ہوں۔

"واعلم ان المفسرين قالو االبستان اذا كان فى ربوة من الارض كان احسن و اكثر ريعا"

اکثر مفسرین کرام نے اس مقام پر "ربوة" کا بلند مقام لیا ہے، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ بلند جگہ پر جو باغ ہو اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور وہ حسن منظر پیش کرتا ہے۔

لیکن علامہ رازی رحمہ اللہ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور پھر اپنا مختار بیان فرماتے ہیں۔

Marfat.com

" ولی فیه اشکال وهو ان البستا ن اذا کان فی مر تفع من الارض کان فوق الماء ولا تر تفع الیه انها ر وتضر به الریاح کثیر فلا یحسن ریعه وذا کان فی وهدة من الأرض انصبت میاه الانهار ولا یصل الیه اثارة الریاح فلا یحسن ایضاریعه فاذن البستان انما یحسن ریعه اذا کان علی الارض المستویة التی لا تکون ربوة ولا وهدة فاذن لیس المراد من هذه الر بوة ما ذکر وه،بل المراد منه کون الارض طیناحرابحیث اذا نزل المطر علیه انتفع وربا ونماء، فان الارض متی کانت علی هذه الصفة یکثر ریعهاوتکمیل الاشجارفیها"

عام مفسرین کرام نے مطلقاجو" ربوۃ" کا معنیٰ" بلند جگہ" کیا ہے مجھے اس پر اعتراض ہے، اس لئے کہ جو زمین کی بلندی پر باغ واقع ہو اس پر نہروں کا پانی نہیں پہنچتا اسکی پیداوار اچھی نہیں ہوتی اور وہ ہواؤں کی زد میں ہوتا ہے اس لئے پھولوں اور پھلوں کا گر جانا بھی یقینی امر ہوتا ہے لہذا اس کی پیداوار کم ہوسکتی ہے زیادہ نہیں۔ اسی طرح جب باغ پست زمین میں ہو تو وہاں نہروں کا پانی کھڑا ہو جاتا ہے اور ہوائیں مناسب مقدار میں نہیں پہنچتیں، اس لئے اس کی پیداوار بھی اچھی مقدار میں نہیں ہوتی۔ وہی باغ زیادہ پھل دیتا ہے جو ہموار زمین میں ہو نہ وہ باغ ٹیلے پر ہو اور نہ ہی پست جگہ میں ہو، لہذا واضح ہوا کہ عام مفسرین کا مطلق" ربوۃ" کا معنی بلند جگہ کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ زمین جس میں نمی بھی ہو اور حرارت (گرمائش) بھی ہوتا کہ بارش کے برسنے پر وہ زمین آٹے کی طرح نرم ہو کر پھول جائے یعنی ابھی آ ابھر آئے اور اس میں پیداوار زیادہ پائی جائے جس صفت کا میں نے تذکرہ کیا جب زمین اس صفت پر ہوگی تو یقینا اس کی پیداوار بھی زیادہ ہوگی اور درخت بھی مکمل طور پر لہلہاتے ہوئے سرسبز وشاداب نظر آئیں۔

یہ معنی جو میں نے بیان کیا ہے اسے دو وجہ سے تائید بھی حاصل ہے ایک ان میں سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

"وتری الارض هامدةفاذاانزلناعلیهاالماء اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیج"

(پ ۱۷، الحج ۵)

Marfat.com

اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی اور ابھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اگالائی۔

یہاں " رَبَت "کا معنی زمین کا ابھر آنا، یہ وہی معنی ہے جو ہم نے " ربوۃ "کا بیان کیا ہے۔

دوسری وجہ تائید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال پہلی کے مقابل ذکر فرمائی، پہلی مثال میں "صفوان" کا ذکر فرمایا جس میں بارش اثر نہیں کرتی "ولا یربو ولا ینمو بنزول المطر علیه" اور بارش اس پر برستی رہے تو پھر بھی اس میں نرمی اور ابھرنے اور پودہ جات بڑھانے کی کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

"فکان المراد بالربوۃ فی ھذا المثل کون الارض بحیث تربو وتنمو "فھذا ما خطر ببالی واللہ اعلم بمرادہ"

لہٰذا اس آیہ کریمہ میں "ربوۃ" سے مراد وہ زمین ہے جو نرم ہو کر ابھرے اور پودہ جات کو بڑھائے جو میرے دل میں تحقیق سمجھ آئی تھی وہ بیان کردی، حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ (کبیر)

"فالمراد من الربوۃ حینئذ کون الارض لینة جیدة بحیث اذا نزل المطر علیھا انتفخت وربت ونمت"

اس آیہ کریمہ میں " ربوۃ " سے مراد وہ زمین ہے جو نرم اور عمدہ ہو اس لحاظ پر جب کہ اس پر بارش برسے تو وہ نرم ہو جائے ابھر آئے اور پودا جات بڑھائے۔ (روح البیان)

"لیس المراد من ھذہ الربوۃ ما ذکروہ بل المراد منھا کون الارض طیبة جیدة بحیث اذا نزل المطر علیھا انتفخت وربت فان الارض اذا کانت بھذہ الصفة یکثر ریعھا و یکمل اشجارھا"

اس مقام میں "ربوۃ" کا معنی بلند جگہ نہیں جو عام مفسرین نے ذکر فرمایا، بلکہ مراد زمین کا اچھا اور عمدہ ہونا ہے۔ اس لحاظ پر کہ جب اس پر بارش برسے تو وہ زمین ابھر آئے اور نرم ہو جائے، جب اس طرح کی زمین ہوگی تو اس کی پیداوار زیادہ ہوگی، اور اس کے درخت مکمل ہوں گے۔ (شیخ زادہ)

اقوال میں تطبیق:

جب بعض مفسرین کرام نے "ربوۃ" کا معنی "بلند جگہ" کیا ہے، اور بعض محققین مفسرین کرام نے "اچھی، عمدہ، نرم، زرخیز زمین" مراد لی ہے، تو ان میں راقم کے خیال میں تطبیق کی صورت وہ نظر آئی

Marfat.com

جو ترجمہ میں پیش کر دی وہ یہ ہے کہ اس مقام میں ''ربوۃ'' کا معنی کچھ بلند عمدہ زمین ہے۔ یعنی ''بلند جگہ'' سے جو عام تصور آتا ہے کہ اس کا معنی ''بلند ٹیلا'' ہے وہ نہیں، بلکہ بہت معمولی بلند جہاں پانی نہ کھڑا ہو سکے اور نہری پانی وہاں پہنچ سکے اور ہوا کی کمی بھی نہ ہو اور تیز ہوا کی زد میں وہ زمین نہ ہو اور عمدہ زرخیز زمین ہو۔ راقم کے ذہن میں یہ بات قرطبی کی مندرجہ ذیل عبارت دیکھ کر آئی

والربوة المكان المرتفع ارتفاعايسيرا معه فی الاغلب كثافةتراب وما كان كذلك فنباته احسن''

ربوۃ'' اسی جگہ کو (یہاں) کہا گیا ہے جو معمولی بلند ہو اس میں مٹی زیادہ ہو، یعنی نہ ہی خالص ریت ہو اور نہ ہی پتھروں کی کثرت ہو بلکہ عمدہ اور نرم اور زرخیز زمین ہو، جب زمین میں یہ صفات پائی جائیں گی تو اس کی پیداوار زیادہ ہوگی اور اس کے پوداجات اور درخت خوبصورت ہوں گے۔ (از قرطبی)

تنبیہ: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ''ربوۃ'' کا ترجمہ کیا ہے ''بھوڑ'' یہ لفظ ہماری زبان میں عام استعمال نہیں۔

فیروز اللغات میں ''بھوڑ'' کا معنی ریگستان، ریتلی زمین، کیا گیا ہے۔ اس کا معنی نرم زمین لیا جائے تو کچھ بات بنتی لیکن ذہن مطمئن نہ ہوا۔

راقم اسلام آباد ایف سکس ون میں مسجد غوثیہ میں نماز اور جمعہ پڑھاتا ہے، یہاں اس محلہ میں ہندوستان کے بزرگ مہاجرین سے کئی حضرات تشریف فرما ہیں، میں نے جمعہ کی تقریر کے بعد لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اعلان کیا کہ بریلی کے علاقہ کے کوئی بزرگ ہوں تو مجھے علاقائی زبان میں ''بھوڑ'' کا معنی بتائیں تو ایک بزرگ نے بتایا کہ ''معمولی بلند جگہ'' کو اس علاقہ میں ''بھوڑ'' کہتے ہیں، ان کے ارشاد کو سن کر یہی سمجھا کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ بھی قرطبی کی تفسیر کے مطابق ہی ہے۔'' واللہ اعلم بالصواب''

''اصابها وابل فآتت اكلها ضعفين '' پہنچے اس کو زوردار پانی تو وہ دے اپنا پھل دوگنا۔

'' وابل'' کا معنی اگرچہ ''زوردار بارش'' بھی ہے، لیکن یہاں مراد عام ہے کہ پانی باغ کو بارش کے ذریعے پہنچے یا نہروں کے ذریعے پہنچے، اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ''زور کا پانی'' ترجمہ کیا ہے، اور راقم نے بھی وہی نقل

Marfat.com

کیا ہے۔ دوگنا پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ "زیادہ پھل دے" اگرچہ بعض حضرات نے یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ وہ باغ سال میں دومرتبہ پھل دے، لیکن پہلا معنی "یعنی مقدار میں زیادتی" زیادہ بہتر ہے۔

"ان لم یصبھاوابل فطل": "اگر نہ پہنچے اسے زوردار پانی تو شبنم ہی کافی ہے"۔

یعنی جب باغ نرم اور زرخیز زمین میں ہو تو زوردار پانی کی وجہ سے وہ زیادہ پھل دیتا ہے اور زوردار پانی اسے نہ پہنچے تو اسے شبنم یا معمولی پھوار ہی کافی ہوتی ہے وہ اسی سے پھل دیتا ہے۔

"واللہ بما تعملون بصیر": "اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے"۔

یہاں "بصیر" سے مراد "علیم" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کی مقدار اور کیفیت اور نیت کو جانتا ہے۔ اور ان امور کو جانتا ہے جو صدقہ کا باعث بنے ہیں، لہٰذا بہتر مقصد کے لئے صدقہ کیا تو رب تعالیٰ بہتر جزا دے گا۔ اور اگر بہتر ارادہ نہیں تو رب تعالیٰ اسی قسم کا بدلہ دے گا۔ (کبیر)

فائدہ: عقلمند کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس میں خلوص پایا جائے، خلوص اس وقت پایا جائے گا جب وہ ریاء کاری، احسان جتلانے، اذیت پہنچانے، غرضیکہ شیطان کی ہر راہ سے وہ دور رہے، جسے نبی کریم ﷺ نے شرک اصغر کہا ہے۔ "فان الخلاص یبتنی علی الاخلاص" بیشک عبادت میں خلوص کی دارو مدار شرک خفی سے چھٹکارا پانے پر ہے۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔

"ان الصدقة اذاخرجت من یدصاحبھاقبل ان تدخل فی یدالسائل تتکلم بخمس کلمات اولا ھاتقول کنت قلیلة فکثرتنی و کنت صغیرة فکبرتنی و کنت عدوا فاحبتنی و کنت فانیافابقیتنی و کنت محروساالآن صرت حارسک"

صدقہ دینے والے کے ہاتھ سے جب صدقہ نکلتا ہے اور ابھی تک سائل کے ہاتھ میں نہیں پہنچتا تو وہ صدقہ پانچ باتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

Marfat.com

(۱) میں قلیل تھا تو نے مجھے کثیر کر دیا، (۲) میں چھوٹا تھا تو نے مجھے بڑا کر دیا

(۳) میں دشمن تھا تو نے مجھے اپنا محبوب بنالیا، (۴) میں فانی تھا تو نے مجھے باقی بنا دیا،

(۵) میں تیری حفاظت میں تھا اب میں تیرا محافظ بن گیا ہوں۔ (روح البیان)

صدقہ کا ایک ایک حرف کمال پر دلالت کر رہا ہے:

صدقہ کا صاد ''الصد'' پر دلالت کر رہا ہے، صد، یصد کا معنی ہے روکنا، صدقہ صاحب صدقہ کو گناہوں سے روکتا ہے جو دنیا اور آخرت میں وہ شخص گناہوں سے رک کر محفوظ رہتا ہے۔

صدقہ کا ''دال'' دلیل، پر دلالت کر رہا ہے، یعنی صدقہ دلیل ہے اس پر کہ صدقہ دینے والا جنتی ہے۔

صدقہ کا ''قاف'' قرب، پر دلالت کر رہا ہے کہ صدقہ صاحب صدقہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب عطاء کرتا ہے۔

صدقہ کی ''ہا'' ہدایت، کی نشاندہی کر رہی ہے کہ صدقہ دینے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت سے نوازا ہے۔

اسی لئے وہ صدقہ دے رہا ہے۔ (از روح البیان)

''وفی الحدیث ''من قطع رجاء من التجأ الیہ قطع اللہ رجاءہ''

جو شخص اپنی امیدیں اس سے منقطع کر لیتا ہے جسے وہ صدقہ دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے تمام سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

از سر بنہ ایں کلاہ و دستار جہدی بکن و دلی بدست آر

سر سے یہ پگڑی اور ٹوپی اتار دے۔ کوشش کر کسی کا دل ہاتھ میں لا۔

یعنی صرف اپنی زیب و زینت کا ہی خیال نہ کر بلکہ دوسروں پر مہربانی کرنا سیکھ تا کہ تو کامیاب ہو جا۔ (از روح البیان)

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۶)

﴿۱﴾

کیا تم میں سے کوئی اسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا آیا اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔

﴿۲﴾

کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی ایک کہ ہو اس کا باغ کھجوروں اور انگوروں کا، جاری ہو اس کے نیچے نہریں، اس شخص کے لئے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس حال میں اسے آپہنچے بڑھاپا اور اس کی اولاد کمزور ہو، پھر اس باغ کو پہنچے بگولہ جس میں آگ ہو، وہ جل جائے، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم فکر کرو۔

مختصر مطلب:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر احسان جتلانے سے اور اذیت پہنچانے سے قیامت کے دن انسان اجر و ثواب سے محروم ہوگا جبکہ اس وقت اجر و ثواب کی بہت شدید حاجت ہوگی، شدید حاجت اور ضرورت کے وقت

Marfat.com

محرومیت غم اور پریشانی کا سبب ہوگی، جس طرح انسان کا اچھا باغ ہو جس میں کھجوروں کے درخت اور انگوروں کی بیلیں ہوں اور بھی ہر قسم کے پھل دار درخت ہوں، اور وہ شخص بڑھاپے کی حالت میں پہنچ جائے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو، اس شدید حاجت کے وقت اگر اس کے باغ کو بگولہ پہنچے اور اس کے باغ کو جلا دے تو اس شخص کو کتنا غم لاحق ہوگا؟ انسان یہ خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ وہ غم سے نڈھال ہوگا۔ پریشانیاں اسے لاحق ہوں گی، یہی حال صدقہ خیرات کو احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے سے ضائع کرنے والے کا ہوگا کہ قیامت کے دن سوائے محرومیت کے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو واضح طریقہ سے بیان فرماتا ہے تاکہ انسان تفکر کر کے اپنے آپ کو درست کر لیں۔

☆ ”وفی روایة البخاری والحاکم وابن جریر وجماعة عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهماقال،قال عمریومالا صحاب النبی ﷺ فیم ترون هذه الآیة نزلت(ایو داحدکم) الخ قالواللہ اعلم فغضب عمر فقال قولوانعلم اولانعلم فقال ابن عباس(رضی اللہ عنهما)فی نفسی منها شیٔ یاامیرالمؤمنین فقال عمر یا ابن اخی قل ولا تحقر نفسک قال ابن عباس ضربت لرجل غنی عمل بطاعة اللہ تعالی ثم بعث اللہ له الشیطان فعمل با لمعاص حتی احرق اعماله“

بخاری، مستدرک حاکم، ابن جریر نے وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے پوچھا کہ تم حضرات (ایو اداحدکم) الخ آیت کے متعلق کیا بیان کرتے ہو کہ یہ کس مقصد کے بیان کیلئے نازل کی گئی، ان حضرات نے کہا ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آگئے (کہ یہ مسئلہ کا جواب نہیں) آپ نے فرمایا یہ کہو ہم جانتے ہیں، یا یہ کہو ہم نہیں جانتے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا میرے نفس میں اس کے متعلق کچھ ہے، آپ نے فرمایا اے میرے بھائی کے بیٹے بتاؤ اپنے آپ کو گھٹیا نہ سمجھو (یعنی باقی حضرات سے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ کر کوئی جھجک محسوس نہ

Marfat.com

کرو) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس مثال سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت میں نیک عمل کرنے کی وجہ سے اعمال میں غنی ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے شیطان کو بھیج دیتا ہے وہ اسے گناہوں کے عمل پر لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے نیک اعمال برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (از روح المعانی، در منثور وغیرہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس وضاحت سے اور صحابہ کرام کے خاموش رہنے پر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاموش رہنے پر کسی کے رد نہ کرنے سے واضح ہوا کہ آیۃ کریمہ کا شان نزول عام ہے۔ مثال سے ہر قسم کے نیکیوں کے عمل کرنے کے بعد گناہ کرنے سے عمل برباد ہو جانے اور قیامت میں انسان کے غم زدہ اور پریشان ہونے کا ذکر فرمایا، اسی وضاحت میں خود بخود صدقات و خیرات کے بعد احسان جتلانا اور اذیت پہنچانا، اور ریاء کاری کے طور پر صدقہ کرنے سے اجر و ثواب ضائع کرنے کا بھی پتہ چل گیا۔

"ایود": "کیا پسند کرتا ہے۔"

یہ لفظ ماخوذ ہے "ایو د" سے، جس کا معنی ہے "الود هو المحبة الكاملة" کامل محبت۔

اور "ایو د" میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے کیا کوئی ایک تم سے پسند کرتا ہے؟ یعنی نہیں پسند کرتا ہے

"جنة من نخيل و اعناب" میں باغ کی تین صفتیں بیان کی گئیں۔

﴿۱﴾ ایک یہ کہ باغ کھجوروں اور انگوروں پر مشتمل ہو، یعنی اس میں کثیر درخت ہوں جو جگہ کو ڈھانپ لیں، کھجوروں اور انگوروں کا ذکر بالخصوص کیا گیا۔ "لا نهما اشرف الفواكه و لا نهما احسن الفواكه مناظر" اس لئے کہ یہ دونوں پھل اشرف ہیں اور یہ حسین منظر پیش کرتے ہیں۔

﴿۲﴾ دوسری صفت یہ بیان کی گئی "تجری من تحتها الانهار" ان کے نیچے نہریں جاری ہوں۔

یقیناً جب باغ میں گھنے درخت ہوں اور ان کے نیچے نہریں جاری ہوں تو وہ حسین منظر پیش کرے گا۔

﴿۳﴾ تیسری صفت یہ بیان فرمائی "له فيها من كل الثمرات" کہ اس باغ میں اور بھی ہر قسم کے پھل ہوں۔

Marfat.com

جب یہ تمام صفات باغ میں ہوں تو وہ حسین منظر بھی ہوتا ہے اور اس کی پیداوار بھی زیادہ ہوتی ہے اس سے انسان کو بہت شدید محبت ہوتی ہے، اسے پھلتا پھولتا دیکھنا انسان پسند کرتا ہے، اس کی بربادی کوئی بھی نہیں پسند کرتا۔ (از کبیر)

" واصابه الکبر "اور اس کو بڑھاپا پہنچ جائے، یعنی عمر زیادہ ہو جائے اسباب معاش سے عاجز آ جائے۔

" وله ذرية ضعفاء" اور اس کی اولاد کمزور ہو، یعنی کسب نہ کر سکے ابھی وہ چھوٹی عمر کے ہوں یا کسی بیماری وغیرہ سے کسب معاش سے عاجز آ جائیں۔

" فاصابها اعصار" اعصار اس ہوا کو کہتے ہیں جو جگہ پر گھومتی رہے اور مینار یا ستون کی طرح ہوا سے "زوبعة" بھی کہا جاتا ہے۔"وهي قد تكون هابطةوقدتكون صاعدة " یہ ہوا یعنی بگولہ کبھی نیچے کی طرف آتی ہے اور کبھی اوپر کی طرف چڑھتی ہے۔ یہ ہوا اپنی شدت کی وجہ سے درختوں کو اکھیڑ دیتی ہے اور کشتیوں کو دریا میں ڈبو دیتی ہے۔

"فيه نار" اس میں آگ ہو، یعنی گرم لو ہو جسے '' نار سموم"کہا جاتا ہے۔

"فاحترقت" وہ باغ جل جائے، یعنی تند ہوا جو بگولہ کی شکل میں ہے اس میں آگ ہو وہ باغ کو جلا دے۔

نتیجہ واضح ہے:

کہ ایک شخص کا کھجوروں اور انگوروں [illegible] قسم کے پھل دار درختوں کا باغ ہو، اس کے نیچے نہریں جاری ہوں پھر وہ بوڑھا ہو جائے اس کی اولاد بھی ذرائع معاش کے حاصل کرنے سے قاصر ہو کیا اس حالت میں وہ شخص یہ پسند کرے گا کہ اس کا باغ آگ بگولہ سے خاکستر ہو جائے، نہیں نہیں وہ کبھی نہیں پسند کرے گا، جس شخص کو ایسے اعلیٰ قسم کے باغ سے شدید محبت ہوگی وہ تو اس کے جل جانے پر اس حالت میں ہوگا۔

"المقصود من هذا المثل بيان انه يحصل في قلب هذا الانسان من الغم والمحنة والحسرةوالحيرة ما لا يعلمه الا الله"

مقصد اس مثال سے یہ بیان کرنا ہے کہ وہ شخص اس حالت میں بہت ہی زیادہ غم اور محنت اور حسرت اور حیرت میں مبتلاء ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

Marfat.com

"فکذلک من اتی بالا عمال الحسنة الاانه لا یقصد بها وجه الله بل یقرن بها اموراً تخرجها عن کونها موجبة للثواب فحین یقدم یوم القیامة وهو حینئذفی غایة الحاجة و نهایة العجزعن الاکتساب عظمت حسرته وتناهت حیرته"

اسی طرح جس شخص نے اچھے اعمال کیے مگران میں اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی حاصل نہیں کی گئی بلکہ اس کے ساتھ ایسے امور ملائے گئے جنہوں نے ان اچھے اعمال کوثواب کے درجہ سے ہی نکال دیا جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ شخص اس وقت بہت زیادہ حاجتمند ہوگا، اس وقت عمل کرنے سے عاجز ہوگا تو اس کی حسرت بڑھ جائے گی اور بہت ہی زیادہ حیرت میں مبتلاء ہوگا۔ (کبیر)

"کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون":

''اسی طرح بیان کرتا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ آیات کو تاکہ تم فکر کرو۔''

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں مسائل کو مثالوں سے واضح طور پر بیان فرمایا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ تمام امور دین کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ تم فکر کرو یعنی جن آیات میں عبرت پکڑنے کا ذکر ہے ان کو دیکھ کر عبرت پکڑو اور ان آیات کے مطابق عمل کرو، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دنیا نے ختم ہو جانا ہے آخرت نے ہی باقی رہنا ہے۔ لہٰذا تم دنیا میں زہد وتقوی اختیار کرو، اور اللہ کی راہ میں اللہ کی رضاء کے لئے مال خرچ کرو اور مال بھی وہ جو اسی نے تمہیں دیا ہے، اور آخرت کی طرف رغبت کرو اور ایسے کام نہ کرو جو تمہیں غم میں ڈالیں۔ (از روح المعانی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

بظاہر یہاں اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ''یود'' مستقبل کا صغیہ ہے، اور ''واصابه'' میں ''اصاب'' ماضی کا صیغہ ہے تو ماضی کا عطف مستقبل پر درست نہیں۔

تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں ضروری نہیں کہ ''واؤ'' کو عاطفہ بنایا جائے بلکہ واؤ عالیہ ہے اس صورت میں معنی ہوگا ایسے حال میں کہ اسے پہنچے بڑھاپا اور اگر واؤ کو عاطفہ بنایا جائے تو پھر بھی صحیح ہے کہ یہاں عطف الفاظ پر

Marfat.com

نہیں بلکہ معنی پر ہے اس لئے " ایود " بھی ماضی کے معنی میں ہوگا، "کیا کسی نے پسند کیا ہے" اس طرح "واصابہ الکبر" کا معنی ہوگا "اور اسے پہنچا بڑھاپا" (از روح المعانی)

ایک اور توجہ:

"لعلکم تتفکرون" میں "لعل" ترجی کے لئے نہیں، بلکہ " لکی " کے معنی میں ہے اسی لئے روح المعانی میں اس کا ترجمہ کیا گیا " لکی تتفکروا " تاکہ تم تفکر کرو۔

شیطان کے پندرہ دشمن:

﴿۱﴾ انبیاء کرام۔ ﴿۲﴾ انصاف کرنے والے حکام ﴿۳﴾ اور عجز کرنے والے اغنیاء

﴿۴﴾ اور سچے تاجر ﴿۵﴾ خشوع کرنے والے علماء ﴿۶﴾ نصیحت کرنے والے مؤمنین

﴿۷﴾ نرم دل مؤمنین ﴿۸﴾ توبہ پر قائم رہنے والے ﴿۹﴾ اور حرم سے بچنے والے

﴿۱۰﴾ زیادہ صدقہ کرنے والے مؤمنین ﴿۱۱﴾ اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے درپیش آنے والے ایماندار

﴿۱۲﴾ وہ مؤمنین جو لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہوں ﴿۱۳﴾ ہمیشہ قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے

﴿۱۴﴾ رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے والے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

﴿۱۵﴾ ہمیشہ باوضو رہنے والے مؤمنین

شیطان کے دس دوست:

﴿۱﴾ ظالم بادشاہ ﴿۲﴾ تکبر کرنے والا غنی ﴿۳﴾ خیانت کرنے والا تاجر

﴿۴﴾ شراب پینے والا ﴿۵﴾ چغل خور ﴿۶﴾ ریاء کاری کرنے والا

﴿۷﴾ سود کھانے والا ﴿۸﴾ یتیم کا مال کھانے والا ﴿۹﴾ زکوۃ نہ دینے والا

﴿۱۰﴾ اور بڑی لمبی امیدیں باندھنے والا۔ (اس شخص کو چونکہ موت یاد نہیں ہوتی، لہٰذا خوف خدا بھی نہیں ہوتا)۔

(روح البیان)

Marfat.com

اس سے واضح ہوا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والا اللہ کا دوست ہے اور شیطان کا دشمن، اور جو شخص اللہ کی راہ میں فرض اور واجب مال نہ خرچ کرے وہ شیطان کا دوست ہے اور رب تعالیٰ سے وہ دور ہے۔

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم   کہ پیش از تو بو دست و بعد از تو ہم

نہ کر بھروسہ ملک اور مرتبے اور رعب پر۔ کہ تجھ سے پہلے بھی ایسے لوگ تھے، اور تیرے بعد بھی ہوں گے۔

غم و شادمان نماند ولیک   جزائے عمل ماند و نام نیک

غم اور خوشی نہیں رہیں گے لیکن عمل کی جزاء اور نیک نام باقی رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۷)

﴿۱﴾

اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو اور اس میں سے ہم نے جو تمہارے لئے زمین میں سے نکالا اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تم اس میں سے اور تمہیں ملے تو نہ لو گے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔

﴿۲﴾

اے ایمان والو! خرچ کرو پاکیزہ مال سے جو تم نے کسب کیا، اور اس سے جو نکالا ہم نے تمہارے لئے زمین سے، اور نہ ارادہ کرو ردی چیزوں کا کہ اس سے خرچ

Marfat.com

کرو، حالانکہ تم خود نہیں لیتے سوائے اس کے کہ تم اس میں آنکھیں بند کرلو، اور جان رکھو بیشک اللہ بے پرواہ ہے، حمد کے لائق ہے۔

مختصر مطلب:

تقریباً ترجمہ سے ہی مفہوم واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھا، عمدہ، پاکیزہ مال خرچ کرو، اور زمین کی پیداوار میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور ردی گھٹیا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو حالانکہ تمہیں گھٹیا مال لینا پڑے تو تم نہیں لیتے سوائے اس کے کہ کبھی چشم پوشی (آنکھ بند کر کے) سے مال لے لو، تو لے لو اور جان رکھو اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں وہ تعریف کیا ہوا ہے اسے تمہاری تعریف کی ضرورت نہیں۔

شان نزول:

" قالت ابن جریر رحمه الله عن البراء بن عازب رضی الله عنه فی قول الله(یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم)الآیة،قال نزلت فی الانصار، کانت الانصار اذا کانت ایام جذاذا لنخل اخرجت من حیطانها البسر فعلقوه علی حبل بین الاسطوانتین فی مسجد رسول الله ﷺ فیاکل فقراء المهاجرین منه،فیعمدالرجل منهم الی الحشف فیدخله مع اقناء البسر یظن ان ذلک جائز، فانزل الله فیمن فعل ذلک (ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بآخذیه الاان تغمضوا فیه) (اخرجه ابن ماجة الحاکم)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آیہ کریمہ " یا ایها الذین امنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم "الخ انصار کے حق میں نازل ہوئی، کھجوروں کے توڑنے کے دنوں میں انصار اپنے باغات سے پکی کھجور لا کر مسجد نبوی کے دو ستونوں کے درمیان ایک رسی سے باندھ دیتے (یعنی خوشے رسی سے لٹکا دیتے) مہاجرین سے فقراء صحابہ کرام (اصحاب صفہ) ان سے کھاتے رہتے، ایک شخص نے بسر (جن میں سرخ حصہ زیادہ ہو اور پیلا حصہ کم ہو، یعنی پکی

Marfat.com

کھجور) کے ساتھ خشک ردی کھجوریں بھی لٹکا دیں، اس خیال سے کہ یہ جائز ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ کو نازل کیا "ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون" ردی چیز خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔ (از صابونی)

"یاایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم":

اے ایمان والو! خرچ کرو پاکیزہ مال سے جو تم نے کسب کیا۔

"من طیبات" من حلالہ او جیادہ" (بیضاوی)

یعنی "طیبات" کا معنی حلال مال یا عمدہ مال حلال مال "طیب" ہے۔ عقلا اور عمدہ مال ہے "طیب" ہے حسی طور پر۔ "طیبات" سے مراد حلال مال لینے والوں نے اپنے موقف پر مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں۔

"قال رسول اللہ ﷺ ثلاث اذا کن فی التاجر طاب کسبہ لایعیب اذا اشتری ولایمدح اذا باع ولایکذب، ویری ولا یحلف"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں جب تاجر میں پائی جائیں تو اس کا کسب کیا ہوا مال پاکیزہ ہوتا ہے وہ مال خریدے تو عیب نہ نکالے اور بیچے تو اس مال کی تعریف نہ کرے اور جھوٹ نہ بولے اور ایک روایت میں ہے کہ قسمیں نہ اٹھائے۔

☆ "قیل علیہ الصلوۃ والسلام ای الکسب اطیب فقال عمل الرجل بیدہ"

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کون سا کسب پاکیزہ ہے آپ نے فرمایا جو مال انسان اپنے ہاتھ سے کمائے۔

☆ "وقال رسول اللہ ﷺ اطیب ما یاکل الرجل من کسبہ"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پاکیزہ مال وہ ہے جو انسان اپنے کسب سے کھائے۔ (شیخ زادہ)

عمدہ مال کا قول کرنے والوں نے چند دلائل پیش کئے۔

ایک یہ کہ شان نزول سے جب یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ ردی مال خرچ کرے تو اس سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا

Marfat.com

جب خبیث، کا معنی اس آیۃ کریمہ میں ردی مال لیا گیا ہے، تو ''طیبات'' کا معنی عمدہ مال ہی ہونا چاہئے۔

دوسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ خبیث مال خرچ کرنے سے مستثنیٰ کیا ہے ''الاان تغمضوا فیه'' کہ تم خبیث مال نہیں لیتے سوائے چشم پوشی (آنکھیں بند کرنے) کے۔

اس سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ خبیث کا معنی ردی مال ہے کیونکہ صحابہ کرام حرام مال تو کسی صورت میں بھی نہیں لیتے تھے نہ خوشی سے اور نہ ہی چشم پوشی سے۔

تیسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔

''لن تنالوا البرحتی تنفقوا مماتحبون'' تم ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے یہاں تک کہ تم وہ مال خرچ کرو تم پسند کرتے ہو۔ علامہ رازی رحمہ اللہ کا محاکمہ اس پر یہ ہے۔

''ان المراد من الطیب ههنامایکون طیبا من کل الوجوه فیکون طیبابمعنی الحلال ویکون طیبابمعنی الجودة''

طیب سے مراد یہ ہے کہ جو ہر طرح سے پاک ہو وہ کامل طیب اسی وقت ہوگا جب حلال بھی ہو اور عمدہ بھی ہو۔

بظاہر اس پر اعتراض یہ ہے کہ مشترک معانی کا اجتماع لازم آئے گا جو جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں معنی ایک ہی لیا گیا ہے۔

''الطیب مایستطیبه العقل والدین'' طیب وہ ہے جسے عقل اور دین پاکیزہ سمجھے۔

لہٰذا حلال اور عمدہ مال دونوں ہی اس میں خود بخود داخل ہو گئے۔ اور اس میں بھی کوئی مشکل نہیں کہ ''الاان تغضموا فیه'' سے مراد ردی مال ہی ہو، کہ ردی مال تم خود نہیں لیتے سوائے چشم پوشی کے، کیونکہ لفظ ذکر کر کے اور معنی لینا اور ضمیر لوٹا کر اور معنی لینا استخدام ہے، جو حسن معنوی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ عدم جواز (جائز نہ ہونے) پر۔

لہٰذا ''ولا تیمموا الخبیث'' سے مراد یہ ہے کہ ''ناپاک'' کا ارادہ نہ کرو، نہ حرام مال خرچ کرو اور نہ ہی گھٹیا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

Marfat.com

"الاان تغمضوا فیه" سے مراد یہ ہے کہ ردی مال تم خود نہیں لیتے سوائے چشم پوشی کے۔ (از کبیر مع التصرف)

☆ "عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قسم بینکم اخلاقکم کما قسم بینکم ارزاقکم، وان اللہ یعطی الدنیامن یحب ومن لا یحب ولا یعطی الدین الا لمن احب فمن اعطاہ اللہ الدین فقد احبہ، والذی نفسی بیدہ لایسلم عبدحتی یسلم قلبہ ولسانہ، ولا یؤمن حتی یأمن جارہ بوائقہ قالوا ومابوائقہ یا نبی اللہ؟قال غشہ وظلمہ، ولا یکسب عبد مالامن حرام فینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یتصدق بہ فیقبل منہ ولا یترکہ خلف ظہرہ الاکان زادہ الی النار وان اللہ لایمحو السیٔ با لسیٔ ولکن یمحو السیٔ بالحسن، ان الخبیث لایمحو الخبیث" (رواہ الامام احمد فی مسندہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اخلاق کو تقسیم فرمایا جیسے تم اپنا مال تقسیم کرتے ہو، اور بیشک اللہ تعالیٰ دنیا (کامال و دولت) عطاء فرماتا ہے خواہ اس سے محبت کرے یا نہ کرے، اور دین نہیں عطاء فرماتا سوائے اس کے کہ جس سے محبت کرتا ہے تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دین عطاء فرمادیا اس سے وہ محبت کرتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بندہ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل اور زبان سلامتی پہنچانے والے نہ ہوں اور کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے بوائق سے محفوظ نہ ہو صحابہ کرام نے پوچھا یا نبی اللہ (اے اللہ کے نبی) اس کے بوائق سے مراد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا کینہ وکھوٹ اور ظلم، اور جب کوئی بندہ حرام مال کسب کر کے خرچ کرتا ہے کہ اس میں برکت ہوگی، اور صدقہ کرتا ہے کہ اس میں قبولیت ہوگی اور اپنے پیچھے (اپنے ورثاء کے لئے) چھوڑتا ہے تو اس کے لئے آگ میں پہنچانے کا ہی یہ زیادہ سے زیادہ ذریعہ ہے بیشک اللہ تعالیٰ گناہوں کو گناہوں سے نہیں مٹاتا لیکن گناہوں کو نیکیوں سے مٹاتا ہے، بیشک کسی خبیث چیز کو خبیث سے نہیں مٹاتا۔ (از صابونی)

تنبیہ: یہ آیۃ کریمہ زکوۃ اور عشر تمام کو شامل ہے۔

Marfat.com

''اخرج ابن جریر عن علی بن ابی طالب قولہ یاایھاالذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم قال من الذھب والفضۃ ومما اخرجنا لکم من الارض قال یعنی من الحب والتمر وکل شیءعلیہ زکوۃ''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ''یاایھاالذین آمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم'' کا مطلب یہ ہے کہ پاکیزہ طور پر حاصل کئے ہوئے سونے اور چاندی سے زکوۃ ادا کرو اور ''ومما اخرجنالکم من الارض'' کا مطلب یہ ہے کہ دانوں کھجوروں اور ہر وہ چیز زمین کی پیداوار جس پر زکوۃ لازم ہے اس سے زکوۃ، یعنی عشر ادا کرو۔ (درمنثور)

☆ ''واخرج سعید بن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر والبیھقی فی سننہ عن مجاھد فی قولہ انفقوا من طیبات ماکسبتم قال من التجارۃ ومما اخرجنالکم من الارض قال من الثمار''

حضرت مجاھد رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں ''انفقوا من طیبات ماکسبتم'' سے مراد یہ ہے کہ تجارت کے ذریعے پاکیزہ کمائی سے مال خرچ کرو، اور ''ومما اخرجنالکم من الارض'' سے مراد یہ ہے کہ زمین سے پیدوار ہونے والے پھلوں سے مال خرچ کرو۔ (درمنثور)

''ولاتیمموا الخبیث منہ تنفقون'':

''اور نہ ارادہ کرو ردی چیز کا کہ اس سے تم خرچ کرو۔''

مسئلہ: مال حاصل کرنا اور کسب کرنا مباح ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال طریقہ سے حاصل کرے۔

☆ ''عن خولۃ الانصاریۃ قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان ھذا المال حضر حلو من اصابہ بحق بورک لہ فیہ ورب متحوض فیماشاء نفسہ من مال اللہ ورسولہ لیس لہ یوم القیامۃ الاالنار'' (اخرجہ الترمذی)

حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، بیشک یہ

Marfat.com

مال خوشنما اور میٹھا ہے، جس شخص نے جائز طریقہ سے حاصل کیا اسے اس مال میں برکت دی جائے گی۔ کتنے ہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مال کو نفس کی خواہشات کے مطابق ناجائز طریقہ سے حاصل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن سوائے آگ کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

"المتخوض الذی یأخذالمال غیروجهه کمایخوض الانسان فی الماء یمیناوشمالا"

متخوض اسے کہتے ہیں جو جائز طریقہ کو دیکھنے کے بغیر ہی جیسے بھی مال حاصل ہو سکے وہ مال حاصل کرلے، جیسے انسان پانی میں دائیں، بائیں غوطے مارتا ہے۔ (خازن)

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرأ ما اخذ منه امن حلال او حرام" (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کوئی شخص پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ مال حلال طریقہ سے حاصل کر رہا ہے یا حرام طریقہ سے۔ (خازن)

☆ "عن المقداد ان رسول الله ﷺ قال ما أکل احد طعاماقط خیرا من ان یأ کل من عمل یده وان نبی الله داؤد کان یأ کل من عمل یده" (بخاری)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے ہاتھ کی کمائی سے مال کھانے سے بہتر کوئی اور طریقہ مال کھانے کا بہتر نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ (خازن)

☆ "عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال ان اطیب ما اکلتم من کسبکم وان اولادکم من کسبکم" (اخرجه الترمذی والنسائی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارا پاکیزہ طعام وہی ہے جو تم اپنے کسب سے کھاؤ، اور بیشک تمہاری اولاد بھی تمہارے کسب سے ہے۔ (خازن)

مراد یہ ہے کہ حلال طریقہ کر کے مال کھاؤ تاکہ تمہاری اولاد پر بھی اچھا اثر پڑے وہ بھی حلال مال حاصل کرے۔

Marfat.com

مسئلہ : اس آیۃ کریمہ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ انسان کے مال میں زکوۃ فرض ہے خواہ وہ مال سونا ہو یا چاندی خواہ وہ چوپائے ہوں یا مال تجارت، یعنی مال تجارت پر جب سال گزر جائے اور وہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس مال پر زکوۃ فرض ہوگی وہ کسی چیز کی بھی تجارت کرے حکم یہی ہوگا۔ (ماخوذ از خازن)

اونٹوں کا نصاب:

جب اونٹ سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گذارہ کریں، گھر چارہ دینے کی ضرورت سال کا کم حصہ درپیش آئے، یا پورا سال ضرورت درپیش نہ آئے تو پھر پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں اور جب پانچ اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں، پندرہ میں تین بکریاں، بیس میں چار بکریاں جب اونٹوں کی مقدار پچیس ہو جائے تو ان میں ایک بنت مخاض ایک سالہ اونٹنی یعنی دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو اور جب چھتیس ہو جائیں تو ان میں بنت لبون (دو سالہ اونٹنی ہو یعنی تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو) اور جب چھیالیس ہو جائیں تو ان میں ایک وہ اونٹنی بطور زکوۃ فرض ہے جو چوتھے سال میں داخل ہو، جسے حقہ کہا جاتا ہے اور جب اکسٹھ ہو جائیں ان میں وہ اونٹنی ہوگی جو پانچویں سال میں داخل ہو۔

گائے اور بھینس کا نصاب:

تیس گائے میں سے کم میں صدقہ نہیں جب گائے یا بھینس سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارہ کریں تو تیس ہو جائیں تو ان میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی جو دوسرے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک دو سالہ گائے یا بیل جو تیسرے سال میں داخل ہو جائے۔ پھر ساٹھ پر دو ایک سالہ بچھڑے، پھر ہر دس کے بعد یہی تبدیلی آئے گی۔

بھیڑ بکری کا نصاب:

جب چالیس بھیڑ بکریاں ہو جائیں اور سال ان پر گزر جائے اور سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گذارہ کریں تو ان میں ایک بکری، پھر ایک سو بیس میں دو بکریاں، پھر دو سو ایک میں تین بکریاں، پھر چار سو میں چار بکریاں۔ پھر ہر سو میں ایک بکری۔

گھوڑوں میں زکوۃ دینے کا حکم:

Marfat.com

گھوڑے جب مذکر مونث ملے جلے ہیں اور سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گذارہ کریں تو ہر گھوڑے سے ایک دینار زکوۃ دے یا قیمت کر کے چالیسواں حصہ دے، لیکن صاحبین کے قول کے مطابق گھوڑوں میں زکوۃ نہیں۔

سونے کا نصاب:

بیس مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں، جب بیس مثقال، یعنی ساڑھے سات تولے ہو جائے تو پھر چالیسواں حصہ زکوۃ ہے جب نصاب مکمل ہو جائے تو زکوۃ کل میں ہے یہ نہیں کہ ساڑھے سات تولے معاف رہے گا اور اس سے اوپر میں زکوۃ ہو گی۔

چاندی کا نصاب:

دوسو درھم سے کم میں زکوۃ نہیں جب دوسو درھم ہو جائیں تو ان میں چالیسواں حصہ دوسو درھم کا وزن ساڑھے باون تولے۔

سامان تجارت:

تجارت کا مال جب سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہو گی جب کہ اس پر ایک سال مکمل ہو جائے۔

مسئلہ : جب نصاب مکمل ہو گیا تو اس وقت سے سال کا اعتبار کرنا پڑے گا مختلف اوقات میں حاصل ہونے والے مال کا علیحدہ علیحدہ حساب نہیں ہو گا۔

مسئلہ : اگر قرض ہو تو جتنی مقدار قرض ہے اتنی مقدار مال سے نکال کر حساب کر کے زکوۃ دی جائے گی مثال کے طور پر ایک شخص ایک لاکھ روپے کا مالک ہے اور پچاس ہزار روپے اس نے قرض ادا کرنا ہے تو زکوۃ پچاس ہزار روپے کی ادا کرے گا نہ کہ ایک لاکھ کی۔

تنبیہ : صدقہ فطر اور قربانی کا نصاب تو وہی ہے جو زکوۃ کا ہے لیکن زکوۃ کے مال کے لئے نامی ہونا شرط ہے یعنی وہ مال بڑھنے والا ہو بڑھنے والا مال سونا چاندی، روپے اور مال تجارت ہے لیکن صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب

Marfat.com

میں نامی ہونے (بڑھنے) کی کوئی شرط نہیں ضرورت سے زائد مال نصاب کی مالیت کو پہنچ جائے تو اس شخص پر صدقہ فطر اور قربانی لازم ہوگی۔

راقم کا تردد اور علماء کرام کی توجہ کی ضرورت:

فقہاء کرام نے اگرچہ بیان کیا ہے کہ جب انسان کے پاس سونا، چاندی (یا روپے) ملے جلے ہیں تو حساب اس نصاب کا کیا جائے جس میں فقیر کا فائدہ ہو، یہ یقینی بات ہے کہ چاندی کا حساب ہوگا تو نصاب جلدی مکمل ہو جائے گا یہی صورت بظاہر صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب میں بھی نظر آتی ہے، لیکن علماء کرام دو چیزوں کی طرف توجہ فرما کر مجموعی طور پر مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اکثریتی بلکہ بہتر یہ ہے کہ اجماع سے فیصلہ کریں، ایک تو اس طرف توجہ کی ضرورت ہے کہ نظام حکومت میں خزانہ بنیادی طور پر سونا ہے چاندی نہیں، پھر چاندی کا نصاب نوٹوں کا کیوں مقرر کیا جاتا ہے۔ دوسری چیز قابل توجہ یہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ (۲۰۰۴ء) میں چاندی کا نصاب سوا پانچ ہزار روپے پر مکمل ہو جاتا ہے اور بکرا بھی اسی قیمت سے مل رہا ہے تو وہ قربانی کیسے کرے؟

راقم کے خیال میں نوٹوں کا مطلق نصاب سونے کا مقرر کیا جانا چاہئے۔ اگر علماء کرام لکیر کے فقیر بنیں'' اور اس چیز سے ہٹ کر سوچیں کہ فلاں نے یہ بات کہی ہے میں نے نہیں ماننی'' تو مجھے امید ہے کہ تمام علماء کرام کے ذہنوں میں یہ بات آجائے اور قوی امید ہے کہ اس مسئلہ میں تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہو جائے۔

''ومما اخرجنا لکم من الارض'':

''اور اس سے جو نکالا ہم نے تمہارے لئے زمین سے۔''

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ان الفاظ مبارکہ سے زمین کی پیداوار میں سے نفلی صدقہ کا حکم دیا گیا ہے، نفلی صدقہ کی فضیلت پر احادیث دلالت کر رہی ہیں۔

'' عن انس ابن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منه انسان او طیر او بهیمة الا کانت به صدقة'' (رواه احمد و الشیخان و الترمذی)

Marfat.com

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو درخت لگائے یا کھیتی باڑی کرے تو اس سے انسان کھائیں یا پرندے یا چوپائے کھائیں مگر یہ کہ اسے صدقہ کا ثواب حاصل ہوگا۔

اس حدیث پاک میں انسان کے کھانے سے مراد نفلی صدقہ ہے کہ انسانوں کو اپنی طرف سے اس میں سے پھل یا غلہ دے کیونکہ بغیر اجازت کے کسی کے باغ سے پھل کھانا یا غلہ حاصل کرنا جائز ہی نہیں۔

" عن ابی امامة قال سمعت النبی ﷺ یقول لا یدخل هذا یعنی شیأ من آلة الحرث بیت قوم الا ادخله الذل" (رواہ البخاری) یدل علی شومه واللہ اعلم)

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا نہیں داخل ہوتے کسی کے گھر یہ یعنی کھیتی باڑی کے آلات مگر یہ کہ اس گھر میں ذلت داخل ہوگی۔

اس حدیث پاک کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو شخص کھیتی باڑی کا کام کرتا ہے لیکن اس کی پیداوار سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتا اس کے گھر بے برکتی ہوتی ہے۔ بعض حضرات کا قول اگر نفلی صدقہ کی طرف ہے۔

" والصحیح ان الآیة فی الزکوة لان الامر للوجوب ولا وجه لحملها علی التطوع فهذا امر باخراج العشور من خارج الارض"

لیکن صحیح یہ ہے کہ آیۃ کریمہ کا تعلق زکوۃ سے ہے کیونکہ امر (انفقوا) وجوب کے لئے بغیر کسی وجہ کے اس سے نفلی صدقہ مراد لینا درست نہیں، لہٰذا زمین کی پیداوار سے خرچ کرنے کا حکم بھی وجوبی ہے، یعنی " ومما اخرجنا لکم من الارض " سے عشر کا حکم دیا گیا ہے۔ (از مظهری)

عشر کا نصاب:

امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عشر اس وقت لازم ہوگا جب پیداوار پانچ وسق کو پہنچ جائے، ہر وسق ساٹھ صاع کا ہے، اور صاع چار کلو کا ہے، اگرچہ پندرہ گرام چار کلو سے بڑھائے جاتے ہیں، لیکن راقم کے نزدیک ضروری نہیں کہ پندرہ گرام بڑھائے جائیں۔ اور روئی میں نصاب پانچ گانٹھیں ہیں، اور ہر گانٹھ کا وزن تین سو سیر ہے،

Marfat.com

اور زعفران میں نصاب پانچ سیر ہے۔ان حضرات کی دلیل……

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لیس فیمادون خمسة اوسق صدقة"

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں۔

یہی حدیث مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور مسند احمد میں اور دار قطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی حدیث بیہقی میں حضرت عمر بن حزم سے مروی ہے اور دار قطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زمین کی پیدوار میں مطلق عشر لازم ہے خواہ وہ پیدوار قلیل ہو یا کثیر ہو، نصاب مقرر نہیں، آپ کی دلیل یہی آیۂ کریمہ ہے کہ اس میں مطلقاً ذکر کیا گیا ہے کہ خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔ (از مظہری)

عشر اور نصف عشر:

جس زمین کو بارش سے یا قدرتی چشمے (جس پر آبیانہ ادا کرنا لازم نہ ہو) سے سیراب کیا جائے اس کی پیداوار میں عشر، یعنی دسواں حصہ لازم آئے گا، اور جس زمین کو کنوئیں وغیرہ سے سیراب کیا جائے یعنی جس پر مشقت لازم آئے اس میں سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم آئے گا۔

اسی سے نہری زمین جس پر آبیانہ ادا کیا جاتا ہے اس کا حکم راقم کو یہی سمجھ میں آتا ہے کے وہ بھی مشقت کے ضمن میں آتا ہے، لہٰذا اس کا حکم کنوئیں کا حکم ہونا چاہئے یعنی اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہوگا۔

کن چیزوں میں عشر ہے؟

اس میں اتفاق ہے کے کھجور اور انگور اور وہ دانے جو ذخیرہ بنائے جاسکیں، یہ خیال رہے کے ایک سال تک جس چیز کو رکھا جاسکے اس کے لئے "یقتات" اور "یدخر" کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، یہ رکھنا بھی بغیر کسی

Marfat.com

ایجادات کے ورنہ آجکل سائنسی ایجادات کی وجہ سے پھلوں کو بھی ایک سال تک رکھا جا سکتا ہے لیکن یہ مراد نہیں۔

اور اس مسئلہ میں بھی اتفاق ہے کے گھاس اور جلانے والی لکڑیوں میں عشر نہیں، کیونکہ ان چیزوں کے لئے زمین کو غلہ حاصل کرنے کے لئے مشغول نہیں کیا جاتا۔

اس کے بغیر سبزیوں اور پھلوں میں اختلاف ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر قسم کے دانے، پھلوں اور سبزیوں میں عشر ہے، آپ کی دلیل یہی آیۃ ہے کے اس میں مطلق ذکر ہے، سال رہنے کی کوئی قید نہیں، اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی بھی مطلق ہے۔

"قال رسول اللہ ﷺ فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر"

یعنی عشری زمین میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈولوں کے ذریعے (اونٹنی کے ذریعے ڈول کھینچ کر) سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے یعنی بیسواں حصہ ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام احمد رحمھم اللہ کا اس مسئلہ میں ارشاد یہ ہے۔

"یجب فیما یبقی فی ایدی الناس مما یکال او یوزن"

عشر ان چیزوں میں ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں باقی رہ سکیں اور ان کا وزن کیا جاتا ہو یا ان کو صاع (ٹوپے) کے ذریعے کیل کیا (ماپا) جاتا ہو۔

"ان حضرات کے دلائل"

"عن معاذ قال فیما سقت السماء والسیل العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر یکون ذلک من التمر والحنطة والحبوب واما القثاء والبطیخ والرمان والعنب والخضروات فعفو عفا عنه رسول اللہ ﷺ" (رواہ الدار قطنی والحاکم والبیھقی)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس زمین کو بارش اور ندی نالے سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے اور جس کو ڈولوں کے ذریعے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے اور

Marfat.com

یہ عشر یا نصف عشر کھجوروں میں اور گندم میں اور دانوں میں ہے، اور ککڑی (تر، کھیرا) اور خربوزے، اور گنے اور سبزیوں میں نہیں۔ ان میں معاف ہے، اور یہ خود رسول اللہ ﷺ نے معاف فرمایا ہے۔

تاہم اس حدیث کے متعلق قاضی محمد ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"وفیه ضعف" اور اس میں ضعف پایا گیا ہے۔

"وعن معاذ انه کتب الی النبی ﷺ یسئله عن الخضروات وعن البقول قال لیس فیها صدقة" (رواه الترمذی)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف میں نے خط لکھ کر سبزیوں کے عشر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان میں صدقہ نہیں۔

اس حدیث کے متعلق ترمذی نے کہا " اسناد هذا الحدیث لیس بصحیح " اس حدیث کی سند درست نہیں۔

" ورواه الدار قطنی بطرق عن موسی بن طلحة عن ابیه مرفوعا " لیس فی الخضروات صدقة "

موسیٰ بن طلحہ اپنے باپ سے مرفوع حدیث بیان فرماتے ہیں "سبزیوں میں صدقہ نہیں" یہ حدیث تین سندوں سے بیان کی گئی ہے، تین سندوں میں کوئی نہ کوئی ایسا راوی ہے جس کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے۔

" وعن محمد بن جحش ان رسول ﷺ امر معاذا حین بعثه الی الیمن ان یا خذ من کل اربعین دینارا دینارا ولیس فی الخضروات صدقة "

محمد بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن میں بھیجا تو حکم فرمایا کہ چالیس دیناروں سے ایک دینار (بطور زکوۃ) لینا، اور سبزیوں میں صدقہ نہیں۔

اس حدیث کو بھی ضعیف قرار دیا گیا۔ کچھ اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عشر صرف چار چیزوں میں ہے لیکن ان تمام کی توجیہ بیان کی گئی ہے، تاکہ احادیث میں کسی قسم کا تعرض لازم نہ آئے۔

"روی الحاکم والبیهقی من حیث ابی بردة عن ابی موسی ومعاذ حین بعثهما النبی ﷺ الی الیمن یعلمان الناس امرد ینهم لا تا خذ و اا الصدقة الامن هذه الاربعة الشعیر و ا لحنطة والزبیب والتمر "

Marfat.com

ابو بردہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن میں لوگوں کو امر دین سکھانے کے لئے بھیجا، تو فرمایا سوائے ان چار چیزوں کے اور کسی سے صدقہ نہ لو، وہ چار چیزیں ہیں۔ جو، گندم، کشمش، اور کھجور۔

" قال البیھقی رواته ثقات وھو متصل " بیہقی نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں اور سند میں اتصال ہے، یعنی کوئی راوی چھوٹا ہوا نہیں۔

" ورواہ الطبرانی من حدیث موسی بن طلحة عن عمر انما سن رسول اللہ ﷺ الزکوة فی ھذہ الاربعة الشعیر والحنطة والزبیب والتمر "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے چار چیزوں میں یعنی جو، گندم، کشمش، اور کھجور میں صدقہ سنت بنایا ہے۔

وکذا روی الدارقطنی باسناد عن عمر عن النبی ﷺ قال لا زکوة الا فی اربعة التمر والزبیب والحنطة والشعیر"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا سوائے چار چیزوں یعنی کھجور اور کشمش اور گندم اور جو کے صدقہ نہیں۔

ان احادیث کی توجیہ:

"ولما اجمع العلماء علی عدم حصر الزکوة فی ھذہ الاربعة وجب تاویلہ بحذف المضاف یعنی لا زکوة الا فی مثل ھذہ الاربعة "

جب علماء کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ عشر صرف ان چار چیزوں میں بند نہیں، بلکہ اور چیزوں میں بھی عشر واجب ہے، لہٰذا ان احادیث کی توجیہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس میں مضاف لفظ مثل محذوف ہے اس لئے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عشر ان چار چیزوں میں ہے یہ چار چیزیں چونکہ باقی رہنے والی ہیں، لہٰذا باقی رہنے والے غلہ جات میں عشر لازم ہوگا۔ (ماخوذ از مظہری)

Marfat.com

مسئلہ: اما اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عشر کے وجوب کے لئے عاقل ہونا اور بالغ ہونا شرط نہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک زکوۃ عبادت محضہ ہے اس لئے اس میں نیت کا پایا جانا شرط ہے اور نیت عاقل اور بالغ کی معتبر ہے، لیکن عشر عبادت بھی ہے اور مؤنۃ (مشقت) بھی ہے، اس لئے اس میں مسلمان ہونا تو شرط ہے لیکن عاقل اور بالغ ہونا شرط نہیں۔ (ماخوذ از مظہری)

مسئلہ: امام اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد۔

"فان العشر عنده زكوة الارض دون الزرع ومن ثم لا يشترط النصاب عنده فى الخارج"

عشر زمین کی زکوۃ کھیتی کی نہیں، اسی وجہ سے آپ کے نزدیک پیداوار میں نصاب معتبر نہیں، بلکہ قلیل اور کثیر پیداوار میں عشر لازم ہے (اس قول کے مطابق عشر مالک پر لازم ہے کاشتکار پر نہیں)

"وعند الجمهور ان العشر زكوة الزرع لا زكوة الارض"

جمہور کے نزدیک عشر زمین کی زکوۃ نہیں، بلکہ کھیتی کی زکوۃ ہے، اسی وجہ سے ان کے نزدیک نصاب مقرر ہے، اس قول کے مطابق عشر کاشتکار پر لازم ہے، مالک پر نہیں۔

عشر کے مسئلہ میں راقم کا موقف:

عشر کے ادا کرنے میں نصاب مقرر ہے، یعنی پانچ وسق سے کم میں عشر نہیں اور وسق ساٹھ صاع کا ہے، صاع تقریباً چار کلو کا ہے۔ اور عشر باقی رہنے والے دانوں وغیرہ میں ہے، (اور کھجوروں اور انگوروں میں بھی بالاتفاق عشر ہے) سبزیوں وغیرہ میں عشر نہیں۔

یہ دونوں مسئلے حنفی مسلک کے مطابق امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے اقوال سے ثابت ہیں، ان دونوں حضرات نے اپنا موقف احادیث سے پیش کیا ہے، اگرچہ احادیث فرداً فرداً ضعیف ہیں لیکن جب ضعیف حدیث متعدد طرق سے بیان ہو تو وہ حسن بغیرہ بن جاتی ہے جس سے حکم ثابت ہو جاتا ہے۔

اس لئے راقم نے صاحبین کے قول پر بطور فتوی اتفاق کیا ہے، صوفیاء اور اتقیاء حضرات امام اعظم رحمہ اللہ

Marfat.com

کے قول کو بطور تقویٰ ترجیح دیتے ہیں، تاہم معتبر فتویٰ ہی ہوگا۔

اسی طرح راقم کے نزدیک عشر زمین کی پیداوار پر ہے جو زمین کی بھی زکوۃ ہے اور کھیتی کی بھی۔

اس لئے مالک اور مزارع پر عشران کے حصوں کے مطابق لازم ہے۔

راقم نے اپنا موقف پیش کر دیا ہے راقم کے ذہن وضمیر نے اسے ہی قبول کیا ہے، راقم نے اپنا موقف کسی پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش بھی نہیں کی، اگر کوئی اس مسئلہ میں اختلاف کرے تو یہ اس کا حق ہے جب ہمارے اکابر ائمہ یعنی امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین کا اختلاف ہے تو آپ کے تبعین میں اختلاف پایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

معدنیات کا حکم:

معدنیات کی تین قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ وہ چیز جامد ہو پگھلے نہیں جیسے کچ چونہ اور قلعی چونہ۔ دوسری وہ چیز ہے جو غیر جامد ہو جیسے تارکول اور مٹی کا تیل۔

اور تیسری وہ چیز ہے جو پگھلانے سے پگھل جائے، اور پھر سکڑ بھی جائے جیسے سونا چاندی اور لوہا۔

یہ چیزیں جب تجارت کے لئے ہوں تو سب میں زکوۃ ہوگی اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو صرف سونے اور چاندی میں زکوۃ ہوگی، اس مسئلہ کا تعلق تو خرید وفروخت وغیرہ اور وراثت کے ذریعے مال کے ملنے یا ہبہ کے ذریعے کے مال ملنے سے ہے۔ (از مظہری)

عشری یا خراجی زمین سے جب سونا یا چاندی یا قلعی یا تانبا پیتل مل جائیں تو ان میں خمس (پانچواں حصہ) بیت المال کا ہوگا اور چار حصے اس کے لئے ہوں گے جسے وہ مال ملا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے۔

"العجماء جبار والبیر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس"

جانوروں کا ایک دوسرے کو زخمی کر دینا یا ہلاک کر دینا معاف ہے۔ ان پر کوئی ضمان نہیں، کسی آدمی کی ملکیت میں کنواں ہو اس میں گر کر کوئی مر جائے تو اس پر کوئی ضمان نہیں، معدنیات معاف ہیں یعنی ان میں زکوۃ نہیں، لیکن رکاز میں زکوۃ ہے، رکاز کا معنی زمین میں گا

Marfat.com

ڑتا، یہ کنز (خزانہ) کو بھی شامل ہے جو خود دفن کرے، اور معدن کو بھی شامل ہے جو قدرتی طور پر زمین میں پایا گیا تھا تو حاصل ہوا، یہاں رکاز سے مراد معدن ہے جن چیزوں کا ذکر کر دیا گیا ہے، وہ جب حاصل ہوں گی تو ان کو غنیمت کا درجہ حاصل ہوگا کیونکہ زمین پہلے کفار کے ہاتھ میں تھی اور مال غنیمت میں خمس ہے۔ (از ہدایہ)

لیکن راقم کا موقف اس میں یہ ہے کہ جو زمین صدیوں سے مسلمانوں کی ملکیت میں آ رہی ہے اس سے حاصل ہونے والے سونے، چاندی، قلعی، پیتل وغیرہ میں سال کے گذرنے پر زکوۃ ہی ادا کی جائے، کیونکہ خمس کا حکم ائمہ کرام نے جو بیان فرمایا یا حدیث پاک سے جو ثابت ہے اس کا تعلق اسلام کی ابتدائی دور میں تھا جب اراضی کافروں کے ہاتھوں سے حاصل ہوئی تھی اب تو کئی صدیاں بیت چکی ہیں، اب مال غنیمت کا حکم کیسے؟ (راقم)

اگر مندرجہ بالا چیزیں اپنے گھر ملیں تو ان میں خمس نہیں، اگر اپنی زمین سے ملیں تو ان میں خمس ہوگا۔ اگر زمین سے کوئی سکے ملیں اور ان پر کفر کی علامات، نقش وغیرہ ملیں تو ان میں خمس ہے۔ اور اگر ان میں اسلامی علامت مل جائے تو وہ گری ہوئی چیز ملنے کے حکم میں ہے۔ (از ہدایہ)

صدقات کی تمام قسموں پر تقریباً جامع حدیث:

"اخرج ابن ابی شیبة والدار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن النبی ﷺ قال لیس فی أقل من خمس ذود شیٔ ولا فی اقل من اربعین شیٔ ولا فی اقل من ثلاثین من البقر شیٔ ولا فی اقل من عشرین مثقالا من الذهب شیٔ ولا فی اقل من مائتی درهم شیٔ ولا فی اقل من خمسة اوسق شیٔ والعشر فی التمر والزبیب والحنطة والشعیر وما سقی سیحا ففیه العشر وما سقی بالغرب ففیه نصف العشر"

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانچ اونٹوں سے کم میں کچھ چیز (بطور زکوۃ) نہیں، اور چالیس بھیڑ، بکریوں میں سے کم میں کچھ چیز نہیں، تیس گائے میں سے کم میں کچھ نہیں اور بیس مثقال سے کم سونے میں کچھ چیز نہیں، اور دو سو درھم سے کم

Marfat.com

چاندی میں کچھ چیز نہیں اور پانچ وسق سے کم میں کچھ چیز نہیں اور کھجور اور کشمش اور گندم اور جو میں عشر ہے، اور جس زمین کو ندی نالے سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے، اور جس زمین کو ڈولوں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ (در منثور)

☆ "واخرج الدار قطني عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ليس في البقر العوامل صدقة ولكن في كل ثلاثين تبيع وفي كل اربعين مسن او مسنة"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کام کرنے والی گائے (یعنی ہل چلنے والی اور کنواں چلنے والی) میں صدقہ نہیں، البتہ جب تیس گائے ہو جائیں تو ان میں وہ بچھڑا (یا بچھڑی) زکوۃ دی جائے گی جس پر ایک سال مکمل ہو جائے اور دوسرے سال میں داخل ہو، اور جب چالیس گائے ہو جائیں تو ان میں دو سالہ گائے یا بیل بطور زکوۃ دیا جائے گا۔ دو سالہ سے مراد جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ (درمنثور)

صدقہ فطر نہ ادا کرنے پر وعید:

"اخرج ابو حفص بن شاهين في فضائل رمضان عن جرير قال قال رسول الله ﷺ صوم رمضان معلق بين السماء والارض ولا يرفع الا بزكوة الفطر، قال ابن شاهين حديث غريب جيد الاسناد"

ابو حفص بن شاہین نے فضائل رمضان میں جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان لٹکے رہتے ہیں سوائے صدقہ فطر کے وہ بلند نہیں ہوتے، ابن شاہین فرماتے ہیں یہ حدیث راویوں کی تعداد کے لحاظ پر غریب ہے اور سند کی عمدگی کے لحاظ پر صحیح ہے۔

مسئلہ: جانوروں کی زکوۃ میں نہ اعلیٰ قسم کا جانور لیا جائے اور نہ گھٹیا۔ بلکہ درمیانہ جانور لیا جائے اگر درمیانہ جانور نہ ملے تو گھٹیا لے لیا جائے اور قیمت میں جو فرق ہے وہ مالک سے اتنی رقم لے کر کمی کو پورا کر دیا جائے یا

Marfat.com

اعلیٰ لے لے اور زیادہ رقم جو بنتی ہے وہ مالک کو لوٹا دے، اگر مالک اپنی خوشی سے اعلیٰ قسم کا جانور دینا چاہے تو اس کی مرضی کی بات ہے، اسے خلوص نیت کا ثواب حاصل ہوگا۔

البتہ غلہ جات میں جو دانے پیداوار ہیں ان میں سے ہی عشر اور نصف عشر دیا جائے گا۔

مسئلہ : گھٹیا چیز بطور صدقہ نہ دی جائے لیکن اگر دی جائے تو فریضہ ادا ہو جائے گا ثواب میں کمی واقع ہوگی۔ جس چیز سے فقیر فائدہ اٹھا سکے اس میں ثواب ہوگا اور جس چیز سے فقیر فائدہ نہ اٹھا سکے بلکہ بدبودار کھانا اسے کہیں پھینکنے کی تکلیف برداشت کرنی پڑے تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"من طیبات" میں "من" کا ذکر کیا، پھر "ومما اخرجنا" میں "من" کا ذکر کیا کیونکہ "مما" اصل میں "من ما" ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واضح کرنا مقصود ہے۔ "ان کلا من المتعاطفین نوع مستقل" بیشک ہر ایک معطوف اور معطوف علیہ مستقل قسم ہیں۔ "اولاتاکید" ور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ دوبارہ تاکید کے لئے ذکر ہو۔ (روح المعانی)

"ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون": "اور نہ ارادہ کرو ردی چیز کا کہ اس سے تم خرچ کرو"۔

شان نزول اور ماقبل بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں جب کچھ ردی چیزوں کو بھی ملانا شروع کر دیا گیا تھا اس خیال سے کہ یہ جائز ہے تو رب تعالیٰ نے اسے منع فرمایا۔

"امتہ" اور "تیممتہ" اور "تامتہ" سب کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ "قصدتہ" میں نے اس کا ارادہ کیا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"ولا تیمموا" اصل میں باب تفعل سے ہے "ولا تتیمموا" یعنی اس میں دو تاء ہیں، صرف ابن کثیر کی قرأت میں تاء کو تاء میں ادغام کیا گیا ہے اور تاء مدغم ہے۔ لیکن باقی حضرات کے نزدیک ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اور تاء مفتوحہ ہے۔

Marfat.com

یہ مسئلہ ابن کثیر اور جمہور کے نزدیک اس لفظ کے علاوہ اور بائیس الفاظ میں اسی طرح مختلف فیہ رہے گا۔

"لا تفرقوا، توفاهم، تعاونوا، فتفرق بكم، تلقف، تولوا، تنازعوا، تربصون، فان تولوا، لا تكلم، تلقونه، تبرجن، تبدل، تناصرون، تجسسوا، تنابزوا، لتعارفوا، تميز، تخيرون، تلهى، تلظى، تنزل الملائكة" (از کبیر)

اور یہ بھی خیال رہے کہ مضارع پر ہمزہ وصل داخل نہیں ہو سکتا، اس لئے جو لفظ پہلے ہوگا اسی کو ادغام والی صورت میں ساتھ ملایا جائے گا جس طرح یہاں "لا" پہلے موجود ہے۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ دونوں تاء میں سے کون سی تاء کو خذف کیا جاتا ہے؟ سیبویہ کے نزدیک دوسری تاء حذف ہوتی ہے اور باقی حضرات کے نزدیک پہلی تاء خذف نظر آتی ہے، تاہم راقم کو یہ قول زیادہ پسند ہے۔

"والفراء يقول ايهما اسقطت جازلنيابة الباقيةعنها"

فراء کے نزدیک دونوں تاء میں سے جسے چاہیں خذف کر دیں، جو باقی رہے گی وہی دوسرے کے بھی قائم مقام ہو جائے گی۔ (کبیر)

ایک اور توجہ:

"منه تنفقون" میں ضمیر مجرور کا مرجع "الخبيث" ہے۔ جار اور مجرور کو فعل سے پہلے ذکر کیا گیا جس سے تخصیص کا معنی سمجھ میں آرہا ہے کیونکہ قانون یہ ہے۔

"التقديم ماحقه التاخيريفيدالحصر" لہٰذا اب معنی یہ ہوگا۔

"لا تقصدوا الخبيث قاصرين الانفاق عليه"

ردی چیز کا ارادہ نہ کرو کہ اسی سے تمہارا خرچ کرنا خاص ہو۔

اعتراض: اس سے تو یہ پتہ چلے گا کہ اچھی اور ردی چیز کو ملا کر صدقہ کرنا جائز ہوگا، صرف ردی چیز کا صدقہ منع ہوگا، حالانکہ اچھی اور ردی کو ملا کر صدقہ کرنا بھی منع ہے۔

جواب: اصل میں آیہ کریمہ کا نزول صرف ان لوگوں کی توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کے لئے ہوا جو صرف ردی چیز

Marfat.com

صدقہ کردیتے تھے، ورنہ ردی اور اچھی کو ملا کر صدقہ کرنا بھی ثواب کی کمی کا سبب ہے۔ (از روح المعانی)

"ولستم بآخذیه الا ان تغمضوا فیه":

"حالانکہ تم خود وہ نہیں لیتے سوائے اس کے کہ تم اس میں آنکھیں بند کرلو"

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے: یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے۔

" ای حالکم انکم لا تأ خذ ون الخبیث الردی فی حقوقکم لرد ائته"

حالانکہ (یعنی تمہارا حال یہ ہے) تم خبیث اور ردی چیز اپنے حقوق میں نہیں لیتے کہ یہ گھٹیا اور ردی ہے۔ (مظہری)

" تغمضوا" اغماض سے لیا ہوا ہے جس کا معنی ہے آنکھیں بند کرنا، تقریباً مراد "مسامحت" آسانی کی راہ پکڑنا، درگزر کرنا، تنگدلی نہ کرنا بلکہ فراخدلی کا مظاہرہ کرنا۔ اس کے کئی مطالب ہیں جو سب کو شامل ہے۔

﴿۱﴾ "یعنی لو کان لاحدکم علی رجل حق فجاء ہ بھذالم یأخذہ الاوھویری انه قدترک حقه"
یعنی اگر کسی شخص پر تمہارا حق ہو وہ تمہیں ردی چیز دے تو تم خوشی سے تو نہیں لیتے البتہ درگزر کرتے اور یہ کہتے ہوئے لے لیتے ہو کہ اس نے حق ادا نہیں کیا جیسا کہ ادا کرنے کا حق تھا۔

﴿۲﴾ " قال الحسن وقتادہ"لو وجد تمو ہ یباع فی السوق ما اخذ تمو ہ بسعر الجید"
حضرت حسن اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر تم کسی ردی چیز کو بازار میں دیکھو تو تم اسے عمدہ بھاؤ، اعلیٰ قیمت سے نہیں لیتے، ہاں یونہی چشم پوشی کر کے لے لو تو البتہ لے لو۔

﴿۳﴾ "وروی عن البراء انه قال لو کان اھد ی ذلک لکم مااخذتموہ الااستحیاء من صاحبه وغیظا"

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اگر تمہیں کوئی شخص ردی

Marfat.com

اور گھٹیا چیز بطور ہدیہ دے تو تم اسے خوشی سے نہیں لیتے ہاں البتہ دینے والے سے شرم محسوس کرتے ہوئے اور اس کے غصہ اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہوئے چشم پوشی سے لے لیتے ہو۔

جب تمہارا اپنا یہ حال ہے کہ ردی چیز سوائے چشم پوشی کے نہیں لیتے۔ "فکیف ترضون للہ مالا ترضون لانفسکم" تو کس طرح پسند کرتے ہو اللہ کے لئے وہ چیز جو اپنے لئے نہیں پسند کرتے۔

خیال رہے کہ "فکیف ترضون للہ" سے مراد یہ ہے کس طرح تم اللہ کی راہ میں وہ مال خرچ کرنا پسند کرتے ہو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ (مظہری)

فائدہ:

هذا اذا كان المال كله جيد فليس له اعطاء الردى، وان كان كل ماله رديا فلا بأس باعطاالردى ولو كان بعضه جيدا و بعضه رديا فليعط من كل جنس بحصته "

جب انسان کا کل مال اچھا اور عمدہ ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھٹیا اور ردی مال خرچ کرے، اور اگر انسان کے پاس کل مال ردی اور گھٹیا ہو تو کوئی حرج نہیں کہ وہ شخص صدقہ بھی گھٹیا مال کرے، اور اگر ایک شخص کے پاس کچھ مال عمدہ اور کچھ گھٹیا ہو تو وہ عمدہ مال کے تناسب سے عمدہ مال صدقہ کرے اور گھٹیا مال کے تناسب سے گھٹیا مال صدقہ کرے۔ (از مظہری)

لیکن راقم کا موقف اس میں یہ ہے کہ جب کسی کے پاس عمدہ مال اور ردی مال ملا جلا ہو تو وہ اللہ کی راہ میں عمدہ مال ہی خرچ کرے، ہاں جب یہ خیال ہو کہ عمدہ مال تو کم ہے دینے کے لئے اور فقیر زیادہ حاجت مند ہیں، اگر ان کو ردی مال بھی دیا جائے تو ان کا فائدہ ہو سکتا ہے تو اس صورت میں ردی مال بھی دے دیا جائے۔

"واعلموا ان اللہ غنی حمید": "اور جان رکھو بیشک اللہ بے پرواہ، حمد کے لائق ہے"۔

"واعلموا" کا معنی "جان رکھو" یعنی تم جانتے تو پہلے بھی ہو، اسی علم پر قائم رہو، اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ تم خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کرنے سے بے پرواہ ہے اسے تمہارے خرچ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس

Marfat.com

نے تمہیں حکم دیا ہے تمہارے فائدہ کے لئے کہ تم اس سے اجر وثواب حاصل کرو، ضمناً ڈانٹ بھی دی گئی کہ جب مال خرچ کرنے میں تمہارا اپنا نفع ہے تو ردی چیز کیوں خرچ کرتے ہو یہ تو اپنے نفع سے بے خبر ہونے کے مترادف ہے، اسی کا نام جہالت ہے۔

"حمید" مستحق للحمد علی نعمه"

اللہ تعالیٰ تعریف کے لائق ہے اپنے انعامات پر وہ حمد کا جب مستحق ہے تو اس کی حمدوں میں سے یہ بھی کہ اس کی نعمتوں میں سے اس کی راہ میں خرچ کرنے میں بہت زیادہ کوشش کی جائے تاکہ اپنی وسعت کے مطابق اس کی تعریف بہتر طریقہ سے کر سکے۔ (از روح المعانی)

"وقیل حامد بقبول الجید والا ثابة علیه":

اور بعض حضرات نے "فعیل بمعنی فاعل" کے قانون کے مطابق "حمید" کا معنی تعریف کرنے والا" کیا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے عمدہ مال لے کر اور ان پر ثواب عطاء کر کے تعریف کرنے والا ہے۔ (روح المعانی)

"حمید" ای محمود فی افعاله" اور معنی حمید کا "فعیل بمعنی مفعول" کے قاعدہ کے مطابق یہ ہے اپنے افعال میں تعریف کیا ہوا۔ (مظہری)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ مظہری کے مطابق ہے "سراہا گیا ہے"

اور پیر صاحب کا ضیاء القرآن میں روح المعانی کا پہلا ترجمہ ہے۔ راقم نے بھی وہی نقل کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۸)

﴿۱﴾

شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

﴿۲﴾

شیطان ڈراتا ہے تمہیں محتاجی سے اور حکم دیتا ہے تمہیں بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے اپنی بخشش کا اور فضل کا، اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

اس سے پہلی آیۃ کریمہ میں عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم دیا، اب اس آیۃ کریمہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ مال خرچ کرنے میں تمہیں شیطان ڈرائے گا کہ اگر تم نے مال خرچ کیا تو تم محتاج ہوجاؤ گے لیکن ساتھ ہی بیان کردیا کہ تم فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ (کبیر)

''الشیطان یعد کم الفقر'': ''شیطان ڈراتا ہے تمہیں محتاجی سے''۔

شیطان سے مراد ابلیس ہے، یا جنوں میں سے تمام شیاطین مراد ہیں یا انسانوں اور جنوں سے تمام شیاطین مراد ہیں یا نفس امارہ ہے۔ (کبیر)

راقم کے نزدیک حکم عام ہے جو تمام کو شامل ہے کہ اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنے سے ابلیس بھی تمہیں احتیاجی کا خوف دلاتا ہے اور انسانوں اور جنوں میں سے تمام شیاطین تمہیں ڈراتے ہیں اور نفس امارہ جو شیطان کی طرح

Marfat.com

ہے وہ تمہیں ڈراتا ہے کہ اگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے۔
"یعد کم" کا معنی ہے وہ تمہیں ڈراتا ہے، وعدہ کا استعمال جب مقام شر میں ہو تو اس وقت وہ وعید کے معنی میں ہوتا ہے۔

تسکین الجنان کا ایک ورق:

"الشیطان یعدکم الفقر":

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا۔ (محمود الحسن صاحب)

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو فقر کا۔ (شاہ رفیع الدین صاحب)

شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا۔ (اعلی حضرت رحمہ اللہ)

اس مقام میں مقصد کے قریب اور تفاسیر کے مطابق اعلی حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ نظر آتا ہے۔

" یخو فکم به ان تفتقروا ان تصد قتم فتمسکوا" (جلالین)

وہ (شیطان) تمہیں خوف دلاتا ہے اگر تم نے صدقہ دیا تو محتاج ہو جاؤ گے، لہذا اپنا مال اپنے پاس ہی محفوظ رکھو۔

"یعدکم با لانفاق الفقر ویقول لکم ان عاقبة انفاقکم ان تفتقروا والوعد یستعمل فی الخیر والشر" (مدارک)

شیطان تمہیں خرچ کرنے سے ڈراتا ہے محتاجی سے اور تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے خرچ کرنے کا انجام تمہارا احتیاج ہونا ہے۔ اس سے آگے ایک ضابطہ کی طرف اشارہ کیا کہ وعدہ کا لفظ خیر اور شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

یعنی اگر خیر میں استعمال ہو تو ثواب اور اچھائی کی امید دلانا اور شر میں استعمال ہو تو بمعنی وعید ہوگا، یعنی ڈرانا،
اس سے پتہ چلا کہ "شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا" یہ معنی بنسبت "وعدہ دیتا ہے" کے زیادہ ادراک (سمجھ)

Marfat.com

کے قریب ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ مقام شر ہے، اس لئے اندیشہ دلانا، ڈرانا، کرنا ہی حقیقت ہے۔
(تسکین الجبان فی محاسن کنز الایمان۔۹۸،۹۷)

''الفقر سوء الحال وقلة ذات الید''

فقر کا معنی بدحالی اور ہاتھ میں مال کی کمی، یعنی تنگدستی اور محتاجی۔ (مظھری)

''ویأمر کم بالفحشاء'': ''اور تمہیں حکم دیتا ہے بے حیائی کا''۔

اس سے مراد یہ ہے۔''یوسوس لکم ویحسن لکم البخل ومنع الزکوۃ والصدقة''

کہ تمہارے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور بخل (کنجوسی) تمہیں حسین کر کے دکھاتا ہے، اور زکوۃ اور صدقات سے تمہیں روکتا ہے۔ کلبی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ قرآن پاک میں ''الفحشاء'' کا لفظ جہاں بھی استعمال ہے اس کا معنی زنا ہے لیکن اس مقام میں یہ معنی نہیں بلکہ یہاں معنی بخل اور کنجوسی ہے۔

شیطان پہلے تنگدستی کا خوف دلاتا ہے انسان جب اس سے خوف رکھنا شروع کر دیتا ہے۔ تو شیطان کے لئے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے دل میں یہ ڈال دیتا ہے کہ بخل اور کنجوسی حسین چیز ہے، حالانکہ سب عقل والے بخل کو بری چیز سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے شیطان براہ راست اس پر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بخل کو حسین کر دکھائے البتہ وہ تنگدستی کا خوف دلا کر بخل کو حسین کر کے دکھانے میں کامیاب ہو گیا۔ (از خازن)

''الفحشاء'' عام گناہوں کو بھی شامل ہے:

شیطان اپنی چال میں کیسے کامیاب ہوتا ہے؟ وہ پہلے انسان کو یہ خوف دلاتا ہے کہ عمدہ مال خرچ نہ کرنا ورنہ خود محتاج ہو جاؤ گے، جب انسان اس کا مطیع بن جاتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ اسے اور زیادہ خوف دلانا شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر خرچ کرنے سے روکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

''حتی یمنع الحقوق الواجبة فلا یؤدی الزکوۃ ولا یصل الرحم ولا یرد الودیعة''

یہاں تک کہ وہ اس شخص کو حقوق واجبہ کے ادا کرنے سے روک دیتا ہے وہ زکوۃ ادا نہیں کرتا، صلہ

Marfat.com

رحمی نہیں کرتا اور امانت واپس نہیں لوٹاتا۔

"فاذا اصار ھکذا سقط وقع الذنوب عن قلبه ویصیر غیر مبال بارتکابها"

جب یہ صورت حاصل ہو جاتی ہے تو انسان کسی گناہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتا بلکہ ہر قسم کے گناہ میں دل سے یعنی خوشی سے واقع ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے گناہ ہی حسین چیز نظر آتی ہیں۔

اس تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ اس مقام "الفحشاء" کا معنی ہر قسم کا گناہ کرنا بھی صحیح ہے کہ شیطان تمہیں گناہوں میں مبتلاء ہونے کا حکم دیتا ہے۔ (از کبیر)

جب انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگدستی سے ڈرے گا تو اس کے دل میں کئی قسم کے گناہ آجائیں گے ان تمام کو" الفحشاء"شامل ہے۔ وہ دل میں آجانے والی برائیاں یہ ہیں۔

بخل، حرص، اللہ تعالیٰ سے ناامیدی، اور اللہ نے جو اپنے بندوں سے رزق کا وعدہ کر رکھا ہے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے پر جزاء دینے کے وعدہ میں اور نیکیوں کا کئی گنا ثواب عطاء کرنے کے وعدہ میں شک کرنا لازم آتا ہے اور" معاذ اللہ" اللہ تعالیٰ پر بدگمانی اور توکل کا چھوڑنا لازم آتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب، اور رب تعالیٰ کے فضل و کرم کو بھولنا، اور رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری، اور رب تعالیٰ سے اعراض اور مخلوق کی طرف توجہ، اللہ تعالیٰ سے امید کو منقطع کرنا اور دل کو غیر سے جوڑنا، خواہشات کی تابعداری، دنیوی منافع کی طرف زیادہ توجہ، عفت اور قناعت کو چھوڑنا، یعنی یہ تمام مندرجہ بالا برائیاں شیطان کے خوف دلانے سے کہ تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو تنگدست ہو جاؤ گے، جنم لیتی ہیں۔

"والتمسک بحب الدنیا وھو راس کل خطیئة وبذر کل بلیة فمن فتح علی نفسه باب وسوسة فسوف یتبلی بھذہ الآفات"

دنیا کی محبت دل میں جمار کھنے سے ہر قسم کے گناہوں میں مبتلاء ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل اور سردار ہے اور ہر برائی کا بیج ہے، جس شخص نے اپنے آپ پر وسوسہ کا دروازہ کھولا وہ مندرجہ بالا تمام برائیوں میں واقع ہوگا۔ (روح البیان)

Marfat.com

”واللّٰہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلا“:

”اور اللہ وعدہ کرتا ہے تمہارے ساتھ اپنی بخشش اور فضل کا۔“

فائدہ جلیلہ:

یہاں جس مغفرۃ کا ذکر ہے وہ کامل اور عظیم مغفرت ہے، اس مقصد پر دو لفظ دلالت کر رہے ہیں ایک ”مغفرۃ“ کا نکرہ ذکر کرنا“ والمعنی مغفرۃ ای مغفرۃ “ ہر طرح کی بخشش کا رب تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے، دوسرا لفظ ہے ”منہ“ جو کمال مغفرت پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ تمام عقلاء جانتے ہیں کہ اللہ کا کرم کامل کرم ہے، اور اس کے کامل جود (سخاوت) کو بھی عقلمند انسان جانتے ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مغفرت رب تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

” فلما خص ھذہ المغفرۃ بانھا منہ علم ان المقصود تعظیم حال ھذہ المغفرۃ لان عظم المعطی یدل علی عظم العطیۃ“

جب رب تعالیٰ نے مغفرت کو ” منہ“ ذکر کر کے اپنی طرف منسوب فرمادیا ”کہ اللہ اپنی مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے“ تو واضح ہوگیا کہ مقصد ”مغفرت کے حال کی عظمت بیان کرنا ہے“ کیونکہ جب معطی (عطاء کرنے والا) عظیم ہوگا تو اس کا عطیہ بھی عظیم ہوگا۔ (از کبیر)

وہ مغفرت عظیمہ کیا ہے؟

اس میں کئی احتمال ہے۔ ﴿۱﴾ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے۔

﴿۲﴾ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ” ان یجعلہ اللہ شفیعا فی غفران ذنوب سائر المذنبین “ اللہ تعالیٰ تمام گنا ہگاروں کی شفاعت کرنے کا اسے حق عطاء کردے۔

﴿۳﴾ تیسرا احتمال یہ ہے کہ ”ان یکون تلک المغفرۃ امرا لایصل الیہ عقلنا مادمنا فی دار الدنیا“ جب تک ہم دنیا میں ہیں ہماری عقلیں اس مغفرت کو نہ پا سکیں، کیونکہ کتنی چیزیں اور کتنے ہی احوال ایسے ہیں جو آخرت سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہم سے محجوب (پردے میں) رہتے ہیں جب تک ہم دنیا میں ہیں۔

Marfat.com

فضل سے مراد کیا ہے؟

اس میں بھی چند احتمال ہیں، اگر چہ بظاہر احتمال یہ ہے کہ دنیا میں ہی بھلائی عطاء کر دینے کو "فضل" سے بیان کیا گیا ہے۔

﴿۱﴾ ایک احتمال یہ ہے کہ اس فضل سے مراد وہ فضیلت ہو جو نفس کو حاصل ہوتی ہے وہ ہے فضیلت جود و سخاء اس لئے کہ سعادت کے تین مرتبے ہیں، سعادت نفسانیہ، سعادت بدنیہ، سعادت خارجیہ۔

مال کی ملکیت فضائل خارجیہ سے تعلق رکھتی ہے اور جود و سخاء کا حاصل ہونا فضائل نفسانیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلہ پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ سعادت کے تینوں مراتب میں سے اعلیٰ مرتبہ سعادت نفسانیہ کا ہے۔ اور گھٹیا مرتبہ سعادت خارجیہ کا ہے۔

جب انسان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی توفیق حاصل نہ ہو تو اسے سعادت خارجیہ تو حاصل ہے کیونکہ وہ مال دار ہے، لیکن سعادت نفسانیہ سے محروم ہے کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے حاصل ہونی تھی۔ یعنی اس صورت میں کمال خارجی حاصل ہے اور نقص نفسانی۔

اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے تو کمال نفسانی حاصل ہوگا، البتہ نقص خارجی ہوگا اس لئے کہ خارجی سعادت کی دارومدار مال جمع کرنے اور خرچ نہ کرنے پر ہے۔

"ولا شک ان هذه الحالة اکمل"

یہ یقینی بات ہے کہ بیشک سعادت نفسانیہ کا حاصل ہونا ہی کمال ہے۔

"فثبت ان مجرد الانفاق یقتضی حصول ماوعدالله به من حصول الفضل"

تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو پالیتا ہے یعنی جو اس نے فضل عطاء کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا احتمال یہ ہے جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے تو

Marfat.com

روح کی دنیا کی لذات میں مشغولیت زائل ہو جاتی ہے، اور دنیا کی طلب میں ہی اپنے آپ کو مشغول رکھنے سے انسان باز آ جاتا ہے جب انسان کو یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے تو اس کا روح اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دنیا کی محبت ان تجلیات سے مانع تھی، جب دنیا کی محبت اس کے دل سے جاتی رہی تو بغیر کسی رکاوٹ کے اسے رب تعالیٰ کے نور کی تجلیات حاصل ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"لولا ان الشیاطین یوحون الی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماوات"

اگر لوگوں کے دلوں میں شیاطین وسوسہ نہ ڈالیں تو وہ آسمانوں کی بادشاہیوں کو دیکھ لیں۔

انسان جب انوار تجلیات کو حاصل کر لیتا ہے۔ "فصار کالکوب الدری و التحق بارواح الملائکۃ" تو چمکدار ستارے کی طرح ہو جاتا ہے اور ارواح ملائکہ سے مل جاتا ہے، یعنی اسے ملائکہ کی طرح جہان میں تصرف کا مقام حاصل ہو جاتا ہے 'ھذا ھو الفضل لاغیر" یہی تو فضل ہے اور کچھ نہیں۔

﴿۳﴾ تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی انسان کے متعلق جب دوسروں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، وہ اس سے مطالبہ کرنے میں اسے تنگ نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کے یہ خود ہی اللہ کی راہ میں خوشی سے خرچ کرتا ہے، تو اس پر دنیا اور بھلائی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

" لان اولئک الذین انفق ماله علیهم یعینونه بالدعاء و الهمة فیفتح الله علیه ابواب الخیر "

کیونکہ جن لوگوں پر وہ مال خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، اور اس کی ہمت بڑھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے اس کے لئے خیر و برکت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ (از کبیر)

شیطان کی دھمکی اور رب تعالیٰ کا وعدہ:

﴿۱﴾ اگر صاحب عقل انسان معمولی توجہ کرے تو سمجھ جائے کہ شیطان کی دھمکی کو رب تعالیٰ کے وعدہ سے مقابلہ ہی کیا ہے، جبکہ رب تعالیٰ کی نافرمانی سے وہ خود ہی ذلیل ہو کر جنت سے نکال دیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ پھر شیطان کی دھمکی اور ڈرانے کا تعلق دنیا میں محتاجی سے تعلق ہے، اور رب تعالیٰ کے وعدہ کا تعلق آخرت میں

Marfat.com

مغفرت سے ہے، جب دنیافانی ہے اورآخرت باقی تو یقیناً آخرت سے متعلق وعدہ ہی بلند مرتبہ رکھتا ہے۔

﴿۳﴾ دنیامیں احتیاجی کا پایاجانامشکوک ہے اورآخرت میں مغفرت کاحصول یقینی ہے، یہ بات واضح ہے کہ یقین کوشک پرفضیلت حاصل ہے۔

﴿۴﴾ پھردنیا کامال باقی رہتا ہے اورکبھی فناہوجاتا ہے،لیکن آخرت میں مغفرت رب ذوالجلال کے وعدہ کے مطابق باقی ونی ہے اس پرفنانہیں، اس لئے کہ مغفرت کاوعدہ رب تعالیٰ کا ہے اس کاوعدہ سچا ہی سچا ہے اس میں جھوٹ کاتصور وخیال کرنا ہی باطل ہے۔

﴿۵﴾ پھرکنجوس کے پاس مال ہونے کے باوجودنفع نہ حاصل کرسکناممکن ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ مرض کی وجہ سے یا کسی خوف کی وجہ سے یاکسی اورکام میں مشغول ہونے کی وجہ سے نفع نہ حاصل کرسکے،لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت اوراس کےفضل واحسان سے یقیناً نفع حاصل ہوتا ہے،اس میں نفع نہ حاصل کرسکنے کاکوئی احتمال نہیں۔

﴿۶﴾ پھردنیاکے مال سے نفع حاصل کرنے کاتعلق زندگی سے ہے جب زندگی ختم ہوتونفع بھی ختم لیکن اخروی زندگی میں اختتام نہیں اس لئے رب تعالیٰ کی مغفرت اوراس کےفضل واحسان سے نفع حاصل کرنے میں بھی اختتام نہیں۔

﴿۷﴾ پھردنیا کی لذات کے ساتھ تکالیف بھی ہیں کیونکہ وہ ہزاروں تکالیف برداشت کرنے کے بعدحاصل ہوتی ہیں،لیکن اخروی نعمتیں نقصانات اورتکالیف سے پاک ہوں گی۔

" ومن تامل فیما ذکرناه علم ان الانقیاد لوعد الرحمن بالفضل والمغفرة اولی من الانقیاد لوعد الشیطان " ہم نے جن وجوہ کوذکرکیا ہے اگران میں کوئی شخص غوروفکرکرےتواسے پتہ چل جائے گاکہ رب تعالیٰ کےفضل ومغفرت کے وعدہ کی فرمانبرداری ہی بہتر ہے، شیطان کے ڈرانے کی وجہ سے شیطان کی فرمانبرداری ذلت اوررسوائی کاسبب ہے۔ (کبیر)

"واللہ واسع علیم" : "اوراللہ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ وسیع مغفرت کامالک ہے اورتمہیں غنی کرنے پرقادر ہے، اور جوتم خرچ کرتے ہواس کابدلہ دینے پر

Marfat.com

قادر ہے وہ اس سے کہیں زیادہ تمہیں مال عطاء کردے۔

اور وہ جاننے والا ہے، جو مال تم اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اس سے مخفی (پوشیدہ) نہیں، اور اس نے تمہیں جو بدلہ عطاء کرنا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے، کیونکہ بدلہ بھی خلوص نیت کے مطابق ہوتا ہے، اور رب تعالیٰ جب دلوں کی باتوں، نیات وخلوص کو جانتا ہے تو یقیناً اسی کے مطابق وہ جزاء بھی دے گا۔ (ماخوذ از کبیر)

آیۃ کریمہ کے متعلق احادیث مبارکہ:

"عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ ان للشيطان لمة بابن آدم وللملك لمة فامالمة الشيطان فايعاد بالشر وتكذيب بالحق ، واما لمة الملك فا يعاد بالخير وتصديق بالحق فمن وجد ذلك فليعلم انه من الله تعالى فليحمد الله ومن وجد الأخرى فليتعوذ بالله من الشيطان ثم قرأ الشيطان بعد كم الفقر ويأ مركم بالفحشاء"

(اخرجه الترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیشک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے انسان کو، اور فرشتہ انسان پر الہام کرتا ہے، شیطان کا وسوسہ یہ ہوتا ہے کے وہ شر کا خوف دلاتا ہے اور رب تعالیٰ کی تکذیب (جھٹلانے کی طرف مائل کرتا ہے۔ لیکن فرشتے کا الہام یہ ہوتا ہے کے وہ خیر کا وعدہ دلاتا ہے، اور رب تعالیٰ کی تصدیق کی طرف انسان کو لاتا ہے، جسے یہ حاصل ہو جائے وہ جان لے کہ بیشک یہ اسے رب تعالیٰ (کی توفیق) سے حاصل ہوا ہے، تو وہ رب تعالیٰ کی حمد (تعریف) بیان کرے۔ اور جسے دوسری چیز (شیطان کا وسوسہ) حاصل ہوگئی وہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی:

" الشيطان يعدكم الفقر ويامركم بالفحشاء "

حدیث شریف میں لفظ" لمة " واقع ہوا ہے، جس کا معنی ہے قریب ہونا، قریب ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا کھٹکنا اور خطرہ محسوس ہونا، اور کسی کو چھونا (چک دینا)

Marfat.com

اس مقام پر" لمۃ" سے مراد وہ چیز ہے جو دل میں خیر، یا شر واقع کرے جس سے اس کام کا عزم پایا جائے۔

"فاما لمۃ الشیطان فوسوسته واما لمۃ الملک فالهام من الله تعالی"

شیطان کا "لُمّۃ" وسوسہ ہے۔ اور فرشتے کا "لمۃ" الہام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل حاصل ہوتا ہے۔ (خازن)

اچھی چیز کو دل میں ڈالنا "الہام" ہے۔ اور بری چیز کو دل میں ڈالنا "وسوسہ" ہے۔

☆ "عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال مامن یوم یصبح فیه العباد الا و ملکان ینزلان یقول احدهما اللهم اعط منفقا خلفا ویقول الآخر اللهم اعط ممسکا تلفا"

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر کوئی صبح نہیں آتی مگر یہ کہ دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہتا ہے اے اللہ جو (تیری راہ میں) خرچ کرے اسے اس کے بدلے اور مال عطاء فرما، اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ جو تیری (راہ میں مال خرچ نہ کرے) روک کر رکھے تو اس کے مال کو برباد کر دے۔ (خازن)

☆ "عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال قال الله تعالی انفق ینفق علیک"

(بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم خرچ کرو تم پر خرچ کیا جائے گا۔ (خازن)

یعنی اس حدیث قدسی میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مؤمن جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی فرماتے ہوئے اس کے بدلے اور مال عطاء فرماتا ہے۔

☆ "عن اسماء بنت ابی بکر الصدیق قالت قال لی رسول الله ﷺ انفقی ولا تحصی فیحصی علیک ولا توعی فیوعی علیک"

(بخاری مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ نے فرمایا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور گنو نہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر گنے گا اور مال کو روک کر جمع نہ

Marfat.com

کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر مال روک دے گا۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم نے مال دینے میں حساب کیا تو تمہیں بھی مال حساب سے ہی ملے گا اور اگر تم اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کیا تو تمہارے رزق میں بھی کمی آئے گی رب تعالیٰ بھی تمہیں مال عطا نہیں کرے گا۔ (خازن)

☆ "عن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ هم الاخسرون ورب الكعبة قلت من هم قال هم الا كثرون اموالا الا من قال هكذا وهكذا وهكذا من بين يديه ومن خلفه وعن يمين هو عن شماله وقليل ما هم" (بخاری و مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ خسارے میں ہیں قسم ہے رب کعبہ کی۔ میں نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو زیادہ مال جمع کرنے والے ہیں ہاں مگر وہ شخص، فرمایا "اس طرح اور اس طرح اور اس طرح اپنے آگے اور اپنے پیچھے اور دائیں طرف اور بائیں طرف، یہ لوگ بہت کم ہیں۔

آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مال جمع کر کے رکھتے ہیں اس سے وہ حقوق واجبہ اور فرضیہ بھی ادا نہیں کرتے وہ خسارے میں ہیں، آپ نے اس شدید وعید کو رب کعبہ کی قسم اٹھا کر بیان کیا، پھر آپ نے فرمایا ہاں وہ لوگ اسی خسارے سے محفوظ ہیں جو سامنے سے آنے والے سائلین کو مال دیتے ہیں، اور پیچھے سے آنے والے سائلین کو مال دیتا ہے، اور دائیں جانب سے آنے والے سائلین کو مال دیتا ہے، اور بائیں جانب سے آنے والے سائلین کو مال دیتا ہے یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے خواہ وہ راہ آگے کی جانب ہو، یا پیچھے کی جانب ہو، یا دائیں جانب ہو، یا بائیں جانب ہو۔

ایسے شخص خسارے سے بچے ہوئے ہیں لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ (ماخوذ از مظهری)

☆ "عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ ﷺ السخی قريب من الله قريب من الجنة قريب من الناس، بعيد من النار، والبخيل بعيد من الله بعيد من الجنة بعيد من الناس قريب من النار وجاهل سخی احب الی الله من عابد بخيل" (رواه الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے

Marfat.com

جنت کے قریب ہوتا ہے لوگوں کے قریب ہوتا ہے آگ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے لوگوں سے دور ہوتا ہے آگ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے بنسبت عبادت گزار کنجوس و بخیل سے۔ (مظھری)

☆ "عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ السخاشجرۃ فی الجنۃ فمن کان سخیا اخذ بغصا منھافلم یترکہ الغصن حتی ید خلہ الجنۃ، والشح شجرۃ فی النار فمن کان شحیحا اخذ بغصا منھا فلم یترکہ الغصن حتی ید خلہ النار" (رواہ البیھقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے، جو شخص سخاوت کرتا ہے درخت کی ٹہنیاں پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنیاں اسے نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اور بخل و کنجوسی جہنم میں ایک درخت ہے، جو شخص کنجوس ہوگا وہ اس کی ٹہنیاں پکڑے گا اور وہ ٹہنیاں اسے نہیں چھوڑیں گی یہاں تک کہ اسے آگ میں داخل کر دیا جائے گا۔ (مظہری)

☆ "وعن علی مرفوعابادروا بالصدقۃ فان البلاء لا یتخطأھا" (رواہ رزین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ دینے میں جلدی کرو بیشک مصیبت صدقہ پر قدم نہیں پھیلا سکتی۔ (مظہری)

اقوال صحابہ:

" واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال اثنتان من اللہ و ثنتان من الشیطان الشیطان یعد کم الفقرو یأمر کم با لفحشاء یقول لا تنفق مالک وامسک علیک فانک تحتاج الیہ واللہ بعد کم مغفرۃ منہ علی ھذہ المعاصی و فضلا فی الرزق "

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پائی گئی ہیں، اور دو شیطان کی طرف سے، شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے یعنی وہ کہتا ہے اپنا مال خرچ کر، اور اپنے آپ پر مال روک کر رکھ ورنہ تو محتاج ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ تم

Marfat.com

سے وعدہ کرتا ہے ان معاصی پر اپنی بخشش کا اور رزق میں فضل کا۔ (در منثور)

"واخرج احمد فی الزھد عن ابی مسعود قال انما ابن آدم مثل الشئ الملقی بین یدی اللہ الشیطان فان کان للہ تبارک و تعالی فیہ حاجۃ جارہ من الشیطان وان لم یکن للہ فیہ حاجۃ خلی بینہ و بین الشیطان"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان اور اس کے مال خرچ کرنے کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے یا شیطان کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اگر وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شیطان سے محفوظ رکھے گا، اور اگر وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتا تو اس شخص اور شیطان کے درمیان راستے کھلے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ (در منثور)

☆☆☆☆☆

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۹)

﴿۱﴾

(اللہ) حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

﴿۲﴾

اللہ دیتا ہے حکمت جسے چاہے، اور جسے دی جائے حکمت تحقیق اسے دی گئی بھلائی بہت، اور نصیحت نہیں قبول کرتے سوائے عقل والوں کے۔

ماقبل سے تعلق:

پہلی آیہ کریمہ میں بیان فرمایا کہ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور رب

Marfat.com

تعالیٰ تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا، اب اس آیۃ کریمہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت عطاء فرماتا ہے اور عقل بھی عطاء فرماتا ہے کیونکہ عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں، ضمناً بات خود سمجھ آرہی ہے کہ شیطان خواہشات اور نفسانیت کی طرف لے جاتا ہے۔

خواہشات اور نفسانیت سے وقتی طور پر لذات حاصل ہوجاتی ہیں لیکن احکام کی دارومدار خیال اور وہم پر مبنی ہوتی ہے، لیکن حکمت اور عقل چونکہ رب تعالیٰ سے حاصل ہوتے ہیں اس لئے وہ خلل اور ٹیڑھاپن سے محفوظ رہتے ہیں۔

" فكان حكم الحكمة و العقل اولى با لقبول"

اس لئے زیادہ بہتر یہی ہے کہ حکمت اور عقل کو ہی قبول کیا جائے۔ (از کبیر)

"یؤتی الحکمۃ من یشاء": "(اللہ) حکمت دیتا ہے جسے چاہے۔"

حکمت کے مختلف معانی:

﴿۱﴾ حکمت کا ایک معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ ہے کہ قرآن پاک میں ناسخ ومنسوخ، متشابہ ومحکم، مقدم ومؤخر۔ حلال وحرام وغیرہ کو جاننے کا نام حکمت ہے۔

﴿۲﴾ دوسرا معنی بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے " الفقه فی القرآن " قرآن پاک کو اس طرح سمجھے جس طرح سمجھنے کا حق ہے اس کا نام حکمت ہے۔

﴿۳﴾ ابن منذر کی ایک روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "حکمت" کا ایک معنی نبوت بھی ہے۔

اسے بیہقی کی ایک روایت سے تائید بھی حاصل ہے جو انہوں نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی ہے۔

" قال رسول الله ﷺ من قرا ثلث القرآن اعطى ثلث النبوة ومن قرأنصف القرأ ن اعطى نصف النبوة ومن قرأ ثلثه اعطى ثلثى النبوة ومن قرأ القرأن كله اعطى كل النبوة ويقال له

Marfat.com

یوم القیامة اقرأ وارق بکل آیة درجة حتی ینجر مامعه من القرآن فیقال له اقبض فیقبض فیقال له هل تدری ما فی یدیک ؟ فاذافی یده الیمنی الخلد وفی الاخری النعیم"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے قرآن پاک کا تہائی حصہ پڑھا اسے نبوت کی صفات کے تہائی حصہ مظہر بنا دیا گیا، اور جس شخص نے نصف قرآن پاک پڑھا اسے نبوت کی نصف صفات کا مظہر بنا دیا گیا، اور جس شخص نے دو تہائی قرآن پاک پڑھا اسے نبوت کی دو تہائی صفات کا مظہر بنا دیا گیا، اور جس نے کل قرآن پاک پڑھا اسے نبوت کی تمام صفات کا مظہر بنا دیا گیا قیامت کے دن اسے کہا جائے گا قرآن پاک پڑھ، ایک ایک آیت پڑھ کر بلندی کے ایک ایک درجہ پر چڑھتا چلا جا۔ یہاں تک کہ جب وہ قرآن پاک ختم کر لے گا اسے کہا جائے گا اپنے ہاتھ بند کر (مٹھی بند کر) جب وہ مٹھی بند کرے گا تو اسے کہا جائے گا کیا تو جانتا ہے تیرے ہاتھوں میں کیا ہے؟ اچانک وہ دیکھے گا کہ اس کے دائیں ہاتھ میں جنت خلد کی ملکیت حاصل ہوگی، اور بائیں ہاتھ میں جنت نعیم کی ملکیت حاصل ہوگی۔

" ولیس المراد من القراء ة فی هذاالخبر مجردها اذذلک مما یشترک فیه البر و الفاجر ولکن المراد قراء ة بفقه"

حدیث پاک میں مراد قرآن پاک کا صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ قرآن پاک کو اس طرح سمجھ کر پڑھنا جیسا کہ سمجھنے کا حق ہے کیونکہ صرف قرآن پاک پڑھنے میں تو نیک اور برے سب ہی شریک ہیں۔

اس وضاحت کو ابن ابی حاتم کی ایک روایت سے تائید حاصل ہے جو انہوں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

"الحکمة قراء ة القرآن و الفکرة فیه" حکمت کا مطلب یہ ہے "قرآن پاک پڑھنا اور اس میں غور فکر کرنا"

﴿۴﴾ " وعن مجاهد انها الاصابة فی القول و العمل"

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حکمت قول اور عمل کے درست کرنے کو کہتے ہیں۔

﴿۵﴾ " وفی روایة عنه انها القرآن و العلم و الفقه"

Marfat.com

مجاہد کی ایک اور روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بیشک حکمت کا ایک مطلب یہ ہے، قرآن پڑھنا، علم حاصل کرنا اور سمجھنا۔

﴿۶﴾ "وفی اخری العلم الذی تعظم منفعته و تجل فائدته"

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکمت سے مراد وہ علم ہے جس میں عظیم نفع ہو اور بہت بڑا فائدہ ہو۔

﴿۷﴾ "وعن عطاء انها المعرفة بالله تعالی"

حکمت کا ایک اور معنی عطاء رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، یعنی جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی اسے حکمت حاصل ہوگی۔

﴿۸﴾ "وقال ابو عثمان هی نور یفرق به بین الوسواس والالهام"

ابوعثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں حکمت اس نور کو کہا جاتا ہے جس سے وسوسہ اور الہام میں فرق کیا جا سکے۔ (از روح المعانی)

حکمت کا لغوی معنی:

حکمۃ کا معنی ''اِحکام'' سے لیا ہوا ہے، جس کا معنی ہے۔

"هو الاتفاق فی العلم اوالعمل اوالقول اوفیها کلها"

علم میں یقین اور پختگی حاصل ہونا، یا قول میں یا عمل میں، بلکہ علم و عمل و قول سب میں ہی یقین اور پختگی کا حاصل ہونا حکمت ہے۔ (روح المعانی)

حکمت قرآن پاک میں بظاہر چار معانی میں استعمال ہے:

یہ بات پہلے ذہن نشین کرلیں کہ حکمت کے جو معانی بیان کیے گئے ہیں وہ تمام ہی یہاں معتبر ہیں اگرچہ بظاہر ایک ایک معنی مختلف جگہ میں سمجھ آتا ہے اس لحاظ سے مقاتل رحمہ اللہ نے بیان فرمایا۔

"تفسیر الحکمة فی القرآن علی اربعة اوجه"

حکمت کی تفسیر قرآن میں چار وجہ سے ہے۔ لیکن اس قول سے باقی اقوال کی نفی نہیں ہوسکتی۔

Marfat.com

﴿۱﴾ "احدها مواعظ القرآن" ان میں سے حکمت کا ایک معنی قرآن پاک کی نصائح ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہے۔

"وماانزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم به" (پ ۲۔ ۱۳، البقرۃ آیۃ ۲۳۱)

اور وہ جو تم پر کتاب وحکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو۔

اس میں حکمت بمعنی "مواعظ قرآن" (قرآن پاک نصیحتیں) ہے۔

﴿۲﴾ "وثانیها الحکمة بمعنی الفهم والعلم" حکمت کا دوسرا معنی "سمجھ اور علم" رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"ولقد آتینا لقمان الحکمة" (پ ۲۱۔ ۱۱، سورۃ لقمان ۱۲)

اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطاء فرمائی۔ یہاں مراد سمجھ اور علم ہے۔

﴿۳﴾ "وثالثها الحکمة بمعنی النبوة" اور تیسرا معنی حکمت کا نبوت ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"وآتیناه الحکمة وفصل الخطاب" (پ ۲۳۔ ۱۱۔ سورۃ ص ۲۰)

اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔ (یہاں حکمت کا معنی نبوت ہے)۔

﴿۴﴾ "ورابعها القرآن بمافیه من عجائب الاسرار" حکمت کا چوتھا معنی قرآن پاک کے عجائب اسرار۔ یہی معنی اس آیۃ کریمہ میں ظاہر ہے، اور سورۃ النحل میں "ادع الی سبیل ربک بالحکمة" (بلااپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے) میں بھی یہی معنی معتبر ہے۔ (از کبیر)

تمام معانی کا جامع معنی:

"وجمیع هذه الوجوه عند التحقیق ترجع الی العلم" یہ تمام معانی علم کی طرف لوٹتے ہیں، یعنی حکمت کا معنی "علم" کیا جائے تو تمام معنی اس میں سمٹ کر آجاتے ہیں۔ (کبیر)

"ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیر کثیرا":

"اور جسے دی جائے حکمت تحقیق اسے دی گئی بھلائی بہت۔"

اے انسان ذرا تو غور کر کہ رب تعالیٰ نے عام انسانوں کو تھوڑا علم دیا۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

"وما او تیتم من العلم الا قلیلا "اور نہیں دیا تمہیں علم مگر تھوڑا۔

پھر رب تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل کہا۔"قل متاع الدنیا قلیل "اے محبوب آپ فرمادیں دنیا کا متاع (سامان) قلیل ہے۔

" وانظر کم مقدار هذا القلیل حتی تعرف عظمت ذلک الکثیر "

دیکھو دنیا کو قلیل کہا جو بظاہر بہت کثیر نظر آتی ہے جب قلیل کی یہ حد ہے تو وہ خوش بخت لوگ جن کو حکمت عطاء کر کے کثیر بھلائی عطاء کی گئی تو کثیر میں کتنی عظمت پائی گئی ہوگی۔ (از کبیر)

فائدہ : دنیا کی مقدار متناہی ہے یعنی دنیا کی مقدار کی ایک حد مقرر ہے دنیا کی تعداد متناہی ہے یعنی دنیا کو شمار کیا جا سکتا ہے دنیا کی بقاء متناہی ہے دنیا ختم ہونے والی ہے۔ لیکن علم کے مراتب اور تعداد اور مدت بقاء کی کوئی حد نہیں اس لئے علم سے انسان کو سعادت حاصل ہوتی ہے۔"وذلک ینبئک علی فضیلة العلم" اسی سے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ علم کا مقام بہت بلند و بالا ہے۔اور علم میں خاص فضیلت پائی گئی ہے۔ (کبیر)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"کثیرا " التنوین للتعظیم ای خیرا کثیرا یجمع خیر الدارین"

" کثیـــرا " پر تنوین تعظیم کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جسے حکمت عطاء کی جاتی ہے اسے بہت ہی زیادہ بھلائی عطاء کی جاتی ہے یعنی دونوں جہانوں کی بھلائیاں اسے عطاء کر دی جاتی ہیں۔

☆ "عن معاویة قال قال رسول اللهﷺ من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین وانما انا قاسم والله یعطی" (بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہﷺ نے فرمایا جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت (کامل سمجھ) عطاء فرما دیتا ہے۔ بیشک میں ہی قاسم ہوں اور اللہ عطاء کرتا ہے۔

کامل فقیہ کون؟

"انما الفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الآخرة البصیر بأمر دینه المداوم علی عبادة ربه"

Marfat.com

اگرچہ فقیہ وہ ہے جو احکام شریعت وطریقت وحقیقت کی سمجھ رکھتا ہو لیکن کامل فقیہ ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دنیا میں تو زاہد ہو اور آخرت کی طرف رغبت کرے، امر دین میں بصیرت رکھے، رب تعالیٰ کی عبادت پر ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔

نبی کریم ﷺ کیا چیز تقسیم فرماتے ہیں:

”و نیستم من مگر قسمت کنده و خدا مید هد هر کرا میخوا هد و هر چه میخوا هد ازفقه و فهم در دین وغیر آں“ (اشعة اللمعات)

وانما انا قاسم والله یعطی“ کا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ معنی بیان فرماتے ہیں۔

اور میں نہیں مگر یہ کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور خدا دیتا ہے یعنی رب تعالیٰ جسے دیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے خواہ دین کی سمجھ ہو اور یا اس کے بغیر اور نعمتیں ہوں وہ میں ہی تقسیم کرتا ہوں۔

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”(والله یعطی) ای الفهم فی العلم بمبناه والتفکر فی معناه العمل بمقتضاه“

اللہ عطاء کرتا ہے یعنی الفاظ کے ذریعے علم کی سمجھ عطاء کرتا ہے اور ان کے معانی میں تفکر عطاء کرتا ہے اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل عطاء کرتا ہے اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ علم، تفکر اور عمل تقسیم فرمانے والے ہیں۔

”وقیل معناه انا اقسم المال بینکم والله یعطیه“

ایک معنی اس کا یہ بھی ہے کہ میں ہی تمہارے درمیان مال تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطاء کرتا ہے۔

”والاظهر ان لا منع من الجمع وان کان المقام یتقضی العلم والله اعلم“

اگرچہ حدیث پاک علم کی فضیلت میں ذکر ہے لیکن ظاہر بات یہی ہے کہ تمام معنی مراد لینے میں کوئی ممانعت نہیں۔ (مرقاۃ ج ا ص ۲۶۷)

واضح ہوا کہ ہر قسم کی نعمتیں رب تعالیٰ دیتا ہے میرے پاس مصطفیٰ ﷺ تقسیم فرماتے ہیں۔

☆ عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا مات الانسان انقطع عمله الامن ثلاثة صدقة

Marfat.com

جا ریة او علم ینتفع به او ولد صالح ید عوله" (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل ختم ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، اور علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہو، اور نیک اولاد جو اس کے حق میں دعاء کرے۔

☆ "عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ من دل علی خیر فله اجر مثل اجر فاعله" (رواہ مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی دوسرے کی بھلائی کی راہنمائی کرے اسے عمل کرنے والے کی طرح اجر حاصل ہوتا ہے۔

☆ "عن ابی الدرداء قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلة البدر علی سائر الکو اکب وان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یو رثوا دینارا ولا درهما وانما و رثو العلم فمن اخذ ه اخذ بحظ وافر"

(رواہ احمد والترمذی وابو داؤد ابن ماجه والدارمی)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا عالم کو عابد پر ایسے فضیلت حاصل ہے جیسے چودویں کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے بیشک علماء انبیاء کرام کے وراث ہیں اور بیشک انبیاء کرام کے دینار و درھم کے وارث نہیں بنائے جاتے، انبیاء کرام کے علم کے وارث ہوتے ہیں، جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

☆ "وعن ابی امامة البا هلی قال ذکر رسول اللہ ﷺ رجلان احد هما عابد والآخر عالم فقال رسول اللہ ﷺ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنا کم"

حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس دو شخصوں کا ذکر کیا گیا ایک عابد اور دوسرے عالم کا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسے فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔

Marfat.com

ثم قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ وملائکتہ واھل السماوات والارض حتی النحلة فی جرھا وحتی الحوت فی الماء ولیصلون معلم الناس الخیر" (رواہ الترمذی)

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک اللہ اوراس کے فرشتے اور زمین وآسمان والے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں اس کے لئے دعاء کرتی ہیں جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔

(ماخوذ از مظہری)

(علم کی فضیلت کی بحث پہلے پارہ میں " وعلم آدم الاسماء" کے تحت تفصیلی طور پر بیان ہو چکی ہے)

فائدہ: حکمت جب فعل صواب (درست کام) کے معنی میں لی جائے تو اس کی حد یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان اپنی طاقت بشریہ کے مطابق اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق (صفات) سے متصف کرے، یعنی رحمت، رافت (مہربانی) ستاریت (کسی کے عیوب کی پردہ پوشی) جیسی صفات رکھے۔ (کبیر بزیادۃ)

حکمت دو معنوں سے باہر نہیں "ایک علم" اور دوسرا "فعل صواب"

" وذلک لأن کمال الانسان فی شیئین ان یعرف الحق لذاته والخیر لأ جل العمل به فالمرجع با لأول الی العلم والا دراک المطابق وبا لثانی الی فعل العدل وصواب"

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو کمال دو چیزوں سے حاصل ہوتا ہے ایک اللہ تعالیٰ کی معرفت سے، اور دوسرا اچھے اعمال سے، معرفت باری تعالیٰ تب حاصل ہوگی جب علم اور ادراک حاصل ہو، علم بھی وہ جو نورانی ہو، وہی رب تعالیٰ کی معرفت تک پہنچائے گا ظلماتی علم جو دہریوں، معتزلیوں اور نیچریوں کا ہے وہ مراد نہیں کیونکہ ایسا علم تو رب تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے علم وادراک کے ساتھ "مطابق" کی جو قید لگائی اس کا یہی مطلب تھا جو راقم نے بیان کر دیا۔

اور دوسری چیز یعنی بھلائی حاصل کرنے کے لئے عمل کیا جائے یہ اسی وقت ہوگا جب کام عدل پر مبنی اور درست ہوگا، اسی کام کو "عدل" کہا جاتا ہے جو رب تعالیٰ کی رضاء مندی کے مطابق ہو، جو کام رب تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو وہ ظلم ہے۔

Marfat.com

علم وفعلِ صواب اور انبیاء کرام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رب تعالیٰ کے حضور یہ عرض کرنا" رب ھب لی حکما " اے میرے رب مجھے حکم عطاء فرما، یہ حکمت نظریہ ہے یعنی علم وادراک ہے،اور " والحقنی با لصالحین "اے اللہ مجھے اپنے مقرب بندوں سے ملا، یہ حکمت عملیہ ہے یعنی عدل اور فعل صواب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے فرمایا " اننی انا اللہ لا الہ الا انا" بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے بغیر کوئی معبود نہیں، یہ ارشاد حکمت نظریہ ہے، پھر ارشاد فرمایا "فا عبدنی "میری عبادت کرو، یہ حکمت عملیہ ہے۔

اور عیسیٰ علیہ السلام نے کہا " انی عبد اللہ آ تا نی الکتا ب و جعلنی نبیا" بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی اور مجھے اس نے نبی بنایا۔ یہ حکمت نظریہ ہے۔ اور آپ نے کہا "وا وصانی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیا" اور اس نے مجھے حکم دیا ہے نماز اور زکوۃ کا جب تک میں زندہ ہوں۔ یہ حکمت عملیہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا " فا علم انہ لا الہ الا اللہ" آپ جان رکھیں بیشک اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔ یہ حکمت نظریہ ہے۔ اور آپ کو ارشاد فرمایا "و استغفر لذ نبک" آپ اپنوں کے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ یہ حکمت عملیہ ہے۔

تمام انبیاء کرام کو حکم دیا " ان انذ رو ا انہ لا الہ الا انا" یہ کہ (میرے بندوں کو) ڈراؤ بیشک میرے بغیر کوئی اور معبود نہیں یہ حکمت نظریہ ہے پھر ان کو حکم دیا" فا تقون "مجھ سے ہی ڈرو۔ یہ حکمت عملیہ ہے۔ (از کبیر)

نتیجہ واضح ہوا کہ انسان اسی وقت کامیاب ہے جبکہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلے، انبیاء کرام کو جب علم و ادراک اور اچھے اعمال کا وافر حصہ ملا، تو انسان کے کامل مسلمان بننے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق دین کا علم حاصل کرے اور اچھے عمل کرے۔

"وما یذ کر الا اولو الالباب": "اور نصیحت نہیں قبول کرتے سوائے عقل والوں کے"

Marfat.com

یعنی نصیحت قبول نہیں کرتے اور آیات میں تفکر (غور وفکر) نہیں کرتے سوائے عقل والوں کے، لیکن عقل بھی وہ معتبر ہے جو وہم سے پاک ہو، اور خواہشات نفسانیہ کی تابعداری کے ظلم سے پاک ہو، تو وہی لوگ ہوں گے جن کو حکمت عطاء کی گئی ہوگی، اور کثیر علم عطاء کیا گیا ہوگا۔

فائدہ جلیلہ :

" اخرج الطبرانی عن ابی موسی قال قال رسول اللہ ﷺ یبعث اللہ تعالی العباد یوم القیامة ثم یمیز العلماء فیقول یا معشر العلماء انی لم اضع فیکم علمی لا عذبکم اذھبو ا فقد غفرت لکم "

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قیامت کے دن اٹھائے گا پھر علماء کو جدا کر دے گا پھر فرمائے گا اے علماء کی جماعت بیشک میں نے تمہیں اس لئے علم عطاء نہیں کیا تھا کہ میں تمہیں عذاب دوں، جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

(از روح المعانی)

☆ " اخرج البخاری و مسلم عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا حسد الا فی اثنین رجل آتاہ اللہ مالا فسلطه علی ھلکته فی الحق، ورجل آتاہ اللہ تعالی الحکمة فھو یقضی بھا و یعلمھا"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کسی پر رشک نہ کرے سواء دو کے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالی نے مال دیا پھر اسے حق راہ میں خرچ کرنے پر مقرر فرما دیا، اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطاء فرمایا، وہ اس علم کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی تعلیم دیتا ہے۔

کون سا علم قابل تعریف ہے؟

" وھذا با لنسبة الی حملة العلم الشرعی الذی جاء به حکیم الانبیاء و نبی الحکماء

Marfat.com

حضرۃ خاتم الرسالۃ ومحدد جہات العدالۃ والبسالۃ ﷺ لا ماذہب الیہ جالینوس و دیمقراطیس وافلاطون وارسطالیس ومن مشی علی آثار ہم واعتکف فی رواق افکارہم فان الجھل اولی بکثیر مماذ ھوالیہ واسلم بمراتب مما عولوا علیہ حتی ان کثیر من العلماء نھواعن النظر فی کتبھم"

جس علم کی یہاں تعریف کہ گئی اور جسے حکمت کہا گیا اس سے مراد علم شرعی، اور دینی علم جو اس ذات نے عطاء کیا جنہیں تمام انبیاء کرام سے حکمت میں کامل حصہ عطاء کیا گیا، اور وہ ان تمام کے نبی ہیں جن کو حکمت عطاء کی گئی یعنی نبی الانبیاء ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اور وہ ذات جس پر عدالت و شجاعت ختم ہیں وہ ہیں حضرت محمد ﷺ۔

وہ علم مراد نہیں جو جالینوس دیمقراطیس، افلاطون اور ارسطالیس (ارسطو) نے پیش کیا ہے، یا ان کے نقش قدم پر چلنے والوں جس علم کو پیش کیا ہے وہ بھی مراد نہیں۔ ان لوگوں کی راہ پر چلنے اور ان کے افکار پر سہارا لگانے سے تو جہالت بہتر ہے کیونکہ ان لوگوں نے بہت سے نظریات دین سے برگشتہ کرنے (پھیرنے) کے لئے پیش کئے ہیں، ان کے علوم سے جاہل ان کی بے دینی اور بے روا روی سے بچے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے ان کی کتب کو پڑھنے سے منع کیا ہے۔

ان کی کتب کو نہ پڑھنے والے علماء کرام نے اپنے قول پر مندرجہ حدیث پیش کی۔

☆ " اخرج الامام احمد وابو یعلی من حدیث جابر" ان عمر رضی اللہ عنہ استأذن رسول اللہ ﷺ فی جوا مع کتبھا من التوراۃ لیقرأ ھاویزداد بھاعلماالی علمہ فغضب ولم یاذن بہ لہ وقال لو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی، وفی روایۃ یکفیکم کتاب اللہ تعالی"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجازت طلب کی کہ وہ یہود کے مدرسہ میں جا کر توراۃ پڑھ لیا کریں تا کہ علم زیادہ ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا، اور ان کو اجازت نہ دی، اور فرمایا تمہیں اللہ کی کتاب کافی ہے اگر موسیٰ بھی ظاہری حیات میں

Marfat.com

ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔

اس حدیث پاک سے دلیل کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کتاب لائی اس کی تعریف رب تعالیٰ نے یوں فرمائی۔

"انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور" بیشک ہم نے نازل کیا توراۃ کو اس میں ہدایت اور نور ہے۔

جو کتاب ہدایت اور نور پر مشتمل تھی اس نے منسوخ ہونے اور اس میں تحریف ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے منع فرمادیا حالانکہ آپ غلط اور صحیح وضاحت بھی فرما سکتے تھے لیکن پھر بھی ذہنوں کو انتشار سے بچانے آپ نے توراۃ کو پڑھنے سے منع فرمادیا۔

"فکیف یباح الا شتغال بما و ضعه المتخبطون من فلا سفة الیونان افکار وو زرا فی وقت کثرت فیه الظنون و عظمت فیه الا وهام وعا د الا سلام فیه غر یبا"

تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یونانی فلاسفہ کے جھوٹے، من گھڑت افکار و مسائل میں انسان مشغول ہو جائے، جبکہ وہ لوگ دین اسلام کے خلاف زہر اگلنے کی وجہ سے مخبوط الحواس کے درجہ میں ہو گئے تھے آج لوگ بھی کثیر گمانوں اور بہت بڑے وہموں کا شکار ہو چکے ہیں اور اسلام پر چلنے سے لوگوں کی دوری کی وجہ سے اسلام نہایت کمزور حالت میں ہے۔ (از روح المعانی)

ایسی حالت میں عیسائیوں اور ان کے بھائیوں کے نظریات سے دور رہنا ضروری ہے تاکہ انسان گمراہی سے بچ سکے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے پیارے حبیب پاک ﷺ کے واسطہ جلیلہ سے اپنے دین کی حفاظت فرمائے آج دین اسلام کا حلیہ بگاڑنے میں امریکی عیسائیوں اور ان کے یار نام نہاد مسلمان سر توڑ کوشش کر رہے ہیں، رب تعالیٰ دین اسلام کے باغیوں کو تباہ و برباد فرمائے۔

فائدہ: اس آیۃ کریمہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ خصوصا نظریہ اور افعال حسیہ انسان کو خود حاصل نہیں ہو سکتے وہ یقیناً کسی اور سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

و ذلک الغیر لیس الا الله تعالی با لا تفاق، فدل علی ان فعل العبد خلق الله تعالیٰ"

وہ غیر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس مسئلہ پر اتفاق ہے اسی سے واضح کہ بندے کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

Marfat.com

وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ
وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ☆

﴿سورة البقرة ٢٧٠﴾

﴿١﴾

اور جو تم خرچ کرو منت مانو اللہ کو اس کی خبر ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

﴿٢﴾

اور جو تم خرچ کرو یا نذر مانو تو بیشک اللہ جانتا ہے اسے، اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار۔

ماقبل سے تعلق:

پہلی آیۃ کریمہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا کہ عمدہ، پاکیزہ مال خرچ کیا جائے اور ناپاک، حرام مال خرچ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿الشیطان یعدکم الفقر﴾ شیطان تمہیں ڈراتا ہے فقر (احتیاج) سے۔

اب آیۃ کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جو مال تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے اور وہ تمہیں اس پر جزاء عطاء فرمائے گا۔

"وفیه بیان کونه وعدا عظیما للمطیعین والوعد الشدید لمن انفق اونذر فی الوجوه الباطلة والمعاصی"

اس آیۃ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطیع حضرات کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

Marfat.com

ہے،اور جولوگ باطل راہ،اور گناہوں میں مال خرچ کرتے ہیں اور ناجائز اور باطل نذر مانتے ہیں وہ ظالم ہیں ان کے لئے رب تعالیٰ نے شدید وعید کو ذکر فرمایا۔ (شیخ زادہ)

”وما انفقتم من نفقة“ ”اور جوتم خرچ کرو۔“

”من نفقة“ کی تفسیر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ان لفاظ سے کی۔

”قليلة او كيئرة سرا اوعلانية فی حق او باطل“

تھوڑا خرچ کرو یا زیادہ، چھپا کر خرچ کرو یا ظاہر، راہ میں خرچ کرو یا باطل میں (بیشک اللہ اسے جانتا ہے)

اس کے معنی میں یہ وسعت کیسے پائی گئی؟ اس کی وضاحت شیخ زادہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے کی۔

”مبنی علی ان النكرة الواقعة فی سياق الشرط كالتی تقع فی سياق النفی فی افادة العموم“

اس وسیع معنی کی دارومدار اس پر ہے کہ نکرہ مقام شرط میں جب واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو مقام نفی میں نکرہ کے واقع ہونے کا ہے، یعنی عموم پایا جاتا ہے۔

”وكلمة ما فی قوله ماانفقتم شرطية فيكون كل واحد من قوله من نفقة ومن نذر شاملا لجميع افراد النفقة والنذر“

”ماانفقتم“ میں کلمہ ”ما“ شرطیہ ہے، اس لئے ہر قسم کے خرچ کرنے اور ہر قسم کی نذر ماننے کو شامل ہے۔

”اونذرتم من نذر“ ”یا تم نذر مانو۔“

”ای بشرط اور بغير شرط فی طاعة او معصية“

نذر مانو جو کسی شرط سے معلق ہو یا بغیر شرط کے ہو، خواہ وہ نذر نیکی کے کام کی ہو یا معصیت کی، (اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے)

”فان الله يعلمه“ ”بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔“

یہ جملہ دونوں چیزوں پر مرتب ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو بھی خرچ کرو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، جس طرح تم

Marfat.com

خرچ کرو گے اللہ تعالی تمہیں اسی طرح جزا دے گا، نیک راہ میں مال خرچ کرنے سے جزاء خیر عطاء فرمائے گا، اور باطل راہ میں خرچ کرنے سے اسی کے مطابق اسے سزا دے گا، کیونکہ انسان کا ہر عمل اللہ تعالی کے علم میں ہے۔

اسی طرح جو نذر تم مانو گے اللہ تعالی اسی کے مطابق اس کا بدلہ دے گا، نذر کا تعلق طاعت سے ہوا تو تمہیں اچھی جزا عطاء فرمائے گا اور نذر کا تعلق معصیت سے ہوا تو وہ تمہیں سزا دے گا۔

دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

جب پہلے دو چیزوں کا ذکر ہے ایک خرچ کرنے اور دوسرا نذر ماننے کا تو "فان اللہ یعلمہ" میں ضمیر واحد کی کیوں ذکر کی، تثنیہ کی ضمیر نہ ذکر کرنے کی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ عقل کا تقاضا یہ تھا "یعلمہما" ہونا چاہیے تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔

"ان العطف ھنا باو وھی لأحدالشیئین تقول "زید او عمر واکرمتہ" ولا یجوزا کرمتھما"

کہ یہاں عطف لفظ "او" کے ذریعے ہے جو دو چیزوں میں سے ایک کا تقاضا کرتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے "زید او عمر و اکرمتہ"

زید یا عمر کی میں نے عزت کی۔ اس مقام میں "اکرمتھما" نہیں کہا جاتا کہ میں نے ان دونوں کی عزت کی۔ اسی طرح یہاں بھی ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ حکم لگایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ضمیر واحد کی لائی گئی ہے تثنیہ کی نہیں لائی گئی یعنی جو تم خرچ کرو اللہ تعالی اسے جانتا ہے۔ یا جو تم نذر مانو اللہ تعالی اسے جانتا ہے (ماخوذ از شیخ زادہ)

تنبیہ: دینی مدارس کے طلباء کرام ایک اور توجہ فرمائیں کہ لفظ "او" جب ذکر کیا جائے تو ضمیر لوٹانے میں کبھی رعایت اول کی جاتی ہے اور کبھی ثانی کی، جیسے کہا جائے "زید او ھند منطلق" یہاں رعایت اول کی پائی گئی ہے۔ اور اگر کہا جائے "زید او ھند منطلقۃ" تو یہاں رعایت دوسرت کی پائی گئی ہے۔

قرآن پاک میں بھی یہ دونوں طریقے استعمال ہیں "واذا رأو اتجارۃ او لھوا انفضوا الیھا" میں رعایت پہلے لفظ کی کی گئی ہے۔ اور "ومن یکسب "خطیئۃ او اثما ثم یرم بہ برئیا" میں رعایت دوسرے

Marfat.com

لفظ کی پائی گئی ہے۔

"و من نذر" کیا ہے؟

"النذر ان توجب علی نفسک مالیس بواجب لحدوث أمر"

اپنے آپ پر کسی چیز کو لازم کر لینا جو پہلے لازم نہ ہو۔ یعنی اس کے لازم کرنے سے لازم ہو۔ جیسا کہ اس آیۃ کریمہ میں جس کی بحث جاری ہے "نذر" اسی معنی میں استعمال ہے۔ اور رب تعالی کے اس ارشاد گرامی میں بھی اسی معنی میں استعمال ہے "انی نذرت للرحمن صوما"

"انذار" کا معنی ڈرانا، قرآن پاک میں کئی جگہ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ "فانذرتکم نارا تلظی"

"انذار" مقابل ہے "تبشیر" کا "الانذار اخبار فیه تخویف کما ان التبشیر اخبار فیه سرور"

جس خبر میں خوف دلایا گیا ہو اور ڈرایا گیا ہو اسے "انذار" کہتے ہیں، اور جس خبر میں خوشخبری پائی گئی اسے تبشیر کہا جاتا ہے۔ نذر کا معنی ہی معتبر ہوتا ہے کیونکہ انسان آپ پر ایک چیز کو لازم کرتا ہے تو اس کے ادا کرنے میں کوتاہی سے ڈرتا رہتا ہے۔

نذر اولیاء بمعنی نذرانہ:

نذر عرف میں ہدیہ اور پیشکش کو کہتے ہیں اور شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصودہ ہے اسی لئے اگر کسی نے گناہ کرنے کی نذر کی تو وہ صحیح نہیں ہوئی، نذر خاص اللہ تعالی کے لئے ہوتی ہے اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لئے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو نذر کے صرف کا محل مقرر کرے، مثلا کسی نے یہ کہا یا رب میں نے نذر مانی کہ اگر تو نے میرا فلاں مقصد پورا کر دیا تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں، یا وہاں کے خدام کو روپے پیسے دوں گا، یا ان کی مسجد کے لئے تیل یا بوریا حاضر کروں گا تو یہ نذر جائز ہے (حقیقت میں نذرانہ اور ہدیہ ہے)

(شامی، خزائن العرفان)

اس مسئلہ کی تفصیل دوسرے پارہ "وما اهل به لغير الله" کی بحث میں دیکھیں۔

نذر کی دو قسمیں ہیں: نذر مطلق، اور نذر معلق۔

Marfat.com

نذر مطلق کو نذر منجز بھی کہا جاتا ہے۔ جو کسی شرط سے مشروط نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ہوتی ہے، جیسا کہ کہا جائے "لله علی صوم شهر" مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے ایک ماہ روزے لازم ہیں۔

نذر معلق یہ ہے کہ کسی شرط سے مشروط کر دیا جائے جیسا کہ کہا جائے "ان قدم غائبی فا لله علی صوم شهر" اگر میرا فلاں غائب شخص آ گیا تو میں اللہ کے لئے ایک ماہ روزے رکھوں گا۔ (شیخ زادہ)

ابھی دو مثالیں ذکر کی ہیں ان میں وقت سے مقید نہیں کیا گیا، بلکہ مطلقاً روزہ رکھنے کا ذکر ہے۔ وہ جب چاہے روزہ رکھ لے، اگرچہ عبادت میں جلدی کرنا افضل ہے۔

دوسری قسم جو وقت سے مقید ہو۔ جیسا کہ کہے "لله علی صوم یوم الاثنین" مجھ پر اللہ کے لئے پیر کا روزہ رکھنا لازم ہے۔ یا یہ کہے، "ان قدم غائبی فلله علی صوم رجب" اگر میرا فلاں غائب شخص آ گیا تو میں اس رجب کو روزہ رکھوں گا۔ اس صورت میں معین وقت میں روزہ رکھنا لازم ہوگا، بغیر عذر کے تاخیر کرنے سے گناہ لازم آئے گا۔

نذر کی ایک اور تقسیم:

نذر کی دو قسمیں ہیں۔ نذر مفسر، اور نذر غیر مفسر

نذر مفسر یہ ہے کہ اس میں اپنے آپ پر کسی چیز کو واجب کرنے اور نذر ماننے کی وضاحت موجود ہو، جیسا کہ کہے "لله علی عتق رقبة" اللہ کے لئے مجھ پر غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ "لله علی حج" اللہ کے لئے مجھ پر حج لازم ہے، ان مثالوں میں "علی" پایا گیا ہے جو لزوم پر دلالت کرتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نذر مانی گئی۔

اسی طرح اگر یوں کہے "نذرت ان اؤدی النوافل عشر رکعات" میں نے دس رکعت نوافل ادا کرنے کی نذر مانی، تو یہ بھی واضح طور پر نذر ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے، اگر نہیں پورا کرے گا تو ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

نذر غیر مفسر یہ ہے کہ یا تو اس طرح کہے "نذرت لله ان لاافعل کذاثم یفعله" میں نے نذر مانی ہے کہ

Marfat.com

میں اللہ تعالی کے لئے فلاں کام نہیں کروں گا،

پھراس نے وہ کام کرلیا۔ یااس نے یوں کہا"لــلــہ عــلــی نــذر" اللہ کے لئے مجھ پرنذر ہے،کیا چیز نذر ہے؟اس کا کوئی ذکر نہیں۔

اس نذر کا حکم یہ ہے"فیلزمه فیه کفارة یمین"کہ اس میں قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

"لقوله ﷺ من نذر نذر اوسمی فعلیه ما سمی"ومن نذرولم یسم فعلیه کفارة یمین"

جس شخص نے نذر مانی اور کسی چیز کا نام ذکر کیا(میں حج کروں گا،اتنے روزے رکھوں گا،اتنے نوافل ادا کروں گا)

تو جس چیز کا ذکر کیا اسے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔اوراگر نذر میں کسی چیز کا نام ذکر نہیں کیا(بلکہ صرف یہ کہہ دیا کہ مجھ پرنذر لازم ہے)تو اس میں قسم کا کفارہ اس پر لازم آئے گا۔ (کبیر)

☆ "عن عمران بن الحصین قال قال رسول الله ﷺ النذر نذران فما کان نذر فی طاعة الله تعالی فذلک لله تعالی وفیه الوفاء وما کان من نذر فی معصیة الله تعالی فذلک للشیطان ولا وفاء فیه ویکره ما یکفر الیمین" (اخرجه النسائی)

عمران بن الحصین فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کی دو قسمیں ہیں،ایک وہ جو اللہ کی اطاعت کی نذر ہو وہی نذر اللہ تعالی کے لیے ہوگی اوراس کا پورا کرنا لازم ہوگا،اوردوسری قسم نذر کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی نافرمانی کی نذر ہو وہ نذر شیطان کے لئے ہوگی ،اس کا پورا کرنا جائز نہیں، بلکہ منع ہے،اس میں قسم کا کفارہ ادا کرے۔(روح المعانی)

اعتراض :

نذر کا پورا کرنا واجب ہے،یہ کہنا کس طرح درست ہے؟ جبکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا"ولیوفوا نذورهم" اپنی نذروں کو پورا کرو۔امر پایا گیا ہے اوردلیل قطعی سے ثابت ہے پھر نذر پورا کرنا فرض کیوں نہیں،واجب کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جــــواب: یہ عام مخصوص البعض ہے، جو دلیل ظنی ہے،اس سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے،فرض ثابت نہیں ہو

Marfat.com

سکتا، "عام مخصوص البعض" کیسے؟ اس لئے کہ نذر عبادت مقصودہ کی ہو تو اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے جیسا کہ روزہ رکھنے کی یا حج کرنے کی یا نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اگر نذر عبادت غیر مقصودہ کی مانے تو اس کا پورا کرنا لازم نہیں تاہم قسم کا کفارہ لازم آئے گا، جیسا کہ وضوء کرنے کی نذر ماننا مریض کی عیادت کرنے کی نذر وغیرہ یہ عبادات غیر مقصودہ ہیں ان کی نذر ماننے پر نذر لازم نہیں ہوتی۔

اسی طرح معصیت کی نذر ماننے سے نذر کو توڑنا لازم ہو جاتا ہے۔ اسے پورا کرنا جائز نہیں، البتہ نذر کو توڑنے پر قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا لازم آتا ہے۔

واضح ہوا کہ "ولیوفوا نذورھم" میں امر سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وجوب ہی ثابت ہوگا، کیونکہ یہ عام مخصوص البعض ہے۔ (نور الانوار مع قمر الاقمار)

"وما للظلمین من انصار" "اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔"

"بالانفاق والنذر فی المعاصی او بمنع الصدقات وعدم الوفاء بالنذر اوبانفاق الخبیث او بالریاء والمن والأذی وغیر ذلک مما ینتظمه معنی الظلم الذی هو عبارة عن وضع الشئی فی غیر موضع الذی یحق ان یوضع فیه"

یہاں ظالموں سے مراد کون لوگ ہیں؟ آیۃ کریمہ کے مضمون سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے جس پر سیاق وسباق (یعنی آیۃ کا بعد والا مضمون اور پہلے والا مضمون) بھی دلالت کر رہا ہے کہ جس شخص نے معصیت (گناہ کی راہ) میں مال خرچ کیا یا معصیت کی نذر مانی وہ ظالم ہے۔ جس نے صدقات واجبہ کو ادا نہ کیا وہ ظالم ہے۔ جس نے نذر کو پورا نہ کیا وہ ظالم ہے، بلکہ ظلم کا معنی عام ہی لیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہے، جو ہر قسم کی برائیوں کو شامل ہے، کیونکہ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے غیر محل میں رکھنا۔

"من انصار" کا مطلب یہ ہے کہ (اور نہیں ہے ظالموں کا) کوئی مددگار جو ان کی مدد کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ان کو بچائے، یا ان کے لئے خصوصی شفاعت کرے، اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی مدافعت کر سکے گا۔

(تفسیر ابی السعود)

Marfat.com

دینی مدارس کے طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"وایراد صیغة الجمع لمقابلة الظالمین ای وما لظالم من الظالمین من نصیر من الانصار"

"انصار" جمع کا صیغہ ہے۔اور "ظالمین" بھی جمع کا صیغہ ہے۔جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو وہاں حکم احاد کا احاد پر ہوتا ہے،اب مطلب یہ ہوگا کہ ظالموں سے کسی ظالم کا مددگاروں میں سے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔(تفسیر ابی السعود)

یہ بھی خیال رہے کہ علامہ رازی رحمہ اللہ نے کبیر میں ذکر کیا ہے کہ اگر چہ جمع کا مقابل جمع سے ہے لیکن ضروری نہیں کہ معنی واحد کے مقابل واحد والا کیا جائے۔

معتزلہ کا مذہب: اس آیۃ کریمہ سے معتزلہ نے دلیل یہ پکڑی ہے کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لئے شفاعت جائز نہیں۔کیونکہ ناصر وہ ہے جو انسان سے ضرر اور تکلیف کو دور کرے۔جب ظالموں کا کوئی ناصر نہیں تو اسیسے واضح ہوگیا کہ ان کا کوئی شفیع بھی نہیں۔

جواب اول: ناصر اور شفیع میں فرق خود رب تعالی نے اس آیۃ کریمہ میں کیا ہے۔

"واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیأ ولا یقبل منها شفاعة ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون"

کیونکہ نصرت اور شفاعت کا اگر ایک معنی ہوتا تو کافروں کے حق میں شفاعت کی قبولیت کی نفی کے بعد نصرت کی نفی نہ ہوتی،واضح ہوا "لا یلزم من نفی الانصار نفی الشفعاء" کہ انصار (مددگاروں) کی نفی سیشفاعت کرنے والوں کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب دوم: اگر یہ تسلیم کر ہی لیا جائے کہ اس میں شفاعت کی نفی بھی پائی گئی ہے تو شفاعت عامہ کی نفی ہوگی جو عام لوگوں کے لئے عام اوقات میں پائی جاتی ہے۔

"والدلیل مثبت للشفاعة خاص فی حق البعض وفی بعض الأوقات والخاص مقدم علی العام،واللہ اعلم"

کبیرہ گناہوں والے لوگوں کے لئے شفاعت جو ثابت ہے وہ خاص دلیل سے ثابت ہے،وہ

Marfat.com

بعض لوگوں کیلئے بعض اوقات میں پائی جاتی ہے۔ وہ دلیل جو مثبت پر دلالت کرے مقدم ہوتی ہے اس دلیل سے جو نفی پر دلالت کرے۔ (ماخوذ از کبیر)

انصار جمع ہے نصیر کی۔ جیسا کہ اشراف جمع ہے شریف کی، اور احباب جمع ہے حبیب کی۔

تنبیہ: ظلم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ظلم ہے جو اپنی ذات پر ظلم ہو یہ ہر قسم کے گناہوں سے حاصل ہوتا ہے، اور مال خرچ کرنے میں دکھلاوا پایا جائے، اپنا چرچا کرنا مقصود ہو تو یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہے، اور گناہوں کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی اپنی جان پر ظلم ہے۔

اور ظلم کی دوسری قسم یہ ہے کہ غیر پر ظلم کرنا اگر چہ غیر پر ظلم کرنے کے گناہ سے اپنی جان پر بھی ظلم ہوگا، وہ یہ ہے کہ مال خرچ ہی نہ کرے، یا مال مستحق کو نہ دے بلکہ غیر مستحق کو دے دے۔ (از کبیر بتصرف)

نذر کے متعلق احادیث مبارکہ:

"عن ابی هریرة وابن عمر قالا قال رسول الله ﷺ لاتنذروافان النذر لا یغنی من القدر شیأ وانما یستخرج به من البخیل" (بخاری ومسلم مشکوة باب فی النذور)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر نہ مانو بیشک نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی، نذر بخیل شخص مانتا ہے۔

وضاحت حدیث: اس حدیث پاک میں مطلقاً نذر سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ زمانہ جاہلیت کے غلط اعتقاد کو مٹایا گیا ہے۔ "والنهی عن النذر علی اعتقاد انه یرد عن القدر شیأ"

نذر سے روکنے کا یہ مقصد ہے کہ جو زمانہ جاہلیت میں یہ عقیدہ رکھا جاتا تھا کہ نذر تقدیر کو ٹال دیتی ہے، اسی باطل نظریہ کا رد کر دیا گیا ہے کہ اس غرض سے نذر نہ مانی جائے کیونکہ نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی۔

دوسرا طریقہ زمانہ جاہلیت کا یہ تھا:

"انهم ینذرون لجلب المنافع ودفع المضار وذلک فعل البخلاء نهواعن ذلک"

Marfat.com

کہ وہ نذر مانتے تھے کہ نفع حاصل ہو جائے اور نقصان دور ہو جائے، یہ کنجوس لوگوں کا کام تھا اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے کہ بخیل لوگوں کی طرح نذر نہ مانے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کی نذر مانی جائے۔ (ماخوذ از لمعات)

☆ عن عائشة رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ ﷺ قال من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه و من ان یعصیه فلایعصه " (بخاری، مشکوۃ باب النذور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت کی نذر مانے اسے چاہئے کہ وہ نذر کو پورا کرے، اور جو شخص معصیت (گناہ) کی نذر مانے وہ نافرمانی نہ کرے (یعنی نذر کو پورا نہ کرے)

☆ "عن عقبة بن عامر عن رسول اللہ ﷺ قال کفارة النذر کفارة الیمین" 'رواہ مسلم" (مشکوۃ باب النذور)

عقبہ بن عامر کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔

اسی حدیث کے پیش نظر محققین حضرات کا یہ فیصلہ ہے "لانذر فی معصیة و کفارته کفارة الیمین" معصیت کی نذر جائز نہیں، اور معصیت کی نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔

☆ "عن ابن عباس قال بینا النبی ﷺ یخطب اذا ھو برجل قائم فسأل عنه فقالوا ابو اسرائیل نذر ان یقوم ولا یقعد ولا یستظل ولا یتکلم ویصوم فقال النبی ﷺ مروہ فلیتکلم ویستظل ولیقعد ولیتم صومه" (رواہ البخاری، مشکوۃ باب النذور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ ہم میں موجود تھے اور خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، اچانک آپ نے ایک شخص کو کھڑے دیکھا تو پوچھا وہ شخص کون ہے؟ تو صحابہ کرام نے بتایا یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہوئی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا اور نہیں بیٹھے گا، اور نہ ہی سایہ حاصل کرے گا، (یعنی دھوپ میں رہے گا) اور نہ ہی کسی سے کلام کرے گا، اور (ہمیشہ) روزے رکھے گا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے حکم دو کہ وہ کلام کرے اور سایہ حاصل کرے اور بیٹھے، البتہ روزہ مکمل کرے۔

Marfat.com

وضاحت حدیث : کھڑا رہنا اور نہ بیٹھنا، سایہ حاصل نہ کرنا اور کلام نہ کرنا کوئی عبادت مقصودہ نہیں کہ ان کی نذر مانی جاسکے، البتہ روزہ رکھنا عبادت مقصودہ ہے اس لئے حضور ﷺ نے اس کی نذر ماننے کی اجازت فرمائی اور اس کے مکمل کرنے کا حکم دیا۔ "فان النذر علی الطاعة لازم وصیام الدهر محمود من یقدر علیه" طاعت کی نذر پورا کرنا لازم ہے، اور شخص ہمیشہ روزہ رکھنے کی قدرت رکھے اس کے لئے ہمیشہ روزہ رکھنا محمود ہے۔

البتہ سال کے پانچ دن خود بخود اس حکم سے علیحدہ ہو جائیں گے ان میں روزہ نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی کفارہ لازم آئے گا کیونکہ نذران کو شامل نہیں، وہ پانچ دن ہیں، عید الفطر، عیدالاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحج)۔ ہاں اگر کسی شخص نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں ان پانچ دنوں میں روزہ رکھوں گا جنمیں شریعت نے منع کیا ہے تو یہ نذر معصیت ہے اسے توڑنا ضروری ہے، لہذا ان دنوں میں روزہ نہ رکھے البتہ کفارہ ادا کردے۔

نہ بیٹھنے کی نذر یا کلام نہ کرنے کی نذر یا سایہ حاصل نہ کرنے کی نذر پر عمل کرنا ہی انسان کے لئے مشکل، انسانوں کو اس پر عمل کرنے کی طاقت ہی نہیں، اس لئے نذر کو توڑ دے اور کفارہ ادا کردے۔ (ماخوذ از مرقاۃ)

☆ "وعن انس ان النبی ﷺ رأی شیخا یهادی بین ابنیه فقال مابال هذا قالوا نذر ان یمشی الی بیت الله قال ان الله تعالی عن تعذیب هذا نفسه لغنی وأمره ان یرکب"

(بخاری ومسلم(مشکوۃ باب النذور)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے بیٹوں کے سہارے چل رہا ہے آپ نے پوچھا اس شخص کا کیا حال ہے تو آپ کو بتایا گیا کہ اس شخص نے نذر مانی ہے کہ بیت اللہ شریف کی طرف وہ پیدل چل کر جائے گا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو عذاب دے۔

☆ "عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال من نذر نذر الم یسمه فکفارته کفارة یمین ومن نذر نذرافی معصیة فکفارته کفارة یمین ومن نذر الایطیقه فکفارته کفارة یمین ومن

Marfat.com

نذر نذر ااطاقة فلیف" (رواہ ابو داؤد ابن ماجہ"مشکوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نذر مانی اور اس کا ذکر نہیں کیا (صرف یہ کہا میں نذر مان رہا ہوں، کس چیز کی اس کا اس نے ذکر نہیں کیا) تو اس پر نذر کا وہی کفارہ ہوگا جو قسم کا کفارہ ہے۔ اگر معصیت کی نذر مانی (تو اس نذر کو توڑنا ضروری ہے، اس کے توڑنے پر) اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ جس نے ایسی چیز کی نذر مان لی وہ طاقت ہی نہیں رکھتا، اس پر وہی کفارہ لازم ہوگا جو قسم کا کفارہ ہے۔

اگر کسی شخص نے ایسی چیز کی نذر مانی جس کی وہ طاقت رکھتا ہے تو اسے پورا کرے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ وَیُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِكُمۡ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ☆ (سورة البقرة آیت ۲۷۱)

﴿۱﴾

اگر خیرات اعلانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ گھٹیں گے، اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

﴿۲﴾

اگر تم ظاہر کرو صدقات تو وہ کتنی ہی اچھی چیز ہے۔ اور اگر تم اسے چھپاؤ اور دو تم فقراء کو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور وہ مٹاتا ہے تم سے تمہارے بعض گناہوں کو، اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو (ان کی وہ) خبر رکھنے والا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے پہلے مال خرچ کرنے والوں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک وہ لوگ جو خرچ کرنے کے بعد احسان جتلاتے ہیں یا جسے صدقہ دیا جائے اسے ایذاء (تکلیف) پہنچاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو بغیر احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے کے صرف خلوص نیت سے مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر دونوں قسموں کے احکام بھی بیان فرما دیئے۔

اس کے بعد عمدہ مال خرچ کرنے اور ردی مال خرچ کرنے کے احکام ذکر فرمائے۔ اب اس آیۃ کریمہ میں مخفی طور پر مال خرچ کرنے اور ظاہر طور پر مال خرچ کے احکام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ (کبیر)

شان نزول:

ایک مرتبہ رسول اللہ سے صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے یا ظاہر کر کے دینا

Marfat.com

افضل ہے تو اس کے جواب میں یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

مختصر مطلب:

مومنین کو خطاب ہے کہ اگر تم صدقات کو ظاہر کر کے فقراء و مساکین وغیرہ کو دیتے ہو تو یہ بھی اچھا ہے مقصد تو رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے، اس لئے صدقہ میں جب ریاء کاری نہ ہو تو ظاہر طور پر دینا بھی اچھا ہے، اور اگر تم اپنے صدقات کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ اور ہی زیادہ بہتر ہے۔ اور وہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر حاصل ہوتی ہے، وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

صدقہ کیا ہے؟

"الصدقة مايخرجه الانسان من ماله على وجه القربة فيدخل فيه الزكوة الواجبة وصدقة التطوع"

صدقہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان نیکی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے رب کی راہ میں مال خرچ کرے جب مطلقا صدقہ کا لفظ ذکر ہے تو یہ صدقات واجبہ کو بھی شامل ہے اور صدقات نافلہ کو بھی۔ (خازن)

"ان تبدوا الصدقات فنعما هی"

"اگر تم ظاہر کرو صدقات تو وہ کتنی ہی اچھی چیز ہے۔"

"بدا يبد وبدوا" ظاہر کرنا۔ 'بدأ يبدأ بدأ' کا معنی شروع کرنا۔ ان دونوں لفظوں کے اصل کا فرق طلباء کرام ذہن میں ضرور رکھیں، کبھی لکھنے میں دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ کرتے وقت یا پڑھتے وقت بعض اوقات غلطی میں پڑنے کا عام احتمال پایا جاتا ہے۔

"فنعما هی" کا معنی اس کے اصل کے مطابق ہی ہوگا، اصل میں 'فنعم ماهی" ہے "ما" سے مراد خصلت یا شیء ہے۔

"فنعماهی" ای فنعمت الخصلة هی وقيل الشئی هی"

Marfat.com

کتنی اچھی ہے یہ عادت، کتنی اچھی ہے یہ چیز۔ (خازن)

"وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهوخيرلكم"

"اور اگر تم چھپاؤ اس کو یا دو فقراء کو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے"

"وان تخفوها" ای تسروا الصدقة "اور اگر تم صدقہ مخفی رکھو (چھپاؤ)

"وتؤتوها الفقراء" ای وتعطوها الفقراء فی السر "اور تم وہ صدقات فقیروں کو دو چھپا کر۔

"فهو خيرلكم" يعنى اخفاء الصدقة افضل من العلانية"

یعنی صدقہ چھپا کر دینا ظاہر کر کے صدقہ دینے سے بہتر ہے۔

"وكل مقبول اذاكانت النية صادقة" خواہ صدقہ ظاہر کر کے دے یا چھپا کر دے جب نیت میں خلوص ہو گا تو ہر طرح کا دیا ہوا صدقہ رب کے حضور قبول ہوگا۔ (خازن)

"ویکفر عنکم من سیآتکم" "اور وہ مٹاتا ہے تم سے تمہارے بعض گناہوں کو"

"ان من للتبعيض لان الصدقات لاتكفر جميع السيآت بخلاف التوبة فتكفر جميعها"

بیشک آیۂ کریمہ میں "مـــن" تبعیض پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ صدقات تمام گناہوں کو نہیں مٹاتے، البتہ صدق دل سے توبہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ (حاشیہ جلالین)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے، راقم نے بھی وہی نقل کیا۔

تنبیہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "من" کو زائد مانا ہے اور قرأت "ونکفر" والی ہے۔ قال ابن عباس "جميع سيآتكم" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تمام گناہوں کے مٹانے کا ذکر ہے۔ لیکن تفسیر خازن میں اس کی توجیہ یہ پیش کی گئی "ونكفر عنكم الصغائر منكم السيآت" ہم تمہارے تمام صغائر گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ (ماخوذ از خازن)

Marfat.com

"واللہ بما تعملون خبیر" "اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، خواہ وہ عمل ظاہر ہو یا باطن ہو۔ اسی سے یہ سمجھ آگیا کہ عمل میں اصل خلوص نیت اور اعتقاد خالص پر ہے، صرف صدقہ چھپا کر دینا یا ظاہر دینا مقصود نہیں۔

"فاسرار العمل لایدل علی الاخلاص واظھارہ لایدل علی الریاء"

ہر پوشیدہ خلوص پر دلالت نہیں کرتا۔ اور ہر ظاہر عمل دکھلاوے پر دلالت نہیں، اصل دار و مدار خلوص نیت پر ہی ہے۔ (صاوی)

کون سا دن صدقہ مخفی بہتر اور کونسا دن ظاہر بہتر:

"قال الاکثرون المرادبھا صدقة التطوع واتفق العلماء علی ان کتمان صدقة التطوع افضل واخفاء خیر من اظھارھا"

اکثر حضرات نے بیان فرمایا کہ آیۃ کریمہ میں جس صدقہ کا ذکر ہے اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نفلی صدقہ افضل ہے اور اس کا مخفی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

"واما الزکوة فاظھار اخراجھا افضل من کتمانھا کالصلوة المکتوبة فی الجماعة افضل وصلوة التطوع فی البیت افضل ولکن الزکوة نفی التھمة عن المزکی"

لیکن زکوۃ یعنی صدقات فرضیہ کو ظاہر کرنا افضل ہے بنسبت چھپا کر دینے سے، جس طرح فرضی نماز جماعت سے پڑھنا افضل ہے اور نفلی نماز گھر میں افضل ہے، زکوۃ کو ظاہر کر کے ادا کرنے میں اور یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ زکوۃ دینے والے سے تہمت زائل ہو جاتی ہے، یہ کوئی نہیں کہتا کہ فلاں شخص نے زکوۃ ادا نہیں کی۔ (ماخوز از خازن)

صدقات فرضیہ کا مخفی رکھنا کب بہتر ہے؟

"اذا کان المزکی ممن لایعرف بالیسار کان اخفاؤھا افضل"

Marfat.com

جب زکوۃ دینے والے کے مال کا لوگوں کو نہ پتہ ہو تو زکوۃ بھی چھپا کر دینا افضل ہے کیونکہ اس کے متعلق لوگوں کی تہمت کا خطرہ نہیں کہ لوگ کہیں گے اس نے زکوۃ نہیں دی کیونکہ لوگوں کو اس کے مال کا پتہ ہی نہیں۔ (مدارک)

بیضاوی اور روح البیان نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

شان صحابہ کرام:

"وقیل ان الآیة واردة فی زکوة الفرض وکان اخفاء ها خیرا علی عهد رسول الله ﷺ لأنهم کانوا لایظنون بأحدانه یمنع الزکوة"

بعض حضرات نے کہا کہ آیۃ کریمہ وارد ہے فرضی زکوۃ کے متعلق، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اطہر میں زکوۃ چھپا کر دینا بہتر تھا، کیونکہ صحابہ کرام کا ایک دوسرے کے متعلق زکوۃ نہ دینے کی تہمت لگانا تصور اور خیال میں بھی نہیں آسکتا۔

کیونکہ تمام صحابہ کرام ہی اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکام کو دل وجان سے بجالانے میں پیش پیش تھے ان سے احکام میں سوائے سہو وخطاء کے حکم عدولی کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جاسکتا۔ (ماخوذ از خازن)

"وقیل ان الآیة عامة فی جمیع الصدقات الواجبة والتطوع والأخفاء افضل فی کل صدقة من زکوة وغیرها"

ایک قول یہ ہے کہ آیۃ کریمہ تمام صدقات واجبہ اور نفلی کو شامل ہے، ہر صدقہ چھپا کر دینا افضل ہے خواہ زکوۃ ہو یا نفلی صدقہ ہو یا اور صدقات واجبہ ہوں۔ (خازن)

راقم کا موقف:

راقم نے تمام اقوال کو جمع کرنے کی یہ کوشش کی ہے کہ ہر صدقہ فرضی ہو یا نفلی ہو چھپا کر دینا افضل ہے خلوص نیت سے ظاہر طور پر دینا جائز ہے اور مقام مقبولیت حاصل ہوتا ہے۔ ہاں البتہ زکوۃ ادا نہ کرنے کی تہمت کا خطرہ ہو تو اس سے بچنے کے لئے فرضی صدقہ ظاہر طور پر دینا اچھا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

چھپا کر صدقہ دینے کے فوائد۔

﴿۱﴾ چھپا کر صدقہ دینا ریاء (دکھلاوے) سے دور ہوتا ہے۔

﴿۲﴾ چھپا کر صدقہ دینے میں اکثر طور پر اخلاص پایا جاتا ہے، خلوص ہی دراصل روح عبادت ہے، اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

﴿۳﴾ چھپا کر صدقہ دینے میں نفس پر قہر ہوتا ہے، کیونکہ نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو دکھا کر صدقہ دیا جائے۔

﴿۴﴾ چھپا کر صدقہ دینے میں فقیر کی عزت کا پاس کیا جاتا ہے کیونکہ ظاہر کر کے دیں گے تو فقیر کو اپنے عاجز ہونے کے خیال سے پریشانی ہوگی اور وہ اپنے آپ کو گھٹیا سمجھے گا، اس طرح اس کی ذلت ہوگی لیکن چھپا کر صدقہ دینے میں فقیر کو یہ پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

صدقہ کو صدقہ کہنے کی وجہ:

"صدقہ" کا اصل مادہ "ص، د، ق" ہے جو سچ اور خلوص پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا:

"رجل صدق النظر" ایک شخص کی سچی نظر ہے، یعنی اس کی نگاہ حق کی طرف اٹھتی ہے باطل کی طرف نہیں۔

"صدق اللقاء" اس کے سچی ملاقات کی، یعنی اس کی ملاقات میں خلوص تھا۔

"صدقوهم القتال" وہ قتال میں سچے ثابت ہوئے، یعنی انہوں نے جہاد کرنے کے وعدہ کو اور بہادری سے جہاد کرنے کے قول کو سچ کر کے دکھایا۔ "فلان صادق المودة" فلاں شخص سچی محبت والا ہے، یعنی اس کی محبت میں خلوص پایا گیا ہے۔ "هذا خل صادق الحموضة" یہ سرکہ خالص کھٹاس والا ہے، یعنی اس میں مزید ارترش پن پایا گیا ہے "هذا شئى صادق الحلاوة" یہ چیز خالص مٹھاس والی ہے۔

"صدق فلان فی خبره" فلاں شخص اپنی خبر میں سچا ہے، یہ اس وقت کہا جاتا جب کوئی شخص صحیح اور کامل خبر دے۔

"الصديق يسمى صديقا لصدقه فی المودة"

جو شخص محبت میں سچا اور مخلص ہو اس کو صدیق (صاد کی زبر اور دال غیر مشدد) کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

"الصداق سمی صداقالان عقدالنکاح به یتم ویکمل"

مہر کو صداق کہا جاتا ہے کیونکہ نکاح کے خلوص کی مہر کے ذریعے تکمیل ہوتی ہے۔

" وسمی الله تعالی الزکوۃ صدقة لأن المال بها یصح ویکمل فهی سبب اما لکمال المال وبقاہ ،واما لأنه یستدل بها علی صدق العبد فی ایمانه و کماله فیه"

اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو (اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کو) صدقہ کہا ہے کیونکہ صدقہ ادا کرنے سے مال صحیح اور باقی رہتا ہے، گویا کہ کمال مال اور بقاء مال پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری وجہ اس میں یہ پائی گئی کہ صدقہ بندے کے ایمان میں سچا ہونا اور کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے۔ (کبیر)

سوال: اس آیۃ کریمہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے "وتوتوھاالفقراء" وہ صدقات فقراء کودو اور دوسری آیۃ کریمہ میں "انما الصدقات للفقراء والمساکین" "الآیۃ" صدقات کے مستحقین کی آٹھ قسموں کا ذکر کیا تو یہاں صرف فقراء کے ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: "وایتاؤالفقراء متعین ای التعیین بالنسبة للاغنیاء والافالأصناف التی تدفع لهم ثمانیة مذکورة فی سورة براء ۃ"

اصل میں سورۃ براءۃ میں جن آٹھ قسم کے مستحقین زکوۃ کا ذکر ہے وہی مصارف زکوۃ ہیں۔ یہاں فقراء کا ذکر بمقابلہ اغنیاء کے ہے کہ صدقات صرف فقراء کو دیئے جائیں اغنیاء کو نہ دئے جائیں۔

(جلالین مع الصاوی)

"ولعل التصریح بأیتها الفقراء مع انه لابد منه فی الابداء ایضالما ان الاخفاء مظنة الالتباس والاشتباه فان الغنی ربما یدعی الفقر ویقدم علی قبول الصدقة سرا ولا یفعل ذلک عندالناس"

فقراء کو ذکر کرنے اور فرضی، واجبی صدقات کو ظاہر کر کے دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مخفی طور پر دینے میں اشتباہ لازم آتا ہے کیونکہ بعض اوقات غنی بھی اپنے آپ کو فقیر ظاہر کر کے صدقات

Marfat.com

واجبہ بھی کو قبول کر لیتے ہیں، لیکن جب صدقات واجبہ لوگوں کے سامنے دیئے جائیں گے اور بتایا جائے گا کہ یہ صدقات واجبہ ہیں تو غنی شخص لوگوں کے سامنے نہیں لے گا کہ یہ لوگ میرے غنی ہونے کو سب کے سامنے کہیں بیان نہ کر دیں۔ (روح المعانی)

"وتخصیص الفقراء بالذکر اهتماما بشانهم" کبھی کبھی کسی ایک کا ذکر اس کی شان کی اہمیت کی وجہ سے ہوتا ہے، یہاں بھی فقراء کا ذکر ان کی زیادہ احتیاجی کی وجہ سے اہتمام شان کے لئے ہے۔ (از روح المعانی)

ان تمام جوابات کی ضرورت اس وقت درپیش آتی ہے جب اس آیہ کریمہ میں صدقات سے مراد عام صدقات ہوں جو نفلی اور واجبی دونوں کو شامل ہوں، صحیح قول بھی یہی ہے کہ یہاں مراد صدقات نفلیہ اور واجبہ دونوں ہی ہیں۔

تاہم ایک قول کے مطابق مراد صرف صدقات نفلیہ ہیں، اس کے مطابق ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ صدقات نافلہ میں زیادہ لحاظ فقراء کا کیا جائے۔ ﴿واللہ اعلم بالصواب﴾ (ماخوذ از روح المعانی بتصرف)

راقم کا موقف: فقر چار معنوں میں قرآن پاک میں استعمال ہے۔

"الاول وجود الحاجة الضرورية وذلک عام للانسان مادام فی دار الدنیا بل عام للموجودات کلها"

ان میں سے پہلا معنی حاجت ضروریہ کا پایا جانا، یہ اس دنیا میں انسان کو شامل ہی رہتا ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی چیز کا محتاج ہوتا ہے۔

بلکہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام موجودات ہی کسی نہ کسی چیز کی محتاج ہوتی ہیں۔ "وعلی هذا قوله تعالی "یاایها الناس انتم الفقراء الی الله" اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مذکور کا یہی مطلب ہے "اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو" یعنی ان معانی میں سے ایک معنی ہے "محتاج ہونا" جب یہ معنی آیہ کریمہ میں بھی لے لیا جائے تو وہ آٹھ قسم کے مستحقین کو شامل ہے۔

یعنی جب "وتؤتوها الفقراء" کا معنی یہ ہو "اور دو تم محتاجوں کو" تو اس میں مساکین، وابن السبیل وغیرہ سب ہی آجائیں گے۔

Marfat.com

طلباء کرام کے فائدہ کے لئے دوسرے معانی بھی ذکر کئے جا رہے ہیں۔اگر چہ اس بحث کا تعلق اسی معنی سے تھا جوذکر کیا جاچکا ہے۔

"والثانی عدم المقتنیات وھو المذکور فی قولہ تعالی "للفقراء الذین احصروا(الی قولہ)من التعفف"

دوسرا معنی یہ ہے کہ فقراءان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو جیسا کہ 'للفقراء الذین احصروا" آیۃ کریمہ میں یہ معنی استعمال ہے۔

"الثالث فقر النفس وھو الشرۃ" تیسرا معنی فقر کا "نفس کا حریص اور لالچی ہونا" یہ معنی "الغنی غنی النفس" کے مدمقابل ہے،جس کا معنی ہے "نفس کا بے پرواہ ہونا" لالچی نہ ہونا۔

اسی معنی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد استعمال ہے "کاد الفقر ان یکون کفرا"قریب ہے کہ نفس کا لالچی ہونا انسان کو کفر تک پہنچادے۔

"الرابع الفقر الی اللہ المشار الیہ بقولہ ﷺ "اللھم اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرنی بالاستغناء عنک"

چوتھا معنی یہ ہے کہ اللہ کی طرف توجہ کرنا جیسا کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے اے اللہ مجھے اپنی طرف متوجہ کر کے سب سے بے پرواہ کردے، مجھے اپنے آپ سے بے پرواہ کر کے کسی اور کی طرف توجہ کرنے والا نہ بنا۔

یہ معنی اللہ تعالی کے اس ارشاد گرامی میں بھی پایا گیا ہے "رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر"(مفردات راغب)

مخفی صدقہ دینے کی افضلیت پر احادیث مبارکہ:

"اخرج الحمد والترمذی وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیھقی فی الشعب عن انس عن النبی ﷺ قال لما خلق اللہ الارض جعلت تمید فخلق الجبال فالقاھا علیھافاستقرت فتعجبت الملائکۃ من خلق الجبال فقالت یا رب ھل من

Marfat.com

خلقک شئی اشد من الجبال قال نعم الحدید قالت فهل من خلقک شئی اشد من الحدید قال نعم النار قالت فهلمن خلقک شئی اشدمن النار قال نعم الماء قالت فهل من خلقک شئی اشدمن الماء قالنعم الریح قالت فهل من خلقک شئی اشد من الریح قال نعم ابن آدم یتصدق بیمنیهفیبیخفیها من شماله"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ حرکت کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اس پر ڈال دیا تو اسے قرار آ گیا۔ فرشتوں نے پہاڑوں کی تخلیق پر تعجب کیا، تو ملائکہ نے عرض کی اے ہمارے رب کیا تو نے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط کوئی چیز بنائی ہے؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا (ان سے زیادہ مضبوط میں نے بنایا ہے) پھر فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے رب کیا تو نے لوہے سے بھی کوئی مضبوط چیز بنائی ہے تو رب نے فرمایا ہاں پانی۔ پھر فرشتوں نے کہا کیا پانی سے مضبوط اور اشد بھی کوئی چیز بنائی ہے؟ تو رب تعالیٰ نے کہا ہاں ہوا، پھر فرشتوں نے کہا کیا ہوا سے اشد بھی کوئی چیز تو نے بنائی ہے؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا ہاں ابن آدم (انسان) جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو بائیں کو بھی پتہ نہیں چلنے دیتا۔ (درمنثور)

☆ "واخرج البخاری ومسلم والنسائی عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول سبعةیظلهم الله فی ظله یوم لاظل الاظله امام عادل وشاب نشأفی عبادة الله عزوجل ورجل قلبه معلق بالمساجدورجلان تحابافی الله اجتماعا علی ذلک وتفرقا علیه ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف الله ورجلتصدق بصدقة فاخفا ها حتی لاتعلم شماله ماتنفق یمینه ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں لے گا اس دن جس دن اس کی رحمت کے سائے کے بغیر اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، (۱) عدل وانصاف کرنے والا حاکم (۲) اور جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا (۳) اور وہ شخص جس

Marfat.com

کا دل مسجد سے معلق رہے (لٹکا رہے، لگا رہے)

(۴) اور دو شخص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں، اللہ کی رضاء کے لئے ہی جمع ہوں اور اللہ کی رضاء کے لئے ہی جدا ہوں۔

(۵) اور وہ شخص جسے ایک خوبصورت اور ذات منصب عورت دعوت (گناہ) دے تو یہ کہے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(۶) اور وہ شخص جو صدقہ کرے تو چھپا کر کرے یہاں تک کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

(۷) جو شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے کہ اس کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوں (درمنثور)

☆ "واخرج الطبرانی عن معاویہ بن حیدة عن النبی ﷺ قال ان صدقة السر تطفئی غضب الرب"

معاویہ بن حیدہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا چھپا کر صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو ختم کرتا ہے۔

☆ "واخرج ابن ابی الدنیا و البیهقی فی الشعب عن عائشه ان النبی ﷺ قال قرأة القرآن فی الصلوة افضل من قرأة القرآن فی غیر الصلوة و قرأة القرآن فی غیر الصلوة افضل من التسبیح و التکبیر و التسبیح افضل من السدقة و الصدقة افضل من الصوم و الصوم جنة من النار"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا نماز میں قرآن پاک پڑھنا افضل ہے بنسبت نماز کے بغیر قرآن پڑھنے کے۔ نماز کے بغیر قرآن پڑھنا افضل ہے تسبیح وتکبیر سے، اور تسبیح افضل ہے صدقہ سے اور صدقہ افضل ہے روزہ سے اور روزہ (جہنم کی) آگ سے ڈھال (بچاؤ کا ذریعہ) ہے۔ (درمنثور)

☆ "واخرج احمد عن سالم بن ابی الجعد قال خرجت امرأة و کان معها صبی لها فجاء الذئب فاختلسه منها فخرجت فی اثره و کان معها رغیف فعرض لها سائل فاعطته الرغیف فجاء الذئب بصبیها فرده علیها"

Marfat.com

سالم بن ابی الجعد نے فرمایا ایک عورت (گھر سے) نکلی، اور اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا، ایک بھیڑیا آیا جس نے اس کے بچے کو اس سے اچک (چھین) لیا۔ تو وہ عورت اس کے پیچھے دوڑی، اس کے پاس ایک روٹی تھی، راستے میں اسے ایک سائل مل گیا، اس نے وہ روٹی اسے دے دی، (صدقہ کی برکت سے) بھیڑیا اس کے بچے کو واپس لے آیا اور اس عورت پر اس کے بچے کو لوٹا دیا۔ (درمنثور)

☆ "واخرج ابن ماجة عن جابر بن عبد الله قال خطبنا رسول الله ﷺ فقال یاایها الناس توبوا الی الله قبل ان تموتوا وبادروا بالاعمال الصالحة قبل ان تشتغلوا وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرة ذکر کم له وکثرة الصدقة فی السرو العلانیة ترزقوا وتنصروا وتجبروا"

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اور فرمایا اے لوگو مرنے سے پہلے توبہ کرلو، مشغول ہونے سے پہلے (وقت کے ملنے سے پہلے) نیک اعمال میں جلدی کرلو، اور نماز ادا کرلو اس میں تمہاری طرف سے تمہارے رب کا کثیر ذکر پایا گیا ہے۔ اور زیادہ صدقہ ادا کرو خواہ چھپا کر دو یا ظاہر کرکے تمہیں رزق دیا جائے گا اور تمہاری امداد کی جائے گی اور تمہارا جبیرہ بنایا جائے گا۔ (درمنثور)

یعنی صدقہ ذریعہ بنے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق حلال کا، رزق سے مراد یہاں رزق حلال اور پاکیزہ رزق ہے، کیونکہ حرام مال اور ناپاک رزق تو اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی دیتا ہے۔ اور صدقہ ذریعہ بنے گا رب تعالیٰ کی طرف سے تمہاری امداد کا۔ یعنی صدقہ کی برکت سے رب تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا۔ اور صدقہ تمہارے لئے جبیرہ بنے گا۔ جبیرہ کا معنی ٹوٹے ہوئے عضو پر لکڑیاں رکھ کر پٹی باندھنا۔ چونکہ جبیرہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کا ذریعہ بنتی ہے تو اس مناسبت سے یہاں مطلب یہ ہوگا صدقہ تمہارے دلوں کو سکون دے گا، یعنی صدقہ بے قرار دلوں کا قرار ہے، بے چین دلوں کا چین ہے۔ پھر صدقہ تمہارے اعمال میں ترقی کا ذریعہ بنے گا۔

☆ "واخرج الطبرانی عن رافع بن خدیج قال قال رسول الله ﷺ الصدقة تسد سبعین بابا من السوء"

Marfat.com

رافع بن خدیج کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ برائیوں کے ستر دروازے بند کردیتا ہے۔ (درمنثور)

☆ "واخرج ابن ابی شیبة والبخاری ومسلم عن عدی بن حاتم قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ما منکم من احد الاسیکلمه الله لیس بینه وبینه ترجمان فینظر ایمن منه فلایری الاماقدم وینظر أشام منه فلایری الاماقدم وینظر بین یدیه فلایری الاالنار تلقاء وجهه فاتقوا النار ولو بشق تمرة"

عدی بن حاتم فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ایک نہیں ہوگا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے گا، اس بندے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، وہ دائیں طرف دیکھے تو اسے کچھ دکھائی نہیں دے گا سوائے اس کے کہ اس نے جو آگے بھیجا۔ اور بائیں طرف دیکھے گا، وہ سوائے اپنے اعمال آگے بھیجے ہوئے کے کچھ اور نہیں دیکھے گا۔ اور سامنے دیکھے گا اور اسے صرف آگ نظر آئے گی، تم آگ سے بچ جاؤ اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے۔ (درمنثور)

یعنی صدقہ دے کر اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ خواہ وہ صدقہ قلیل ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ صدقہ کی مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ دینے والے کی ہمت اور خلوص کو دیکھا جاتا ہے۔

☆ "واخرج البیهقی عن رجل من اصحاب النبی ﷺ یقال له خصفة بن خصفة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول هل تدرون ماالشدید قلنا الرجل یصرع الرجل قال ان الشدید کل الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب تدرون ماالرقوب قلنا الرجل لایولدله قال ان الرقوب الرجل الذی له الولدلم یقدم منهم شئی، قال تدرون ماالصعلوک قلنا الرجل لامال له قال ان الصعلوک کل الصعلوک الذی له المال یقدم منه شیأ"

نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی جن کو خصفہ بن خصفہ کہا جاتا تھا فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے

Marfat.com

سنا، کیا تم جانتے ہو شدید شخص (بہادر) کون سا ہے؟ ہم نے کہا وہ شخص بہادر ہے جو دوسرے کو گرا دے، آپ نے فرمایا کامل بہادر وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر مالک ہو (یعنی اپنے آپ کو غصہ میں قابو رکھے) پھر آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ''رقوب'' (بے اولاد) کون سا شخص ہے؟ ہم نے کہا ''رقوب'' وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو تو، ۃ آپ نے فرمایا حقیقت میں رقوب وہ شخص ہے جس کی اولاد تو ہو لیکن (ان میں سے بچپن میں کوئی فوت نہ ہوا ہو جو اس کی شفاعت کرے) اس نے ان میں سے کسی کو آگے نہ بھیجا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا ''صعلوک'' (فقیر) کون سا شخص ہے؟ ہم نے کہا وہ شخس ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ''صعلوک'' حقیقت میں وہ شخص ہے جس کے پاس مال تو ہو لیکن اس نے آگے نہ بھیجا ہو۔ (درمنثور)

یعنی حقیقت میں غنی وہ شخص ہے جو اللہ تعالی کی راہ میں مال خرچ کرے، جو اللہ تعالی کی راہ میں مال خرچ نہ کرے وہ مال دار ہونے کے باوجود تنگ دست ہے۔

☆ ''واخرج مسلم عن ابی ذر عن النبی ﷺ انه قال يصبح على كل سلامى من احدكم صدقة فكل تسبيحة صدقة وكل تحميد صدقة وكل تهليلة صدقة وكل تكبيرة صدقة وأمر بالمعروف صدقة ونهى عن المنكر صدقة ويجزئى من ذلك ركعتان يركعهما عن الضحى''

حضرت ابوذر فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا ہر جوڑ صدقہ دینے والا ہو، اور ہر تسبیح صدقہ ہے۔ اور ہر تحمید صدقہ ہے، اور ہر تہلیل صدقہ ہے۔ اور امر بالمعروف صدقہ ہے، اور نہی عن المنکر (برے کاموں سے روکنا) صدقہ ہے۔ اور دو رکعت چاشت کو ادا کرنا ان سب کی طرف سے کفایت کرتی ہیں۔ (درمنثور)

☆ ''عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله ﷺ قال انه خلق كل انسان من بنى آدم على ستين وثلاث مائة مفصل فمن كبر الله وحمد الله وهلل الله وسبح الله واستغفر الله وعزل حجرا عن طريق الناس اوشوكة اوعظما عن طريق الناس

Marfat.com

وامر بمعروف اونهی عن منکر عدد تلک الستین والثلاث مائة السلامی فانه یمشی یومئذ وقد زحزح نفسه عن النار" (مسلم کتاب الزکوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی آدم میں سے ہر انسان کو تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا، جس شخص نے اللہ کی تکبیر کہی، اور اللہ تعالی کی حمد کی، اور اللہ تعالی کی تہلیل بیان کی یعنی لا الہ الا اللہ پڑھا اور اللہ تعالی کی تسبیح پڑھی، اور اللہ تعالی سے مغفرت طلب کی، اور برے کاموں سے روکا تو یہ تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد میں صدقہ ہے، وہ اس راہ پر چلا کہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے بچالیا۔

☆ "عن جریر قال کنا فی صدر النهار عند رسول الله ﷺ فجاء ه قوم عراة مجتابی النمار او العباء متقلدی السیوف عامتهم من مضر بل کلهم من مضر فتمعر وجه رسول الله ﷺ لما رأی بهم من الفاقة فدخل ثم خرج فامر بلالا فاذن واقام فصلی ثم خطب فقال یاایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة "الی آخر الآیة "ان الله کان علیکم رقیبا، والآیة التی فی الحشر اتقوا الله ولتنظر نفس ماقدمت لغد تصدق رجل من دیناره من درهمه من ثوبه من صاع بره من صاع تمرة حتی قال ولو بشق تمرة قال فجاء رجل من الانصار بصرة کادت کفه تعجز عنها بل قد عجزت ثم تتابع الناس حتی رأیت کومین من طعام وثیاب حتی رأیت وجه رسول الله ﷺ یتهلل کانه مذهبة فقال رسول الله ﷺ من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شئی ومن سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من غیر ان ینقص من اوزارهم شئی" (رواہ مسلم، مشکوۃ کتاب العلم)

جریر (بن عبداللہ) کہتے ہیں ہم دن کے اول حصہ (دوپہر) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، آپ کے پاس ایک قوم جو ننگے تھے (ان کا لباس نہیں تھا) وہ اونی چادریں اوڑھے ہوئے تھے، گلے میں تلواریں تھیں، ان کے عام لوگ مضر قبیلہ کے تھے، رسول اللہ ﷺ نے جب ان کے فاقہ (غربت) کو دیکھا تو (آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار

Marfat.com

نمودار ہو گئے) آپ کا چہرہ مرجھا گیا، آپ گھر تشریف لے گئے (گھر کچھ چیز نہ پا کر) واپس آ گئے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا (یہ نماز غالباً ظہر کی تھی) انہوں نے اذان کہی پھر اقامت کہی پھر نماز پڑھی پھر خطبہ دیا پھر یہ آیۃ کریمہ پڑھی۔

"یاایھاالناس اتقواربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھا رجالا کثیر اونساء واتقواالله لذی تسائلون به والارحام ان الله کان علیکم رقیبا"

(سورۃ النساء آیۃ ۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے، پھر آپ نے سورۃ حشر کی یہ آیۃ کریمہ پڑھی۔

"یاایھا الذین امنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ماقدمت لغدواتقو االله ان الله خبیر بماا تعملون"

(سورۃ الحشر آیۃ ۱۸)

اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لئے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

(پھر آپ نے فرمایا) ہر شخص کو (اپنی طاقت کے مطابق) صدقہ کرنا چاہئے خواہ درھم ہوں، خواہ کپڑے۔ خواہ گندم کا ایک صاع ہو، خواہ کھجور کا ایک صاع ہو، یہاں تک آپ نے فرمایا اگر چہ کھجور کا کچھ حصہ بھی دے۔ (آپ کے ارشاد کو سن کر صحابہ کرام اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے) یہاں تک کہ ایک شخص انصار میں سے ایک (درہم وغیرہ سے بھری ہوئی) تھیلی لے آئے، قریب تھا کہ ان کے ہتھیلی (وہ تھیلی اٹھانے سے) عاجز ہو جائے، بلکہ وہ عاجز ہو رہی تھی، پھر لوگ آگے پیچھے آنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر طعام اور کپڑوں کے دیکھے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چمک اٹھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا اسے اس کا اجر ملے گا، اور اس پر بعد میں آنے والے جتنے لوگ عمل کریں گے ان کے عمل کا ثوب بھی اسے حاصل ہوگا اور ان کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس شخص نے اسلام میں برا طریقہ جاری کیا اسے اس عمل کے ایجاد کرنے کا گناہ حاصل ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اسے حاصل ہوگا، جبکہ ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

فائدہ:

"قال العباس بن عبدالمطلب رضی الله عنه لایتم المعروف الابثلاث خصال تعجیله، وتصغیره، وستره، فاذاعجلته هنیته، واذاصغرته عظمته واذاسترته اتممته"

(قرطبی)

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بھلائی کا کام یعنی اللہ کی راہ میں دیا، ہوا مال سوائے تین چیزوں کے مکمل نہیں ہوتا۔ (۱) جلدی کرنا، (۲) تھوڑا سمجھنا (۳) اور پوشیدہ دینا۔

جب تم اللہ تعالی کی راہ میں جلدی مال خرچ کرو گے تو گویا کہ تم نے اچھا مبارک کام کیا، جو تمہارے لئے خوشگوار ہے۔

جب تم نے رب کے حضور خرچ کئے ہوئے مال کو تھوڑا اور حقیر سمجھا تو وہ اللہ تعالی کے حضور عظیم قدر و منزلت والا ہوگا۔ جب تم صدقہ وخیرات کا مال پوشیدہ طور پر دیا تو تم نے کامل طور پر صدقہ کر دیا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

زاد معروفک عندی عظما　　　انه عندک مستور حقیر

تتنا ساه کأن لم تاته　　　وهو عند الناس مشهور خطیر

تمہاری بھلائی، تمہارا ہدیہ میرے نزدیک عظیم ہے۔ بیشک وہ تمہارے نزدیک چھپا ہوا حقیر ہے۔ (کیا) ہم بھول گئے کہ وہ آیا ہی نہیں۔ حالانکہ لوگوں کے نزدیک وہ مشہور اور عظیم ہے۔ (قرطبی)

حکمت: "قال بعض الحکماء اذااصطنعت المعروف فاستره واذااصطنع الیک فانشره"

Marfat.com

بعض حکماء نے بیان فرمای ہے جو تم بھلائی کا کام کرو تو چھپا کر کرو، اور جب تمہیں انتقام لینے پر مجبور کر دیا جائے تو اعلانیہ طور پر انتقام لو، دعبل خزاعی نے کیا خوب کہا:

اذاانتقموا اعلنوا امرھم   وان انعموا انعموا باکتتام

جب تم انتقام لو تو اپنے معاملہ کا اعلان کر دو اور جب تم انعام دو تو انعام چھپا کر دو، سھل بن ہارون نے کہا:

خل اذا جئته یوم اتسأله   اعطاک ماملکت کفاره واعتزرا

یخفی صنائعه والله یظهرھا   ان الجمیل اذا اخفیته ظهرا

جب تو اپنی حاجت لے کر کسی دن اس کے پاس سوال کرنے کیلئے آئے۔ تو وہ تمہیں دے گا جس کے اس کے ہاتھ مالک ہوئے اور عذر پیش کرے گا وہ اپنے بھلائی کے کاموں کو پوشیدہ رکھتا اور اللہ انہیں ظاہر کر دیتا ہے، بیشک اچھے کام کو تم جب پوشیدہ رکھو گے وہ خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔

نفلی صدقہ اغنیاء، ذمی اور خود بھی کھا سکتا ہے:

"ولا یجوز ان یدفع الزکوة الی ذمی لقوله علیه السلام لمعاذرضی الله عنه خذها من اغنیاء هم وردها فی فقراء هم ویدفع الیه ماسوی ذلک من الصدقة لقوله علیه السلام تصدقوا علی اهل الادیان کلها ولو لاحدیث معاذ لقلنا بالجواز فی الزکوة"

(ازهدایة اولین ص ۱۸۵)

زکوۃ ذمی یعنی کافر کو دینا جائز نہیں اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی الہ عنہ کو (جب عامل بنایا تو) فرمایا کہ مسلمانوں کے اغنیاء سے زکوۃ کا مال وصول کرو اور مسلمانوں کے فقراء پر تقسیم کرو، زکوۃ اور صدقہ فطر اور نذر اور کفارات کے ماسواء تمام صدقات نافلہ ذمی یعنی کافر کو دیئے جا سکتے ہیں۔

اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمام دینوں والوں کو صدقہ دو، اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث اس کے معارض نہ ہوتی تو اس حدیث کی رو سے ہم ذمی کو زکوۃ دینے کا حکم بھی ثابت کر سکتے تھے، لیکن حدیث معاذ کے

Marfat.com

معارض ہونے کی وجہ سے صدقات واجبہ کا حکم علیحدہ ہو گیا۔

یہاں سے ہی بہت صراحۃ واضح ہو گیا کہ صدقات واجبہ اور صدقات نفلیہ کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔ ابن ابی حاتم کی روایت کا تعلق بھی صدقات واجبہ سے ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

"ان النبی ﷺ کان یأمرنا ان لانتصدق الاعلی اھل الاسلام" (روح المعانی)

بیشک نبی کریم ﷺ ہمیں حکم فرماتے تھے کہ ہم صدقہ صرف اہل اسلام کو دیں، یعنی صدقات واجبہ صرف مسلمانوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

اور یہی مطلب ہے جو روایت ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

"قال رسول اللہ ﷺ لاتصدقوا الاعلی اھل دینکم"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے اپنے دین والوں کے کسی اور پر صدقہ نہ کریں۔

خیال رہے دونوں روایتیں روح المعانی سے لی گئی ہیں لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے زیر بحث آیۃ کریمہ کو ان دونوں احادیث کے اطلاق کو منسوخ مانا ہے، لیکن راقم کے نزدیک ان دونوں روایات کا تعلق صدقات واجبہ سے ہے، اس طرح منسوخیت کے قول کی ضرورت درپیش نہیں آئے گی۔

تنبیہ: ذمی سے مراد وہ کافر ہیں جو دار اسلام میں مسلمانوں کے حاکم کی اجازت سے رہتے ہوں اور جزیہ ادا کرتے ہوں۔ ہر کافر ذمی نہیں ہیں۔ راقم کے خیال میں آجکل کوئی ذمی نہیں کیونکہ کوئی جزیہ ادا نہیں کرتا، اور نہ ہی ان کو کافر سمجھ کر ان پر وہ احکام شریعہ نافذ کیے جاتے ہیں جو ذمیوں پر جاری ہونے چاہیں، اس لئے راقم آجکل مسلمانوں کے ممالک میں رہنے والے یہود و نصاری، ہنود وغیرہ کو صدقات نافلہ دینے کا بھی قائل نہیں۔

صدقات واجبہ غنی کو دینا منع ہے:

"ولا تدفع الی غنی لقولہ علیہ السلام لاتحل الصدقۃ لغنی" (ھدایۃ اولین ص ۱۸۶)

غنی کو زکوۃ نہ دی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا غنی کیلئے صدقہ (واجبہ) حلال نہیں۔

Marfat.com

زوجہ کو صدقات واجبہ دینا جائز نہیں:

"ولا الی امرأته للاشتراک فی النفع عادة ولاتدفع المرأة الی زوجها عند ابی حنیفة لما ذکرنا وقالا تدفع الیه لقوله علیه السلام لک اجران اجر الصدقة واجر الصلة قاله لأمرأة ابن مسعود وقد سالته عن التصدق علیه قلنا هو محمول علی النافلة"

(هدایة اولین ص ۱۲۶)

خاوند اپنی زوجہ کو زکوۃ نہیں دے سکتا کیونکہ زوجین کے منافع مشترک ہیں، زوجہ اپنے خاوند کو بھی زکوۃ نہیں دے سکتی، وجہ اس کی بھی یہی ہے کہ منافع دونوں کے مشترک ہیں، یہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ البتہ صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ) کے نزدیک زوجہ اپنے خاوند کو زکوۃ دے سکتی ہے، کیونکہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے خاوند کو صدقہ دے سکتی ہوں؟

تو آپ نے فرمایا تمہیں دو اجر حاصل ہوں گے ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے اس حدیث پاک کی وضاحت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے، اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ نفلی صدقہ خاوند اپنی زوجہ کو اور زوجہ اپنے خاوند کو دے سکتے ہیں، لیکن وجوبی صدقہ ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے۔

واضح ہوا کہ نفلی صدقہ اور وجوبی صدقہ کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے، وجوبی صدقہ کے ممانعت والے اقوال سے نفلی صدقہ کی ممانعت ثابت کرنا درست نہیں۔

رشتہ داروں پر صدقہ افضل ہے:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ذکر کی گئی:

"قال علیه السلام افضل الصدقة علی ذی الرحم الکاشح" (بحوالہ هدایة اخیرین ص ۲۵۸)

Marfat.com

نبی کریم ﷺ نے فرمایا عداوت رکھنے والے ذی رحم (قریبی رشتہ دار) پر صدقہ کرنا افضل ہے۔

وانما جعل هذاالتصدق افضل لان التصدق على المحب الصديق يميل اليه النفس لمحبته وصداقته وفى القريب الكاشح المنظور اليه هو معنى القرابة لا غير مع مخالفة نفسه لان نفسه لاتدعو الى التصدق (كفاية)

عداوت رکھنے والے رشتہ دار کو صدقہ دینا افضل اس لئے قرار دیا ہے کہ محبّ، صدیق کی طرف تو اس کی محبت اور صداقت کے پیش نظر انسان کا نفس خود ہی مائل ہوتا ہے کہ اس کو صدقہ دیا جائے، لیکن عداوت رکھنے والے رشتہ دار کی طرف انسان کا نفس تو میلان نہیں کرتا اور صدقہ بھی نہیں دینا چاہتا، لیکن وہ رشتہ داری کی وجہ سے جب صدقہ دے گا تو یہ اس کیلئے افضل ہوگا،

"وعن سليمان بن عامر قال قال رسول الله ﷺ الصدقة على المسكين صدقة وهى على ذى رحم ثنتان صدقة وصلة"

(رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجة مشكوة باب افضل الصدقة)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہی ہے، اور ذی رحم محرم (رشتہ دار) کو صدقہ دینے میں دو چیزیں حاصل ہیں، صدقہ اور صلہ رحمی۔

یعنی عام فقراء اور غرباء کو صدقہ دینے میں ایک ثواب ہے اور رشتہ داروں کو صدقہ دینے میں دو ثواب حاصل ہوتے ہیں۔

فوائد: ابھی تک جو بحث کی گئی ہے اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

☆ میت کے گھر والوں کے پڑوسی اگر کھانا پکا کر ان کو اور ان کے مہمانوں کو کھلائیں تو انہیں دو ثواب حاصل ہوں گے ایک صدقہ کا اور دوسرا پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کا۔

☆ اگر اہل میت کے رشتہ دار انہیں اور ان کے مہمانوں اور غرباء فقراء کو صدقہ کی نیت سے کھانا کھلائیں گے تو انہیں دو ثواب حاصل ہوں گے ایک صدقہ کا اور دوسرا رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے یعنی صلہ رحمی کا۔

☆ میت کے گھر والے "صدقہ" کی نیت سے کھانا پکا کر کھلائیں ثواب حاصل ہوگا، اس میں ان کے رشتہ دار اور

Marfat.com

غرباء، فقراء سب شریک ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے۔

☆ میت کے گھر والے صدقہ کی نیت سے تو کھانا نہ پکائیں، البتہ ہبہ کی نیت سے کھانا کھلائیں باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی مجبوری کو دیکھ کر کھانا کھلائیں کہ یہ اب واپس تو نہیں جاسکتے، اتنے وقت سے بھوکے ہیں تو ایسی صورت میں کھانا کھلانا مباح ہے بلکہ صلہ رحمی کی وجہ سے مستحب کہنا بھی کوئی بعید نہیں۔

☆ وفات کے بعد کھانا کھلانا نفلی صدقہ ہوتا ہے اس میں اہل خانہ خود، اغنیاء اور فقراء غرباء سب شریک ہوسکتے ہیں اغنیاء کے کھانے سے ثواب ضائع نہیں ہوجاتا بلکہ رشتہ داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا ثواب ہی حاصل ہوگا۔

☆ میت کے گھر والے ریاء کاری، نام پیدا کرنے اور شہرت حاصل کرنے کیلئے بطور ضیافت کھانا کھلائیں تو یہ منع ہے۔

☆ مباح یا مستحب کو حرام کہنا جرم عظیم ہے اور ظلم عظیم ہے، اللہ تعالی ایسے جہلاء سے بچائے۔

میت کیلئے پہلے دن صدقہ میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ:

قرآن پاک پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا، صدقہ وخیرات کر کے ایصال ثواب، فقراء کو کھانا کھلانا مستحب ہے، اور فقراء کیلئے پکائے ہوئے کھانے میں اہل خانہ اور ان کے اقرباء اور اغنیاء بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ اہل میت کے پاس آئے ہوئے رشتہ داروں کیلئے میت والوں کا کھانا پکانا اور کھلانا مباح ہے۔ مستحب کو حرام کہنا، یا مباح کو حرام کہنا جرم عظیم ہے اور ظلم عظیم ہے۔ البتہ نمائشی طور پر، ریاء کاری کی غرض سے کھانا پکانا، یا قرض لے کر وسعت سے زائد کھانا پکانے پر خرچ کرنا منع ہے۔

میت کے ورثاء یتامی (چھوٹے نابالغ یتیم بچے) ہوں تو ان کا حصہ علیحدہ کرنے سے پہلے ہی میت کے مال سے ان کے دوسرے رشتہ دار کھانے وغیرہ پر خرچ کریں اور یتامی کا مال بھی اس میں خرچ کردیں اور ان کو ان کا مکمل حصہ نہ دیا جائے تو ایسی صورت میں کھانے وغیرہ پر خرچ کرنا حرام ہوگا۔ پڑوسی یا میت والوں کو رشتہ دار کھانا پکائیں میت والوں کو کھلائیں ان کے آئے ہوئے مہمانوں کو بھی کھلائیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

قرآن پاک پڑھنے والے فی سبیل اللہ تلاوت کریں اور میت والے فی سبیل اللہ کھانا کھلادیں تو یہ دونوں

Marfat.com

امر (تلاوت، کھانا) مستحب ہوں گے۔ ایصال ثواب کی بحث سورۃ بقرۃ کے پہلے رکوع میں دیکھیں۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الحلال ما احل الله فی کتابه والحرام ماحرم الله فی کتابه وماسکت عنه فهو مما عفاعنکم" (ابن ماجة، ترمذی، مشکوۃ کتاب الأطعمة ص ۳۶۷)

اللہ کی کتاب (قرآن پاک) میں جس چیز کو حلال کیا گیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا گیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے وہ تمہیں معاف ہے۔

یعنی حلال و حرام ہونے کیلئے قرآن و حدیث اور اجماع امت سے حرمت کو ثابت کرنا ضروری ہے۔

"ان الاباحة اصل فی الاشیاء ثم بعث نبینا علیه السلام فبین الاشیاء المحرمة بقی ماسواها حلالا مباحا" (نور الانوار مع قمر الاقمار)

بے شک اصل اشیاء میں اباحت ہے (ہر چیز پر عمل کرنا جائز ہے) ہمارے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے حرام چیزوں کو بیان فرمادیا، جن کی حرمت بیان نہیں فرمائی وہ حلال و مباح ہیں۔

مستحب کیا ہے:

"مستحبه ویسمی مندوبا وأدبا وفضیلة ونفلاً وتطوعا، وهو ما فعله النبی ﷺ مرة وترکه أخری، وما أحبه السلف" (در مختار)

مستحب، مندوب، ادب، فضیلت، نفل اور تطوع ایک ہی چیز کے نام ہیں، مستحب وہ ہے کہ جس کو نبی کریم ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو یا سلف صالحین (بزرگان دین) نے اسے محبوب سمجھا ہو۔

تنبیہ: "وما احبه السلف" میں واؤ بمعنی "او" کے ہے۔ بعض فقہاء کرام نے لفظ "او" ہی استعمال کیا ہے۔ جہلاء جو صرف "واؤ" کا معنی اور "او" کا معنی "یا" یاد کر کے علم کے دعویدار ہیں وہ عربی گرائمر پڑھیں۔ جہل مرکب کے مرتکب نہ بنیں۔

علامہ شامی مزید لکھتے ہیں:

"وان لهم یفعله بعد مارغب فیه" نبی کریم ﷺ نے ایک کام پسند فرمایا ہو اور اسے خود نہ کیا ہو وہ بھی مستحب ہے۔

Marfat.com

بلکہ یہ تعریف زیادہ بہتر ہے کیونکہ علامہ شامی فرماتے ہیں

"وقد يطلق عليه اسم السنة وصرح القهستاني بأنه دون سنن الزوائد"

بسا اوقات اسی (مستحب) پر سنت کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے، اور علامہ قہستانی رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ مستحب سنت غیر مؤکدہ سے کم درجہ ہے، کیونکہ سنت غیر مؤکدہ نبی کریم ﷺ کے افعال کو کہا جائے گا۔

جو کام آپ نے کبھی کبھی کیے ہوں زیادہ مرتبہ چھوڑے ہوں وہ سنت غیر مؤکدہ ہیں، اسی طرح جو کام نبی کریم ﷺ نے عادت کے طور پر کیے عبادت کے طور پر نہیں جیسے لباس وغیرہ، کھانے کا طریقہ یہ بھی سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ مستحب تو وہ بھی ہے جسے سنت غیر مؤکدہ کہا جاتا ہے، مستحب تو وہ بھی ہے جو کام نبی کریم ﷺ نے کیا تو نہیں لیکن پسند فرمایا ہو، اور مستحب وہ بھی جو کام سلف صالحین نے کیا ہو۔

مستحب کا حکم: "وحكمه الثواب على الفعل وعدم اللوم على الترك" (شامی ج ۱ ص ۹۱)

مستحب کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور چھوڑنے پر کسی قسم کی کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔

مباح کا حکم: "والمباح غير مطلوب الفعل وانما هو مخير فيه" (شامی ج ۱ ص ۷۸)

مباح پر عمل کرنا نہیں پایا جاتا، بلکہ انسان کو اس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اس کے کرنے یا نہ کرنے پر نہ ثواب ہوتا ہے اور نہ گناہ، جیسے لباس، کھانا وغیرہ۔ انسان اپنی مرضی جیسا لباس پہنے یا جیسا کھانا کھائے وہ مباح ہے، بشرطیکہ شریعت میں جائز ہو۔

حرام کا حکم:

"وهو مالا يحتمل زيادة ولا نقصانا ثبت بدليل لا شبهة فيه ويعاقب بفعله ويكفر بجاحد" (ماحصل من نور الانوار ۱۲۵)

حرام یہ ہے کہ جس میں زیادتی اور نقصان کا احتمال نہ پایا جائے دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس پر عمل کرنے سے گناہ ہو۔ اور حرام کی حرمت کے انکار سے کفر لازم آئے گا۔

Marfat.com

حلال کو حرام سمجھنا:

"ان تحریم الحلال علی وجهین،الاول اعتقاد ثبوت حکم التحریم فیه وهو کا عتقاد ثبوت حکم التحلیل فی الحرام مخظور یوجب الکفر،والثانی الامتناع من الحلال مطلقا اومؤکدا بالیمین مع حله وهذا مباح صرف وحلال محض"

(روح المعانی جلد ۱۴ ص ۱۴۸)

حلال کو حرام بنانے کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ حلال چیز کے متعلق حرام ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، یہ ایسے ہی ہے جیسے حرام چیز کو حلال سمجھا جائے یہ مطلقا منع ہے اور باعث کفر ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ حلال سے رک جانا،حلال کو استعمال نہ کرنا یا قسم اٹھا کر اپنے آپ پر حرام کر لینا یہ مباح ہے،بشرطیکہ وہ حلال چیز پر عمل کرنا باعث عبادت نہ ہو،

مکروہ تنزیہی بھی بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوسکتا:

"لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراهة اذالابدلها من دلیل خاص"

(شامی جلد ۱ ص ۶۱۸)

صرف مستحب کے ترک سے کراہت ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ مکروہ ثابت کرنے کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

خیال رہے کہ اس مکروہ سے مراد "تنزیہی" ہے نہ کہ "مکروہ تحریمی" علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر صراحت کی ہے۔

مقام توجہ: جب مکروہ تنزیہی ثابت کرنے کیلئے بھی خاص دلیل کی ضرورت ہے،صرف زبانی دعوی کافی نہیں تو حرام بغیر دلیل کے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ اور حلال کو حرام سمجھنے کا عقیدہ رکھنا جب منع ہے اور باعث کفر بھی ہے تو حلال کو حرام کہنے والے کون سے دین کی خدمت کر رہے ہیں؟

وہ تو حقیقت میں دین اسلام کا حلیہ بگاڑ کر خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں،اللہ

Marfat.com

تعالیٰ ایسے سیاہ دل جن پر ضلالت کا زنگ لگا ہوا ہے سے بچائے، آمین ثم آمین۔

نبی کریم ﷺ کی کھانے میں شرکت:

"عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله ﷺ وهو علی القبر یوصی الحاضر یقول اوسع من قبل رجلیه اوسع من قبل رأسه فلما رجع استقبله داعی امرأته فأجاب ونحن معه فجئی بالطعام فوضع یده ثم وضع القوم فأکلوا فنظرنا الی رسول الله ﷺ یلوک لقمة فی فیه ثم قال "اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها" فارسلت المرأة تقول یا رسول الله ﷺ انی ارسلت الی النقیع وهو موضع یباع فیه الغنم یشتری لی شاة فلم توجد فارسلت الی جارلی قد اشتری شاة ان یرسل بها الی بثمنها فلم یوجد ارسلت الی امرأته فارسلت الی بها فقال رسول الله ﷺ اطعمی هذا الطعام الاساری"

(رواه ابو داود، والبیهقی فی دلائل النبوة مشکوة باب المعجزات)

عاصم بن کلیب ایک انصاری صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں نکلے (یعنی گھر سے نکل کر ایک جنازہ میں شریک ہوئے) میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ قبر کھودنے والے کو نصیحت کر رہے ہیں کہ قبر کو پاؤں کی جانب سے وسیع کرو (پھر فرمایا) سر کی جانب سے وسیع کرو،

جب آپ (جنازہ سے فارغ ہو کر) واپس لوٹے تو آپ کو اس میت کی عورت کی جانب سے ایک شخص کھانے کی دعوت دینے کیلئے ملا آپ نے اس کی دعوت کو قبول کیا (راوی کہتے ہیں) ہم بھی آپ کے ساتھ چلے طعام لایا گیا، آپ نے ہاتھ کھانے پر رکھا پھر قوم نے اپنے ہاتھ کھانے پر رکھے، سب نے کھانا تناول کرنا شروع کیا، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لقمہ کو اپنے منہ میں ہی گھما رہے ہیں (نگل نہیں رہے) پھر آپ نے فرمایا مجھے اس بکری کے گوشت سے یہ معلوم ہو رہا

Marfat.com

ہے کہ یہ مالک کی اجازت کے بغیر لے گئی ہے، (اس عورت کو جب آپ کے اس ارشاد کے متعلق پتہ چلا) تو اس نے پیغام بھیجا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نقیع کی طرف ایک آدمی کو بھیجا تھا کہ وہاں سے بکری خرید لائے نقیع بکریوں کے بیچنے، خریدنے کی منڈی تھی وہاں بکری مل نہیں سکی، پھر میں نے اپنے پڑوسی کے گھر پیغام بھیجا کہ مجھے قیمۃً بکری خرید دو وہ گھر میں نہیں تھے پھر میں نے اپنے پڑوسی کی عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس نے بکری میری طرف بھیج دی (یعنی وہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر اس کی زوجہ نے دے دی تھی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ طعام قیدیوں کو کھلا دو۔

حدیث پاک سے حاصل ہونے والے فوائد:

(۱) دفن سے فارغ ہونے کے بعد صحابیہ نے کھانے کی دعوت دی جو خصوصی طور پر اسی میت کے ایصال ثواب کیلئے ہی وہ کھانا تیار کرایا گیا تھا۔

(۲) حضور ﷺ نے اس کی دعوت کو قبول فرما کر جواز کا واضح طور پر ثبوت پیش کر دیا اگر میت کے گھر سے کھانا جائز نہ ہوتا تو آپ دعوت کو رد کر دیتے۔

(۳) جنازہ میں شریک ہونے والے تمام صحابہ کرام کھانے کی دعوت میں شریک ہوئے صحابہ کرام کے اعمال تو ہمارے لئے ضابطۂ حیات ہیں۔

(۴) کھانے میں بکری کا گوشت پیش کیا گیا صرف عام ادام یعنی سرکہ یا گھی یا دال وغیرہ پر اکتفاء نہیں کیا گیا۔

(۵) نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے علم غیب عطاء کیا ہے کسی صحابی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر خریدی گئی لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے غیبی امر پر مطلع فرمایا۔

(۶) خاوند کی اجازت کے بغیر خاوند کے مال میں زوجہ تصرف نہیں کر سکتی اگر خاوند کی طرف سے عام اجازت ہو کہ میں گھر ہوں یا نہ ہوں تمہیں میرا مال خرچ کرنے کی عام اجازت ہے تو عورت مال میں تصرف کر سکے گی لیکن پھر بھی واضح طور پر اجازت لینا ہی بہتر ہے عام عرف کے مطابق فقیر کی معمولی معاونت روٹی وغیرہ سے کرنی جائز ہے۔

Marfat.com

(۷) کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر اگر لے لیا گیا تو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

(۸) قیدیوں کو کھانا کھلانے کا حکم حضور ﷺ نے اس لئے دیا تھا کہ اس وقت قیدی کفار اور غریب تھے ان کیلئے وہ کھانا تناول کرنا جائز تھا اسی لئے آپ نے ان کو کھانا کھلانے کے متعلق ارشاد فرمایا۔

(۹) نبی کریم ﷺ شفیق و رحیم تھے کہ اپنی امت کے لوگوں کے جنازہ میں شرکت فرماتے تھے

(۱۰) کوئی شخص صاحب علم ہو قبر کے متعلق مہارت رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ اگر قبر میں کوئی خامی ہو تو وہ مطلع کرے تاکہ اسے صحیح کر لیا جائے۔

تنبیہ : نبی کریم ﷺ کا کھانا تناول نہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ میت کے دفن ہونے کے بعد اسی دن پکا لیا گیا ہے بلکہ وہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر ہی پکالی گی تھی اسی لئے آپ نے وہ کھانا تناول نہیں فرمایا آپ کا دعوت کو قبول کرنا اور یہ نہ فرمانا کہ یہ کھانا میت کے گھر کیوں پکایا گیا ہے یہ نا جائز ہے بس یہی اس کے جواز پر دلیل ہے کیونکہ آپ کا نہ روکنا حدیث تقریری ہے

جنازہ میں شریک ہونے والے تمام صحابہ کرام کی کھانے میں شرکت اور نبی کریم ﷺ کے منع نہ کرنے سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ کھانے میں تمام حضرات کی شرکت جائز ہے حسب طاقت کھانے میں گوشت وغیرہ کا اہتمام بھی جائز ہے

"قال الاحمد بن حنبل رحمه الله فی کتاب الزهد حدثنا هاشم بن القاسم قال ثنا الاشجعی عن سفیان قال قال طاؤس ان الموتی یفتنون فی قبورهم سبعا فکا نوا یستحبون ان یطعمو اعنهم تلک الایام" (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۷۸)

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک فوت شدہ حضرات اپنی قبروں میں سات دن تک آزمائش میں مبتلاء ہوتے ہیں اسی لیے اہل علم نے ان دنوں میں ان کی طرف سے ایصال ثواب کیلئے کھانا کھلانا مستحب سمجھا ہے۔

فتنة الموتی فی قبورهم سبعة ایاماوردها غیر واحد من الائمة فی کتبهم فاخرجها الامام احمد بن حنبل فی کتاب الزهد و الحافظ ابونعیم الاصبهانی فی کتاب الحلیة

Marfat.com

بالا سناد الی طاؤس احد ائمة التابعین واخرجها بن جریج فی مصنفه بالاسناد الی عبید بن عمیر وهوا کبرمن طاؤس فی التابعین بل قیل انه صحابی وعزاها الحافظ زین الدین بن رجب فی کتاب احوال القبور الی مجاهد وعبید بن عمیر فحکم هذه الروایات الثلاث حکم المراسیل المرفوعة" (الحاوی للفتاوی ج۲ص ۱۷۸)

فوت شدہ انسانوں کا قبر میں سات دنوں تک آزمائش میں مبتلاء ہونا کئی ائمہ کرام نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''کتاب الزھد'' میں ذکر کیا ہے (جو روایت اوپر ذکر کی جا چکی ہے) اور حافظ ابونعیم اصبہانی نے ''کتاب الحلیۃ'' میں ذکر کیا ہے ان دونوں حضرات نے تابعین میں سے ایک امام طاؤس سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

حضرت ابن جریج نے اپنی تصنیف میں عبید بن عمیر سے یہی روایت ذکر کی ہے جو تابعین میں سے ہیں اور طاؤس سے بڑے ہیں بعض حضرات نے عبید بن عمیر کو صحابی کہا ہے

حافظ زین الدین رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احوال القبور میں یہ روایت مجاہد اور عبید بن عمیر سے ذکر کی ہے یہ تینوں روایتیں مرسل ہیں لیکن مرفوع حدیث کے درجہ میں ہیں۔ حضرت امام سیوطی رحمہ اللہ ان روایات کے متعلق فرماتے ہیں "هذاله حکم المرفوع اذیستحیل ان یکون مثله رأیا" (الحاوی للفتاوی ج۲ص۱۸۱)

اس روایت کو مرفوع کا حکم حاصل ہے کیونکہ رائے سے ایسا کہنا محال ہے

"ان سنة الطعام سبعة ایام بلغنی انها مستمرة الی الأن بمکة والمدینة فالظاهر انهالم تترک من عهد الصحابة الی الأن وانهم اخذوها خلفا عن سلف الی الصدر الاول"

(الحاوی للفتاوی ج۲ص ۱۹۴)

سات دنوں تک کھانا کھلانے کے متعلق مجھے خبر ملی ہے کہ یہ طریقہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں آج تک جاری ہے (علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہے) ظاہر بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس پر عمل نہیں چھوڑا گیا سلف صالحین سے یہ طریقہ آ رہا ہے مزید

Marfat.com

صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

ورأیت فی التواریخ کثیرا فی تراجم الائمة یقولون "واقام الناس علی قبره سبعة ایام یقرء ون القرآن " (الحاوی للفتاوی ج۲ ص ۱۹۲)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تواریخ میں کثیر ائمہ کرام کے حالات زندگی میں یہ دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں لوگ میت کی قبر پر سات دن تک قائم رہ کر قرآن پاک پڑھتے تھے۔

اس بحث سے واضح ہو کہ میت کے ایصال ثواب کیلئے کھانا کھلانے کا دستور صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ سے آرہا ہے سلف صالحین اور ائمۃ کرام اس پر عمل کرتے رہے لھذا اس فعل کے مستحب ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔

پڑوسی اور دور کے رشتہ دار میت کے گھر کھانا بھیجیں تو بہتر ہے:

ویستحب لجیران اهل المیت والاقرباء الاباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله ﷺ اصنعوا لآ ل جعفر طعام فقد جاء هم ماشغلهم حسنه الترمذی وصححه الحاکم ولأنه برومعروف ویلح علیهم الأکل لان الحزن یمنعهم من ذلک فیضعفون" (شامی ج ۱ ص ۲۶۴)

میت کے گھر والوں کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں (جو بہت قریبی ہونے کی وجہ سے غمزدہ نہ ہوں) کو چاہئے کہ میت کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کریں ان کو رات دن سیر ہو کر کھانا کھلائیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آل جعفر کیلئے کھانا تیار کرو کیونکہ وہ (جعفر کی شہادت کی وجہ سے) مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانا نیکی اور بھلائی کا کام ہے، بلکہ ان کو ان کے پڑوسی اور دور کے رشتہ دار کھانا کھلانے میں کوشش کریں، کیونکہ وہ غمزدہ ہیں، غم ان کو کھانے سے دور رکھے ہوئے ہے، اس طرح ان کے کمزور ہو جانے کا خطرہ ہے۔

فائدہ: غرباء اور فقراء کیلئے کھانا پکایا جائے اور اغنیاء بھی شریک ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

Marfat.com

"قد يقصد بالصدقة على الغنى الثواب وقد حصل " (هداية اخيرين ص ۲۹۳ ،فصل في الصدقة)

کبھی غنی کو صدقہ ادا کرنے میں ثواب کا ارادہ کیا جاتا ہے، وہ حاصل بھی ہو جاتا ہے، لهذا واضح ہوا کہ غنی کا کھانے میں شریک ہونا منع نہیں، کیونکہ یہ صدقات نافلہ ہیں۔

"فان من له نصاب وله عيال كثيرة فالناس يتصدقون عليه على قصد الثواب" (حاشیه هداية)

بے شک وہ شخص جو صاحب نصاب (غنی) ہوتا ہے لیکن اس کے اہل وعیال کثیر ہوتے ہیں اس لئے لوگ اس پر ثواب کی غرض سے صدقہ کرتے ہیں۔

یعنی غنی عیال دار، کثیر اولاد والے شخص کو صدقات نفلیہ دینا جائز ہے بلکہ باعث ثواب ہے، کیونکہ صاحب نصاب ہونے کے باوجود وہ اپنی اہل وعیال کا جائز خرچ پورا کرنے سے عاجز ہے۔

وجہ اختلاف کیا ہے؟

اصل میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو میت کے لئے صدقہ وخیرات اور دعاء کو جائز سمجھتے ہیں۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جو یہ کہتے ہیں صدقات خیرات یہ سب رسوم ہیں، ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک دفعہ نماز جنازہ میں دعاء ہوگئی تو کافی ہے، بار بار دعاء کرنے کا کیا مقصد۔

جائز ماننے والوں کا مقام عجز:

دراصل بات یہ ہے کہ کچھ حضرات یہ کہتے ہیں رب تعالی دعاء قبول کرتا ہے، دعاء کرنے کو پسند کرتا ہے، اور دعاء نہ کرنے کو ناپسند کرتا ہے، اس لئے اس سے زیادہ سے زیادہ مانگو، ہاتھ اٹھا کر اس طرح مانگو کہ پتہ چلے مانگنے والا اپنے عجز کا اظہار کر رہا ہے، اور رب تعالی سے ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہوئے یہ اقرار کر رہا ہے اے اللہ ہر چیز کا تو ہی مالک ہے میں تو سائل ہوں، تیری رحمت کا امیدوار ہوں، تجھی سے مانگتا ہوں۔

جواز کا قول کرنے والے حضرات اپنا موقف ثابت کرنے کیلئے یہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

"عن سلیمان قال قال رسول الله ﷺ از ربكم حيى كريم يستحي من عبده اذا رفع

Marfat.com

يديه اليه ان يردهما صفر " (ترمذی،ابوداؤد،بیہقی،مشکوۃ کتاب الدعوات)

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارا رب حیاء والا ہے (وہ حیاء جو اس کی شان کے لائق ہے) کریم ہے، اللہ کا بندہ جب اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے اللہ تعالی اپنے بندے سے حیاء فرماتا ہے، کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹادے۔

"حكمة الرفع الى السماء انها قبلته ومهبط الرزق والوحي والرحمة والبركة" (مرقاۃ)

ہاتھ اٹھانے میں یہ حکمت ہے کہ آسمان دعاء کا قبلہ ہے، جس طرح نماز کا قبلہ کعبہ شریف ہے نماز میں اس کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے، اسی طرح دعاء کرتے وقت دعاء کے قبلہ یعنی آسمانوں کی طرف ہاتھ اٹھائے، آسمان رزق، وحی، رحمت اور برکت کے نزول کا مقام ہے، اس لئے دعاء ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

"عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ سلوا الله من فضله فان الله يحب ان يسئل وافضل العبادة انتظار الفرج" (ترمذی،مشکوۃ کتاب ادعوات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی سے اس کے فضل کا سوال کرو بیشک اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے افضل عبادت کشادگی کا انتظار ہے۔ (یعنی دعاء سے کشادگی حاصل ہوتی ہے)

"(فان الله)اى لاتصافه بانه كريم منعم وهاب معط غنى مخن باسط " (مرقاۃ)

اللہ تعالی کو کیوں پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اس لئے کہ وہ کریم ہے، انعام عطاء کرنے والا ہے، بخشش کرنے والا ہے، عطاء کرنے والا ہے غنی ہے، غنی کرنے والا ہے، کشادہ رزق کا مالک ہے۔

"عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة" (ترمذی مشکوۃ کتاب الدعوات)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کیلئے دعاء کا دروازہ کھولا گیا ہے اس کیلئے رحمت کا دروازہ کھولا گیا ہے۔

(باب لدعاء)اى بان وفق لان يدعو الله كثيرا مع وجود شرائطه وآدابه" (مرقاۃ)

Marfat.com

جس کیلئے دعاء کے دروازے کھولے جائیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس انسان کو توفیق عطاء فرماتا ہے کہ وہ دعاء کی شرائط اور آداب کو مدنظر رکھ کر دعاء کرے۔

دعاء کے آداب یہ ہیں کہ خشوع وخضوع سے دعاء کی جائے۔ اور دعاء کی شرائط یہ ہیں کہ ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جائے۔

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صلیتم فاخلصوا له الدعاء" (مشکوۃ کتاب الجنائز)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھ لو تو بعد میں جلدی ہی اس کیلئے دعاء کرو،

"قال ابن حضر وصححه ابن حبان" اس حدیث کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کو ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے"

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من لم یسأ ل الله یغضب علیه"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے،

"لان ترک الصلوة تکبر واستغناء وهذا لا یجوز لعبد والمراد بالغضب ارادة ایصال العقوبة" (مرقاۃ)

اس لئے کہ اللہ تعالی سے سوال نہ کرنا علامت تکبر ہے اور رب تعالی سے مستغنی ہونا ہے، یہ بندے کیلئے جائز نہیں کہ اللہ تعالی سے اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھے بلکہ یہ اللہ تعالی کے غضب یعنی اس کے عذاب کا سبب ہے۔

یہ ہے عقیدہ ان لوگوں کا جو صدقات وخیرات اور دعاء اور قرآن پاک پڑھ کر میت کو ثوب پہنچانا جائز سمجھتے ہیں۔

ناجائز کہنے والوں کی خدا سے بے پرواہی:

جو لوگ ناجائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں ایک مرتبہ دعاء ہوگئی اب بار بار دعاء کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے نزدیک رب تعالی سے زیادہ مانگنا اچھا نہیں۔

Marfat.com

بس یہ ہے اختلاف اپنے آپ کو رب تعالی کے حضور عاجز سمجھنے والے دعاء کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مستغنی (بے پرواہ) سمجھنے والے دعاء نہیں کرتے۔

معاملہ قسمت کا: جن لوگوں کی قسمت میں دعاء، قرآن خوانی اور صدقہ وخیرات کا ثواب لکھا ہوتا ہے انہیں اللہ تعالی اپنی رحمت سے یہ توفیق عطاء فرماتا ہے کہ وہ اپنے آباء وجداد اور قرباء کیلئے ایصال ثواب کی محفل کا انعقاد کرتے ہیں، اور ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد ان کیلئے صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ایصال ثواب کا اہتمام کرتے ہیں، اور جن لوگوں کو رب تعالی ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے اور اپنی رحمت دور رکھنا چاہے ان کے دل میں پختہ طور پر یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہ سارے کام ناجائز ہیں۔ بس ملتا وہی ہے جو قسمت میں ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ☆ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۲)

﴿۱﴾

انہیں راہ دینا تمہارے ذمہ لازم نہیں ہاں اللہ تعالی راہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو اچھی چیز دو تو تمہارا ہی بھلا ہے، اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی مرضی چاہنے کے لئے اور جو مال دو تمہیں پورا ملے گا اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے۔

﴿۲﴾

نہیں ہے آپ پر ان کی ہدایت کی تخلیق، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔ اور جو تم خرچ کرو اچھا مال وہ تمہارے نفسوں کے لئے ہی ہے۔ اور تم نہ خرچ کرو سوائے چاہنے اللہ کی رضاء کے۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو مال وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا ۔ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

شان نزول:

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیۃ کریمہ کے چند شان نزول ذکر فرمائے ہیں، یعنی کئی واقعات کے بعد آیۃ کریمہ کا نزول ہوا جو تمام ہی شان نزول ہیں۔ ان میں کوئی تعارض نہیں۔

(۱) اس آیۃ کریمہ کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ذمی کافروں کے فقراء کو صدقہ دے دیا کرتے تھے، جب مسلمانوں میں فقراء کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ " قال رسول اللہ ﷺ لا تتصدقوا الاعلی اھل دینکم" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ اپنے دین والوں کے بغیر کسی اور پر نہ کرو۔

Marfat.com

" فنزلت هذه الآیة مبیحة للصدقة علی من لیس من دین الاسلام "

تو یہ آیۃ کریمہ نازل کی گئی جس میں ان لوگوں کے لئے بھی صدقہ جائز کر دیا گیا جو دین اسلام پر نہیں تھے۔

(۲) نقاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صدقات لائے گئے تو ایک یہودی آپ کے پاس آیا اس نے کہا مجھے بھی صدقہ دیا جائے۔ " فقال النبی ﷺ لیس لک من صدقة المسلمین شئ " تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کے صدقات میں سے تمہارے لئے کوئی چیز نہیں۔

" فذهب الیهودی غیر بعید فنزلت " یہودی ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

" فدعاه رسول الله ﷺ فاعطاه " تو رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو بلا کر صدقہ کا مال دیا۔

(۳) "روی عن ابن عباس انه قال کان ناس من الانصار لهم قرابات من بنی قریظة والنضیر وکانوا لایتصدقون علیهم رغبة منهم فی ان یسلموا اذا احتاجوا فنزلت الآیة بسبب اولئک "

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک انصار کے لوگوں کی بنی قریظہ اور بنی نضیر (یہودی قبائل) سے رشتہ داریاں تھیں وہ ان پر پہلے صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد انصار نے اپنے صدقات ان پر بند کر دیئے اس طمع سے کہ وہ جب محتاج ہوں گے تو اسلام لے آئیں گے، اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔

خیال رہے کہ اس صورت کے لحاظ پر خطاب انصار کے حضرات کو انفرادی انفرادی طور پر ہوگا۔ کہ تم میں سے کوئی فرد ان کو ہدایت نہیں دے سکتا لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔

(۴) بعض مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔

" ان اسماء ابنة ابی بکر الصدیق ارادت ان تصل جدها ابو قحافة ثم امتنعت من ذلک لکونه کافرا فنزلت الآیة فی ذلک "

کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے ارادہ کیا کہ اپنے دادا ابو قحافہ کو صدقہ عطاء کریں، لیکن صدقہ

Marfat.com

کرنے سے رک گئیں خیال کیا کہ وہ تو کافر ہے اسے صدقہ کیوں دوں (ابوقحافہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ) تو اس وقت یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی، یعنی حضرت اسماء کو صدقہ اپنے دادا کو دینے کی اجازت دے دی گئی۔

لیکن خیال رہے کہ اس صورت میں بھی " لیس علیک ھداھم " میں خطاب نبی کریم ﷺ کو نہیں بلکہ یہ خطاب عام ہوگا جو ہر سننے والے کو ہوگا۔

شان نزول کی پہلی دو صورتوں میں " لیس علیک ھداھم " میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوگا۔ جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے۔

" ان مقصد النبی ﷺ بمنع الصدقة انما کان یسلموا ویدخلوا فی الدین فقال اللہ تعالی " لیس علیک ھداھم "

بیشک نبی کریم ﷺ نے غیر مسلموں کو صدقہ دینے سے جو منع فرمایا اس کی وجہ اصل میں یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ وہ لوگ اسلام لے آئیں، دین اسلام میں داخل ہو جائیں تو رب تعالیٰ نے فرمایا" لیس علیک ھداھم " آپ پر لازم نہیں ان کو ہدایت دینا۔ (ماخوذ از قرطبی)

تنبیہ : علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے شان نزول کی دوسری وجہ، یعنی یہودی کو صدقہ دینے کا حکم بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے۔" ثم نسخ اللہ ذلک بآیة الصدقات " پھر یہ حکم آیۃ الصدقات کے نازل ہونے کے بعد (جس میں آٹھ قسم کے لوگوں کو صدقات دینے کا حکم دیا گیا ہے) منسوخ ہو گیا ہے۔

لیکن راقم کہتا ہے کہ منسوخیت کا قول اس وقت ضروری ہے جب اس زیر بحث آیۃ کریمہ میں غیر مسلموں کو فرضی صدقہ دینے کا حکم ہو، یہاں تو نفلی صدقہ دینے کا ذکر ہو رہا ہے جو ذمی غیر مسلموں کو اب بھی دیا جا سکتا ہے، جس کی وضاحت بیان ہو چکی ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ خود بھی یہ بیان کرتے ہیں۔

" قال علماؤنا ھذہ الصدقة التی ابیحت لھم حسب ما تضمنته ھذہ الآثار ھی صدقة التطوع واما المفروضة فلایجزئ دفعھا لکافر ، لقوله علیه السلام " امرت

Marfat.com

ان آخذ الصدقة من اغنیاء کم واردھا فی فقراء کم"

علماء کرام نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ یہ صدقہ غیر مسلموں کو دینا جائز ہے کہ اس سے مراد نفلی صدقہ ہے جو آثار (احادیث، اقوال صحابہ) سے ثابت ہے، لیکن فرضی صدقہ کافروں کو دینا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے اغنیاء سے صدقہ لے کر تمہارے فقراء پر لوٹا دوں"۔

یعنی مسلمانوں کے غنی لوگوں سے ہی لوں اور مسلمانوں کے فقیروں کو ہی دوں۔

"قال ابن المنذر اجمع کل من احفظ عنه من اهل العلم ان الذمی لا یعطی من زکوة الأموال شیأ، ثم ذکر جماعة ممن نص علی ذلک ولم یذکر خلافا"

ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ذمی غیر مسلم کو اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دی جاسکتی، پھر انہوں نے بہت بڑی جماعت علماء کا ذکر فرمایا کہ ان تمام کا یہی قول ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ (ماخوذ از قرطبی)

مقام توجہ:

"وقال ابو حنیفة تصرف الیهم زکوة الفطر، ابن العربی وهذا ضعیف لا اصل له"

بعض لوگوں نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب کر دیا کہ آپ ذمی غیر مسلموں کو صدقہ فطر دینا جائز مانتے ہیں لیکن ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کرنا ہی غلط ہے کیونکہ یہ ضعیف قول ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ایسے ضعیف اقوال آپ کے نہیں ہو سکتے۔ (از قرطبی)

اسی طرح کے بعض اقوال جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ یا آپ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی طرف جو اقوال غلط طور پر منسوب کر دیئے گئے ہیں جو دراصل ان حضرات کے اقوال ہی نہیں۔ ان کو دیکھ کر ہی غیر مقلدین بیہودہ بکواس کرتے رہتے ہیں، کبھی توڑ موڑ کر مسائل کو بیان کر کے جھوٹ کے مرتکب ہو کر اپنے آپ کو لعنت کا مستحق بناتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

اعتراض: اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ہدایت دینے کی نفی فرمادی" لیس علیک ھداھم " آپ پر نہیں ان کو ہدایت دینا، جبکہ دوسری آیات کریمہ میں نبی کریم ﷺ کا ہادی ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔"یا ایھاالنبی انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا ، وداعیا الی اللہ باذنہ وسرا جا منیرا " (سورۃ الاحزاب آیۃ ۴۵،۴۶)

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔

اس آیۃ کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی صفت بشیر ونذیر ذکر کی گئی۔ بشیر ونذیر وہی ہوتا ہے جو ہدایت دیتا ہے۔ پھر آپ کی صفت" داعیا الی اللہ باذنہ " بیان فرمائی گئی۔ یہ بھی یقینی بات ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ کی طرف یعنی اس کے حکم، اس کے دین کی طرف بلائے گا وہ ہدایت دینے والا ہی ہوگا۔ اور ارشاد فرمایا۔ " فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا " "تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے"

نبی کریم ﷺ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، جب وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ بہت زیادہ غمزدہ ہو جاتے تھے رب تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے اتنے زیادہ غمزدہ نہ ہوں کہ اپنی جان کو ہی ہلاکت کے خطرہ میں ڈال دیں۔

اس آیۃ کریمہ سے بھی آپ کا ہادی ہونا واضح ہو گیا، اور بھی کئی آیات کریمہ میں آپ کے ہادی ہونے کا ذکر ہے، تو پھر "لیس علیک ھداھم" میں آپ کے ہادی ہونے کی نفی کا مطلب ہے؟

جواب: اس مقام میں اس ہدایت کی نفی نہیں جسے راہ دکھانا کہا جاتا ہے، انبیاء کرام کے تشریف لانے کا مقصد ہی تبلیغ دین تھا، اسی طرح رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ " یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک "

اے رسول (ﷺ) پہنچا دو جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔

" قال اللہ تعالیٰ (ولکل قوم ھاد) بمعنی مبلغ ودال لھم علی طریق الحق "

Marfat.com

اور رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ہر قوم کے لئے ہادی ہے، اس ہادی سے مراد مبلغ ہے اور ان کی حق راہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔

یہاں جس ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ''لم یکلفک یا محمد ربک بخلق الھدی فیھم'' اے محمد آپ کے رب نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ آپ ان لوگوں میں ہدایت کی تخلیق فرمائیں۔

اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ ہدایت کے دو معنی ہیں، ایک راہنمائی کرنا اور دوسرا دل میں کسی چیز کو جاگزین کر دینا یعنی دل میں قرار دینا۔

" فتحصل ان الھدی یطلق بمعنی الد لالة وھو مکلف به الانبیاء والعلماء "

حاصل کلام یہ ہے کہ بیشک ہدایت کا ایک معنی یہ ہے، دلالت کرنا، راہنمائی کرنا، اس معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام اور علماء کرام کو ہدایت حاصل ہے کہ وہ سیدھی راہ کی راہنمائی کرتے ہیں۔

" وبمعنی ایصال الخیر للقلب وھو لم یکلف به احد "

ایک اور معنی یہ ہے کہ خیر کو دل تک پہنچانا، یعنی دل میں ہدایت کو پیدا کرنا، اس معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام کو ہدایت کا مکلف نہیں بنایا گیا۔

اسی لئے رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ " انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء " بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے (منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتے) جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کا خالق ہے اور دل میں خیر کو پہنچانے والا ہے اور منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور انبیاء کرام اور علماء کرام راہنما ہیں۔ حقیقت میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نور کا ظہور ہے، اسی کا عکس ہے، اسی کی جلوہ گری ہے، اگرچہ بظاہر اس نے اپنی مرضی سے رحم و کرم کرتے ہوئے اپنی جلیل القدر ہستیوں کو ہادی بنا دیا۔

اذا مارأیت اللہ فی الکل فاعلا　رأیت جمیع الکائنات ملاحا

وان لم تری الا مظاھر صنعه　حجبت فصیرت الحسان قباحا

Marfat.com

جب تو اللہ تعالیٰ کو ہر چیز میں فاعل دیکھے گا۔تو تمام کائنات میں اسی کی جلوہ گری دیکھے گا۔اور اگر تو نے صرف ظاہری اسباب کو دیکھا۔تو تو اپنے آپ پر پردہ چھادے گا اور حسین چیزیں بھی تیرے نزدیک قبیح ہوں گی۔

(الماخوذ من الصاوی)

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے " لیس علیک ھداھم " کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے۔

" لا یجب علیک ان تجعل الناس مھدیین "

ان الفاظ کی مزید وضاحت شیخ زادہ رحمہ اللہ نے یوں بیان کی۔

" بان تو فقھم علی الا ھتداء او بأن تخلق فعل الا ھتداء فیھم و انما ذلک فی ید من له الخلق و الأمر "

ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے" کہ آپ پرلازم نہیں کہ آپ لوگوں کو ہدایت کی توفیق عطاء فرمائیں، یا معنی یہ ہے کہ آپ ان کے دلوں میں ہدایت کا فعل پیدا نہیں کرسکتے۔تخلیق کا فعل تو صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ وہی خالق ہے اور تمام امور اسی کے قبضہء قدرت میں ہیں۔

اب بیضاوی اور شیخ زادہ کی مجموعی عبارات کے مطلب کو بھی سامنے رکھیں اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اور راقم کے تراجم کو بھی دیکھیں تو انشاء اللہ خوب نظر آئیں گے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ " لیس علیک ھداھم "انہیں راہ دینا تمہارے ذمہ لازم نہیں راقم کا ترجمہ یوں ہے"نہیں ہے آپ پر ان کی ہدایت کی تخلیق"۔

نبی کریم ﷺ کو جو ہدایت حاصل ہے اسے علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا۔

" وانما علیک الارشاد والحث علی المحاسن والنھی عن القبائح کالمن والاذی وانفاق الخبیث "

آپ پر لازم ہے کہ آپ لوگوں کو سیدھی راہ دکھائیں۔اور ان کو اچھے کاموں پر ابھاریں، اور اچھے کاموں کی ان کو رغبت دلائیں، اور برے کاموں سے ان کو روکیں۔خاص کر کے آیۃ کریمہ کے سیاق وسباق سے واضح ہے کہ

Marfat.com

آپ کو حکم دیا گیا کی ان کو مال خرچ کر کے احسان جتلانے اور اذیت پہنچانے سے منع فرمائیں، اور خبیث (ناپاک، حرام) مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ان کو منع کریں۔

تنبیه : شان نزول کی دو وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ ''لیس علیک هداهم'' میں خطاب خاص نبی کریم ﷺ کو ہے اور دو وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ خطاب عام لوگوں کو ہے، لیکن حقیقت میں خطاب عام ہے۔

''ظاهر قوله (لیس علیک هداهم) خطاب مع النبی ﷺ ولکن المراد به هو امته''

اگر چہ بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لیکن حقیقت میں آپ کے ساتھ آپ کی امت بھی مراد ہے۔

کیونکہ ''ان تبدوا الصدقات'' میں بھی خطاب عام ہے۔ اور '' وما تنفقوا من خیر فلانفسکم '' میں بھی خطاب عام ہے۔ '' ویفهم من عموم ما قبل الآیة وعموم ما بعد ها عمومها ایضا '' آیۃ کریمہ کے ماقبل اور مابعد آیات کے عموم سے اس آیۃ کریمہ کا عموم واضح ہو گیا۔ (کبیر)

''ولکن الله یهدی من یشاء'' ''لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے۔''

'' یعنی ان الله تعالی یوفق من یشاء فیهدبه الی الاسلام وارادبا لهدایة هناهدایة التوفیق ''

یعنی اللہ تعالی جسے چاہے اسلام کی طرف ہدایت کی توفیق عطاء فرما دیتا ہے، یہاں ہدایت سے مراد توفیق دینا یعنی ہدایت کی تخلیق فرمانا۔ (خازن)

گنہگار کو صدقہ دینا۔

''عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ قال رجل لأتصدقن اللیة بصدقة، فخرج بصدقته فوضعها فی یدزانیة فا صبح الناس یتحدثون تصدق علی زانیة، فقال اللهم لک الحمد علی زانیة، لا تصدقن اللیلة بصدقة، فوضعها فی یدغنی فاصبحوا یتحدثون تصدق علی غنی، قال اللهم لک الحمد علی غنی، لا تصدقن اللیلة

Marfat.com

بصدقة فخرج فوضعها فی ید سارق فاصبحوا یتحدثون تصدق اللیلة علی سارق فقال اللھم لک الحمد علی زانیة وعلی غنی وعلی سارق فأتی فقیل له اما صدقتک فقد قبلت واما الزانیة فلعلھا ان یستعتف بھا عن زنا ، ولعل الغنی یعتبر فینفق مما اعطاء الله ولعل السارق ان یستعتف بھا عن سرقة . (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک شخص نے کہا میں اس رات کوضرور بضرور صدقہ کروں گا۔ وہ صدقہ (کا مال) لے کر نکلا تو اس نے زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ صبح لوگ باتیں کرنے لگے کہ صدقہ ایک زانیہ عورت کو دے دیا گیا ہے۔ تو اس شخص نے کہا اے اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہی ہیں زانیہ پر (یعنی میں نے رات کی تاریکی میں صدقہ تو زانیہ عورت کو دے دیا ہے) پھر اس نے کہا کہ آج رات میں ضرور بضرور صدقہ کروں گا۔ اس نے وہ مال غنی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ صبح لوگ باتیں کرنے لگے کہ غنی کو صدقہ دے دیا گیا ہے۔ اس شخص نے کہا اے اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں غنی پر (یعنی رات کی تاریکی میں، میں نے صدقہ غنی کو دے دیا ہے) پھر اس نے کہا آج رات میں ضرور بضرور صدقہ کروں گا، وہ رات کو صدقہ (کا مال) لے کر نکلا تو اس نے وہ چور کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ صبح لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات کو صدقہ چور کو دے دیا گیا، تو اس نے کہا اے اللہ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں زانیہ پر، غنی پر، چور پر (صدقہ کر دیا گیا ہے) تو اسے (غیبی آواز آئی) تیرا صدقہ میں نے قبول کر لیا، ہوسکتا ہے زانیہ اس صدقہ کی وجہ سے آئندہ زنا سے بچ جائے۔ اور ہوسکتا ہے غنی عبرت پکڑے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے وہ اسی کی راہ میں خرچ کرے، اور ہوسکتا ہے کہ چور اسی صدقہ کی وجہ سے چوری سے باز آ جائے۔ (صابونی)

خیال رہے کہ صدقہ سے مراد حدیث پاک میں نفلی صدقہ ہوسکتا ہے کیونکہ فرضی صدقہ غنی کو نہیں دیا جا سکتا۔

تنبیہ : اگرچہ احکام القرآن للجصاص میں ہے کہ جو صدقات امام وصول کرتا ہے وہ ذمی کفار کو نہیں دیئے

Marfat.com

جاسکتے اور جو امام وصول نہیں کرتا وہ ذمی کفار کو دیئے جاسکتے ہیں، لہٰذا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صدقہ فطر، نذر اور کفارہ کا مال ذمی کفار کو دیا جاسکتا ہے۔ لیکن صحیح قول وہی ہے جو پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ابن عربی رحمہ اللہ نے اس کی قول کی منسوبیت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف غلط قرار دی ہے۔ لہٰذا صدقات واجبہ کوئی بھی ہوں ذمی کفار کو نہیں دیئے جاسکتے۔ جب ذمیوں کو نہیں دیئے جاسکتے تو حربی مشرکین کو دینا تو یقیناً ناجائز ہے، کیونکہ حربیوں کو تو نفلی صدقات دینا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ : ہندوستان دارالاسلام ہے کیونکہ یہ افغانستان سے ملحق ہے اور یہاں روزہ نماز وغیرہ بہت سے ارکان اسلامی کی آزادی ہے مگر یہاں کے کفار سب حربی ہیں انہیں کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں خواہ فرضی ہو یا نفلی ہو۔ (نعیمی)

وما تنفقوا من خير فلا نفسكم "

''اور جو تم خرچ کرو اچھا مال تو وہ تمہارے نفسوں کے لئے ہے۔''

" من خير " من نفقه معروفة او المراد بالخير المال" (مظهری) "قليلا كان او كثيرا" (صاوی)

یعنی " خیر " سے مراد پاکیزہ اور اچھا مال ہے۔ یا مطلقاً مراد مال ہے۔ " خیر " پر تنوین تقلیل کے لئے ہے۔ خواہ قلیل ہی ہو کثیر خود بخود سمجھ آرہا ہے " فلانفسکم " (وہ تمہارے نفسوں کے لئے ہے)

" فهو لانفسكم لا ينتفع به غيركم فلا تمنوا به على الناس ولا تؤذوهم بالتطاول عليهم "

یعنی جو مال تم خرچ کرو گے اس کا نفع یعنی اجر و ثواب تمہیں ہی حاصل ہونا کسی اور کو تو نہیں حاصل ہونا، اس لئے مال خرچ کر کے لوگوں کو احسان نہ جتلاؤ اور نہ ہی ان پر کسی قسم کی زیادتی کر کے ان کو ایذاء پہنچاؤ۔ (مدارک)

احسان جتلانے اور تکلیف دینے یعنی ایذاء پہنچانے سے صدقہ کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے، اس لئے اپنے صدقات ضائع نہ ہونے دے بلکہ نفع حاصل کرے۔

" من خیر " سے اور یہ فائدہ حاصل ہوا گویا کہ رب تعالیٰ نے یہ حکم بھی اسی کے ضمن میں دے دیا " ولا

Marfat.com

تنفقوا لخبیث " تم خبیث مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، یعنی حرام مال، ناپاک مال اور ردی مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ (ماخوذ از مظہری)

" وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله "

'' اور تم نہ خرچ کرو سوائے چاہنے اللہ کی رضاء کے۔''

خیال رہے کہ اگر ان الفاظ مبارکہ میں تذکرہ صحابہ کرام کا ہو تو ترجمہ اعلیٰ حضرت اور پیر محمد کرم شاہ رحمہما اللہ کا ہی درست ہے، کیونکہ صحابہ کرام کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے تھا، وہ جو بھی کام کرتے تھے اس میں ان کا مقصد یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ لیکن راقم کے خیال میں یہ خطاب عام ہے جو تا قیامت آنے والے مؤمنین کو ہے، اس کے مطابق ترجمہ یہ درست ہوگا '' اور تم نہ خرچ کرو سوائے چاہنے اللہ کی رضاء کے''

اعلیٰ حضرت اور حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہما اللہ کا ترجمہ پہلے قول کے مطابق ہے، راقم نے دوسرے قول کے مطابق ترجمہ کیا ہے کیونکہ راقم کا ذہن دوسرے قول کی طرف زیادہ متوجہ ہے۔ کیونکہ زیادہ مفسرین کرام نے جو ذکر فرمایا ہے اسے ذکر کیا جا رہا ہے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

''خبر بمعنی نهی " راجع للجملة الثانية اى فهى خبرية لفظاانشائية معنى "

" وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله " بظاہر جملہ خبریہ ہے، لیکن معنیٰ انشائیہ ہے، اس لئے اس کا معنی یہ ہے '' نہ خرچ کرو سوائے چاہنے اللہ کی رضاء کے''

چونکہ جلالین میں مطلقاً '' خبر بمعنی نہی '' تھا، تو صاوی میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ اس کا تعلق دوسرے جملے " وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله " سے ہے، پہلے جملہ' وما تنفقوا من خير فلا نفسكم " سے نہیں۔

فائدہ جلیلہ:

'' وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله " میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے۔

Marfat.com

" والمعنی لا تجعلوا انفاقکم الا خالصا لوجه الله لا لغرض آخر لا دینوی ولا اخروی وھذا ھو المقام الأعلی "

کہ اس سے مراد یہ معنی لیا جائے "تم نہ خرچ کرو سوائے اللہ کی رضاء چاہنے کے، اس میں کوئی اور غرض نہ ہو نہ دنیاوی اور نہ اخروی، یہی مقام اعلیٰ درجہ کا ہے کہ اس میں توجہ صرف رب تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، نہ یہ مقصد کہ دنیا میں میری تعریف ہو کہ یہ بڑا سخی ہے، اور نہ ثواب حاصل ہونے کی طرف توجہ ہو۔ بلکہ صرف یہ مدنظر ہو کہ اے اللہ تو راضی ہو جا۔ جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو ثواب خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے۔ " او لا تقصدوا لاوجه الله بمعنی ثوابه وھذا ادنی منه "

یہ معنی یہ ہو کہ تم نہ خرچ کرو سوائے رب کی رضاء چاہنے کے یعنی تمہاری نظر میں یہ ہو کہ مجھے اس سے ثواب ہو جائے۔ لیکن یہ مقام پہلے مقام سے گھٹیا ہے کیونکہ اس میں خالص اللہ کی رضاء نہیں پائی گئی بلکہ ثواب حاصل کرنے کی غرض پائی گئی ہے۔

بظاہر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جلالین میں تو دوسری صورت کو ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ " وجه الله " کے بعد " ثوابه " ذکر کیا گیا۔ جب یہ دوسری صورت گھٹیا ہے تو مفسر رحمہ اللہ صرف اسی کو ذکر کیوں کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے۔

" وارتکبه المفسروان کانت الآیة محتمله لھما بالنظر لأخلاق العامة "

مفسر رحمہ اللہ نے ادنیٰ صورت کو ہی ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے حالانکہ دو احتمال تھے اعلیٰ صورت کو ذکر نہیں کیا، عام لوگوں کے اخلاق کو دیکھ کر کیونکہ عام لوگ ثواب کی ہی نیت کرتے ہیں، خواص لوگ تو بہت کم ہوتے ہیں جن کے نزدیک صرف رب تعالیٰ کی رضاء مندی مقصود ہوتی ہے ثواب کی بھی وہ نیت نہیں کرتے۔ (ماخوذ از صاوی)

"وما تنفقوا من خیر یوف الیکم"

"اور جو تم خرچ کرو مال وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا۔"

اور جو مال تم خرچ کرو وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، البتہ پاک اور حلال ہو۔ " (یوف الیکم) ثوابه اضعا فا

Marfat.com

مضاعفة ''تو تمہیں اس کا ثواب کئی گنا زائد مکمل طور پر دیا جائے گا۔ یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی'' وما تنفقوا من خیر فلانفسکم '' جو مضمون سمجھ آ رہا ہے وہی '' وما تنفقوا من خیر یوف الیکم '' میں بیان کر دیا گیا ہے
۔

اور یا یہ جملہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آپ نے یہ دعاء فرمائی' اللھم اجعل لمنفق خلفا ولممسک تلفا '' اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس مال کے بدلے اور مال عطاء فرما اور نہ خرچ کرنے والے کے مال کو برباد کر دے۔ تو گویا کہ اس جملہ میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جو مال تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہیں اور مال عطاء کر دے گا۔ (بیضاوی)

لفظ '' الی ''کا فائدہ

'' یوف ' کے بعد '' الیکم '' ذکر فرمایا اس لئے کہ اس میں '' اداء ' کا معنی پایا گیا ہے جس کے بعد' الی آتا ہے۔ اب معنی یہ ہو گیا کہ وہ تمہیں پورا پورا ادا کر دیا گیا۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

جیسا کہ آپ تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی میں پڑھ چکے ہیں کہ تاسیس (یعنی نیا معنی لینا) زیادہ بہتر ہے بنسبت پہلا معنی ہی دوسرے جملہ سے مراد لینے کے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ اس ضابطہ کو بھی دیکھ کر یہی سمجھ آتا ہے کہ تینوں جملوں کا معنی علیحدہ علیحدہ مراد لینا بہتر ہے۔

اور قاضی محمد ثناء اللہ مظہری رحمہ اللہ نے دوسرا ضابطہ بھی ذکر فرمایا کہ اگر تاکید والا بہتر ہوتا تو تینوں جملوں میں حرف عطف نہ آتا۔ حرف عطف جب تینوں جملوں میں آیا ہوا ہے تو یہ مغائرت پر دلالت کر رہا ہے۔ لہٰذا ہر جملہ کا علیحدہ علیحدہ مقصد لینا ہی بہتر ہے۔

(۱) '' وما تنفقوا من خیر فلانفسکم '' فان الجملة الأولى تدل على ان المنة على الغير بما فيه منفعة لكم قبيح ''

Marfat.com

یعنی رب تعالیٰ کے ارشادگرامی' وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم "(اور جوتم خرچ کرو اچھا مال وہ تمہارے اپنے نفسوں کے لئے ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے مال خرچ کرنے کا نفع تمہیں ہی حاصل ہونا ہے تو احسان جتلانا بہت برا طریقہ ہے۔

(۲) " وما تنفقون الاابتغاء وجه الله "والثانية على ان المنة على الفقير با لذى يبتغون به وجه الله طلب عوض من غير من هوله "

اللہ تعالیٰ کے ارشادگرامی " وما تنفقون الاابتغاء وجه الله "(اور تم نہ خرچ کرو سوائے چاہنے رب کی رضاء کے) کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ "تم نہ خرچ کرو سوائے چاہنے رب کی رضاء کے" تو پھر اگر تو نے فقیر پر احسان جتلایا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم رب تعالیٰ کے بغیر اوروں سے بدلہ طلب کررہے ہو کہ فقیر پر احسان جتلاؤ اور وہ تمہیں بدلہ دے، یہ بہت حقیر چیز کی طلب ہے۔

(۳) "وما تنفقوا من خير يوف اليكم " والثالثة بأنه منة على الغير بما تأخذون العوض منه اضعافا مضاعفا "

رب تعالیٰ کے ارشادگرامی " وما تنفقوا من خير يوف اليكم " (اور جوتم اچھا مال خرچ کرو وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا) جب تمہیں رب تعالیٰ نے تمہارے خرچ کئے ہوئے مال کا بدلہ کئی گنا زیادہ عطاء کرنا ہے تو پھر فقیر کو احسان جتلا کر اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو۔ بدلہ تو چیز کا ایک مرتبہ حاصل کیا جاتا ہے بار بار سودے کی قیمت نہیں طلب کی جاتی۔ (مظہری)

ان معانی کے لحاظ پر رب تعالیٰ کے تینوں ارشادگرامی کا علیحدہ علیحدہ مطلب واضح ہوگیا۔ جسے تاسیس کہا جاتا جو تاکید سے بہتر ہے۔

"وانتم لا تظلمون" "اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

"ای لا تنقصون من ثواب اعمالکم" (مظهری)

Marfat.com

یعنی تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا اجر وثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا، اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ جو معنی تفسیر مظہری سے نقل کیا گیا ہے وہی معنی تقریبا تمام تفاسیر نے بیان کیا ہے یعنی "وانتم لا تظلمون" کا مرادی معنی یہی ہے، اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق بہت خوبصورت ہے" اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے"

راقم نے لغوی طور پر ترجمہ کیا ہے اگرچہ مراد وہی ہے جو تفاسیر نے بیان کیا ہے۔ درحقیقت راقم کا ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن سے نقل کیا گیا ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ:

راقم کی کتاب تسکین الجنان سے گذشتہ آیۃ کے متعلق اقتباس:

" او نذرتم من نذر " یا قبول کرو گے کوئی منت۔ (محمود الحسن صاحب)

" او نذرتم من نذر " یا قبول کرو گے کوئی منت۔ (شاہ عبدالقادر صاحب)

" او نذرتم من نذر " یا منت مانو۔ (اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ)

نذر کا معنی منت کو قبول کرنا کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا "نذر وصول کرنا" لیکن یہاں پورا مفہوم ماقبل کا اور ان الفاظ مبارکہ کا یہ ہے اللہ کی راہ میں جو مال تم خرچ کرو (زکوۃ، صدقات) یا نذر مانو بے شک اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (تمہیں جزا دے گا) اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ظالموں سے مراد زکوۃ نہ دینا، نذر کو پورا نہ کرنا، یا مال ناجائز کاموں میں خرچ کرنا، یا معاصی کی نذر ماننا۔ اب اس وضاحت کے بعد تفاسیر کو دیکھیں۔

"(او نذرتم من نذر) بشرط اوبغير شرط في طاعة او معصية (فان الله يعلمه) فيجازيكم عليه"

یعنی تم کوئی نذر مانو شرط سے معلق ہو یا نہ ہو خواہ نذر نیک کام کی ہو یا بد کی، اللہ تعالیٰ اس کا اسی کے مطابق بدلہ دے گا۔

Marfat.com

"(او نذرتم من نذر) فی طاعة الله اوفی معصیته(فان الله یعلمه) لا یخفی علیه وهویجازیکم علیه "(مدارک)

یعنی کوئی نذر تم مانو نیک کام میں ہو یا معصیت میں اللہ پر مخفی نہیں وہ تمہیں اس کا ایسا ہی بدلہ دے گا۔

اب بخوبی واضح ہو گیا کہ "منت ماننا" ترجمہ اس مقام کے مناسب ہے، "منت قبول کرنا" مناسب نہیں۔

(تسکین الجنان ص ۷۹، ۸۰)

☆☆☆☆☆

درسِ نظامی کے مقاصد:

یہ مقالہ ایڈیٹر نوائے وقت کے ایک اداریہ کے جواب میں ہے۔

۲۷/جنوری ۱۹۷۵ء کے "نوائے وقت" میں مدارس عربیہ کو سرکاری تحویل میں لینے کے متعلق ایڈیٹر صاحب نے جو اداریہ سپرد قلم کیا ہے۔ وہ یقیناً معلومات افزا ہونے کے ساتھ ساتھ کئی افراد کے نہاں خانہ دل کی آواز بھی تھی۔ چند باتوں میں اختلاف کے باوجود میں کہہ سکتا ہوں کہ اس اداریہ میں آپ نے جمہور کی ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔

حقیقت یہی ہے مدارس عربیہ کو تحویل میں لینے کی تجویز (جو زیرِ غور تھی یا اب ہے کیونکہ حکومت کی وضاحت کے باوجود امکان بدستور باقی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ شوشہ چھوڑ کر عامۃ المسلمین کے ردِ عمل کا جائزہ لینا مقصود ہو) سیاسی مقاصد کی تکمیل کی غمازی کرتی ہے۔ آپ سے زیادہ کون اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ ملک کے سربرآوردہ گروہ علماء، مشائخ، اخبارات اور کارخانہ دار اور جاگیردار ہوتے ہیں۔ زرعی اصلاحات کے تحت جاگیرداروں کو ذلیل کیا گیا اور مالک و مزدور کو باہم دست و گریباں کر کے کارخانوں کی زندگی تہ و بالا کی گئی۔ اگر ان اصلاحات کا مقصد غریبوں اور کسانوں کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہوتا اور غربت و افلاس کے ہاتھوں پسے ہوئے انسانوں کی فلاح و نجات پیشِ نظر ہوتی تو آج روزمرہ کی ضروری اشیاء دُرِّ نایاب نہ بن جاتیں۔

مشائخ کے سر پر محکمہ اوقاف کو مسلط کیا گیا، سچی اور برمحل تنقید کرنے والے اخبارات کے اشتہار بند کر کے انہیں معاشی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ یہ گروہ مجبور ہو کر تخت نشینانِ اقتدار کی ہم نوائی پر آمادہ ہو جائیں۔

Marfat.com

رہے علمائے کرام جن کی اکثریت ملک میں اُٹھنے والی تقریباً کی روح رواں ہوتی ہے جو پُر آشوب اور سنگین ترین حالات وتاریک حجروں میں بھی حق کی قندیل روشن رکھتے ہیں، جو تنگ وتاریک حجروں میں رہ کر اور خستہ وشکستہ چٹائیوں پر بیٹھ کر اپنوں اور بیگانوں کی ملامت کے تیر سہہ کر بھی پرچم اسلام بلند رکھتے ہیں اور قوتِ لایموت پر بسر اوقات کے باوجود حکمرانوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر حق کو حق کہتے اور چمکتے ہوئے آفتاب کو شبِ دیجور کہنے والوں کو سرِ عام بے نقاب کرتے ہیں۔ اب بعض مشیرانِ باتدبیر نے اُن کا دانہ پانی بھی سرکار کے ہاتھ میں دینے کا ارادہ کیا ہے۔ تاکہ ان کا وقار بھی ''اوقافیوں'' کی طرح خاک میں مل کر رہ جائے اور عوام میں ان کی حیثیت بھی ایک وظیفہ خوار ملازم کی رہ جائے۔

آپ کے آگے چل کر مدارسِ عربیہ کے موجودہ نصاب کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے چونکہ بندہ کو شدید اختلاف ہے، اس لیے چند باتیں گوش گذار کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

آپ نے کہا کہ ''اس وقت پاکستان میں قائم دینی مدارس کا نصاب بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے ایک ہزار سالہ پُرانے نصاب کا چربہ ہے'' مجھے حیرت ہے کہ آپ کو یہ شدید مغالطہ کیسے ہوا۔ موجودہ نصاب میں بعض کتب ایسی بھی شامل ہیں کہ جامعہ نظامیہ بغداد کے قیام کے وقت ان کے مصنف پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور مروّجہ نصابی کتب کے مصنفین وشارحین اور ان محشی حضرات کی اکثریت بَرِّصغیر ہندوک پاک سے تعلق رکھتی ہے۔ آخر اہلِ بغداد کو کیا پڑی تھی کہ وہ علماءِ عرب کی تصانیف چھوڑ کر ہندوستان کے علماء کی کتب اپنے نصاب میں شامل کریں۔ دراصل موجودہ نصاب کو مولانا بحر العلوم رحمہ اللہ تعالیٰ (جو ایک جید عالم دین اور میدان منقول کے شاہسوار تھے) کے والدِ ماجد جناب مولانا نظام الدین سہالوی نے مرتب کیا تھا اور اسے تقریباً اڑھائی سو سال کا عرصہ ہوا ہے، آپ لکھنو کے قرب وجور میں رہنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نصاب کو درسِ نظامی سے موسوم کیا جاتا ہے اور نصاب کو مولانا نظام الدین کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ شاید فاضل موصوف کو درس نظامی کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے اُنہوں نے سمجھا ''نظامی'' ''مدرسہ نظامیہ بغداد کی طرف منسوب ہے۔

آپ نے درس نظامی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت کا بھی ذکر کیا ہے۔ کسی مسئلہ پر

Marfat.com

اظہارِ خیال کرنے سے پہلے اگر ان لوگوں سے تبادلہ خیال کر لیا جائے جو اُس سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور جن کا وہ صبح وشام کا مشغلہ ہے، تو یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ مدارس عربیہ کے نصاب پر تبصرہ کرتے وقت اس بات کا ذہن نشین ہونا نہایت ضروری ہے کہ درس نظامی کے مقاصد کیا ہیں؟ کن اغراض کے پیش نظر یہ نصاب مرتب کیا گیا ہے؟ اور مرتبین نے کن ضروریات کو پیش نظر رکھ کر ان کتب کا انتخاب کیا تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ آیا آج بھی ہمیں ان مقاصد واغراض کی حصول کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا اس نصاب کے علاوہ بھی کوئی علم معاون ہوسکتا ہے؟ اگر مدارس عربیہ کے نصاب مقصد ایٹم بم بنانا، ہوائی جہاز تیار کرنا اور میزائل ایجاد کرنا ہوتا، تو پھر بلاشبہ یہ کہنا بجا تھا کہ درس نظامی سے فارغ ہونے والے جدید علوم سے ناآشنا ہیں اور یہ اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر پائے لہٰذا اس نصاب کو تبدیل کر کے نئے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ لیکن اگر اس کے مقاصد ہی کچھ اور ہوں اور اس کے اغراض ہی ان کے ماسوا ہوں تو پھر جدّت سے بے خبری کا طعنہ دے کر نصاب کو بدلنے کی تجویز قطعاً نامناسب اور غیر حقیقت پسندانہ ہے۔

درسِ نظامی کو مرتب کرنے کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلا مقصد تو یہ تھا کہ درس نظامی پڑھنے کے بعد قرآن وحدیث کی پیچیدگیاں اور ان کے مشکلات کو حل کیا جاسکے۔

(۲) دوسرا مقصد یہ تھا کہ درسِ نظامی حاصل کرنے کے بعد علماء میں باریک بینی کی استعداد پیدا ہوجائے اور رقیق ترین مضامین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جیسا کہ عموماً قرآن وحدیث کے مضامین اسی طرح ہیں۔

(۳) بے لگام عقلاء نے اسلامی معتقدات پر جو اعتراضات کئے تھے ان کا جواب دیا جائے۔

(۴) قیامت تک کے لئے اگر کوئی شخص عقائد اسلامیہ پر اشکال وارد کرے تو درسِ نظامی کے وضع کردہ جامع اصولوں اور مکمل و پختہ فارمولوں کی مدد سے ان اعتراضات کا اندفاع کیا جاسکے۔

(۵) ہمارے علماء اسلاف نے جس طرز و انداز اور نہج وطریق پر تصانیف وتوالیف کی ہیں درس نظامی کے بغیر ان کے مندرجات کو سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا، لہٰذا ایک غرض تصانیف اسلاف کے طرزِ تحریر کو سمجھنا تھا۔

اب میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا امور کی آج بھی ہمیں ضرورت ہے یا نہیں اور اُن مقاصد کا حاصل کرنا آج بھی ہمارے اوپر لازم ہے کہ نہیں؟ کیا آج ہم قرآن وسنت سے بے نیاز ہوسکتے ہیں یا

Marfat.com

اسلاف کی تصانیف کو پس پشت ڈال سکتے ہیں یا اسلامی عقائد پر ہونے والے اعتراضات سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ درسِ نظامی کے بغیر وہ کونسا جدید علم ہے جس کے ذریعہ سے ہم ان مقاصد کو بطریق احسن حاصل کر سکتے ہیں۔ تاکہ مروجہ نصاب میں ترمیم کر کے اس جدید علم کو نصاب کا حصہ بنا دیا جائے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ادھر اسلام کو مکمل ضابطہ حیات کہا جاتا ہے اور قرآن وسنت کو ایک جامع دستورِ زندگی کی حیثیت سے رہنما تسلیم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ماہرین علوم دینیہ کو دنیاوی تقاضوں سے بے خبر بتایا جاتا ہے اور اس میں جدید علوم داخل کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ آخر وہ کونسا جامع ضابطہ حیات ہے جو ابھی تک جدید علوم کا تقاضا بھی کر رہا ہے اور جب تک اس کے ساتھ جدید علوم نہ ملیں تو وہ مکمل نہیں ہوتا۔

بیشک دنیاوی علوم تغیرات زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور ان میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلی لائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیاوی ضروریات روز بروز تغیر پذیر ہیں۔ قسم قسم کے ایجادات اور نئی مصنوعات کی وجہ سے علوم میں ترمیم و تنسیخ کر کے انہیں نئے انداز کے مطابق ڈھالا جاتا ہے۔ لیکن مدارسِ عربیہ کے نصاب کا تعلق تو خالصۃً دینی ضروریات سے ہے اور دینی ضروریات کو تغیرِ زمانہ سے متغیر نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن وسنت کی تشریح وتفہیم میں ہم پابند ہیں۔ حلت وحرمت کے احکام میں ہم مقلد ہیں۔ کسی زمانہ میں بھی کسی آیت یا حدیث کے مفہوم سے سرِ مُو انحراف یا اپنی مرضی کے مطابق ذرّہ بھر بھی تبدیلی لانے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ کوئی نیا نصاب جدید علوم میں خواہ مہارت تامہ کا باعث ہی کیوں نہ بن جائے۔ جب تک مذکورۃ الصدر مقاصد کے حصول کا مکمل طور پر ضامن نہیں ہوگا۔ کسی صورت میں بھی وہ مسلمانوں کے دینی حوائج و امور کے لیے سُود مند نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر یہ نصاب اپنے مقاصد پُورے کرنے سے قاصر ہوتا۔ قرآن وحدیث کی تفہیم اور مکمل دینی احکام میں کافی نہ ہوتا تو پھر ترمیم کا مطالبہ اپنے اندر کچھ معقولیت رکھتا، لیکن جب یہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں پوری طرح کفیل ہے۔ اب اس میں ترمیم کرنا دینی تعلیم سے جاہل کرنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ عام طور پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ دینی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء دنیاوی امور سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی اس تعلیم میں کچھ تبدیلی ہونی چاہئے۔ اس بات کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مکمل طور پر دینی تعلیم حاصل کرنے والا کبھی دنیاوی امور سے بے

Marfat.com

خبر و بے شعور نہیں رہ سکتا بلکہ وہ تمام دنیاوی امور سے مکمل طور پر آگاہ و باخبر ہوتا ہے اور اگر دنیاوی امور سے مراد ایجادات اور نئی قسم کی مصنوعات ہیں تو بیشک دینی تعلیم کا یہ مقصد ہے اور ایک عالم دین ان میں ماہر ہے لیکن یہ ضروری کب ہے کہ تمام امور کا ذمہ دار ایک ہی شخص ٹھہرا دیا جائے۔ انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے۔ مختلف قسم کے اشخاص کے اختلاط سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اگر فرد واحد کو مختلف کاموں پر مامور کر دیا جائے اور متعدد امور ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے جائیں، تو وہ کسی ایک پر بھی عمل پیرا نہیں ہو سکے گا۔ اگر ایک ہی شخص معمار بنا دیا جائے اور وہی مزدور بھی ہو، پٹواری کا کام بھی اسی کے سپرد ہو۔ تحصیلدار کے فرائض بھی وہی انجام دے ترکھانوں والا کام بھی وہی کرے اور لوہار کے منصب پر بھی وہی فائز ہو تو بتایئے وہ کونسا کام صحیح طور پر مکمل کر سکے گا؟ اس طرح تو کسی صورت بھی معاشرہ کی تعمیر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہر کام پر الگ الگ آدمی مقرر کیا جائے تو ہر ایک یکسوئی اور یکجہتی سے اپنا فرض سرانجام دے گا۔ اسی طرح اگر آپ دینی علوم کی تحصیل بھی ایک ہی شخص کے ذمہ لگائیں اور جدید علوم کا حصول بھی اسی کے حوالے ہو تو وہ کسی علم میں بھی آپ کی ضروریات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

اب ''مشتے از خروارے'' کے طور پر چند مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے یہ امر واضح ہو جائے کہ قرآن و حدیث کے اشکالات درسِ نظامی کے علاوہ کوئی جدید علم حل نہیں کر سکتا۔ اور وہ اشکالات اس قسم کے نہیں جنہیں فقط مولویانہ قیل وقال کہہ کر نظر انداز کیا جائے بلکہ ہر مذہب کا اہلِ علم اور کوئی بھی غیر مسلم ان اشکالات کو قرآن وسنت پر وارد کر سکتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے'' کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحیکم '' یعنی تم مردہ تھے، پھر خدا نے تمہیں زندہ کیا پھر وہی مارے گا اور پھر وہی خدائے تعالیٰ تمہیں زندہ بھی کرے گا''

اس آیت مبارکہ میں دو زندگیوں کا اور دو موتوں کا ذکر ہے ''کنتم امواتا'' میں ایک موت کا ذکر ہے '' ثم یمیتکم '' میں دوسری موت کا ذکر ہے۔ اس طرح '' فاحیاکم '' میں ایک زندگی کا ذکر ہے اور '' ثم یحیکم '' میں دوسری زندگی کا ذکر ہے۔ اب یہاں اشکال یہ ہے کہ جہاں دو کا ذکر ہے وہاں محیی (زندہ کرنے والا) کا ذکر بھی ہے '' فاحیاکم '' میں محیی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اس کا معنی ہی یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے زندہ کیا۔ اسی طرح ''ثم یمیتکم'' میں ممیت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں مارے گا۔

Marfat.com

یہاں ممیت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ جہاں دو حیاتوں کا ذکر ہے وہاں محی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو ساتھ محی کا ذکر ہے لیکن جہاں دو موتوں کا ذکر ہے وہاں ایک جگہ تو ممیت کا ذکر کیا، مگر دوسرے مقام پر نہیں۔ اگر پہلی موت کے ساتھ ممیت کا ذکر ہوتا اور دوسری موت میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو پھر تو پہلی عبارت کے لئے قرینہ بن سکتی تھی یعنی جو ممیت پہلی جگہ مذکور تھا۔ دوسری جگہ بھی وہی مراد لیا جاسکتا لیکن یہاں برعکس ہے۔ دوسرے مقام پر ممیت کا ذکر ہے اور پہلی جگہ ممیت مذکور نہیں اور دوسری عبارت تو کبھی پہلی کے لئے قرینہ نہیں بن سکتی۔

اسی طرح دوسرا اشکال ہے کہ قرآن مجید میں ہے "الحمد للہ" اور یہاں اللہ میں جو لام مذکور ہے گرائمر کی اصطلاح میں اسے لام جارہ کہا جاتا ہے اور جتنے جار ہوتے ہیں ان کے متعلق قانون ہے کہ ان کا تعلق کسی نہ کسی فعل یا شبہ فعل کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ تعلق کبھی محذوف ہوتا ہے اور کبھی مذکور۔ تو یہ بھی چونکہ لام جارہ ہے اور گرائمر کے لحاظ سے یہاں اس کا تعلق مذکور تو نہیں۔ لہٰذا گرائمر والے اسے محذوف نکالتے ہیں۔ ثبت یا ثابت اب ان دونوں میں سے کسی ایک ساتھ لام کا تعلق ہوتا ہے (اس لیے الحمد للہ کا یہ معنی کیا جاتا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) اب اس مقام پر اشکال یہ ہے کہ یہ ("ثبت یا ثابت جو محذوف نکالا جاتا ہے" یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا نحویوں کا کلام اگر کہا جائے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو سراسر غلط ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کا کلام نہیں ہے کیونکہ اگر یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کلام ہوتا تو پھر "ثبت یا ثابت" نکالنے کی ضرورت نہیں تھیں اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو شک کی گنجائش نہیں، وہاں تو ایک ہی ہوتا فقط ثَبَتَ یا ثَابِتٌ اور اگر کہا جائے کہ یہ فعل محذوف اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ بندوں کا کلام ہے تو پھر لازم آئے گا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اپنا مقصد سمجھانے میں بندوں کے کلام کی طرف محتاج ہو، تو پھر وہ کلام بلیغ کیسے رہا جو اپنا مقصد بھی نہ سمجھا سکے۔

اس طرح ایک اشکال حدیث شریف پر وارد ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد "ماشاء اللہ کان وماشاء اللہ لم یکن" یعنی اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ موجود ہوتا ہے اور جس کا ارادہ نہیں فرماتا وہ موجود نہیں ہوتی، بلکہ معدوم ہوتی ہے حالانکہ وجود اور عدم کا تعلق مشیت سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جس کے وجود کا ارادہ کرے موجود ہوتا ہے اور جس کے عدم کا ارادہ کرے وہ معدوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یوں کہنا چاہیے تھا کہ "ماشاء اللہ کان وماشاء اللہ لم یکن" یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے وہ موجود ہوتا ہے اور جسے چاہے تو موجود نہیں ہوتا تاکہ وجود اور عدم

Marfat.com

دونوں کا تعلق مشیت الٰہی سے ہوتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ وجود کا تعلق تو مشیت سے ہے اور عدم کا تعلق عدم مشیت سے ہے۔ حالانکہ وجود اور عدم دونوں کا تعلق مشیت سے ہوتا ہے۔

ہمارا چیلنج ہے کہ درس نظامی کے بغیر جدید علوم سے ان اشکالات کا جواب دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ جدید علوم میں کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو قرآن وسنت پر وارد ہونے والے ان اشکالات کا جواب نہیں دے سکتا حالانکہ یہ اشکالات تو عام فہم ہیں۔ اہل علم اگر مطالبہ کریں تو سینکڑوں اشکالات پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جنہیں ماہرین علوم جدید شاید سمجھ ہی نہ سکیں۔ اس کے باوجود ہم یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ جدید علوم والے جو اشکال پیش کریں انشاء اللہ قرآن وسنت کی روح سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

تجربہ شاہد ہے کہ مروجہ درس نظامی کو اس احتیاط وضبط سے مرتب کیا گیا ہے کہ اگر فقط ترتیب ہی بدل دی جائے تو مطلوبہ استعداد کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ہماری ناقص فہم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے کہ مدارسِ عربیہ کے نصاب کو کِن تقاضائے عصر کے ساتھ ہم آہنگ کرنا مقصود ہے ہاں وہ لوگ نصاب بدل دینے کا دعویٰ کر سکتے ہیں جو اسلاف کی تمام تصانیف کو یکسر بدل کر اُسی انداز میں لکھیں جس طرز پر وہ نصاب تعلیم مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

لہٰذا بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

زِ اجتہادِ عالمان کم نظر ۔۔۔ اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳)

﴿۱﴾

ان فقیروں کے لئے جوراہِ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے، نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے اور تم جو خیرات کرو اللہ اسے جانتا ہے۔

﴿۲﴾

(صدقات) ان فقیروں کے لئے ہیں جو روکے گئے اللہ کی راہ میں، وہ نہیں طاقت رکھتے (روزی کمانے کے لئے) چلنے پھرنے کی زمین میں، گمان کرتا ہے ان کو بے خبر غنی بوجہ درگزر کرنے سوال کے، آپ پہچانتے ہیں ان کو ان کی علامات سے وہ نہیں سوال کرتے لوگوں سے کہ گڑگڑانا پڑے۔ اور جو مال تم خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔

مختصر مطلب:

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار سو کی تعداد میں مہاجرین صحابہ کرام رہتے تھے، جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، وہ مسجد میں ہی رہتے تھے، نبی کریم ﷺ ان کے لئے ایک بڑا چبوترہ بنوا دیا جس پر کھجور کی لکڑیوں کی چھت تھی، اس چھپر نما چبوترہ کو عربی میں ''صفہ'' کہا جاتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر قرآن پاک یاد کرنے اور احادیث نبویہ کو یاد کرنے اور اسی

Marfat.com

صفہ میں ان کے رہنے کی وجہ سے ان حضرات کو اصحابِ صفہ کہا گیا۔ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کو صدقات کا مستحق قرار دیا کہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو رب تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے۔ یہ لوگ روزی کمانے کے لئے زمین میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور یہ لوگ دوسروں سے سوال نہیں کرتے تھے کہ گڑگڑانا پڑے۔ ان کے سوال نہ کرنے یعنی سوال کرنے سے درگزر کرنے کی وجہ سے بے خبر لوگ ان غنی سمجھتے ہیں۔ حقیت یہ ہے کہ وہ خوددار ہیں کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھلاتے۔ اس لئے تم اپنے صدقات ان کو دیا کرو، اور جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے وہ تمہیں جزا عطاء فرمائے گا۔

شانِ نزول:

مختصر مطلب جو بیان کیا گیا ہے اسی سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ آیۃ کریمہ اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہوئی کہ ان کو صدقات دیئے جائیں، کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں روک رکھا ہے۔

تنبیہ: اگرچہ آیۃ کریمہ اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہوئی، لیکن اپنے مضمون کے لحاظ پر اس کا حکم عام ہے۔

"ثم تتناول الآیة کل من دخل تحت صفة الفقراء غابر الدهر"

یعنی یہ آیۃ تمام فقراء کا صدقہ کا مستحق ہونا ظاہر کر رہی ہے کہ جو فقیر بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیں وہی صدقات وخیرات کے مستحق ہیں۔ (قرطبی)

صرف مہاجرین فقراء کی تخصیص کیوں؟

بظاہر ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ آیۃ کریمہ کا نزول صرف مہاجرین فقراء صحابہ کرام کے حق میں کیوں ہوا، انصار کا ذکر کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

"وانما خص فقراء المهاجرین بالذکر لأنه لم یکن هناک سواهم وهم اهل الصفة وکانوا نحوا من اربع مائة رجل"

صرف فقراء مہاجرین کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ان کے بغیر کوئی فقیر نہیں تھا، یہ اصحابِ

Marfat.com

صفہ تھے، ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔ (قرطبی)

''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ''

''(صدقات وخیرات) ان فقروں کے لئے ہیں جو روکے گئے اللہ کی راہ میں۔''

چونکہ اس سے پہلے مال خرچ کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے ''للفقراء'' کا تعلق یا فعل محذوف سے ہے معنوی طور پر عبارت اس طرح ہوگی'' اجعلوا ما تنفقونه للفقراء'' جو تم خرچ کرو وہ فقراء پر کرو۔ یا عبارت کی تقدیر یہ ہوگی ''صدقاتكم للفقراء'' تمہارے صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں۔

اللہ کی راہ میں روکے جانے کا کیا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے ''حبسهم الجهاد والعمل فی مرضاة الله'' ان کو جہاد نے روک رکھا ہے کہ وہ ہر وقت جہاد کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں تو ہم جہاد کے لئے چلے جائیں۔

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضاء مندی کے لئے اپنے آپ کو روک کر رکھا ہوا ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

''قال ابوذر كنت من اهل الصفة وكنا اذا امسينا حضرنا باب رسول الله ﷺ فيأمر كل رجل فينصرف برجل ويبقى من اهل الصفة عشرة او اقل فيؤتى النبی ﷺ بعشائه ونتعشى معه فاذا فرغنا قال رسول الله ﷺ ناموا فی المسجد''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اصحابِ صفہ سے تھا، جب شام ہوتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوتے، آپ ایک ایک شخص کے ساتھ اصحابِ صفہ سے ایک ایک فرد کو ساتھ بھیجتے جو ان کو کھانا کھلاتے۔ جب اصحابِ صفہ دس آدمی یا دس سے کم رہ جاتے تو وہ نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ رکھ لیتے۔ آپ کے پاس شام کا کھانا آتا تو ہم لوگ آپ کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اور جب ہم کھانے سے فارغ ہوتے تو آپ ارشاد فرماتے اب مسجد میں سو جاؤ۔ (قرطبی)

Marfat.com

تنبیہ: بعض حضرات نے آیۃ کریمہ کا شانِ نزول روایت سعید بن جبیر کے مطابق پیش کیا ہے۔

"عن سعید بن جبیر هم قوم اصابتهم الجراحات فی سبیل الله تعالی فصاروازمنی فجعل لهم فی اموال الناس حقا"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا اس آیۃ کریمہ میں ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں، یعنی جہاد میں زخمی کر دیا گیا تھا وہ اپاہج ہو گئے تھے، چلنے پھرنے کی ان کا طاقت نہ تھی، ان کو صدقات وخیرات کا مستحق قرار دیا۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"ولعل المقصود فی الروایتین بیان بعض افراد هذا المفهوم ودخوله فیه اذذاک دخولا اولیا لاالخطراذ هذا الحکم باق الی یوم الدین"

دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کہ آیۃ کریمہ نازل تو اصحابِ صفہ کے حق میں ہوئی ہو، لیکن اپنے مفہوم کے لحاظ ان پر افراد کو بھی شامل ہو جو جہاد میں زخمی ہو کر معذور ہو گئے تھے، بلکہ آیۃ کریمہ اپنے عمومی مفہوم کے لحاظ سے تا قیامت ان لوگوں کو شامل ہے جو اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کریں گے اور خرچ کے لیے محتاج ہوں گے، وہ صدقات وخیرات کے مستحق ہوں گے۔ (روح المعانی)

راقم کے نزدیک شانِ نزول کی دونوں روایتوں میں اس لئے بھی تضاد نہیں کہ جہاد میں معذور ہونے والے لوگ بھی اصحاب صفہ میں سے ہی تھے۔

"لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ"

"وہ نہیں طاقت رکھتے (روزی کمانے کے لئے) زمین میں چلنے پھرنے کی۔"

"(لایستطیعون) لاشتغالهم بذلک (ضربا فی الارض) ای مشیافیهاو ذهابا للتکسب والتجارة وهم اهل الصفة رضی الله عنهم قاله ابن عباس ومحمد بن کعب القرظی وکانوا نحوامن ثلاث مائة ویزیدون وینقصون من فقراء المهاجرین یسکنون سقیفة

Marfat.com

المسجد یستغرقون اوقاتھم بالتعلم والجھاد وکانوا یخرجون فی کل سریۃ یبعثھا رسول اللہ ﷺ" (روح المعانی)

ان لوگوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے تھا، اس لئے وہ کسبِ معاش کے لئے اور تجارت کے لئے کہیں سفر نہیں کر سکتے تھے، وہ اصحاب صفہ تھے، حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں وہ تقریباً تین سو کی تعداد میں تھے، جن میں کمی وبیشی ہوتی رہی۔ یعنی تین چار سو کی تعداد میں تھے، یہ لوگ مہاجرین تھے اور فقیر تھے، مسجد کی چھت کے نیچے رہتے تھے، یعنی مسجد کے ساتھ ایک چھپر میں رہتے تھے، ضرورت کے وقت مسجد میں بھی سوجاتے تھے، یہ اپنے تمام اوقات دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اور جہاد کرنے کے لئے وقف کئے ہوئے تھے، جب بھی رسول اللہ ﷺ کافروں کے کسی قبیلہ کی سرکوبی کے لئے بھیجتے تو یہی حضرات اس سریہ میں جاتے۔

(روح المعانی)

فائدہ: "قال علماؤنا وکانوا رضی اللہ عنھم فی المسجد ضرورۃ واکلوا من الصدقۃ ضرورۃ فلما فتح اللہ علی المسلمین استغنوا عن تلک الحال وخرجوا ثم ملکوا و تأمروا"

اصحاب صفہ مسجد میں ضرورت کی وجہ سے رہتے رہے اور انہوں نے ضرورت کی وجہ سے صدقات کا مال بھی حاصل کیا، جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا تو اس احتیاجی سے نکل کر غنی ہوگئے، مال کے مالک بن گئے، بلکہ کئی علاقوں کے ان میں سے امیر (حاکم) بنا دئے گئے۔ (قرطبی)

اعادہ: اسی مقام پر علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ایک حدیث کا اعادہ (دوبارہ تذکرہ) کیا تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راقم بھی اس حدیث پاک کو دوبارہ ذکر کر رہا ہے۔

"اخرج الترمذی عن البراء بن عازب (ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون) قال نزلت فینا معشر الانصار کنا اصحاب النخل قال فکان الرجل یأتی من نخلہ علی قدر کثرتہ

Marfat.com

وقلته، وكان الرجل يأتي بالقنو والقنوين فيعلقه في المسجد وكان اهل الصفة ليس لهم طعام فكان احدهم اذا جاع اتى القنو فيضربه بعصاه فيسقط من البسر والتمر فيأكل، وكان ناس ممن لايرغب في الخير يأتي بالقنو فيه الشيص والحشف وبالقنو قد انكسر فيعلقه في المسجد فانزل الله تعالى " ياايها الذين امنوا انفقوا من طيبات" الآية .

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آیۃ کریمہ " ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون" ہمارے بارے میں نازل ہوئی، ہم انصار کے قبائل کھجوروں کے باغوں کے مالک تھے۔ہم میں سے ہر شخص کھجوریں مناسب مقدار میں لاتا وہ تھوڑی ہوتیں یا زیادہ، اور کوئی شخص ایک یا دو گچھے (خوشے) لاتا اور مسجد کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیتا۔اصحاب صفہ کے پاس کھانے کے لئے طعام نہیں ہوتا تھا، ان میں سے جب کوئی بھوک محسوس کرتا تو وہ ان خوشوں کے پاس آتا، اپنے سوٹے سے ان سے کھجوریں گرالیتا، اور کھالیتا، بعض لوگ بھلائی کے کاموں میں زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے، وہ کھجوروں کا خوشہ لے آتے جس میں ردی اور خشک کھجوریں بھی ہوتیں۔ کوئی ٹوٹا ہوا خوشہ لے آتا وہ مسجد کی دیوار سے لٹکا دیتا، تو اللہ تعالیٰ نے آیۃ کریمہ " یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات الایۃ" کو نازل فرمایا جس میں اچھی چیز رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور ردی اور نکمی چیز سے منع فرمایا۔ (قرطبی)

اصحاب صفہ اور کرامت ابی بکر رضی اللہ عنہ:

"عن عبد الرحمن بن ابی بکر ان اصحاب الصفة كانوا اناسا فقراء وان رسول الله ﷺ قال مرة من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالثه ومن كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالثة و من كان عنده طعام اربعة فليذهب بخامس بسادس او كما قال وان ابا بكر تعشى عند النبي ﷺ ثم لبث حتى صليت العشاء ثم رجع فلبث حتى نعس

Marfat.com

رسول الله ﷺ فجاء بعد ما مضى من الليل ما شاء الله قالت له امرأته ما حبسک عن اضيافک او قالت ضيفک قال او ما عشيتهم قالت ابوا حتى تجئ قد عرضوا عليهم فغلبوا قال فذهبت انا فاختبأت وقال يا غنثر فجدع وسب قال كلوا لا هنيأ وقال والله لا اطعمه ابدا قال وايم الله ما كنا نأخذ من لقمة الا ربا من اسفلها اكثر منها قال حتى شبعنا وصارت اكثر مما كانت قبل ذلک فنظر اليها ابو بكر فاذا هي كما هي او اكثر، قال لأمراته يا اخت بني فراس ما هذا قالت لا وقرة عيني لهي الآن اكثر منها قبل ذلک بثلاث مرار قال فاكل منها ابو بكر وقال انما ذلک من الشيطان يعني يمينه ثم اكل منها لقمة ثم حملها الى رسول الله ﷺ فاصبحت عنده قال وكان بيننا وبين قوم عقد فمضى الأجل ففرقنا اثناعشر رجلا مع كل رجل منهم اناس الله اعلم كم رجل قال الا انه بعث معهم فاكلوا منها اجمعون او كما قال"

(مسلم،بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر فرماتے ہیں، بیشک اصحابِ صفہ فقیر (غریب) لوگ تھے۔ اور تحقیق رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا طعام ہے وہ تیسرے آدمی کو ساتھ لے جائے، اور جس شخص کے پاس چار آدمیوں کا طعام ہے وہ پانچویں اور چھٹے کو ساتھ لے جائے، او کما قال، اور بیشک ابو بکر اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لے آئے، اور نبی کریم ﷺ دس آدمیوں کو ساتھ لے گئے، اور ابو بکر کے گھر کے تین افراد تھے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر کہتے ہیں ایک میں اور میرے باپ اور میری ماں، راوی ابو عثمان کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنی زوجہ یا اپنے گھر کے کسی خادم کا ذکر کیا ہو، حضرت ابو بکر شام کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے، پھر وہاں ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز ادا کی گئی، پھر لوٹ کر حضور ﷺ کے پاس ہی رک گئے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کو اونگھ آنے لگی تو یہ رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ آپ کی زوجہ نے کہا تمہیں اپنے مہمانوں سے کس چیز نے روک رکھا تھا، آپ نے کہا

Marfat.com

کیا ابھی تک تم نے ان کو شام کا کھانا نہیں کھلایا؟ آپ کی زوجہ نے کہا انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا، یہاں تک کہ آپ آ جائیں۔ان پر کھانا پیش کیا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا، عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں چھپنے لگ گیا۔حضرت ابوبکر نے (غصہ سے) فرمایا اے ست، تیری ناک کٹ جائے، اس طرح آپ نے عبدالرحمٰن سے سخت کلام فرمایا، اور آپ نے مہانوں کو کہا کہ کھانا کھاؤ تم نے خوش گوار طریقہ سے کھانا نہیں کھایا، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔(دوسری روایت میں ہے کہ مہمانوں نے بھی یہ کہہ دیا" **واللہ ما نطعمه حتی تطعمه ثم اکل واکلوا** " قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم بھی نہیں کھائیں گے یہاں تک کہ تم کھاؤ، پھر آپ نے کھایا اور انہوں نے بھی کھایا)

عبدالرحمٰن کہتے ہیں قسم ہیں اللہ تعالیٰ کی ہم کوئی لقمہ نہیں اٹھاتے تھے مگر وہ نیچے سے اور زیادہ بڑھ جاتا، یہاں تک کہ ہم نے سیر ہو کر کھانا کھا لیا، وہ کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانے کو دیکھا وہ اسی طرح تھا جس طرح تھا، بلکہ پہلے سے زیادہ تھا۔آپ نے اپنی زوجہ کو کہا اے بنی فراس کی بہن یہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا، اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، یہ کھانا تو پہلے سے زیادہ ہے۔یہ کلمات آپ کی زوجہ نے تین مرتبہ کہے۔عبدالرحمٰن کہتے ہیں حضرت ابوبکر نے کھانا کھایا وہ (کھانے سے انکار کی) قسم شیطان کی جانب سے تھی۔پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کھانے میں کچھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ہمارا ایک قوم سے ان دنوں میں معاہدہ تھا وہ بارہ قبائل تھے، ہر قبیلے کے سردار کی طرف ہم نے کھانا بھیجا، پھر انہوں نے اپنے قبیلہ کے لوگوں میں بانٹا، ایک ایک قبیلہ میں کتنے کتنے لوگ تھے وہ کھانا سب نے کھایا۔

حدیث پاک کی وضاحت:

حدیث پاک سے فائدہ حاصل ہوا کہ ایثار کرنا یعنی اپنی حاجت کے باوجود دوسروں پر رحم کرنا اور مہربانی کرنا افضل ہے۔اور جب مہمان زیادہ ہو جائیں تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان کو تقسیم کر لیں، ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق

Marfat.com

مناسب مقدار میں مہمانوں کو ساتھ لے جائے۔

اور قوم کے سردار کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو کہے اور ان کو حکم دے کہ جتنے مہمان لے جانے کی کسی کی طاقت ہے وہ لے جائے۔اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ واضح ہوا ''کان النبی ﷺ وھو افضل الامور والسبق الی السخاء والجود'' نبی کریم ﷺ تمام معاملات میں سب سے افضل تھے،سخاوت اور جود کی طرف آپ پیش پیش (سب سے آگے) ہوتے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ اتنی تعداد میں اصحاب صفہ کو لے گئے جتنی تعداد آپ کے گھر کے افراد کی تھی۔اس طرح آپ گھر کے ایک فرد کے مقابل ایک فقیر مہمان کو کھانا کھلانے کے لئے ساتھ لے گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آپ کے بیٹے کی زوجہ نہیں تھی بلکہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر گئی ہوئی تھی تو آپ نے بھی نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر کامل عمل کیا کہ آپ کے گھر کے افراد بھی تین تھے اور مہمان بھی تین ہی لے کر گئے۔اور اگر آپ کی بہو گھر ہی تھی تو پھر بھی آپ ایک دو کی نسبت سے زیادہ مہمان لے کر گئے۔اور باقی لوگوں کو گھر کے دو افراد کے مقابل ایک فقیر مہمان لے جانے کا حکم دیا گیا۔

''وفی ھذا جواز من عندہ ضیفان الی اشغالہ ومصالحہ اذا کان لہ من یقوم بامورھم ویسد مسدہ کما کان لابی بکر ھنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنھما''

اور حدیث پاک سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے پر کسی کو مقرر کر کے اور اپنا قائم مقام بنا کر خود اپنے کسی کام میں چلا جائے تو یہ جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کے سپرد اپنے مہمانوں کے معاملات کر کے خود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

''وفیہ ما کان علیہ ابوبکر من الحب للنبی ﷺ والانقطاع الیہ وایثارہ فی لیلہ ونہارہ علی الاھل والاولاد والضیفان وغیرھم''

اور حدیث پاک سے یہ واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی۔یہی وجہ تھی کے آپ نے اپنے اہل وعیال اور مہمانوں پر نبی کریم ﷺ کے بیٹھنے کو ترجیح

Marfat.com

دی۔ دن رات آپ کا یہی معمول تھا، مہمانوں نے کھانا کھانے سے جو انکار کیا تھا کہ جب تک حضرت ابوبکر نہیں آئیں گے ہم نہیں کھانا کھائیں گے، اس کی وجہ یہ تھی۔

"ھذافعلوہ ادباورفقابابی بکر فیماظنوہ لانھم ظنواانہ لا یحصل لہ عشاء من عشائھم"

کہ مہمانوں نے ادب واحترام کا پاس کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رحمت کرنا مقصود تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم کھانا کھالیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا باقی نہ رہے۔

مسئلہ: مہمان کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہمان نواز کی مرضی کے مطابق اس کے کہنے پر کھانا کھالے، تا کہ مہمان نواز کو تکلیف نہ ہو اگر چہ مہمان بعض اوقات اپنے خیال کے مطابق بہتر سوچتا ہے لیکن مہمان نواز کی طبیعت سے ناواقف ہوتا ہے جو پریشانی کا سبب بنتا ہے۔

" وفیہ ان من حلف علی یمین فر أی غیرھا خیرا منھا فعل ذلک و کفر عن یمینہ "

اور حدیث پاک سے یہ مسئلہ سمجھ میں آیا کہ جب کوئی شخص قسم اٹھادے اور اس کا غیر کام بہتر دیکھے تو قسم توڑ دے، اور قسم کا کفارہ ادا کردے۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہمانوں کے لئے اپنی قسم کو توڑ دیا تا کہ نبی کریم ﷺ کے بھیجے ہوئے مہمان کھانا کھانے سے محروم نہ رہ جائیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ مہمانوں کی قسم نہیں ٹوٹی تھی کیونکہ ان کی قسم مشروط تھی کہ ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک تم نہیں کھاؤ گے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم مطلق تھی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ لہٰذا صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کو توڑا، مہمانوں کی خاطر اور رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق کہ اگر تم قسم اٹھالو تو اس کا غیر بہتر دیکھو تو اس غیر پر عمل کر کے قسم توڑ دو اور کفارہ دے دو۔

"وفیہ کرامۃ ظاھرۃ لابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وفیہ اثبات کرامات الاولیاء وھو مذھب اھل السنتہ خلافاللمعتزلۃ"

اس حدیث پاک سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ثبوت واضح طور پر مل گیا۔ کیونکہ کھانا

Marfat.com

اتنا زیادہ ہوگیا جو کثیر لوگوں نے کھایا۔ اسی حدیث سے اولیاء کرام کی کرامت کا ثبوت بھی ملتا ہے، یہی مذہب اہلِ سنت کا ہے جو حق ہے۔ معتزلہ کراماتِ اولیاء کے قائل نہیں۔ (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۳)

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال لی رسول الله ﷺ الحق الی اهل الصفة فادعهم قال واهل الصفة اضياف الاسلام لا يلوون علی اهل ولا مال اذا اتته صدقة بعث بها اليهم ولم يتناول منها شيأ واذا اتته هدية ارسل اليهم وأصاب منها"

(بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اہلِ صفہ کو ملو، ان کو دعوت دو، پھر آپ نے فرمایا اصحابِ صفہ اسلام کے مہمان ہیں وہ اہل اور مال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے (وہ صرف اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہیں) جب حضور ﷺ کے پاس صدقہ آتا تو آپ وہ سارے کا سارا ان کی طرف بھیج دیتے۔ آپ خود اس سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے، اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو آپ ان کی طرف بھیجتے اور خود بھی اس سے کھالیتے تھے۔ (درمنثور)

"واخرج ابو نعيم فی الحلية عن فضالة بن عبيد قال كان رسول ﷺ اذا صلی با لناس يخر رجال من قيامهم فی صلاتهم لما بهم من الخصاصة وهم اهل الصفة حتی يقول الاعراب ان هؤلاء مجانين"

فضالہ بن عبید فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو کئی شخص بھوک کی وجہ سے نماز میں کھڑے کھڑے گر جاتے، وہ اصحاب صفہ تھے، یہاں تک کہ دیہات سے آئے ہوئے لوگ ان کو پاگل سمجھتے۔ (درمنثور)

یعنی اعرابی لوگ ان کی پریشان حالی سے ناواقفی کی وجہ سے انہیں پاگل سمجھتے، حالانکہ وہ عظیم عقلمند تھے۔

"واخرج ابن سعد وعبد الله بن احمد فی الزوائد الزهد وابو نعيم عن ابی هريرة قال كان من اهل الصفة سبعون رجلا ليس لواحد منهم رداء"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہ کرام وہ تھے جن کے پاس

Marfat.com

اوڑھنے والی چادر نہیں تھی۔ (درمنثور)

یعنی صرف تنگیز ڈھانپنے کے لئے ان کے پاس کمر سے باندھنے والی چادر ہوتی، اسی میں ان کی زندگی بسر ہوتی۔

"واخرج ابو نعيم عن الحسن قال بنيت صفة لضعفاء المسلين فجعل المسلمون يو غلون اليها مااستطاعوا من خير وكان رسول ﷺ يأتيهم فيقول السلام عليكم ياأهل الصفة فيقولون وعليك السلام يا رسول الله فيقول كيف اصبحتم فيقولون بخير يارسول الله ، فيقول انتم اليوم خيرام يوم بعدى على احدكم بجفنة ويراح عليه بأخرى، ويغدوفى حلة ويروح فى أخرى فقالوا انحن يومئذخير يعطيناالله فنشكر فقال رسول ﷺ بل انتم اليوم خير"

حضرت حسن سے مروی ہے کہ ضعیف (غریب) مسلمانوں کے لئے ایک چبوترہ (چھپرنما) بنایا گیا، مسلمان اپنی طاقت کے مطابق خیرات سے ان کی امداد فرماتے، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آتے اور فرماتے اے اصحابِ صفہ السلام علیکم، وہ عرض کرتے یارسول اللہ ﷺ "وعلیک السلام"، آپ ان سے پوچھتے تم نے صبح کیسے کی، وہ کہتے یارسول اللہ بہتر پائی ہے۔ آپ نے ان سے پوچھا آج تم بہتر ہو یا اس دن بہتر ہو گے جب صبح تمہارے سامنے کھانے کے برتن رکھے جائیں گے، اور شام کو اور برتن کھانے کے رکھے جائیں گے، اور صبح تمہیں ایک جوڑا پہنایا جائے گا، اور شام کو اور جوڑا دیا جائے گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ دن ہمارے لئے بہتر ہوں گے جن میں ہمیں رب تعالیٰ یہ نعمتیں دے گا۔ ہم اس کے شکر گزار رہیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں، آج تم بہتر ہو۔ (درمنثور)

واضح ہوا کہ فقیر صابر غنی شاکر سے بہتر ہے۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فقر کو پسند فرمایا۔

"واخرج ابن سعد عن محمد بن كعب القرظى فى قوله "للفقراء الذين احصروا فى سبيل الله" قال هم اصحاب الصفة وكانوا لا منازل لهم بالمدينة ولا عشائر فحث الله عليهم الناس بالصدقة"

Marfat.com

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہوا۔ اصحابِ صفہ وہ لوگ تھے جن کے پاس مدینہ طیبہ میں کوئی گھر نہیں تھا اور نہ ہی ان کے قبائل وہاں موجود تھے۔ (درمنثور)

"واخرج سفیان وعبدابن حمید وابن جریر وابن المنذروابن ابی حاتم عن مجاهد فی قوله "للفقراء الذین احصروافی سبیل الله" قال هم مهاجر وقریش بالمدینة مع النبی ﷺ امروا بالصدقة علیهم،،

مجاہد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی "للفقراء الذین احصروافی سبیل الله" (اصحابِ صفہ کے حق میں نازل ہوا) وہ قریش مہاجرین تھے جو نبی کریم ﷺ کی معیت میں مدینہ طیبہ میں رہتے ،ان کے متعلق صدقہ دینے کا حکم دیا گیا۔ (درمنثور)

"واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن السدی "للفقراء الذین احصروافی سبیل الله" قال حصرهم المشرکون فی المدینةلایستطیعون ضربافی الارض یعنی التجارة"

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی "للفقراء الذین احصروافی سبیل الله" ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا ہے جن کو مشرکین نے مدینہ طیبہ میں روک رکھا تھا، یعنی وہ مشرکین سے جہاد کرنے کی غرض سے مدینہ طیبہ میں ہی رہتے تھے، تجارت کے لئے کہیں جانے کی وہ طاقت نہیں رکھتے تھے۔ (درمنثور)

"طاقت نہ رکھنا" واضح ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے اور کافروں کی سرکوبی کے لئے اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد کے ساتھ ملحق چھپر میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان پر کوئی جبر نہیں تھا، بلکہ خود ہی انہوں نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا ہوا تھا۔

"واخرج عبدالرزاق وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن قتاده "للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله" قال حصروا انفسهم فی سبیل الله للغزوة لایستطیعون تجارة"

Marfat.com

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جنہوں نے اپنے آپ کو غزوات کے لئے روک رکھا تھا، وہ تجارت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ (درمنثور)

"واخرج عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" قال قوم اصابتهم الجراحات فی سبیل اللہ فصار وازمنی فجعل لهم فی اموال المسلمین حقا"

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ" ان لوگوں کے حق میں نازل ہوا جن کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی وجہ سے زخمی کردیا گیا تھا اور وہ اپاہج ہوکر معذور ہوگئے تھے، رب تعالیٰ نے مسلمانوں کے مالوں سے ان کا حق مقرر فرمادیا کہ صدقات وخیرات ان کو دیئے جائیں۔

تنبیہ: اس آخری روایت اور پہلی روایت میں کوئی تعارض نہیں، ان میں تطبیق گذشتہ اوراق میں اسی آیۃ کی وضاحت میں تفسیر روح المعانی کے حوالہ کے ضمن میں دیکھئے۔

محصرین اور ان پر مال خرچ کرنا:

احصار کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو سفر کرنے، تجارت کرنے، حج کرنے سے مرض یا بڑھاپا یا دشمن یا خرچ کا نہ ہونا روک دیں۔ اصحابِ صفہ کو تجارت کے لئے سفر کرنے سے ان کا اپنے آپ کو وقف کرنا رکاوٹ کا سبب تھا۔ ان کا اپنے آپ کو دینی مشاغل میں وقف کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصی طور پر "انهم حصروا انفسم ووقفوها علی الجهاد،، (بیشک انہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کررکھا تھا) جہاد کے لئے وقف کرنا تھا۔

"وان قوله "فی سبیل اللہ" مختص بالجهاد فی عرف القرآن،،

بیشک اللہ تعالیٰ کا قول "فی سبیل اللہ" قرآن پاک میں جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔

"ولان الجهاد کان واجبا فی ذلک الزمان و کان تشتد الحاجة الی من یحبس نفسه

Marfat.com

للمجاهدة مع الرسول ﷺ فیکون مستعدا لذلک متی مست الحاجة ، فبین تعالی فی هؤلاء الفقراء ان هم بهذه الصفة"

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جہاد واجب تھا، اس لئے بہت ضروری تھا کہ کچھ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے وقف کر دیں، اور اپنے آپ کو تیار رکھیں کہ جب ضرورت در پیش آئے تو یہ میدانِ جہاد میں پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان فقراء یعنی اصحابِ صفہ کا حال بیان فرمایا کہ وہ اس صفت پر پورے اترتے تھے۔

ان کے محتاج ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے صدقات مقرر فرمائے۔ ان کو صدقات دینے میں بھلائی کی وجوہ پائی جاتی ہیں۔

(۱) ان فقیروں کی غربت محتاجی کو دور کرنا۔

(۲) ان کے دل کو صدقات کے ذریعے تقویت پہچانا کہ انہوں نے جہاد میں شریک ہونا ہے۔ یہ نہ ہو کہ وہ جسمانی کمزوری اور بھوک کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

(۳) ان کے لئے صدقات وخیرات کا اس لئے بھی حکم دیا کہ مجاہدین کی تقویت سے اسلام کو تقویت حاصل ہوگی۔

(۴) وہ بہت زیادہ محتاج ہونے کے بھی اپنی محتاجی کا ذکر کسی کے سامنے نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی احتیاجی کو ذکر کر دیا۔ (ماخوذ از کبیر)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"ضرب،، کے مختلف معانی پہلے پارہ "ان یضرب" کی تشریح میں بیان کئے جا چکے ہیں، ان میں سے ایک معنی یہ ہے جو یہاں مراد ہے "یقال ضربت فی الارض اذا سرت فیھا" جب کوئی شخص سیر کرے، زمین میں چلے تو وہ کہتا ہے "ضربت فی الارض" میں زمین میں چلا، میں نے سیر کی۔

"لایستطیعون ضربافی الارض " کا معنی یہ ہوگیا،، وہ طاقت نہیں رکھتے زمین میں چلنے کی۔

Marfat.com

ان کے طاقت نہ رکھنے کی وجہ کیا تھی؟ وہ یہ تھی۔

"ثم عدم الا ستطاعة اما ان یکون لأن اشتغالهم بصلاح الدین وبأمر الجهاد یمنعهم من الاشتغال بالکسب و التجارة"

کہ وہ دین کی بہتری کے کاموں مشغول رہتے تھے اور اپنے آپ کو ہر وقت جہاد کے لئے تیار رکھتے تھے، اس لئے وہ کسب معاش اور تجارت کے لئے زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

"وکانوا ملازمین المسجد ویتعلمون القرآن ویصومون" وہ ہر وقت مسجد میں رہتے تھے، اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے جس کی وجہ سے روزی کمانے کے لئے، تجارت کرنے کے لئے زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اگر وہ تجارت کرنے کے لئے سفر کرتے تو ان کے دینی کاموں میں خلل واقع ہوتا۔ (ماخوذ از کبیر)

"یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف"

"گمان کرتا ہے ان کو بے خبر غنی درگزر کرنے کی وجہ سے"۔

"الحسبان، هو الظن" یحسب لیا ہوا ہے "حسبان" سے جس کا معنی ہے گمان کرنا۔

عاصم، ابن عمر اور حمزہ کی قراءت میں "یحسب" سین کے فتحہ (زبر) سے ہے، اور کچھ باقی حضرات کی قراءت سین کے کسرہ (زیر) سے ہے "وهما لغتان بمعنی واحد" دونوں قراءتوں کے لحاظ پر معنی ایک ہی رہے گا کیونکہ لغتیں دو ہیں "وقرئ فی القرآن ماکان من الحسبان باللغتین جمیعاالفتح و الکسر"، قرآن پاک میں جہاں بھی "حسب یحسب"، استعمال اس دونوں لغتوں کو جائز رکھا گیا ہے کہ ماضی اور مضارع دونوں مکسور العین ہو یا ماضی مکسور العین ہو اور مضارع مفتوح العین ہو۔ (کبیر)

اعتراض: یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو جاہل لوگ غنی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ سوال کرنے سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام کے زمانہ کی بات ہے۔ صحابہ کرام ہی ان کو غنی سمجھتے تھے تو صحابہ کرام کو جاہل کیوں

Marfat.com

کہا گیا، حالانکہ وہ زمانہ کے امام تھے وہ اصحابِ علم تھے۔

جواب:" وقوله تعالى "الجاهل" لم يرد به الجهل الذى هو ضدالعقل و انماارادالجهل الذى هو ضد الاختبار"

"جاہل" کبھی "علم و عقل" کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ فلاں شخص جاہل ہے یعنی عالم و عاقل نہیں۔ اور کبھی "جہل" استعمال ہوتا "اختبار" کی ضد کے طور پر۔ یعنی یوں کہا جائے کہ فلاں شخص جاہل ہے کیونکہ اسے واقع کی خبر ہی نہیں۔ آیۃ کریمہ "جاہل" کا استعمال اس دوسرے معنی میں ہے، پہلے معنی میں نہیں۔ راقم نے اسی وجہ سے "جاہل" کا معنی "بے خبر" کیا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام کو واقع سے بے خبر کہنے میں کوئی حرج نہیں "بے علم" کہنے میں حرج تھی وہ کہا نہیں گیا۔ (ماخوذ از کبیر)

"**من التعفف**" "تعفف کا لفظ "تفعل" کے وزن پر ہے۔ "عفة" سے لیا ہوا ہے۔

"**ومعنى العفة فى اللغة ترك الشئ و الكف عنه**" عفت کا لغوی معنی یہ ہے "کسی چیز کو چھوڑ دینا اور اس سے رک جانا" اب مکمل معنی یہ ہو گیا۔

"**يحسبهم من لم يختبر امرهم اغنياء من التعفف عن السؤال فتركه للعلم و انما يحسبهم اغنياء لا ظهارهم التجمل و تركهم المسألة**"

جو لوگ ان کے حالات کی خبر نہیں رکھتے وہ ان کو غنی سمجھتے ہیں کیونکہ وہ سوال نہیں کرتے بلکہ اپنے ظاہری حال کو سنوار کر رکھتے ہیں تو دوسرے حضرات ان کے ظاہری حال کو دیکھ کر اور سوال کرنے سے درگذر کرنے کو دیکھ کر انہیں غنی سمجھتے ہیں۔ (از کبیر)

تنبیہ:"والتعفف ترك الشئ والاعراض عنه مع القدرة على تعاطيه"

یعنی "تعفف" کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہو تو پھر چھوڑ دے۔ اگر ایک چیز کی قدرت ہی نہ رکھے تو اسے چھوڑ دینا "تعفف" نہیں۔ (روح المعانی)

مسئلہ: آیۃ کریمہ سے یہ مسئلہ حاصل ہوا کہ ظاہری حالت کو سنوار کر رکھنے سے انسان کا فقر زائل نہیں ہوتا۔

Marfat.com

"ان اسم الفقر يجوز ان يطلق على من له كسوة ذات قيمة ولا يمنع ذلک من اعطاء الزکوۃ الیه"

اگر ایک شخص نے قیمتی لباس پہنا ہوا ہو لیکن صاحبِ نصاب نہ ہو اور حاجتمند ہو تو وہ فقیر ہے۔ اسے زکوٰۃ دینے سے کسی کو منع نہ کیا جائے، بلکہ وہ مستحق ہے کہ اسے زکوٰۃ دی جائے۔ (قرطبی)

"تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ" "آپ پہچانتے ہیں ان کو، ان کی علامات سے۔"

یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے کہ آپ ان کو، ان کی علامات سے پہچانتے ہیں، یا ہر اس شخص کو خطاب ہے جو ان کی حالت سے واقف تھا۔ (بیضاوی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

"سیما" "سمة" سے لیا ہوا ہے "سمة" کا اصل مادہ "وسم" ہے جس کا معنی ہے علامت، فاکلمہ سے واؤ کو عین کلمہ کی جگہ لے جا کر پھر واؤ ساکن مظہر ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا سے تبدیل کر دیا۔ (کبیر)

ان کی علامات کیا تھیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

﴿۱﴾ ایک قول حضرت مجاہد رحمۃ اللہ کا ہے۔ (سیماهم) التخشع و التواضع" ان کی علامتیں یہ تھیں کہ وہ عاجزی اور خشوع سے رہتے تھے۔

﴿۲﴾ ربیع اور سدی رحمہما اللہ کہتے ہیں "اثر الجهد من الفقر و الحاجة" کہ فقر اور حاجت کی وجہ سے ان کے چہرے پر مشقت کے اثرات تھے۔ یعنی ان کا ظاہری حال ان کے عجز پر دلالت کرتا تھا۔

﴿۳﴾ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں "صفرة الوانهم من الجوع" بھوک کی وجہ سے ان کے چہرے کا رنگ زرد رہتا تھا جو ان کے فقیر ہونے پر دلالت کرتا تھا۔

علامہ رازی رحمہ اللہ کا موقف:

آپ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ تمام وجوہ محلِ نظر ہیں، کیونکہ ان وجوہ سے ان کا ظاہر حال ان کے فقر پر

Marfat.com

دلالت کر رہا ہے، حالانکہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی "یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف" (گمان کرتا ہے ان کو بے خبر غنی سوال سے درگذر کرنے کی وجہ) سے تو یہ پتہ چل رہا ہے کہ ان کے فقر کا کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ان المراد شئ آخرھو ان لعباد اللہ المخلصین ھیبة ووقعا فی قلوب الخلق کل من رآھم تأثرمنھم وتواضع لھم وذلک ادراکات روحانیة لا علامات جسمانیة"

ان کی علامات سے مراد، ظاہری علامات نہیں، بلکہ کوئی اور ہی چیز مراد ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو قدرتی طور پر رعب حاصل ہوتا ہے، اور مخلوق کے دلوں میں واقع ہو جاتے ہیں، جو بھی ان کو دیکھتا ہے وہ ان سے اثر قبول کرتا ہے اور ان کے سامنے عجز کا اظہار کرتا ہے، یہ روحانی علامات ان میں پائی جاتی تھیں، جسمانی علامات مراد نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ

"ان الاسد اذا مر ھابتہ سائر السباع بطباعھا لا بالتجربة"

شیر جہاں سے گذرتا ہے تمام درندے طبعی طور پر اس سے ڈر جاتے ہیں، انہیں کوئی تجربہ حاصل نہیں ہوتا کہ یہ شیر ہمیں کھا جائے گا، چیر پھاڑ دے گا۔

"والبازی اذا طار تھرب منہ الطیور الضعیفة"

اسی طرح جب باز اڑتا ہے تو کمزور پرندے اسے دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں، ان پر قدرتی طور پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔

"وکل ذلک ادراکات روحانیة فکذا ھھنا"

درندوں کا شیر کو دیکھ کر ڈرنا اور پرندوں کا باز کو دیکھ کر ڈرنا طبعی اور روحانی طور پر ان پر اثر ہوتا ہے، اس آیۃ کریمہ میں بھی اصحاب صفہ کی روحانی علامات کا ذکر ہے، جسمانی علامات کا ذکر نہیں۔ نماز میں خشوع کرنا بھی روحانی علامات ہیں، جن کو رب تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" ان کی علامات ان کے چہروں میں، سجدہ کے اثر سے۔ یعنی ان کا خشوع سے نماز ادا کرنا ہی دلالت کر رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں۔

Marfat.com

اصحابِ صفہ کی علامات کا یہ مطلب بھی ہے۔

"ظھور آثار الفکر، روی انھم کانوا یقومون اللیل للتھجد ویحتطبون بالنھار للتعفف"

کہ ان کے فکر کی علامات مراد ہیں، جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ وہ رات کو تہجد کی نماز کے لئے قیام کرتے اور دن کو لکڑیاں جمع کر کے لاتے (اور بیچتے) تاکہ کسی سے سوال نہ کرنا پڑے۔ (ماخوذ از کبیر)

راقم کا موقف:

علامہ رازی رحمہ اللہ کی دلیل بھی قابلِ صد تحسین ہے، لیکن باقی بزرگوں کے اقوال کو بھی رد کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ رب تعالیٰ کے ارشاد "یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف" کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص بے خبری میں ان کو غنی سمجھتا تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ان کو اپنی بے خبری کی وجہ سے غنی سمجھتے تھے کہ وہ سوال نہیں کرتے تھے، پہلے حدیث پاک بیان ہو چکی ہے کہ اصحابِ صفہ بعض اوقات بھوک کی وجہ سے نماز میں کھڑے کھڑے گر جاتے تھے، لیکن اعرابی ان کو پاگل سمجھتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ ان کی روحانی علامات کے ساتھ ساتھ ظاہری علامات بھی پائی جاتی تھیں، لیکن ظاہری علامات کو دیکھ کر بھی کئی حضرات ان کے حقیقی حال سے بے خبر تھے۔

ایک اور حدیث بھی بیان کی جا چکی ہے کہ اصحابِ صفہ میں ستر وہ تھے جن کے پاس چادر اوڑھنے کی بھی نہیں تھی، لیکن ان کے اس حال کو بھی دیکھ کر کئی حضرات ان کے حقیقی حال سے بے خبر ہی رہے۔

علامات پر بھی احکام مرتب ہوتے ہیں:

اگر کوئی شخص اسلامی ملک میں فوت ہو گیا لیکن اس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ وہ مؤمن ہے یا کافر، البتہ اس کی علامات کفر والی ہیں، یعنی اس کا ختنہ نہیں کیا ہوا، یا اس نے جنجو باندھا ہوا ہے، یہ ایک دھاگہ ہوتا ہے جو کافر لوگ اپنے وسط (درمیان) میں باندھتے ہیں، یہ ان کا مذہبی شعار ہے، ان علامات کو دیکھ کر اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اگر اس شخص پر مسلمانوں کی علامات پائی گئی ہوں تو اسے مسلمانوں کے

Marfat.com

قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اگر اس پر کفر کی علامات نہیں پائی گئیں اور نہ ہی مسلمان ہونے کی کوئی علامت پائی گئی تو وہ دار السلام میں پایا گیا تو دار السلام کی تابعداری کے لئے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور اگر وہ دار حرب میں پایا گیا اور اسلام یا کفر کی کوئی علامت نہ پائی گئی تو اسے کافر سمجھا جائے گا اور کفر کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ (ماخوذ از قرطبی و احکام القرآن للجصاص)

یہی حکم ہے لقیط کا، لقیط لاوارث پھینکے ہوئے بچے کو کہتے ہیں، یعنی وہ بچہ دار اسلام سے ملا ہے یا دار حرب سے، اس پر اسلام یا کفر کی علامات ہیں یا نہیں۔ دار اسلام سے ملا علاماتِ کفر اس پر نہیں تو وہ مسلمان سمجھا جائے، علاماتِ کفر پائی جائیں تو کافر سمجھا جائے لیکن یہ خیال میں رہے نابالغ بچے کا ختنہ نہ ہونا علامتِ کفر نہیں، اگر وہ دار اسلام سے ملا ہے اور اس پر علاماتِ اسلام نہیں تو وہ کافر سمجھا جائے گا اور اگر علاماتِ اسلام پائی گئیں تو مسلمان سمجھا جائے گا۔ (احکام القرآن للجصاص)

علامات پر قرآنی فیصلہ:

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی جب سیر و سیاحت کے بہانے ساتھ لے گئے اور کنوئیں میں پھینک کر واپس آئے اور ان کی قمیص کو خون آلود کر کے لائے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، تو قمیص پر خون لگانے کے باوجود رب تعالیٰ نے اسے جھوٹ کی علامت قرار دیا۔ ارشاد فرمایا "وجاء و اعلی قمیصه بدم کذب" اور اس کے کرتے پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔

یعنی قمیص صحیح و سلامت تھی اور خون آلود تھی، قمیص کا صحیح و سلامت ہونا ان کے جھوٹا ہونے کی علامت قرار دیا۔ اور جب عزیز مصر کی زوجہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کمرے میں بند کر کے اپنی خواہشات طلب کیں اور آپ نے وہاں سے بھاگ کر اپنے پاکیزہ دامن کو بچایا، عورت نے آپ کی قمیص کو پیچھے سے پکڑا تو وہ پھٹ گئی، اس عورت کے رشتہ دار شیر خوار بچہ نے واقعہ کی گواہی دی، اس نے بھی علامات کو سچ اور جھوٹ کا معیار بنایا، در حقیقت رب تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تعلیم سے ہی وہ بچہ کلام کر رہا تھا اور گواہی دے رہا تھا۔ اس کی گواہی کو رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

Marfat.com

"وشهد شاهد من اهلها ان كان قميصه قدمن قبل فصدقت وهو من الكاذبين☆وان كان قميصه قدمن دبر فكذبت وهو من الصادقين☆ (سورہ یوسف آیات، ۲۶، ۲۷)

اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا، اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور آپ سچے ہیں۔

"فلما رآ قميصه قدمن دبر قال انه من كيدكن ان كيدكن عظيم"

پھر جب عزیز نے اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو اس نے کہا بیشک یہ تم عورتوں کا مکر ہے، بیشک تمہارا مکر بڑا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولتعرفنهم في لحن القول" اور ضرور تم انہیں بات کے اسلوب میں پہچان لو گے۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہوا کہ علامات پر احکام مرتب فرمائے گئے۔ (ماخوذ از احکام القرآن للجصاص)

"لایسالون الناس الحافا" "وہ نہیں سوال کرتے لوگوں سے کہ گڑگڑانا پڑے"۔

"الحافا" اى الحاحا ومنه استعير الحف شاربه اذا بالغ في تناوله وجزه واصله من اللحاف وهو مايتغطى به "يقال الحفته فالتحف" (مفردات راغب)

"الحاف" کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو ڈھانپ دینا جس طرح کہا جاتا ہے میں نے اسے ڈھانپا وہ ڈھانپا گیا، "الحف شاربه" کا معنی یہ بھی کیا جاتا کہ وہ سارا ہی مشروب پی گیا۔

ان الفاظ مبارکہ کے دو مطلب

(۱) (لایسالون الناس الحافا) يعني الحاح قيل اذا كان عنده غداء لا يسأل عشاء واذا كان عنده عشاء لايسأل غداء"

وہ چمٹ کر اور لپٹ کر سوال نہیں کرتے، یعنی جب ان کے پاس صبح کا کھانا ہوتا ہے تو وہ شام کے کھانے کا سوال نہیں کرتے اور جب ان کے پاس شام کا کھانا ہوتا ہے تو وہ صبح کے کھانے کا سوال نہیں کرتے۔

(۲) وقيل لا يسالون الناس اصلا لأ نه قال يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف وهو ترك المسئلة

Marfat.com

فعلم بذلک انهم لا یسألون البتة"

اور اس کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا"

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف" بے خبر ان کو غنی سمجھتے ہیں ان کے درگذر کرنے کی وجہ سے ،یعنی وہ سوال نہیں کرتے اس لئے ان کے حال سے بے خبر لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔اس سے سمجھ آیا وہ سوال کرتے ہی نہیں۔ (خازن)

یہی دو معانی مدارک التنزیل میں بھی بیان کئے گئے ہیں اور بھی تفاسیر میں بیان کئے گئے ہیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ کی تحقیق اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ:

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیۃ کریمہ میں بظاہر مشکل در پیش آرہی ہے اسی لئے اس کو مختلف وجوہ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) **ایک وجہ** یہ بیان کی گئی ہے کہ" الحاف " کا معنی ہے "الحاح" چمٹنا، لپٹنا، گڑگڑانا۔

"والمعنی انھم سألوا بتلطف ولم یلحوا"

معنی یہ ہے کہ بیشک وہ نرمی سے سوال کرتے ہیں چمٹ کر اور لپٹ کر سوال نہیں کرتے، سوال کرنے میں گڑگڑاتے نہیں۔

یہ قول علامہ زمخشری صاحب کشاف کا ہے "وھو ضعیف" یہ ضعیف قول ہے۔کیونکہ رب تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کیا ہے" یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف" کہ وہ سوال کرنے سے رک جاتے ہیں۔وہ سوال سے درگزر کرتے ہیں "وذلک ینافی صدور السؤال عنھم" اس لئے یہ کہنا کہ وہ نرمی سے سوال کرتے ہیں، چمٹ کر سوال نہیں کرتے، رب تعالیٰ کے ارشاد کے مخالف ہے کہ" وہ سوال نہیں کرتے"

(۲) **دوسری وجہ** جو اس مقام پر تفسیر لکھنے کے دوران میرے ذہن میں آئی (علامہ رازی رحمہا اللہ کے ذہن میں آئی) وہ یہ ہے کہ مقصد رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی" یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف" کا یہ نہیں کہ ان کا وصف یہ ہے کہ وہ لپٹ کر، چمٹ کر سوال نہیں کرتے کیونکہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ وہ سوال سے درگذر

Marfat.com

کرتے ہیں، یعنی سوال کرتے ہی نہیں۔

"واذا علم انهم لايسألون البتة فقد علم ايضاانهم لايسألون الحافابل المرادالتنبيه على سوء طريقة من يسال الناس الحافا"

جب یہ معلوم ہوا کہ وہ بالکل سوال ہی نہیں کرتے تو اسی سے معلوم ہوگیا کہ وہ چمٹ کر بھی سوال نہیں کرتے، تو واضح ہوا بیان کا اصل مقصد چمٹ کر سوال کرنے کی مذمت کرنا تھا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ تمہارے پاس دو آدمی آجائیں، ان میں سے ایک صاحب علم وعقل، پروقار ہو، ایک بات پر ثابت رہنے والا ہو، اور دوسرا بے وقوف ہو، جلدی طیش میں آنے والا ہو، بیہودہ گفتگو کرنے والا ہو، تمہارا ارادہ ہو کہ تم عقل مند شخص کی مدح کرو اور بے وقوف کی مذمت کرو تو تم عقل مند کو خطاب کرتے ہوئے بے وقوف کی بھی ضمناً مذمت بیان کرلو، تم یہ کہو۔

"فلان رجل عاقل وقور قليل الكلام لا يخوض فى الترهات ولايشرع فى السفاهات"

فلاں شخص عقل مند، باوقار اور کم گفتگو کرنے والا ہے، بیہودہ باتوں میں نہیں پڑتا، بے وقوفی نہیں کرتا۔

یہ جو ذکر کیا ہے کہ وہ بیہودہ کلام اور بے وقوفانہ باتیں نہیں کرتا یہ عقل مند شخص کی صفات نہیں کی گئیں، کیونکہ اس کا عقل مند ہونا، باوقار ہونا، کم کلام کرنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ بے وقوف نہیں، بلکہ یہاں دوسرے بے وقوف شخص کی مذمت بیان کی جارہی ہے۔ اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمایا" يحسبهم الجاهل اغنياء من التعفف" اس کے بعد ذکر فرمایا " لايسألون الناس الحافا"

"الغرض منه التنبيه على من يسال الناس الحافا وبيان مباينة احدالجنسين عن الآخر فى استيجاب المدح والتعظيم"

اس کے بیان میں اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ کوئی شخص چمٹ کر سوال نہ کرے، اور یہ بتانا مقصود ہے کہ قابلِ تعریف وہی لوگ ہیں جو سوال ہی نہیں کرتے، اور جو سوال کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں، چمٹ کر لپٹ کر سوال کرتے ہیں وہ قابل مذمت ہیں۔

Marfat.com

(۳) **تیسری وجہ:** یہ ہے کہ سائل جب لپٹ کر، گڑ گڑا کر سوال کرے " هو الذی یستخرج المال بکثرة تلطفه " وہ بہت زیادہ نرم گفتگو کر کے مال حاصل کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی (**لا یسألون الناس**) کا مطلب ہے "**بالرفق والتلطف**" کہ وہ نرمی سے بھی سوال نہیں کرتے کہ تم ہم پر مہربانی کردو، جب وہ نرمی اور مہربانی طلب کرنے سے سوال نہیں کرتے " فبان لایوجد علی وجه العنف أولی "تو یقیناً سختی سے بھی وہ سوال نہیں کرتے، جب دونوں قسمیں سوال کی منع ہوگئیں تو مطلقاً سوال کرنا بھی منع ہوگیا۔

"**فعلی هذ ایکون قوله(لا یسألون الناس الحافا) کالموجب لعدم صدور السوأل منهم اصلا**"

اسی سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی " لایسألون الناس الحافا " کا مطلب یہ کہ وہ سوال ہی نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے۔

(۴) **چوتھی وجہ:** اللہ تعالیٰ نے اصحابِ صفہ کے متعلق بیان فرمایا کہ وہ فقراء ہیں، شدید حاجتمند ہیں، ایسے حال میں" لا یمکنه ترک السؤال الا بالحاح شدید منه علی نفسه " انسان سوال نہیں چھوڑ سکتا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ چمٹ کر سوال نہ کرے، گڑ گڑائے نہیں۔

جب شدید حاجت کے وقت انسان سوال ہی نہ کرے تو اس کا اپنے آپ کو روکنا گویا کہ اپنے نفس پر شدید جبر کرنا ہے۔ یہ ان کی زیادہ تعریف اور تعظیم پر دلالت کر رہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ولی نفس اقول لهااذا ما　　　　تنازعنی لعلی او عسانی

جب میرا نفس مجھ سے جھگڑا کرتا ہے (یعنی مطالبہ کرتا ہے) تو میں اسے کہتا ہوں شائد ایسا ہو کہ میں تمہاری خواہشات کو پورا کرلوں۔

(۵) **پانچویں وجہ:** یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو سوال کرتا ہے وہ بعض اوقات گڑ گڑا کر بھی سوال کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مطلقاً سوال کرتا ہے "فقد أراق ماء وجهه"تو اس کے چہرے کی رونق اور تروتازگی چلی جاتی ہے۔

اب وہ یہ خیال کرتا ہے کہ جب میں نے سوال کرنے کی ذلت برداشت کر لی تو اب میں خالی نہ لوٹوں، بلکہ

Marfat.com

مجھے مقصد بھی حاصل ہوجائے "فھذا الخاطر یحملہ علی الالحاف و الالحاح" جب اس کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ سوال کرنے کی ذلت کے بعد مجھے خالی نہیں لوٹنا چاہئے تو وہ گڑگڑانا شروع کردیتا ہے۔ جی حضوری بن کر مانگنا شروع کردیتا ہے۔

"فثبت ان کل من سأل فلا بد وان یقدم علی الالحاح فی بعض الاوقات"

اسی سے یہ واضح ہوگیا کہ بعض اوقات گڑگڑا کر سوال کرنے سے پہلے مطلقاً سوال پایا جاتا ہے ،پھر مقصد کے بغیر لوٹنے کی خطرہ سے گڑگڑا کر سوال کرتا ہے۔

"فکان نفی الالحاح عنھم مطلقاموجبالنفی السؤال عنھم مطلقا"

ان کے گڑگڑا کر سوال کرنے کی نفی سے بھی مطلقاً سوال کی نفی ثابت ہوجائے گی۔

(۶) **چھٹی وجہ:** یہ ہے کہ انسان سوال تو نہ کرے لیکن اپنے پراگندہ حال سے فقر، مسکینی اور محتاجی کو ظاہر کرے وہ اگرچہ زبان سے سوال تو نہیں کررہا لیکن اپنے حال سے گویا کہ وہ گڑگڑا کر سوال کررہا ہے۔

"لأن ظھور امارت الحاجة تدل علی الحاجة وسکوته یدل علی أنه لیس عنده ما یدفع به تلک الحاجة ومتی تصور الانسان من غیره ذلک رق قلبه جدا وصار حاملاله علی ان یدفع الیه شیأ فکان اظھار ھذه الحالة ھو السؤال علی سبیل الالحاف"

کیونکہ اپنی حاجتمندی کی علامات کو ظاہر کرنا بھی اس کی حاجت پر دلالت کررہا ہے اور اس کا خاموش رہنا اور سوال نہ کرنا بھی اس پر دلالت کررہا ہے کہ اس کے پاس کچھ مال بھی نہیں جس سے وہ اپنی حاجت کو دور کرسکے، جب انسان غیر سے یہ تصور کرے کہ وہ میری اس غریبانہ اور فقیرانہ حالت کو دیکھ کر، اور میری حسرت بھری نگاہوں کو وہ اپنی طرف اٹھتا ہوا دیکھ کر خود بخود مجھ پر رحم کرے گا، تو یقیناً اس کا دل نرم ہوگا اور اپنی حالت سے گویا کہ وہ اپنی حاجت کسی کے پاس لے جارہا ہے، تو اسے بھی گڑگڑا کر سوال کرنے سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔

رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی "لا یسألون الناس الحافا" کا مطلب یہ ہوگا۔

"انھم سکتوا عن السؤال لکنھم لایضمون الی ذلک السکوت من رثاثة الحال

Marfat.com

واظھار الانکسار مایقوم مقام السؤال علی سبیل الالحاف بل یزینون انفسم عند الناس ویتجملون بھذاالحلق ویجعلون فقرھم وحاجتھم بحیث لایطلع علیہ الاالخالق "

کہ بیشک وہ اصحابِ صفہ سوال نہیں کرتے اور وہ اپنے پراگندہ حال اور شکستہ حال سے بھی اپنی حاجت کو ظاہر نہیں کرتے کہ ان کا فقیرانہ اور غریبانہ حال گڑگڑا کر سوال سمجھ آئے ، بلکہ وہ اپنا ظاہری حال سنوار کر رکھتے ہیں اور ظاہر طور پر اپنی شکل وصورت اور لباس وغیرہ سے اپنے آپ کو درست حال میں رکھتے ہیں، اپنی حاجتمندی اور غربت کو اس طرح چھپا کر رکھتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ (ماخوذ از کبیر)

علامہ رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھنے کے بعد اعلیٰ حضرت موالا احمد رضاء خان بریلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ دیکھے تو خوب ترین نظر آئے گا"لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے" راقم نے بھی یہی ترجمہ نقل کیا ہے۔

دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں:

آیۃ کریمہ کے الفاظ مبارکہ " لایسألون الناس الحافا" میں "الحافا" مفعول لہ ہے۔طلباء کرام اپنے ذہنوں میں مفعول لہ کے چھائے ہوئے ترجمہ کے مطابق یوں ترجمہ کرسکتے ہیں وہ نہیں سوال کرتے لوگوں سے بسبب گڑگڑانے کے۔مفعول لہ کے مطابق ترجمہ کرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو دیکھیں تو وہ بہت آسان اور خوبصورت نظر آئے گا۔ (راقم)

حقیقی فقیر کون ہے؟

"واخرج ابن المنذروابن ابی حاتم عن یزید بن قاسط السکسکی قال کنت عند عبداللہ بن عمراذ جاء ہ رجل یسألہ فد عا غلامہ فسارہ فقال للرجل اذھب معہ ثم قال لی اتقول ھذافقیر فقلت واللہ ما سأل الامن فقر،فقال لیس بفقیر من جمع الدرھم الی الدرھم والتمرۃ الی التمرۃ ولکن من انقی نفسہ وثیابہ لا یقدر علی

Marfat.com

شیٔ "یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف تعر فهم بسیماهم لا یسألون الناس الحافا"
"فذلک الفقیر"

یزید بن قاسط سے مروی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا جب کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا، جوان سے سوال کرنے لگا، تو آپ نے اپنے غلام کو بلایا اس کے کان میں کچھ کہا (یعنی سائل کو کچھ دینے کے لئے کہا) اور اس شخص کو کہا اس غلام کے ساتھ چلے جاؤ، پھر آپ نے مجھے کہا تم اسے واقعی فقیر سمجھتے ہو، میں نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اس نے سوائے فقر کے سوال نہیں کیا، آپ نے فرمایا یہ حقیقی طور پر فقیر نہیں، اس کا کام تو صرف دراہم جمع کرنا اور کھجوریں جمع کرنا ہے، لیکن وہ شخص جس کا نفس اور کپڑے صاف ستھرے ہوں، کسی چیز پر قادر نہ ہو، اور رب تعالیٰ کے ارشادگرامی کے مطابق "ان کو سوال نہ کرنے کی وجہ سے بے خبر لوگ ان کو غنی سمجھے، ان کو تم ان کی علامات سے پہچان لو (کہ یہ فقیر ہیں) وہ لوگوں سے سوال نہ کریں کہ گڑگڑانا پڑے، یہ لوگ حقیقی طور پر فقیر ہیں۔ (درمنثور)

حقیقی مسکین کون؟

"واخرج البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لیس المسکین الذی ترده التمرة والتمرتان واللقمة واللقمتان انما المسکین الذی یتعفف واقرؤا ان شئتم لایسألون الناس الحافا"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص (حقیقی طور پر) فقیر نہیں جو ایک یا دو کھجوروں کے لئے، ایک یا دو لقموں کے لئے در بدر پھرے، مسکین تو وہ ہے جو سوال ہی نہ کرے بلکہ درگذر کرے، اگر تم چاہتے ہو تو یہ پڑھو "لایسألون الناس الحافا" وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔ (درمنثور)

طلباء کرام ایک مرتبہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ارشادگرامی کو گہری نظر سے دیکھیں، غور وفکر کریں کہ آپ نے

Marfat.com

"یتعفف" کے بعد "لایسألون الناس الحافا" کا ذکر فرمایا، آپ کے ارشاد گرامی کو دیکھئے، پھر علامہ رازی رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھیں، پھر اعلیٰ حضرت حضرت علامہ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ کو دیکھیں تو تحقیقی ترجمہ نظر آئے گا اور خوب سے خوب ترین نظر آئے گا۔

"وماتنفقوامن خیرفان اللہ بہ علیم"

''اور جو مال تم خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔''

یہ الفاظ گرامی کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی "وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون" (وہ جو مال تم خرچ کرتے ہو پورا (اجر) تمہیں دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا) کے مثل ہیں، لیکن تکرار نہیں۔ بلکہ دو وجہ سے فرق ہے۔

(۱) **ایک وجہ**: ان میں سے یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وماتنفقوامن خیر یوف الیکم" تو اس سے معلوم ہوگیا "ان توفیة الأجر من بخس ونقصان" کہ اللہ تعالیٰ نے کامل اجر دینا ہے اس میں کوئی کمی اور نقصان نہیں ہوگا۔ تو اسی سے معلوم ہوگیا کہ پورا پورا اجر دینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عمل کی مقدار معلوم نہ ہو، اور ثواب کے مستحق ہونے کی کیفیاتِ مؤثرہ کا علم نہ ہو۔

"لاجرم قررفی ھذاالآیة کونہ تعالی عالما بمقادیرالأعمال و کیفیاتھا"

تو یقیناً اس آیۃ کریمہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی مقدار اور ان کی کیفیت کو جانتا ہے کہ کتنا مال خرچ کیا گیا اور اس میں کیا نیت پائی گئی اور کتنا خلوص پایا گیا۔

گویا کہ جو مسئلہ "وما تنفقوا من خیر یوف الیکم" سے ضمناً سمجھ آیا، وہ "وما تنفقوامن خیر فان اللہ بہ علیم" سے صراحۃً سمجھ آگیا۔

(۲) **دوسری وجہ**: ان میں سے یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جب صدقہ دینے کی رغبت دلائی اور نفلی صدقات مسلمانوں کو اور ذمی کفار کو بھی دینے کی اجازت فرمائی، پھر یہ فرمایا "وماتنفقوامن خیر یوف الیکم" تو اس

Marfat.com

سے واضح ہو گیا" ان اجره واصل لامحالة " بیشک اس کا ثواب تمہیں ملنا ہی ملنا ہے، خواہ مسلمان کو دو یا ذمی کافر کو دو۔ پھر اس آیۃ کریمہ میں بیان فرمایا کہ صدقات وخیرات فقراء کو دو، پھر فقراء کی صفات بھی بیان فرمائیں کہ وہ ان کامل صفات والے ہیں۔

"وکان هذا الانفاق اعظم وجوه الانفاقات، لاجرم اردفه ممايدل على عظمة ثوابه فقال (وما تنفقوا من خير فان الله به عليم)"

اصحابِ صفہ جیسے فقراء جو بہت کامل صفات والے تھے، سوال نہیں کرتے تھے، اپنے حال کو بھی سنوار کر رکھتے تھے تاکہ ہمارے حال سے کوئی مطلع نہ ہو تو یقیناً ایسے حضرات پر مال خرچ کرنا بھی عظیم درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب بھی عظیم ہوگا، تو رب تعالیٰ نے اسی عظیم ثواب کا تذکرہ ان الفاظ مبارکہ میں کر دیا "وما تنفقوا من خير فان الله به عليم" اور جو مال تم خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے جانتا ہے۔ یعنی خرچ کرنے میں جتنا خلوص زیادہ ہوگا، مال پاک وحلال ہوگا، جسے دیا گیا وہ نیک اور مستحق ہوا تو اس پر رب تعالیٰ عظیم ثواب عطا کرے گا، کیونکہ وہ تمہارے خرچ کرنے کو جانتا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

فقراء کی فضیلت میں احادیثِ مبارکہ:

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم على الله لأبره"

(در منثور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتنے ہی پراگندہ بالوں والے اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے اگر اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھا دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

وضاحت حدیث: "اشعث ای متفرق شعر راسه" اشعث کا معنی بالوں کا بکھرا ہوا ہونا۔

"قال البيضاوی رحمه الله الاشعث هو المغبر راسه المتفرق الشعر"

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ جس شخص کے بال غبار آلود ہوں اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اسے "اشعث" کہا جاتا ہے۔

مدفوع بالابواب۔ کے دو معانی ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک حقیقی معنی ہے، وہی معنی لینا زیادہ بہتر ہے، وہ معنی یہ ہے کہ

Marfat.com

"یدفع عن الدخول علی الأعیان والحضور فی المحافل فلایترک ان یلج الباب فضلاان یحضر معهم ویجلس فیما بینهم"

کہ ان کو دنیاوی سرداروں اور اربابِ حکومت کے پاس جانے سے منع کر دیا جاتا ہے، اور محافل میں انہیں بیٹھنے نہیں دیا جاتا، انہیں دروازے کے اندر ہی نہیں جانے دیا جاتا، ان فقیروں کا ان امیروں کے پاس حاضر ہونا اور ان کی محافل میں بیٹھنا تو دور کی بات ہے۔

(۲) دوسرا معنی مجازی ہے، وہ یہ ہے۔

"لما اراد اللہ ستر حاله عن الخلق لئلا یحصل له بالغیر شیء من الاستئناس فیحفظه من الوقوف علی ابواب الظلمة واکلة الحرام"

جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ان میرے بندوں کا حال مخلوق سے چھپا ہوا رہے تاکہ ان کو غیروں کی کسی چیز سے اُنس نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ان کو ظالموں کے دوازے پر جانے سے اور حرام کھانے سے اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے۔

اس معنی کے لحاظ پر یہ مطلب ہے کہ ان کو دنیاداروں کے دروازوں پر پہنچنے پر دھکیلا نہیں جاتا، کیونکہ یہ اولیاء کرام کی شان کے لائق نہیں۔ یہ تمام بحث علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کی ہے۔ لیکن راقم کا اس پر موقف یہ ہے کہ دونوں قسم کے فقراء مراد ہیں، مرقاۃ میں بھی ملامتیہ فرقہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ پر قسم اٹھانے کا کیا مطلب؟

"لو اقسم علی اللہ ای علی فعله سبحانه بلن حلف ان اللہ یفعل کذا او لایفعله"

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فعل پر قسم اٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کرے گا یا یہ نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

جیسا کہ حضرت انس بن نضر نے قسم اٹھائی تھی کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی رُبیّع کا دانت نہیں توڑا جائے گا، جب کہ ربیع سے قصاص لینے کا حکم نافذ ہو گیا کیونکہ جس قبیلے کے شخص کا انہوں نے دانت توڑا تھا، وہ فدیہ لینے پر رضامند

Marfat.com

نہیں ہو رہے تھے لیکن انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے آخر کار ان کو رضا مند کر لیا کہ وہ فدیہ لے لیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض لوگ اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔

(ماخوذ از مرقات ج ۱۰ ص ۲)

۷۔ وعن مصعب بن سعد قال رأى سعد ان له فضلا على من دونه فقال رسول اللہ ﷺ ہل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم" (رواه البخاری، مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سعد رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ ان کو دوسروں (فقیروں) پر فضیلت حاصل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری امداد نہیں کی جاتی ہے اور نہ ہی تمہیں رزق دیا جاتا ہے سوائے کمزور حال لوگوں کے۔

وضاحت حدیث: "رأى سعد ای ظن او توهم" یعنی حدیث شریف میں جو "رای" استعمال ہوا ہے اس کا معنی گمان کرنا اور وہم کرنا لیا گیا ہے۔ حضرت سعد نے اپنے آپ کو افضل سمجھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو شجاعت اور سخاوت حاصل تھی۔

"على من دونه "ای من الفقراء والضعفاء" یعنی حدیث شریف میں "على من دونه" کا معنی ہے اپنے سوا فقراء اور کمزور حال لوگوں پر (انہوں نے اپنے آپ کو افضل سمجھا)

تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت کو جواب دیتے ہوئے اور دوسرے لوگوں کو تبلیغ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"هل تنصرون وترزقون الا بضعفائكم"

تمہاری (دشمن کے خلاف) امداد نہیں کی جاتی اور نہ ہی تمہیں (مال غنیمت اور ہر طرح کا) رزق دیا جاتا ہے سوائے فقیر یعنی غریب لوگوں کے۔

"فهم بمنزلة الاقطاب والاوتاد لثبات العباد والبلاد"

یعنی فقیر لوگ قطب اور اوتاد کے درجہ میں ہوتے ہیں ان کی وجہ سے ہی اللہ کے بندے اور ان کے شہر قائم ہیں۔ یہ سب فقیر لوگوں کی برکت ہے وہ نہ رہے تو جہاں بھی نہیں رہے گا۔

Marfat.com

”وحاصله انه انما جعل النصر علی الاعداء وقدرتوسیع الرزق علی الاغنیاء ببرکة الفقراء فاکرموهم ولاتتکبروا علیهم فانهم اهل سلوک المحبة علی اضیق المحجة وملوک الجنة فی اعلی مراتب المعزة“

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو دشمنوں پر امداد حاصل ہونا اور اغنیاء کے رزق میں قدرِ وسعت فقراء کی برکت سے ہے، تم ان کی عزت کرو، اور ان پر تکبر نہ کرو، بیشک وہ جحت کی دشوار گذار وادیوں میں محبت کی راہ میں چل رہے ہیں، وہ عزت کے اعلیٰ مراتب میں جنت کے بادشاہ ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو شجاعت اور کرم اور سخاوت کی وجہ سے فضیلت حاصل تھی تو نبی کریم ﷺ نے جو انہیں ارشاد فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا۔

”ان تلک الشجاعة ببرکة ضعفاء المسلمین وتلک السخاوة ایضا ببرکتهم“

کہ یہ شجاعت اور کرم جو تمہیں حاصل ہیں وہ غریب وفقیر مسلمانوں کی برکت کی وجہ سے ہی حاصل ہیں۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی ”هل تنصرون وترزقون الابضعفائکم“ میں ”هل“ استفہام انکاری کے طور پر استعمال ہے، البتہ کلام کو استفہام کی صورۃ میں ظاہر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

”وابرزه فی صورة الاستفهام لیدل علی مزید التعزیر والتوبیخ“

صورتِ استفہام میں ظاہر کرنے کا یہ مقصد تھا کہ مزید تعزیر اور توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) پر دلالت کرے۔

ابونعیم نے حلیہ میں جو روایت نقل کی ہے اس میں اور زیادہ واضح الفاظ موجود ہیں۔

”هل تنصرون الابضعفائکم بدعوتهم واخلاصهم“

تمہاری امداد نہیں کی جاتی مگر تمہارے فقراء وغرباء کی دعاؤں اور ان کے خلوص سے۔ (وضاحت مزید از مرقات ج۱۰ ص۳)

☆ ”وعن اسامة بن زید قال قال رسول الله ﷺ قمت علی باب الجنة فکان عامة من دخلها

Marfat.com

المساکین واصحاب الجد مخوسون غیر ان اصحاب النار قد امربھم الی النار وقمت علی باب النار فاذاعامة من دخلھا النساء" (بخاری ومسلم ،مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں عام داخل ہونے والے مساکین تھے، اور غنی لوگوں کو روکا ہوا تھا سوائے اس کے کہ جہنم والے لوگوں کو جہنم میں بھیجنے کا حکم دیا جائے گا، اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔

وضاحت حدیث:

جنت اور جہنم کے دروازں پر آپ کب کھڑے ہوئے؟ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت نہیں فرمائی، اس لئے اس میں کئی احتمال ہیں۔

"(قمت علی باب الجنة) ای لیلةالمعراج اوفی المنام اوحالة کشف المقام اوبطریق دلالةالمرام"

ایک احتمال یہ ہے کہ آپ معراج کی رات جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہوں اور احتمال یہ ہے کہ آپ نے خواب میں دیکھا ہو اور احتمال یہ ہے کہ آپ نے یہاں زمین سے جاگتے ہوئے جنت کے دروازے پر اپنے آپ کو کھڑا پایا ہو۔ اور احتمال یہ ہے کہ آپ کو مقصد کی دلالت حاصل ہوگئی ہو۔

"فکان عامة من دخلھا" ای اکثرھا"

یعنی "عامة" کا معنی اکثر ہے، کہ جنت میں داخل ہونے والے زیادہ تعداد میں مساکین تھے۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

" فکان عامة من دخلھاالمساکین " میں دو ترکیبیں ہیں "عامة من دخلھا "کو مرفوع پڑھیں اسم کان بنائیں، اور "المساکین" کو منصوب پڑھیں وہ خبر کان ہو۔

Marfat.com

اور دوسری ترکیب اس کے برعکس (الٹ) ہے، یعنی "المساکین" کو مرفوع پڑھیں اسم کان ہو، اور "عامة من دخلها" منصوب ہو خبر کان کی وجہ سے۔"المساکین" سے مراد ضعیف اور فقراء لوگ ہیں۔

"اصحاب الجد" سے مراد مؤمنین میں سے اغنیاء لوگ اور امراء ہیں، کیونکہ "جد" کا معنی ہے بخت جو غناء کو بھی شامل ہے۔

اغنیاء مؤمنین کو روکے جانے کا کیا مطلب؟

اغنیاء مؤمنین کو قیامت کے دن صحراء میں روک دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے فانی دنیا کا مال جمع کیا، اور دنیاوی مناصب حاصل کیے، اس لئے ان کو میدان قیامت میں روک دیا جائے گا کیونکہ ان کے کثیر مال کی وجہ سے اور وسیع مراتب کی وجہ سے اور ان سے تلذذ حاصل کرنے کی وجہ سے اور خواہشات نفسانیہ کے مطابق منافع حاصل کرنے کی وجہ سے ان کا حساب بھی لمبا ہوگا۔

"فان حلال الدنیاله حساب ولحرامها عقاب"

ان سے دنیاوی حلال مال کا حساب لیا جائے گا، اور حرام مال پر عذاب دیا جائے گا۔

"والفقراء من هذا براء فلایحاسبون ولایحبسون بل قبل الاغنیاء باربعین خریفا فی الجنة یدخلون مکافأة لهم فی العقبی لما فاتهم عن الدنیا"

فقیر لوگ اس سے بری ہوں گے، ان کا اس طرح کا حساب نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ان کو روکا جائے گا بلکہ وہ جنت میں چالیس سال اغنیاء سے پہلے جائیں گے، یہ آخرت میں ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مال ودولت کی وجہ سے محرومی کے بدلے میں بطور انعام دیا جائے گا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ کفار کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا اور اغنیاء مؤمنین کو میدان قیامت میں مال ودولت کے حساب کے لئے روک دیا جائے گا۔ اور فقراء مسلمانوں کو جلدی ہی جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ یعنی اصحاب جنت کے دو گروہ ہوں گے، ایک محبوسین (روکے ہوئے) اور دوسرے مدخلین (بغیر رکاوٹ کے جنت میں داخل کئے جانے والے، اور کافروں کا صرف ایک ہی گروہ ہوگا جو جلدی ہی جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔

Marfat.com

کثیر عورتوں کے جہنم میں جانے کی وجہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جہنم کے دروازے پر داخل ہوا تو کثیر تعداد میں عورتوں کو جہنم میں داخل ہوتے ہوئے پایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ

"لکثرة میلهن الی الدنیا ولمنعهن الرجال عن طریق العقبی"

کہ عورتوں کو دنیا کی طرف کثیر رغبت کرنے کی وجہ سے اور مردوں کو بھی آخرت کی طرف توجہ اور نیکی کے کاموں سے روکنے کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

خیال رہے کہ یہ حدیث پاک مسند احمد اور نسائی میں بھی ہے۔ (ماخوذ از مرقات، ج ۱۰ ص ۳)

☆ "وعن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ ان فقراء المهاجرین یسبقون الاغنیاء یوم القیامة الی الجنة باربعین خریفا" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک مہاجرین فقراء قیامت کے دن اغنیاء سے چالیس سال پہلے جائیں گے۔

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ یدخل الفقراء الجنة قبل الاغنیاء بخمسمائة عام نصف یوم" (رواہ الترمذی، مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے، قیامت کے نصف دن کے برابر۔

دونوں حدیثوں کی وضاحت و تطبیق:

پہلی حدیث میں جو لفظ "خریفا" استعمال ہے، اس کا معنی موسم خریف ہی ہے جو مشہور و معروف ہے، یعنی موسم خزاں، پھر اس سے مراد سال ہے کیونکہ یہ موسم سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔

بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض (ایک دوسرے کے مخالف ہونا) نظر آتا ہے، کیونکہ ایک حدیث شریف

Marfat.com

میں فقراء کا اغنیاء سے جنت میں چالیس سال پہلے جانے کا ذکر ہے، جبکہ دوسری حدیث میں پانچ سو سال کا ذکر ہے، ان میں تطبیق کیسے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے۔

"فأولی حمل الحدیث علی معنی یفهم الحکم عموماوهوان یقال المراد بکل من العددین انما هو التکثیر لاالتحدید فتارة عبربه واخری بغیر ه تفننا"

کہ دونوں حدیثوں میں جو تعداد کو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد معین تعداد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے کہ فقراء اغنیاء سے جنت میں بہت پہلے مدت چلے جائیں گے۔ یہ ایک خصوصی انداز بیان ہے جس میں کثرت کو کبھی چالیس سے تعبیر کر دیا جاتا ہے اور کبھی پانچ سو سے۔

عربی حضرات کثرت کو کبھی ستر سے تعبیر کرتے ہیں، کبھی چالیس سے، کبھی پانچ سو سے، یہ ان کا انداز بیان ہوا کرتا تھا۔ ہم اگر اپنے محاورہ کو دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ ہم بھی کثرت کو مختلف الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں "یہ بات میں تمہیں دس مرتبہ سمجھا چکا ہوں پھر بھی تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ بیس مرتبہ سمجھا چکا ہوں، سو مرتبہ سمجھا چکا ہوں، ہزار مرتبہ سمجھا چکا ہوں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے۔

"او التقدیر باربعین خریفا اشارة الی اقل المراتب وبخمس مائة عام الی اکثرها"

ممکن ہے کہ دونوں حدیثوں سے مراد معین تعداد ہی ہو، چالیس سے مراد کم مرتبہ ہو یعنی کم از کم چالیس سال پہلے اغنیاء سے جنت میں جائیں گے۔ اور پانچ سو سال سے مراد زیادہ تعداد ہو کہ فقراء جنت میں اغنیاء سے زیادہ مدت پہلے جائیں گے۔ وہ زیادہ مدت پانچ سو سال ہو گی۔

طبرانی کی ایک روایت مسلمہ بن مخلد سے اس کی تائید بھی کر رہی ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"سبق المهاجرون الناس باربعین خریفا الی الجنة ثم یکون الزمرة الثانیة مائة خریف "

مہاجرین دوسرے لوگوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، پھر ایک اور جماعت دوسرے لوگوں سے ایک سو سال پہلے جنت میں داخل ہو گی۔

اس روایت سے ممکن ہے کہ بیان کرنا مقصود ہو کہ تیسری جماعت تین سو سال پہلے جائے گی، اور چوتھی

Marfat.com

جماعت چار سو سال پہلے جائے گی اور پانچویں پانچ سو سال پہلے جائے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اور تیسرا جواب یہ ہے۔

"اوالاختلاف باختلاف مراتب اشخاص الفقراء فی حال صبرھم ورضاھم وشکرھم"

کہ فقراء کے مختلف مراتب ہیں کوئی زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی کم، کوئی زیادہ رضاء مندی رکھنے والا، کوئی کم۔ کوئی زیادہ شکر کرنے والا، کوئی کم۔ ان مراتب کے فرق کی وجہ سے ہی کوئی دوسرے لوگوں سے زیادہ مدت پہلے جنت میں داخل ہوگا اور کوئی کم مدت پہلے داخل ہوگا۔

فائدہ: "وخلاصته ان الفقراء فی تلک المدة لھم حسن العیش فی العقبی مجازاة لما فاتھم فی الدنیا"

حاصل کلام یہ ہے کہ فقراء جتنی مدت اغنیاء سے پہلے جنت میں جائیں گے اتنی مدت وہ جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کی وجہ سے عیش وعشرت میں ہوں گے، دراصل یہ ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے انعام دیا جائے گا کہ وہ دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی گزارنے سے دور رہے، مشقتیں برداشت کیں۔

تنبیہ: دوسری حدیث شریف میں جو لفظ "نصف یوم" کے ہیں، ان کا مطلب یہ ہے۔

"فان الیوم الاخروی مقدار طوله الف سنة من سنی الدنیا لقوله تعالی "وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون "فنصفه خمسمائة"

کہ قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار سالوں کے برابر ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

بیشک دن تمہارے رب کے ہاں ہزار سالوں کی طرح ہوگا جو تم شمار کرتے ہو۔

مطلب یہ ہے کہ بعض خوش قسمت فقراء، رب تعالیٰ کے مقربین دوسرے لوگوں سے دنیاوی پانچ سو سال کی مقدار پہلے جنت میں جائیں گے جو قیامت کا نصف دن ہوگا۔

بظاہر اس پر وہم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی دوسری آیۃ کریمہ میں ہے۔ "فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة" یعنی اس آیۃ میں قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ذکر کیا گیا ہے تو ان دونوں آیتوں میں تطبیق کیسے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

Marfat.com

"فهذا مخصوص من عموم ماسبق"

کہ پہلی آیۃ کریمہ میں اخروی ہر دن پچاس ہزار سال کا ذکر ہے اور اس آیۃ کریمہ میں خاص نشر کا دن بیان کیا گیا ہے، اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق واضح ہو گئی۔ اور دوسرا جواب یہ ہے۔

"او محمول علی تطویل ذلک الیوم علی الکفار کما یطوی حتی یصیر کساعة بالنسبة الی الابرار کما یدل علیه قوله تعالی فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکفارین غیر یسیر"

کہ پچاس ہزار سال کی نسبت کفار کی طرف ہے کہ وہی دن جو درحقیقت ہزار سال کے برابر ہوگا، وہ کافروں کو مشکل امر کی وجہ سے پچاس ہزار سال کا نظر آئے گا، اور رب تعالیٰ کے مقربین کو ایک گھڑی کے برابر نظر آئے گا، عام لوگوں کو ایک ہزار سال کے برابر نظر آئے گا۔ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس پر دلالت کر رہا ہے "جب ناقور بجائے جائے گا (یعنی صور پھونکا جائے گا) تو وہ دن کافروں پر مشکل ہوگا، آسان نہیں ہوگا۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۰ ص ۴۳ ص ۱۰، ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۰ ص ۴۳ ص ۱۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر:

"وعن عمر قال دخلت علی رسول الله ﷺ فاذاهو مضطجع علی رمال حصیر لیس بینه وبینه فراش قد اثر الرمال بجنبه متکأ علی وسادة من ادم حشوها لیف قلت یا رسول الله ادع الله فلیوسع علی امتک فان فارس والروم قد وسع علیهم وهم لایعبدون الله فقال اوفی هذا انت یاابن الخطاب اولئک عجلت لهم طیبا تهم فی الحیوة الدنیا، وفی روایة اما ترضی ان تکون لهم الدنیا ولنا الآخرة"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں رسول اللہ ﷺ پر داخل ہوا، آپ بان کی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اس پر بستر نہیں تھا۔ آپ کے پہلو پر بان کے نشانات پڑ گئے تھے، آپ کا تکیہ چمڑے

Marfat.com

کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ آپ کی امت کو وسعت عطاء فرمائے، بیشک فارس اور روم کو اس نے وسعت (مالی کشادگی) دے رکھی ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے، تو آپ نے فرمایا اے ابنِ خطاب ابھی تم اس میں ہی (تم یہیں) ہو، ان لوگوں کو جلدی دنیا کی زندگی میں دنیاوی نعمتیں عطاء کردی گئی ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کیا تم پسند نہیں کرتے کہ ان کو دنیا حاصل رہے اور ہمیں آخرت حاصل ہو۔

وضاحت حدیث: رمال (بکسر الراء وضمها) رمال کی راء پر زیر بھی پڑھی گئی ہے اور پیش بھی۔ یہ جمع ہے رمیل کی، اس کا معنی ہے "مرمول" والا، یعنی بُنی ہوئی"

اور حصیر سے مراد کھجور کے پتوں سے بُنی گئی "والمراد انه کان السریر قد نسج وجهه بالسعف" مراد یہ ہے کہ آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے جو کھجور کے پتوں سے بنائے ہوئے بان سے بُنی گئی تھی۔

"لیس بینه وبینه فراش" یعنی نبی کریم ﷺ اور چارپائی کے بان کے درمیان کوئی سوتی اور ریشمی بستر یا چادر وغیرہ نہیں تھی۔ اس بان سے نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر کے پہلو میں نشان ڈال دیئے تھے، جو قمیص کے ہٹانے کی وجہ سے واضح طور پر نظر آرہے تھے۔

"ادم" بفتحتین جلد۔ "أدم" کے ہمزہ اور دال پر زبر ہے، جس کا معنی ہے چمڑا۔

"لیف" "لیف النخل" "لیف" کا معنی ہے کھجور کے پتے۔ یعنی آپ کا تکیہ بھی بہت سادہ تھا جو کھجوروں کے پتوں سے بھرا ہوا تھا، اس میں کوئی نرم چیز یعنی روئی وغیرہ نہیں بھری گئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عرض کی وجہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اپنی امت کے لئے وسعت مالیہ (مال کی کشادگی) کی دعاء کریں، آپ کے عرض کرنے اصل میں وجہ یہ تھی۔

Marfat.com

"فانهم لایطیقون متابعتک فی تحمل محنتک فربما یتنفرون عن المیل الی ملتک"

کہ یارسول اللہ آپ تو اتنی مشقت برداشت کررہے ہیں، آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے صبر عظیم عطاء کر رکھا ہے، لیکن آپ کی امت تو اتنی مشقت برداشت نہیں کرسکتی، ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ اس مشقت کو برداشت نہ کرتے ہوئے دین سے ہی نہ پھر جائیں۔

نبی کریم ﷺ کا جواب:

ابتدائی طور پر تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔

"أوفی هذاانت یاابن الخطاب" بفتح الواو بعداستفهام انکاری والمعطوف علیه مقدرای اتقول هذاالکلام وانت الی الآن فی هذاالمقام ولم یحصل لک الترقی الی فهم المرام"

کیا تم یہ بات کرتے ہو، تم ابھی تک اسی مقام میں ہو، مقصد کے سمجھنے کی طرف تم نے ترقی نہیں کی۔

دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں:

اَو میں واؤ مفتوحہ ہے، اور ہمزہ استفہام انکاری کے طور پر استعمال ہے اور معطوف علیہ یعنی "اتقول ھذا الکلام" محذوف ہے۔ ایک قول ترکیب میں یہ بھی ہے کہ استفہام صدارت کلام کے لئے ہے، واؤ ماقبل اور مابعد جملہ کے درمیان ربط کے لئے ہے۔

مقصد کلام: نبی کریم ﷺ کے تعجب کرنے کی وجہ یہ تھی، گویا کہ آپ یہ ارشاد فرمارہے تھے۔

"ان الالتذاذبطیبات الدنیا من خصائل ذوی الجهل والعمی"

دنیاوی لذتیں اور دنیاوی نعمتوں کی طرف توجہ کرنا اور آخرت کی طرف توجہ نہ کرنا جاہل لوگوں کا کام اور دین سے اندھاپن ہونے کی علامت ہے۔

اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوچ بھی عام لوگوں پر رحم کرنے کی حد تک تھی لیکن نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اے ابن خطاب لوگوں کے بلندی کے مقام پر فائز ہونے کی سوچیں، ان کو دنیاوی مال کی طرف رغبت

Marfat.com

کرتے ہوئے نہ دیکھیں۔ نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد اس پر دلالت کر رہا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

"الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر" دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

یعنی مؤمنین کو کافروں کے دنیاوی مال ومتاع کی طرف توجہ کرنے سے منع کیا گیا، یہ بھی عام مؤمنین کے لئے ہے، ورنہ خاص مؤمنین کے لئے صرف کفار کی طرف توجہ کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ

"وان کانت المرتبة العلیابالاضافة الی الخواص من الانبیاء والاولیاء کمال الزھد فی الدنیا والقناعة بأقل مایتصور من متاعھا لیکون تمتعھم تامافی العقبی"

انبیاء کرام اور خاص اولیاء کرام جن کو بلند مرتبہ حاصل ہے ان کو تو یہ حکم ہے کہ وہ دنیا میں کامل طور پر زاہد (دنیا سے دور) ہو جائیں، اور جو مال بھی ان کو کم سے کم حاصل ہو اسی پر قناعت کریں۔ ان کی کامل توجہ آخرت کی طرف ہو۔

اور رب تعالی کا ارشاد گرامی بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔

"ولولا ان یکون الناس امةواحد لجعلنالمن یکفربالرحمن لبیوتھم سقفا من فضة ومعارج علیھا یظھرون ☆ ولبیوتھم ابواباوسررا علیھا یتکئون ☆ وزخرفاوان کل ذلک لما متاع الحیوۃ الدنیاوالآخرۃ عند ربک للمتقین ☆

(سورۃ الزخرف آیات ۲۳،۲۴،۲۵)

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمان کے منکروں کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے جن پر چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے لئے چاندی کے دروازے اور چاندی کے تخت جن پر تکیہ لگاتے۔ اور طرح طرح کی آرائش اور یہ سب کچھ ہے، جیتی دنیا کا ہی اسباب ہے اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

"اولئک عجلت لھم طیباتھم فی الحیاۃ الدنیا" ان لوگوں کو دنیا کی نعمتیں دنیا میں ہی دی گئیں۔

یعنی فارس اور روم کے کفار ہوں یا اور کسی ملک کے کفار ہوں ان کو دنیا میں ہی دنیاوی نعمتیں عطاء کر دی جاتی

Marfat.com

ہیں ۔اور مسلمانوں کو دنیا میں اگرچہ آزمائش میں مبتلاء کیا جاتا ہے کہ یہ کتنا صابر ہے لیکن آخرت میں نعمتوں سے مؤمنین کو ہی نوازا جائے گا، جیسا کہ مندرجہ بالا آیات کے آخر میں مذکور ہے "والآخرۃ عند ربک للمتقین" اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لئے ہے۔کفار کو دنیا میں نعمتیں دے دی جاتی ہیں اور وہ آخرت میں نعمتوں سے محروم ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیاو استمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون" (سورت الاحقاف آیۃ نمبر ۲۰)

اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ان سے فرمایا جائے گا تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے تو آج تمہیں ذلت کا عذاب بدلہ دیا جائے گا سزا اس کی کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور سزا اس کی کہ حکم عدولی کرتے تھے۔

(وضاحت حدیث ماخوذ از مرقات ج ۱۰ص ۸)

☆ "وعن انس ان النبی ﷺ قال اللھم احینی مسکیناو امتنی مسکیناو احشرنی فی زمرۃ المساکین فقالت عائشۃ لم یارسول اللہ قال انھم ید خلون الجنۃ قبل اغنیائھم باربعین خریفا یاعائشۃ لاتردی المسکین ولو بشق تمرۃ یاعائشۃ احبی المساکین وقربیھم فان اللہ یقربک یوم القیامۃ"

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان ورواہ ابن ماجۃ عن ابی سعید الی قولہ فی زمرۃ المساکین) مشکوۃ باب فضل الفقر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے کہا "اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکینوں کی جماعت میں اُٹھا" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "کیوں یارسول اللہ" آپ نے فرمایا وہ اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اے عائشہ مسکین کو خالی نہ لوٹاؤ اگرچہ کھجور کا کچھ حصہ بھی ہو، اے عائشہ مسکینوں سے محبت رکھو، اور ان کو ہی قریب کرو ، بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں قریب کرے گا۔

Marfat.com

وضاحت حدیث:

"اللھم احینی مسکینا" اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی دعاء میں مسکینی کی زندگی گزارنے کے متعلق عرض کیا، یہ نہیں کہا اے اللہ مجھے فقیر زندہ رکھ "لئلا یتوھم کونہ محتاجا حقیرا" اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی نظر میں فقیر گھٹیا اور حقیر نظر آتا ہے، اس لئے آپ نے یہ دعاء نہیں فرمائی کہ آپ کو معاذ اللہ کوئی شخص حقیر اور محتاج سمجھے۔ گویا کہ آپ کی دعاء کا مطلب یہ تھا۔

"اللھم اجعلنی فی نفسی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا"

اے اللہ مجھے تو اپنے نزدیک چھوٹا بنادے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بنادے۔

"واماالمسکین فھو من مادۃ المسکنۃ وھو التواضع علی وجہ المبالغۃولو افضی الی المذلۃ"

لیکن مسکین کا لفظ یا تو "مسکنۃ" سے لیا ہوا ہے جس کا معنی بہت زیادہ عجز کا اظہار کرنا، اصل معنی اظہار عجز ہی ہے تاہم کبھی کبھی ظاہری طور پر ذلت کی طرف پہنچنا بھی نظر آتا ہے۔

"او من السکون والسکینۃ وھو الوقار والاطمئنان والقرار تحت احکام الاقداررضا بقضاء الجبار"

یا مسکین کا لفظ "سکون" اور "سکینۃ" سے لیا ہوا ہے، جس کا معنی ہے اطمئنان اور وقار سے رہنا اور احکام میں تقدیر پر اور اللہ تعالیٰ جبار وقہار کے فیصلہ پر ثابت قدم رہنا۔

"وقال بعضھم ای اجعلنی متواضعا لاجبارامتکبرا"

بعض لوگوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے ان دعائیہ کلمات کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے عاجزی میں زندہ رکھ مجھے جبار ومتکبر نہ بنا۔

"وفیہ تعلیم الأمۃ لیعرفوا افضل الفقراء فیحبوھم ویجالسوھم لینال برکتھم"

اس میں امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ تم لوگ جو فقراء کو حقیر سمجھتے ہو یہ عقل ودانش کے خلاف ہے، رب تعالیٰ کے ہاں فقیر ومسکین کا ایک ہی درجہ ہوگا، اس لئے تمہیں چاہئے کہ تم فقیروں کی فضیلت کو پہچانو، ان سے محبت کرو، ان سے مل کر بیٹھو تا کہ تمہیں ان کی برکت حاصل ہو۔

Marfat.com

"وفیه تسلیة للمسکین وتنبیه علی علو درجاتهم "

نبی کریم ﷺ نے مسکینی حالت میں زندگی گزارنے کی دعاء کر کے مسکینوں کو تسلی دی، اور ان کو اس پر خبردار کیا کہ تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے۔ یعنی اے مسکین تو اپنی مسکینی کو ہی نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ تجھے رب تعالیٰ نے وہ مقام دیا ہے جو تیرے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے رب تعالیٰ سے دعاء کر کے حاصل کیا۔

کیا تو صرف عشق محبت کا دعویدار ہے یا کہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بھی بناتا ہے۔

(وامتنی) وفی روایة الحاکم وتوفنی (مسکینا) دل علی انه ﷺ کان علی وصف المسکنة الی آخر العمر " اور آپ نے اپنی دعاء مبارک میں یہ الفاظ مبارکہ ذکر فرمائے "وامتنی مسکینا" اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں وصال عطاء کر۔

مستدرک حاکم میں "وتوفنی مسکینا" کے الفاظ مذکور ہیں، معنی دونوں روایات کا ایک ہی ہے۔

ان دعائیہ کلمات سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے آخری عمر تک مسکینی کی حالت میں وقت گذارا۔ کیونکہ آپ کی دعاء کو اللہ تعالیٰ نے رد نہیں فرمایا بلکہ قبول فرمایا۔ "واحشرنی فی زمرة المساکین " اور مجھے مساکین کی جماعت میں اٹھا۔ اس جملہ میں بہت کمال پایا گیا ہے کہ مصطفیٰ کریم نے یہ عرض کیا کہ اے اللہ مجھے مسکینوں کی جماعت میں اٹھا، یہ نہیں "واحشرهم فی زمرتی" ان کو میری جماعت میں اٹھا۔

"لکان لهم فضل کثیر وعلو کبیر " تاکہ مساکین کو زیادہ فضیلت حاصل ہو، اور بلند مرتبہ حاصل ہو۔ یعنی مساکین بھی یہ کہہ سکیں کہ نبی کریم ﷺ نے مساکین کی جماعت میں اٹھائے جانے کی تمنا کر کے ہمارے سر فخر سے بلند کر دیئے۔ یہ جملہ ایسا ہی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اہل علم کی فضیلت کو ان الفاظ مبارکہ سے بیان فرمایا۔

"فضل العالم العابد کفضلی علی ادناکم "حیث لم یقل کفضلی علی اعلاکم "

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے تمہارے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح مجھے تمہارے اعلیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے، تاکہ علماء دین فخر سے سر بلند کر سکیں کہ نبی کریم ﷺ کی کتنی ہی شان کریمی ہے کہ ہماری فضیلت کو عظیم الفاظ سے بیان فرمایا۔

Marfat.com

اس سے آگے حدیث مذکور واضح ہے ''اربعین خریفا'' کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا کہ تم مساکین سے محبت رکھو، یعنی دلی طور پر ان سے محبت رکھو، اور مساکین کو اپنی محافل ومجالس میں قریب کرو (کسی کو مسکین سمجھ کر اپنی مجلس سے دور نہ کر دینا) تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے قریب کرے گا، اپنا مقرب بنائے گا۔ (ماخوذ از مرقات ج ۱۰ ص ۱۱، ۱۲)

☆ ''وعن انس انه قال قال رسول الله ﷺ لقد اخفت فی الله ومایخاف احد ولقد اوذیت فی الله ومایؤذی احد ولقد اتت علی ثلاثون من بین لیلة ویوم ومالی ولبلال طعام یأکله ذو کبد الاشئ یواریه ابط بلال رواه الترمذی وقال معنی هذا الحدیث حین خرج النبی ﷺ هاربامن مکة ومعه بلال انما کان مع بلال من الطعام مایحمل تحت ابطه''

(مشکوۃ باب فضل الفقر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تحقیق مجھے اللہ کے دین کے اظہار میں ڈرایا گیا جتنا کسی ایک کو نہیں ڈرایا گیا، اور تحقیق مجھے اللہ کی راہ میں ایذاء پہنچائی گی جو کسی ایک کو ایذاء نہیں پہنچائی گی۔ اور مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور بلال کے پاس اتنا طعام نہیں ہوتا تھا کہ اسے کوئی انسان یا حیوان کھائے سوائے اس کے کہ اسے بلال کی بغل چھپا لیتی۔ ترمذی نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث پاک میں مکہ سے (طائف کی طرف) جانے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس دوران بہت تھوڑا طعام آپ کے پاس تھا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی بغل کے نیچے دبا رکھا تھا۔

وضاحت حدیث:

'' لقد اخفت فی الله ''اخفت'' ماضی مجہول ہے باب افعال سے ''فی الله ''ای فی اظهار دینه ''یعنی ''فی الله'' کا معنی ہے اللہ کے دین کو ظاہر کرنے میں۔

''ومایخاف '' میں ''ما'' نافیہ ہے۔ اور ''یخاف ''مجہول کا صیغہ ہے۔ ''احد''ای غیری ''یعنی میرے

Marfat.com

سواء، اب مکمل معنی یہ ہوگیا۔ تحقیق مجھے اللہ کے دین کے ظاہر کرنے میں اتنا خوف دلایا گیا (ڈرایا گیا) جتنا میرے سواء کسی ایک کو نہیں ڈرایا گیا۔

(ولقداوذیت فی اللہ وما یؤذی احد) فی اللہ ای فی طریقه ورضاہ"

یہاں "فی اللہ" کا معنی اللہ کا راستہ اور اس کی رضاء۔ یعنی اللہ کے راستے میں اور اس کی رضاء کو طلب کرنے میں جتنا مجھے ستایا گیا ہے اتنا کسی اور کو نہیں ستایا گیا۔

یعنی دین اسلام کی راہ میں جتنی تکالیف مجھے دی گئیں اتنی کسی کو بھی نہیں دی گئیں۔ پھر غربت اور فقر کی یہ حالت تھی کہ ایک ماہ تک اتنے طعام سے گذارہ گیا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ بغل میں دبا کر لے گئے۔ یہ طائف میں تبلیغ کی غرض سے جانے کا واقعہ ہے۔

مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین ماہ بعد طائف تشریف لے گئے۔ کیونکہ ابو طالب کی وفات بھی ہو چکی تھی، کفار آپ کو ستارہے تھے۔ جب آپ طائف گئے تو آپ کے ساتھ زید بن حارثہ بھی تھے (اور حضرت بلال بھی تھے) ایک مہینہ وہاں آپ نے قیام فرمایا۔ ثقیف قبیلہ کے سرداروں کو دعوت اسلام دی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا، بلکہ اپنے بے وقوف لوگوں اور لڑکوں آپ کے پیچھے لگا دیا، جو آپ کو (معاذ اللہ) گالیاں دیتے۔ انہوں نے آپ کو پتھروں سے مارا یہاں تک کہ آپ کی نعلین مبارک خون سے رنگین ہو گئیں۔ وہ لوگ جب آپ کو پتھر مارتے تھے تو آپ بیٹھ جاتے تھے، وہ اوباش لوگ آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر پھر کھڑا کرتے اور چلاتے پھر پتھر مارتے اور خود ہنستے تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کرتے اور آپ کو بچا رہے تھے یہاں تک کہ ان کا سر بھی پھوڑ دیا گیا اور نہیں بھی شدید زخمی کر دیا گیا۔

بخاری اور مسلم میں ایک حدیث شریف اسی واقعہ پر مذکور ہے۔

"عن عائشة انها قالت للنبی ﷺ هل اتی علیک یوم اشد من یوم احد قال لقد لقیت من قومک وکان اشد مالقیت منهم یوم العقبة اذعرضت نفسی علی عبد یالیل ابن عبد کلال فلم یجبنی الی ماردت فانطلقت وانا مهموم علی وجهی فلم استفق الاوانابقرن

Marfat.com

الثعالب فرفعت راسی فاذا بسحابة قد اضلتنی فنظرت فاذا فیها جبرائیل فنادانی ثم قال یا محمد ان اللہ قد سمع قول قومک وما ردوا علیک وقد بعث الیک ملک الجبال لتامرہ بما شئت فنادانی ملک الجبال فسلم علی ثم قال یامحمدان اللہ قدسمع قول قومک وانا ملک الجبال وقدبعثنی ربک الیک لتامرنی بأمرک ان شئت ان اطبق علیھم الاخشبین قال النبی ﷺ بل ارجو ان یخرج اللہ من اصلا بھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیا"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، آپ پر احد کے دن سے بھی کوئی سخت دن آیا۔ آپ نے فرمایاہاں میں تمہاری قوم کوملا، وہ دن میرے لئے احد کی گھاٹی کے دن سے بھی سخت تھا۔ میں نے اپنے آپ کوعبد یالیل ابن عبدکلال کے پاس پیش کیا، اس نے قبول نہ کیا اسے جومیں (اس کے اسلام لانے کا) ارادہ رکھتا تھامیں چلا اس حال میں کہ میں بہت زیادہ غمزدہ تھا، مجھے غم سے افاقہ نہیں ہورہا تھا۔ یہاں تک کہ میں قرن ثعالب میں پہنچا تو میں نے سر اٹھایا، اچانک بادل مجھ پر چھاگئے، میں نے دیکھا کہ ان میں جبریل ہیں، انہوں نے مجھے پکارا، پھر کہا اے محمد بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کے ساتھ بات کوسنا اوران کے جواب کوبھی سنا، تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کے فرشتے کوبھیجا تا کہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے پکارا، پھر مجھے سلام کہا، پھر کہا اے محمد بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم کے قول کوسنا، میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، تحقیق آپ کے رب نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تا کہ آپ اگر چاہیں تو مجھے حکم دیں کہ میں ان پر دو پہاڑوں کومنطبق کردوں (ملادوں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی مخلوق پیدا کرے گا جواس کی عبادت کریں گے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (ماخوذازمرقات ج۱۰ص۱۷)

☆ "وعن ابی طلحة قال شکونا الی رسول اللہ ﷺ الجوع فرفعنا عن بطوننا عن حجرحجر فرفع رسول اللہ ﷺ عن عن بطنة عن حجرین"

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب، مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم ﷺ سے بھوک کی شکایت کی، اوراپنے اپنے

Marfat.com

پیٹ سے ایک ایک پتھر باندھے ہوئے کپڑا اٹھایا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو آپ کے پیٹ سے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

"فائدہ شدالحجر علی البطن ان لا ید خل النفخ فی الامعاء الخالیة "

پیٹ پر پتھر باندھنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ خالی انتڑیوں میں ہوا نہیں بھرتی، جس کی وجہ سے پیٹھ سخت رہتی ہے اور بھوک کی بے قراری کی وجہ سے پیٹھ نہیں جھکتی۔ (ماخوذ از مرقات ج ۱۰ ص ۱۸)

تنبیہ: " واما حدیث الفقر فخری وبه افتخر فبا طل لا اصل له علی ماصرح به الحفاظ من العسقلانی وغیرہ " لیکن حدیث کہ فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں' اس کی کوئی اصل (سند، بنیاد) نہیں۔ حفاظ احادیث نے اس کی وضاحت کی ہے جیسا کہ حافظ عسقلانی وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے۔ (مرقاۃ ج ۱۰ ص ۱۲)

تاہم راقم کے نزدیک اگر مقررین حضرات مندرجہ بالا احادیث سے نتیجہ یہ نکالنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ فقر نبی کریم ﷺ کا مطلوب تھا اور آپ کا مقصود تھا، اور آپ کا مقام فخر تھا۔

"واما حدیث کادالفقر ان یکون کفرا فهو ضعیف جدا وعلی تقدیر صحته فهو محمول علی الفقر القلبی المؤدی الی الجزع والفزع بحیث یفضی الی عدم الرضا با لقضاء"

لیکن حدیث "کادالفقران یکون کفرا" ضعیف ہے، اگر حدیث کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے مراد قلبی فقر ہو گا یعنی مال وغیرہ کے نہ ملنے پر اپنے آپ کو دلی طور پر محتاج سمجھ کر جزع وفزع شروع کر دے، اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی نہ رہے۔ (مرقات ج ۱۰ ص ۱۲)

فقیر شخص اپنے سے زیادہ فقیر کو دیکھے:

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا نظر احد کم الی من فضل علیه فی المال و الخلق فلینظر الی من هو اسفل منه" (بخاری ومسلم)

"وفی روایة لمسلم قال انظروا الی من هو اسفل منکم ولا تنظروا الی من هو فوقکم فهو اجدر ان لا تزدروا نعمة الله علیکم " (مشکوۃ باب فضل الفقراء)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تم میں سے کوئی اس شخص کو دیکھے جسے مال اور صورت میں فضیلت دی گئی ہو تو وہ اس سے نیچے شخص کو دیکھے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے اپنے سے نیچے والے شخص کو دیکھو اوپر والے کو نہ دیکھو یہ زیادہ مناسب ولائق ہے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو تم پر ہیں ان کو حقیر نہ سمجھو۔

وضاحت حدیث:

"فلینظر الی من هو اسفل منه "ای من هو دونه فی الدنیا وأقل رتبه منه مالاو منالاوله فی الآخرة الدرجة العلیاماٰلا"

نیچے والے شخص کو دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو دنیاوی مال کے لحاظ پر تم سے کم مرتبہ رکھتا ہو اسے دیکھو تا کہ تمہیں سمجھ آجائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دوسرے شخص سے تو زیادہ نعمتیں دے رکھی ہیں۔اگر چہ جتنا زیادہ غریب ہوگا اتنا ہی زیادہ مرتبہ اس کا آخرت میں ہوگا۔

اس سے ضمنی طور پر ایک مسئلہ سمجھ آیا کہ جس شخص کو مال و دولت حاصل ہو وہ اپنے سے کم والے کو نہ دیکھے۔

"لئلا یحصل له العجب والغرور والا فتخار والتکبر والخیلاء بل یجب علیه ان یقوم بحق شکره علی النعماء"

تا کہ اسے اپنے آپ پر تعجب وغرور، اور فخر وتکبر نہ آئے اور اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے، بلکہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

اگر انسان بہت ہی زیادہ فقیر وغریب ہو اسے اپنے سے گھٹیا دنیاوی مال کے لحاظ پر اور کوئی نظر نہ آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیاوی مال عطاء کر کے کثیر مشقت میں مبتلا نہیں کیا، پھر دنیا کا مال جلدی ختم ہونے والی چیز ہے، محض دنیادار کا مقام پست ہے، باقی رہنے والی چیز اخروی نعمت ہے، اور جن لوگوں کو اخروی نعمتیں حاصل ہوں وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی دنیادار کو دیکھتے تھے تو یہ دعاء فرماتے تھے۔

Marfat.com

"اللهم انی أسألک العفو والعافیة فی الدنیا والعقبی"

اے اللہ میں تجھ سے عفو و عافیت کا سوال کرتا ہوں دنیا و آخرت میں۔

ایک ولی اللہ وعظ فرما رہے تھے ان کی محفل میں ایک فقیر اٹھا اس نے کہا میں نے اتنی مدت سے کچھ نہیں کھایا نہ ہی اکیلے اور نہ ہی کسی محفل میں۔ وہ بزرگ کہنے لگے اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے، رب تعالیٰ بھوک تو اپنے خاص بندوں کو عطاء کرتا ہے، وہ اپنے انبیاء کرام اور اولیاء کرام کو بھوک عطاء کرتا ہے جو ان کے مقرب ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

"ولو کنت منهم لما اظهرت هذه الشکایة ولسترت عن الخلق هذا الغایة"

اگر تو بھی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوتا اور اس کے اولیاء کرام سے ہوتا تو یہ شکایت ظاہر نہ کرتا، اور اپنا یہ حال مخلوق سے چھپا کر رکھتا۔

مسلم شریف کی دوسری روایت میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطاء کر رکھی ہیں ان کو حقیر نہ سمجھو، اس کا مطلب واضح ہے کہ رب تعالیٰ نے جو تمہیں سانس جیسی عظیم نعمت عطاء کر رکھی ہے جس سے تمہاری زندگی کی دارومدار ہے اور اس نے تمہیں دیکھنے کے لئے آنکھ اور سننے کے لئے کان اور دوسرے اعضاء دے رکھے ہیں تم ان کا شکریہ ہی اداء نہیں کر سکتے۔ کیا یہ عظیم نعمتیں نہیں، جب عظیم نعمتیں ہیں اور یقیناً عظیم نعمتیں ہیں تو تم ان کو حقیر نہ سمجھو، کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ۔ (ماخوذ از مرقات ج ۱۰ ص ۱۰)

دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کشی بہتر:

"عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما بعث به الی الیمن قال ایاک والتنعم فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین" (رواه احمد، مشکوة باب فضل الفقراء)

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں یمن کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو دنیاوی نعمتوں سے بچا کر رکھو، بیشک اللہ کے (مخلص) بندے دنیاوی نعمتیں نہیں رکھتے۔

وضاحت حدیث:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن میں بھیجنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا ان کو دنیاوی

Marfat.com

نعمتوں سے بچ کر رہنے کا حکم دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دنیاوی نعمتوں سے نفع حاصل کرنا مطلقاً منع ہے بلکہ مراد یہ ہے۔

"وهو المبالغة فی تحصیل قضاء الشهوة علی وجه التکلف فی البغیة بتکثیر النعمة والحرص علی النهمة"

کہ بہت زیادہ دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے میں تکلف نہ کرے اور حرص ولالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر شاکر نہ رہنا اور صبر نہ کرنا اور صرف دنیاوی مال ودولت کا حریص ہونا کفار کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں۔ (از مرقاۃ ج ۱۰ ص ۴۴)

تھوڑے رزق پر راضی رہے:

"عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ من رضی من اللہ بالیسیر من الرزق رضی اللہ منه بالقلیل من العمل" (مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے تھوڑے رزق پر راضی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوتا ہے۔

حدیث پاک کا مطلب تو واضح ہے البتہ اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک میں بندے کی رضاء کا پہلے ذکر ہے اور رب تعالیٰ کی رضاء کا بعد میں ذکر ہے، اسی طرح ابن عساکر کی ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "من رضی عن اللہ رضی اللہ عنه" (جو اللہ سے راضی ہوا اللہ اس سے راضی ہوا) اس میں بندے کی رضاء کا پہلے ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضاء کا بعد میں ذکر ہے۔

اور قرآن پاک میں ہے "رضی اللہ عنهم ورضوا عنه" اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اس آیۃ کریمہ میں رب تعالیٰ کی رضاء کا پہلے ذکر ہے اور بندوں کی رضاء کا بعد میں ذکر ہے ان میں تطبیق کیسے ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی دو قسم کی رضاؤں میں بندے کی رضاء پائی جاتی ہے۔ ایک رب تعالیٰ کی رضاء اوّلی ہے جو کہ اس کے علم سے متعلق ہے۔ وہ رضاء رب تعالیٰ کی پہلے ہے اور بندے کی رضاء بعد میں ہے اس کا

Marfat.com

ذکر "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ "میں ہے۔

اور رب تعالیٰ کی دوسری رضاء ابدی ہے جو بندے کے عمل پر جزاء کی صورت میں مرتب ہے، اس کی رضاء کے لحاظ پر بندے کی رضاء پہلے ہے اور اس کے عمل پر راضی ہونے اور رب تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی رضاء پائی جاتی ہے کہ وہ اسے جزاء خیر سے نواز دیتا ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج ۱۰ ص ۴۴)

احتیاجی کو چھپا کر رکھے:

"عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من جاع او احتاج فکتمه الناس کان حقا علی اللہ عز وجل ان یرزقه رزق سنة من حلال" (رواهما البیهقی فی شعب الایمان مشکوۃ باب فضل الفقراء)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھوکا ہو گیا یا محتاج ہو گیا تو لوگوں سے اسے چھپا کر رکھا تو اللہ تعالیٰ کے کرم کی وجہ سے اس پر حق ہے کہ وہ اس شخص کو ایک سال کا رزق حلال عطاء کرے۔

وضاحت حدیث: بھوکا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فقر و غربت کی وجہ سے اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی نہیں محتاج ہونے کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس کے پاس کوئی چیز نہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بے پرواہ کر سکے، لوگوں سے چھپا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے۔

"والمراد بالجوع جوع یتصور معه الصبر ویجوز فیه الکتمان، والافقد صرح العلماء بأن الشخص اذا مات جوعا ولم یسأل اولم یاکل ولو من المیتة یموت عاصیا"

بھوک سے مراد وہ بھوک ہے جس پر صبر کرنا ممکن ہو اسے چھپانے کا ذکر حدیث شریف میں ہے، ورنہ اہلِ علم نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے فوت ہو جائے اور لوگوں سے سوال نہ کرے تو وہ گنہگار ہو کر فوت ہوا ہے، اسی طرح اگر کسی کو کوئی چیز کھانے کی مل گئی (خواہ مردار ہی کیوں نہ ہو) وہ نہ کھائے اور بھوک کی وجہ سے فوت ہو گیا تو گنہگار ہو کر فوت ہوا۔

"اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ایک سال اسے رزق حلال عطاء فرمائے" خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم

Marfat.com

نہیں اس پر حق نہیں، اسی وجہ سے علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یوں وضاحت فرمائی۔

''کان حقا علی اللہ عز وجل ''ای وعدا ثابتا علیه او امر الازمالدیه''

''اللہ تعالیٰ پر حق ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ جو شخص اپنی بھوک اور احتیاجی کو صبر کی حد تک لوگوں سے چھپائے گا اور صبر کرے گا میں اسے ایک سال رزق حلال عطاء کروں گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں فرماتا تو گویا کہ اس نے اس حق کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ یا مراد ہی یہ ہو کہ کسی کو تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز لازم کرے لیکن رب تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی چیز کو اپنے آپ پر لازم کر دے تو وہ ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ (ماخوذ از مرقات ج۱۰ص۲۴)

ضمناً ایک اور مسئلہ بھی واضح ہوا کہ نیک اعمال پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا نزول فرماتا ہے۔

☆ ''وعن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ یحب عبده المؤمن الفقیر المتعفف أبا العیال'' (رواه ابن ماجه، مشکوة باب فضل الفقراء)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو پسند فرماتا ہے جو فقیر ہو اور عیال دار ہو اور سوال کرنے سے درگذر کرے۔

خوبصورت مسجع وضاحت:

اس حدیث پاک کی توضیح وتشریح میں علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت اور مسجع عبارت ذکر کی ہے، خطباء وطلباء اسے خوب یاد کریں۔

''المعنی انه مع کونه صاحب العیال وفقیر الحال و کسیر البال تعفف عن السؤال فهو المؤمن علی وجه الکمال فلذا احبه ذو الجلال و الجمال''

حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص صاحب عیال بھی ہو، اور فقیر الحال بھی ہو، شکستہ دل بھی ہو پھر سوال سے درگذر کرے وہ کامل مؤمن ہے اسی لئے رب تعالیٰ صاحب جلال وجمال اس سے محبت کرتا ہے۔ (مرقات ج۱۰ص۲۵)

Marfat.com

فقراء مہاجرین کی برکت سے دعاء:

"عن امية بن خالد بن عبد الله بن اسيد عن النبی ﷺ انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين" (رواه فی شرح السنة) مشكوة باب فضل الفقراء)

امیہ بن خالد بن عبداللہ بن اسید روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مہاجرین کی برکت سے فتح طلب کرتے تھے۔

وضاحت حدیث:

"الصعالیک" جمع ہے "صعلوک" کی عصفور کا وزن ہے، معنی اس کا "فقیر" ہے۔ (قاموس)

" انه كان يستفتح " ای يطلب الفتح والنصرة على الكفار من الله تعالى (بصعاليك المهاجرين) ای بفقرائهم وببركة دعائهم "

نبی کریم ﷺ کافروں پر فتح ونصرت (کامیابی اور امداد) اللہ تعالیٰ سے مہاجرین فقراء کی دعاء کی برکت سے طلب کرتے تھے۔

ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعاء کرتے تھے۔" اللهم انصرنا على الا عداء بحق عبادك الفقراء المهاجرين "اے اللہ دشمنوں کے خلاف ہماری امداد فرما اپنے مہاجرین فقراء کی برکت کی وجہ سے۔

" وفيه تعظيم الفقراء والرغبة الى دعائهم والتبرك بوجوههم "

اس میں فقراء کی تعظیم پائی گئی ہے، اور ان سے دعاء کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے، اور ان کی ذاتوں سے تبرک حاصل کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

فقراء کے ساتھ مہاجرین کی قید کا کیا فائدہ؟

"ولعل وجه التقييد بالمهاجرين لانهم فقراء غرباء مظلومون مجتهدون مجاهدون فيرجى تاثير دعائهم اكثر من عوام المؤمنين واغنيائهم "

فقراء کے مہاجرین کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ فقراء بھی تھے، بے وطن بھی تھے، مظلوم بھی تھے، مجتہدین (محنت کش) بھی تھے اور مجاہدین بھی تھے اس وجہ سے ان کی دعاء میں تاثیر زیادہ تھی

Marfat.com

بنسبت عام لوگوں کے اور بنسبت اغنیاء کے۔ (مرقاۃ ج۱۰ص۱۳)

اسی سے خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ جن فقیروں کو مہاجرین فقراء صحابہ کرام والی صفات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوگئیں ان کو بھی یہ شرف حاصل ہوگا کہ ان سے دعاء کرائی جائے اور ان کی برکت سے دعاء کی جائے تو اللہ اس دعاء کو شرف قبولیت عطاء فرمائے گا۔ (راقم)

فاسق کے مال پر رشک کرنا:

" عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لا تغبطن فاجرا بنعمة فانک لاتدری ماهو لاق بعد موته ان له عندالله قاتلالایموت یعنی النار "

(رواه فی شرح السنة ، مشکوة باب فضل الفقراء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاسق وفاجر کی نعمتوں پر رشک نہ کرو بیشک تم نہیں جانتے کہ اسے موت کے بعد کیا حاصل ہونے والا ہے، بیشک اللہ کے ہاں اس کی ہلاکت ہوتی ہے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہے گا۔

وضاحت حدیث : فاجر سے مراد کافر یا فاسق ہے، فاسق وفاجر کی نعمتوں سے مراد، اس کو لمبی عمر دیا جانا یا کثیر اولاد دیے جانا، یا وسعت مال اور رتبہ عطاء ہونا لیکن یہ تمام چیزیں زائل ہونے والی ہیں، پائیدار نہیں جو چیز پختہ نہ ہو اس پر رشک کرنے کا کیا فائدہ۔

پھر بیشک تمہیں معلوم ہی نہیں کہ انہیں قبر وحشر میں کیا ملنے والا ہے؟ ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہ ادا کرنے کی وجہ سے کفر وفسق وفجور پر قائم رہنے کی مد سے " هو ملاق فی مقابلة تلک النعمة من النقمة والمحنة " عذاب میں ہی مبتلاء ہونا ہے۔

" (ان له) ای للفاجر (عندالله قاتلا) ای مهلکا له او معذباعذابا شدیدا من شانه ان یقتل "

حدیث شریف میں قاتل بمعنی مقتول استعمال ہے، یعنی فاجر کو اللہ تعالیٰ شدید عذاب دے گا جو اس کے لئے ہلاکت کا سبب بنے گا گویا کہ یوں کہا گیا کہ وہ اللہ کے ہاں قتل ہونے کے لائق ہوگا۔

Marfat.com

"(لایموت) ای لایفنی ولا ینعدم ذلک القاتل بل موجود دائما ولاینقطع ابدا "

وہ مرے گا نہیں، یعنی وہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلاء ہوگا، اس کا عذاب ختم نہیں ہوگا، وہ فنا نہیں ہوگا اور نہ ہی معدوم ہوگا (یعنی النار) یہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والے عبداللہ بن مریم کی تفسیر ہے۔ (مرقاۃ)

یہ قرآن پاک کی آیۃ" کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا " (جب ان کے چمڑے جل جائیں ان کے اور چمڑے ہم تبدیل کردیں گے) کے مطابق ہے۔ (راقم)

سوال کرنا کب جائز ہے اور کب ناجائز ہے؟

"عن قبیصة بن مخارق قال تحملت حمالة فاتیت رسول الله ﷺ اسأ له فیها فقال اقم حتی تأتینا الصدقة فنأمرلک بها ثم قال یا قبیصة ان المسئلة لا تحل الا لاحد ثلاثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة حتی یصیبها ثم یمسک ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسئا لة حتی یصیب قواما من عیش او قال سدادا من عیش ورجل اصابته فاقة حتی یقوم ثلاثة من ذی الحجامن قومه لقد اصابت فلانا فاقة فحلت له المسألة حتی یصیب قواما من عیش او قال سدادا من عیش فما سواهن من المسئلة یا قبیصة سحت یأکلها صاحبها سحتا"

(رواه المسلم ، مشکوة باب من لاتحل له المسئلة ومن تحل له)

قبیصہ بن مخارق کہتے ہیں میں نے ایک بوجھ (ادائیگی مال) اٹھایا ہوا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس، آپ سے اس کے متعلق سوال کرنے لگا، آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے تو ہم تمہارے لئے اس کا حکم دیں گے، پھر آپ نے فرمایا اے قبیصہ بیشک سؤال حلال نہیں سوائے تین شخصوں کے، ایک وہ شخص جس نے (مالی) بوجھ اٹھایا ہوا اس کے لئے سؤال حلال ہے یہاں تک کہ وہ اس بوجھ کو دور کرنے کے لئے مال پالے، پھر سؤال سے

Marfat.com

رک جائے، اور وہ شخص جسے آفت پہنچے اور اس کے مال کو ہلاک کردے تو اس کے لئے سوال حلال ہے یہاں تک کہ اس کا حال درست ہو جائے، ایک اور شخص جسے فاقہ پہنچے یہاں تک کہ اس کی قوم میں سے تین شخص دانا یہ کہیں کہ اسے فاقہ پہنچا ہے اسے سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ اس کا حال درست ہو جائے، اے قبیصہ ان کے سواء سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا ناجائز طور پر مال کھا رہا ہوگا۔

وضاحت حدیث: (قبیصة) بفتح القاف و کسر الموحدة، قاف پر زبر اور باء کے نیچے زیر ہے۔(ابن مخارق) بضم المیم و کسر الراء، میم پر پیش اور راء کے نیچے زیر ہے۔

"تحملت حمالة" میں نے بوجھ اٹھایا ہوا تھا۔ حمالة کا معنی بوجھ اٹھانا۔ خواہ وہ دیت کی ادائیگی لازم ہو۔ یا کوئی چٹی ادا کرنی ہو، یا قرضہ ادا کرنا ہو، یا لوگوں کے درمیان اختلافات کو دور کرنے کے لئے مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو۔ اس آدمی کے لئے صدقہ لینا حلال ہے۔ لیکن شرط یہ ہے وہ قرضہ ناجائز کاموں کے لئے نہ لیا ہوا ہو۔

فائدہ: ابن الملک رحمہ اللہ نے فرمایا حدیث شریف میں زکوۃ کے مال سے سوال کرنے کی ممانعت ہے، لیکن نفلی صدقہ لینے کا سوال کرنا اس جائز ہے جو چلنے پھرنے سے معذور ہو یا کسی بیماری میں مبتلاء ہو اسے ایک دن کی روزی کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ مال ذخیرہ بنا کر نہ رکھے۔

اگر ایک شخص چلنے پھرنے پر اور تجارت وغیرہ پر قادر تو ہے لیکن علم حاصل کرنے کے لئے اس نے ذریعہ معاش کو چھوڑا ہوا ہے اسے زکوۃ دینا جائز ہے اور نفلی صدقہ دینا بھی جائز ہے۔ اگر ایک شخص نوافل ادا کرتا رہتا ہے اور نفلی روزے رکھتا ہے اس لئے وہ مال حاصل کرنے کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرتا اسے زکوۃ دینا جائز نہیں اور اسے صدقات نفلیہ دینا بھی مکروہ ہے۔

اگر کوئی جماعت ریاضت کے لئے، اپنے دلوں کی صفائی کے لئے اور طاعت کی غرض سے کہیں بیٹھ جائے ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ ہو تو کوئی شخص ان کو روٹی کے ٹکرے اور ضرورت کے مطابق لباس مانگ کر دے دے۔"فحلت له المسألة" جس شخص نے قرض وغیرہ کا بوجھ اٹھایا ہوا اسے سوال کرنا جائز ہے۔

"وجازت بشرط ان یترک الالحاح والتغلیظ فی الخطاب"

Marfat.com

جائز تو ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ چمٹ کر اور لپٹ کر سؤال نہ کرے، اور سؤال کرتے ہوئے سخت کلامی بھی نہ کرے۔

اگر اسے ضرورت کے لئے مال مل جائے "فیمسک" پھر وہ سؤال کرنے سے رک جائے کیونکہ اسے ضرورت سے زائد حاصل کرنے کے لئے سؤال کرنا بہتر نہیں۔

"ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله" جائحة ای آفة وحادثة مستأصلة من جاحه یجوحه اذا استأصله وهی الآفة المهلكة للثمار والأموال (اجتاحت) ای استأصلت واهلكت "جائحة" کالفظ "جاحه یجوحه" سے لیا ہوا ہے۔ اس تمام جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص سؤال کرسکتا ہے جس کے پھلوں کو اور کھیتی باڑی کو اور دوسرے مالوں کو کوئی آفت، کوئی حادثہ تباہ وبرباد کردے تو وہ سؤال کرکے اپنی ضروریات پوری کرلے۔

"حتی یصیب قواما من عیش او قال سدادا من عیش"

یہاں راوی کو شک ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "قواما من عیش" فرمایا۔ یا "سدادا من عیش" فرمایا۔

معنی دونوں کا تقریبا ایک ہی ہے کہ وہ اپنی گذران کی ضروریات یعنی کھانا اور لباس حاصل کرلے۔

پہلے جملے کا لغوی معنی ہے "یدرک، ماتقوم به حاجته الضروریة" یہاں تک کہ وہ اتنا مال حاصل کرلے جس سے وہ اپنی ضروری حاجات کو پورا کرلے۔ اور دوسرے جملے کا لغوی معنی یہ ہے "مایسدبه الفقر" ویدفع ویكفی الحاجة" کہ وہ اتنا مال حاصل کرلے جو اس کے فقر وغربت کو بند کردے اور اس مال کے ذریعہ غربت کا دفاع کرلے اور اس کی حاجت کو پورا کرلے۔ "ورجل اصابته فاقة" اور ایک شخص جس کو فاقہ پہنچے وہ سؤال کرکے (زکوۃ کا) مال بھی لے سکتا ہے۔ "فاقة ای حاجة شدیدة اشتهر بها بین قومه" فاقہ کا معنی ہے شدید حاجت مند ہونا یہاں تک کہ اس کی حاجتمندی کو اس کی قوم بھی جانتی ہو۔

"حتی یقوم ثلاثة من ذی الحجا من قومه لقد اصابت فلانافاقة فحلت له المسئلة"

یہاں تک کہ اس کی قوم میں سے تین عقلمند آدمی کہیں کہ فلاں شخص کو شدید حاجت کا سامنا ہے تو وہ بھی سؤال کرسکتا ہے، تاکہ وہ اپنی حاجت کو پورا کرسکے۔

Marfat.com

اعتراض: گواہی تو دو آدمیوں کی مکمل ہو جاتی ہے، تین آدمیوں کے گواہی دینے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: " قال ابن الملک وهذا علی سبیل الاستحباب والاحتیاط لیکون ادل علی براءة السائل عن التهمة فی ادعائه وادعی للناس الی سرعة اجابته وخص بکونهم من قومه لأنهم هم العالمون بحاله وهذا من باب التبیین والتعریف اذ لامدخل لعدد الثلاث من الرجال فی شئ من الشهادات عند احد من الائمة "

حدیث شریف میں گواہی کا ذکر نہیں، گواہی تو دو آدمیوں سے ہی مکمل ہو جاتی ہے۔ تین آدمیوں کی گواہی کا تو چار اماموں میں سے کوئی ایک بھی قائل نہیں، اور گواہی کے لئے اس کی قوم سے ہونا بھی ضروری نہیں، حدیث شریف میں ذکر ہے کہ اس حاجتمند کی فاقہ کی حالت کو اس کی قوم کے آدمی بیان کریں اور واضح کریں کیونکہ وہ اس کی حالت کو اچھی طرح جانتے ہیں، اسی وجہ سے تین آدمیوں کا ذکر فرمایا کہ تین آدمی جماعت بن جاتے ہیں۔ یعنی مستحب ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ تین شخص اس کی حالت کو بیان کریں تا کہ سؤال کرنے والا اپنے دعوی اور سؤال میں غلط بیانی کی تہمت سے بچ جائے، اور دوسرے لوگ ان کی بات کو جلدی قبول کریں۔

واضح ہوا کہ یہ گواہی نہیں بلکہ اس کے حال کا بیان اور وضاحت ہے، کہ اے لوگو ہم اس کی قوم کے افراد ہیں ہم اس کی حالت کو جانتے ہیں تو اس کی حالتِ حاجتمندی کو ہم سے سن کر بغیر کسی بدگمانی کے جلدی ہی قبول کرلو۔

"فما سوا هن سحت" ان تین قسم کے سؤالوں کے بغیر سؤال کرنا حرام ہے، اور سؤال سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہو گا، اس مال سے نفع حاصل کرنا حرام ہوگا۔

لیکن یہ اس وقت ہوگا جب زکوۃ کا مال ہو اور صدقات واجبہ ہوں، صدقات نفلیہ پر حرام کا اطلاق نہیں ہوگا البتہ بغیر کسی ضرورت وحاجت کے سؤال کرنا مکروہ ہوگا۔ (وضاحت حدیث ماخوذ از مرقات ج ۴ ص ۱۷۲، ص ۱۷۳)

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من سأل الناس اموالهم تکثرا فانما یسأل جمرا فلیستقل او لیستکثر " (رواه مسلم، مشکوة باب من لاتحل له المسئلة ومن تحل له)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں سے مالوں کا سوال کرے اپنے مال کو بڑھانے کے لئے تو وہ آگ کی چنگاری کا سوال کر رہا ہے، قلیل سوال کرے یا کثیر۔

حدیث شریف کا مطلب واضح ہے کہ بغیر کسی ضرورت اور عذر کے سوال کرنا کہ میرا مال زیادہ ہو جائے آگ طلب کرنے کا گویا کہ سوال پایا گیا ہے۔

☆ "وعن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ما یزال الرجل یسأل الناس حتی یأتی یوم القیامة لیس فی وجهه مزعة لحم" (بخاری ومسلم ،مشکوۃ باب من لا تحل له المسئلة ومن تحل له)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ لوگوں سے سوال کرنے والا شخص قیامت کے دن آئے گا اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہیں ہوگا۔

وضاحت حدیث :

"مزعة" میم پر ضمہ محدثین کے نزدیک زیادہ مشہور ہے۔ اور کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور بعض حضرات نے فتحہ بھی جائز رکھا ہے۔ زاء معجمہ ساکن ہے، اس کے بعد عین مہملہ پر فتحہ ہے۔ "ای قطعة یسیرة من اللحم" گوشت کا چھوٹا ٹکڑا۔ گوشت کا ٹکڑا چہرے پر نہ ہونے کے دو مطلب علامہ طیبی رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں، ایک حقیقی اور دوسرا مجازی۔

مجازی معنی یہ ہے:

"یأتی یوم القیامة ولا جاه له ولا قدر" من قولهم لفلان وجه فی الناس ای قدر ومنزلة "

قیامت کے دن آئے گا اس کا کوئی مرتبہ اور قدر منزلت نہیں ہوگی۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے "لفلان وجه الناس" فلاں شخص کو لوگوں میں قدر و منزلت حاصل ہے، یعنی وہ شخص وجاہت والا ہے۔

یعنی اس محاورہ میں "وجہ" وجاہت (قدر ومنزلت) کے معنی میں مجازی طور پر استعمال ہے، ایسے ہی حدیث پاک میں بھی "چہرے پر گوشت کے ٹکڑے کے نہ ہونے کی خبر سے بھی اس کی قدر و منزلت کی نفی کی گئی۔

Marfat.com

حقیقی معنی یہ ہے:

"یاتی فیه ولیس علی وجهه لحم اصلا اماعقوبه له واما اعلامابعمله"

کہ وہ شخص جو بغیر ضرورت کے لوگوں سے سوال کرنے والا ہے وہ قیامت کے دن آئے گا اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا حقیقۃً نہیں ہوگا، اس کے چہرے کی ہڈیاں نظر آ رہی ہوں گے، وجہ اس کی یہ ہوگی کہ یہ اس کے لئے عذاب ہوگا۔ یا لوگوں کو اس کے اس حالت سے اس کے عمل کے متعلق خبر دینی مقصود ہوگی۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کے لئے:

آپ حضرت اصول فقہ میں بیان کیا ہوا "عموم المجاز" کا ضابطہ ذہن میں رکھیں کہ اس میں اگرچہ معنی تو مجازی لیا جاتا ہے لیکن حقیقت اس کا خود بخود فرد بن جاتی ہے۔ یہاں بھی مجازی معنی لیں کہ ان کی قیامت کے دن قدر و منزلت نہیں ہوگی، وجہ اس کی ان کے چہرے پر گوشت کا نہ ہونا اور حقیقی معنی لیں جو ضمناً مجازی معنی کو مستلزم ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ کی عبارت سے یہی سمجھ آ رہا ہے۔

"وذلک بأن یکون علامة له یعرفه الناس بتلک العلامة انه کان یسأل الناس فی الدنیافیکون تفضیحالحاله وتسهیرا لمآله واذلالاله کمااذل نفسه فی الدنیاواراق ماء وجهه بالسؤال"

بغیر عذر کے سوال کرنے والوں کے چہرے پر گوشت کا نہ ہونا ان کی پہچان کا ذریعہ ہوگا، کہ ان کی علامت سے لوگ انہیں پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں بغیر کسی عذر کے لوگوں سے سوال کرتے رہے، یہ ان کے حال کے لئے شرمندگی اور پریشانی کا سبب ہوگا۔ اسی سے ان کے انجام کو بھی مشہور کر دیا جائے گا۔ اور ان کو اس حالت سے ایسے ہی ذلیل کیا جائے گا جیسا کہ انہوں نے اپنے آپ کو دنیا میں سوال کر کے ذلیل کیا تھا، اور سوال کے ذریعے اپنے چہرے کی رونق اور آب و تاب کو زائل کر دیا تھا۔

Marfat.com

خیال رہے حقیقت ومجاز کے اجتماع کی راقم کی اختراع تاہم مرقات کی مندرجہ بالا عبارت کو دیکھ کر امید ہے کہ متوسط طلباء کرام کا ذہن اسے قبول کرلے گا، رد نہیں کرے گا۔
شائد علماء کرام اور منتہی طلباء کرام بھی اس کی تائید کریں، اگرچہ زندگی میں علماء معاصرین سے اس کی زیادہ توقع نہیں۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی پیاری دعاء:

حضرت امام محمد رحمہ اللہ اکثر طور پر یہ دعاء فرماتے تھے۔
"اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وَجْھِیْ عَنْ سُجُوْدِ غَیْرِکَ فَصُنْ وَجْھِیْ عَنْ مَسْئَلَةِ غَیْرِکَ"
اے اللہ جس طرح تو نے میرے چہرے کو غیر کے سامنے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا ہے، ایسے ہی میرے چہرے کو غیروں سے سوال کرنے سے محفوظ رکھ۔ (وضاحت حدیث ماخوذ از مرقاۃ ج ۴ ص ۱۷۴)

☆ "عن معاویة قال قال رسول اللہ ﷺ لاتلحفوافی المسئلة فواللہ لایسئالنی احد منکم شیأ فتخرج لہ مسئلتہ منی شیأوانالہ کارہ فیبارک لہ فیما اعطیتہ"
(رواہ مسلم ،مشکوۃ باب من لا تحل لہ الصدقة ومن تحل لہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ چمٹ کر، لپٹ کر سوال نہ کرو، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی تم میں سے کوئی ایک مجھ سے کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا کہ اس سوال پر میری طرف سے کوئی چیز نکال کر اسے دی گئی ایسے حال میں کہ میں اسے ناپسند سمجھتا تھا تو جو میں نے اسے دیا اس میں برکت دی جائے گی۔

وضاحت حدیث:

راقم نے جو ترجمہ کیا اس کی وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں۔
"(فیبارک)بالنصب مجھولا ای فان یبارک (لہ فیمااعطیتہ)ای علی تقدیر الالحاف"
"فیبارک " مجہول کا صیغہ ہے، اور اس میں نصب ہے "ان" کے مقدر ہونے کی وجہ سے، معنی اس کا یہ ہے

Marfat.com

کہ چمٹ کر سوال کرنے والے کی وجہ اس میں برکت ہوگی اگرچہ وہ مال خوشی سے نہیں دیا گیا۔

"وقال الطیبی علی معنی الجمیعة ای لایجتمع اعطائی کارھا مع البرکة"

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "فیبارک" میں نصب جمیعت کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ میرا عطیہ ناپسندیدگی کے حال میں برکت کے ساتھ جمع نہیں ہوگا۔

راقم کے نزدیک دونوں قول اس طرح جمع کیے جاسکتے ہیں، گویا کہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی چمٹ کر سوال کرے تو اسے ناپسند سمجھتے ہوئے کوئی عطیہ دے دیا جائے تو اس میں برکت نہیں ہوگی لیکن اس کے لپٹ کر سوال کرنے کی وجہ سے جو دل تنگی پیدا ہوگی اور اس پر مشقت اٹھانی پڑے گی اس کی وجہ سے برکت حاصل ہوگی۔

تنبیہ: "قال الغزالی من اخذ شیأمع العلم بأن باعث المعطی الحیاء منه او من الحاضرین ولو لا ذلک لما اعطاه فهو حرام اجماعا ویلزمه رده او ردبدله الیه اوالی ورثته"

علامہ غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوئی شخص دوسرے شخص سے کوئی چیز مانگ کر لیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ اگر میں خود اس سے مانگوں تو وہ شرم سے مجھے دے دے گا، اگر کسی دوسرے شخص کے ذریعہ سوال کروں تو وہ نہیں دے گا، پھر اس نے خود ہی اس سے سوال کرلیا اور اس نے اس کا منصب دیکھتے ہوئے اسے مال دے دیا۔ یا یہ علم ہو کہ اگر اس سے کسی مجلس میں لوگوں کے سامنے مانگا تو وہ دے دے گا، اگر اکیلے مانگا تو وہ نہیں دے گا تو اس سے مجلس میں سوال کرلیا، اس نے مال دے دیا اگر اس سے اکیلے مانگا جاتا تو وہ نہ دیتا۔

ان مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں مال لینا حرام ہے، اس سے جو مال لیا گیا ہے وہ اسے واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر لیا ہوا مال خرچ ہوگیا تو اس کا بدل کوئی اور مال دے دے، جس سے مال لیا تھا وہ فوت ہوگیا تو وہ مال اس کے ورثاء کو واپس کردے۔

(آج شائد دینی مدارس میں بے برکتی کی یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں سے چندہ ان دوصورتوں کے مطابق ہی مانگتے ہیں کسی کو محفل کا صدر بنا کر یا مہمان خصوصی بنا کر پھنسا دینا اور کسی کے پاس خود جا کر اس کی تعریف کر کے اور اسے مقام

Marfat.com

اس لئے کہ نیک شخص سوائے حلال مال کے نہیں دے گا، اور نیک شخص کرم کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوتا ہے وہ کسی کی بے عزتی کرنے والا نہیں ہوتا، یعنی وہ مال دیتا ہے تو بات بھی اچھے اخلاق سے کرتا ہے، مال دے اور ساتھ ساتھ سخت کلامی بھی کرے بلکہ کتے کی طرح بھونکے تو ایسے شخص سے انسان سوال نہ کرے۔ اور نیک شخص تمہیں مال بھی دے گا اور تمہارے حق میں دعاء بھی کرے گا اس کی دعاء کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطاء فرمائے گا، یہی وجہ تھی کہ بغداد کے فقراء حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے تھے۔

"وکان قد تولی القضاء ومن صلاحه وتقواه یرقد عند بابه فی اللیل قائلالعله احتاج الی "

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ منصب قضاء پر فائز تھے، آپ کی نیکی اور تقوی کا یہ عالم تھا کہ آپ رات کے وقت اپنے دروازے پر سوتے تھے، اس کی وجہ آپ بیان فرماتے تھے کہ ہوسکتا ہے مجھے کوئی ملنا چاہتا ہو۔

سبحان اللہ جب تک مسلمانوں کے حکمران اور قاضی حضرات نیک اور عادل تھے تو وہ اکیلے ہی رات کو گلیوں میں گھوم کر قوم کے حالات کا جائزہ لیتے تھے، جہاں جگہ مل گئی وہیں سو جاتے تھے۔ ان کو کسی سے خطرہ لاحق نہیں ہوتا تھا کیونکہ انہوں نے کسی پر مظالم نہیں ڈھائے ہوئے تھے۔

آجکل حکمران اور قاضی ظالم ہیں، حکومت کا مال ناجائز طور پر خرچ کرنے والے ہیں، یہود ونصاری کے اشاروں پر چلنے والے ہیں، اسی لئے وہ گھر میں ہوں یا دفتر میں ہوں یا کہیں باہر نکلیں تو ان کے ساتھ محافظ ہوتے ہیں، وہ چلتے ہیں تو ان کا دل دھڑکتا ہے ہائے کسی وقت کوئی مار نہ دے اور سوتے ہیں تو ان کا دل دھڑکتا ہے کوئی آ نہ جائے جو مار کر بھاگ جائے۔

افسوس کہ مظلوموں سے تو ڈریں، بدمعاشوں سے تو ڈریں، غنڈوں سے تو ڈریں، اپنے تربیت یافتہ لوگوں سے تو ڈریں لیکن شریفوں سے ڈرنے کا کیا مقصد، ہر شریف نمازی، دین کا علم رکھنے والے، اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق داڑھی رکھنے والے سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہ سمجھ سے دور ہے۔

Marfat.com

سوال کرنے سے مزدوری کرنا بہتر ہے:

☆ ”عن انس ان رجلامن الانصار اتی النبی ﷺ یسالہ فقال امافی بیتک شیءفقال بلی حلس نلبس بعضہ ونبسط بعضہ وقعب نشرب فیہ من الماء قال ائتنی بھما فاتاہ بھما فاخذھما رسول اللہ ﷺ بیدہ وقال من یشتری ھذین قال رجل انا آخذھما بدرھم قال من یزید علی درھم مرتین او ثلاثا قال رجل آخذھما بدرھمین فاعطاھما ایاہ فاخذ الدرھمین فاعطاھما الانصاری وقال اشتر باحدھما طعامافانبذہ الی اھلک واشتر بالآخر قدومافأتنی بھافاتاہ بہ فشد فیہ رسول اللہ ﷺ عودا بیدہ ثم قال اذھب فاحتطب وبع ولاارینک خمسۃعشر یوما فذھب الرجل یحتطب ویبیع فجاء ہ وقد اصاب عشرۃ دراھم فاشتری ببعضھا ثوبا وبعضھا طعاما فقال رسول اللہ ﷺ ھذا خیرلک من ان تجیءالمسئلۃ نکتۃ فی وجھک یوم القیامۃ ان المسئلۃ لاتصلح الالثلاثۃ لذی فقرمدقع او لذی مفظع او لذی دم موجع“

(رواہ ابو داؤدوروی ابن ماجۃ الی قولہ یوم القیامۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص انصار قبیلہ سے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ سے سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے؟ اس شخص نے کہاہاں ایک اونی موٹا کپڑا ہے، جس کا کچھ حصہ ہم اوپر اوڑھتے ہیں اور کچھ حصہ نیچے بچھا لیتے ہیں۔ اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایاوہ دونوں چیزیں لے آؤ، وہ لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان دونوں چیزوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑا، اور ارشاد فرمایا کون ہے جو یہ دونوں چیزیں خرید لے، ایک شخص نے کہا ”میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم سے خرید لیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کون ہے جو ایک درہم سے زیادہ دے، یہ ارشاد آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ ایک شخص نے کہا میں یہ دونوں چیزیں دو درہم سے خرید لیتا ہوں، آپ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور اس سے دو درہم لے لئے۔ وہ دو درہم انصاری کو دیئے کہ ایک درہم سے طعام خرید کر گھر

Marfat.com

کے بغیر لوگوں سے گھٹیا چیز یعنی صبح یا شام کا کھانا طلب کر رہا ہے؟ یعنی بلند مقام میں رب تعالیٰ سے مغفرت اور عافیت کا سوال کرے، زمانہ قبولیت اور مقام قبولیت میں غیر اللہ تعالیٰ سے دنیا کے متعلق گھٹیا سوال کرنا درست نہیں۔

یہاں سے ہی واضح ہو گیا:

"ویلحق بذلک السؤال فی المساجد اذلم بتن الالعبادة"

کہ مساجد صرف عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں ان میں بغیر کسی عذر کے سوال کرنا گھٹیا فعل ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبولیت دعاء۔

شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔"انه خرج من المدینة عازما لزیارة سیدنا حمزة" کہ وہ مدینہ طیبہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی (قبر شریف) کی زیارت کے ارادے سے نکلے، ان کے ساتھ ایک اور شخص بھی چلا، مزار شریف کا دروازہ خود بخود کھل گیا "فرأی رجالا من رجال الغیب" تو آپ نے وہاں کچھ غیبی لوگوں کو دیکھا، تو رب تعالیٰ سے عافیت کا سوال کیا ابو العباس کہتے ہیں مجھے اپنے ساتھی پر رحم آیا، میں نے اسے کہا یہ دعاء کی قبولیت کا وقت ہے تم اللہ تعالیٰ سے اپنا مقصود طلب کرو، اس نے رب تعالیٰ سے دینار کا سوال کیا۔ آپ فرماتے ہیں جب میں لوٹا اور مدینہ طیبہ کے دروازے میں داخل ہوا تو اس شخص کو ایک آدمی نے ایک دینار دے دیا۔

جب میں اپنے شیخ سید ابو الحسن شاذلی کے پاس آیا۔

"فقال للرجل قبل نقل القضیة یادنی الهمة ادرکت وقت الاجابة وسألت دینارا لم لاسألت العفو والعافیة مثل ابی العباس"

تو آپ کو ابھی واقعہ بتایا ہی نہیں گیا تھا آپ نے خود ہی اس شخص کو فرمایا اے گھٹیا ہمت والے تو نے دعاء کی قبولیت کا وقت پایا اور تو نے ایک دینار کا سوال کر لیا، تو نے ابو العباس کی طرح معافی کا سوال کیوں نہیں کیا۔ (ماخوذ از ماقات جلد ۴ ص ۱۸۳)

Marfat.com

اسی واقعہ سے راقم کو چند فوائد سمجھ آئے، ایک یہ کہ قبور کی زیارت کے ارادے سے جانا تبع تابعین کا طریقہ ہے۔ "عازما" کے لفظ کو دیکھا جائے جس سے یہ عقدہ حل ہو جائے گا۔ نیک لوگوں کی قبور پر غیبی شخصیات کا ورود (آنا) ہوتا ہے، جن کی وجہ سے وہاں دعاء کی قبولیت ہوتی ہے۔ دعاء کی قبولیت کی گھڑیوں میں خاتمہ بالخیر کی دعاء کرے، یہ اعلیٰ مقصود ہے۔ ایسے اوقات میں دنیاوی مال کی دعاء کرنا گھٹیا دعاء اور مقصد کے خلاف ہے۔

نیک لوگوں کو اللہ تعالیٰ الہام کے ذریعے یا کشف کے ذریعے ان حالات سے مطلع کر دیتا ہے جو بظاہر چھپے ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے خود بخود اس شخص کی دعاء کا ذکر کیا جو واقعہ آپ کو بتایا نہیں گیا تھا۔ لوگ ابھی تک انبیاء کرام کے علوم غیبیہ اور خصوصاً سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے علوم غیبیہ کے متعلق شک کر رہے ہیں۔

سؤال نیک آدمیوں سے کرے:

☆ "عن ابن الفراسی ان الفراسی قال قلت لرسول اللہ ﷺ أسأل یا رسول اللہ فقال النبی ﷺ لاوان کنت لابد فسل الصالحین"

(رواہ وابو داؤد والنسائی، مشکوۃ باب من لاتحل له المسئلة ومن تحل له)

فراس بن غنم کے قبیلہ کے ایک شخص کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ کیا میں سؤال کرلیا کروں؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تمہیں سؤال کرنے کی ضرورت در پیش آ ہی جائے تو نیک لوگوں سے سؤال کرو۔

وضاحت حدیث: سؤال کرنے کی اجازت طلب کرنے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لا" نہیں اس سے مراد یہ ہے۔

"لاتسأل الناس شیأ من المال وتوکل علی اللہ فی کل حال"

کہ لوگوں سے کچھ مال بھی طلب نہ کرو بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھو۔

نیک لوگوں سے سوال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

"لان الصالح لایعطی الامن الحلال ولایکون الاکریما ورحیما ولایھتک العرض ولانه یدعولک فیستجاب ولذا کان فقراء بغداد یسألون الامام احمد"

Marfat.com

اسے صبر کی توفیق عطاء کر دیتا ہے، اور جو شخص عطاء کر دیتا ہے وہ افضل ہے، اور زیادہ وسیع ہے (زیادہ کھولنے والا ہے) صبر سے۔

"وذلک لان مقام الصبر اعلی المقامات لأنه جامع لمکارم الصفات والحالات"

اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر کو اعلیٰ مقام حاصل ہے، اس لئے کہ وہ اچھی صفات اور اچھے حالات کا جامع ہے۔

☆ "وعن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ من سأل الناس وله مایغنیه جاء یوم القیامة ومسئلته فی وجهه خموش او خدوش او کدوح قیل یا رسول الله وما یغنیه قال خمسون درهما او قیمتها من الذهب"

(رواه ابو داؤد والترمزی والنسائی وابن ماجة والدارمی، مشکوة باب من تحل له الصدقة ومن تحل له)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے جو اسے بے پرواہ کر دیتا ہے تو قیامت کے دن آئے گا یہاں تک کہ اس کے چہرے پر سوال کی وجہ سے خراشوں کے نشان پڑے ہوں گے، پوچھا گیا یا رسول اللہ اسے کتنا مال سوال سے بے پرواہ کر دیتا ہے، آپ نے فرمایا، پچاس درہم یا اتنی مالیت کا سونا اس کے پاس ہو۔

وضاحت حدیث:

"مایغنیه "ای عن السؤال ویکفیه بقدر الحال" اس کے پاس اتنا مال ہے جو اسے سوال سے بے پرواہ کر دیتا ہے، اور اس کی ضروریات کو وقتی طور پر کافی ہو سکتا ہے۔

وہ کتنا مال ہوتا ہے جو انسان کو کفایت کر جاتا ہے اور اسے سوال کرنا منع ہوتا ہے؟ صحابہ کرام نے یہ وضاحت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مال جو انسان کے لئے کافی ہوتا ہے (قرض وغیرہ نہ ہو) اس کی مقدار پچاس درہم ہے یا پچاس درہم کی مالیت کا سونا۔

خیال رہے پچاس درہم چاندی کا وزن تیرہ تولے تین ماشے بنتا ہے۔ یعنی اتنی مقدار میں اس کے پاس چاندی ہو یا اس کی مالیت کا کوئی اور مال ہو جو ضروریات کو پورا کر سکے، جب اس کے پاس اتنا مال ہو تو پھر وہ سوال کرے

Marfat.com

تو قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو اس کا چہرہ بغیر ضرورت کے سوال کرنے کی وجہ سے زخمی نظر آئے گا گویا اسے خراشیں ماری گئیں اور اسے چھیلا، تراشا گیا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ حدیث شریف میں تینوں الفاظ کا معنی ایک لیا گیا ہے، صرف راوی کو شک ہے کہ کون سا لفظ بولا گیا ہے وہ ''خموش'' ہے، یا ''خدوش'' ہے، یا ''کدوح'' ہے۔ اگرچہ حدیث شریف میں تو تینوں کا مطلب ایک ہی ہے تاہم لغوی معنی کے لحاظ سے فرق بھی ہے۔ خموش کے معنی میں مبالغہ پایا گیا ہے۔

''الخمش فی الوجه والخدش فی الجلد والکدح فوق الجلد''

چہرے کو زخمی کرنے کو ''خموش'' کہا جاتا ہے۔ اور کہیں سے چمڑے کے اندر تک زخمی کرنے کو ''خدوش'' کہا جاتا ہے۔ اور چمڑے کے اوپر کو زخمی کرنے کو ''کدوح'' کہا جاتا ہے۔ (از مرقاۃ)

مقام عرفات پر سوال کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غصہ:

''عن علی انه سمع یوم عرفة رجلا یسأل الناس فقال أفی هذا الیوم وفی هذا المکان تسأل من غیر الله فخفقه بالدرة'' (رواہ رزین ،مشکوۃ باب من لا تحل له المسالة ومن تحل له)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرفہ کے دن ایک شخص کو لوگوں سے سوال کرتے ہوئے سنا، تو آپ نے فرمایا کیا اس دن اور اس جگہ تو اللہ تعالیٰ کے غیروں سے سوال کر رہا ہے، تو آپ نے اسے کوڑے سے مارا۔

وضاحت حدیث:

اس حدیث پاک کے راوی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اور اپنا ہی واقع بیان کیا ہے۔ یعنی بزبان خود بحال خود۔

''(فقال) ای علی (أفی هذا الیوم وفی هذا المکان) ای أفی زمان اجابة الدعاء ومکان قبول الثناء وحصول الرجاء (یسأل من غیر الله) ای شیأ حقیرا مثل الغداء او العشاء''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کیا آج کے دن جو دعاء کی قبولیت کا وقت ہے اور اس مقام میں جو دعاء کی قبولیت کا مقام ہے، اور رب تعالیٰ کی تعریف کی قبولیت کا مقام اور امید کے حاصل ہونے کا مقام ہے، تو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

غوثیت کے دربہ پر جا کر مال دینے پر مجبور کر دینا، حقیقت یہ ہے کہ جو پہلے لوگوں کے دین کا علم پڑھنے اور پڑھانے میں کمال تھا وہ آج نہیں، اس کی وجہ واضح ہے کہ پہلے لوگوں میں خلوص زیادہ تھا تقوی کی وجہ سے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے تھے جو شریعت میں ممنوع ہیں اور بزرگان دین اور علماء کرام نے ان کو واضح طور پر بیان کر دیا۔)

"قال النووی فی شرحه اتفق العلماء علی النهی عن السؤال لغیر ضرورة"

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اسی زیر بحث حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ بغیر ضرورت کے سؤال کرنا منع ہے۔

ایک شخص کام کرنے، مزدوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن وہ جان بوجھ کر کوئی کام نہ کرے اور سؤال کرنے کی عادت بنائے یعنی پیشہ ور بھکاری ہو تو اسے مال لینا حرام ہے۔ احادیث مبارکہ سے ظاہر طور پر مسئلہ یہی سمجھ آ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص کام وغیرہ کرنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے، کام مل نہیں رہا وہ مجبور ہے، عذر کی وجہ سے سؤال کرلے تو اس کے لئے جائز تو ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کر کے سؤال نہ کرے، اور نہ ہی چمٹ کر اور لپٹ کر سؤال کرے اور نہ ہی اس شخص کو تکلیف دے جس سے سؤال کر رہا ہے۔ (تکلیف دینے کی دو وجہ ذکر کی جا چکی ہیں کہ صاحب منصب خود جا کر اس سے سؤال کرے یا لوگوں کے سامنے اس سے سؤال کر کے مال دینے پر مجبور کر دے)

(وضاحت حدیث ماخوذ از مرقات ج ۴ ص ۱۷۴)

☆ "وعن الزبیر بن العوام قال قال رسول اللہ ﷺ لأن یأخذ احدکم حبله فیأتی بحزمة حطب علی ظهره فیبیعها فیکف اللہ بها وجهه خیر له من ان یسأل الناس اعطوه او منعوه" (رواه البخاری، مشکوۃ باب من لا تحل له الصدقه من و تحل له)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرمایا تم میں سے کسی ایک کا رسی لے کر لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لانا اور اسے بیچنا کہ اس کی وجاہت کو اللہ برقرار رکھے بہتر ہے اس سے کہ لوگوں سے سوال کرے وہ اسے دیں یا نہ دیں۔

وضاحت حدیث:

"زبیر بن عوام" عوام کی واؤ مشدد ہے، عین اور واؤ دونوں مفتوح ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے

Marfat.com

ہیں اور عشرۃ المبشر ۃ سے ہیں۔

رسی لینے کا مطلب یہ ہے کہ "فیجمع حطبا ثم یربط به "وہ لکڑیاں جمع کر کے اسی سے باندھے۔

"(الحزمة) بضم الحاء قدر ما یحمل بین العضدین و الصدر ویستعمل فیما یحمل علی الظهر من الحطب"

(حزمۃ) کی حاء پر پیش ہے، اصل میں حزمہ کا معنی یہ ہے کہ دونوں بازؤں میں سینہ کے ساتھ لگا کر کسی چیز کو اٹھانا، پھر عام طور پر پیٹھ پر لکڑیاں کے اٹھانے والے گٹھے کو حزمہ کہا جاتا ہے۔

حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ سوال کرنے سے بہتر یہ ہے کہ رسی لے کر جنگل میں چلا جائے وہاں سے لکڑیاں جمع کر کے لے آئے اور بازار میں بیچ کر اپنی ضروریات کو پورا کرے، سوال کرے گا تو ہوسکتا ہے کوئی دے اور کوئی نہ دے، جب سوال کرنے پر کچھ نہیں ملے گا تو عزت خاک میں مل جائے گی، چہرہ کی آب وتاب، وجاہت ضائع ہو جائے گی۔ سوال نہ کرنے پر اور لکڑیاں لا کر بیچنے پر اس کے چہرے کی رونق، آب وتاب اور وجاہت برقرار رہے گی۔

☆ "عن ابی سعید الخدری قال ان اناسامن الانصار سألوا عن رسول الله ﷺ فاعطاهم ثم سألوه فاعطاهم حتی نفد ماعنده فقال مایکون عندی من خیر فلن ادخره عنکم ومن یستعفف یعفه الله ومن یستغن الله ومن یتصبر یصبره الله وما اعطی احد عطاء هو خیر واوسع من الصبر" (بخاری ومسلم ،مشکوۃ باب من لا تحل له المسئلة ومن تحل له)

حضرت ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک انصار کے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے ان کو عطاء کیا، پھر انہوں نے سوال کیا آپ نے ان کو عطاء کیا یہاں تک کہ آپ کے پاس جو مال تھا وہ ختم ہو گیا، تو آپ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوتا ہے میں اسے تم سے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتا (کہ تمہیں نہ دوں) اور جو شخص سوال کرنے سے درگذر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے درگذر کرنے کی توفیق عطاء فرما دیتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو غنی ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (یعنی اس کے دل کو) غنی بنا دیتا ہے اور جو شخص صبر کی توفیق طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

گے۔البتہ وہ بے حیائی کے کاموں اور ہر قسم کے ناجائز کاموں میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔اور رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔"وزین لهم الشیطان اعمالهم فصدهم عن السبیل فهم لایهتدون" (سورۃ النمل، آیۃ ۲۴)

اور شیطان نے ان کے اعمال ان کی نگاہ میں سنوار کران کو سیدھی راہ سے روک دیا تو وہ راہ نہیں پاتے۔

اس سے واضح ہوا کہ شیطان لوگوں کے برے اعمال کو ان کی نگاہ میں مزین کر کے دکھاتا ہے کہ یہی راہ سیدھی ہے جس پر تم چل رہے ہو، تو وہ ان کو سیدھی راہ سے روک دیتا ہے، اس طرح وہ ہدایت نہیں پاتے، یعنی شیطانی مدرسہ کی تعلیم کا عظیم کام لوگوں کو راہ راست سے بھٹکانا اور برے کاموں پر لگانا ہے اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی۔

"وزین لهم الشیطان اعمالهم فصدهم عن السبیل و کانوا مستبصرین"

شیطان نے ان کے کوتک (برے اعمال) ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے اور انہیں راہ سے روکا اور انہیں سوجھتا تھا۔

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ خزائن العرفان میں "وکانوا مستبصرین" (اور انہیں سوجھتا تھا) کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں۔

(وہ لوگ جن کو شیطان نے بہکایا) صاحب عقل تھے حق و باطل میں تمیز کر سکتے تھے لیکن انہوں نے عقل وانصاف سے کام نہیں لیا۔

ان تمام آیات سے واضح ہوگیا کہ شیطانی مدرسہ کا مہتمم اور صدر مدرس خود شیطان ہی ہے اس کا کام ہی صرف اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا ہے، اور اس کی تعلیمات کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ ہاں البتہ اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی راہ سے روکتا کیوں رہا اور تا قیامت روکتا کیوں رہے گا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کو جب جنت کا منظر یاد آتا ہے، فرشتوں کے ساتھ مل جل کر رہنا، سہانا یاد آتا ہے پھر جب وہ جنت سے ذلیل کر کے نکالے جانے کو دیکھتا ہے تو اس کا پریشان ہونا اور اس کے سینہ سے ٹیسیں نکلنا عقل میں آنے والی باتیں ہیں۔جب وہ نبی کی گستاخی کی وجہ سے ذلیل ہو کر نکالا گیا تو اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی، دل میں ٹھان لی کہ وہ انتقام ضرور لے گا، لیکن یہ بات بھی وہ سمجھ گیا تھا کہ آدم علیہ السلام سے انتقام لینے کی اسے طاقت ہی حاصل نہیں تو اس نے سوچا کہ اولاد آدم سے ہی انتقام لے کر کچھ اپنے دل کی بھڑاس نکال لوں اور غصہ اور انتقام کی آگ کے بھڑکنے کی کیفیت کو کچھ کم کرلوں۔شیطانی مدرسہ کی تعلیم میں انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی گستاخی کا پہلو نمایاں نظر آئے گا۔

Marfat.com

رحمانی مدرسہ کی تعلیم:

رب تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو تمام کائنات کا معلم بنا کر بھیجا اس معلم کائنات کو حکم دیا "یاایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک " (سورۃالمائدۃ آیۃ ۲۷)

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اتارا گیا تم پر تمہارے رب کی طرف سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن پاک کی تعلیم دینے اور قرآن پاک کے احکام لوگوں تک پہنچا دینے کا حکم دیا۔ اور رب تعالیٰ نے فرمایا۔

"یاایھا الذین آمنو الاتتخذوا الیھود والنصاری اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانه منھم ان الله لا یھدی القوم الظالمین . (سورۃالمائدۃ آیۃ ۵۱)

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بیشک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یاایھاالذین آمنوا لاتتخذواالذین اتخذوادینکم ھزواولعبامن الذین اوتوالکتاب والکفارا ولیاء واتقواالله ان کنتم مؤمنین . (سورۃالمائدۃ آیۃ ۵۷)

اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے اور کافران میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو۔

اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

"والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض" (سورۃالتوبۃ آیۃ ۷۱)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ "واعبدوا الله ولاتشر کوابه شیئا " اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

"انا ارسلناک شاھداومبشرا ونذیرا لتؤمنوابالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بکرة واصیلا" (سورۃالفتح آیۃ ۹،۸)

Marfat.com

واضح ہوا کہ دینی مدارس کے طلباء کرام میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو اصحاب صفہ میں پائی جاتی تھیں۔البتہ فرق اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام جو دین کے طلباء تھے ان میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کی تھیں، اب موجودہ زمانہ میں طلباء کرام میں وہ صفات کم درجہ کی ہیں۔اصل اور نقل میں فرق اگرچہ ضرور ہے لیکن صحابہ کرام کی صفات کی ایک جھلک کا پایا جانا بھی بہت بڑا کمال ہے۔

سب سے پہلا دینی مدرسہ:

سب سے پہلے یہ خیال رکھیں کہ دینی مدرسہ کسی عمارت کا نام نہیں، بلکہ جہاں معلم اور متعلم (استاذ اور شاگرد) پائے جائیں وہی دینی مدرسہ ہے۔اس لئے سب سے پہلے مدرسہ رب قدوس نے خود قائم کیا۔ارشاد باری تعالیٰ کی طرف ذرا دھیان دیجئے، "وعلم آدم الاسماء کلها" اور (اللہ نے) سکھائے آدم کو تمام چیزوں کے نام۔یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے ساتھ ہی دینی مدرسہ قائم ہوگیا، جس مدرسہ میں معلم خود باری تعالیٰ ہے اور متعلم آدم علیہ السلام ہیں۔

دینی مدرسہ کو دیکھ کر کون خوش ہوئے:

جب رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے گویا کہ رب تعالیٰ کے دینی مدرسہ سے رب تعالیٰ کا شاگرد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جب فارغ ہوئے، جو اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔رب تعالیٰ نے اپنے عظیم شاگرد کو سجدہ کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا۔تو فرشتوں نے خوشی سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔واضح ہوا کہ فرشتے دینی مدرسہ پر خوش ہوئے، دینی مدرسہ سے فارغ ہونے والے عظیم شخص کی انہوں نے تعظیم کی کہ یہ رب کائنات کا متعلم ہے۔

دینی مدرسہ کو دیکھ کر کون جلا:

دینی مدرسہ کو دیکھ کر سب سے پہلے جلنے والا شیطان تھا۔رب تعالیٰ کے متعلم کے علم دین سے فارغ ہونے پر سجدہ کرنے کا حکم ٹھکرانے والا ابلیس لعین تھا۔وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مدرسہ پر جل اٹھا کہ اس مدرسہ سے فارغ ہونے والا اتنا معظم کیوں ہوگیا جسے سجدہ کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا رہا ہے۔

Marfat.com

اس نے رب تعالیٰ کے عظیم کی معلم کی فراغت پر اس ذات کی عظمت کا انکار کر کے، سجدہ سے منہ موڑ کر کفر ولعنت کا طوق گلے میں ڈال لیا۔ اور "انا خیر منہ" (میں اس سے بہتر ہوں) کہہ کر اپنی جھوٹی برتری کا اعلان کر دیا۔

رب تعالیٰ کے مدرسہ کے مقابل دوسرا مدرسہ قائم ہو گیا:

شیطان نے رب تعالیٰ سے مہلت مانگ لی۔ کس چیز کی مہلت مانگی گئی؟ وہ مہلت لوگوں کو وہ تعلیم دینے کی تھی جو رب تعالیٰ سے دور کر دے۔ آیئے رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے شیطان کا مہلت طلب کرنا اور اسے مہلت دیا جانا" دیکھئے۔

"قال انظرنی الی یوم یبعثون .قال انک من المنظرین .قال فبمااغویتنی لأقعدن لهم صراطک المستقیم . ثم لأتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولاتجد اکثرهم شاکرین" (سورة الاعراف آیة ۱۴ تا ۱۷)

بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں۔ فرمایا تجھے مہلت ہے، بولا قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر میں ضرور ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائے گا۔

شیطانی مدرسہ کی تعلیم:

شیطانی مدرسہ کی تعلیم کا مقصد عظیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ سے روکنا ہے، ابھی جن آیات کو ذکر کیا ہے ان میں واضح طور پر ذکر ہے کہ شیطان نے تاقیامت رب تعالیٰ سے مہلت مانگ لی ہے اور اسے مہلت دے دی گئی، تو اس نے رب تعالیٰ کو کہہ دیا کہ میں سامنے اور پیچھے، دائیں اور بائیں جانب سے آکر ان کو بھٹکاؤں گا، میری تعلیم کا مقصد عظیم ہی لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکانا ہو گا۔ اور رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "الشیطان یعدکم الفقر ویأمرکم بالفحشاء والمنکر" شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا۔

معلوم ہوا کہ شیطانی مدرسہ کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو غریب، فقیر محتاج ہو جاؤ

Marfat.com

ﷺ نے فرمایا یہ مال تمہارے پاس آ گیا ہے تم لے لو تم نے اس کی طرف نظر اٹھا کر تو نہیں دیکھا تم نے مانگا تو نہیں تھا، اپنے نفس کو مال کے پیچھے نہ لگاؤ۔ (یعنی جو مال خود ملے وہ لے لو، للچاتی نظریں کسی مال پر نہ لگاؤ، کسی سے سوال نہ کرو، حریص بن کے مال کے پیچھے نہ دوڑو)

نسائی شریف میں یہ الفاظ زائد ہیں ("خذه" کے بعد) "فتمولہ او تصدق بہ" تم یہ لے لو، اپنے پاس مال رکھ لو یا صدقہ کر دو۔ (قرطبی)

مسئلہ: "الالحاح فی المسألة والالحاف فیھا مع الغنی حرام لایحل"

ایک شخص غنی ہو کر پھر گڑ گڑا کر، چمٹ کر، لپٹ کر سوال کرے، تو اس کا یہ سوال کرنا حرام ہے۔ (قرطبی)

عذر کے ہوتے ہوئے تین مرتبہ سوال کرنا جائز ہے:

سوال کرنے والا جب محتاج ہو تو کوئی حرج نہیں کہ تین مرتبہ عذر کی وجہ سے سوال کرلے، اور اس خوف سے کہ اگر میں نے سوال نہ کیا تو مجھے فاقہ لاحق ہوگا لیکن اس حالت میں بھی اگر سوال نہ کرے تو اس کے لئے بہتر ہے۔ جس سے سوال کیا گیا اگر وہ جانتا ہو کہ سائل واقعی مجبور ہے اور شدید محتاج ہونے کی وجہ سے مانگ رہا ہے تو اسے چاہئے کہ سائل کو حاجت کی اپنی طاقت کے مطابق پورا کرے۔ اگر وہ سائل کی حالت کو نہ جانتا ہو تو پھر بھی سائل کو مال دے دے ہوسکتا ہے وہ سچا ہو۔ اسی لئے اس کے سوال کو در کرنا مناسب نہیں۔ (از قرطبی)

سائل محتاج کو جمعہ اور عید کے ادا کرنے کے لئے کپڑے لے کر دیئے جائیں:

اگر کوئی شخص محتاج ہو اس کے پاس جمعہ اور عید کے لئے اچھے کپڑے نہیں تو ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے اچھے کپڑے لے کر دیئے جائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ بغداد کے حاکم کو جامع مسجد میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو یہ شخص تمہارا بھائی ہے، تمہارے ساتھ جمعہ ادا کرتا ہے، اس کے پاس اچھے کپڑے نہیں کہ یہ سنت کے مطابق جمعہ ادا کر سکے، (اس لئے اسے کپڑے لے کر دو) ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دوسرے جمعہ کو اسے اچھے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ اسے ابوالطاہر نے برسنی نے کپڑے لے کر دیئے ہیں تا کہ اس کی

Marfat.com

طرف سے ثناء اور دعاء کو حاصل کر سکے۔ (احکام ابن عربی، قرطبی)

اصحاب صفہ اور دینی مدارس کے طلباء:

زیر بحث آیۃ کریمہ میں اصحاب صفہ کی پانچ صفات بیان کی گئیں جو بفضلہٖ تعالیٰ اس مادی اور خود غرض دور میں بھی دینی مدارس کے طلباء میں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

(۱) ان پانچ صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے ''الذین احصروا فی سبیل اللہ'' وہ اللہ کی راہ میں روک لئے گئے۔

(۲) دوسری صفت یہ ہے ''لایستطیعون ضربا فی الارض'' وہ زمین میں (کسب معاش کے لئے) نہیں چل سکتے۔

(۳) تیسری صفت یہ ہے ''یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف'' بے خبر لوگ ان کو سوال سے درگذر کرنے کی وجہ سے غنی سمجھتے ہیں۔

(۴) چوتھی صفت یہ ہے ''تعرفھم بسیماھم'' آپ ان کو چہرے کی علامات سے پہچانتے ہیں۔

(۵) پانچویں صفت یہ ہے ''لایسألون الناس الحافا'' وہ سوال ہی نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

خدارا انصاف کی نظر سے دیکھئے اور خود ہی فیصلہ کریں کہ دینی طلباء میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ حقیقت کی نظر سے دیکھنے والا یقیناً یہی کہے گا کہ دینی مدارس کے طلباء اپنے آپ کو تعلیم کے حصول کے لئے مدارس میں روکے رکھتے ہیں۔

وہ دینی تعلیم کی مشغولیت کی وجہ سے تجارت نہیں کر سکتے، اور کسی ذریعہ معاش کو حاصل کرنے کے لئے زمین میں نہیں چلتے، وہ خوددار ہوتے ہیں، کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، سوال نہیں کرتے، سوال سے درگذر کرتے ہیں، ان کے حقیقی حال سے بے خبر لوگ ان کو غنی سمجھتے ہیں۔

جس طرح نبی کریم ﷺ اصحاب صفہ کو ان کے چہرے کی علامت سے ہی سمجھ لیتے تھے کہ یہ غریب ہیں، بھوکے ہیں محتاج ہیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی امت کے نیک لوگ بھی طلباء کرام کو دیکھ کر ان کی غربت کو ان کے چہرے کی علامات سے پہچان لیتے ہیں۔

Marfat.com

والوں کو دے دو، اور ایک درہم سے کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ کلہاڑا لے آئے، نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا، پھر ارشاد فرمایا جاؤ، لکڑیاں لا کر بیچو، پندرہ دن میں تمہیں ہرگز (بیکار پھرتے) نہ دیکھوں۔ وہ شخص چلا گیا، لکڑیاں لاتا اور بیچتا، پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا جبکہ اس نے دس درہم حاصل کر لئے تھے، بعض درہموں کے ذریعے اس نے کپڑے خرید لئے اور بعض سے طعام خرید لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے یہ بہتر ہے بنسبت اس کہ تم قیامت کے دن آتے اور تمہارے چہرے پر سوال کی وجہ سے نکتہ پڑا ہوتا بیشک سوال تین آدمیوں کے بغیر کسی کے لئے جائز نہیں۔ (ایک) وہ شخص جو فقر کی وجہ سے بہت زیادہ محتاج ہو، اور (دوسرا) وہ شخص جو بہت بھاری قرض میں مبتلاء ہو (تیسرا) وہ شخص ہے جس پر درد پہنچانے والے خون (یعنی دیت) کی ذمہ داری ہو۔

حدیث سے فوائد حاصل ہوئے:

نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام پر اس شخص کی دونوں چیزوں کو پیش کرنا "فیه غایة التواضع واظهار المرحمة" اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ بہت عجز وانکساری رکھتے تھے، اور صحابہ کرام پر بہت زیادہ رحیم تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ جب ان لوگوں پر یہ چیزیں پیش کی جائیں گی تو وہ اصل قیمت سے زائد دیں گے جس سے اس شخص پر رحم ہوگا۔

اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ زیادہ قیمت حاصل کرنے کے لئے بولی پر کسی چیز کو بیچنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی امت کے لوگوں کو دنیا اور آخرت میں نفع دینے والی چیزوں کا مشورہ دیتے تھے۔ بغیر ضرورت کے سوال کرنے پر قیامت کے دن چہرے پر قبیح (بدنما) اثرات پائے جائیں گے۔

سوال کے بغیر جو مال ملے اسے قبول کر لے:

اگر کوئی شخص کسی کو بغیر سوال کے مال دے تو وہ قبول کر لے رد نہ کرے "اذھو رزق رزقه الله" اس لئے کہ وہ رزق اللہ تعالیٰ نے اسے عطاء کیا ہے۔

Marfat.com

☆ "روی مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان رسول الله ﷺ ارسل الی عمر بن الخطاب بعطاء فرده فقال له رسول الله ﷺ لم رددته فقال یا رسول الله الیس اخبرتنا ان احدن خیرله الایاخذ شیأ فقال رسول الله ﷺ انما ذلک عن المسألة فأماما کان من غیر مسألة فانما هو رزق رزقکه الله فقال عمر بن الخطاب والذی نفسی بیده لا أسأل احدا شیأ ولایأتینی بشیءمن غیر مسألة الااخذته"

عطاء بن یسار فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کوئی عطیہ بھیجا تو انہوں نے واپس کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں کہا تم نے یہ واپس کیوں کر دیا ہے ؟ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے خود ہمیں یہ خبر نہیں دی" کہ ہم میں سے ہر وہ شخص بہتر ہے جو کسی سے کوئی چیز سے نہ لے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سؤال سے ہے (یعنی اس خبر کا تعلق سؤال کر کے لینے سے ہے) لیکن بغیر سؤال کے (تمہیں کوئی چیز دے) تو وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میں کسی شخص سے کسی چیز کا سؤال نہیں کروں گا۔ اگر مجھے بغیر سؤال کے مل گئی تو وہ چیز میں ضرور لے لوں گا۔

"وهذا نص" یہ حدیث پاک اسی مسئلہ پر نص ہے کہ بغیر مانگنے کے جو چیز مل جائے وہ لے لی جائے۔ (قرطبی)

☆ "عن ابن عمر قال سمعت عمر یقول کان النبی ﷺ یعطینی العطاء فاقول اعطه افقر الیه منی حتی اعطانی مرة مالافقلت اعطه افقرا لیه منی فقال رسول الله ﷺ خذه وما جاءک من هذا المال وانت غیر مشرف ولا سائل فخذه وما لافلاتبعه نفسک" (مسلم، نسائی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ مجھے مال عطاء کرتے تھے تو میں کہتا آپ مجھ سے زیادہ کسی محتاج کو دے دو، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے مال دیا تو میں نے کہا مجھ سے زیادہ کسی محتاج کو دے دو، تو رسول اللہ

Marfat.com

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔ تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "ولاتمش فی الارض مرحا" (بنی اسرائیل آیة ۳۷)

اور نہ چلو زمین میں اکڑ کر۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ رحمانی مدرسہ یعنی دینی مدرسہ میں قرآن و حدیث پڑھائے جاتے ہیں۔ اور یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور پسند ہے۔

دینی مدرسہ میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے اسی کو ایک مانو، اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور اسی کی عبادت کرو۔ دینی مدرسہ میں پڑھایا جاتا ہے کہ رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو اور دینی مدرسہ میں پڑھایا جاتا کہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضاء کی خاطر دلی محبت صرف مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے رکھیں۔ اور دینی مدرسہ میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ اے مسلمانو یہود و نصاری اور کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ وہ تمہارے دین سے مزاح اڑاتے ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ کبھی دوستی کی آڑ میں تمہیں برباد کرنا چاہتے ہیں اور کبھی دشمنی کی آڑ میں ÷ تم جتنے ان کے قریب جاؤ گے، جتنے ان کے نیچے لگ (تلے لگ) کر رہو گے اتنے ہی برباد ہو گے۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ملانا سیکھو۔

اور دینی مدارس میں اچھے اخلاق سکھائے جاتے ہیں کہ تکبر نہ کرو، اکڑ اکڑ کر نہ چلو، عاجزی اختیار کرو ہاں کسی بداخلاق کو نہ معاف کر سکو تو اس کو اسی قسم کا جواب دے دو، حد سے تجاوز نہ کرو یہ بھی منشاء ایزدی ہے۔

کیونکہ رب تعالیٰ نے خود فرمایا۔ "وجزاء سیئة سیئة مثلها" برائی کی جزاء اس کی مثل برائی ہے۔

یہ صرف ایک دو مثالیں پیش کی ہیں ورنہ قرآن و حدیث کی تعلیم ان گنت مسائل پڑھائے جاتے ہیں جو انسانیت کا سبق دیتے ہیں اور مسلمانوں کو حقیقی معنی میں مسلمان بناتے ہیں۔

جن مدارس میں مندرجہ بالا تعلیم دی جاتی ہے وہی راقم کے نزدیک حقیقی دینی مدارس ہیں، اگر کوئی مدرسہ جسے یک فی صد تناسب حاصل ہو جو اخلاقیات سے دور ہو یا کسی قسم کی تخریبی کاروائی میں مبتلاء ہو، یا ملکی قانون کا احترام نہ

Marfat.com

کرے تو اس ایک مدرسہ کو بے نقاب کیا جائے، ایک کی آڑ میں تمام دینی مدارس کے طلباء کو دہشت گرد کہہ کر اپنی عاقبت کو برباد نہ کیا جائے، امریکی ڈالر قبر و حشر میں کام نہیں آئیں گے۔

قدیم نصاب کا واویلا:

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دینی مدارس میں نصاب بہت پرانا ہے، آیئے دیکھئے یہ شور وغل کہاں تک درست ہے؟

جب دینی مدرسہ میں پڑھائے جانے والے علوم کے مقاصد ہی قرآن وحدیث کو سمجھنے میں معاونت حاصل کرنا ہے تو کیا قرآن وحدیث کے علم کو پرانا علم کہہ کر (معاذ اللہ) لوگوں کو دین سے برگشتہ کیا جائے گا؟ وہی علوم علماء دین کے نزدیک معتبر رہیں گے جن سے کماحقہ قرآن وحدیث سمجھ آئیں۔

حقیقت بات یہ ہے کہ جدت پسندی کے رجحان کی وجہ سے دینی مدارس میں نصاب کو کم کرنے، معیاری کتب کو نکال کر غیر معیاری کتب کو شامل کرنے سے تنزل ہوا ہے ترقی نہیں۔

راقم علوم عصریہ کا مخالف نہیں، اسی کتاب نجوم الفرقان میں گذشتہ اوراق میں اپنا ایک مضمون پیش کر چکا ہے لیکن دینی نصاب کے گھٹانے کا بھی قائل نہیں۔

راقم نے اپنے مدرسہ میں دل وجان سے دینی علوم پڑھنے کی رغبت دلانے کا سو فیصد کام ذمہ لیا ہوا ہے میرے مدرسہ (جامعہ جماعتیہ مہر العلوم رحیم ٹاؤن شکریال راولپنڈی کے علوم عصریہ کے اساتذہ میرے ساتھ بھرپور تعاون کررہے ہیں اور محنت ومحبت سے پڑھا رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ امتزاج یعنی دینی علوم اور دنیاوی کا ایک ساتھ حاصل کرنا طلباء کے لئے مفید ثابت ہوگا اور ان کا مستقبل روشن ہوگا۔

راقم دینی علوم کو فوقیت دینے کا قائل ہے کہ دنیاوی علوم کو تابع سمجھا جائے، کیونکہ دنیاوی علوم صرف روٹی کمانے کا ذریعہ ہیں لیکن آخرت سنوارنے کا ذریعہ صرف اور صرف دینی علوم ہی ہیں۔ راقم قرآن پاک کی آیات کریمہ کی تشریحات جو قلمبند کررہا ہے اس میں بہت کم بحثیں وہ ذکر کررہا ہے جن کا تعلق صرف اور نحو اور علم معانی وبیان سے ہے، لیکن پھر مسئلہ کو سمجھانے کی حد تک دینی مدارس کے طلباء کی توجہ مبذول کرانے کے لئے کچھ نہ کچھ اس کے مسائل

Marfat.com

ضمن میں لا رہا ہے۔ان کو دیکھ کر ہر ذی شور انسان سمجھ سکتا ہے کہ قرآن پاک کو حقیقۃً علوم قدیمہ سے ہی سمجھا سکتا ہے، علوم جدیدہ سے تو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی لفظ ''اللہ'' کے معانی بھی نہیں سمجھ آسکتے۔

نجوم الفرقان کے پہلے حصہ سورۃ فاتحہ کی تشریحات میں دیکھئے کہ علوم قدیمہ میں قرآن پاک کو سمجھانے کے لئے کس قدر عرض ریزی کی گئی ہے اور کتنی جدوجہد کی گئی ہے۔

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا حافظ عطاء محمد بندیالوی رحمہ اللہ کا عظیم بیان:

استاذی المکرم حضرت علامہ مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی کے استاذ جو ملک المدرسین کے لقب سے متصف ہیں، حقیقت بات یہی ہے کہ وہ تدریس کے بادشاہ تھے المحققین والمدققین کے استاذ تھے۔آپ کے شاگردوں کو ہی دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس ہستی کے شاگردوں میں رئیس المحققین والمدققین حضرت علامہ مولنا محمد اشرف سیالوی مدظلہ العالی ہیں اور استاذ العلماء رئیس المدرسین والمصنفین حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی ہوں اس ہستی کا اپنا مقام کیا ہوگا۔آیئے اس عظیم ہستی کا ایک مضمون دیکھئے کوئی مانے یا نہ مانے لیکن مضمون کی عظمت وحقیقت سے انکار انشاء اللہ منکرین بھی نہیں کر سکیں گے۔یہ مضمون درحقیقت نوائے وقت ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ کے اداریہ کے جواب میں لکھا گیا ہے، جو اگست ۱۹۷۵ کے ضیاء حرم میں چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔مضمون کی افادیت کے پیش نظر اور مضمون کو ضائع ہونے سے بچانے کی غرض سے راقم نے نجوم الفرقان میں شامل کر لیا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ☆

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۴)

﴿۱﴾

وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لئے ان کا نیک ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو گا نہ کچھ غم۔

﴿۲﴾

وہ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں، پوشیدہ اور ظاہر تو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہ خوف ہے ان کو اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

ماقبل سے تعلق:

(۱) جب پہلی آیۃ کریمۃ ان کامل ہستیوں (اصحاب صفہ) کا ذکر کیا جن پر مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کو مستحق ٹھہرایا گیا۔ اب اس آیۃ کریمہ میں رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے کامل طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

(۲) پہلی آیۃ کریمہ ''ان تبدوا الصدقات فنعما ھی ''الآیۃ ، میں صدقات کو ظاہر طور پر دینا یا مخفی دینا بہتر قرار دیا گیا کہ اصل معاملہ نیت کا ہے، اب اس آیۃ میں اسی مضمون کو دوبارہ ذکر کر کے پہلی آیۃ کریمہ کی تاکید بیان کی گئی۔

(۳) رب تعالیٰ نے صدقات کا ذکر کئی آیات میں کیا ہے، اس آیۃ کریمہ کو صدقات خرچ کرنے کے احکام میں آخر میں ذکر کیا ہے ''فلاجرم ارشد الخلق الی اکمل وجوہ الانفاقات'' تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو خرچ کرنے کی کامل وجوہ کی طرف راہنمائی کی۔ (کبیر)

Marfat.com

شان نزول:

کئی واقعات کے نازل ہونے کے بعد یہ آیۃ کریمۃ نازل ہوئی، وہ تمام وجوہ اجتماعی طور پر اس آیۃ کریمہ کا شان نزول ہیں۔

"اخرج ابن سعدفی الطبقات والطبرانی عن یزیدبن عبداللہ بن عریب المیکی عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ قال نزلت ھذہ الآیۃ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عندربھم ولاھم یحزنون فی اصحاب الخیل"

ابن سعد نے طبقات میں اور طبرانی مرفوع روایت ذکر فرمائی کہ یہ آیۃ کریمہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی جو جہاد کے لئے گھوڑے پالتے تھے۔ (درمنثور)

"واخرج ابن المنذروابن ابی حاتم والواحدی عن ابی امامۃ الباھلی قال من ارتبط فرسافی سبیل اللہ لم یرتبطہ ریاء ولاسمعۃ کان من الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ فلھم اجرھم عندربھم ولاخوف علیھم ولایحزنون"

ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور واحدی نے ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی جس شخص نے اللہ کی راہ میں گھوڑوں کو باندھا (اور پالا) اس میں ریاء نہیں پائی گئی اور نہ ہی اس میں چرچا پایا گیا تو وہ لوگ اس آیۃ کریمہ کا مصداق ہیں۔ (درمنثور)

واخرج عدب بن حمید ابن والمنذر وابن ابی حاتم والو احدی مناطریق حنش الصنعانی انہ سمع ابن عباس بقول فی ھذہ الایۃ الذین ینفقون اموالھم بالیل والنھار سرا وعلانیۃ قال ھم الذین یعقون الخلیل فی سبیل اللہ

عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور واحدی نے حنش صنعانی سے روایت ذکر کی کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیۃ کریمہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں رات میں یا دن میں، چھپا کر یا ظاہر طور پر، یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد کے گھوڑوں کے چارہ کھلاتے ہیں (درمنثور)

عن جریر بن عبداللہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلوی ناصیۃ فرس با

Marfat.com

صبعه وهو بقول الخيل مقصود بنواصيها الخير الى يوم القيامة الاجروا والغنيمة

(رواه مسلم باب اعداد اله الجهاد)

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی انگلیوں سے گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو بل دے رہے ہیں (مروڑ رہے ہیں) اور آپ فرما رہے ہیں کہ گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک خیر رکھ دی گئی ہے یعنی اجر وغنیمت (اس سے حاصل ہوتے ہیں)

(۲) شان نزول کی دوسری وجہ بیان کی گئی:

"اخرج عبد الرزاق والطبراني وابن عساكر من طريق عبد الوهاب بن مجاهد عن ابيه عن ابن عباس فى قوله الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانيه قال نزلت فى على ابى طالب كانت له اربعة دراهم فانفق بالليل درهما وبالنهار درهما وسرا درهما وعلانية درهما"

مصنف عبدالرزاق اور طبرانی اور ابن عساکر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ذکر کی گئی کہ آپ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی کہ آپ سے ایک مرتبہ صرف چار درہم تھے تو آپ نے ایک درہم رات کو خرچ کیا اور ایک دن کو اور ایک درہم پوشیدہ اور ایک ظاہر طور پر خرچ کیا۔ (درمنثور)

(۳) "اخرج ابن المنذر عن ابن المسيب الذين ينفقون اموالهم بالليل والنهار سرا وعلانيه فلهم اجرهم عندر بهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون كلهافى عبد الرحمن بن عوف وعثمان بن عفان فى نفقتهم فى جيش العسرة"

ابن منذر نے ابن میسب رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل جبکہ وہ غزوہ عسرہ یعنی غزوہ تبوک کیلئے لشکر کو تیار کرنے کیلئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرر ہے تھے۔ (درمنثور)

(۴) "وقال بعضهم انها نزلت فى ابكر الصديق رضى الله تصدق بار بعين الف دربنار عشرة

Marfat.com

بالليل وعشرة بالنهار وعشرة بالسر وعشرة بالعلانية"

اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ آیۃ کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی کہ آپ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کیے جن میں سے دس ہزار رات میں اور دس ہزار دن میں اور دس ہزار پوشیدگی میں اور دس ہزار ظاہر طور پر خرچ کیے۔

"وتعقبہ الامام السیوطی" اس روایت کا علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تعاقب فرمایا ہے، یعنی اس سے رد کیا ہے کہ اس کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ یہ روایت ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے یوں گرفت فرمائی "لم اقف علیہ" میں اس پر مطلع نہیں ہوا

جن لوگوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا انہوں نے اس پر ایک روایت ابن منذر کی ابن اسحٰق سے بطور تائید پیش کی ہے وہ روایت یہ ہے:

" اخرج ابن المنذر عن ابن اسحق قال لما قبض ابو بكر رضى الله عنه واستخلف عمر خطب الناس فحمدالله تعالى واثنى عليه بما هوا هله ثم قال ايها ا لناس ان بعض الطمع فقر وان بعض الياس غنى وانكم تجتمعون مالا تا كلون وتوملون مالا تدركون واعلموا ان بعضا من الشح شعبة من النفاق فانفقو خيرا لانفسكم فاين اصحاب هذه الاية وقرار آيه كريمه"

ابن منذر ابن اسحاق سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی اور اس کی ثناء بیان کی، پھر کہا اے لوگوں بیشک بعض طمع فقر و احتیاجی ہے، اور بیشک بعض نا امیدیاں غناء ہیں اور تم جمع کرتے ہو جو کھاتے نہیں اور امید رکھتے ہو جو تم پاتے نہیں اور جان لو بیشک بعض کنجوسیاں منافقت کا حصہ ہیں، اس لئے مال وہاں خرچ کرو (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو) جو تمہاری جانوں کیلئے بہتر ہو پس کہاں ہیں اس آیۃ کے اصحاب پھر آپ نے یہ آیۃ الکریمہ

Marfat.com

پڑھی علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند وغیرہ پر بحث کرنے کے بجائے جن لوگوں نے اس روایت کو پہلی روایت (چالیس ہزار درہم خرچ کرنے والی روایت) کیلئے تائید بنایا ان کی گرفت یوں کی۔

"وانت تعلم انها لا دلالة فيها على المدعى" اور تم جانتے ہو بیشک اس روایت سے ان لوگوں کا دعوی ثابت نہیں ہوتا۔

یعنی اس روایت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا صراحۃ کوئی ذکر نہیں لھذا اس روایت سے پہلی روایت کی تائید پیش کرنا درست نہیں۔ (روح المعانی)

(۵) شان نزول کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ

" ان الاية عامه فى الذين يعمون الاوقات والا حوال بالصدقة تحرضم على الخير"

بیشک یہ آیۃ کریمہ عام لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو عام اوقات اور عام احوال میں صدقہ کیا کرتے تھے ان کو مزید (اور زیادہ) بھلائی کی راہ میں خرچ کرنے پر برانگیختہ کیا (ابھارا) گیا۔

یہی وجہ تھی کہ جب بھی وہ کسی حاجتمند کی حاجت کو دیکھتے تو جلدی ہی اسے پورا کرتے تھے، اس میں نہ دیر کرتے اور نہ ہی اسے کسی وقت تک ٹالتے اور نہ ہی کسی حال پر ٹالتے اگر تمہارا یہ حال ہوا تو ہم تمہیں مال دیں گے۔

جبکہ اب وہ حاجتمند ہیں تو دیر کرنے اور ٹالنے کا کیا مقصد ہے۔

شان نزول کی اس وجہ کے متعلق کبیر میں یوں ذکر کیا گیا" وهذا هو احسن الوجوه اور یہ وجہ اس کی بہتر وجوہ سے ہیں یعنی عام لوگوں کے حق میں اس آیۃ الکریمہ کا شان نزول تسلیم کرنا بہتر ہے (کبیر)

تاہم صاوی میں یوں بیان کیا گیا ہے" ولكن العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب" کہ اگرچہ شان نزول کی وجہ خاص صحابہ کرام کا مال خرچ کرنا ہی مراد ہو لیکن اکثر طور پر جب یہی ضابطہ سچا آتا ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہے خصوصی سبب کا تو اس سے واضح ہو گیا کہ آیۃ کریمہ میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمان داخل ہیں جو اللہ تعالی کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ہر حال میں یعنی رات اور دن میں، پوشیدہ اور ظاہر ان کیلئے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر ہے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمناک ہوں گے۔ (صاوی)

واخرج عبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر عن قتادة فى الاية قال هولا قوم انفقو

Marfat.com

فی سبیل اللہ افتراض علیھم فی غیر سرف ولا اھلاق ولا تبذیر ولا فساد۔

عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ یہ آیۃ کریمہ ان تمام حضرات کے متعلق نازل ہوئی جو اللہ تعالی کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اپنا فریضہ تو پورا کرتے ہیں لیکن اسراف نہیں کرتے اور نہ ہی بھوکا رہتے ہیں اور نہ بیجا مال خرچ کرتے ہیں اور نہ فساد کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں (درمنثور)

ھذا مدح منہ تعالی للمنفقین فی سبیلہ وابتغاء مرضاتہ فی جمیع الاوقات من لیل اونھار والا حوال من سروجھر "

اس آیۃ کریمہ میں ان لوگوں کی مدح پائی گئی ہے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں اور تمام اوقات یعنی دن اور رات میں اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اور تمام احوال میں یعنی پوشیدگی میں اور ظاہر طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے رب تعالی کی رضا طلب کرتے ہیں۔

اسی مدح میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی آجاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرض کی حالت میں عیادت کیلئے آئے تو ارشاد فرمایا۔

وانک لن تنفق نفقۃ تبتغی بھا وجہ اللہ الا ازددت بھا درجۃ ورفعۃ حتی ما تجعل فی فی امراتک (بخاری ومسلم)

بیشک ہرگز تم اللہ کی راہ میں اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے کوئی مال خرچ نہیں کرو گے سوائے اس کے کہ اس میں درجات زیادہ ہوں اور رفعت شان حاصل ہوگی یہاں تک کہ جو لقمہ میں تم اپنی زوجہ کے منہ میں ڈالو گے (ابن کثیر) یعنی یہ خیال کرتے ہوئے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے مجھ پر زوجہ سے حسن سلوک کا حکم دیا ہے کہ اس کا خرچ مجھ پر لازم ہے،، زوجہ کے منہ میں لقمہ ڈالا تو اس کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور اس سے بھی درجات کی بلندی حاصل ہوگی۔

وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انا المسلم اذا انفق علی اھلہ نفقۃ یحبتسھا

Marfat.com

کانت لہ صدقۃ،، (بخاری ،مسلم مسند احمد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک مسلمان جب اپنے اہل وعیال پر مال خرچ کرے کہ وہ اس میں ثواب کی نیت رکھے (اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا مقصود ہو) تو اسے صدقہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے (ابن کثیر)

دینی طلبا کرام کی توجہ کیلئے:

اسم موصول کے بعد کبھی فاء آتی ہے اور کبھی نہیں آتی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسم موصول کو درجہ شرط میں رکھا جائے یعنی سبب اور مسبب ہوں تو ''فا'' آئے گی اگر سبب ومسبب کا درجہ نہ ہو تو فا نہیں آئی گی۔

جب یہ کہا جائے ''الذی اکرمنی فلہ درھم،، وہ شخص جس نے میری عزت کی تو اس کیلئے ایک درہم ہے یفید ان الدرھم بسیب الاکرام،، اس سے یہ پتہ چلا کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ درہم دینے کا سبب اکرام ہے جو میری عزت کرے گا وہی درہم کا مستحق ہوگا۔

اور اگر یہ کہا جائے ''الذی اکرمنی لہ درھم،، تو اس مثال میں سبب کا معنی نہیں پایا گیا بلکہ ایک خبر دی گئی کہ میں نے فلاں آدمی کو ایک درہم دیا، وہ کون تھا، وہی جس نے میری عزت کی تھی۔

یہاں آیۃ کریمہ میں ''الذین'' مرفوع محلا ہے جو مبتدا بمعنی متضمن شرط ہے اور ''فاء'' خبر پر داخل ہے جو درجہ جزاء میں ہے۔

''فھمنا الفاء دلت علی ان حصول الاجرا نما کا بسبب الانفاق ،، ﴿واللہ اعلم﴾

یہاں فاء دلالت کر رہی ہے کہ ان لوگوں کو اجر ملے گا لیکن اس کا سبب ان لوگوں کا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے' فکان التقدیر ''من انفق فلا یضیع اجرہ،، گویا کہ عبارت کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ (ماخوذ از کبیر)

دن رات خرچ کرنے سے مراد کیا ہے؟

آیۃ کریمہ میں دن رات اور پوشیدگی اور ظاہر میں خرچ کرنے سے مراد یہ ہے ''ای یعمون الاوقات

Marfat.com

والا حوال بـالـخيـر والصدقـه" کہ وہ لوگ تمام اوقات میں اور ہر حال میں اللہ کی راہ میں صدقات وخیرات کرتے ہیں۔

"**فالمراد بالليل والنهار جميع الاوقات كما ان المراد بما بعده جميع الاحوال**"

دن رات سے مراد تمام اوقات ہیں اور پوشیدگی میں اور ظاہر طور پر خرچ کرنے سے مراد تمام احوال ہیں۔

نکتہ:وقدم الليل على النهار والسر على العلانية ملايذان بمزية الاخفاء على الاظهار"

رات کو دن سے پہلے اور پوشیدگی کو ظاہر سے پہلے ذکر کر کے یہ بتا دیا ہے کہ صدقہ پوشیدگی میں دنیا ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے ہاں البتہ کبھی ظاہر دینا افضل ہوتا ہے (جس کا ذکر تفصیلی طور "ان تبدو الصدقات" آیۃ میں ذکر کیا جا چکا ہے (ماخوذ از روح المعانی)

دینی طلباء اکرام کے ذوق کیلئے:

سراوعلانیۃ پر نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے "**الی مسرين و معلنين**،، یعنی معنی یہ ہو گیا دراں حالیکہ وہ پوشیدگی میں خرچ کرتے ہیں اور ظاہر کر کے خرچ کرتے ہیں۔

اور یا نصب ہے کہ یہ نعت ہیں مصدر محذوف کی اصل عبارت ہے "**انـفـاقا سرا و انفاقا علانية**" اس میں ترجمہ یہ ہو گا کہ ان کا خرچ کرنا پوشیدگی میں ہوتا ہے اور ظاہر میں (از روح المعانی)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ اور روح المعانی:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ نے "**بـالـليل والنهـار**" کا ترجمہ کیا ہے،، رات میں اور دن میں،، راقم نے بھی وہی نقل کیا ہے یہ ترجمہ روح المعانی کی اس عبارت سے لیا گیا ہے (**بـالـليل والنهار**) **والباء بمعنی "فی" بالليل والنهار**،، میں "باء" "فی ء" کے معنی میں ہے۔ (روح المعانی)

"**فلهم اجرهم عندر بهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون**،،

Marfat.com

تو ان کیلئے اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمناک ہوں گے۔

یہ الفاظ مبارکہ اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ ثواب کا کام کرنے والوں کو قیامت کے دن کوئی خوف نہیں ہوگا لیکن یہ مشروط ہے اس سے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا گر وہ ''العیاذ باللہ'' مرتد ہو گئے تو وہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ (از کبیر)

فائدہ جلیلہ : وہ سادات کرام جو فقراء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول ﷺ کے حرفہ (کسب) کی اقتداء کی خاطر فقر کو غناء پر پسند کیا ہے وہ نفلی صدقات کے زیادہ مستحق ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ ان کو ہی اپنی نفلی صدقات دے جائیں اسی پر علماء کا اتفاق ہے اس کی وجہ راقم کے نزدیک یہی ہو سکتی ہے کہ فرضی صدقات ان کو نہیں دیئے جاتے لھذا نفلی صدقات ان کو ترجیحی بنیادوں پر دیئے جائیں۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے حرفہ پر عمل کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرفہ کیا ہے؟

وہ آپ کے اپنے ارشاد سے ثابت ہیں'' **فانه ﷺ کان یکون لحرفتان الفقر والجهاد**''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مجھے دو حرفہ (کسب) حاصل ہیں ایک فقر اور دوسرا جہاد۔ (ماخوذ از روح البیان)

فقیر سادات کرام کو سلام محبت کہے:

جب وہ عام لوگوں سے مال کے نہ ہونے یعنی فقر کی وجہ سے اور مرتبہ کی وجہ سے اور خدمت نفس اور اکرام واعزاز کے لحاظ اور قلبی ارادت کی وجہ سے ممتاز ہیں تو"**فالحق ان السلام علی هولاء السادة استحقاقا واجلاله**،، حق یہی ہے کہ ان کی بزرگی کے پیش نظر ان کو مستحق سمجھ کر سلام محبت پیش کیا جائے۔"**لا استحفافا واذلا لا**" ایسا سلام نہ پیش کیا جائے جو کفار و جہال پر ذلت اور گھٹیا سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا"**واذا خاطبهم الجاهلون قالو اسلاما**" جب نیک لوگوں کو جاہل لوگ خطاب کرتے ہیں تو وہ ان کو سلام کہتے ہیں۔

اس سلام سے مراد سلام اعراض ہے یہ ہمارے روزمرہ کے محاورہ کے مطابق ہے'' تجھے دور سے سلام'' یہ حقیقت میں سلام ہوتا ہی نہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہارا دور رہنا ہی بہتر ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیک

Marfat.com

فقراء لوگوں پر مال خرچ کر کے رب تعالیٰ کے قریب ایک بالشت ہوتا ہوتا ہے وہ اپنی رحمت کے لحاظ سے اس انسان کے ایک ذراع قریب ہوتا ہے جب انسان مال خرچ کرنے کے لحاظ پر اس کے قریب ایک ذراع ہوتا ہے تو وہ اپنی رحمت کے لحاظ پر ایک باع (دو بازوں کے درمیانی فاصلہ کی مقدار) قریب ہوتا ہے۔

یہ خیال رہے کہ ''شہر، ذرائع، باغ،، کے یہاں حقیقی معانی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان خلوص دل سے جب رب تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو رب تعالیٰ کی رحمت اس کے زیادہ ہی قریب ہوتی ہے۔

فلا نهاية لفضله و لا غاية لكرمه" رب تعالیٰ کے فضل وکرم کی کوئی انتہا نہیں اور اس ذات کے کرم کی کوئی غایت (انتہاء) نہیں اس کا فضل وکرم اپنے بندوں پر بے حد وحساب ہے۔

فطوبی لمن ترک الدنیا بطیب القلب واختار اللہ علی کل شئی ومن کان للہ کان اللہ له،،

وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے دل کی خوشی سے دنیا کو چھوڑ دے اور ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کو پسند کرے۔

کیا ہی خوب فرمایا گیا ''جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے،، (ماخوذ از روح البیان)

چھ چیزوں کا حسن چھ چیزوں میں ہے:

وہ چھ چیزیں کیا ہیں؟ وہ یہ ہیں: علم، عدل، سخاوت، توبہ، صبر، حیاء ''العلم فی العلم،، علم کا حسن عمل میں ہے ''العلم بلا عمل كبئيت بلا سقف ،، علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسا کہ مکان بغیر چھت کے ہو۔

''والعدل فی السلطان،، عدل جب بادشاہوں میں پائے جائے تو وہ حسین نظر آئے گا کیونکہ ''والسلطان بلا عدل کبئر بلاماء،، بادشاہ بغیر عدل کے ایسے ہے جیسے کنواں بغیر پانی کے ہو۔' والسخاوة فی الاغنیاء،، اغنیاء میں جب سخاوت پائی جائے وہ حسین نظر آئیگی، کیونکہ ''والغنی بلا سخاوة کسحاب بلا مطر،، غنی کا سخاوت کے بغیر ہونا ایسے ہی ہے جیسے بادل بارش کے بغیر ہو ''والتوبه فی الشباب،، جوانوں میں جب توبہ پائی جائے گی تو وہ حسین نظر آئے گی، کیونکہ 'والشباب بلا توبة كشجر بلاثمر،، جوانوں کو اگر توبہ حاصل نہ ہو تو وہ ایسے ہی ہیں جیسے درخت بغیر پھل کے ہوں۔ ''والصبر فی الفقر،، صبر کا حسن فقر میں ہے، یعنی فقیر کے صبر کرنے میں صبر حسین نظر آئے گا، کیونکہ ''والفقر بلا صبر کقندیل بلاضیاء، فقر بغیر صبر کے ایسے ہیں جیسے

Marfat.com

لالٹین بغیر روشنی کے ہو۔ "والحیاء فی النساء" حیاء کو عورتوں سے حسن حاصل ہے یعنی جب حیاء عورتوں میں پائی جائے تو حسین نظر آئے گی، کیونکہ "والنساء بلا حیاء کطعام بلا ملح" عورتوں کا بغیر حیاء کے ہونا ایسے ہی ہے جیسے طعام بغیر نمک کے ہو۔ اغنیاء کو چاہیے کہ وہ اپنی غناء کی بارش سے دین و دنیا کی برکات حاصل کرلے، اسلئے کہ جب وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو فقیروں اور محتاجوں کی احتیاطی ختم ہوگی (فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین) بیشک اللہ تعالی احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

پسندیدرائے کہ بخشید وخرود جہان از پے خویشتن گرد کرد

بہتر رائے یہ ہے کہ لوگوں پر بخشش کرے اور کھائے جہان کو اپنے پیچھے جمع کرے

یعنی لوگ اس کی سخاوت سے فائدہ اٹھائیں اور اسکی تعریف کریں۔ (روح البیان)

عقلمند شخص کی علامت:

عقلمند شخص وہ ہے جو مال اپنے لئے جمع کرے، غیروں کیلئے جمع نہ کرے، اس لئے جو مال چھوڑ گیا وہ غیروں کے کام آئے گا اور جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اس کا اجر وثواب اسے حاصل ہوگا

"فان من جمع مالا ولم یا کل منه ولم یعط فهو جامع لغیره فی الحقیقة از هو لوارثه بعده"

جس شخص نے مال جمع کیا نہ خود کھایا اور نہ ہی فقراء وغرباء کو دیا، اس نے درحقیقت وہ مال غیروں کیلئے جمع کیا جبکہ وہ مال اس کے بعد ورثاء نے سمیٹ لینا ہے (روح البیان)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

"اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَایَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْآ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَاسَلَفَ وَاَمْرُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ" (آیۃ نمبر ۲۷۵)

﴿۱﴾

وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے، اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا، تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جواب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔

﴿۲﴾

وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے مخبوط الحواس بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر، یہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں نے کہا بیع (خرید و فروخت) بھی تو سود کی طرح ہی ہے اور حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو، تو وہ شخص کہ آئی ہو اس کے پاس نصیحت اس کے رب کی طرف سے تو وہ رک گیا، تو اس کیلئے وہ ہے جو گذر چکا، اور معاملہ اس کا اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص لوٹا تو وہ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

Marfat.com

مختصر مطلب:

تقریباً ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ وہ لوگ جو سود کا معاملہ کرتے ہیں تو وہ قیامت کے دن ایسے کھڑے ہوں گے جیسے آسیب زدہ بدحواس و پاگل کھڑا ہوتا ہے، یعنی شیطان جیسے چھو کر مخبوط الحواس بنا دے وہ ٹانواں ٹول کھڑا ہوتا ہے، ایسے ہی معاملہ قیامت کے دن سود خوار کا ہوگا۔ یہ سخت گرفت ان پر اس وجہ سے بھی ہوگی کہ وہ کہتے ہیں جس طرح تجارت میں یعنی خرید و فروخت میں نفع ہے اسی طرح سودی کاروبار میں بھی نفع ہے، لہٰذا دونوں برابر ہیں، بیع حلال ہو سود حرام ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا، جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آ گئی یعنی رب تعالیٰ کا یہ حکم پہنچ گیا کہ بیع حلال ہے اور سود حرام ہے تو جو شخص رب تعالیٰ کے حکم کو مان کر سودی کاروبار سے رک گیا، سود کا لین دین ترک کر کے تائب ہو گیا تو اس کیلئے وہ مال ہے جو وہ پہلے لے چکا ہے اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آجانے کے بعد بھی سود کے لین دین کی طرف لوٹیں گے یعنی رب تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سود کے لین دین سے باز نہ آئیں وہ دوزخی ہیں، وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

"اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ"

"وہ لوگ جو کھاتے ہیں نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو مخبوط الحواس بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔"

خیال رہے کہ "اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا" کا یہاں حقیقی معنی مراد نہیں کہ سود کا مال کھانا تو ناجائز ہو لیکن اس سے کپڑے خرید سکے، گھر بنا سکے اور ضروریات میں صرف کر سکے، یہ مطلب ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مجازی معنی معتبر ہے جو تفاسیر نے اپنے انداز میں پیش کیا ہے، مقصد تقریباً سب کا ایک ہی ہے۔

Marfat.com

"(اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا) ای یأخذونه وعبرعنه بالاکل لأنه معظم من المقصود لمال ولشیوعه فی المطعومات "

یہاں آیۃ کریمہ میں "أکـــل" کامجازی معنی "أخـــذ" ہے۔یعنی سود کھانے کا مطلب سود لینا ہے۔البتہ سود کے مال کو لینے سے منع کرنے کو،سود کھانے کی ممانعت سے اسلئے تعبیر کردیا کہ زیادہ مقصد مال کے حاصل کرنے سے طرح طرح کے کھانے حاصل کرنا اوران سے لذات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ (روح البیان)

" (اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا) ای یأخذونه فیعم سائر انواع الانتفاع والتعبیر عنه بالأکل لأنه معظم ماقصدبه "

یہاں آیۃ کریمہ میں سود کے کھانے سے مرادسود کالینا ہے، جوانتفاع کی تمام قسموں کوشامل ہے۔ البتہ کھانے کاذکراس لئے کیا ہے کہ مال حاصل کرنے میں زیادہ، بڑامقصد کھاناہی ہوتا ہے۔

(روح المعانی)

" (اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا) فالمراد الذین یعاملون به وخص الأکل لانه معظم الأمر "

سود کھانے سے مرادسودی مال کا معاملہ کرنا،یعنی سود لینا،کھانے کاذکراسی لئے کیا گیا ہے کہ بیشک مال کے حاصل کرنے کا مقصدعظیم کھاناہی ہے۔ (کبیر)

"ربوا" کالغوی معنی"زیادتی" ہے۔ "ربـاالشـئـی یربواذازاد " جب کوئی چیز بڑھ جائےتواس کیلئے "ربالشئی" کالفظ استعمال کیاجاتا ہے۔

"وفی الشرع عبارة عن فضل مال لایقابله عوض فی معاوضة مال بمال "

اصطلاح شرع میں "ربـوا" سے مرادوہ زیادتی ہے جو مال کے لین دین سے حاصل کی جائے جس کےعوض (بدلے) کوئی چیز نہ دی جائے ،(مکمل تفصیل ان شاءاللہ قریب ہی آرہی ہے)

(روح المعانی)

Marfat.com

لفظ ربوٰا کا رسم الخط اور خوبصورت نکتہ:

"ربوا" کو واؤ سے لکھتے ہیں، جس طرح "صلوۃ" کو واؤ سے لکھتے ہیں تا کہ اس کو تفخیم سے (پر کر کے) ادا کیا جا سکے۔

"وزیدت الالف بعدھا تشبیھا بواو الجمع فصار اللفظ به علی طبق المعنی فی کون کل منھما مشتملا علی زیادۃ غیر مستحقه"

جب الف کے زائد کرنے کا کوئی حق نہیں تھا، تو پھر الف زیادہ کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لفظ کی شکل ہی معنی پر دلالت کر رہی ہے کہ "ربوا" (سود) بھی مال زیادہ لیا جاتا ہے جس کے لینے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ پھر واؤ کے بعد الف زائد کر کے جمع کے ساتھ مشابہت کر کے ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ربوا کو بیع سے بظاہر مشابہت حاصل ہے کہ دونوں میں "معاوضة المال بالمال بالرضاء" مال کو مال کے بدلے حاصل کیا جاتا ہے اور زیادتی بھی حاصل کی جاتی ہے، یعنی مال جمع کرنا اور زیادتی مشابہ ہے واؤ جمع اور الف زائد کے۔ کفار کے بھٹک جانے کی وجہ ہی یہ تھی کہ وہ بظاہر بیع اور ربوٰا کو ایک دوسرے کے مشابہ دیکھ کر حقیقی طور پر ایک سمجھ بیٹھے، فرق نہیں سمجھ سکے۔ (روح المعانی)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کا ترجمہ اور روح المعانی و در منثور:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ نے "لایقومون" کا ترجمہ کیا ہے "قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے" یہ ترجمہ روح المعانی کے مطابق ہے جو یوں بیان کیا گیا۔

"(لَایَقُوْمُوْنَ) ای یوم القیامة وبه قرئ کمافی الدرلمنثور"

نہیں کھڑے ہوں گے یعنی قیامت کے دن، اور در منثور میں ایک قرأت کو ذکر کیا گیا ہے جس میں "یوم القیامه" کے الفاظ کو جزء سمجھا گیا ہے۔ (روح المعانی)

راقم نے بھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کو نقل کیا ہے صرف طلباء کی آسانی کیلئے "قیامت کے دن" کو

Marfat.com

بریکٹ میں لکھ دیا ہے:

"اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَس"

"نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت کے دن) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو مخبوط الحواس بنادیا ہو شیطان نے چھوکر۔"

دینی طلباء کرام کی دلچسپی کے لئے:

تخبط باب تفعل ہے، اصل میں اس کا معنی ہے: "ضرب متوال علی انحاء مختلفة" مختلف اطراف میں چلنا، پھرنا، یعنی بغیر ارادہ کے ادھر ادھر، آگے پیچھے، دائیں بائیں پھرنا، جسے عام محاورہ میں "ٹانواں چلنا پھرنا" کہا جاتا ہے۔ "ثم تجوز بـه كل ضرب غير محمود" پھر ہر وہ چال جو غیر پسندیدہ ہو اسے مجازی طور پر "تخبط" کہا جاتا ہے۔

قیامت کے دن سود خوروں کا شیطانی آسیب زدہ کی طرح کھڑا ہونا احادیث سے ثابت ہے:

"فقد اخرج الطبرانی عن عوف بن مالک قال رسول الله ﷺ ایاک الذنوب التی لاتغفر الغلول فمن غل شیئا اتی به یوم القیامة وأكل الربوا فمن اكل الربوا بعث یوم القیامة مجنونا یتخبط" ثم قرأ الآیة"

طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچا کر رکھو جن کی مغفرت نہیں کی جائے گی، وہ مال غنیمت میں خیانت ہے۔ جس نے مال غنیمت میں خیانت کی قیامت کے دن اسے اس شخص کے سامنے لایا جائے گا، اور جس نے سود کھایا قیامت کے دن اسے پاگل اور مخبوط الحواس کر کے اٹھایا جائے گا، پھر آپ نے یہی آیۃ کریمہ پڑھی۔ (روح المعانی)

Marfat.com

مخبوط الحواس کر کے اٹھانے کی وجہ:

"ولعل الله تعالى جعل ذلک علامة له يعرف بها يوم الجمع الاعظم كما جعل لبعض المطيعين امارة تليق به يعرف بها كرامة له"

ان کو اس حال میں اٹھا کر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے ان کے گناہوں کی علامت مقرر فرمائے گا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر خود ہی سمجھ جائیں کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ جیسا کہ بعض نیک لوگوں کی کچھ علامت ہوں گی جن کو دیکھ کر پتہ چل جائے گا کہ یہ رب تعالیٰ کے مطیع ہیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ میں اس امت کی شان بیان کی گئی:

"يبعثون يوم القيامة غرامحجلين من آثار الوضوء"

وضو کرنیوالے حضرات (یعنی نمازیوں) کو قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ ان کی پیشانیاں اور اعضاء پانچ کلاں (چار پاؤں اور پیشانی) سفید والے کی طرح چمک رہی ہوں گی۔

(روح المعانی)

تنبیہ: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ﴿الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ کا اردو ترجمہ کیا ہے "وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو" اس ترجمہ کو روح المعانی کی اس عبارت کی تائید حاصل ہے "المتخبط المصروع فی الدنیا" متخبط ایسا ہوگا جیسا کہ دنیا میں مرگی والا شخص ہوتا ہے جس کے ہوش حواس صحیح کام نہیں کرتے۔

شیاطین، جنوں کے چھونے سے انسان کی کیفیت میں مرگی والے شخص جیسی کیفیت ہو جائے تو اسے ہماری اردو زبان کی اصطلاح میں "آسیب زدہ" کہا جاتا ہے

ضیاء القرآن میں پیر صاحب نے ترجمہ کیا ہے "وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر"

پیر صاحب کا ترجمہ بھی روح المعانی کی اس عبارت سے لیا ہوا ہے:

"(مِنَ الْمَسِّ) ای الجنون یقال مس الرجل فهو ممسوس اذا جن"

یعنی نے چھو کر اسے پاگل بنا دیا ہو، عام طور پر کہا جاتا ہے اسے مس کر دیا گیا (چھو لیا گیا) تو اس کا

Marfat.com

مطلب ہوتا ہے اسے شیاطین نے چھو کر پاگل بنادیا ہے۔

راقم نے ترجمہ کیا ہے وہ شخص مخبوط الحواس بنادیا ہو شیطان نے چھو کر اگر چہ ''مخبوط الحواس'' لفظ اردو نہیں لیکن اردو میں اب اتنا زیادہ استعمال ہے کہ اسے بچے بھی سمجھتے ہیں اسلئے طلباء کرام کے فائدہ کیلئے اور ان کے ذہنوں میں مختلف الفاظ اور مطالب ڈالنا راقم کی کوشش ہے تا کہ ان کو خطابات میں مشکل درپیش نہ آئے بلکہ جو لفظ ذہن میں آئے وہی پیش کر دیں۔

اعتراض: آسیب کی کوئی حقیقت نہیں:

''لان الاطباء یقولون من ان ذلک من غلبة مرة السوداء''

کیونکہ طبیب لوگ کہتے ہیں کہ جب سوداء غالب ہوتا ہے تو اس کی کڑواہت کے اثرات دماغ تک پہنچتے ہیں تو انسان کے دماغ پر پردہ چھا جاتا ہے وہ پاگلوں کی طرح حرکات کرتا ہے۔

جواب:

''ماذکروہ فھو سبب قریب وما تشیر الیه الآیة سبب بعید''

طبیب حضرات نے جو وجہ جنون کی بیان کی ہے وہ قریب ہے۔ اور آیۃ کریمہ میں جس وجہ کا ذکر ہے وہ بعید ہے۔

''لأن الشیطان قد یمس واخلاطه مستعدة للفساد فتفسد ویحدث الجنون''

اسلئے کہ شیطان کبھی چھوتا ہے تو انسان کی اخلاط بھی فساد کیلئے تیار ہو جاتی ہیں، جب خلطوں میں فساد آجاتا ہے تو پاگل پن پیدا ہو جاتا ہے۔ (از روح المعانی)

مقام توجہ: جنون کے اسباب میں سے ایک سبب شیطان کا چھونا ہے، یہ مطلب نہیں کہ شیطان کے چھونے کے بغیر انسان پاگل نہیں ہو سکتا یا شیطان کے چھونے سے ضرور پاگل ہو جاتا ہے۔

''قد یحصل مس ولا یحصل جنون کما اذا کان المزاج قویا''

کبھی شیطان کی طرف سے چھونا تو پایا تو جاتا ہے لیکن جنون نہیں پایا جاتا اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ قوی مزوج والے پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔

Marfat.com

"وقد یحصل جنون ولم یحصل مس کما اذا فسد المزاج من دون عروض اجنبی"
اور کبھی جنون حاصل ہوتا ہے لیکن شیطان کا مس کرنا نہیں پایا جاتا، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کو خارجی طور پر کوئی چیز لاحق نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کے مزاج کے بگڑنے اور خلطوں کے فاسد ہونے کی وجہ سے اسے جنون حاصل ہو جاتا ہے۔

"والجنون الحاصل بالمس قد یقع احیانا وله عند اهله الحاذقین امارات یعرفونه بها"
شیطان کے چھونے سے جو جنون حاصل ہوتا ہے وہ ہمیشہ برقرار نہیں ہوتا، کبھی کبھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ماہرین حضرات کچھ علامات سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ آسیب زدہ ہے یا کسی بیماری میں مبتلاء ہے۔ (روح المعانی)

جنون کی کچھ اور وجوہ:

"وقد یدخل فی بعض الاجساد علی بعض الکیفیات ریح متعفن تعلقت به روح خبیثة تناسبه فیحدث الجنون ایضا علی اتم وجه"
بعض جسموں میں بعض کیفیات سے بدبودار ہوائیں داخل ہو جاتی ہیں ان کے ساتھ روح خبیثہ کا تعلق ہو جاتا ہے، ان ہواؤں اور روح خبیثہ کے خاص تناسب کی وجہ سے کامل جنون پیدا ہو جاتا ہے۔

ع "وربما ذلک البخار علی الحواس وعطلها"
کبھی بخارات اوپر چڑھتے ہیں تو حواس کو معطل کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے جنون پیدا ہو جاتا ہے،

"واستقلت تلک الروح الخبیثة بالتصرف فتکلم وتبطش وتسعی بآلات ذلک الشخص الذی قامت به من غیر شعور للشخص بشئی من ذلک اصلا"
کبھی انسان میں روح خبیثہ مستقل طور پر اثر انداز ہوتی ہے، بظاہر وہ انسان بول رہا ہوتا ہے لیکن میں حقیقت وہ کلام روح خبیثہ کا ہوتا ہے اسی طرح بظاہر وہ انسان پکڑ رہا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ روح خبیثہ کی پکڑ ہوتی ہے اسی طرح باقی انسان کے اعضاء و آلات میں بھی اسی روح خبیثہ کو دخل ہوتا ہے۔

Marfat.com

”وھذا کالمشاھد المحسوس الذی یکادیعد منکرہ مکابرا للمشاھدات“

یہ صورتیں جو ہم نے بیان کی ہیں خصوصا شیطان کے چھونے سے پاگلوں کی طرح ہو جانا مشاہدات کی طرح ہیں، مشاہدات کا انکار کرنا ضداور ہٹ دھرمی ہے۔ (ماخوذ از روح المعانی)

جنات کے اثرات میں معتزلہ کا مذہب:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ شیطان اور جنات کے چھونے سے کسی انسان کا پاگل ہونا ممکن نہیں یہ عقیدہ رکھنا باطل مذہب ہے۔

رب تعالی نے شیطان کے قول کی حکایت ان الفاظ مبارکہ سے کی ”وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِنۡ سُلۡطَانٍ“ (اور مجھے تم پر کوئی غلبہ حاصل نہیں) جب شیطان خود اعتراف حقیقت کر رہا ہے کہ مجھے تم پر غلبہ حاصل نہیں تو پھر اس کے اثرات کو تسلیم کرنا کس طرح درست ہے۔ (روح المعانی)

معتزلہ کی غلطی کی وجہ:

معتزلہ نے آیۃ کریمہ کا ماقبل اور مابعد دیکھنے کے بغیر دلیل قائم کر دی ان کی دلیل باطل ہے، آیئے معتزلہ نے جو الفاظ مبارکہ تحریر کئے ہیں، ان کا سیاق وسباق (پہلے الفاظ اور بعد والے الفاظ) دیکھئے۔

”وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمۡ وَعۡدَ الۡحَقِّ وَوَعَدۡتُّکُمۡ فَاَخۡلَفۡتُکُمۡ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ“ (سورۃ ابراھیم، آیۃ نمبر ۲۲)

اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا، بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تم نے میری مان لی، تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو خود اپنے اوپر الزام رکھو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں نہ تم

Marfat.com

میری فریاد کو پہنچ سکو، وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں بے شک ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیۃ کریمہ سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ شیطان کا نفی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر تمہیں گمراہ کرنے پر قادر نہیں تھا بلکہ گمراہی کی دعوت دی وسوسہ ڈالا، جس کے ظاہری اثرات مرتب ہوئے اور تم نے میری بات کو مان لیا جس کی وجہ سے تم گمراہ ہو گئے۔

اس آیۃ کریمہ سے تو شیطان کے وسوسہ کے اثرات کا ثبوت ہو رہا ہے نہ کہ نفی، ہاں حقیقی طور پر اس کے مؤثر ہونے کی نفی ہو رہی ہے، اسی طرح شیطان اور جنات کے چھونے سے ظاہری اثرات مرتب ہوتے ہیں تو انسان پاگلوں کی طرح نظر آتا ہے، اگرچہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی واقع ہوتا ہے۔ (راقم)

جنات کے اثرات کا ثبوت قرآن وحدیث سے:

اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جنات کے چھونے سے انسان مخبوط الحواس نظر آتا ہے۔

ایک تو اسی آیۃ کریمہ میں جو زیر بحث ہے ذکر کر دیا گیا ہے:

"اَلَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" وہ جس کو شیطان چھونے سے مخبوط الحواس بنادے۔

اور حضرت مریم کی والدہ کی دعاء کا ذکر رب تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَابِکَ وَذُرِّیَّتَهَامِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"

اور بیشک میں تیری پناہ پکڑتی ہوں اس کیلئے اور اس کی اولاد کیلئے راندے ہوئے شیطان سے۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ شیطان اور جنات کے اثرات ہیں ورنہ حضرت مریم کی والدہ کو یہ دعاء کرنے کی ضرورت در پیش نہ آتی، ان کا دعاء کرنا اور قرآن پاک کا ذکر کرنا اور رد نہ کرنا ہی ثبوت کیلئے کافی دلیل ہے، حدیث شریف میں ہے:

"ما من مولود یولد الا یمسه الشیطان فیستهل صارخا" کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا مگر یہ کہ شیطان

Marfat.com

اسے چھوتا ہے، جس کی وجہ سے بچہ روتا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے جس کی وجہ سے بچہ روتا ہے اور بعض روایات میں ہے:

"الاطعن الشیطان فی خاصرتہ" (کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا) مگر یہ کہ شیطان اس کے پہلو میں ضرب لگاتا ہے (یعنی اسے چک دیتا ہے)۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کفوا صبیانکم اولی العشاء فانہ وقت انتشار الشیاطین"

اپنے بچوں کو شام کے اول حصہ میں روک کر رکھو کیونکہ وہ وقت شیطانوں کے پھیلنے کا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ ذکر ہے جسے جن اٹھا کر لے گئے تھے، پھر واپس لوٹا گئے۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں درپیش آیا جب اس شخص کو جنات نے واپس لوٹایا تو اس نے بتایا کہ مجھے ایک بہت بڑا پرندہ اپنے بڑے بڑے پروں پر اٹھا کر لے گیا تھا جو اونٹ کی طرح تھا نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ وہ اٹھا کر لے جانے والے جنات تھے۔ (ماخوذ از روح المعانی)

"ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"

"یہ اس وجہ سے کہ بیشک انہوں نے کہا بیع (خرید فروخت) بھی سود کی طرح ہے۔"

"ذلک" کا اشارہ یا تو "اکل" کی طرف ہے یا اشارہ ان پر عذاب کے نازل ہونے کی طرف ہے یہ ان کا سود کھانا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے کہا بیع بھی سود کی طرح ہی ہے۔ یا یہ معنی ہو کہ ان پر عذاب کا نازل ہونا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے کہا بیع بھی سود کی طرح ہی ہے۔ (روح المعانی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

بظاہر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ سود کھانے والوں نے جب سود کو بیع پر قیاس کیا تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ یوں

Marfat.com

کہتے "انما الربوا مثل البیع" بے شک سود بھی بیع کی طرح ہی ہے، لیکن انہوں نے اپنے موقف کو بھرپور انداز میں ثابت کرنے کیلئے اپنی دلیل میں "القلب للمبالغة" والا ضابطہ استعمال کیا، جس طرح اس ضابطہ کی مثال تلخیص المفتاح میں دی گئی۔

ومهما مغبرة ارجاؤه　　　كأن لون ارضه سماؤه

کتنے ہی مقام ہمارے گھوڑوں کے میدان جنگ میں دوڑنے کی وجہ سے جن کے کنارے غبار آلود ہو گئے گویا کہ اسکی زمین کا رنگ آسمان ہو گیا۔

حالانکہ اصل میں یہ کہنا چاہئے تھا "كأن لون سمائه ارضه" آسمان کا رنگ زمین کے رنگ کی طرح ہو گیا لیکن قلب میں مبالغہ پایا گیا ہے کہ آسمان اتنا غبار آلود ہو گیا گویا یوں سمجھا گیا کہ زمین کا رنگ آسمان کی طرح ہو گیا۔

یہاں آیۃ کریمہ میں بھی ان کی دلیل کو اسی ضابطہ کے مطابق مبالغہ کیلئے ذکر کیا گویا کہ انہوں نے بیع کو نفع میں اصل ٹھہرا کر (سود) کو اس پر قیاس کیا ہے کہ "بیشک سود بھی تو بیع ہی کی طرح ہے"۔ (روح المعانی)

"اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" "اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو"

پہلے اس مسئلہ کو سمجھا جائے کہ سود کیا ہے؟ اور سود کی کتنی قسمیں ہیں؟ پھر یہ سمجھا جائے کہ سود کھانے والوں نے سود کو بیع کی طرح کیوں سمجھا؟ پھر یہ سمجھا جائے کہ بیع اور سود میں فرق کیا ہے؟ پھر بیع کے حلال ہونے اور بیع کی بھی بعض صورتیں ممنوع ہونے اور سود کے حرام ہونے اور اس پر احادیث مبارکہ سے وعید کو سمجھا جائے۔ اسی ترتیب سے انشاءاللہ آگے آنے والی بحثیں آئیں گی۔

سود کیا ہے؟

"وفی الشرع عبارة عن فضل مال لايقابله عوض فی معاوضة مال بمال" (روح المعانی)

شریعت میں "ربٰوا" کا یہ معنی ہے کہ مال کو مال سے تبدیل کیا جائے اور بغیر عوض (بدلہ) کے زیادتی لی جائے۔

Marfat.com

یہ بھی خیال رہے کہ ''ربٰوا'' عربی لفظ ہے، اس کا فارسی میں معنی ''سود'' ہے، اور اردو میں معنی ہے ''زیادتی بغیر عوض کے''۔

سود کی دو قسمیں:

''ربوا النسئیة وربوا الفضل''

ایک کا نام ادھار کا سود ہے جسے عربی میں ''ربـوا الـنـسـئیة'' کہا جاتا ہے۔ اور دوسرے کا نام زیادتی کا سود جسے عربی میں ''ربوا الفضل'' کہا جاتا ہے۔

(۱) ربا النسیئۃ (ادھار کا سود) کیا ہے؟

سود کی یہ قسم زمانہ جاہلیت میں مشہور و معروف تھی، اس کی تعریف علامہ رازی رحمہ اللہ نے بہت خوب بیان فرمائی:

''وذلک انهم کانوا یدفعون المال علی ان یأ خذوا کل شهر قدرا معینا، ویکون رأس المال باقیا، ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون برأس المال فان تعذر علیه الأداء زادوا فی الحق والأ جل فهذا هو الربا کانو فی الجاهلیة یتعاملون به''

ربا النسیئہ (ادھار کا سود) جو شریعت میں ناجائز ہے یہ وہ سود ہے جو زمانہ جاہلیت میں اس کا کاروبار زور و شور پر تھا۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ مال دار لوگ اپنا مال دوسروں کو بطور قرض دیتے۔ اس کی ایک مدت مقرر کر لیتے کہ یہ اتنی مدت کیلئے قرض دیا جارہا ہے اس کی شرح سود (شرح منافع) ہر ماہ میں یہ ہوگی جب وہ مدت ختم ہو جاتی، چار سال مدت تھی یا پانچ سال تو وہ مطالبہ کرتے کہ ہمارا مال واپس کر دیا جائے، وہ اتنے سال منافع کی رقم لیتے رہتے تھے اور ان کی اصل رقم محفوظ رہتی تھی۔ ان کے مطالبہ پر اگر ان کی اصل رقم ان کو واپس مل جاتی تو لین دین کا معاملہ ختم ہو جاتا۔ اگر مقروض رقم نہیں دے سکتا تھا تو نئی مدت مقرر کی جاتی تھی اور شرح سود بھی بڑھادی جاتی تھی۔ (از کبیر)

بعض اوقات سود ہر ماہ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ مقرر مدت کا سود ایک ہی مرتبہ لیا جاتا تھا، اگر مقروض قرضہ اور سود کی ادائیگی نہ کر سکتا تو مدت بڑھادی جاتی اور شرح سود بڑھادی جاتی اور سود کی رقم پر بھی سود لگا دیا جاتا اس طرح

Marfat.com

مقروض قرضے کے نیچے دبتا چلا جاتا، یہاں تک اس کی جائیداد پر قبضہ کرلیا جاتا۔

(۲) ربا الفضل (زیادتی کا سود):

"واما ربا النقد فهو ان يباع من الحنطة بمنوين منها وما اشبه ذلك"

زیادتی کا سود یہ ہے کہ ایک چیز نقد دے کر نقد ہی دوسری چیز لے لی، جس میں زیادتی پائی گئی، مثلاً گندم ایک کلو دے کر دو کلو لے لی، ایک من دے کر دو من لے لی۔ (ماخوذ از کبیر)

یہ دو قسمیں رباء کی ہیں دونوں حرام ہیں۔ ان کی پھر کئی وجوہات ہیں جو ان دونوں صورتوں سے باہر نہیں۔

ربوا کو بیع کی طرح سمجھنے میں غلط فہمی کی وجہ:

سود کھانے والوں نے کہا جب ہم دس درہم سے چیز خرید کر گیارہ درہموں سے فروخت کردیتے ہیں تو یہ جائز رہے اور دس درہم دے کر گیارہ درہم لیں تو یہ ناجائز رہے یہ عقل کے خلاف ہے بلکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ "اذا باع العشرة باحد عشر يجب ان يكون حلالا" جب دس درہم دے کر گیارہ درہم لے لئے جائیں تو یہ حلال ہو۔

ان لوگوں کا یہ قیاس 'ربا الفضل" (زیاتی کے سود) میں تھا، اور انہوں نے 'ربا النسيئة" (ادھار کے سود) میں یہ ذکر کیا ہے:

"لو باع الثوب الذي يساوي عشرة في الحال باحد عشر الى شهر جاز فكذا اذااعطى العشرة باحد عشر الى شهر"

کہ اگر کوئی شخص ایک کپڑا بیچتا ہے جس کی قیمت اب دس درہم ہے، وہ کہتا ہے تم مجھے ایک ماہ کے بعد گیارہ درہم دے دینا یہ چیز خرید ہولو، خریدار نے دس درہم والی چیز ادھار گیارہ درہم سے خرید لی تو یہ جائز ہے اس میں اہل علم کا اتفاق ہے تو عقل کا یہی تقاضا ہے کہ دس درہم دے کر ایک ماہ کے بعد گیارہ درہم لے لئے جائیں تو یہ بھی جائز ہو۔ "لافرق في العقل بين

Marfat.com

الصورتین" عقل میں دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (ماخوذ از کبیر)

سود کھانے والے لوگوں کے اور عقلی ڈھکوسلے:

خرید فروخت میں زیادتی پر دونوں فریق رضامند ہوتے ہیں اسی طرح سود دینے والا اور لینے والا بھی زیادتی پر رضامند ہوتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ خرید وفروخت میں نفع جائز رہے اور سودی کاروبار میں نفع ناجائز رہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ خرید وفروخت کو حاجت کے پورا کرنے کیلئے جائز رکھا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے اگر اسے خرید وفروخت کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اور ہی زیادہ حاجتمند ہو جاتے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اب غریب ہے، اس کا ہاتھ خالی ہے لیکن مستقبل زمانہ میں اسے زیادہ مال ملنے کی امید ہے، اگر اس کیلئے سودی مال لینے کی اجازت نہ ہو تو وہ شدید حاجت میں مبتلا رہے گا، بلکہ اسکی حاجت میں ہر روز اضافہ ہوتا جائے گا۔ جب سودی مال اس کیلئے لینا جائز ہو گا تو مال کا مالک نفع حاصل ہونے کی لالچ وحرص کی وجہ سے بڑی خوشی سے اسے مال دے گا۔ جب اس شخص کو مال مل جائے گا تو یہ اس کا مال بمع نفع کے اسے دے دے گا۔

" واعطاء تلک الزیادة عند وجد ان المال اسهل علیه من البقاء فی الحاجة قبل وجدان المال "

مال کے ملنے پر کسی کو لئے ہوئے قرض پر نفع دینا یعنی بطور سود زیادہ مال دینا آسانی ہے بنسبت اسکے کہ مال کے نہ ملنے تک وہ شدید حاجت میں مبتلاء رہے۔ یہ ان لوگوں کے عقلی دلائل تھے جو آج اصلی حالت میں جاری ہیں، نہ ہی سودی کاروبار والوں میں فرق آیا اور نہ ہی ان کے خیالات اور دلائل میں کوئی فرق آیا۔ (ماخوذ از کبیر)

رب تعالیٰ نے ان کا رد کیا، اللہ تعالیٰ نے مختصر الفاظ میں ان کے تمام دلائل باطلہ کا رد فرما دیا، ارشاد فرمایا:

" وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا " "اور اللہ نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال کیا اور سود کو حرام"۔

ایمان والوں کیلئے تو اتنے الفاظ ہی کافی ہیں:

تاہم حجت بازوں کیلئے مزید جواب علامہ رازی رحمہ اللہ یوں دے رہے ہیں۔

"ان ماذکرتم معارضة للنص بالقیاس وهو من عمل ابلیس"

Marfat.com

بیشک جو تم نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے ارشادات کے خلاف صرف اور صرف عقلی دلائل پیش کیے ہیں جن میں کوئی علت قرآن پاک اور اجماع امت سے نہیں پیش کی گئی تو اسے شرعی قیاس نہیں کہا جاتا یہ تو صرف عقلی دلائل ہیں، رب تعالیٰ کے حکم کے مقابل عقلی دلائل کا سہارا لینا ابلیس لعین کا کام ہے۔

ابلیس کو جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور رب تعالیٰ کے حکم کو اپنے عقلی قیاس سے ٹھکرا دیا۔ یوں کہنے لگا:

"اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"

میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔

خیال رہے کہ وہ قیاس جو سراسر قرآن پاک اور حدیث پاک کے صراحتہ مخالف ہو وہ مردود ہے، شیطانی قیاس ہے اس پر کوئی عمل نہیں ہوگا۔ ہاں وہ قیاس جو قرآن پاک یا حدیث پاک یا اجماع امت سے حاصل کیا گیا ہو وہ شرعی قیاس ہے اور مقبول ہے۔

اس کے مقبول ہونے کی وجہ واضح ہے کہ جو مسئلہ قرآن پاک یا حدیث پاک یا اجماع امت سے واضح طور پر ثابت نہیں لیکن اس کی حلت و حرمت کو دوسرے مسائل پر قیاس کر کے ثابت کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی علت کسی نہ کسی شرعی دلیل سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

بیع اور سود میں فرق:

"من باع ثوبا یساوی عشرة بعشرین فقد جعل ذات الثوب مقابلا بالعشرین"

جب کوئی شخص دس روپے قیمت کا کپڑا بیس روپے سے بیچتا ہے تو بیس روپے کپڑے کے ہی لئے گئے ہیں جو دونوں بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئے ہیں، جب دونوں ایک قیمت (ثمن) پر رضا مند ہو گئے، وہی ثمن اس کپڑے کے عوض ہوں گے۔

Marfat.com

"اما اذا باع العشرة باحد عشر فقد اخذ العشرة بالعشرة والزائد بغیر عوض"

اگر کوئی شخص دس درہم دے کر گیارہ درہم لیتا ہے تو دس درہم کے بدلے اس نے دس درہم لئے ہیں لیکن جو درہم اس نے زائد لیا ہے وہ بغیر عوض (بدلے) کے لیا ہے، اسی وجہ سے وہ زائد درہم حرام ہوگیا، لیکن بیع میں زائد نفع مبیع (جس چیز کو بیچا جارہا ہے، کا بدل) ہے، لہذا جائز ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

اعتراض: جو زائد درہم لیا جارہا ہے وہ مہلت کا لیا جارہا ہے کہ اس نے قرض دے کر ایک ماہ یا دو ماہ اسے مہلت دی ہے۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ زائد نفع کسی چیز کا بدل نہیں۔

جواب: یہ غلط ہے کہ وہ زائد نفع مہلت کا بدل ہے:

"لان الامهال لیس مالا او شیئایشار الیه حتی یجعله عوضا عن العشرة الزائدة"

اسلئے کہ مہلت دینا کوئی مال نہیں۔ اور ظاہری طور پر بھی اس کا کوئی وجود نہیں کہ وہ کسی چیز کا عوض بن سکے بلکہ یہ عرض ہے، عرض کی کوئی قیمت نہیں۔ اسی سے بیع اور سود میں فرق اور زیادہ واضح ہوگیا۔ (ماخوذ از کبیر)

بیع اور سود میں ایک اور نمایاں فرق:

بیع میں انسان کتنا ہی ماہر تاجر کیوں نہ ہو جہاں نفع کا احتمال ہے وہاں خسارہ کا بھی احتمال ہوتا ہے، کبھی کبھی انسان اپنی اصل رقم یعنی پونجی کو بھی کھو بیٹھتا ہے لیکن سود میں مقرر شدہ نفع ہوتا ہے اس میں خسارہ کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ اسی وجہ رب تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

(از روح المعانی)

بیع میں توکل اور سود میں فرعونیت ہے:

انسان بیع (خرید و فروخت) کرتا ہے تو رب تعالیٰ پر توکل رکھتا ہے، اسے چونکہ نفع کیساتھ ساتھ خسارہ کا احتمال بھی ہوتا ہے، لیکن سود میں اسے معلوم ہوتا ہے یہ نفع میں نے لینا ہی لینا ہے تو وہ متکبر ہوتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ پر

Marfat.com

توکل کا حصول نہیں ہوتا۔اسی تکبر کی وجہ سے غریب پر بھلائی کرنا اسے آتا ہی نہیں،وہ تو غریب کا خون چوسنا جانتا ہے۔ غریب کی جائیداد پر سود کے بدلے قبضہ کرنا اس کا طریقہ ہے،گویا کہ غریب کے اہل وعیال کو جیتے جاگتے اندھیری قبر میں جھونکنا اس کا طرۂ امتیاز ہے۔وہ غریب پر مہربانی کے بہانے اس کی دنیا وآخرت برباد کر دیتا ہے،غریب نہ دنیا کا رہتا ہے نہ آخرت کا۔ہاں ہاں اسی تکبر،اکڑ اور غرباء کی زندگیوں کو برباد کرنے اور ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا نا،غریب کے بچوں کو گلیوں کے تنکوں سے بھی حقیر سمجھنے کا نام ہی فرعونیت ہے۔ (راقم)

"فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ"

تو وہ شخص کہ آئی اس کے پاس نصیحت اس کے رب کی طرف سے تو وہ رک گیا تو اس کیلئے وہ ہے جو گذر چکا ہے۔

یعنی جس شخص کے پاس رب تعالی کی طرف سے نصیحت پہنچی،اور زجر وعید (ڈانٹ) پہنچی کہ سود سے رک جاؤ،تو اس نے نصیحت کو بغیر کسی تاخیر کے قبول کرلیا اور سود لینے سے رک گیا،تو اس کے لئے وہ ہے جو گذر چکا ہے یعنی جو گناہ پہلے ہو چکا ہے اس کی پکڑ نہیں کیونکہ وہ سود کے حرام ہونے سے پہلے لے چکا ہے اور وہ اس کا مالک بن چکا ہے، وہ اس سے لوٹانے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔راقم کے نزدیک وہ گناہ ہی نہیں کیونکہ تحریم سے پہلے کے عمل گناہ نہیں ہوتے،اوپر روح البیان کے ان الفاظ کا ترجمہ کیا ہے:

"(فَلَهٗ مَا سَلَفَ)ای مضی من ذنبه فلا یؤاخذ به لانه اخذ قبل نزول التحریم وجعل ملکا له ولا یسترد"

وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ: "اور معاملہ اس کا اللہ کی طرف ہے"

یعنی اللہ اسے سود لینے سے رک جانے پر جزاء عطاء فرمائے گا کیونکہ وہ رب کی نصیحت کو مان کر اور اس کی نہی کے سامنے سر جھکا کر سودی کاروبار سے رک گیا اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کہ اس سے کوئی مطالبہ نہ کرے کہ اس نے رب تعالی کے ارشاد کے نازل ہونے سے پہلے جو سود لیا تھا وہ لوٹانے کا تم مطالبہ نہیں کر سکتے،یعنی اس کے بدلے تمہیں اس شخص کی نیکیاں نہیں دی جا سکتیں۔

Marfat.com

”وَمَنْ عَادَ فَاُولٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ“

”اور جو شخص لوٹا تو وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے“

”(وَمَنْ عَادَ) الی الربا مستحلا بعد النهی کما استحل قبله (فَاُولٰئِکَ) اشارة الی من باعتبار المعنی (اَصْحٰبُ النَّارِ) ای ملازموها (هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ) ماکثون ابدا“

جو شخص لوٹا، یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے سود کو حرام کردینے اور سود کے لین دین سے منع کردینے کے بعد پھر ایسے حلال سمجھا جیسے کہ وہ اس آیہ کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے حلال سمجھتا تھا، تو وہ لوگ آگ کو لازم پکڑنے والے ہیں، یعنی ان کا آگ سے چھٹکارہ نہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(روح البیان)

دینی طلباء کرام کی خصوصی توجہ کیلئے:

لفظ ”مَنْ“ میں دو احتمال ہیں ایک لفظی اور دوسرا معنوی۔ لفظی لحاظ پر مفرد ہے اسی وجہ سے ”عَادَ“ مفرد کا صیغہ ذکر کیا گیا، لیکن معنوی لحاظ پر عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے جمع ہونے کا درجہ رکھتا ہے، اسی وجہ سے ”اُولٰئِکَ“ اشارہ جمع ذکر کیا، روح البیان کی تفسیر ”(فَاُولٰئِکَ) اشارة الی مَنْ باعتبار المعنی“ کا یہی مطلب ہے کہ ”اُولٰئِکَ“ کا اشارہ ”مَنْ“ کی طرف باعتبار معنی کے ہے۔

مقام توجہ : راقم نے ”هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ“ کا ترجمہ کیا ہے ”وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے“ یہ ترجمہ روح البیان ”ماکثون ابدا“ سے لیا ہے، بیضاوی میں بھی یہی ہے: ”(هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ) لانهم کفروابه“

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرکے کفر کیا۔

لیکن اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے ”وہ اس میں مدتوں رہیں گے“ یعنی لمبی مدت زیادہ دیر رہیں گے۔ اصل مسئلہ دو شقوں پر مبنی ہے۔ ایک صورت وہی جو روح البیان سے نقل کی گئی ”وَمَنْ عَادَ“ جو شخص لوٹا یعنی سود کی حلت کی طرف لوٹا تو یقیناً وہ کافر ہو گیا اور کافر نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔

Marfat.com

لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ "وَمَنْ عَادَ" کا مطلب یہ ہو کہ جو شخص سود کے حرام ہونے کے بعد کھانے کی طرف لوٹا تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، گناہ کبیرہ کا مرتکب اس وقت تک جہنم کی آگ میں رہے گا جب تک رب تعالی چاہے گا یعنی ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ گناہوں کی سزا ختم ہونے پر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ اس صورت کے مطابق اعلی حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ صادق آئے گا۔ "وہ اس میں مدتوں رہیں گے"

مختصر مطلب یہ ہے کہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ حرام کو حرام سمجھ کر استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ (راقم)

سود کی ممانعت میں احادیث مبارکہ:

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل يدابيد فمن زاد واستزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فيه سواء" (مسلم ج۲ ص ۲۳ باب الربوا)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے اور گندم کو گندم کے بدلے اور جو کو جو کے بدلے اور چھوہارے کو چھوہارے کے بدلے اور نمک کو نمک کے بدلے برابر برابر اور ہاتھ بہاتھ بیچو، جو شخص زیادہ دے اور زیادہ لے تو اس نے ربوا پر عمل کیا، لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

حدیث شریف سے واضح ہوا کہ

" (فمن زاد واستزاد فقد اربی) معناه فقد فعل الربوا المحرم فدافع الزيادة وآخذها عاصيان مربيان"

یعنی جس شخص نے سودی لین دین میں مقرر کر کے مال زیادہ دیا اور زیادہ لیا، اس نے ربوا (سود) کا حرام کام کیا۔ سود لینے والا یا دینے والا دونوں ہی ربوا کے فعل کے مرتکب ہیں لہذا دونوں ہی گناہ گار و نافرمان ہیں۔ (نووی)

☆ "عن ابی قلابة قال کنت بالشام فی حلقة فيها مسلم بن يسار فجاء ابو الاشعث قال۔

Marfat.com

قالوا ابو الاشعث فقلت ابو الاشعث فجلس فقلت له حدث اخانا حدیث عبادة بن الصامت قال نعم غزونا غزاة وعلی الناس معاویة فغنمنا غنائم کثیر فکان فیما غنمنا انیة من فضةفامر معاویة رجلاان یبیعها فی اعطیات الناس فتسارع الناس فی ذلک فبلغ عبادة بن الصامت فقام فقال انی سمعت رسول الله ﷺ ینهی عن بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح الاسواء بسواء عینا بعین فمن زاد وازداد فقد اربی فردالناس مااخذوا فبلغ ذلک معاویة فقام خطیبا فقال الامابال رجال یتحدثون عن رسول الله ﷺ احادیث قد کنا نشهد ونصحبه فلم نسمعها منه فقام عبادة فاعادالقصة فقال لنحدثن بما سمعنا من رسول اللهﷺ وان کره معاویة اوقال وان رغم ما ابالی ان لا اصحبه فی جنده لیلة سوداء قال حماد هذا اونحوہ" (مسلم ج۲باب الربوا ص۳۳)

ابو قلابہ کہتے ہیں میں شام میں ایک حلقہ (مجلس) میں تھا وہاں مسلم بن یسار بھی تھے۔تو ابوالاشعث آئے تو حاضرین مجلس نے کہا (کیا یہ) ابو الاشعث (ہیں)۔میں نے کہا (ہاں) ابوالاشعث ،تو وہ بیٹھے، میں نے کہا ہمارے بھائی عبادہ بن صامت کی حدیث بیان کرو،انہوں نے کہاہاں ہم نے ایک جہاد کیا،اس میں لوگوں کے قائد (سپہ سالار) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ہمیں وہاں بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا،اس مال غنیمت میں ہمیں چاندی کے برتن بھی حاصل ہوئے،تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان کولوگوں کے عطیات میں بیچ دو،تو لوگ اس میں (یعنی چاندی کے برتنوں کی خرید وفروخت میں) جلدی کرنے لگے،تو یہ خبر جب حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ کوملی تو آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کومنع فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کی بیع سونے سے اور چاندی کی بیع چاندی سے اور گندم کی بیع گندم سے اور جو کی بیع جو سے اور چھوہارے کی بیع چھوہارے سے اور نمک کی بیع نمک سے کی جائے سوائے برابر برابر کے، ہاتھ بہاتھ کے،تو جو

Marfat.com

شخص (مقرر کر کے) زیادہ دے اور زیادہ لے تو اس نے سود کا کاروبار کیا، تو لوگوں نے وہ (برتن) جو لئے تھے واپس لوٹا دئے۔ جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا اس قوم کا کیا حال ہے جو رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے اور آپ کی مصاحبت میں ہوتے تھے، ہم نے آپ سے نہیں سنا تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے آپ نے واقعہ کو پھر لوٹایا (یعنی دوبارہ حدیث پاک بیان کی) پھر آپ نے کہا ہم ضرور بر ضرور حدیث بیان کریں گے جو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے خواہ امیر معاویہ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ وہ مجھے تاریک رات میں ہی (اپنے لشکر سے نکال دیں) اپنے لشکر کے ساتھ نہ رکھیں۔

حدیث پاک سے حاصل ہوا:

چاندی کے برتن بغیر وزن کرنے کے دراہم (چاندی کے سکوں) سے بیچنے پر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور حدیث پاک بیان کی کہ یہ بیع جنس کی جنس سے ہے جس کا برابر برابر بیچنا ضروری ہے اور برابری بغیر وزن کے نہیں ہو سکتی تھی۔

☆ حدیث پاک کو سنتے ہی سب مسلمان نے خریدے ہوئے برتن واپس کر دیئے۔

سبحان اللہ! کیا ہی شان تھی صحابہ کرام اور تابعین کی کہ ارشاد مصطفوی ﷺ پر سر جھکا دینا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا'' کہ کیا حال ہے اس قوم کا جو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو ہم نے نہیں سنیں۔

یہ بالکل اسی طرح تھا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی حدیث پیش کرتا تو انہوں نے وہ حدیث اگر نہ سنی ہوتی تو وہ روایت کرنے والے کو کہتے کہ تم اس پر گواہ پیش کرو، مقصد اس کا یہ ہوتا کہ لوگ احادیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیں۔ یہی مقصد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی تھا

Marfat.com

کہ حدیث پاک کے بیان کرنے میں احتیاط کا پایا جانا ضروری ہے۔

جب حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ حدیث کو بیان کیا تو اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کی، کسی قسم کا کوئی انکار نہیں کیا کیونکہ اب آپ کو یقین آچکا تھا کہ ہاں واقعی یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذیشان ہے، جبھی یقین ہوا سر جھکا دیا۔

میرے عزیز طلباء کرام! کہیں ضال ومضل، نام نہاد محقق اعظم، مناظر کفر والحاد کے جھانسہ میں آکر گستاخی صحابہ کا طوق گلے میں ڈال کر اپنی عاقبت برباد نہ کر دینا۔

فائدہ عظمیہ:

"وفی هذا الاهتمام بتبليغ السنن ونشر العلم وان كرهه من كرهه لمعنی"

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث وسنن کے بیان کرنے اور شرعی علوم کے مسائل بیان کرنے میں اہتمام کیا جائے، خواہ ان کا انکار کرنے والا کسی نیک مقصد کیلئے ہی کیوں نہ انکار کرے، جب انکار کرنے کی وجہ ہی شر ہو، دین اسلام کی بغاوت ہو، یہود ونصاریٰ کی معاونت ہو، ہنود سے یگانگت ہو اور جہاد کی مخالفت ہو تو ایسے بدترین شریر کی پرواہ نہ کیجئے۔ "وفيه القول بالحق وان كان المقول له كبيرا"

حدیث پاک سے اور بہت بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ حق بات کہو خواہ جس کے سامنے حق بات کہنی ہے وہ بہت بڑا ہی ہو۔ (ماخوذ از نووی)

عزیز طلباء کرام! موت کا وقت مقرر ہے، موت وقت سے پہلے ایک لمحہ بھی نہیں آسکتی، موت اپنے وقت مقرر سے آگے بھی نہیں جاسکتی، چارپائی پر ٹانگیں رگڑ رگڑ کر بھی مرنا ہے اور شہادت سے جاودانی زندگی بھی حاصل کرنی ہے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ مخالفت برائے مخالفت نہ ہو، کسی پر کیچڑ نہ اچھالیں۔ وقتی سیاسی مصلحت کے مسائل نہ بیان کریں۔ حق کو حق سمجھ کر بیان کریں پھر اس پر مرتب ہونے والے نشیب وفراز سے نہ گھبرائیں یہی خیال کریں جب مرنا ہے تو ڈرنا کیا؟

Marfat.com

آجکل خبر اڑ رہی ہے حلقہ قادیان میں
مولویوں کے قاتل ہم چھپے ہیں حکومت پاکستان میں

☆ "وعن عمر قال قال رسول الله ﷺ الذهب بالذهب رباالاهاء وهاء والورق بالورق ربا الاهاء وهاء والبر بالبر ربا الاهاء وهاء والشعير بالشعير رباالاهاء وهاء والتمر بالتمر رباالاهاء وهاء" (بخاری ومسلم،مشکوۃ باب الربوا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے بیچنا سود ہے سوائے ہاتھ بہاتھ کے اور چاندی کو چاندی سے بیچنا سود ہے سوائے ہاتھ بہاتھ کے اور گندم کو گندم سے بیچنا سود ہے سوائے ہاتھ بہاتھ کے اور جو کو جو سے بیچنا سود ہے سوائے ہاتھ بہاتھ کے، اور چھوہارے کو چھوہارے سے بیچنا سود ہے سوائے ہاتھ بہاتھ کے۔

احادیث سے مسئلہ حاصل ہوا:

مذکورہ بالا چھ چیزیں، جن کا ذکر احادیث مبارکہ میں ہے ان کو برابر برابر بیچنا ضروری ہے، زیادہ مال لینا ناجائز ہوگا، وہ زیادتی خواہ ہاتھ بہاتھ ہو یا ادھار میں۔ اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ برابر برابر بیچنے پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے، اگر قبضہ سے پہلے مجلس برخاست ہوگئی تو بیع ٹوٹ گئی۔ اب مزید وضاحت کی جاتی ہے کہ سود میں اصل علت کیا ہے۔ اور ربوا تفاضل کن صورتوں میں ناجائز ہے اور ربوانسیئہ کہاں ناجائز ہے۔

سود میں علت:

سراج الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے سود کی علت جنس اور قدر بیان کی ہے، یعنی دونوں طرف سے مال ایک جنس ہو اور موزونی (جس کا وزن کیا جاتا ہو) اور مکیلی ہو (جو چیز کیل میں آئے یعنی ٹوپے، صاع وغیرہ سے اس کا ماپ کیا جائے) قدر کا لفظ وزن اور کیل دونوں کو شامل ہے نبی کریم ﷺ نے جن چھ چیزوں کا واضح طور پر ذکر فرمایا ہے ان میں سونا اور چاندی موزونی چیزیں ہیں اور باقی مکیلی ہیں۔ جنس ایک ہو، سونا سونے کی

Marfat.com

جنس ہے۔ چاندی چاندی کی جنس ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی خیال رہے کہ جو چیزیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ اطہر میں موزونی تھیں ان کو موزونی ہی سمجھا جائے گا۔ اور جو چیزیں اس وقت مکیلی تھیں ان میں اب بھی کیل کا ہی اعتبار ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے سود کی علت جنس اور ثمنیت یا مطعوم ہونا بیان کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کا واضح طور پر بیان فرمایا ہے ان میں سونا اور چاندی ثمن ہیں یعنی سونا اور چاندی دے کر چیزوں کو خریدا جاتا ہے، اور باقی تمام چیزیں کھائی جاتی ہیں چونکہ انہیں طعام بنایا جاتا ہے اسلئے انہیں مطعوم کہا جاتا ہے اور سب چیزوں کی جنس ایک ہے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ ربوٰا کی علت جنس اور ثمن یا مطعوم ہونا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ارشاد امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح ہی ہے وہ بھی "الطعم مع الجنس" (ایک جنس اور مطعوم) ہی علت مانتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ علیہ "جنس اور مطعوم جو قوت بن سکے" سود کی علت مانتے ہیں قوت سے مراد جس طعام کو بغیر کسی حیلہ کے ایک سال ذخیرہ بنایا جا سکے۔

کیونکہ سونے اور چاندی میں تو وہ بھی ثمن ہونا ہی علت مانتے ہیں، لیکن باقی چیزیں کھائی جاتی ہیں اور باقی رہنے والی ہیں اسلئے ان کے نزدیک جنس اور ثمنیت یا جنس اور مطعوم بمع قوت ہونا ہے۔

نتیجہ اختلاف: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لوہے اور چونے کی بیع ہاتھ بہاتھ ہو اور برابر برابر ہو تو جائز ہے، اگر زیادتی ہو تو ناجائز ہے کیونکہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں مطعوم نہیں لیکن مکیلی اور موزونی ہیں اسلئے وہ قدر میں داخل ہیں اور قدر ہی معتبر ہے، نہ کہ مطعوم ہونا امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ لوہے اور چونے میں ربوا نہیں مانتے کہ یہ کھائی جانے والی چیزیں نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ ہر کھانے کی چیز میں "ربوٰا" مانتے ہیں جبکہ جنس ایک ہو، خواہ وہ ایک سال ذخیرہ بن سکے یا نہ بن سکے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سال رہنا بھی ممکن ہو تو ربوا ہوگا ورنہ ربوا نہیں ہوگا، لہٰذا پھلوں اور سبزیوں میں ان کے نزدیک ربوا نہیں۔

راقم کا موقف مذاہب ثلاثہ (تین مذاہب) میں:

فقہاء کرام اکثر مسائل میں یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہو تو ائمہ کرام کے اختلافات سے ہٹ کر راہ

Marfat.com

نکالی جائے تاکہ سب پر عمل ہو سکے۔

پھر دوسرا قانون یہ ہے کہ حلت وحرمت کا جہاں احتمال ہو وہاں احتیاط یہ ہے کہ حرمت کو ترجیح دی جائے اس لئے فتوی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہی ہوگا، لیکن تقوی یہ ہے کہ جب جنس ایک ہو زیادتی ہر صورت میں ممنوع سمجھی جائے، مکیلی چیز ہو یا موزونی ہو، مطعوم ہو خواہ سال بغیر کسی حیلہ کے ذخیرہ بن سکے یا نہ بن سکے۔ اس مؤقف میں سب مذاہب سمٹ کر آجائیں گے اور احتمالی حرمت سے بھی اجتناب ہوگا۔

ربوٰ انفاضل (زیادتی کے سود) میں حرمت کی دو وجہ ہیں:

جب جنس بھی ایک ہو اور چیز بھی مکیلی یا موزونی ہو تو ہاتھ بہاتھ زیادتی بھی حرام ہے۔ سونا تھوڑا دے کر زیادہ لے لیا جائے یا گندم وغیرہ تھوڑی دے کر زیادہ لے لی جائے تو یہ ربوٰا ہے جو ناجائز ہے۔ اور اس میں یہ صورت بھی ممنوع ہے کہ اب گندم ایک من دے کر ایک ماہ کے بعد زیادہ لے لے یا اب چاندی دس تولے دے کر ایک یا دو ماہ کے بعد بارہ تولے لے لے، یعنی ایک جنس اور قدر کے پائے جانے کی صورت میں ہاتھ بہاتھ زیادتی بھی ممنوع ہے اور تاخیراً زیادتی بھی ممنوع ہے۔

ربوٰ انسئیۃ (یعنی ادھار کے سود) میں ایک وجہ ناجائز ہے:

جب دو چیزوں میں سے ایک پائی جائے یعنی جنس یا قدر تو ہاتھ بہاتھ زیادتی جائز ہے تاخیراً ناجائز ہے۔ مثال کے طور پر گندم ایک من دے کر اسی وقت جو دو من لے لے تو جائز ہے اگرچہ قدر پائی گئی لیکن جنس ایک نہیں، البتہ گندم ایک من دے کر دو ماہ کے بعد دو من لے تو ناجائز ہے۔ ہاں البتہ اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ گندم رب بیچ دے، دو ماہ کے بعد جو خرید لے، بیشک وہ زیادہ مل جائیں گے لیکن یہ جائز ہے۔

اگر جنس ایک ہو لیکن چیز مکیلی یا موزونی نہ ہو تو اس میں بھی یہی صورت ہے کہ ہاتھ بہاتھ زیادتی جائز ہے لیکن تاخیر ازیادتی ناجائز ہے۔ بیس انڈے دے کر اسی وقت تیس لے لے تو جائز ہے لیکن اب بیس انڈے دے ایک

Marfat.com

ماہ کے بعد تمیں لے تو ناجائز ہے، البتہ اب بیس انڈے موجودہ قیمت سے دے، ایک ماہ کے بعد اس وقت کی قیمت سے خرید ے، خواہ زیادہ ملیں یا کم، یہ جائز ہوگا۔

اعتراض: حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہاتھ بہاتھ زیادتی کو جائز مانتے تھے صرف ادھار کی زیادتی کو ناجائز کہتے تھے تو کس طرح ہاتھ بہاتھ زیادتی کو ناجائز کہا گیا ہے؟

جیسا کہ احادیث میں ذکر ہے:

☆ "عن ابی نضرة قال سألت ابن عمر و ابن عباس عن الصف فلم یریابه بأسا"

ابونضرۃ فرماتے ہیں میں نے ابن عمر اور ابن عباس سے بیع صرف، یعنی سونے کی بیع سونے سے اور چاندی کی بیع چاندی سے یا سونے کی بیع چاندی سے کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کی، یعنی جائز ہونے کے متعلق کہا۔

جواب: ابونضرۃ کی حدیث کے آخری الفاظ ہی دلالت کر رہے ہیں جنس کی بیع جنس سے ہاتھ بہاتھ بھی ناجائز ہے کیونکہ حدیث پاک کا آخری حصہ یہ ہے:

"فانی لقاعد عن ابی سعید الخدری فسألته عن الصرف فقال مازاد فهو ربًاانکرت ذلک لقولهما فقال لا احدثک الاماسعت من رسول الله ﷺ جاء ه صاحب نخلة بصاع من تمر طیب و کان تمرالنبی ﷺ هذا اللون فقال له النبی ﷺ انی لک هذا قال انطلقت بصاعین فاشتریت به هذاالصاع فان سعر هذا فی السوق کذا وسعرهذاکذا فقال رسول الله ﷺ ویلک اربیت اذاردت ذلک فبع تمرک بسلعة ثم اشتر بسلعتک ای تمر شئت قال ابو سعید فالتمر بالتمر احق ان یکون ربًاام الفضة بالفضة قال فایتت ابن عمر بعد فنهانی ولم آت ابن عباس قال فحدثنی ابوا الصهباء انه سأل ابن عباس عنه بمکة فکرهه" (مسلم ج۲ باب الربوا)

ابونضرہ کہتے ہیں بیشک میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا میں نے ان سے بیع

Marfat.com

صرف (ہاتھ بہاتھ ثمن کی بیع ثمن میں زیادتی) کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا جو زیادہ مقرر کیا گیا وہ ربوٰا ہے، میں نے حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی وجہ سے میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بات کا انکار کر دیا، تو انہوں نے فرمایا میں تمہیں صرف وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، آپ کے پاس ایک عمدہ کھجوروں کا ایک صاع لائے، نبی کریم ﷺ کے پاس بھی اسی رنگ کی کھجوریں تھیں، نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے پوچھا تم نے یہ کھجوریں کہاں سے لائی ہیں؟ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنی دو صاع کھجوریں لے کر گیا ان کے بدلے یہ (عمدہ کھجوریں) ایک صاع خرید لایا، ان کی اور ان کی بازار میں قیمت اسی طرح تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری بربادی یہ تو سود ہے تم پہلے اپنی کھجوریں قیمت سے بیچ دو پھر دوسری کھجوریں قیمت سے خرید لو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کھجور کو کھجور کے بدلے زیادتی سے بیچنا ربوٰا ہے تو چاندی کی بیع چاندی سے زیادتی سے ربوا کیوں نہیں؟ ابو نضرہ کہتے ہیں پھر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو آپ نے مجھے ہاتھ بہاتھ زیادہ مال لینے سے منع فرما دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو آپ نے اسے ناپسند سمجھا۔

اسی حدیث کی وضاحت میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذه الاحاديث التي ذكرها مسلم تدل على ان ابن عمر وابن عباس لم يكن بلغهما حديث النهي عن التفاضل في غير النسئية فلما بلغهما رجعا اليه"

یہ احادیث جو مسلم نے ذکر کی ہیں جن میں ایک جنس اور مکیلی یا موزونی چیزیں ہاتھ بہاتھ بیچنا حرام مذکور ہے حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس نہیں پہنچیں تھیں صرف ادھار والی زیادتی کے حرام ہونے والی احادیث ان کے پاس پہنچی تھیں، اس وقت تک تو وہ ہاتھ بہاتھ زیادتی کو جائز مانتے رہے، لیکن جب ان تک حرمت کی احادیث پہنچیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے سامنے اپنے سر جھکاتے ہوئے اپنے

Marfat.com

مؤقف سے رجوع کرلیا۔

اعتراض: ہاتھ بہاتھ کے جواز پر تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی شاہد ہے:

"عن اسامة بن زيد ان رسول الله ﷺ قال لا ربوا في ماكان يدابيد"

(مسلم ج ۲ باب الربوا)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاتھ بہاتھ زیادتی میں ربوا نہیں؟

جواب نمبر ۱:

"فقد قال القائلون بأن منسوخ بهذه الاحاديث وقداجمع المسلمون على ترك العمل بظاهره وهذا يدل على نسخه"

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حدیث ان احادیث سے منسوخ ہے جن میں ہاتھ بہاتھ زیادتی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کا اجماع ہے اس پر کہ اس کے ظاہر پر عمل نہیں یہ اجماع امت بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

جواب نمبر ۲:

"انه محمول على الاجناس المختلفة فانه لاربوا فيها من حيث التفاضل بل يجوز تفاضلها يدابيد"

ہاتھ بہ ہاتھ زیادتی کے جواز والی حدیث کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو مکیلی یا موزونی تو ہوں لیکن ان کی جنس مختلف ہوں، ان کی باعتبار ہاتھ بہاتھ زیادتی ربوا نہیں، بلکہ ہاتھ بہاتھ زیادتی جائز ہے۔

جواب نمبر ۳:

"حديث عبادة بن الصامت وابى سعيد الخدرى وغيرهما مبين فوجب العمل بالمبين"

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مجمل ہے اور عبادہ بن صامت اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما والی احادیث مبین ہیں۔ اس لئے مبین احادیث پر عمل ضروری ہے۔ (ماخوذ از نووی)

Marfat.com

تجارتی مال پر سود لینا بھی حرام ہے:

آج کل یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تجارتی کاروبار کیلئے سود کا لین دین جائز ہے، صرف نجی ضروریات کیلئے ناجائز ہے۔ اس عذر لنگ کے رد میں ضیاء القرآن کا پیارا اقتباس پیش کیا جاتا ہے مفسر قرآن مفکر اسلام حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

یہاں ایک اور چیز تحقیق طلب ہے، کیا اس وقت کے لوگ صرف نجی ضروریات کیلئے ہی سودی قرض لیا کرتے تھے یا کاروبار کرنے کیلئے بھی سودی قرض کا اس وقت عام رواج تھا۔ بعض لوگ جنہیں عرب کے حالات اور رسم و رواج کے تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ملی، کہتے ہیں کہ اس وقت صرف ذاتی ضروریات کیلئے ہی قرض لیا جاتا تھا اور کاروبار کیلئے قرض لینے کا اس قدیم غیر متمدن معاشرہ میں کوئی تصور نہ تھا، لیکن اگر وہ دنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت جب کہ نہر سویز نہیں کھودی تھی، جب کہ بڑے بڑے بحری جہاز معرض وجود میں نہیں آئے تھے، مشرق و مغرب کی تجارت خشکی کے راستہ سے ہوتی تھی، اس وقت تجارتی کاروانوں کی راہ گزر جزیرۂ عرب تھا۔

عرب کے لوگ عموماً اور اہل مکہ خصوصاً تجارت میں خوب حصہ لیتے تھے، اور اس امر کا تذکرہ تو خود قرآن حکیم میں ہے کہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن و فارس کی طرف اور گرمیوں میں شام و روم کی طرف سے باقاعدگی سے جاتے تھے اور یہی انکا ذریعہ معاش تھا اور تاریخ اس پر اٹل شاہد ہے کہ جو قافلہ شام سے ابوسفیان کی قیادت میں مکہ واپس جا رہا تھا، جس کا مسلمانوں نے مدینہ طیبہ سے نکل کر محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس میں تمام اہل مکہ کا سرمایہ تھا مکہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے اس میں اپنا حصہ نہ ڈالا ہو اور حصہ کی دونوں مختلف شکلیں رائج تھیں یا تو سرمایہ دینے والا نفع میں شریک ہوتا تھا یا ہو اپنا مقرر حصہ ٹھہرالیا کرتا، خواہ قرض لینے والے کو نفع ہو یا نقصان، ان تاریخی حقائق کی موجودگی میں یہ فرض کر لینا کب روا ہے کہ اس وقت کے اہل عرب کاروبار کیلئے سودی قرض نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن پاک نے ہر ربوا کو حرام کیا، کہیں آپ کاروباری سود لینے کی اجازت نہیں دکھا سکتے۔ (ضیاء القرآن)

غیر مسلم ممالک میں سودی کاروبار کے متعلق فتوی:

Marfat.com

رئیس المتقین ،فقیہ اعظم حضرت علامہ ابوالخیر محمد نوراللہ رحمہ اللہ بصیر پوری کے پاس ایک استفتاء پہنچایا گیا جس کا جواب آپ نے ارشاد فرمایا جو بمع سوالات و جوابات کے درج کیا جارہا ہے۔

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کیلئے سود دینا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس وقت انگلینڈ میں آباد لاکھوں مسلمانوں کو یہ مسئلہ مندرجہ ذیل صورتوں میں درپیش ہے:

(۱) ہر ایک مسجد کمیٹی مسلم ویلفیئر کمیٹی یا مسلم فیوزل (کفن دفن) کمیٹی وغیرہ اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے اپنے متعلقہ ارکان سے چندہ اکٹھا کر کے ایک فنڈ قائم کرتے ہیں اور حفاظت کی خاطر بنک میں رکھتے ہیں، بنک اس رقم پر سود دیتا ہے جو اس رقم میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

(۲) مزدوری پیشہ لوگ اپنے پس انداز اثاثے بنکوں میں جمع کراتے ہیں اور بینک اس میں قانون کے مطابق سود کا اضافہ کرتا ہے۔

(۳) بعض اشخاص کئی ضرورتوں کیلئے بنک یا فنانس کمپنیوں سے قرضے لیتے ہیں اور بنک اس قرض پر سود وصول کرتے ہیں۔

(۴) چوتھا معاملہ بہت سنگین ہے یعنی رہائشی مکانوں کی خریداری، یہاں مکان اتنے مہنگے ہیں کہ کوئی بھی شخص پہلی بار رہائش کیلئے مکان نہیں خرید سکتا لہٰذا اسے بنک فنانس سوسائٹی سے پانچ دس یا پندرہ سال کیلئے قسطوں پر قرضہ حاصل کرنا پڑتا ہے جسے مارگج کہتے ہیں، اس قرضہ پر بنک یا فنانس سوسائٹی سود وصول کرتی ہے حتیٰ کہ کئی مسجد کمیٹیاں بھی نماز روزہ کیلئے کوئی عمارت برائے مسجد خریدنا چاہیں اور اپنے ارکان ودیگر امدادی احباب کے تعاون کے باوجود مطلوبہ رقم مہیا نہیں کرسکتیں تو مجبوراً بنک کی طرف رخ کرتی ہیں اور مارگج کے مرحلہ سے گزرتی ہیں یعنی متعلقہ عمارت کے کاغذات بنک میں رکھ کر مطلوبہ رقم حاصل کرتے ہیں اور اس پر سود ادا کرتے ہیں ۔

(۵) کچھ عرصہ سے پاکستانی بنکوں نے بھی اپنی شاخیں قائم کی ہیں، اگر تو سود ہر حال میں ناجائز ہے پھر بھی

Marfat.com

مسلم، اگر غیر مسلم بنک سے جائز ہے تو مسلم یا کمیٹی کے بارے میں کیا حکم ہے، اگر اس کیلئے بھی وہی حکم ہے تو فبہا (بہتر) بصورت دیگر (دوسری صورت میں) مسلمان سود وغیرہ کی جائز سہولت کے پیش نظر پاکستانی بنک سے لین دین نہ رکھیں تو قومی مفاد پر اثر پڑتا ہے۔

(۲) انشورنس جو سود اور جوأ کی ترقی یافتہ صورت ہے غیر مسلم ممالک میں بھی کیا اس کے دارالاسلام والے ہی احکام ہیں یا دارالحرب میں کچھ گنجائش ہے اور مسلمان اپنے مال واولاد کے حفظ ماتقدم کے تحت غیر مسلم ممالک میں انشورنس کرا سکتے ہیں؟

امید واثق ہے کہ آپ ائمہ اربعہ کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرما کر اجر کے مستحق ہوں گے۔

نوٹ: استفتاء ہذا لندن سے بواسطہ حضرت مولانا علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب مدظلہم بھیرہ شریف مورخہ (۸۰_۵_۲۲) کو موصول ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: "اللھم اجعل لی النور و الصواب"

مال حربی غیر معصوم مباح ہے، جب مسلم اس پر غدر وخیانت کے سوا اس کی رضاء سے قبضہ کر لے تو مالک ہو جاتا ہے، لہٰذا اس میں ربوا جاری ہی نہیں ہوتی، بدائع صنائع ج ۵ ص ۱۹۲ میں ہے۔

"فمنها ان یکون البدلان معصومین فان کان احدھما غیر معصوم لایتحقق الربوا عندنا (الی ان قال) وعلی ھذا الاصل یخرج ما اذا دخل مسلم دارالحرب تاجرا فباع درھما بدرھمین (الی ان قال) انہ یجوز عند ابی حنیفة و محمد رضی اللہ عنھما"

نیز اسی میں ہے۔

"ولھما ان مال الحربی لیس بمعصوم بل ھو مباح فی نفسہ الاان المسلم المستأمن منع من تملکہ من غیر رضاہ لما فیہ من الغدر والخیانة..........الخ"

ترجمہ: سود کی حرمت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں بدل معصوم ہوں (ان پر کسی کو ہاتھ

Marfat.com

ڈالنے کی اجازت نہ ہو) اگر دونوں بدل میں سے کوئی ایک بھی معصوم نہ ہو تو ہمارے نزدیک ربوا ثابت نہیں ہوگا۔اس سے آگے چل کر یوں بیان کیا گیا''اسی قانون کے مطابق یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمان جب دارحرب میں تجارت کی غرض سے جائے تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ ایک درہم دو درہم کے بدلے بیچ دے۔اس سے آگے چل کر مزید وضاحت کر دی گئی کہ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے (اور اسی پر فتویٰ ہے) اسی کتاب یعنی بدائع صنائع میں یہ بھی مذکور ہے کہ''امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ حربی کا مال معصوم نہیں بلکہ وہ حقیقت میں مباح ہے (یعنی مسلمان اور اس پر قبضہ کرسکتا ہے) البتہ مسلمان جب کفار سے امن (ویزہ) لے کر جائے تو کسی کا مال اس کی رضاءمندی کے بغیر دھوکا اور خیانت سے لینا جائز نہیں۔ (راقم)

اور یونہی قدوری اور اس کی شرح الجوہرۃ النیرۃ ج۱ص۲۶۲ میں ہے''بتقریر حسن جدا''الجوہرۃ النیرۃ کی جس عمدہ تقریر کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا، اسے نقل کیا جارہا ہے۔

(ولابین المسلم والحربی فی دارالحرب)هذا قولهما وقال ابویوسف یثبت بینهما الربا فی دارالحرب لأنه معنی محظور فی دارالاسلام فکان محظورا فی دارالحرب کالزنا والسرقة ولهما ان المسلم اذادخل الیهم بغیر امان یجوزله اخذمال الحربی بغیر طیبة نفسه فاذا اخذه علی هذالوجه بطیبةنفسه کان اولی بالجوازواذا دخل الیهم بامان فاموالهم مباحة فی الاصل الاماخطره الامان وقد خطره علیه الامان ان لایاخذ ماله بطیبة نفسه واذاسلم الیه ماله علی هذاالوجه فقد طابت نفسه فوجب ان یجوز"

مسلمان اور حربی کے درمیان دارحرب میں ربوا نہیں، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا ہے، اور فتویٰ بھی اسی پر ہے، تحقیق پر مبنی یہی قول ہے۔البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول احتیاط اور تقویٰ پر مبنی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دارحرب میں بھی ربوا ناجائز

Marfat.com

ہے جیسے زنا اور چوری ناجائز ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی شاندار دلیل یہ ہے کہ مسلمان جب کافروں کے ملک میں بغیر امان کے جائے تو اس کیلئے یہ جائز ہے کہ حربی کافر کا مال اس کی اجازت کے بغیر لے لے خواہ وہ اسے ناپسند ہی کیوں نہ سمجھتا ہو، اور جب ان کا مال اپنے مال کے بدلے زائد لے لے اور وہ اس پر رضا مند بھی ہو تو یقیناً یہ جائز ہوگا۔

راقم کا دونوں قولوں کے مطابق موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دار حرب میں حربی کفار سے سود نہ لے تو اس کی مرضی کی بات ہے، لیکن لے لے تو جائز ہے، فتویٰ اور تقویٰ میں بہت بڑا فرق ہے۔ (راقم)

اور یونہی تنویر الابصار، در المختار، طحطاوی علی الدر ج ۳ ص ۱۱۲ میں ہے طحطاوی کے الفاظ یہ ہیں۔

"وقد تقدم ان شرط الربوا عصمة البدلين جميعا"

اور تحقیق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بیشک ربوا کی شرط دونوں بدلوں کا معصوم ہونا ہے، جب ایک بدل معصوم نہیں ہوگا تو ربوا بھی نہیں ہوگا، حربی کا معلوم معصوم نہیں بلکہ مباح ہے۔ (راقم)

اور یوں ہی ہدایہ اور اس کی شرح عینی ج ۳ ص ۱۶۵ میں ہے، اور فتح القدیر وعنایہ ج ۶ ص ۱۷۸ میں بھی اور یوں ہی غرر الاحکام مع شرح درر الحکام ج ۲ ص ۱۸۹ میں ہے، اور مبسوط ج ۱۴ ص ۵۶ اور ھندیہ (عالمگیری) ج ۳ ص ۶۴ وغیرہ میں یوں ہی ہے۔

عینی علی الھدایۃ اور فتح القدیر، مبسوط وغیرھما میں حدیث مرسل ہے، والنظم للسرخسی علیہ الرحمہ، الفاظ سرخسی سے نقل کئے جارہے ہیں۔

"ذكر عن مكحول عن رسول الله ﷺ قال لاربوا بين المسلمين وبين اهل الحرب"

مکحول رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں اور حربیوں (دار حرب کے کفار) کے درمیان ربوا نہیں۔ (راقم)

مکحول تابعی ہیں درمیان میں صحابی کا واسطہ چھوٹا ہوا ہے، اسی لئے حدیث مرسل ہے، جب کسی تابعی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ صحابی کو ہی چھوڑتا ہے، وہ کسی تابعی سے روایت کرے تو اپنے شیخ (جس سے روایت کرے

Marfat.com

اس) کو ضرور ذکر کرتا ہے تو وہ مرسل حدیث معتبر ہوتی ہے کیونکہ صحابہ تمام ہی ثقہ راوی ہیں۔ (راقم)

جب کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ صحیح حدیث ہے "کمافی کشف الغمة والشامی ج ۴ص ۵۱" جیسا کہ کشف الغمہ اور شامی ج ۴ص ۵۱ میں ہے۔

"والنظم له ان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصیحاله کمافی التحریر وغیره"

اور الفاظ شامی کے ہی ہیں" کہ بیشک مجتہد جب حدیث پاک سے دلیل پکڑے تو وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوری ہے تب ہی تو وہ اسے دلیل بنارہا ہے، اگر وہ حدیث صحیح نہ ہوتی قابل استدلال نہ ہوتی تو یقیناً مجتہد اسے دلیل نہ بناتا۔ یہی مسئلہ تحریر وغیرہ کتب میں بھی موجود ہے۔ (راقم)

اور اس میں دونوں صورتیں برابر ہیں مسلمان کو نفع پہنچے یا حربی کو، چنانچہ مبسوط ج ۱۴ص ۵۹ فتح القدیر اور عنایہ ج ۶ص ۱۷۸ طحاوی علی الدرج ۳ میں ہے "والنظم من المبسوط، مبسوط سرخسی سے الفاظ نقل کئے جارہے ہیں۔

"ویستوی ان کان المسلم اخذ الدرهمین بالدرهم او الدرهم بالدرهمین لانه طیب نفس الکافر بما اعطاه قل ذلک او کثر واخذ ماله بطریق الاباحة کماقررناه

ترجمہ ووضاحت:

مسلمان کیلئے دار حرب میں حربی کافر سے سود کا لینا یا دینا ایک ہی حکم رکھتے ہیں، یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں، خواہ مسلمان ایک درہم دے کر دو درہم لے لے، یا دو درہم دے کر ایک درہم لے لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر نے اپنی خوشی سے وہ مال دیا ہے یا لیا ہے اور مسلمان پر وہ مال لینا مباح ہے اسلئے مسلمان کافر حربی کو دار حرب میں سود دے یا لے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

یہ سارا مسئلہ اس وقت ہے جب امن لے کر جائے، امان کے بغیر جائے تو کافر راضی ہو یا نہ ہو اس کا مال لیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ مسلمان کیلئے مباح ہے۔ (راقم)

نمبر ۴ تک کے جوابات واضح ہوگئے اور نمبر ۶ کا یہی جواب ہوگیا کہ یہ سب سود نہیں اور جائز ہے، باقی نمبر ۵ کا معاملہ ذرا سنگین ہے مگر چونکہ اب پاکستانی بنک بھی سود نہیں کہتے بلکہ منافع کے نام سے دیتے ہیں تو ظاہر یہی ہے کہ یہ

Marfat.com

ایک مضاربت کی صورت ہے، گو فاسد ہی ہو تو قبضے سے ملک ثابت ہو جاتا ہے اور پاکستانی بنکوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلم بنکوں کی طرف میلان سے قومی اور ملکی وقار سخت مجروح ہوتا ہے جو اس سے بھی برا ہے، بہر حال مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضاربت کی بناء پر ہے حالانکہ مبسوط ج ۱۴ص ۵۷، ۵۸ میں ہے۔

"ان فعل المسلم یجب حمله علی احسن الوجوه ماامکن"

(جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمان کے فعل کو بہتر وجوہ پر محمول کیا جائے، یعنی مسلمان کے فعل میں کوئی اچھائی کے پہلو نکلتے ہوں تو اچھائی پر محمول کیا جائے) (راقم)

شامی ج ۳ص ۳۶۲ میں ہے:

"حمل احوال المسلمین علی الصلاح واجب" مسلمانوں کے افعال میں اگر کوئی اچھائی کا پہلو نکل سکے تو اس اچھائی کے پہلو پر محمول کرنا واجب ہے۔ اور ارشاد رب العلمین ہے ﴿ان بعض الظن اثم﴾ یعنی قرآن پاک میں ذکر فرمایا کہ "بیشک بعض گمان گناہ ہیں" اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات غلط گمان پایا جاتا ہے صرف بدگمانی کی وجہ سے کسی کو موردِ الزام ٹھہرانا گناہ ہے۔

"وقد جاء النهی فی الاحادیث المبارکة عن الظن السوء"

"اور تحقیق احادیث مبارکہ میں کسی کے متعلق بدگمانی کرنے سے منع کیا گیا ہے"

والله تعالی اعلم صلی الله تعالی علی حبیبه الاکرم وآله وصحبه وبارک وسلم

(فتاوی نوریه مع ترجمه ووضاحت ج ۴ص ۱۷۳ تا ۱۷۵)

تنبیہ: اس تمام مسئلہ کا تعلق دار حرب سے ہے دار اسلام سے نہیں اور راقم کو حضرت کی آخری بیان کردہ وجہ سے بھی اتفاق نہیں کیونکہ بینکاری نظام میں صرف حکومت کے کہنے سے کہ یہ نفع ہے سود نہیں اعتبار کرنا بھی ممکن نہیں، کچھ مزید وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

سود لینے اور دینے والے پر لعنت:

"عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء"

(مسلم ج ۲ص ۲۵ باب الربوا)

Marfat.com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور کاتب (لکھنے والے) اور گواہوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ سب برابر ہیں۔

(وھم سواء) ای فی اصل الاثم وان کانوا مختلفین فی قدرہ" (مرقاۃ ج٦ ص ٥٩)

وہ اصل گناہ میں برابر ہیں اگرچہ قدر میں مختلف ہیں۔

"ھذا تصریح بتحریم کتابة المبایعة بین المترابیین والشھادة علیھماوفیه تحریم الاعانة علی الباطل واللہ اعلم"

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ سودی لین دین کو سودی کاروبار کرنے والوں کے درمیان لکھنا حرام ہے، اور سودی کاروبار میں گواہ بننا حرام ہے۔ حرمت کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ باطل کام پر معاونت لازم آتی ہے جو جائز نہیں۔ (نووی)

سود پر وعید شدید:

"عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائکة قال قال رسول اللہ ﷺ درھم ربا یأکله الرجل وھو یعلم اشد من ستة وثلاثین زینة رواہ احمد والدارقطنی وروی البیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس وزاد قال من بنت لحمه من السحت فالنار أولی به"

(مشکوۃ باب الربوا)

حضرت ابن عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اگر) کوئی شخص ایک درہم جانتے ہوئے ربوا سے حاصل کر کے کھاتا ہے تو اس کیلئے یہ چھتیس زنا سے سخت (برا) ہے۔

وضاحت حدیث:

حضرت عبداللہ بن حنظلہ کا لقب ہے "غسیل الملائکة" فرشتوں کا غسل دیا ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف غزوہ احد میں جانے کیلئے نداء دینے والے کی نداء کو سنا تو یہ حکم کی بجا آوری (حکم کے مطابق عمل کرنا) کیلئے جلدی ہی جنگ کی جگہ پہنچ گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا، یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہے کہ شہید کو

Marfat.com

اگر چہ غسل نہیں دیا جاتا لیکن اگر جنبی ہو تو اسے غسل دینا ضروری ہوتا ہے۔

سود کا ایک درہم کھائے جانتے ہوئے، اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانتا ہے یہ ربوا ہے اور ربوا کا کھانا حرام ہے، اتنا علم حاصل کرنا ہر شخص کو ضروری ہے۔

"وکذا ان لم یعلم لکنه قصر فی التعلم لان الائمة الحقوا المقصر بترک التعلم الواجب علیه عینا بالعالم فی انه یکون مثله فی الاثم"

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص سود کو حرام کو نہ جانے اور سود کھائے تو وہ بھی اسی طرح گنہگار ہوگا جیسا کہ جانتے ہوئے سود کھانے والا گنہگار ہوتا ہے، ائمہ کرام نے فرائض اور محرمات (فرض چیزوں اور حرام چیزوں) کا علم حاصل نہ کرنیوالے، اس کے حاصل کرنے میں کوتاہی کرنے والے کو اسی طرح گنہگار ٹھہرایا جیسا کہ اس کا علم رکھنے والا ہوتا ہے۔

سود کا کھانے والا چھتیس بار زنا کرنے والے سے شدید مجرم ہے، یہ ارشاد فرما کر حرام چیزوں کے کھانے پر کامل طور پر زجر کی گئی (ڈانٹ دی گئی) اور حلال اشیاء کے کھانے پر برانگیختہ کیا گیا اور لوگوں کے حقوق سے اجتناب کا حکم دیا گیا، باقی چھتیس کی تعداد صرف مبالغہ اور شدت کیلئے ہے، اگر بالفرض معین تعداد مراد ہو تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول ﷺ کو ہوگا۔ بعض صوفیاء کرام نے بیان فرمایا ہے اس سے مراد خاتمہ خیر پر نہ ہونا بلکہ برائی پر خاتمہ ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج۶ ص۶۷)

اور بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جس آدمی کی حرام مال سے نشو و نما ہو وہ آگ کا مستحق ہوگا۔

☆ "عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ الربا سبعون جزأ ایسرها ان ینکح الرجل امه" (مشکوة باب الربوا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کھانے میں ستر قسم کے گناہ ہیں ان میں گھٹیا اور آسان گناہ یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے مجامعت کرے۔

یہاں بھی حدیث شریف میں ''ستر'' سے مراد کئی قسم کے گناہ ہیں۔ عام طور پر عرب کے محاورہ میں ''ستر'' کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے، مراد اس سے کثرت ہوتی تھی۔

Marfat.com

سود کھانے والے عذاب میں مبتلاء:

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اتيت ليلة اسرى بى على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم فقلت من هؤلاء يا جبريل قال هؤلاء أكلة الربوا"

(رواه احمد وابن ماجة، مشكوة باب الربوا)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، معراج کی رات کو میرا ایک قوم پر گزر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح تھے ان میں سانپ ان کے پیٹوں سے باہر سے دیکھائی دے رہے تھے میں نے کہا، اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبریل نے یہ کہا سود کھانے والے ہیں۔

"وفى رواية من امتك" (مرقاة ج ٦ ص ٦٨)

ایک روایت میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ آپ کی امت میں سے سود کھانے والے ہیں، ان کے پیٹوں کا بڑا ہونا اور سانپوں کا نظر آنا اس وجہ سے آپ کو دکھایا گیا

"تشنيه لحالهم وفضيحة مآلهم"

کہ آپ ان کی بدحالی، اور رسوا کر دینے والا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنی امت کو سود خواروں کے انجام سے مطلع کریں تا کہ وہ باز آجائیں۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

حدیث شریف میں استعمال ہونے والے الفاظ اور ان کے تراجم کی طرف توجہ کریں تا کہ صحیح مطلب ذہن نشین ہو جائے۔

"اتيت" معروف کا صیغہ ہے، معنی اس کا ہے "مررت" میرا گزر ہوا۔ "على قوم" جار و مجرور کا تعلق "اتيت" سے ہے، اگر چہ بظاہر وہم یہ ہوتا ہے کہ اس جار و مجرور کا تعلق "اسرى بى" سے ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں، "ترى" مجہول کا صیغہ ہے، آپ کو دکھائے جا رہے تھے، "الحيات" جمع ہے "الحية" کی، جس کا معنی

Marfat.com

ہے سانپ، "أكلة" جمع ہے "آكل" کی، کھانے والے۔ (ماخوذ از مرقاۃ بزیادۃ)

گذشتہ سے پیوستہ:

اس سے پہلے فتاوی نوریہ سے ایک فتوی نقل کیا گیا، اسی کی مزید وضاحت شامی سے جس میں احترازی صورتوں سے مزید وضاحت کردی گئی۔ "ولا (ربوا) بين حربي ومسلم" حربی اور مسلمان کے درمیان ربوا نہیں۔

"احترز بالحربي عن المسلم الاصلي والذمي"

متن میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حربی اور مسلمان کے درمیان ربوا نہیں اور میں "حربی" کہہ کر واضح کر دیا کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے سود نہیں لے سکتا، اور ایسے ہی کوئی مسلمان کسی ذمی سے ربوا نہیں لے سکتا۔

"وكذا عن المسلم الحربي اذا هاجر الينا ثم عاد اليهم فأنه ليس للمسلم ان يرابي معه اتفاقا"

حربی مسلمان جو ہماری طرف ہجرت کر کے آئے پھر دار حرب میں لوٹ جائے (لیکن اسلام پر قائم رہے) تو کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ اس سے ربوا لینے کو جائز قرار دے۔

"وفي المجتبى" مستامن من اهل دارنا مسلما كان أوذميا في دارهم اومن اسلم هناك باشر معهم من العقود التي لا تجوز فيما بيننا كالربويات"

مجتبی میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دار اسلام سے دار حرب میں جائے اور ان سے امن لے کر (یعنی اجازت لے کر) جائے خواہ مسلمان ہو یا ذمی ہو، یا کوئی شخص دار حرب میں ہی مسلمان ہو جائے تو یہ حربی کفار سے سود کا لین دین نہیں کر سکتے۔

فقہاء کرام کی صریح عبارات سے عقلی ڈھکوسلے ختم ہو گئے:

"وفي السير الكبير وشرحه حيث قال واذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلابأس بأن يأخذ منهم اموالهم بطيب انفسهم بایّ وجه كان لأنه انما اخذ المباح على وجه

Marfat.com

عری عن الغدر فیکون ذلک طیباله والأسیر والمستأمن سوا حتی لوباعهم درهما بدرهمین اوباعهم میتة بدراهم اوأخذ مالا منهم بطریق القمار فذلک کله طیب له............اہ ملخصا"

سیر کبیر اوراس کی شرح میں بیان کیا گیا ہے جسے اختصاراً یہاں بیان کیا گیا ہے، جب مسلمان دارحرب میں امن لے کر داخل ہو تو اس کیلئے کوئی حرج نہیں کہ ان سے مال لے لے جو وہ خوشی سے دیں وہ مال کسی وجہ سے بھی دیں اس کا لینا مباح ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ اس میں دھوکا اور وعدہ کہ خلاف ورزی نہ پائی جائے۔اس مسئلہ میں مسلمان قیدی اور امن لے کر جانے والا برابر ہیں، یہاں تک کہ مسلمان دارحرب میں کافروں کو ایک درہم دے کر دو درہم لے لے تو جائز ہے، ان پر مردہ جانور بیچ دے تو یہ بھی جائز ہے یا ان سے مال دارحرب لاٹری وغیرہ سے حاصل کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔

غلط فہمی کی وجہ: فقہاء کرام نے چونکہ الفاظ ''ربوا'' اور ''قمار'' کے ذکر کئے ہیں تو کچھ لوگ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، دیکھو جی ربوا کو قرآن پاک میں حرام کیا ہے اور جوا بازی کو بھی حرام کیا ہے تو یہ دارحرب میں کیسے حلال ہو گئے۔

آیئے دیکھئے شیخ محمد امین المعروف بابن عابدین درمختار کے حاشیہ (شامی) میں کیا خوب بیان فرماتے ہیں۔

"فانظر کیف جعل موضوع المسئلة الأخذ من اموالهم برضاهم فعلم ان المراد من الربوا والقمار فی کلامهم ماکان علی هذاالوجه وان کان اللفظ عاما لان الحکم یدور مع علة غالبا"

حرمت کی دارومدار علت پر ہے، جب علت ہی نہ پائی جائے تو اس پر حرمت کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا، جب دارحرب میں حربی سے مال لینا ان کی رضاء مندی سے جائز ہوا تو وہ اصل میں مباح ہے، نہ اس میں ربوا ہے اور نہ ہی جوا بازی، اگرچہ ظاہر کے لحاظ پر الفاظ ''ربوا اور قمار'' ذکر کر دیئے

Marfat.com

گئے ہیں، حقیقت میں نہ وہ ربوا ہے اور نہ جؤا بازی۔

انہ لما دخل دارھم بأمان فقد التزم ان لایغدرھم وھذا القید لزیادۃ الایضاح لأن مآخذہ برضاھم لاغدرفیہ"

مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ جب دارحرب میں وہ امن (ویزہ) لے کر جائے تو ان سے دھوکا نہ کرے دھوکا بازی سے مال بٹورنا جائز نہیں، جب ان کی رضاء مندی سے مال لے تو وہ دھوکا بازی نہیں۔ (شامی ج ۴ ص ۲۰۹،۲۰ باب الربا)

ہاں البتہ جو گذشتہ اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ اگر تقوی کے پیش نظر امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرے تو ٹھیک ہے کہ امن لے کر جائے تو حربی کافر سے رقم کے بدلے رقم پر بھی نفع نہ لے۔

کیا آجکل کوئی ملک دارحرب نہیں:

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دارحرب تو وہ ہے جہاں مسلمان اور ذمی کی جان محفوظ نہ ہو لیکن مسلمان آجکل جس ملک میں بھی ویزہ لے کر جائیں تو ان کی جان محفوظ رہتی ہے، ان کو صرف مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کیا جاتا تو دارحرب تو کوئی ملک نہ رہا۔

راقم پہلے فتاوی عالمگیری سے مکمل عبارت نقل کرتا ہے، پھر اپنا مؤقف بیان کرتا ہے جس سے دارحرب کا اطلاق سمجھ آجائے گا کہ دارحرب کا لفظ کہاں کہاں بولا جاتا ہے۔

"اعلم ان دارالحرب تصیر دارالاسلام بشرط واحد وھو اظھار حکم الاسلام فیھا قال محمد رحمہ اللہ فی الزیادات انما تصیر دارالاسلام دارالحرب عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ بشروط ثلاثۃ احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لایحکم فیھا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلۃ بدارالحرب لایتخلل بینھما بلد من بلادالاسلام والثالث ان لایبقی فیھا مؤمن ولاذمی آمنا بامانہ الاول الذی

Marfat.com

کان ثابتا قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامه و الذمی بعقدالذمة وصورة المسئلة علی ثلاثة اوجه اما ان یغلب اهل الحرب علی دارمن دورنا أوارتد اهل مصر وغلبوا واجروا احکام الکفر اونقض اهل الذمة العهد وتغلبوا علی دارهم ففی کل من هذه الصور لاتصیر دارالحرب الابثلاثة شروط وقال ابویوسف ومحمدرحمهما الله بشرط واحد لاغیر وهو اظهاراحکام الکفر وهو القیاس"

(فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۲۳۲ باب الخامس فی استیلاء الکفار)

تم جانو کہ بیشک دارحرب صرف ایک شرط سے دارالسلام بن جاتا ہے، وہ ایک شرط یہ ہے کہ احکام اسلام کا اظہار کردیا جائے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے زیادات میں بیان فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار اسلام دارحرب اس وقت بنے گا جب اس میں تین شرطیں پائی جائیں گی

(۱) ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ کفار کے احکام کو مشہور طریقہ سے جاری کیا جائے ،یعنی اعلانیہ طور پر اور اشتہاروں کے ذریعہ احکام کفر کا اعلان کیا جائے اور اسلام کا وہاں کوئی حکم جاری نہ کیا جائے۔

(۲) ان میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ دار اسلام جو دارحرب بنایا جارہا ہے وہ دوسرے دارحرب سے متصل ہو ان کے درمیان کوئی دار اسلام نہ ہو۔

(۳) ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ ان میں مؤمن اور کوئی ذمی امن میں باقی نہ رہے کہ مسلمان کو جو اسلام کی وجہ سے کافروں کے غلبہ سے پہلے جو امان حاصل تھی وہ کافروں کے غلبہ سے اٹھ جائے اور ذمیوں کو مسلمانوں کی طرف سے جو امان بحیثیت ذمہ کے حاصل تھی وہ امان ان کی بھی کافروں کے غلبہ سے جاتی رہے۔

صورت مسئلہ تین وجہ پر ہے:

ایک صورت ان میں سے یہ ہے کہ کافر ہمارے شہروں میں سے کسی شہر پر یا ہمارے ممالک میں سے کسی ملک پر غالب آجائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہمارے شہر یا ہمارے ملک کے لوگ "العیاذ باللہ" مرتد ہوجائیں اور

Marfat.com

مسلمانوں پر غالب آجائیں وہ احکام کفر جاری کریں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اسلامی ملک میں رہنے والے ذمی کفار اپنا وعدہ توڑ دیں اور مسلمانوں پر غالب آجائیں اور ان کے ملک پر اپنا تسلط قائم کرلیں۔

ان تین صورتوں میں دار اسلام دار حرب اسی وقت بنے گا جب مذکورہ بالا تین شرطیں اس میں پائی جائیں گی۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دار حرب کیلئے صرف ایک شرط ہے، اس کے بغیر کوئی اور شرط نہیں وہ شرط یہ ہے کہ وہاں احکام کفر جاری ہوں قیاس بھی یہی ہے۔ (عالمگیری)

امام صاحب اور صاحبین کے اقوال میں محاکمہ:

اگر چہ عالمگیری کی عبارت سے بظاہر یہی سمجھ آرہا ہے کہ فتوی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ہے کیونکہ وہی قیاس کے مطابق ہے۔

لیکن راقم کو ان اقوال میں تطبیق کی ایک وجہ نظر آرہی ہے وہی درحقیقت راقم کا موقف ہے، وہ تطبیق یہ ہے کہ دار اسلام کو دار حرب بنانے کیلئے تین صورتیں ہیں، ان تین میں سے کسی ایک صورت میں دار اسلام دار حرب بن جائے گا لیکن اس میں تین شرطیں پائی جائیں جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔

مسلمان اور کافر ذمی کی جان کے محفوظ نہ ہونے کا مطلب بھی پھر عالمگیری سے ایک مرتبہ دیکھئے کہ جب کفار یا مرتدین یا ذمی جب باغی ہوجائیں اور مسلمانوں کے علاقہ پر غلبہ حاصل کرلیں تو مسلمانوں کو اسلام کی وجہ سے حاصل ہونے والا امن اٹھ جائے اور ذمی کافروں کا ذمہ کا معاہدہ اٹھ جائے۔

اس سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ مراد ہی نہیں کہ وہ کافر کبھی بھی کسی کو امان نہیں دیں گے بلکہ ابتدائی طور پر جب وہ غالب آئیں، ایسی افراتفری چھائیں کہ کسی مسلمان اور ذمی کی جان محفوظ نہ رہے یہ ہر دور میں رہا کہ کافروں سے امان لے کر مسلمانوں کے ملک میں جاتے رہے اسے دار حرب ہی کہا جاتا رہا۔ یہ تو تھا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کا مطلب کہ دار اسلام کا دار حرب بننا تین شرطوں سے مشروط ہے لیکن صاحبین کے قول کے مطابق اصلی دار حرب کی بات ہے، کہ دار حرب وہ ہے جہاں کافروں کی حکومت ہو اور وہ احکام کفر جاری کریں۔

Marfat.com

یہ فرق جب تک نہیں کیا جائے گا اس وقت تک فقہ کی کتابوں میں سینکڑوں جگہ دارحرب کا اطلاق بے معنی ہو کر رہ جائے گا، اور عشر و خراج، جہاد۔ مال غنیمت کے مسائل میں جہاں جہاں دارحرب استعمال ہے اس کو فقہاء کرام نے بیان کیا ہے ان کا بیان غلط ہو جائے گا۔

ایسی جسارت ہمارے جیسا ہیچمدان نہیں کر سکتا کوئی خود ساختہ مجتہد ہی کر سکتا ہے۔

ممالک کی تقسیم یوں ہے:

تمام ممالک دو قسم ہیں: (۱) دار اسلام (۲) دار کفر

دار کفر کی پھر دو قسمیں ہیں۔(۱) دارحرب اصلی (۲) دارحرب طاری۔

بالفرض اگر کوئی دو قسمیں مانے تو پھر فتوی صاحبین کے قول کے مطابق ہوگا، دار اسلام میں وہ ہوگا جس میں مسلمانوں کی حکمرانی ہو اور اسلام کے احکام کا اظہار ہو اور دارحرب وہ ہوگا جس میں کافروں کی حکمرانی ہو اور کفر کے احکام کا اظہار ہو۔

اعتراض: اگر وہ تمام ممالک جن میں کفار حاکم ہوں وہ دارحرب ہوں تو وہاں کے مسلمان کس طرح نماز جمعہ وعیدین ادا کریں گے؟ نیز تم نے خود تفسیر نعیمی سے بیان کیا ہے کہ بھارت دارحرب نہیں۔

جواب: تفسیر نعیمی سے بھارت کے دارحرب نہ ہونے کا تذکرہ بھی اسی حد تک ہے کہ بھارت کو اس درجہ کا دارحرب نہیں کہا جائے گا جس میں جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ادا نہ ہو سکے، اسی طرح کئی اور ممالک کا یہی حکم ہے، آیئے علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کی وضاحت دیکھئے، آپ نے کیا خوب بیان فرمایا۔

"کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار یجوز منه اقامة الجمع والأعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم واماطاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال

Marfat.com

مسلم"............اھ

ہر شہر جس میں کفار کی جانب سے مسلمان حاکم مقرر کرلیا جائے تو وہاں کے مسلمان اپنے مسلمان حاکم اور اس کی ولایت یعنی حکمرانی کی وجہ سے جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں اور عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اور خراج لینا اور قاضیوں کے فیصلہ کی تقلید کرنا اور بیواؤں کے نکاح کرنے میں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمان باشندوں کی طرف سے مسلمان حاکم مقرر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں لیکن وہ شہر جہاں کافر حاکم ہوں وہاں مسلمانوں کیلئے جمعہ اداء کرنا اور عیدین کی نماز ادا کرنا اس وقت جائز ہوگا جب انہوں نے اپنے فیصلے کرنے کیلئے مسلمانوں میں سے قاضی (حاکم) بنا رکھا ہو۔

اسی وجہ سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے معاملات کیلئے اپنے والی مقرر کر رکھیں۔

(شامی ج۴ ص۲۷۷ فصل فی استئمان الکافر)

مقروض اپنی خوشی سے زیادہ دے تو جائز ہے:

"عن جابر قال اقبلنا من مکة الی المدینة مع رسول الله ﷺ فاعتل جملی وساق الحدیث بقصته وفیه ثم قال لی بعنی جملک هذا قال قلت لابل هولک قال لابل بعنیه قال قلت لابل هو لک یا رسول الله قال لابل بعنیه قال قلت فان لرجل علی اوقیة ذهب فهولک بها قال قد اخذته فتبلغ علیه الی المدینة قال فلما قدمت المدینة قال رسول الله ﷺ لبلال اعطه اوقیة من ذهب وزده قال فاعطانی اوقیة من ذهب وزادنی قیراطا قال فقلت لاتفارقنی زیادة رسول الله ﷺ قال فکان فی کیس لی فاخذه اهل الشام یوم الحرة" (مسلم ض ۲ باب الربوا ص۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی معیت میں (آپ کے ساتھ) چلے، میرا اونٹ بیمار ہوگیا، اور آپ نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا یہ اونٹ مجھ پر بیچ دو، میں نے عرض کیا نہیں۔ بلکہ یہ آپ کا ہوگیا۔ آپ نے فرمایا نہیں (مفت نہیں) بلکہ مجھ پر بیچ دو، میں

Marfat.com

نے کہا نہیں بلکہ یہ آپ کا ہو گیا۔

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مجھ پر بیچ دو، تو میں نے عرض کیا مجھ پر ایک شخص کا ایک اوقیہ سونا دینا لازم ہے، اسی کے بدلے یہ اونٹ آپ کا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے میں نے لے لیا ہے، اب تو اس پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ جاؤ، جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے ایک اوقیہ سونا دے دو اور کچھ زیادہ بھی دے دو، تو حضرت بلال نے مجھے ایک اوقیہ سونا دیا اور ایک قیراط اس پر زیادہ دیا، تو میں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زیادہ دیا ہوا سونا اپنے آپ سے جدا نہیں کروں گا۔ وہ میری تھیلی میں تھا یوم حرہ کو شامیوں (یزیدیوں) نے مجھ سے لے لیا۔

وضاحت حدیث: ایک اور روایت میں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"غزوت مع رسول الله ﷺ فتلا حق بی وتحتی ناضح لی قد اعيا ولا يكاد يسير قال فقال لی مالبعیرک قال قلت علیل قال فتخلف رسول الله ﷺ فزجره ودعاله فما زال بین یدی الابل قدامها یسیر فقال لی کیف تری بعیرک قال قلت بخير قد اصابته برکتک"

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ملکر ایک غزوہ کیا (جہاد کیا) نبی کریم ﷺ مجھے ملے میرے نیچے میری سواری ایک اونٹ تھا جو تھکا ماندہ تھا، چل نہیں سکتا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا بیمار ہے، تو رسول اللہ ﷺ اس اونٹ کے پیچھے ہوئے اس پر زجر کیا (اسے ڈانٹا) پھر آپ نے اس کیلئے دعاء کی تو وہ اونٹ سب اونٹوں سے آگے چلنے لگا۔ آپ نے پوچھا تم اپنے کو کیسے دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا بہتر دیکھ رہا ہوں آپ کی برکت اسے پہنچ گئی۔

نبی کریم ﷺ کی دعاء کی برکت اور اس کے اثرات حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ آپ کی دعاء سے لاغر اور بیمار اور سست رفتار اونٹ ٹھیک ہو گیا اور سب اونٹوں سے تیز رفتار ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے۔

"قال فلما قدمت المدينة اتيته به فزادنی اوقية ثم وهب لی ﷺ"

Marfat.com

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو وہ اونٹ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا تو آپ نے مجھے ایک اوقیہ پر زیادہ سونا (ایک قیراط) دیا۔ اور وہ اونٹ بھی مجھے ہبہ کر دیا۔

حدیث پاک سے واضح ہوا "جواز الوکالۃ فی قضاء الدیون واداء الحقوق" کہ قرض کی ادائیگی میں اور باقی حقوق کے اداء کرنے میں کسی کو وکیل بنانا اور یہ کام اس کے سپرد کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کہ وہ قرض ادا کر دیں۔

اور فائدہ یہ حاصل ہوا "استحباب الزیادۃ فی اداء الدین وارجاح الوزن" کہ قرض ادا کرنے میں زیادہ دینا مستحب ہے اور اسی طرح اگر وزن والی چیز ہو تو وزن کرتے ہوئے وزن میں زیادتی کرنا مستحب ہے۔

اب مسئلہ واضح ہو گیا کہ مقروض قرض کے ادا کرتے وقت اپنی مرضی سے زیادہ مال واپس لوٹائے تو یہ جائز و مستحب ہے اسے سود نہیں کہا جائے گا، ہاں اگر زیادتی مقرر کر لی جائے خواہ قرض دینے والے کی طرف سے یا قرض لینے والے کی طرف سے تو یہ "ربوا" ہوگا۔

بینک میں کھلا اکاؤنٹ:

جس کھاتہ کا نام بنک میں مضاربت رکھا ہوا ہے اگرچہ اس میں مضاربت کی تمام شرائط تو نہیں پائی جاتیں، لیکن نفع مقرر نہیں ہوتا بلکہ ہر چھ ماہ کے بعد بنک والے اعلان کرتے ہیں کہ اتنی مقدار میں اس پر نفع لگا دیا گیا ہے۔

اس میں کھلے کھاتے کو قرض کا درجہ ہی دیا جائے کہ قرض دینے والے نے اس پر کوئی نفع مقرر نہیں کیا اور قرض لینے والے بنک نے اپنی مرضی سے اس پر نفع دے دیا۔

اس وقت ایمانداری کی علامت کہیں خال خال نظر آتی ہیں نفع ونقصان کے طور پر مضاربت کا بھی وہی حشر ہوگا جو تجارتی حصص خریدنے والوں کا ہوتا ہے جو آئے دن "مندہ حال ہے" کی خبر سنتے ہیں۔ (راقم)

یہ مسئلہ ضمناً بیان کر دیا گیا ورنہ ابھی حدیث پاک کی وضاحت جاری ہے۔

Marfat.com

حدیث پاک میں ذکر ہے ''وساق الحدیث بقصتہ'' کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے واقعہ کے ساتھ حدیث پاک کو بیان کیا ان کا واقعہ دوسری روایت میں ذکر ہے، کہ جب ان کا اونٹ ٹھیک ہوگیا اور تیز چلنے لگا۔

''قال فقلت لہ یا رسول اللہ انی عروس فاستاذنتہ فاذن لی فتقدمت الناس الی المدینۃ حتی انتھیت فلقینی خالی فسألنی عن البعیر فاخبرتہ بما صنعت فیہ فلامنی فیہ قال وقد کان رسو ل اللہ ﷺ قال لی حین استأذنتہ ماتزوجت ابکرا ام ثیبا فقلت لہ تزوجت ثیبا قال افلا تزوجت بکرا تلاعبھا وتلاعبک فقلت لہ یا رسول اللہ ﷺ توفی والدی اواستشھد ولی اخوات صغار فکرھت ان اتزوج الیھن مثلھن فلاتئودبھن ولا تقوم علیھن فتزوجت ثیبا لتقوم علیھن وتؤد بھن''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ بیشک میری نئی نئی شادی ہوئی ہے (یہ کہہ کر) میں نے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے مجھے (آگے آگے جانے کی) اجازت دے دی، میں سب لوگوں سے پہلے مدینہ طیبہ میں پہنچ گیا، تو مجھے میرے ماموں ملے تو انہوں نے اونٹ کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ اونٹ تو میں نے بیچ دیا ہے، تو انہوں نے مجھ پر ملامت کی۔ان کے ملامت کرنے کی وجہ یہ تھی

''ولم یکن لنا ناضح غیرہ'' (اس اونٹ کے بغیر ہماری اور کوئی سواری نہیں تھی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تھی تو آپ نے مجھ سے پوچھا کیا شادی باکرہ عورت سے کی ہے یا ثیبہ سے؟ میں نے عرض کیا ثیبہ سے شادی کی ہے۔

آپ نے فرمایا باکرہ سے شادی کیوں نہیں کی کہ تم اس سے کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد شہید ہوگئے اور میری بہنیں چھوٹی ہیں، میں نے یہ ناپسند سمجھا (مناسب نہیں سمجھا) کہ میں ان جیسی ہی سے شادی کرلوں جوان کو نہ ادب سکھا سکے اور نہ ہی ان کے معاملات درست کرسکے۔حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کی سخاوت اور علم بھی واضح ہوگئے کہ آپ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حقیقی حالات سے مطلع ہوگئے کہ ان کے پاس مال

Marfat.com

نہیں، اسی وجہ سے اونٹ خریدا، مقرر قیمت سے زائد قیمت عطاء فرمائی اور اس پر زیادتی بھی دی پھر کمال سخاوت سے اونٹ بھی واپس کر دیا۔

اعتراض: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان کو کہا کہ یہ اونٹ مجھ پر بیچ دو تو انہوں نے کہا

"فبعته علی ان لی فقار ظهره حتی ابلغ المدينة"

میں نے یہ آپ پر بیچ دیا اس شرط پر کہ مدینہ طیبہ میں پہنچنے تک مجھے اس پر سواری کا حق حاصل ہو۔

(خیال رہے "فقار" کا لغوی معنی "جوڑ اور مفاصل" یہاں "فقار ظهره" کا معنی پیٹھ کے اوپر حصہ") یہ شرط فاسد ہے، شرط فاسد سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، تو نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس شرط فاسد کو کس طرح قبول کر لیا۔

جواب: عقد میں کوئی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ عقد کے بعد مدینہ طیبہ تک سوار ہونے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے اجازت دے دی۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ "فقار ظهره" کا معنی "لمعات" میں "عاریت" بیان کیا گیا ہے تو اب مطلب واضح ہو جائے گا کہ میں نے وہ اونٹ بیچ دیا کہ مجھے عاریۃ مدینہ طیبہ تک سوار ہونے کی اجازت عطاء فرمائیں۔

پھر زیر بحث حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خود اجازت فرمانے کا تذکرہ ہے،

☆ عن ابی رافع ان رسول الله ﷺ استسلف من رجل بكرا فقدمت عليه ابل من الصدقة فامر ابا رافع ان يقضی الرجل بكره فرجع اليه ابو رافع فقال لم اجد فيها الا خيارا رباعيا فقال اعطه اياه ان خيار الناس احسنهم قضاء"

(مسلم ج ۲ ص ۳۸ باب الربوٰ)

ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے ایک اونٹ نوجوان لیا جب آپ کے پاس اونٹ آئے تو آپ نے ابو رافع کو کہا جاؤ اس شخص کو اسی کے اونٹ کے مطابق

Marfat.com

نوجوان اونٹ دے دیں، ابو رافع اونٹوں کو دیکھ کر واپس آ گئے عرض کیا یا رسول اللہ ان اونٹوں میں ''بکر'' (نوجوان) اونٹ نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ رباعی (چار دانت نکلے ہوئے) اونٹ موجود ہیں آپ نے فرمایا وہی ادا کر دو بیشک بہتر لوگ اپنا قرض اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔

وضاحت حدیث:

"وفیھا انہ یستحب لمن علیہ دین من قرض وغیرہ ان یردا جود من الذی علیہ وھذا من السنۃ ومکارم الاخلاق ولیس ھو من قرض جر منفعۃ فانہ منھی عنہ لان المنھی عنہ ما کان مشروطافی عقدالقرض"

اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ جس شخص نے قرض ادا کرنا ہو وہ اس سے اچھا، عمدہ واپس کرے تو یہ اس کیلئے مستحب ہے، بلکہ یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے، اس میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے قرض سے نفع حاصل کیا ہے۔ قرض سے نفع حاصل کرنا اس وقت منع ہے جب زیادہ لینے کی شرط لگا دی جائے اگر قرض دینے والا خوشی سے اپنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرض زیادہ یا عمدہ ادا کر دے تو یہ جائز ہے۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ صدقہ کا مال نہیں لیتے تھے تو آپ نے کس طرح ارشاد فرمایا کہ صدقہ کے اونٹوں سے اس شخص کو اس کے اونٹ کے مطابق دے دو، جبکہ آپ نے قرض اپنی ذات کیلئے لیا ہوا تھا۔

جواب: "انہ رسول اللہ ﷺ اقترض لنفسہ فلماجاء ت ابل الصدقۃ اشتری منھا بعیرا رباعیا ممن استحقہ فملکہ النبی ﷺ بثمنہ واوفاہ متبرعا بالزیادۃ من مالہ"

ہاں یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وہ قرض اپنی ذات کیلئے لیا تھا، جب صدقہ کے اونٹ آئے تو آپ نے صدقہ کے مستحق شخص سے رباعی اونٹ خرید لیا تھا، قیمت کی ادائیگی سے آپ اس کے مالک بن گئے آپ نے اپنے مال سے قرض دینے والے کو زیادہ دیا۔

Marfat.com

براہ راست آپ نے صدقہ کا مال نہیں لیا، بلکہ خریدا، صدقہ کا مال آپ کیلئے خریدنا جائز تھا، اور اگر آپ کو کوئی مستحق شخص صدقہ لے کر بطور ہبہ دیتا تو وہ بھی آپ کیلئے جائز تھا۔

"ویدل علیه ماذکرنا روایة ابی هریرة التی قد مناها ان النبیﷺ اشتروا له سنا"

ہمارے اس جواب کی تائید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت صراحۃ دلالت کر رہی ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کیلئے وہ اونٹ خریدا تھا۔ (نووی)

اعتراض: حیوان کو قرض لینے اور حیوان کی بیع سلم سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اور آپ نے خود حیوان بطور قرض کیسے لیا؟

جواب نمبر۱: جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ نے قرض اپنے لئے لیا تھا، اگر یہی صورت تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم پہلے کا ہے اور ممانعت والا حکم بعد کا ہے۔ (راقم)

جواب نمبر۲: "فالمراد به انه علیه السلام استعجل فی الصدقة ثم لم تجب الزکوة علی صاحبها فردها رباعیا"

اس سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ آپ نے ایک شخص سے صدقہ (زکوۃ) پہلے ہی لے لیا تھا، (مستحقین کی ضرورت کیلئے صدقہ لے لیا تھا) لیکن اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوئی تھی تو رباعی اونٹ اسے واپس دیا۔ (زیلعی)

جواب نمبر۳: "او استقرض لبیت المال لانه یجوز أن یثبت حق مجهول علی بیت المال کما یجب له حق مجهول"

اور ایک احتمال یہ ہے کہ آپ نے بیت المال کیلئے قرض لیا ہو تو بیت المال کیلئے مجہول حق کا ثابت کرنا جائز ہے جیسا کہ اس شخص کا مجہول حق ثابت کیا گیا۔ یعنی حیوان میں تعین نہیں ہوسکتا لیکن بیت المال کی ضرورت کیلئے حیوان بطور قرض لیا جاسکتا ہے اور اس سے اعلیٰ واپس دیا جاسکتا ہے۔ (زیلعی)

بیع کی تعریف:

Marfat.com

"مبادلة المال بالمال بالتراضی" مال کا تبادلہ مال سے جب دونوں طرف سے رضاءمندی پائی جائے غصب میں رضاءمندی نہیں لھذا وہ بیع نہیں۔ اگر ایک چیز شرعاً مال ہی نہیں تو اس کی بیع جائز نہیں جیسا کہ خنزیر، شراب کی بیع مسلمان کیلئے جائز نہیں کیونکہ شریعت میں مسلمان کیلئے یہ مال نہیں۔

رضاءمندی کیلئے عقل وتمیز بھی ضروری ہے۔ اس لئے پاگل کی بیع جائز نہیں، بہت چھوٹے کی بیع جائز نہیں ہاں جب سات سال کا ہو جائے تو وہ اگر بیع کرے اور ولی اجازت دے دے تو جائز ہے اور ولی اجازت نہ دے تو وہ بیع ٹوٹ جائے گی۔ مال کا مال سے تبادلہ اسی وقت ہو سکے گا جب ایجاب وقبول پایا جائے۔

پہلا کلام جس کا ہو وہ ایجاب ہے اور دوسرا قبول ہے، جب کوئی یہ کہے یہ چیز میں نے بیچ دی اور دوسرا کہے میں نے خریدی، یا کوئی یہ کہے یہ چیز میں خرید لی اور دوسرا کہے اچھا میں نے یہ چیز بیچ دی۔ ان میں سے پہلا کلام ایجاب ہے اور دوسرا قبول ہے۔ اگر دلالت سے ایجاب وقبول پایا جائے تو پھر بھی بیع جائز ہوگی، جیسا کہ بیچنے والے نے چیزوں کی قیمتیں مقرر کر رکھی ہیں اور خریدنے والے نے پیسے رکھ دئے اور چیز اٹھا کر لے آیا یہ بیع جائز ہے، اسے فقہی اصطلاح میں "بیع التعاطی" کہا جاتا ہے۔

فضولی کی بیع:

جس شخص کو بیچنے کا نہ ہی وکیل بنایا گیا اور نہ ہی وہ مالک ہے اور نہ وہ خود خریدار ہے یعنی اجنبی شخص کسی کی چیز بیچ دے اس سے اجازت نہیں لی تو مالک نے اگر اجازت دے دی تو بیع جائز ہے اگر اجازت نہیں دی تو بیع ٹوٹ جائے گی۔ یہی حکم ہے کہ اجنبی نے کسی کیلئے کوئی چیز خرید لی تو اس شخص نے کہا ٹھیک ہے مجھے منظور ہے تو بیع ہوگئی اور اگر اس نے کہا مجھے منظور نہیں تو بیع ٹوٹ گئی۔

ایک صحابی کی بیع پر نبی کریم ﷺ کی دعاء:

"عن عروة البارقی ان النبی ﷺ دفع دینارا الیه یشتری به شاة فاشتری شاتین وباع

Marfat.com

احدھما بدینار وجاء بشاۃ ودینار فقال بارک اللہ لک فی صفقۃ یمینک فکان لو اشتری ترابا ربح فیہ" (رواہ ابو دؤاد والترمذی وابن ماجۃ والدارقطنی)

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے ایک دینار ان کو دیا کہ اس سے ایک بکری خرید کرلاؤ، تو انہوں نے ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں، پھر ایک بکری ایک دینار سے بیچ دی، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بکری اور دینار پیش کیا (آپ نے ماجرا سن کر) فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دائیں ہاتھ کے سودے میں برکت عطاء فرمائے، اس کے بعد اگر انہوں نے مٹی بھی خریدی تو اس میں بھی ان کو نفع ہوا۔

حضرت عروہ دوسری بکری خریدنے میں اور دو میں سے ایک کو بیچنے میں فضولی کی حیثیت میں تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے جب اس کے سودے کو قبول فرمالیا، بلکہ اسے پسند فرماتے ہوئے ان کیلئے دعاء برکت کی تو بیع جائز ہوگئی نبی کریم ﷺ کی دعا کا کیا خوب اثر تھا کہ کسی خوش قسمت کے کے لئے دعاء فرمادی تو زندگی بھر اسے نفع حاصل ہوتا رہا، جیسا کہ حضرت عروہ بارقی کو ہر سودے میں نفع ہوتا رہا۔

مال کی دو قسمیں:

جب یہ واضح ہوگیا کہ بیع میں مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے تو اس لحاظ پر مال کی دو قسمیں ہو گئیں۔

(۱) ایک قسم وہ جو مقصود بذاتہ ہو، یعنی اس سے اس کی صورت اور مالیت دونوں ہی مقصود ہوں اسے "عین" کہا جاتا ہے

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو مقصود بذاتہ نہ ہو بلکہ پیدائشی طور پر غیر کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہو، وہ ہیں نقدین یعنی سونا اور چاندی۔

مال کے لحاظ پر بیع کی چار قسمیں ہیں:

(۱) عین چیز کی بیع نقد سے، عام طور پر جب بھی مطلقاً بیع کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی بیع ہوتی ہے۔ اس میں عین چیز مبیع ہوگی (جسے بیچا جارہا ہو اسے مبیع کہا جاتا ہے) اور نقد ثمن ہوں گے۔

Marfat.com

مبیع کا موجود اور معین ہونا ضروری ہے، کیونکہ مبیع عین چیز ہے جو صورت اور مالیت کے لحاظ پر مقصود لذاتہ ہے، اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

"عن ابن عمر ان النبی نهی عن بیع الکالی بالکالی" (روه الدارقطنی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا، یعنی غیر موجود چیز کی بیع سے منع فرمایا۔

چونکہ ثمن کا موجود ہونا اور معین ہونا ضروری نہیں بلکہ خریدار کے ذمہ ثمن کا ہونا ضروری ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمن کی صورت مقصود نہیں ہوتی ہے کیونکہ ثمن غیر مقصود لذاتہ ہے۔

اگر چہ قیاس یہ تھا کہ ثمن کے موجود ہونے کو بھی لازم کیا جاتا کیونکہ معدوم چیز مال نہیں ہوتی، لیکن شریعت نے لوگوں سے حرج کو دور کرتے ہوئے اس شرط کو اٹھا دیا ہے۔ البتہ خریدار کے ذمہ ثمن کو واجب کر دیا گیا ہے، چونکہ عام لوگ ادھار پر کسی چیز کو خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں اس لئے ثمن کے موجود ہونے کی شرط کو اٹھانا ضروری کر دیا گیا، سبحان اللہ شریعت نے کتنی آسانیاں پیدا کر دی ہیں، البتہ ثمن کی جنس اور قدر اور صفت کا معلوم ہونا ضروری ہے، درہم یا دینار کو مقرر کرنا، اتنی مالیت اور اتنے وزن کے دراہم یا دنانیر ہوں گے پھر وہ جن کو بیت المال بھی قبول کرے گا، یا صرف تاجر حضرات قبول کریں گے بیت المال قبول نہیں کرے گا۔

پھر اگر کوئی چیز ادھار پر خریدی ہو تو ضروری ہے کہ وقت مقرر کرے کہ فلاں وقت میں رقم ادا کروں گا تا کہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا واقع نہ ہو۔

☆ "عن عائشة رضی الله عنهما قالت اشتری رسول الله ﷺ من یهودی طعاماالی اجل ورهنه درعاله من حدید" (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے طعام خریدا اسے وقت مقرر پر پیسے ادا کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ بطور رہن رکھی۔

☆ "وعن عائشة قالت توفی رسول الله ﷺ ودرعه مرهونة عند یهودی

Marfat.com

بثلاثین صاعامن شعیر" (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ کی زرہ یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی۔

اسی طرح مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ذکر کی گئی ہے، اور ترمذی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔

"وانعقد الاجماع علی اشتراط تعیین المبیع دون الثمن و کون الثمن معروفا"

اجماع منعقد ہے اس پر کہ مبیع کا میں ہونا ضروری ہے اور ثمن کا معین ہونا تو ضروری نہیں البتہ اس کی جنس اور مقدار اور صفات کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

(۲) بیع کی دوسری قسم یہ ہے کہ مال کی بیع مال سے کی جائے اس کو فقہی اصطلاح میں "متایضہ" کہا جاتا ہے جب دونوں بدل ذوات القیم سے ہوں تو ہر ایک کو مبیع کا درجہ حاصل ہوگا اس لئے دونوں کا موجود ہونا اور معین ہونا ضروری ہے۔

جب ایک بدل ذاوت امثال سے ہو اور دوسرا ذوات قیم سے ہو تو جو ذوات قیم سے ہے وہ مبیع ہوگا اس کا موجود ہونا اور معین ہونا ضروری ہے۔ اور جو ذوات امثال سے ہوگا وہ ثمن ہوگا اس کا موجود ہونا اور معین ہونا ضروری نہ ہوگا البتہ جنس اور مقدار اور وصف کا مشہور ہونا ضروری گا۔ اور جب دونوں ہی ذوات امثال سے ہوں تو ایک کو مبیع اگر معین کرلیا تو اس کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ اور اگر کسی ایک کو مبیع معین نہیں کیا تو دونوں کو مبیع کا درجہ دیا جائے گا اور ہر ایک کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی اس کی تائید کر رہا ہے'

'قال رسول اللہ ﷺ اذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب دو جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح تم چاہو بیچو جبکہ (سودا) ہاتھ بہاتھ ہو۔

خیال رہے:

Marfat.com

ذوات امثال ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو مکیلی ہوں یا موزونی ہوں مکیلی جیسے گندم، جو وغیرہ اور موزونی جیسے سونا اور چاندی اور لوہا وغیرہ

(۳) تیسری قسم وہ بیع ہے کہ نقد کی بیع نقد سے ہو جسے سونے کی سے، یا چاندی کی بیع چاندی سے ،یا سونے اور چاندی کی بیع ایک دوسرے سے۔اس بیع کو فقہی اصطلاح میں ''بیع صرف'' کہا جاتا ہے۔اس بیع میں دونوں جہاں ثمن ہیں وہاں مبیع بھی ہیں، لھذا ہر ایک کا مجلس میں موجود ہونا اور معین ہونا ضروری ہے، بلکہ دونوں بدل کا مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نقد کا تعین قبضہ کرنے سے ہوتا ہے کیونکہ قبضہ کرنے کے بعد اسے تبدیل کرنا جائز نہیں ہوتا، جو صرف معین کرنے سے ''کہ یہ درہم یا یہ دینار تمہارے ہیں'' معین نہیں ہوتا کیونکہ معین کرنے کے باوجود قبضہ سے پہلے درہم یا دینار کو تبدیل کرنا جائز ہوتا ہے۔

(۴) چوتھی قسم بیع کی یہ ہے ثمن پہلے دے دیئے جائیں اور مبیع بعد میں لیا جائے ، اسے فقہی اصطلاح میں بیع سلم کہا جاتا ہے، قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو لیکن شریعت نے مساکین کی حاجت کو دور کرنے کیلئے اسے جائز قرار دیا ہے۔بیع سلم کی مکمل تعریف اور شرائط انشاء اللہ آنے والے رکوع میں آئیں گی۔ (ماخوذ از مظہری)

ربوا سے بچنے کا طریقہ:

"عن ابی هريرة وابی الخدری قالا قال رسول الله ﷺ بعث اخابنی عدی الانصاری استعمله علی خيبر فقدم بتمر جنيف فقال له رسول الله ﷺ اكل تمر خيبر هكذا قال لا والله يارسول الله انا نشتری الصاع بالصاعين من الجمع فقال رسول الله ﷺ لاتفعلوا ولكن مثلا بمثل او بيعوا هذا واشتروا بثمنه من وكذا الميزان"

(مسلم ج ۲ ص ۳۴ باب الربوا)

حضرت ابو ہریرہ وابو سعید خدری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بنو عدی انصاری کے بھائی کو خیبر میں عامل بنا کر بھیجا تو وہ اعلیٰ قسم کی کھجوریں لائے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا خیبر کی

Marfat.com

ساری کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا ''نہیں'' قسم ہے اللہ کی یا رسول اللہ۔ بیشک ہم ایک صاع دوصاع گھٹیا کھجوروں کے بدلے خریدتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو، برابر بیچو یا اسے بیچ دو اور اس کے ثمن کے بدلے دوسری خریدلو، وزن وہی ہو جائے گا۔

''الجنيب جيم مفتوحة ثم مشناة تحت ثم موحدة وهو نوع من التمر من اعلاه''

''جنیب'' کے لفظ میں جیم مفتوح اور نون مکسور اور اس کے بعد یاء اور اس کے بعد یاء ہے جس کا معنی ہے ''اعلیٰ، عمدہ کھجور''

''والجمع بفتح الجيم واسكان الميم وهو تمر ادى''

لفظ ''الجمع'' میں جیم مفتوح اور نون ساکن ہے جس کا معنی ہے ردی کھجوریں۔

''وقد فسره فى المرواية الاخيرة بأنه الخلط من التمر ومعناه مجموع من انواع مختلفة''

ان روایات میں سے بعد میں آنے والی روایت ''الجمع'' کا معنی کیا گیا ہے مختلف کھجوروں کا مل جل جانا۔ وہ روایت یہ ہے:

''عن ابى سعيد قال كنا نرزق تمر الجمع على عهد رسول الله ﷺ وهو الخلط من التمر فكنا نبيع صاعين بصاع فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال لا صاعى تمر بصاع ولا صاعى حنطة بصاع ولا درهم بدرهمين''

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں " الجمع' (گھٹیا، ردی) کھجوریں حاصل ہوتیں، یہ وہ کھجوریں ہوتیں جو مختلف ملی جلی ہوتیں، ہم یہ گھٹیا کھجوریں دوصاع دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں حاصل کر لیتے تھے، جب یہ خبر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ نے فرمایا دوصاع کھجور کا سودا ایک صاع کھجور سے اور دوصاع گندم کا سودا ایک صاع گندم اور دو درہم کا سودا ایک درہم سے نہ کیا کرو۔

یعنی اس حدیث میں راوی نے ملی جلی کھجوروں کو ''الجمع'' کہا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ خالص گھٹیا کھجوریں ہوں یا ملی جلی ہوں، دونوں پر ہی ''الجمع'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ عنوان کے مطابق نتیجہ واضح ہوا کہ ایک جنس کی چیز ایک گھٹیا ہو اور دوسری عمدہ ہو، تو جنس کا جنس سے سودا کرنا ہو تو برابر برابر بیچنا اور خریدنا ہوگا۔ زیادتی ربوا ہوگی جو شرعاً حرام

Marfat.com

ہے۔ہاں اس سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ گھٹیا چیز قیمت سے بیچ دے اور اعلیٰ چیز اسی رقم سے خرید لے تو یہ جائز ہے۔ جب گھٹیا چیز بیچے گا تو وہ چیز زیادہ جائے گی کیونکہ اس کی قیمت زیادہ ہے۔لھذا تناسب تقریباً ایک دوکا ہی حاصل رہے گا جبکہ قیمتوں میں اتنا ہی فرق ہو، ورنہ کمی وبیشی بھی ہو سکے گی۔ (ماخوذ از نووی)

ہر وہ بیع جس میں ربوا کا شبہ ہو وہ ناجائز ہوگی:

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے چند قسم کی بیع سے منع فرمایا۔

☆ عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة وعن الثنيا ورخص في العرايا" (رواه مسلم ومشكوة باب المنهى عنهامن البيوع)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ اور مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ اور استثنا سے منع فرمایا ہے اور عرایا میں رخصت دی

بیع محاقلہ کیا ہے؟

"والمحاقلة ان يبيع الرجل الزرع بمائة فرق حنطة"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے محاقلہ کی تعریف یہ بیان فرمائی ہے کہ کوئی شخص کھیتی کو مثال کے طور پر ایک سو فرق گندم کے بدلے بیچے۔

یعنی گندم کی کھیتی کو معین مقدار گندم سے بیچنا، جو کی کھیتی کو معین مقدار سے بیچنا، اسی طرح ہر قسم کی کھیتی کو اسی جنس کی معین مقدار سے بیچنا محاقلہ ہے۔اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔منع کرنے کی وجہ واضح نظر آرہی ہے کہ ایک جنس کا سودا اسی جنس سے ہو رہا ہے ایک طرف معین مقدار ہے اور دوسری طرف معین نہیں، اس میں ربوا کا احتمال ہے۔

بیع مزابنة :

"والمزابنة ان يبيع الرجل التمر فی رؤس النخل بمائة فرق"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کھجور کے درخت پر پھل کو ایک سو فرق کے بدلے

Marfat.com

بیچنا۔ یعنی کسی درخت پر پھل کو اسی جنس معین میں پھل سے بیچنا مزابنۃ ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

بیع مخابرۃ : "والمخابرۃ کراء الارض بالثلث والربع" (رواہ مسلم، مشکوۃ حوالہ مذکور)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مخابرہ یہ ہے کہ زمین تہائی یا چوتھائی کے بدلے کرائے پر دی جائے اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

اگر تہائی یا چوتھائی سے مراد زمین کا تہائی یا چوتھائی حصہ معین ہو تو اب بھی وہ منع ہے جیسے کوئی کہے یہ زمین تم نے کاشت کرنی ہے لیکن زمین کا فلاں تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ میرا ہے، اس کی پیداوار میری ہوگی یہ منع ہے، ہوسکتا ہے وہ ہی حصہ اعلیٰ اور زرخیز ہو، دوسرا حصہ ناقص ہو، کاشت کرنے والے کو کچھ حصہ بھی نہ ملے یا بہت ہی کم ملے تو اس لئے مخابرہ سے منع کیا گیا ہے۔ اور اگر تہائی یا چوتھائی حصہ پیداوار ہو جیسے آجکل مزارعت لوگ کر رہے ہیں تو یہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھما اللہ کے نزدیک جائز ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ نے اس سے منع فرمایا۔

"وصحت عند صاحبیہ وبہ یفتی لا حتیاج الناس الیھا" صاحبین کے قول پر ہی فتوی ہے کیونکہ لوگ اس بیع کے محتاج ہیں۔

بیع معاومہ :

"وھی مفاعلۃ من العام کا لمسانھۃ من السنۃ والمشاھرۃ من الشھر فی النھایۃ ھی بیع ثمر النخل او الشجر سنتین اوثلاثا فصاعدا قبل ان تظھر ثمارہ وھذاالبیع باطل لأنہ بیع مالم یخلق فھو کبیع الو لد قبل ا ن یخلق"

معاومہ اور مسانھہ کا اطلاق سال کیلئے جیسا کہ مشاہرہ کا اطلاق مہینہ کیلئے ہوتا ہے، یعنی بیع معاومہ یہ ہے کہ کھجور یا کسی اور درخت کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے ایک یا دو یا تین سال کیلئے بیع کر دی جائے یہ بیع اسی وجہ سے باطل ہے کہ پیداوار سے پہلے بیع کی جا رہی ہے جو منع ہے۔ جس طرح کسی جانور کے بچے کی بیع اس کے پیدا ہونے سے پہلے منع ہے۔

Marfat.com

الثنیا: "قال محی السنة الثنیا ان یبیع ثمر حائط ویستثنی منه جزأغیر معلوم القدر فیفسد لجهالة المبیع"

محی السنة رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "الثنیا" کا مطلب یہ ہے کہ باغ کا پھل بیچے اور غیر معلوم حصہ علیحدہ کرلے کہ اس میں سے کچھ حصہ میرا ہے تو یہ منع ہے کیونکہ مبیع کی مقدار معلوم نہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس کا دسواں حصہ، چوتھا حصہ وغیرہ میرا ہے تو یہ جائز ہے، کیونکہ مبیع معلوم ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ باغ کا پھل بیچ کر معین مقدار میں مستثنیٰ بھی نہیں کرسکتا کہ یہ کہے کہ اس باغ کے پھل میں دس من یا بیس من پھل میرا ہے۔ یہ اس لئے ناجائز ہے کہ ہوسکتا ہے پھل ہی اتنا لگے جو اس نے اپنے لئے حکما علیحدہ کرلیا ہے۔

عرایا: یہ جائز ہے حقیقت میں عرایا بیع ہی نہیں بلکہ ایک شخص کسی دوسرے کو اپنے باغ سے کچھ درخت پھل حاصل کرنے کیلئے دیتا ہے کہ ان درختوں کا پھل تم توڑ کر خود استعمال کرلینا۔ پھر اس شخص کے باغ میں اپنے اہل وعیال کی وجہ سے آنے کو باعث تکلیف سمجھ کر اندازہ لگا کر کہ درختوں پر اتنا پھل ہوگا وہ اس شخص کو اتنی معین، مقدار میں پھل دے دیتا ہے۔ پہلے درختوں کا پھل بھی عطیہ ہی تھا، ان کی مقدار توڑا ہوا پھل بھی عطیہ ہی ہے، ظاہر کو دیکھ کر بیع کہہ دیا گیا ہے۔

جس بیع میں دھوکا پایا جائے وہ ناجائز ہے:

"عن ابی هریرة قال رسول اللهﷺ عن بیع الوصاة وعن بیع الغرر"

(مسلم ج ۲ ص ۱۰ کتاب البیوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینکنے اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔

زمانہ جاہلیت میں کنکری پھینکنے کی بیع کے تین طریقے تھے:

(۱) "احدها ان یقول بعتک من هذه الاثواب ماوقعت علیه الحصاة التی ارمیها

Marfat.com

او بعتک من هذه الارض من هنا الی ما انتهت هذه الحصا ۃ "
ایک ان میں سے یہ تھا کہ بیچنے والا یہ کہتا کہ ان کپڑوں میں تم پر ایک کپڑا بیچ رہا ہوں۔ میں کنکری پھینکتا ہوں جس پر میری کنکری لگی وہ کپڑا تمہارا ہوگا یا یہ کہتا کہ میں کنکری پھینک رہا ہوں یہاں سے، جہاں میری کنکری پہنچے گی تو یہاں سے وہاں تک زمین تمہاری ہوگی۔

(۲) " والثانی بعتک علی انک بالخیار الی ان ارمی بهذه الحصاة "
ان میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ بیچنے والا کہتا کہ بیشک میں تم پر یہ چیز بیچ رہا ہوں اور تمہیں واپس کرنے کا اختیار بھی دے رہا ہوں لیکن یہ اختیار تمہیں اس وقت تک حاصل ہوگا، جس وقت تک میں کنکری نہ پھینکوں، جب میں کنکری پھینک دوں تمہارا اختیار ختم ہوجائے گا۔

(۳) "والثالث ان یجعلا نفس الرمی بالحصاة فیقول اذا رمیت هذا الثوب بالحصاة فهو مبیع منک هکذا"
ان میں سے تیسری قسم یہ تھی کہ وہ دونوں کنکری پھینکنے کو بیع سمجھتے۔ بیچنے والا کہتا جب میں کنکری کے ساتھ یہ کپڑا تمہاری طرف پھینکوں تو یہ تمہارا ہوجائے گا، ان تمام بیوع میں دھوکا پایا جاتا ہے اور احکام شرع سے عدولی پائی جاتی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے پر اس بیع سے منع فرمایا جس میں دھوکا پایا جائے۔ یہ درحقیقت ایک بہت بڑا ضابطہ ہے جس کے مطابق بہت سی بیوع ناجائز ہوجائیں گی۔ جیسا کہ معدوم کی بیع ناجائز ہے یعنی جو چیز موجود ہی نہیں اس کی بیع ناجائز ہے۔ مجہول چیز کی بیع منع ہے کہ جس چیز کی بیع کرنے ہے اس کی جنس وصفات وغیرہ معلوم ہونا ضروری ہے۔

جانوروں کے تھنوں میں ہی دودھ کی بیع منع ہے، کیوں کہ تھن میں دودھ کتنا ہے معلوم نہیں ہوسکتا۔ کسی جانور کے حمل کی بیع اس کے پیٹ میں ناجائز ہے، اسلئے کہ یہ معلوم نہیں کہ حمل ہے یا نہیں، پھر وہ مذکر ہے یا مؤنث، پھر اس نے زندہ پیدا ہونا ہے یا مردہ۔ مچھلی کی بیع پانی میں ناجائز ہے، اسلئے کہ جب تک مچھلی پانی ہے اس کا کوئی مالک نہیں، ہاں البتہ کسی نے اپنے حوض میں مچھلیاں پال رکھی ہیں تو ان کی بیع جائز ہے۔ اس طرح کی کئی مثالیں فقہی کتب میں دی گئی

Marfat.com

ہیں جن میں بیع کو دھوکے کی وجہ سے ناجائز کیا گیا ہے۔ (ماخوذ از نووی)

☆ ”عن ابی هريرة انه قال نهى عن بيعتين الملامسة والمنابذة اما الملامسة فان يلمس كل واحد منهما ثوب صاحبه بغير تأمل والمنابذة ان ينبذ كل واحد منهما ثوبه الى الأخر ولم ينظر واحد منهما الى ثوب صاحبه“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو قسم کی بیع سے منع کیا گیا ایک ”بیع ملامسہ“ سے اور دوسری ”بیع منابذہ“ سے۔ ملامسہ بیع یہ تھی کہ ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو بغیر کسی سوچ کے چھوتا تو وہ بیع ہو جاتی اور بیع منابذہ یہ تھی کہ ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینک دیتا اور کوئی ایک اپنے صاحب کے کپڑے کو دیکھتا نہیں تھا اسی کو بیع سمجھ لیا جاتا تھا۔ غرضیکہ کہ ملامسہ کی ایک صورت یہ تھی کہ صرف کپڑے کو چھو لینے سے بیع ہو جاتی، یعنی جس کپڑے کو ہاتھ لگ گیا وہی مبیع بن گیا اور دوسری صورت یہ تھی کہ کپڑا لپیٹ کر دوسرے کی طرف پھینکا جاتا تھا جب اس کا ہاتھ لگ جاتا تو یہ بیع ہو جاتی پھر اسے کوئی اختیار نہیں رہتا تھا۔

منابذہ کی بھی دو ہی صورتیں تھیں:

”احدها ان يجعلانفس النبذ بيعا وهوتاويل الشافعي رحمه الله“

ان میں سے ایک صورت یہ تھی کہ کوئی چیز دوسرے کی طرف پھینک دی جاتی تھی کہ یہ میں تم پر بیچ رہا ہوں، صرف چیز کو پھینکنا ہی بیع بن جاتا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے منابذہ کی یہی تعریف فرمائی، ہمارے احناف کے نزدیک بھی یہ صورت منع ہے۔

”والثانی ان يقول بعتک فاذانبذته اليک انقطع الخيار ولزم البيع“

اور دوسری قسم یہ تھی کہ وہ شخص کہتا یہ چیز میں تم پر بیچ رہا ہوں، جب میں تمہاری طرف پھینک دوں گا تو تمہارا اختیار ختم ہو جائے گا، بیع لازم ہو جائے گی۔ (از نووی)

Marfat.com

پہلی اور دوسری صورت میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں اختیار کے ختم ہونے کا ذکر نہیں کیا گیا اور دوسری صورت میں اختیار کے ختم ہونے کا ذکر ہے۔

مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا حرام ہے:

"عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا يبيع بعضكم على بيع بعض "(مسلم ج ۲ ص ۱۱ کتاب البیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بعض تمہارا بعض کی بیع پر بیع نہ کرے۔

بھائی کی بیع پر بیع کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی، خریدار نے تین دنوں کا اختیار رکھ لیا ہے تو دوسرا شخص آ کر اسے یہ کہے:

"وانا ابيعك مثله بأرخص من ثمنه أو اجود منه بثمنه ونحو ذلك وهذا حرام"

میں تمہیں ایسی ہی چیز اس قیمت سے سستی دوں گا یا یہ کہے تمہیں اسی قیمت ہر عمدہ چیز دوں گا، تم اس سے بیع کو توڑ دو مجھ سے خریدلو، یہ حرام ہے۔

"ويحرم ايضا الشرى على شرى أخيه" اسی طرح مسلمان بھائی کی خریداری پر خریداری حرام ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والے نے تین دنوں کا اختیار رکھا تو اسے دوسرا شخص آ کر کہے تم اس شخص سے یہ چیز واپس لے لو میں تم سے مہنگی خریدلوں گا۔ (نووی)

☆ "عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال لايسم المسلم على سوم المسلم"

(مسلم ج ۲ ص ۱۱ کتاب البیوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے (یعنی سودا نہ کرے)۔

"وهذا حرام بعد استقرار الثمن واما السوم فى السلعة التى تباع فيمن يزيد فليس بحرام"

سودے پر سودا اس وقت حرام ہو گا جب ان دونوں کے درمیان قیمت طے ہو گئی، اگر اس نے قیمت کو بڑھانے کے لیے بیچنے والی چیز کی بول لگا دی کہ جو زیادہ قیمت دے گا تو اسے میں یہ چیز

Marfat.com

دوں گا تو اس صورت میں ایک شخص کی قیمت لگانے پر دوسرا قیمت زیادہ لگا دے تو یہ جائز ہے۔

(نووی)

﴿لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ کی وضاحت میں حدیث شریف دیکھیں جس میں نبی کریم ﷺ کی بیع کا ذکر موجود ہے۔

کسی چیز کو بیچنے کیلئے دودوھ نہ دوہنا ناجائز ہے۔

"عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ نهی عن التصرية" (مسلم ج۲ص ۱۱ ابحذف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیچنے کی غرض سے دودھ نہ دوہنے سے منع فرمایا ہے۔

"التصرية ان يربط اخلاف الناقة او الشاة ويترک حلبها اليو مين والثلاثة حتى يجتمع لبنها فيزيد مشتر يها في ثمنها بسبب ذلک لظنه انه عادة لها"

"تصریۃ" کا مطلب یہ ہے کہ اونٹنی، بکری وغیرہ کا دودھ دو یا تین دن نہ دوہنا تا کہ دودھ تھنوں میں جمع ہو جائے اور خریدار کو زیادہ نظر آئے اور وہ قیمت زیادہ دے دے، یہ زمانہ جاہلیت کی عادت تھی جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ (افسوس کہ یہ آج جوں کی توں جاری ہے)

"اعلم ان التصرية حرام سواء تصرية الناقة والبقرة والشاة والجارية والفرس والاتان وغيرها لانه غش وخداع"

اس طرح دودھ نہ دوہنا حرام ہے کیونکہ اس میں خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے، یہ حکم عام ہے خواہ اونٹنی ہو یا گائے یا بکری، بھیڑ یا لونڈی یا گھوڑی ہو یا گدھی ہو، اس لئے کہ بعض جانوروں میں دودھ کے زیادہ ہونے کو اس لئے پسند کیا جاتا ہے کہ زیادہ دودھ حاصل ہوگا جس سے زیادہ گھی حاصل ہوگا اور بعض میں دودھ کی زیادتی اس لئے پسند کی جاتی ہے کہ اس کے بچے موٹے تازے ہوں گے۔

"وان التدليس بالفعل حرام كالتدليس بالقول" کسی کام میں بناوٹ، ملاوٹ اور دھوکا بازی اسی طرح حرام ہے جس طرح بات میں جھوٹ کی آمیزش حرام ہے۔ (از نووی)

Marfat.com

دلالی حرام ہے:

"عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ نھی عن النجش" (مسلم ج۲ ص ۱ : کتاب البیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے دلالی سے منع فرمایا۔

"واما النجش فبنون مفتوحۃ ثم جیم ساکنۃ ثم شین معجمۃ وھو ان یزید فی ثمن السلعۃ لالرغبۃ فیھا بل لیخدع غیرہ ولغیرہ لیزید ویشتریھا وھذا حرام بالاجماع"

"نجش" کا مطلب ہے کہ ایک شخص صرف قیمت کو بڑھائے، وہ چیز لینا اس کا مقصود نہیں، وہ خریدار کو دھوکا دینا چاہتا ہے اور بیچنے والے کو نفع پہنچانا چاہتا ہے۔

"وقال ابن قتیبۃ اصل النجش الختل وھوا الخداع ومنہ قیل للصائد ناجش لأنہ یختل الصید ویحتال لہ"

ابن قتیبہ کہتے ہیں اصل میں "نجش" کا معنی ہی دھوکا دینا ہے، "نجش" کا مترادف لفظ "ختل" ہے، اسی وجہ سے شکار کرنے والے کو "ناجش" کہا جاتا ہے کہ وہ شکار پکڑنے کا حیلہ کرتا ہے اور اسے دھوکے سے قتل کر دیتا ہے یا پکڑ لیتا ہے۔

"نجش" کو ہماری اصطلاح میں "دلالی" کہا جاتا ہے جو عنوان میں اور ترجمہ میں زکر کیا گیا ہے، عام طور پر منڈیوں میں آڑھتیوں نے کچھ لوگ خریدے ہوئے ہوتے ہیں وہ ان خریدے ہوئے ایجنٹ لوگوں کو دوسروں کو دھوکہ دینے کی وجہ سے پیسے دیتے ہیں۔ ان کا کام بولی میں دوسروں سے رقم بڑھا کر پیش کرنا ہوتا ہے، دوسروں کو پھنسانا ان کا کام ہوتا ہے وہ خود خریدار نہیں ہوتے۔

پراپرٹی ڈیلرز:

ایک طریقہ پراپرٹی ڈیلرز حضرات کا یہ ہے کہ وہ مالک کی بتائی ہوئی رقم کے مطابق ہی خریدار کو بتاتے ہیں، اس میں کوئی جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی۔ وہ خریدار سے بھی کمیشن لیتے ہیں اور بیچنے والے سے بھی۔

Marfat.com

وہ حقیقت میں وکیل کی حیثیت میں ہوتے ہیں، اپنی بھاگ دوڑ، دفاتر کے کرائے، گاڑی کا خرچ اور کارندوں کی تنخواہ کیلئے انہوں نے مزدوری کی حد مقرر کررکھی ہے، وہ صاف ستھرا سودا کرتے ہیں، نہ ہی مالک کو دھوکا دیتے ہیں اور نہ ہی خریدار کو دھوکا دیتے ہیں۔ یہ طریقہ تو جائز ہے۔ ایک اور طریقہ یہ ہے کہ مالک کو کہنا کہ یہ مکان پانچ لاکھ کا بیچا جاسکتا ہے اس سے زائد کا کوئی خریدار نہیں ملتا اور خریدار کو کہنا کہ یہ مکان سات لاکھ کا مالک بیچنے پر آمادہ ہوا ہے۔ اس سے کم پر وہ رضاءمند نہیں۔ اس قسم کا سودا کرانا جھوٹ اور دھوکا بازی کیوجہ سے ناجائز ہے۔

ایک تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پراپرٹی ڈیلر مالک سے خود خرید لیتا ہے اور خریدار پر بیچ دیتا ہے۔ یہ نفع پر بیچنا جائز ہے جبکہ صحیح خرید وفروخت ہوجائے صرف دھوکا دینے کیلئے زبانی طور پر کلام کا تبادلہ نہ ہو خرید وفروخت کیلئے انتقال یا رجسٹری شرعاً ضروری نہیں۔ یہ ملکی قوانین ہوتے ہیں اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ہاتھ بہاتھ رقم دینا بھی ضروری نہیں زمیں یا مکان خرید لیا ایجاب وقبول ہوگیا شرعاً سودا ہوگیا، پراپرٹی ڈیلر اسکا مالک ہوگیا۔ رقم دینے کا جو وعدہ کیا اس وعدہ کے مطابق وہ رقم دے دے۔ پراپرٹی ڈیرل کو جب خریدار ملے تو اصل مالک سے بیان دلا کر خریدار کے نام انتقال اور رجسٹری کرادے۔ حقیقت میں سودا پراپرٹی ڈیلر اور خریدار کا ہی ہے کیونکہ پراپرٹی ڈیلر اس کو خرید کر مالک بن چکا تھا۔

اعتراض : نبی کریم ﷺ نے تو کسی چیز کو بغیر قبضہ کرنے کے بیچنے سے منع فرمایا پراپرٹی ڈیلرز مین یا مکان کو اپنے قبضہ میں نہیں کرتا بلکہ قبضہ تو مالک کا ہی ہوتا ہے تو کیسے جائز ہے۔ اس کے متعلق ارشاد مصطفوی ﷺ دیکھئے۔

☆ "وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعامافلایبیعه حتی یستوفیه وفی روایة ابن عباس حتی یکتاله" (بخاری ومسلم ،مشکوۃ باب المنهی عنهامن البیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے طعام خریدا تو اسے وہ نہ بیچے یہاں تک کہ اسے اپنے قبضہ میں کرلے، اور ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ کسی چیز کو اس وقت تک بیچنا منع ہے جب تک اس کا کیل نہ کرے (ماپ نہ لے)۔

Marfat.com

طعام کا ذکر تو مثال ہے، مراد تو اس سے ہر چیز کا حکم بیان کرنا ہے۔لہذا کسی چیز کو بھی بغیر قبضہ کے بیچنا منع ہے۔

جواب : "قوله ﷺ حتى يستوفيه اى يقبضه فدل الحديثان على عدم جواز البيع مالم يقبض وهو باطلاقه مذهب الشافعي ومحمد وقال مالك لايجوز في الطعام ويجوز فيما سواه وقال ابو حنيفة وابو يوسف يجوز في العقاروهو ظاهر مذهب احمد والدليل لهم ان ركن البيع صدرمن اهله في حمله ولا غررفيه لان الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول" (لمعات ،حاشیہ مشکوۃ ص۲۴۷)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی "حتى يستوفيه" اور دوسری روایت میں "حتى يكتاله" کا مطلب یہی ہے کہ "یہاں تک کہ قبضہ کرلے"

امام مالک رحمۃ اللہ کا تو موقف ہی اس میں یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چونکہ طعام کا ذکر کیا ہے، لھذا مراد طعام ہی ہے کہ طعام کی بیع میں قبض کرنے سے پہلے آگے بیچنا منع ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ اور امام محمد رحمۃ اللہ ان دونوں حدیثوں یعنی ابن عمر اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کی روایات کو مطلقا عموم پر رکھتے ہیں کہ ہر چیز کی خریداری پر پہلے قبضہ کرنا ضروری ہے، پھر بیچنا جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ (لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ امام محمد رحمہ اللہ اور امام محمد کے استاذ امام ابو یوسف رحمہ اللہ۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے استاذ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) شیخین یعنی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمھما اللہ فرماتے ہیں کہ غیر منقول چیز یعنی زمین اور مکان میں صرف سودا طے ہوجانا یعنی ایجاب وقبول کرلینا ہی قبضہ کرنا سمجھا جائے گا جب، بیچنے والا بیچنے کی اہلیت رکھتا ہو یعنی عاقل وبالغ ہو اور اس میں کوئی دھوکا نہ پایا جائے تو صرف سودا کرلینا قبضہ سمجھا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر منقول چیز کے ہلاک ہونے یعنی ضائع ہونے کا خطرہ کم ہوتا ہے، لیکن منقول چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

آج کل کے بیانہ کا طریقہ ناجائز ہے:

مکان یا زمین کا سودا ہوتا ہے، مثال کے طور پر پچاس ہزار روپے بیانہ دے دیا جاتا ہے کہ ایک ماہ تک مالک رجسٹری کرادے گا اور خریدار رقم دے دے گا۔ اگر خریدار رقم مقرر میعاد تک نہیں دے گا تو بیانہ ضبط کرلیا جائے گا۔ اور

Marfat.com

مالک اگر مقرر میعاد تک رجسٹری نہیں کرائے گا تو وہ دوگنا بیانہ واپس کرے گا۔

یہ دونوں صورتیں ناجائز ہے، بغیر کسی عوض کے بیانہ ضبط کرنا یا دوگنا وصول کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ دلیل قائم کی جا سکتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دھوکے سے بچنے کیلئے ایسا کر رہے ہیں۔ تو اس کے متعلق شرعی قوانین موجود ہیں، یا تو سودا کرے نقد رقم سے، ادھر رقم دے اور ادھر چیز لے۔ یا بیانہ دے اور اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھ لے۔ غیر شرعی قوانین کیلئے کوئی حیلہ کوئی حجت قابل قبول نہیں۔

تلقی جلب منع ہے:

جب شہر کے لوگ غلہ کے محتاج ہوں۔ ایک شخص کو پتہ چلا کہ باہر سے کوئی قافلہ، کوئی تاجر غلہ لا رہا ہے تو یہ آگے بڑھ کر ان سے غلہ خریدے اور شہر کے ضرورتمند لوگوں کو مہنگا بیچے یہ ہے "تلقی جلب" جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ آپ کے ارشاد کے مختلف الفاظ ہیں، سب کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے:

☆ عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ نهى ان يتلقى السلع حتى تبلغ الاسواق "

(مسلم ج ۲ ص ۱۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر سامان (غلہ) کی ملاقات کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ غلہ بازار میں پہنچے دیا جائے۔

☆ عن عبدالله عن النبى ﷺ انه نهى عن تلقى البيوع "(رواہ مسلم ج۲ ص ۱۲)

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر بیع کرنے سے منع فرمایا:

مراد اس حدیث سے بھی یہی ہے کہ لوگ جب غلہ کے محتاج ہوں، تو جب غلہ تاجر لا رہے ہوں تو آگے آگے جا کر ان سے سودا نہ کرو کہ حاجتمند لوگوں کو مہنگے دام بیچیں، بلکہ تاجروں کو شہر میں آنے دیں۔

☆ عن ابى هريرة قال نهى رسول لله ﷺ ان يتلقى الجلب "(مسلم ج۲ ص ۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر (سودا کر کے) منافع

Marfat.com

حاصل کرنے سے منع فرمایا۔

''جلب'' کا معنی کھینچنا، ''تلقی جلب'' کا مطلب منافع حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھ کر تاجروں کی ملاقات کرنا۔

☆ عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ ﷺ ان یتلقی الرکبان وان یبیع حاضر لباد''

(مسلم، ج۲ ص ۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سواروں (تاجروں) کو آگے بڑھ کر ملاقات کرنے سے منع فرمایا۔ اور شہری کو دیہاتی سے بیع کرنے سے منع فرمایا۔

مطلب واضح ہے:

یعنی تمام روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ جب شہر کے لوگ غلہ کے محتاج ہوں، تو آنے والے تاجروں اور قافلوں سے آگے بڑھ کر ملاقات کر کے سودا کرنے سے منع کیا گیا، اور شہر والوں کو دیہات میں جا کر غلہ خرید کر حاجتمندوں پر مہنگا بیچنے سے منع فرمایا گیا۔ ہاں اگر شہر میں غلہ مل رہا ہو، لوگ محتاج نہ ہوں تو آگے بڑھ کر تاجروں سے ملاقات کر کے غلہ خریدنا جائز ہے۔ اسی طرح شہری لوگ دیہات سے سستا غلہ خرید لائیں اور شہر میں مہنگا بیچیں تو یہ جائز ہے۔ اسلئے کہ تجارت میں نفع حاصل کرنا منع نہیں۔ البتہ لوگوں کو نقصان پہنچانا منع ہے۔

نتیجہ واضح ہوا:

کہ ہر وہ بیع جس میں سود کا خطرہ ہو وہ بیع ناجائز ہے۔ اور ہر وہ بیع جس میں خریدار کو دھوکا دیا جائے وہ ناجائز ہے۔ اور ہر وہ بیع جس میں ضرورتمندوں اور حاجتمندوں سے ناجائز منافع کمایا جائے وہ ناجائز ہے۔

انعامی بانڈ میں راقم کا موقف:

جب قرض دینے میں لاٹری سسٹم نہ ہو، یعنی جوئے بازی کو دخل نہ ہو، اور سود بھی نہ ہو، اور دھوکہ بازی بھی نہ ہو تو وہ جائز ہے۔ بینک والے لوگوں سے قرض لیتے ہیں جس پر وہ انعامی بانڈز جاری کرتے ہیں۔ قرض دینے والا جب چاہے اپنی رقم مکمل کی مکمل واپس لے لیتا ہے، اس میں کوئی کٹوتی نہیں ہوتی۔

Marfat.com

اس صورت سے یہ واضح ہوا کہ یہ لاٹری سسٹم نہیں کہ اسے جوابازی سے تعبیر کیا جائے کیونکہ اس میں رقم ضائع نہیں ہوتی۔ اور قرض دینے والا یا لینے والا اس قرض پر زیادہ رقم مقرر نہیں کرتے، نہ دینے والا کہتا ہے کہ مجھے تم نے اتنی رقم اس قرض پر زیادہ دینی ہے اور نہ ہی لینے والا کہتا ہے کہ تمہیں اس قرض پر اتنی رقم دی جائے گی لھذا سود کی کوئی وجہ نہ بنی۔ البتہ بینک والے لوگوں کو قرضہ دینے کی طرف راغب کرنے کیلئے قرعہ اندازی کے ذریعہ تمام قرض دینے والوں میں سے چند لوگوں کو انعام دے دیتے ہیں۔ یہ انعام لینا جائز ہے۔ اسے سود کہنا دعوی بلا دلیل ہے اور جوا کہنا بھی غلط ہے۔

ہنڈی کا طریقہ کار:

اگر رقم پہنچانے والے اپنے عملہ کی تنخواہ وغیرہ اور دیگر اخراجات اٹھنے کی وجہ سے مزدوری کی حد مقرر کریں کہ اتنی رقم پہنچانے پر ہم اتنی اجرت لیں گے تو یہ جائز ہے۔ لیکن رقم سے کٹوتی منع ہے۔ اس صورت کو راقم نے ردی کھجوروں کے بدلے عمدہ بیع کے عدم جواز اور قیمت سے ردی کو بیچ کر عمدہ خریدنے کے جواز پر قیاس کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

گروپ انشورینس اور بینولینٹ فنڈ:

سول سرونٹ ایکٹ ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۲۱ کے تحت تمام سول ملازمین اور ان کی فیملی، یعنی گھر کے خاندان کے افراد سنٹرل ایمپلائز بینولینٹ فنڈ اور گروپ انشورنس ایکٹ ۱۹۶۹ء کے تحت جتنے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں کے حق دار ہوں گے۔

(۱) دفعہ نمبر ۲۱ صفحہ نمبر ۱۴ فیڈرل ایمپلائز بینولنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس ایکٹ ۱۹۶۹ء کی دفعہ نمبر ۵ کے تحت فیملی سے مراد ملازم کی بیوی اس کے بچے، والدین، چھوٹے بھائی اور غیر شادی شدہ بہنیں ہیں جو کہ مکمل طور پر ملازم کے زیر کفالت ہوں۔ (صفحہ نمبر ۹۱۷)

اسی قانون کی دفعہ نمبر ۱۸ کے تحت ہر ملازم کیلئے ضروری ہے کہ وہ گروپ انشورنش کا زر بیشگی جو کہ حکومت وقتاً فوقتاً مقرر کرے اپنی تنخواہ میں سے کٹائے۔ (صفحہ نمبر ۲۹۳، ۲۹۷)

Marfat.com

اسی قانون کی دفعہ نمبر ۱۴ اشق نمبر ۱،۲ اور دفعہ نمبر ۱۹ اشق نمبر ۱،۲ کے تحت بینولینٹ فنڈ اور گروپ انشورنس کی ادائیگی ملازم کی وفات کی صورت میں فیملی کے اس شخص کو کی جاتی ہے جسے ملازم نے مقرر کیا ہو۔ اگر ملازم نے کسی کو بھی مقرر نہیں کیا تھا تو پھر یہ دونوں فنڈ ملازم کی فیملی کا وہ فرد یا افراد لے سکتے ہیں۔ جو یہ ذمہ داری لیں کہ ان دونوں اقوم کو انصاف اور برابری کی بنیاد پر خاندان کے تمام افراد کی پرورش (نان ونفقہ) اور فائدے کیلئے استعمال کرے گا۔

﴿دفعہ نمبر ۱۴ (۲،۱) صفحہ ۱۹۶۶ اور دفعہ نمبر ۱۹ (۲،۱) صفحہ ۲۹۴﴾

اس مسئلہ میں دو چیز زیر طلب ہیں، ایک یہ کہ جسے نامزد کیا گیا ہے کہ یہ فنڈ وصول کرے گا، اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور دوسری چیز یہ مطلوب ہے کہ بہن، بھائیوں کو حصہ شرعاً مل سکتا ہے یا نہیں۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ حکومتی قانون کے تحت زوجہ اور والدہ کا حصہ برابر ہے۔ کیا شرعاً بھی برابر رہے گا۔ اس کے متعلق راقم کا موقف یہ ہے کہ بینولینٹ فنڈ حکومت اپنے قانون کے تحت کاٹتی ہے جو ملازم نے قانون کو تسلیم کرتے ہی ملازمت شروع کی تھی۔ بینولینٹ فنڈ ملازم کو اپنی زندگی میں ریٹائر ہونے پر نہیں ملتا، اگر گروپ انشورنس فنڈ بھی ملازم کو زندگی میں ریٹائر ہونے پر نہ ملتا ہو تو دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا۔

وہ حکم یہ ہے کہ اس فنڈ میں وراثت جاری نہیں کیونکہ ملازم کو زندگی میں اس کا حقدار نہیں سمجھا گیا، بلکہ یہ فنڈ ملازم کے کاٹے ہوئے پیسوں کے برابر نہیں ہوتا بلکہ حکومتی قانون اور ملازم کے سکیل اور مدت ملازمت کے مطابق ہوتا ہے اس لئے حکومت نے جن جن افراد کو حقدار بنایا ہے وہ برابری کے حقدار ہوں گے۔ جس شخص کو نامزد کیا ہے وہ اس فنڈ کا مالک نہیں بنتا بلکہ وہ اس فنڈ کو فیملی کے حقدار افراد کو برابری کے طور پر تقسیم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ تقریباً تقریباً نامزد شخص اس درجہ پر ہوتا جسے آدمی وصیت کر جائے (وصی بنا جائے) کہ یہ میرا تہائی حصہ مال فلاں فلاں کو دے دینا وہ تقسیم کا حق رکھتا ہے مالک نہیں بن جاتا۔

جنرل پروویڈنٹ فنڈ، جی۔ پی فنڈ:

سنٹرل گورنمنٹ، جی، پی فنڈ کے قوانین مجریہ ۱۹۶۶ کی دفعہ ۱۳ کے تحت ملازم اپنی فیملی یا بغیر فیملی کے تین افراد تک کو نامزد کر سکتا ہے۔ اگر ملازم جی، پی فنڈ کی رقم لینے سے پہلے وفات پا جائے کہ اسے قابل ادا تھا تو یہ رقم ان نامزد تین افراد میں سے جو سر فہرست زندہ ہو اسے ادا کی جاتی ہے۔

Marfat.com

اس کے متعلق سوال طلب یہ بات ہے کہ جی پی فنڈ کے مستحق کون کون سے افراد ہیں۔ اور جن کو نامزد کیا گیا کیا وہ اس فنڈ کے حقدار ہوں گے؟ تو اس کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ جی پی او فنڈ کا انسان اپنی زندگی میں ریٹائر ہونے پر حقدار ہوتا ہے۔ لھذا وفات کی صورت میں اس میں وراثت جاری ہوگی۔ جتنے اس کے وارث رہ گئے ہوں گے وہ شرعی قانون کے مطابق اپنے اپنے حصہ کے حقدار ہوں گے۔ اس میں برابری کے حقدار نہیں ہوں گے۔

نامزد اس فنڈ کے مالک نہیں ہوں گے، اگر نامزد کوئی وارث ہوا جیسے بیوہ یا کوئی بچہ یا بچی وغیرہ تو وہ صرف اپنے شرعی حق کے مالک ہوں گے، باقی مال باقی تمام ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ نامزد شخص کو تقریباً تقریباً وصی) وصیت کے مطابق مال تقسیم کرنے والے) کا درجہ حاصل ہوگا۔ البتہ جی پی فنڈ پر زیادہ رقم کا ملنا جبری ریٹائرمنٹ پر انہیں ملتا اس لئے اسے سود نہیں کہا جاسکتا ورنہ جبری ریٹائرمنٹ پر زائد رقم ملتی، وہ سرکاری ملازمین کی معاونت ہے۔ اسی طرح گریجوٹی فنڈ یا میڈیکل وغیرہ کے بقایاجات میں وراثت جاری ہوگی، اور نامزد شخص کی حیثیت صرف کنندہ کی ہوگی۔

البتہ پنشن میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ حکومتی قوانین کے مطابق صرف بیوہ ہی حقدار ہوگی۔

"هذا ماعندی و الله اعلم بالصواب و الیه المرجع و الماب "

انشورنس یعنی بیمہ پالیسی:

ناجائز ہے اس میں سودی کاروبار پایا گیا ہے۔ کسی ایک کو نامزد کرنے سے وراثت کے حقداروں کی حق تلفی بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی جو حرف بحرف ثابت ہو چکی ہے۔

"عن ابی هریرة عن رسول لله ﷺ قال لیاتین علی الناس زمان لایبقی احد الا آکل الربوا فان لم یاکله أصابه من بخاره ویروی من غباره"

(رواه احمد و ابوداود و النسائی و ابن ماجه، مشکوة باب الربوا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضرور بر ضرور لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ کوئی ایک بھی باقی نہیں رہے گا سوائے اس کے کہ وہ سود کھانے والا ہوگا، اگر اس نے سود نہ کھایا تو اسے سود کے

Marfat.com

بخارات پہنچیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے سود کا غبار پہنچے گا۔

''بخار اور غبار سے مراد کیا ہے؟

''والبخار و الغبار مستعاران بمایشبه الربوا به من النار و التراب''

اس مقام پر ''بخار'' اور ''غبار'' کا مجازی معنی لیا گیا ہے کیونکہ ربوا کو آگ اور مٹی سے تشبیہ دی گئی۔ جس طرح آگ کے قریب بیٹھنے والا آگ سے محفوظ بھی رہے لیکن اس کے دھوئیں اور اس پر پکنے والے چیز کی بھاپ (بخارات) سے محفوظ نہیں رہ سکتا، ایسے ہی ایک وقت آئے گا جو سود کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ یعنی سود کے اثرات کو بخارات سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح سود کو مٹی سے تشبیہ دی گئی، کہ جس طرح آندھی چل رہی ہو، مٹی اڑ رہی ہو تو کوئی براہ راست مٹی کی زد میں آتا ہے اور کوئی غبار میں مبتلاء ہوتا ہے اسی طرح کوئی براہ راست سود کھائے گا اور کوئی غبار کی طرح سود کے زیر اثر آئے گا۔ یعنی سود کے اثر کو غبار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''والتقدير ولايبقى احد منهم له وصف الاوصف كونه آكل الربوا فهو كناية عن انتشاره فى الناس بحيث يأكله كل احد''

حدیث کے پہلے الفاظ مبارکہ ''ليأتين على الناس زمان لايبقى احدالا آكل الربوا'' کا مطلب یہ ہوگے کہ ''لوگوں پر ضرور بر ضرور ایک وقت آئے گا جس میں کسی شخص کو اور کوئی وصف حاصل نہیں ہوگا سوائے سود کے کھانے کے وصف کے، اس سے اشارہ کیا گیا ہے اس طرف کہ سود لوگوں میں پھیل جائے گا اس لحاظ پر کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا۔

''فان لم يأكله اصابه من بخاره ويروى من غباره'' اى يصل اليه أثربأن يكون شاهدا فى عقدالربوا أو كاتبا أو آكلا من ضيافته اوهديته والمعنى انه لوفرض ان احداسلم من حقيقته لم يسلم من آثاره وان قلت جدا''

اگر وہ سود کھانے والا نہ ہوا تو اسے سود کے بخارات اور غبار پہنچے گا، یعنی کبھی سودی کاروبار میں گواہ

Marfat.com

بن کر سود کے زیر اثر آئے گا اور کبھی سودی لین دین کے لکھنے کا کام کر کے سودی اثرات کی زد میں آئے گا۔ اور کبھی سودی کاروبار کرنے والے کا مہمان بن کر اس کے گھر کھانا کھا کر سود سے متاثر ہوگا۔ اور کبھی سود لینے والے سے ہدیہ قبول کر کے سود کے غبار کی زد میں آئے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص سود کھانے سے محفوظ بھی رہے تو وہ اس کے آثار سے محفوظ نہیں رہے گا، اگرچہ قلیل طور پر ہی اس کی زد میں آجائے۔ (مرقاۃ ج٦ ص ٦٥)

حدیث پاک اور اس کی وضاحت کو دیکھنے کے بعد اور آجکل کے نظام حکومت کو اور بینکاری کے نظام کو دیکھنے کے بعد ہر باشعور انسان سمجھ لیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی حرف بحرف ثابت ہو چکی ہے۔ اس وقت کوئی براہ راست سود لے رہے ہیں اور کوئی سود کی غبار میں اٹے جا رہے ہیں،'' الامان والحفیظ'

بینکاری کا نظام خالص سود پر چل رہا ہے، کبھی قرض دے کر سود لینا، کبھی قرض لے کر سود دینا اور کبھی مکان خریدنے کیلئے قرض دینا اور اس مکان کی خریداری میں بینک کا حصہ دار بننا، پھر اس پر بھی سود مقرر کرنا، البتہ بینک کی ایک صورت جائز نظر آتی ہے جبکہ اس کے جواز کی حد تک عمل کیا جائے اس سے آگے تجاوز نہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ بینک کوئی چیز خرید لے۔ نقد رقم دے کر سستی چیز لے لے اور قسطوں پر مہنگی بیچ دے۔ جیسا کہ بینک گاڑیاں خرید کر بیچ رہے ہیں۔ لیکن قسط کی تاخیر میں سود لگانا، یا دی ہوئی رقم کو ضبط کرنا جائز نہیں۔

قسطوں سے مہنگے دام بیچنا، خریدنا جائز ہے:

"یجوز البیع بثمن حال ومؤجل اذا کان الأجل معلوما لأطلاق قوله تعالی واحل الله البیع وعنه علیه السلام انه اشتری من یهودی طعاما الی اجل ورهنه درعه ولابد ان یکون الأجل معلوما لأن الجهالة فیه مانعة عن تسلیم الواجب بالعقد فهذا یطالب به فی قریب وهذا یسلم فی بعیدها" (هدایة اخیرین ص ۲۱)

خرید و فروخت نقد قیمت پر بھی جائز ہے اور ادھار سے بھی جائز ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ ادھار میں رقم ادا کرنے کا وقت مقرر ہو، ادھار پر بیچنے کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ زیر بحث آیۃ کریمہ میں اللہ

Marfat.com

تعالیٰ نے مطلقاً ذکر فرمایا ﴿واحل الله البیع وحرم الربوا﴾ اور حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ہے ربوا کو، مطلق حکم اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے خواہ نقد سے بیچا جائے یا ادھار اور دلیل اس پر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے طعام خریدا جس کی رقم دینے کا وقت مقرر فرمایا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی، البتہ ادھار بیچنے کیلئے وقت مقرر ہونا چاہئے، کیونکہ وقت مقرر نہیں ہوگا تو رقم کی ادائیگی کا وقت مجہول ہونے کی وجہ سے جھگڑے کا خطرہ ہوگا بیچنے والا جلدی ادائیگی کا مطالبہ کرے گا اور خریدنے والا دیر سے دینے کا ارادہ کرے گا۔

☆ ”عن الاسود عن عائشة ان رسول الله ﷺ اشتری من یهودی طعاما الی اجل ورهنه درعاله من حدید“ (بخاری مسلم)

”وفی لفظ البخاری ثلاثین صلعامن شعیر وهذا لیهودی اسمه ابو الشحم“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے طعام خریدا ایک وقت مقرر تک اور اپنی زرہ لوہے کی اس کے پاس رہن رکھی، اور بخاری میں یہ بھی ذکر ہے کہ تیس صاع جو آپ نے اس سے لئے تھے اور اس یہودی کا نام ابوالشحم تھا۔

جب ادھار بیچنا جائز ہے اور وقت مقرر ہونا چاہئے تو وہ وقت ادائیگی کا ایک ہی ہو یا مختلف قسطوں میں ادا کرنا ہو اور ہر قسط کی ادائیگی کا وقت مقرر ہو یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

☆ ومن باع بثمن حال تم اجله اجلا معلوما صار مؤ جلا لأن الثمن حقه فله ان یؤخره تیسیرا علی من علیه الایری انه یملک ابرائه مطلقا فکذاموقتا“

(ھدایہ اخیرین ص ۷۶)

جو شخص نقد بیچے پھر اسے وقت مقرر تک ادا کرنے کی اجازت دے دے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے شخص کو مہلت دے کر اس کیلئے آسانی پیدا کرے اور یہ بھی واضح ہے جب کوئی شخص اپنا حق مکمل طور پر معاف کر دے تو اس کا حق ہے، تو یہ بھی اس کا حق ہے کہ وقت مقرر کر کے ادائیگی میں مہلت دے کر اس کیلئے آسانی پیدا کر دے۔

Marfat.com

☆ علیه الف ثمن جعله ربه نجوما ان اخل بنجم حل الباقی فالأ مر کما شرط ای جعله ربه نجوما قائلا ان اخل .... (الخ)

ایک شخص پر ہزار روپے ثمن ادا کرنے لازم ہوں تو بیچنے والے نے اس شخص کی آسانی کیلئے قسط وار رقم لینے کا فیصلہ کرلیا اور ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ اگر تم نے کوئی قسط وقت مقرر پر نہ ادا کی تو پھر تمہیں مکمل رقم ایک وقت میں ہی نقد ادا کرنی پڑے گی تو یہ جائز ہے، معاہدہ شرط کے مطابق ہی ہوگا، یعنی کسی قسط کے ادا نہ کرنے کی صورت میں باقی رقم ایک وقت میں نقد ادا کرنی پڑے گی۔ (درمختار وشامی ج ۴ ص ۶۲)

ثمن اور قیمت میں فرق ہی یہ ہے کہ قیمت اسے کہا جاتا ہے جو لوگ خرید و فروخت کرنے والے اس چیز کی قیمت کو سمجھتے ہوں وہ جو کہہ دیں کہ یہ چیز اتنی رقم کی ہے وہ قیمت ہے۔ اور ثمن اسے کہا جاتا ہے جو بیچنے والے اور خریدار کے درمیان طے ہو جائے خواہ کم ہو یا زیادہ یہ جائز ہے۔ قسط وار چیز بیچنے میں زیادہ سے زیادہ چیز مہنگی ہو جائے گی، جب ثمن نام ہی اس رقم کا ہے جو بیچنے والے اور خریدار کے درمیان طے ہو جائے تو یقیناً یہ جائز ہے۔

☆ ویجوز للمشتری ان یزید للبائع فی الثمن ویجوز للبائع ان یزید للمشتری فی المبیع ویجوزان یحط عن الثمن ویتعلق الا ستحقاق بجمیع ذلک فالز یادة و الحط یلتحقان بأصل العقد" (هدایة اخیرین ص ۷۵)

خریدار کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ ثمن طے ہو جانے کے بعد رقم میں زیادتی کردے۔ اور بیچنے والے کیلئے جائز کہ رقم طے کرنے کے بعد کم کردے۔ یہ سب صورتیں اصل عقد سے مل جائیں گی، خریدار نے جب زیادہ رقم دی تو یہ سمجھا جائے گا کہ گویا کہ سودا ہی اتنی زیادہ رقم سے طے ہوا۔

بیچنے والے نے جب رقم کم کردی تو یوں سمجھا جائے گا کہ سودا ہی کم رقم سے ہوا۔ بیچنے والے نے جب چیز زیادہ دے دی تو یہ سمجھا جائے گا کہ سودا ہی زیادہ چیز کا ہوا۔ اس سے واضح ہوا کہ ابتدائی طور پر قسط وار رقم عام نرخ سے زیادہ مقرر کر لینا بھی جائز ہے، ہاں البتہ یہ خیال رہے کہ غبن فحش سے بیچنا منع ہے، کہ کسی کی مجبوری کو دیکھ کر

Marfat.com

اتنی قیمت مقرر کر لی جائے جو لوگوں کے ذہن قبول ہی نہ کریں۔ اتنی زیادتی کی جائے لوگوں کے ذہنوں میں سمجھ آسکے کہ ہاں اتنی زیادتی تو ٹھیک ہے، جو نقد اور ادھار میں عام لوگوں کے ذہن میں فرق آسکے وہ تقریباً دس فیصد زیادتی ہے۔ اس سے زیادہ نفع لینا جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں۔

اعتراض : ایک حدیث پاک کی تشریح میں حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ کے قول سے قسطوں سے بیع ناجائز نظر آتی ہے۔ کس طرح جواز کا حکم دیا گیا؟ وہ حدیث یہ ہے۔

☆ عن ابی هريرة قال نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی مشکوۃ باب المنھی عنہا من البیوع)

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ایک سودے میں دو سودے" کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں۔

"احدهما أن يقول بعتک هذا الثوب بعشرة نقداأو بعشرين نسيئة الى شهر فهو فاسد عنداكثر اهل العلم لأنه لايدرى ايهما جعل الثمن "

ایک وجہ ان میں سے یہ ہے کہ ایک شخص فروخت کرتے ہوئے یہ کہے "میں نے تم پر یہ کپڑا نقد دس درہم پر بیچا اور ایک مہینے کے ادھار پر بیس درہم پر بیچا۔ یہ بیع اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ دونوں میں سے ثمن (قیمت) کسے بنایا جائے۔

"وثانيهما ان يقول بعتک هذا العبد بعشرة دنانير على ان تبيعني جاريتک بكذا فهذا ايضا فاسد لأنه بيع وشرط"

اور دوسری وجہ ان میں سے یہ ہے کہ یہ کہے میں یہ غلام تم پر دس سے دینار سے بیچ رہا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم مجھ پر اپنی لونڈی اتنی قیمت سے بیچو گے۔ یہ بھی فاسد ہے کہ اس میں بیع اور شرط کو جمع کرلیا گیا ہے۔

خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ حدیث پاک کی وضاحت میں پہلی توجیہ میں ایک چیز کو مہنگے داموں بیچنے سے منع کیا گیا۔

جواب : حدیث پاک میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک سودے میں دو سودے منع ہیں۔ اس کی وجہ بھی واضح

Marfat.com

نظر آ رہی ہے کہ ثمن مجہول ہوگا جھگڑا ہوگا۔ پھر وضاحت حدیث میں پہلی وجہ میں مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ ایک سودے میں دو سودے اس طرح ہیں کہ یہ کہے کہ اگر تم نے نقد پیسے دینے ہیں تو اتنے دو اور ادھار کرنا ہے تو اتنے پیسے دینے ہوں گے، یہ اسی لئے منع ہے کہ اس میں ثمن مجہول ہے جو نزاع کا سبب بنے گا۔

بیع میں ہر وہ صورت ناجائز ہوتی ہے جس میں نزاع کا احتمال ہو۔ مہنگے داموں ادھار یا قسط وار مہنگی چیز بیچنے کی ممانعت نہیں بیان کی گئی، بلکہ گول مول سودا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کہ سوادکی صرف ایک صورت معین کرے۔ یا نقد پر بیچے یا ادھار بیچے۔ نقد قیمت پر بیچنا ہے تو وہی قیمت مقرر کرے، اور ادھار بیچنا ہے تو وہی قیمت مقرر کرے یہی حکم حدیث پاک اور اس کی تشریح سے واضح ہے۔ (راقم)

بیع میں عیب چھپانا باعث لعنت ہے:

”عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من باع عيبا لم ينبه لم يزل في مقت الله أولم تزل الملائكة تلعنه“ (رواه ابن ماجة ومشكوة باب مذكور)

حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ جو شخص عیب والی چیز بیچتا ہے اور عیب پر متنبہ نہیں کرتا وہ اللہ کی ناراضگی میں ہوتا ہے اور فرشتے اس پر ہمیشہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔

☆ عن جابر قال ان رسول الله ﷺ مر على صبرة طعام فادخل يده فيها فنالت اصابعه بللا فقال ماهذا ياصاحب الطعام قال اصابته السماء يارسول الله قال أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس من غش فليس مني“ (رواه مسلم،مشكوة باب مذكور)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ طعام کے ایک ڈھیر سے گذرے (جو بیچا جا رہا تھا) آپ نے اپنے ہاتھ کو اس میں ڈالا تو آپ کی انگلیوں نے اس میں تراوت پائی (یعنی اندر سے وہ غلہ گیلا تھا) آپ نے فرمایا اے شخص طعام کے مالک یہ کیا؟ (یعنی اندر سے گیلا کیوں؟) تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے بارش پہنچ گئی تھی، آپ نے فرمایا تم نے اسے باقی طعام کے اوپر کیوں نہیں رکھا تھا، یہاں تک کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جس شخص نے کھوٹ اور ملاوٹ سے کام لیا وہ مجھ سے نہیں۔

Marfat.com

وضاحت حدیث:

صبرۃ "بضم الصاد المهملة وسکون الموحدۃ من الطعام بلا کیل ووزن"

غلہ کو بغیر کیل (ماپ) اور وزن کے ایک جگہ جب جمع کر کے ڈھیر لگا دیا جائے تو اسے "صبرۃ" کہا جاتا ہے۔

"والمراد بالطعام جنس الحبوب المأکول"

حدیث شریف میں جو لفظ طعام استعمال ہے اس سے مراد کھائے جانے والے دانے ہیں خواہ کوئی جنس بھی ہو۔ اسی لئے راقم نے غلہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"اصابته السماء" ای المطر لأنها مکانه وهو نازل منها"

حدیث شریف میں استعمال لفظ "السماء" سے مراد بارش ہے، (بارش) کی جگہ لفظ "السماء" استعمال کیا گیا۔

ایک شاعر نے پھر اپنے ایک شعر میں "السماء" کے لفظ کو "بارش" کے معنی میں استعمال کیا ہے

اذا نـــزل السـمـــاء بـــارض قـــوم
رعیـنـــاه وان کـــانـــوا غـضـبـــانـــا

شاعر نے اس شعر میں اپنی بہادری اور دوسروں پر غلبے کا ذکر کیا ہے کہ ہم عدل وانصاف سے ہٹ کر ڈنڈے کے زور سے دوسروں پر غالب رہتے ہیں۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

جب کسی قوم کی زمین پر بارش برستی ہے۔ ہم اس چراتے ہیں اگر چہ وہ غضب میں بھی ہوں یعنی جس زمین گھاس اور بلہاتے ہوئے درخت ہم پاتے ہیں اپنے جانوروں کو چراتے ہیں، زمین کے مالک خواہ غضب میں کیوں نہ ہوں لیکن وہ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

"من غش ای خان وهو ضد النصح"

یعنی حدیث شریف جو لفظ "غش" کا استعمال ہے اس کا معنی ہے "خیانت کرنا" یعنی "نصح" کی ضد ہے، جس کا معنی ہے "خالص" بغیر کسی ملاوٹ کے۔

"فلیس منی ای لیس هو سنتی وطریقتی"

Marfat.com

یعنی اس مقام میں ''لیس منی'' کا معنی ہے، میری سنت پر نہیں اور میرے طریقہ پر نہیں۔

ترمذی شریف میں جمع کا صیغہ استعمال ہے ''من غشنا فلیس منا'' جس شخص نے ہم سے ملاوٹ کا کام کیا یعنی ہمیں دھوکا دیا وہ ہمارے طریقہ اور ہماری سنت پر نہیں۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں ''من غشنا فلیس منا والمکر والخداع فی النار'' جس شخص نے ہمارے ساتھ ملاوٹ کا کام کیا وہ ہماری سنت پر نہیں، مکر کرنے والا اور دھوکا دینے والا آگ میں جائے گا۔

مقام افسوس یہ ہے کہ آج تاجروں کی اکثریت کا طریقہ یہ ہے کہ عمدہ قسم کی چیزوں کو سامنے سجا کر رکھتے ہیں اور گھٹیا اور حقیر چیزوں کو پیچھے چھپا کر رکھتے ہیں۔ خریدار سامنے والی چیزوں کو دیکھ کر عمدہ سمجھ کر چیز خریدتا ہے لیکن تاجر گھٹیا اور ردی گلی سڑی اشیاء اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ اس طرح وہ تاجر مکروفریب اور دھوکا بازی سے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے ہٹ کر محبت مصطفیٰ کریم ﷺ کو کھو بیٹھتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور کے رسول ﷺ کی ناراضگی مول لے لیتا ہے اور اپنے آپ کو فرشتوں کی لعنت کا مستحق قرار دیتا ہے، گویا کہ یوں سمجھا جائے کہ آج تاجروں کی اکثریت اپنے گلے میں لعنت کا طوق ڈالے ہوئے ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ''

(آیۃ نمبر ۲۷۶)

(۱) اللہ ہلاک کرتا سود کو اور بڑھاتا خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔

(۲) مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ نہیں پسند فرماتا کسی کافر (اور) گنہگار کو۔

''محق یمحق محقا'' (ف) کا معنی نقص اور چلا جانا، اور اسی سے لیا ہوا ہے ''محاق القمر'' چاند کی روشنی کم ہوگئی۔

(قرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ سود کی وجہ سے مال کی برکت کو مٹا دیتا ہے اور جس مال میں سودی مال کی آمیزش ہو جائے وہ

Marfat.com

مٹ کر رہتا ہے۔ اور اللہ تعالی صدقات کو بڑھاتا ہے یعنی ان میں ثواب زیادہ فرماتا ہے اور جس مال سے صدقات ادا کئے جائیں اس مال میں خیر و برکت پائی جاتی ہے وہ مال بڑھتا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالی نے پہلے صدقات دینے پر برانگیختہ کیا، اور صدقات کے کامل مستحقین کا ذکر فرمایا اور صدقات کی خیر و برکت کا ذکر فرمایا۔

اس کے بعد سود کا ذکر کیا اس کی مذمت فرمائی، سود کھانے والوں کا آخرت میں مخبوط الحواس ہونے کا ذکر فرمایا، اب یہاں گویا کہ یہ ذکر فرمایا کہ سود کھانے کی دعوت دینا اور صدقات نہ دینے کی دعوت دینا فساد پر مبنی ہے، اسلئے کہ سودی کاروبار اور سود کے لین دین پر ابھارنے والا اور اس کی دعوت دینے والا بظاہر سبز باغ دکھاتا ہے کہ تمہارا اتنا مال بڑھ جائے گا یہ کاروبا بہت ہی شاندار اور عظیم نفع والا کاروبار ہے۔ اور صدقات کو چھوڑنے کی دعوت دینے والا شیطان کی طرح یہ کہتا ہے کہ صدقات سے تمہارا مال کم ہو جائے گا تم اپنا مال کیوں کم کرتے ہو اس طرح تمہارا مال تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ تو اللہ تعالی نے گویا کہ بیان فرمایا بیشک سود بظاہر نفع مند نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں نقصان اور خسارے کا سبب ہے یعنی سود آخر کار مال کو تباہ کر دیتا ہے۔

صدقات سے بظاہر مال کم ہوتا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مال بڑھتا ہے، اس میں خیر و برکت ہوتی ہے، جس کا انجام ترقی پر مبنی ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے عقلمند انسان کو چاہئے کہ وہ شیطان اور شیطان کے متبعین اور فقط اپنی طبیعت اور حواس کے مطابق کام نہ کرے کیونکہ یہ تو اسے نیکی کی راہ سے ہٹانے والے ہیں اور برائی کی راہ پر چلانے والے ہیں۔ "بل یعول علی ماندبه الشرع الیه من الدواعی و الصوارف" بلکہ انسان کو چاہئے کہ شریعت نے جس کام کے کرنے کی دعوت دی ہے وہ کام کرے، اور جس کام سے روکا ہے اس سے رک جائے۔

(کبیر)

Marfat.com

سود کا مٹنا کیسے ہے؟

سود کے مٹنے اور برباد ہونے کی دو قسمیں ہیں، ایک دنیا میں مٹ جانا اور برباد ہونا اور دوسرا آخرت میں مٹ جانا اور برباد ہونا۔ (کبیر)

سود کے دنیا میں مٹ جانے کی چند وجوہ:

(۱) سودی کاروبار کرنے والے کا اگرچہ بظاہر مال زیادہ ہوتا ہے "وانه تؤل عاقبته الى الفقر وتزول البركة عن ماله" لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اس کا انجام احتیاجی اور فقر ہوتا ہے۔ اور اس کے مال سے خیر و برکت مٹ جاتی ہے۔ (کبیر)

☆ عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال "ان الربوا وان كثر فعاقبته تصير الى قل"

(اخرجه احمد وابن ماجة وابن جريج والحاكم وصححه)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بیشک سود (کا مال) اگرچہ زیادہ ہو جائے لیکن وہ آخر کار تھوڑا ہو کر رہتا ہے۔

یہ حدیث پاک امام احمد اور ابن ماجہ اور ابن جریج اور حاکم نے بیان کی ہے۔ مستدرک حاکم میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (روح المعانی)

☆ عن معمر قال سمعنا انه لايأتى على صاحب الربوا اربعون سنة حتى يمحق"

(اخرجه عبدالرزاق ولعل هذا مخرج مخرج الغالب)

حضرت معمر فرماتے ہیں ہم نے سنا ہے کہ بیشک سود خوار پر چالیس سال نہیں گذرتے یہاں تک کہ اس کا مال تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ (یعنی غالب حکم یہی ہے، ہوسکتا ہے چالیس سے مراد کثرت ہو کہ آخر کار اس کا مال برباد ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

(۲) ان لم ينقص ماله فان عاقبته الذم والنقص وسقوط العدالة وزوال الأمانة

Marfat.com

وحصول اسم الفسق والقسوة والغلظة"

اگرچہ مال کم نہ بھی ہو لیکن ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سود خواروں کی مذمت کی جاتی ہے اور ان کی عزت میں کمی واقع ہوتی ہے، اور ان کی امانت زائل ہو جاتی ہے، اور وہ فاسق ہو جاتے ہیں، اور ان کے دل میں سختی اور شدت پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کی عزت وامانت تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔ واضح ہوا کہ مال نہ بھی مٹا تو عزت کا تباہ ہونا ان کیلئے باعث ذلت ہوگا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب فقراء اور حاجتمند لوگ دیکھیں گے کہ انہوں نے ہمارا مال سود سے بٹور لیا ہے۔

"فیلعنونه ویبغضونه ویدعون علیه وذلک یکون سببا لزوال الخیر والبرکة عنه فی نفسه وماله"

تو وہ ان پر لعنت بھیجیں گے۔ اور ان سے بغض رکھیں گے اور ان کے خلاف دعاء کریں گے یہ ان کی ہلاکت کی دعاء کریں گے جس کی وجہ سے ان کی جان اور مال میں خیر وبرکت مٹ جائے گی۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب لوگوں میں مشہور ہوگا کہ اس نے سودی کاروبار سے مال جمع کیا ہے تو ظالم، ڈاکو، چور کہیں گے "ان ذلک المال لیس له فی الحقیقة فلایترک فی یده" کہ یہ مال اس نے کوئی محنت کر کے حاصل نہیں کیا ہے، ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی حاجت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مال جمع کیا ہے، جب حقیقت میں اس کا مال ہی نہیں تو اس کا مال لوٹ لیا جائے اس کے ہاتھ میں مال نہ رہنے دیا جائے۔ (کبیر)

آخرت میں سود کا مٹ جانا:

اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں سودی مال کو مٹا دے گا، تباہ وبرباد کر دے گا، لیکن اس سے مراد کیا ہے؟ اس میں بھی چند وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی ہے

"قال ابن عباس رضی الله عنهما معنی هذا المحق ان الله تعالی لایقبل منه صدقة ولا جهادا ولا حجا ولاصلة رحم"

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس مٹا دینے کا مطلب یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالی اس کا صدقہ اور جہاد اور حج اور صلہ رحمی قبول نہیں فرمائے گا۔ (کبیر)

البتہ یہ خیال رہے کہ اگر صدقہ واجبہ ادا کیا یا جہاد فرض کیا یا صلہ رحمی کی یا اور کوئی عبادت کی تو وہ عبادات ادا ہو جائیں گی، اس شخص کے ذمہ سے فرض و وجوب ساقط ہو جائے گا لیکن کامل ثواب جو ملنا تھا اور ان عبادات کی وجہ سے مراتب و درجات کی جو بلندی حاصل ہونی تھی وہ اس سے محروم ہو جائے گا اور اللہ تعالی سے جو قرب حاصل ہونا تھا سود کی وجہ سے اس سے محروم ہو جائے گا۔

اب واضح ہوا کہ سود کی وجہ سے اس سے کے صدقات، جہاد، حج اور صلہ رحمی سے حاصل ہونے والے فضائل و درجات کو مٹا دے گا۔ (راقم)

(۲) ان وجوہ میں دوسری وجہ یہ ہے "ان مال الدنیالایبقی عندالموت ویبقی التبعة والعقوبة ذلک ھوالخسار الاکبر" بیشک دنیا کا مال موت کے وقت باقی نہیں رہے گا، البتہ اس مال کا پیچھا کرنے والے رہ جائیں گے اور اس کیلئے عذاب باقی رہے گا، یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ (کبیر)

یعنی سود خوار کے مال سے اسے کوئی نفع نہیں حاصل ہوگا، مال خرچ کرنے کی وجہ سے کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا بلکہ اسے عذاب ہوگا۔ جو اس کیلئے بہت بڑے خسارے کا سبب ہوگا۔

واضح ہوا کہ مطلب یہ ہے ربوا کہ وجہ سے اللہ تعالی اس شخص کو مال کی وجہ سے جو ثواب حاصل ہونا اسے مٹا دے گا، یا تو اسے شخص کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی توفیق ہی حاصل نہیں ہوگی، اس لئے ثواب وہ محروم ہوگا۔ یا وہ اللہ کی راہ میں سودی مال خرچ کرے گا لیکن حرام مال خرچ کرنے کی وجہ سے اسے ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے "ان الاغنیاء یدخلون الجنة بعد الفقراء بخمسمائة عام" "ان الاغنیاء یدخلون الجنة بعد الفقراء بخمسمائة عام" بیشک غنی لوگ جنت میں فقیر لوگوں سے پانچ سو سال بعد میں داخل ہوں گے،

Marfat.com

"فاذا کان الغنی من الوجہ الحلال کذلک فماظنک بالغنی من الوجہ الحرام المقطوع بحرمتہ کیف یکون"

حدیث شریف میں تو ان اغنیاء کا ذکر ہے جو رزق حلال کی وجہ سے غنی ہوتے ہے ان اغنیاء اور فقراء کے مدارج میں جب اتنا بڑا فرق ہے تو تمہارا کیا خیال ہے ان اغنیاء کے بارے میں جو خالص حرام مال یعنی سودی مال سے غنی بنتے ہیں، یقیناً وہ اللہ تعالی کے ہاں غیظ وغضب کے مستحق ہوں گے۔"فذلک ھو المحق و النقصان" یہی مطلب ہے ابوا کو مٹا دینے کا اور اس میں نقصان پیدا کرنے کا۔ (کبیر)

راقم کے نزدیک یہ تمام وجوہ ہی پائی جاتی ہیں۔یعنی سود خوار کے سودی مال کو اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں مٹا دے گا، دنیا میں اس کا مال آخر کار مٹ کر رہے گا، اس کی عدالت وامانت تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں۔ذلت وخواری اسے حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ فاسق اور سخت دل ہو جاتا ہے۔اور فقراء بددعاء اس کیلئے کرتے ہیں، لعنت اس پر بھیجتے ہیں۔فقراء کو جب یہ خیال آتا ہے کہ اس نے ہمارا مال سود کی وجہ سے حاصل کرلیا ہے تو وہ دل ہی دل میں اس پر غیظ وغضب رکھتے ہیں۔فقراء کی بددعاؤں سے ہی چور اور ڈاکو اس کا مال لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

اسی طرح آخرت میں صدقات "حج" جہاد اور صلہ رحمی سے حاصل ہونے والے فضائل سے وہ محروم رہتا ہے اس کے مال کا آخرت میں اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ عذاب کا مستحق ہوتا ہے، فقراء سے اور رزق حلال سے بننے والے اغنیاء سے اس کا گھٹیا مرتبہ ہوگا۔ (راقم)

صدقات کو بڑھانے کی وجوہ:

﴿وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ﴾ "وہ صدقات کو بڑھاتا ہے"۔

اس میں بھی دو وجہ پائی گئی ہیں کہ اللہ تعالی صدقات کو دنیا میں بڑھاتا ہے۔اور صدقات کو آخرت میں بڑھاتا ہے۔

Marfat.com

دنیا میں صدقات کو بڑھانے کی وجوہ:

(۱) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے "ان من کان للہ کان اللہ لہ" کہ بیشک جو اللہ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اس لئے جو شخص اپنی حاجت کے باوجود اللہ کے بندوں پر احسان فرماتا ہے اور ان پر مال خرچ کرتا ہے "فاللہ تعالی لایترکہ ضائعا جائعا فی الدنیا" تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں نہ ضائع کرتا ہے اور نہ ہی بھوکا رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے

"ان الملک ینادی کل یوم "اللھم یسر لکل منفق خلفا ولممسک تلفا"

بیشک فرشتہ ہر دن یہ دعاء کرتا ہے "اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے پیچھے اور مال عطاء فرما اور کنجوس وبخیل کے مال کو برباد کردے۔

(۲) أنہ یزداد کل یوم فی جاھہ وذکرہ الجمیل ومیل القلوب الیہ وسکون الناس الیہ وذلک افضل من المال مع اضدا د ھذہ الاحوال"

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والے کا ہر دن مرتبہ بڑھتا رہتا ہے، اور اس کا اچھا ذکر آئے دن زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ دل اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں کو اس کے ذریعے چین حاصل ہوتا ہے۔ یہ کمالات حاصل ہونا اس کے جمع کرنے سے کہیں بہتر ہیں

(۳) ان الفقراء یعینونہ بالدعوات الصالحۃ" انسان جب اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے اور فقراء کو دیتا ہے تو یقیناً فقراء اس کے حق میں دعاء خیر کرتے ہیں جو حقیقت میں اس کیلئے بہت بڑا تعاون ہے۔

(۴) ان میں چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اسے خود مال کی طمع، حرص، لالچ نہ ہو اور جب یہ مشہور ہو جائے کہ فلاں شخص تو بڑی محنت ومشقت سے فقراء اور ضعیف لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہے تو دوسرے لوگ بھی اس کے مال میں کوئی طمع نہیں رکھیں گے،

"فکل احد یحترز عن منازعتہ وکل ظالم وکل طماع لایجوز اخذ شیء من مالہ الانادرا"
بلکہ ہر شخص اس سے جھگڑا کرنے سے اجتناب کرے گا۔ اور ہر ظالم اور ہر طمع ولالچ کرنے والا اس

Marfat.com

کا مال لینا جائز نہیں سمجھے گا۔ ہاں نادر طور پر ہوسکتا ہے کوئی ظالم اس کا مال بھی لے لے۔

صدقات کا آخر میں بڑھنا:

﴿وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ ''اور بڑھاتا ہے (اللہ) صدقات کو۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقات کو آخرت میں بڑھائے گا۔

☆ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب"ولا يقبل الله تعالى الاطيبا"فان الله تعالى يقبلها بيمينه ثم يربيها اصاحبها كما يربی احدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل" (اخرجه البخاری و مسلم)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے حلال کمائی کے مال سے کھجور کا تھوڑا حصہ صدقہ کرے "چونکہ اللہ تعالیٰ سوائے حلال کمائی کے صدقہ قبول نہیں فرماتا" تو بیشک اللہ تعالیٰ اسے اپنے دست قدرت میں صدقہ کرنے والے کیلئے بڑھاتا رہتا ہے جیسا تم میں سے کوئی ایک گھوڑی کے بچے (کی پرورش سے اس) کو بڑھائے، یہاں تک کہ اس کا وہ صدقہ پہاڑ کی طرح ہو جائے گا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ﴾ ''اور اللہ پسند نہیں کرتا ہر کافر (اور) ہر گنہگار کو''۔

" ای لایحب كفور القلب اثيم القول و الفعل" (ابن کثیر)

یعنی اللہ نہیں پسند فرماتا ہر اس شخص کو جو سود کے حرام ہونے کا دل سے انکار کر کے کافر ہو جائے اور قول و فعل کی وجہ سے گنہگار ہو چونکہ کفور بمقابلہ شکور بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ اگر تم نے شکر کیا تو میں ضرور زیادہ کروں گا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو بیشک میری گرفت بہت سخت ہے۔ یعنی اس مذکورہ بالا آیت میں شکر اور کفر ایک دوسرے کی مقابل استعمال ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ بھی اسی کے بمطابق ہے، (اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا بڑا گنہگار)

Marfat.com

لیکن راقم نے بعض تفاسیر میں ظاہر طور پر ''کفر'' کے معنی میں استعمال کو دیکھ کر ''ہر کافر'' ترجمہ کیا ہے۔ تاکہ طلباء کرام کو مختلف اقوال ذہن نشین ہوتے چلے جائیں۔

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ﴾ فاعلم ان الكفار فعال من الكفر ومعناه من كان ذلك منه عادة، والعرب تسمى المقيم على الشيء بهذا، فتقول ''فلان فعال للخير امار به'' والا اثيم فعيل بمعنى فاعل وهو الآثم وهو ايضا مبالغة في الاستمرار على اكتساب الآثام والتمادي فيه وذلك لايليق الابمعنى ينكر تحريم الربافيكون جاحد اوفيه وجه آخر وهوان يكون الكفار راجعا الى المستحل والاثيم يكون راجعا الى من يفعله مع اعتقاد التحريم فتكون الآية جامعة للفريقين'' (کبیر)

یعنی آیۃ کریمہ میں جو لفظ ''کفار'' (بفتح الکاف) استعمال ہے اس کا وزن ''فعال'' ہے یہ ماخوذ ہے ''کفر'' سے اس وزن پر جب لفظ استعمال ہوتو اس کا معنی ہوگا ''عادت بنالینا'' یعنی ناشکری کرنا ان کی عادت ہے جیسا کہا جائے ''فعال للخیر'' تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ نیکی کا کام کرنا اس نے اپنی عادت بنالی ہے، یوں پتہ چلتا ہے کہ نیکی کے ذریعے ہی اسکی پہچان ہوتی ہے، نیکی اسکی علامت بن گئی ہے۔

﴿اَثِیم﴾ کا لفظ ''فعیل'' کے وزن پر ہے جس کا معنی فاعل والا ہے جو مبالغہ پر دلالت کررہا ہے کہ وہ شخص ہمیشہ گناہوں کو کسب کرنے والا ہے اور اس میں آگے سے آگے بڑھنے والا ہے۔ لہذا یہ معنی اسی شخص کے لائق ہے جو سود کے حرام ہونے کا منکر ہوگا۔

اس معنی کے لحاظ سے ''کفار'' کا معنی ناشکرا، سود کھانے کا عادی ہونا، اور اثیم کا معنی کافر ہوگا کہ وہ سود کی حرمت کے انکار کیوجہ سے کافر ہوجائے گا۔ (راقم)

اور ایک وجہ اس میں یہ ہے کہ کفار اسے کہا جائیگا جو سود کو حلال سمجھے، یعنی کفار کا معنی کافر، اور اثیم اسے کہا جائے گا جو سود کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے لیکن سود کھائے، وہ کافر نہیں ہوگا (کیونکہ حرام کو حرام سمجھ کر کھانے والا گنہگار ہوتا ہے کافر نہیں ہوتا، اور حرام کو حلال سمجھ کر کھانے والا اور حرام کی حرمت کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے) لہذا آیہ کریمہ

Marfat.com

دونوں فریقوں یعنی کفار اور گنہگار مومنین کو شامل ہوگئی علامہ رازی کے دو تراجم میں سے تقریباً پہلے کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور دوسرے معنی کے مطابق راقم کا ترجمہ ہے۔

دینی طلباء کرام کے فائدہ کے لئے:

راقم نے اپنے ترجمہ میں " کَفَّارٍ "اور" اَثِیْمٍ " کے ترجمہ کے درمیان بریکٹ میں "اور" بڑھایا ہے یہ ایسے ہے جیسے کہ "حامد عالم حافظ" میں دونوں خبروں کے درمیان "واؤ عاطفہ" مقدر ہوتی ہے معنی یوں ہوگا حامد عالم اور حافظ ہے۔

طلباء کرام ایک اور ضابطہ کی طرف توجہ فرمائیں:

﴿وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ﴾ والآیة لعموم السلب لا لسلب العموم اذ لا فرق بین واحد و واحد"

آیہ کریمہ میں عموم سلب پایا گیا ہے کہ ہر فرد کی نفی پائی گئی ہے یعنی مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کس ایک کافر اور گنہگار کو بھی پسند نہیں فرماتا آیہ کریمہ میں سلب العموم نہیں جس کا معنی کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور گنہگاروں کا پسند نہیں فرماتا معاذ اللہ بعض کو پسند فرماتا ہے یعنی معنی کفریہ ہوگا۔

(از روح المعانی)

ہاں ہاں ظالم بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ غریبوں کو چاپلوسی نہ کرنے والوں کو قانون سکھاتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو اور چاپلوس چمچوں کو قانون سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ پر آیت کو ختم کرنے میں حکمت:

اللہ تعالیٰ نے سود خواروں کی صفت کفر اور گناہ کے ذکر سے آیہ کریمہ کو ختم کر کے یہ واضح فرمایا کہ سود خوار اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں رزق حلال کو مشروع کیا ہے اور مباح (جائز) طریقہ سے مال حاصل کرنا ان کے لئے جائز قرار دیا ہے لیکن وہ لوگوں کا مال ناجائز اور باطل طریقہ سے

Marfat.com

حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف خبیث طریقے اور باطل ہتھکنڈے سے مال بٹورنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ان کا یہ طریقہ اور یہ فعل درحقیقت اللہ تعالی کی نعمتوں کا انکار ہے، اور لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کی وجہ سے وہ ظالم اور بہت بڑے گنہگار ہیں۔ (ابن کثیر)

﴿وَاللّٰهُ لَايُحِبُّ﴾ای یبغض :

اللہ تعالی کے محبت نہ کرنے اور پسند نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر کافر اور گنہگار سے ناراض ہوتا ہے۔رب تعالی قادر وقیوم اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے گویا کہ بندوں کے اچھے افعال ہی اس کی محبت کا تقاضا ہیں۔

"ولا ینتفی المحبة الابعارض یوجب البغض وھو الکفر"

اللہ تعالی کی محبت کرنے کی نفی وزوال نہیں سوائے کسی ایسے عارضہ کے جو بغض اور کفر سے ثابت کریں۔

ومن ثم "قال رسو ل اللہ ﷺ الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ"

(رواہ البیھقی فی الشعب عن عبداللہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مخلوق اللہ تعالی کی محبوب ہے جو اللہ تعالی کے محبوب لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور ان پر احسان کرتے ہیں وہی اللہ تعالی کو محبوب ہیں۔ (مظہری)

تنبیہ : حدیث شریف میں "عیال اللہ" کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالی "عیال" (اولاد) سے پاک ہے اسلئے مجازی معنی مراد ہے یعنی جس طرح بندے اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں اسی طرح (بلاتشبیہ وتمثیل) اللہ تعالی اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ (راقم)

﴿کُلَّ کَفَّارٍ﴾ "مصر علی تحلیل المحرمات ﴿اَثِیْمٍ﴾ منھمک فی الاثام"

اللہ تعالی پسند نہیں فرماتا یعنی ناپسند کرتا ہے اور بغض رکھتا ہے (جو اس کی شان کے لائق ہے) ہر کافر سے جو حرام چیزوں کے حلال ہونے پر اصرار کرتا ہے اور گنہگار سے جو گناہوں میں منہمک

Marfat.com

ہوتا ہے (یعنی گناہوں میں گھرا رہتا ہے)۔ (مظہری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ☆ (آیۃ نمبر ۲۷۷)

﴿۱﴾

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوۃ دی ان کا نیک ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم۔

﴿۲﴾

بیشک وہ جنہوں نے ایمان لایا اور عمل کئے اچھے، اور قائم کی نماز، اور دی زکوۃ ان کیلئے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے، اور نہیں خوف ان پر اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالی نے اس سے پہلی آیۃ میں سود کو حلال سمجھ کر کھانے والے کفار کا ذکر فرمایا اور سود کو حرام سمجھ کر کھانے والے گنہگار ظالموں کا ذکر فرمایا، اب اسی آیۃ کریمہ میں مومنین و مطیعین کا ذکر فرمایا "انما الاشیاء تعرف باضدادھا" کیونکہ چیزوں کی اپنی ضدوں سے پہچان ہوتی ہے، اس آیۃ کریمہ میں ان لوگوں کی مدح فرمائی جو اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں۔ نماز ادا کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں یعنی وہ اپنے رب تعالی کے حکم کے مطیع ہیں اور اس کا شکر ادا کرنے والے ہیں اور اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں، پھر اللہ تعالی نے قیامت کے دن وہ جس کرامت کے مستحق ہوں گے اس کا تذکرہ فرمایا۔ (از صابونی، ابن کثیر)

Marfat.com

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ''بیشک وہ جنہوں نے ایمان لایا''

"بالله ورسوله ﷺ وبما جاء هم به"

یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالی پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور جو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ یعنی قرآن وحدیث پر ایمان لائے۔ (روح البیان)

جب قرآن وحدیث پر ایمان ہوگا تو یقیناً فرشتوں پر بھی ایمان ہوگا، اور تمام انبیاء کرام کے نبی ہونے پر بھی ایمان ہوگا۔ اور تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان ہوگا، خیر وشر کی تقدیر پر بھی ایمان ہوگا اور قیامت کے دن پر بھی ایمان ہوگا رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر بھی ایمان ہوگا، رسول اللہ ﷺ کے افضل الانبیا، ہونے پر بھی ایمان ہوگا غرضیکہ الفاظ مبارکہ ﴿ان الذین آمنوا﴾ ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے'' تمام ایمانیات کو شامل ہیں۔ ہاں ہاں یہی وجہ ہے کہ۔ بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ''اے قرآن تیری عظمت پہ قربان'' (راقم)

﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور اچھے عمل کئے''

ای الطاعات: یعنی وہ اعمال کئے جن میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طاعت (فرمانبرداری) پائی گئی۔

(روح البیان)

اگرچہ روح البیان کی تفسیر "الطاعات" کے الفاظ سے بھی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ طاعت وہی ہوتی ہے جس میں اوامر (جن چیزوں کا حکم دیا جائے) پر عمل کیا جائے، اور نواہی (جن چیزوں سے روکا جائے) سے انسان باز آجائے، تاہم قاضی مظہری رحمۃ اللہ نے بہت خوب اور واضح معنی لکھا۔

(وعملو الصالحات) اتوا بما امرهم الله على لسان رسله وانتهوا عما نهى عنه ومنه الربوا" (مظهری)

اور اچھے عمل کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں پر عمل کریں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی سے سنا ہے۔ تو وہ اس حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو یہ ان کے اچھے اعمال ہوئے، اور جن

Marfat.com

چیزوں سے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے وہ اس سے رک کر اچھے اعمال پر عمل کرتے ہیں۔

چونکہ نواہی سے رک جانا بھی اعمال صالحہ میں داخل ہے تو اس آیۃ کا ماقبل اور مابعد سے رابطہ و تعلق بھی واضح ہوگیا

کہ ربوا (سود) بھی ان چیزوں میں داخل ہے جن سے روکا گیا ہے اور حرام کیا گیا ہے، گویا کہ ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ سود

سے مثل ہوکر رک جانے والوں کی شان بیان کی گئی کہ وہ نیک اعمال کرنے والے بن گئے۔

”وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ“ ”اور انہوں نے نماز قائم کی اور زکوۃ دی“

نماز اور زکوۃ کا ذکر اعمال صالحہ کے بعد کرنے کیا وجہ ہے جبکہ یہ دونوں بھی اعمال صالحہ میں داخل ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔

”خصهما بعد التعميم لاظهار شرفهما فانهما رأس العبادات البدنية و المالية“

کہ ان دونوں کو اعمال صالحہ کے عموم کے بعد خاص کر کے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو بلند مقام حاصل ہے،

اسلئے کہ نماز عبادات بدنیہ کی سردار ہے اور زکوۃ عبادات مالیہ کی سردار ہے۔ (مظہری)

”لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ“ ”ان کیلئے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے“۔

”لهم اجرهم الموعود لهم حال كونه (عندربهم)“

یعنی ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے پر اللہ تعالی کی طرف سے جو وعدہ ان سے کیا گیا ہے وہ اجر و ثواب رب کے پاس ہی ہے، یقیناً اس نے اپنے وعدہ کے مطابق عطاء کرنا ہی ہے اس کی شان ہی یہ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ بے شک اللہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(از روح البیان)

”وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ“

”اور نہ خوف ہے ان پر اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے“۔

﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ من مكروه آت (﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ من محبوب فات“ (روح البیان)

Marfat.com

ان کو کسی مکروہ چیز کے آنے کا کوئی خوف نہیں ہوگا، اور نہ ہی وہ کسی محبوب چیز کے فوت ہونے کی وجہ سے غمگین ہوں گے۔

فقال ابن عباس "لا خوف علیهم "فیمایستقبلهم من احوال القیامة و لاهم یحزنون بسبب ماتر کوہ فی الدنیا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ ایمان والے اور اچھے اعمال والے لوگوں کو قیامت کے آنے والے دن کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ دنیا میں جو چیزیں چھوڑ کر جائیں گے، ان کے چھوڑنے پر ان کو کوئی غم نہیں ہوگا۔

عجیب بات یہ ہے انسان فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جب وہ ایک حال سے دوسرے بلند حال کی طرف منتقل ہوتا ہے تو اس کو پہلے منصب سے ہٹنے کا افسوس ہوتا ہے حالانکہ اس کے بلند مقام کی طرف ترقی پر لوگ شک کر رہے ہوتے ہیں، "لاجل الفه و عادته" اصل وجہ یہی ہے کہ انسان کو پہلے حال اور منصب سے الفت ہو چکی تھی اور اس کی عادت میں وہ کام رچ بچ چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کے ترک پر غمزدہ ہوتا ہے،

"فبین اللہ تعالی ان هذا القدر من الغصة لایلحق اهل الثواب و الکرامة"

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالی نے ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے حضرات کا ذکر کیا جو ثواب اور کرامت کے مستحق ہیں، ان کو منصب کی بلندی سے یہ پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

اصم کہتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی انہیں اس کا غم ہوگا کہ ہم نے دینا میں اور زیادہ عبادت کیوں نہیں کی تھی کہ ہمیں بھی فلاں شخص کی طرح منصب حاصل ہوتا، اس لئے کہ قیامت کے دن ایک دوسرے سے برتری حاصل کرنے کا کوئی مقابلہ نہیں ہوگا، اور نہ ہی ایک دوسرے سے کوئی حسد ہوگا۔ نیک لوگ اپنے کئے ہوئے اعمال کے مطابق حاصل ہونے والے مدارج اور کمالات پر صابر و شاکر ہوں گے۔ "وذلک لأن هذه الخواطر لاتوجد فی الأخرة" اس کی وجہ صرف یہی ہوگی کہ آخرت میں اس قسم کے خیالات نیک لوگوں کے دل میں نہیں کھٹکیں گے۔ (ماخوذ از کبیر)

دینی مدارس کے طلباء کرام توجہ فرمائیں:

احتج من قال بأن العمل الصالح خارج عن مسمی الایمان بهذه الأیة فانه قال ﴿ان

Marfat.com

الذین امنوا وعملو الصالحات﴾فعطف عمل الصالحات علی الایمان والمعطوف مغایر للمعطوف علیه"

اس آیہ کریمہ سے ایک مسئلہ ثابت ہوا کہ حقیقت میں ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ دل میں ایمانیات کی تصدیق پائی گئی تو ایمان حاصل ہوگیا۔ نیک اعمال ایمان کا جزء نہیں کہ نیک اعمال حاصل نہ ہوں تو ایمان ہی حاصل نہ ہو ہاں البتہ نیک اعمال کمال ایمان کی علامت ہیں اور ظاہری طور پر کسی کو ایماندار سمجھنے کیلئے نیک اعمال کو ہی دلیل بنایا جائے گا۔

یہ مسئلہ کیسے سمجھ آیا، یہ مسئلہ عربی گرائمر کے ایک ضابطہ وقانون سے سمجھ آیا وہ ضابطہ وقان یہ ہے کہ عطف مغایرت کیلئے آتا ہے۔ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت پائی جاتی ہے، جس طرح کہا جائے "جاء حامد وشاهد" حامد اور شاہد آئے۔ تو اس مثال میں حامد معطوف علیہ ہے اور شاہد معطوف ہے۔ دونوں علیحدہ علیحدہ شخص ہیں، حامد اور شاہد سے مراد ایک ہی شخص نہیں۔

اسی طرح کوئی شخص کہے "حامد صلی وصام" حامد نے نماز ادا کی اور روزہ رکھا، اس مثال میں "صلی" معطوف علیہ ہے، اور "صام" معطوف ہے۔ نماز اور روزہ دو علیحدہ علیحدہ عبادتیں ہیں ایک نہیں۔

آیۃ کریمہ میں بھی "اٰمَنُوْا" معطوف علیہ ہے، یہ اور "وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" معطوف ہے۔ جب عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے تو اسی سے پتہ چل گیا کہ ایمان اور چیز ہے اور اعمال صالحہ اور چیز ہیں۔ اس کی زیادہ تفصیل سورۃ بقرۃ کی ابتداء میں دیکھی جائے۔ (ماخوذ از کبیر)

اعتراض : یہ ضابطہ تو درست نہیں کیونکہ اسی آیۃ کریمہ میں "وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" پھر معطوف علیہ ہے اور "وقاموا الصلوة وأتوا الزكوة" معطوف ہیں۔

"مع انه لانزاع ان اقامة الصلوة وایتاء الزکوة داخلان تحت وعملوا الصالحات وكيف ماذكرتم"

حالانکہ ان میں کوئی مغایرت نہیں۔ اور نہ ہی اس میں کسی کا اختلاف ہے کہ نماز کا قائم کرنا اور زکوۃ

Marfat.com

دینا اعمال صالحہ کا حصہ نہیں۔ بلکہ بالاتفاق یہ ثابت ہے کہ یہاں معطوف داخل ہے معطوف علیہ میں، تو پھر تمہارا ضابطہ کس طرح درست ہوا۔

اسی طرح اللہ تعالی کے ارشادگرامی "اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا" میں "معطوف علیہ ہے اور "کَذَّبُوْا" معطوف ہے، ان میں بھی کوئی مغایرت نہیں پائی گئی، اس لئے کہ اللہ تعالی کی آیات کو جھٹلانا کفر ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کفر اور چیز ہے۔ اور اللہ تعالی کی راہ سے روکنا یا اللہ تعالی کی آیات کی تکذیب اور چیز ہے۔ تو تمہارا ضابط کس طرح درست رہا۔

جواب: عطف کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی معنی عطف کا یہی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت پائی جائے لیکن عطف کی دوسری قسم یہ ہے کہ عطف پہلے کی وضاحت کیلئے آتا ہے۔ یہ عطف کا مجازی معنی ہے جسے نحو (عربی گرائمر) میں عطف تفسیری کہا جاتا ہے۔

"ان الاصل حمل كل لفظة على فائدة جديدة ترك العمل به عند التعذر فيبقى في غير موضع التعذر على الاصل"

اصل قانون وضابطہ یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی لیا جائے تا کہ وہ نئے نئے مقاصد پر دلالت کرے، ہاں اگر حقیقی معنی لینا متعذر (مشکل) ہو جائے تو مجازی معنی لے لیا جائے جو پہلے معنی کی وضاحت کرے، تقریباً ضوابط کی طرف نظر کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے "الحقيقة اولى من المجاز" حقیقت پر عمل کرنا مجاز پر عمل کرنے سے بہتر ہے بلکہ جب تک حقیقی معنی لینا ممکن ہو مجازی معنی نہ لیا جائے "التجديد اولى من التفسير" نیا معنی لینا زیادہ بہتر ہے بنسبت پہلے معنی کی تفسیر (وہی معنی لینے) سے بہتر ہے۔ "التاسيس أول من التاكيد" تاکید کی بنسبت نیا معنی لینا زیادہ بہتر ہے۔ (ماخوذ از کبیر تصرف برائے افادہ طلباء)

سوال: اللہ تعالی نے اس آیۃ کریمہ میں نیک اعمال پر جزاء خیر اور اجر وثواب کو مرتب فرمایا ہے حالانکہ کبھی بغیر نیک اعمال کے بھی اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک عورت حالت ایمان میں بالغ ہوئی، یعنی اس کی بلوغت ہی

Marfat.com

حیض سے ہوئی حیض کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یا حیض کے ختم ہونے سے پہلے اس کی وفات ہوگئی۔ تو ہو بالاتفاق اجر وثواب کی مستحق ہے۔ اسی طرح ایک لڑکا حالت ایمان میں بالغ ہوا، نماز کا وقت پالینے سے پہلے اور زکوۃ کے وجوب سے پہلے ہی فوت ہوگیا تو وہ بھی اجر وثواب کا مستحق ہے اس میں بھی اتفاق ہے۔

"وایضامن مذهبنا ان الله تعالی قد یشیب المؤمن الفاسق الخالی عن جمیع الأعمال"

اور یہ بھی ہمارا مذہب وعقیدہ ہے کہ بیشک اللہ تعالی اس مؤمن کو بھی ثواب عطاء فرمادے گا جو جاسق وفاجر ہوگا اور تمام اعمال صالحہ سے خالی ہوگا۔ تو اعمال صالحہ پر اجر وثواب کو مرتب کرنا کس طرح درست ہے۔

جواب: آیۃ کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نیک اعمال پر اللہ تعالی اجر وثواب عطاء فرمائے گا، کسی کے اعمال رب کے حضور ضائع نہیں ہوں گے، یہاں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ اجر وثواب اعمال صالحہ سے مشروط ہے۔ اللہ تعالی نیک اعمال کے ذریعے اجر وثواب عطاء فرمادے یا اپنے فضل وکرم کے ذریعے اجر وثواب عطاء فرمادے جیسا کہ رب تعالی کا ارشاد گرامی ہے۔

﴿إِنَّ اللهَ لَايَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾

بیشک اللہ تعالی شرک کی مغفرت نہیں کرے گا اور اس کے بغیر جس کی چاہے مغفرت فرمادے۔

پھر اگر غور کیا جائے تو یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ایمان سب سے اعلی عبادت ہے، جب ایمان ایک شخص کو حاصل ہو گیا تو وہ صرف ایمان کی وجہ سے ہی قابل بخشش ہو گیا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"من قال لااله الاالله دخل الجنة" جس شخص نے کہا "لااله الاالله" وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (ماخوذ از کبیر بتصرف)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

" واقیموا الصلوة واتوا الزکوة " میں "اتوا" امر کا صیغہ ہے اصل میں "اءتیوا" ہے۔ اکرموا کے وزن پر۔

" واقاموا الصلوة واتوا الزکوة " میں " اتوا " ماضی کا صیغہ، واؤ کو ضمہ دیا گیا ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے،

Marfat.com

اصل میں "اِءْ تَیِوُا" ہے "اَکْرِمُوا" کے وزن پر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ☆ (آیۃ نمبر ۲۷۸)

(۱) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود اگر مسلمان ہو۔

(۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم (کامل) ایمان والے ہو۔

شان نزول:

اس آیۃ کریمہ کے شان نزول میں چند وجہ بیان کی گئی ہیں جو حقیقت میں تمام ہی شان نزول ہیں۔

(۱) ابن جریج سے روایت ذکر کی، اور ابن ابی حاتم نے مقاتل سے روایت ذکر کی کہ یہ آیۃ کریمہ عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے چار بیٹوں کے بارے میں نازل ہوئی، ان چار کے نام یہ ہیں "مسود بن عمرو، عبد یا لیل بن عمرو، ربیعہ بن عمرو، حبیب بن عمرو، یہ لوگ سود کا مطالبہ کرنے والے تھے بنو مخزوم قبیلہ بنو مغیرہ سے کیونکہ یہ دونوں قبیلے زمانہ جاہلیت میں سود کا کاروبار کرتے تھے، بنو ثقیف بنو مخزوم کو سود کے طور پر قرضہ دیا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف سے صلح کر لی تھی۔

فتح مکہ میں عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا عامل (گورنر) بنا دیا گیا تھا، سودی مال کثیر تعداد میں بنو ثقیف نے بنو مغیرہ سے لینا تھا۔ اب یہ دونوں فریق اسلام قبول کر چکے تھے۔ بنو ثقیف نے اپنے سابقہ سودی مال کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا۔

"فقال بنو المغیرۃ واللہ لانعطی الربا فی الاسلام وقد وضعه الله ورسول عن المسلمین"

تو بنو مغیرہ نے کہا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم مسلمان ہو کر سودی مال نہیں دیتے جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں سے سود کو ہٹا دیا ہے۔ یعنی سود کو حرام کر دیا گیا ہے (لھذا اب زمانہ،

Marfat.com

جاہلیت کے سود کا بھی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا تھا کہ دونوں گروہوں کے درمیان لڑائی ہو جائے) اس معاملہ کو دیکھ کر حضرت معاذ بن جبل اور ایک قول کے مطابق عتاب بن اسید نے اسول اللہ ﷺ کی طرف خط لکھا کہ بنو عمرو ثقفی بنو المغیرہ سے سابقہ سود لینے کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو اس وقت یہ آیۃ کریمہ اور آنے والی آیۃ کریمہ نازل ہوئیں۔

فکتب رسول اللہ ﷺ الی معاذبن جبل ان اعرض علیهم هذہ الآیةفان فعلوافلهم رؤوس اموالهم وان أبوا فأذنهم بحرب من اللہ ورسولہ"

تو رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل (یا عتاب بن اسید) کی طرف خط لکھا کہ ان (بنوثقیف) پر یہ آیات پیش کر دو، اگر وہ اس پر عمل کریں تو اپنا اصلی مال (جو بطور قرض انہوں نے دیا تھا) واپس لے سکتے ہیں اور اگر وہ (حکم ماننے سے) انکار کر دیں تو ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کی اطلاع دے دو۔ (درمنثور)

(۲) یہ آیۃ کریمہ اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ اہل مکہ کثیر تعداد میں سودی کاروبار کرتے تھے، سود کی حرمت پر انہوں نے خیال کیا کہ یہ حکم آج سے بعد کیلئے ہے، اس سے پہلے کا سودی مال ہم لے لیتے ہیں، تو یہ آیۃ کریمہ نازل فرما کر سابقہ سودی مال لینے سے بھی منع کر دیا گیا، البتہ ان کو اپنا دیا ہوا مال لوٹانے کی اجازت فرمادی۔ (کبیر)

(۳) عطاء او عکرمہ رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ آیۃ کریمہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ ان دونوں نے کھجوریں بطور قرض دی ہوئی تھیں، جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا تو انہوں نے کچھ کھجوریں لے لیں اور باقی میں سود بڑھا دیا، سود کی حرمت کے بعد خیال آیا کہ آج سے پہلے جو سود لینا تھا وہ لے لیا جائے، حرام تو اب ہو رہا ہے، تو آیۃ کریمہ کا نزول ہو جس سے ان حضرات کو سابقہ سود لینے سے منع کر دیا گیا۔ (کبیر)

(۴) حضرت سدی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ سود کے حرام ہونے سے پہلے حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سودی کاروبار کرتے تھے، سود کی حرمت کے بعد ان کو سودی مال (جو حرمت سے پہلے لینا تھا) لینے سے

Marfat.com

منع کر دیا گیا۔

"قال النبی ﷺ فی حجۃ الوداع فی خطبتہ بوم عرفۃ الا کل شئی من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع ودماء الجاھلیۃ موضوعۃ وان اول دم اضعہ من دمائنا دم ربیعۃ بن الحارث کان مسترضعا فی بنی سعد فقتلہ ھزیل وربوا الجاھلیۃ موضوعۃ واول ربوا اضعھا ربوا عباس بن عبدالمطلب فانھا موضوعۃ کلھا"

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن (۹ ذی الحج) کو دوران خطبہ ارشاد فرمایا خبردار زمانہ جاہلیت کے تمام امور (تمام رسوم، اور تمام طور وطریقے) میرے قدم کے نیچے رکھ دیے گئے (یعنی تمام کو ختم کیا جارہا ہے) زمانہ جاہلیت کے خونوں کے بدلہ کو ختم کیا جارہا ہے، بیشک سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے خون کے بدلہ کو ختم کر رہا ہوں۔ وہ خون ربیعہ بن حارث کا ہے جو بنی سعد میں دودھ پلانے کیلئے چھوڑا گیا تھا، جسے ہزیل نے قتل کر دیا تھا۔ اور زمانہ جاہلیت کے سود کو ختم کیا جارہا ہے، بیشک سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے سود کو ختم کر رہا ہوں، بیشک (زمانہ جاہلیت کے) تمام امور کو ختم کیا جارہا ہے۔

قاضی مظہری رحمۃ اللہ اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، تاہم مسلم نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آیۃ کریمہ کے نزول کا یہ سبب ہے۔ (مظہری)

راقم کے نزدیک اگرچہ حدیث پاک کا تعلق شان نزول سے نہ ہی ہو لیکن آیۃ کریمہ کی وضاحت اور تشریحات میں ذکر کرنا تو ہر حال میں درست ہے۔

مقام توجہ: راقم نے "ان کنتم مؤمنین" کے ترجمہ میں (اگر تم کامل ایمان والے ہو) لفظ "کامل" بریکٹ میں بڑھایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شان نزول کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں ان تمام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خطاب مومنوں کو ہے۔

مومنوں کو پھر یہ کہنا کہ "اگر تم ایمان والے ہو" کا کیا مطلب ہے۔ اسی کے جواب کی طرف اشارہ کرتے

Marfat.com

ہوئے مفسرین کرام نے ''اگر تم کامل ایمان والے ہو'' سے وجہ بیان کی ہے کہ مطلق ایمان کا ذکر نہیں بلکہ کمال ایمان کا ذکر ہے۔''ان کنتم مؤمنین '' کامل الایمان'' اگر تم کامل ایمان رکھتے ہو۔(تفسیرات احمدیہ)

ان کنتم مؤمنین '' کامل الایمان فان دلیله کماله امتثال المأ موربه '' (مدارک)

اگر تم کامل رکھتے ہو۔ بیشک کمال ایمان کی یہ دلیل ہے کہ وہ شخص رب تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو مانتا ہے۔

''ان کنتم مؤمنین '' یعنی ان کنتم محققین لأ یما نکم قولا وفعلا '' (خازن)

اگر تم اپنے ایمان پر قول وفعل کے لحاظ پر ثابت قدم ہو۔

''ان کنتم مؤمنین '' عن صمیم القلب فان دلیله امتثال ماأ مرتم به ''(روح المعانی ، بیضاوی)

اگر تم صمیم قلب سے ایمان والے ہو، دل کے پکے ارادہ سے ایمان پر یہی دلیل ہے کہ وہ اوامر کے مطابق عمل کریں۔

ایک نظریہ اور اس کا رد، ایک قول یہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسان گناہ کبیرہ پر اصرار کرے تو ہو کامل ایمان والا نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ مطلقا ایمان والا وہ شخص ہوتا ہے جو کبائر سے اجتناب کرے اس قول کا رد یوں پیش کیا گیا ہے کہ ﴿الذین یؤمنون بالغیب﴾ کی تفسیر میں کثیر دلائل سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں ۔

''ھذہ الأیة محمولة علی کمال الایمان وشرائعه فکان التقدیر '' ان کنتم عاملین بمقتفی شرائع الایمان ''

کہ''ان کنتم مؤمنین '' کا مطلب یہ ہے اگر تم شرائع ایمان کے تقاضا کے مطابق عمل کرنے والے ہو۔یعنی کریمہ میں مراد کمال ایمان اور شریعت کے تقاضا کے مطابق عمل کرنا۔ (کبیر)

علامہ رازی رحمۃ اللہ کی تحقیق سے بھی پتہ چلا کہ مراد یہاں آیۃ کریمہ میں کمال ایمان ہے۔مفسرین کرام کے ان اقوال کے بعد ایک بات زیر غور ہے کہ اعلی حضرت رحمہ اللہ اس قسم کے مقامات میں کسی نہ کسی لفظ کی زیادتی کر کے اشارہ ضرور فرماتے ہیں، یہاں آپ نے مطلقا ترجمہ یہ کیا ''اگر مسلمان ہو'' ہوسکتا ہے آپ نے اس خیال سے اس کی طرف اشارہ نہ فرمایا ہو کہ یہ مسئلہ واضح ہے، ماقبل اور مابعد سے سمجھ آرہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ آپ کے نزدیک کبیر اور جصاص کا ایک قول معتبر ہو کہ ﴿ یاایھا الذین امنوا ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہر طور پر ایمان لائے تھے اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔مزید تفصیل ان شاءاللہ آنے والی آیۃ کریمہ کی وضاحت میں آجائے گی۔

Marfat.com

"فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَاتَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" (آیۃ نمبر ۲۷۹)

(۱) پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔

(۲) پھر اگر نہ کرو تم تو یقین کرلو لڑائی کا اللہ اور اس کے رسول سے، اور اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

''پھر اگر نہ کرو تم یقین کرلو لڑائی کا اللہ اور اس کے رسول سے''

﴿''فاذنوا''﴾ ایک قراءت میں یہ صیغہ امر حاضر معلوم باب سمع یسمع سے لیا گیا ہے، یہ ماخوذ ہے ''اذن'' سے اس کا معنی ہے ''کونوا علی علم واذن'' تمہیں علم اور خبر حاصل ہو۔ (کبیر)

اسی وجہ سے بعض مفسرین کرام نے ''فاذنوا'' کا ترجمہ ''اعلموا'' سے کیا ہے۔ جان لو، خبر رکھو،

''فاذنوا'' ای فایقنوا وبذلک قرأ الحسن وهو التفسير المأثور عن ابن عباس رضی الله عنهما''

مذکورہ بالا قراءت کے مطابق ہی 'فاذنوا' کا معنی ہے ''تم یقین کرلو' اس معنی کو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی قراءت سے تائید حاصل ہے، کیونکہ ان کی قراءت میں 'فایقنوا' ہے 'فاذنوا' کی جگہ پر، جس کا معنی ہی واضح طور پر یہ ہے ''تم یقین کرلو' (روح المعانی)

یہی ترجمہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ہے اور راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ''فاذنوا'' کا ترجمہ ''فایقنوا'' کیا ہے،

☆ واخرج ابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم عن ابن عباس فی قوله فاذنوا

Marfat.com

بحرب قال استیقنوا بحرب "

ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ﴾ کا معنی یہی کرتے تھے تم یقین کرلو لڑائی کا۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ نے ترجمہ کیا ہے "تو اعلان جنگ سن لو" (ضیاء القرآن)

یہ ترجمہ بھی بہت خوب ہے جو مفردات راغب میں بیان کیا گیا ہے۔

"واذن " استمع نحو قوله تعالى (واذنت لربها حقت) ويستعمل ذلک فی العلم الذی یتوصل الیه بالسماع نحو قوله تعالى ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ﴾ والأذان لما یسمع ویعبر بذلک عن العلم اذهو مبدأ کثیر من العلم فینا "

"اذن " کا معنی ہے اس نے سنا، سننے والا معنی اللہ تعالی کے ارشاد گرامی ﴿اذا السماء انشقت واذنت لربها حقت﴾ "جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی ہے" میں استعمال ہے۔ پھر اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کہ اسے سن کر علم حاصل ہوا، جیسا کہ رب تعالی کے ارشاد گرامی ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ﴾ میں استعمال ہے۔ عام طور پر اس معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ "سننا" علم کا ذریعہ بن جائے۔ (مفردات راغب)

مفردات راغب کی بحث کو دیکھیں اور ضیاء القرآن کے ترجمہ کو دیکھیں تو یہ ترجمہ بھی خوب ترین نظر آئے گا۔

ایک قراءت میں "فاذنوا " الف ممدودہ سے پڑھا گیا ہے، باب افعال ہے ائذان (ایذان) سے لیا ہوا ہے جس کا معنی ہے "غیر کو خبر دینا" اب اس معنی کے لحاظ پر مطلب یہ ہوا

"فاعلموا من لم ینته عن الربوا بحرب من الله ورسوله ، واذا امروا بأعلام غیرهم ایضاقد علموا ذلک "

کہ تم ان لوگوں کو بتادو جو سود سے نہیں رکتے کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے کو تیار ہو جاؤ، جب انہیں حکم دیا گیا کہ تم اوروں کو بتادو، تو اسی سے پتہ چل گیا کہ ان کو خود بھی یہ علم

Marfat.com

حاصل ہو جائے گا کہ سود سے نہ رکنے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

یہ خطاب کسے اور ''اگر تم نہ کرو'' سے مراد کیا؟

ایک قول اس میں یہ ہے کہ یہ خطاب کفار کو ہے اب اس سے پہلی آیۃ اور اس آیۃ کا مفہوم یہ ہو گیا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا خطاب للکفار و ان معنی الأیۃ ﴿وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ معترفین بتحریم الربوا ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا﴾ ای فأن لم تکونوا معترفین بتحریمہ) ﴿فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾

آیۃ کریمہ میں خطاب کفار کو ہے، بیشک آیۃ کریمہ ﴿وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم سود کے حرام ہونے کا اعتراف کرتے ہو تو جو سود تمہارا باقی رہتا ہے اسے چھوڑ دو، اب اس زیر بحث آیۃ کا مطلب یہ ہو گیا، اگر تم نہ کرو یعنی اگر تم سود کے حرام ہونے کا اعتراف نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کا یقین کر لو۔

جن حضرات کا یہ قول ہے وہ یہ کہتے ہیں شریعت کے کسی ایک حکم سے انکار اسی طرح کفر ہے جسطرح شریعت کے تمام احکام سے انکار کفر ہے، بلکہ شرعی ایک امر کا انکار جمیع امور کے انکار کو مستلزم ہے۔ (کبیر)

☆ وقد روی ان النبی ﷺ کتب الی اھل نجران و کانوا ذمۃ نصاری اما ان تذرو الربوا واما ان تأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ " (احکام القرآن للجصاص)

ایک روایت میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نجران کے ذمیوں کی طرف لکھا کہ یا سود کو چھوڑ دو، یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کا یقین کر لو۔

☆ "عن ابی ملیح الھذلی ان رسول اللہ ﷺ صالح اھل نجران فکتب الیھم کتابا فی آخرہ علی ان لا تأکلوا الربوا فمن أکل الربوا فذمتی بریئۃ " (احکام القرآن للجصاص)

ابو ملیح ہذلی کہتے ہیں بیشک رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے صلح کی تو ان کی طرف خط لکھا جس کے

Marfat.com

آخر میں آپ نے یہ لکھا کہ سود نہ کھاؤ، جس شخص نے سود کھایا وہ میری ذمہ داری سے بری ہے۔
یعنی اس کے مال اور جان کے ہم محافظ نہیں۔

دوسرا قول: اس میں یہ ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کو ہے:

"ان قوله (فأذنوا) خطاب مع قوم تقدم ذكر وهم المخاطبون بقوله (یاایها الذین امنوا اتقوا لله وذروا مابقی من الربوا) وذلک یدل علی ان خطاب مع المؤمنین "

یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی " فأذنوا " اور " وذروا " کا خطاب ایک ہی قوم کو ہے، اس قوم کا ذکر رب تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد گرامی میں واضح کر دیا "یاایها الذین امنوا اتقو الله " اے ایمان والو اللہ سے ڈرو" اس بحث سے واضح ہوا کہ یہ خطاب مومنوں کو ہے۔

اعتراض: اگر یہ قول درست مان لیا جائے تو مومنوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کا کیا مطلب؟

جواب: **"قلنا هذه اللفظة قدتطلق على من عصى الله غير مستحل "**

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ''حـــرب '' کا لفظ نافرمان مسلمانوں کیلئے بھی استعمال ہے اگر چہ وہ حرام چیزوں کو حلال نہ ہی سمجھیں۔ (کبیر)

وقوله تعالى "فأذنوابحرب من الله ورسوله " لايوجب اكفارهم لان ذلک قد يطلق على مادون الكفرمن المعاصى "

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "**فا ذنوابحرب من الله ورسوله** " (تو یقین کرلو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کا) سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ خطاب کافروں کو ہی ہو بلکہ لفظ حرب، کا اطلاق (بولا جانا) گنہگاروں پر بھی ہے اگر چہ وہ کافر نہ بھی ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)

وقد جعل كثير من المفسرين والفقهاء قوله تعالى "انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله " اصلافی قطع الطريق من المسلمين"

کثیر فقہاء کرام اور مفسرین کرام کا یہی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ﴿ **انــمــا جــزاء الــذيـن**

Marfat.com

یحاربون اللہ ورسولہ ﴾ ''بیشک یہ جزاء ہے ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرتے ہیں'' مسلمان ڈاکوؤں سے متعلق ہے اس آیۃ کریمہ میں سزا کا جو ذکر ہے وہ ڈاکوؤں کی سزا ہے۔ یہی آیۃ کریمہ ڈاکوؤں کی سزا پر دلیل ہے ''کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف طرفوں سے کاٹے جائیں یا ان کو قید کرلیا جائے'' یہ سزا مسلمان ڈاکوؤں کی ہے اور ان کا اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (کبیر)

☆ عن زیدبن اسلم عن ابیہ ان عمر رأی معاذا یبکی فقال مایبکیک فقال سمعت رسول للہ ﷺ یقول الیسیر من الریاء شرک ومن عادی اولیاء اللہ فقد بارز اللہ بالمحاربة ''

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاذ (بن جبل) رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا، آپ سے ان سے پوچھا تجھے کس چیز نے رلایا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا معمولی ریاء (دکھلاوا) شرک ہے اور جو شخص اللہ کے ولیوں سے دشمن کرے تو وہ تحقیق اللہ تعالی کے ساتھ لڑائی کرنے کیلئے سامنے آگیا ہے، (یعنی میدان جنگ میں رب تعالی کے (معاذ اللہ) مقابل آگیا ہے۔

(احکام القرآن للجصاص)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا اس وجہ سے تھا کہ کتنے کام ہم کرتے ہیں جن میں دکھلاوا پایا جاتا ہے کہیں ہم رب تعالی کی گرفت میں نہ آجائیں کہ ہم پر مشرک کا اطلاق نہ کیا جا سکے خواہ وہ حقیقی شرک نہیں۔ لیکن شرک خفی اور شرک کی مشابہت کا بھی کسی مؤمن پر سچا آنا بہت خطرناک ہے۔

اور حدیث پاک سے یہ واضح ہے کہ اللہ تعالی کے ولیوں سے دشمن اللہ سے لڑائی کرنا ہے۔ اللہ کے ولیوں سے دشمنی گناہ ہے لیکن کفر نہیں۔

☆ وروی ابوداود عن جابربن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من لم

Marfat.com

بذر المخابرة فلیؤذن بحرب من الله ورسوله "

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص مخابرہ نہیں چھوڑتا تو چاہئے کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی کرنے کا یقین دلا دیا جائے۔ (قرطبی)

اس مقام پر مخابرہ کے متعلق طویل بحث کی گئی ہے، لیکن مختصر مطلب وہی ہے جو "واحل اللہ البیع" کی بحث میں راقم نے بیان کر دیا ہے کہ وہ مخابرہ یعنی مزارعت منع ہے جس میں زمین والا زرخیز حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی معین کر دے کہ اس جگہ کی پیداوار میری ہے اور دوسری جگہ کی پیداوار تمہاری ہے۔ اسی طرح وہ مزارعت بھی منع ہے جس میں یہ کہا جائے کہ تم اس میں فلاں چیز کاشت کرو اور اس میں سے مجھے اتنے من وہ چیز دے دینا، یہ اس لیئے منع ہے کہ ہو سکتا اتنی مقدار میں وہ چیز پیدا ہی نہ ہو۔ ہاں البتہ زمین کو کرائے پر دینا کہ تم اس میں فلاں فلاں فصل کاشت کر سکتے ہو البتہ میں نے زمین کا کرایہ لینا ہے، پیداوار کا حصہ نہیں، یہ صورت بھی جائز ہے۔

اس مذکورہ بالا حدیث میں بھی "حرب" کا اطلاق مسلمانوں کیلئے ہے کافروں کیلئے نہیں۔

نتیجہ واضح ہوا:

" والمقیم علی اکل الربوا ان کان مستحلا له فهو کافر وان کان ممتنعابجماعة تعضده سارفیهم الامام بسیرته فی اهل الردة ان کانوا قبل ذلک من جملة اهل الملة وان اعترفوا بتحریمه وفعلوه غیر مستحلین له فاتلهم الامام ان کانوا ممتنعین حتی یتوبوا وان لم یکونوا ممتنعین ردعهم عن ذلک بالضرب والجس حتی ینتهوا "

(احکام القرآن للجصاص)

جو لوگ سود کھانے پر قائم رہیں اور سود کو حلال بھی سمجھیں تو وہ کافر ہیں، اور اگر وہ سود بھی کھاتے ہوں اور اپنی پشت پناہی کیلئے اپنے ساتھ لوگوں کو بھی ملا رکھا ہو تو مسلمان حاکم ان سے وہ سلوک کرے جو مرتد لوگوں سے کیا جاتا ہے۔ یعنی ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر دے۔

Marfat.com

اور اگر وہ سود کھاتے ہیں لیکن حلال نہیں سمجھتے تو وہ کافر نہیں بلکہ گنہگار ہیں۔ اور اگر انہوں نے بھی اپنے ساتھ لوگوں کو ملا رکھا ہو اور رب تعالیٰ کے احکام سے عدولی کر رہے ہوں تو ان کو سمجھایا جائے، اگر وہ توبہ کرلیں اور باز آجائیں تو بہتر ورنہ ان کو مارا جائے اور قید کرلیا جائے، جب تک وہ توبہ نہ کریں اس وقت تک ان کو نہ چھوڑا جائے۔ (احکام القرآن)

☆ " وقدروی عن ابن عباس وقتادة والربیع بن انس فیمن اربی ان الامام یستتیبه فان تاب والاقتله "

حضرت ابن عباس اور قتادہ اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہم سے سود پر مال دینے والے کے متعلق بیان کیا گیا کہ امام اسے توبہ کرنے کے متعلق کہے اگر وہ توبہ کرلے تو بہتر ورنہ امام اسے قتل کردے۔

"وهذا محمول علی ان یفعله مستحلاله لأنه لاخلاف بین اهل العلم انه لیس بکا فر اذا اعتقد تحریمه "

صحابہ کرام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سود کو حلال سمجھے اسے قتل کردیا جائے کیونکہ وہ کافر و مرتد ہے۔ اس کے کفر میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، ہاں البتہ اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ سود حرام ہے پھر وہ سود کھاتا بھی ہے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، کافر نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص)

راقم کے نزدیک یہ ساری صورت اس وقت ہے جب "والا قتله " کا حقیقی معنی لیا جائے، اور اگر مجازی معنی لیا جائے یعنی شدید مارنا، تو اب مطلب یہ ہوگا کہ حاکم سود کھانے والے کو توبہ کرنے کے متعلق کہے اگر وہ توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ اسے شدید مارا جائے اور اگر وہ سود کو حلال بھی سمجھے تو اسے اتنا شدید مارا جائے کہ اسے قتل کردیا جائے۔

یہی صورت اختیار کرنے سے ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ میں بھی دونوں قول جمع کیے جاسکتے ہیں" اگر تم نہ کرو یعنی سود کو حرام سمجھ کر سود کھانے سے باز نہ آؤ تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کا یقین کرلو، یعنی تمہارے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے شدید وعید ہے اور اگر تم نے سود حلال سمجھ کر کھایا تو تم کافر ہوگے، اور رب تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کا یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دین و دنیا میں ذلیل

Marfat.com

وخوار کردے گا۔ (راقم)

☆ عن زید بن ارقم ان النبی ﷺ قال لعلی وفاطمة والحسن والحسین رضی الله عنهم انا حرب لمن حاربتم سلم لمن سالتم"

(احکام القرآن للجصاص ،ترمذی ، مشکوۃ باب مناقب اهل البیت)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو فرمایا جس سے تمہاری لڑائی ہے اس سے میری بھی لڑائی ہے، جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے۔

حضرت ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو بھی دلیل بنایا ہے کہ مسلمانوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ کیونکہ خاندان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ لڑائی سے تعبیر فرمایا۔

تنبیہ : حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہوگئی تھی، جس معاہدہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، جب حسنین کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح ہوگئی تو یقیناً نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ کی بھی صلح ہوگئی۔

اب بھی اگر کوئی گمراہ اور گمراہ کن شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو وہ بدبخت ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی حسنین کریمین کی گستاخی ہے اور حسنین کریمین کی گستاخی نبی کریم ﷺ کی گستاخی ہے۔

اے بدبخت! اس صحابی رسول ﷺ سے حسنین کریمین اور مصطفیٰ کریم ﷺ کی صلح ہے اس سے تیری جنگ؟ ہاں ہاں دشمن صحابہ ہی مسلمانوں کا دشمن ہے، جب تیری صلح صحابہ کرام سے نہیں تو مسلمانوں کی صلح تجھ سے کیسے ہوسکتی ہے۔

☆ عن ابی بکرة قال رأیت رسول الله ﷺ علی المنبر والحسن بن علی الی جنبه وهو یقبل علی الناس مرة وعلیه أخری ویقول ان ابنی هذا سید ولعل الله ان

Marfat.com

یصلح به فئتین عظیمتین من المسلمین'' (رواہ البخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا کہ آپ کی ایک جانب حضرت (امام) حسن بن علی رضی اللہ عنہما تھے، رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور دوسری مرتبہ ان کی طرف، اور آپ فرمارہے تھے بیشک یہ مرا بیٹا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کو دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ (مشکوٰۃ باب مناقب اھل البیت)

وضاحت حدیث: ''کفی به شرفا وفضلا فلا اسود ممن سماہ رسول اللہ ﷺ سیدا''

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شرافت وفضیلت بلاغبار ثابت ہورہی ہے، وہ کیسا ہی عظیم شخص ہو گا جسے مصطفیٰ کریم ﷺ نے سید (سردار) کہا ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد حرف بحرف ثابت ہو کر رہا۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں تو اس وقت جبکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان نزاع ہوا تو اس وقت مسلمانوں کے دو ہی جماعتیں تھیں۔ ایک حضرت امیر معاویہ کے ساتھ اور ایک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ جو دونوں جماعتیں بڑی جماعتیں ہی تھیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حق پر قائم ہونے کے باوجود صلح کی راہ کو پسند فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ آپ کے صلح کرنے پر بعض جب آپ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا " السلام علیک یاعار المؤمنین " اے مومنوں کو عار (شرم) دلانے والے! تم پر سلام ہو۔ آپ نے کیا خوب جواب دیا ''العار خیر من النار '' عار آگ سے بہتر ہے۔

''وفی شرح السنة فی الحدیث دلیل علی ان واحدا من الفریقین لم یخرج بما کان منه فی تلک الفتنة من قول اوفعل عن ملة الاسلام لان النبی ﷺ جعلهم کلهم مسلمین'' (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۷۹)

شرح السنۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث پاک سے واضح ہوا کہ دونوں طرف کے مسلمانوں کے

Marfat.com

اقوال وافعال سے جوفتنہ نمودار ہورہا تھا وہ اس کی وجہ سے ملت اسلامیہ سے نہیں نکلے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہر فریق کو مسلمان کہا ہے کہ ''مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان اللہ تعالی اس کے ذریعے صلح کرائے گا''

خیال رہے کہ حدیث پاک میں لفظ ''لعل'' شک کیلئے استعمال نہیں۔ بلکہ اس کا معنی ''یونہی'' ایسا ہی ہوگا۔ کبھی کبھی ترجی کیلئے آتا ہے جس میں شک پایا جاتا ہے، اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے ''امید ہے، شاید، ہوسکتا ہے'' وغیرہ۔

تارکین صلوۃ اور مانعین زکوۃ:

" قال البیضاوی ذلک یقتضی ان یقاتل المربی بعد الاستتابة حتی یفئی الی امر الله کالباغی "

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا سود خوار سے توبہ طلب کی جائے کہ وہ اللہ تعالی کے امر کی طرف لوٹ آئے جیسا کہ باغی کو کہا جاتا ہے تو امام کی طاعت کی طرف لوٹ آ، اگر یہ لوٹ آئے تو بہتر ورنہ اسے قتل کردیا جائے، قاضی مظہری رحمہ اللہ نے مسئلہ میں تفصیل بیان فرمائی۔

" قلت والظاهر انه ان لم یکن له منعه یجب علی الامام ان یحبسه حتی یتوب وان کان له منعه لایقدر الامام علی حبسه فهو الباغی یقاتل معه حتی یفئی الی امر الله "

میں کہتا ہوں کہ ظاہر طور پر مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر سود خوار کے ساتھ پشت پناہی کرنے والی کوئی جماعت نہیں جو حاکم وقت کے ساتھ مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو تو اسے حاکم قید کرلے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالی کے امر کی طرف لوٹ آئے یعنی توبہ کرلے، اور اگر اسے پشت پناہی کی وجہ سے طاقت حاصل ہو حاکم سے لڑائی کرنے پر آمادہ ہوں تو ان کو حاکم باغی قرار دے، ان سے جنگ کرے یہاں تک وہ اللہ تعالی کے امر کی طرف لوٹ آئیں، اگر نہ لوٹیں تو ان کو قتل کردیا جائے۔

"وهذا هو الحکم فیمن ترک فریضة من الفرائض کالصلوة والزکوة ونحو هما اور تکب کبیرة من الکبائر واصر علیه بالاعلان "

یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو فرض نمازوں کو چھوڑے یا زکوۃ دینے سے انکار کرے، وغیرہ یا گناہ

Marfat.com

کبیرہ کا مرتکب ہو اور اعلانیہ طور پر گناہوں پر اصرار کرے۔

یعنی حاکم ان کو قید کرے اور ان کو توبہ کرنے کے متعلق کہے اور اگر بے نمازی اپنے ساتھ جماعت کو ملا لیں اور حاکم سے مقابلہ کریں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تو نے جو کرنا ہے کر لے، یہی صورت زکوۃ چھوڑنے والے اختیار کریں، کسی قسم کے گناہ کرنے والے یہی صورت اختیار کریں تو حاکم ان سے جنگ کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئیں ورنہ حاکم ان کو قتل کرادے۔

☆ روی رزین عن عمربن الخطاب فی مناقب ابی بکر انه لما قبض رسول الله ﷺ ارتدت العرب وقالوا لانؤدی زکوۃ فقال ابو بکر لومنعونی عقالا لجاهد تهم علیه فقلت یاخلیفة رسول الله تألف الناس و ارفق بهم فقال لی اجبار فی ا لجاهلیة وخوار فی الاسلام انه قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص و اناحی"

زرین نے حضرت عمر بن خطاب سے مناقب ابی بکر میں روایت ذکر کی کہ بیشک جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا تو عرب کے بعض لوگ " العیاذ باللہ " مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا ہم زکوۃ ادا نہیں کریں گے تو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اگر انہوں نے ایک رسی (یعنی قلیل مال) بھی زکوۃ کے مال۔ سے دینے سے انکار کیا تو میں ان سے جہاد کروں گا، تو میں نے کہا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں سے الفت سے درپیش آئیں اور ان پر نرمی کریں، تو آپ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں تم جابر تھے اور اسلام میں آ کر کمزور (بزدل) ہو گئے ہو، بیشک وحی ختم ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے کیا دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ ہوں، یعنی میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ میں اپنی زندگی میں دین اسلام کے فرائض میں رخنہ اندازی کی اور بغاوت کی اجازت نہیں دے سکتا بلکہ ضرور ہی ان سے جنگ کروں گا۔

☆ "وفی الصحیحین من حدیث ابی هریرة قال ابوبکر و الله لأ قائلن من فرق بین الصلوة والزکوة فان الزکوة حق المال والله لومنعونی عنا قا کانوا یؤدونها الی رسول الله ﷺ لقا تلتهم علی منعها قال فعرفت انه الحق " (بخاری ومسلم)

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوۃ میں تفریق پیدا کی، بیشک زکوۃ اللہ کا مال ہے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر ان لوگوں نے بکری کا بچہ بھی بطور زکوۃ نہ دیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیتے تھے تو زکوۃ نہ دینے کی وجہ سے میں ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سمجھ لیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ (ماخوذ از مظہری)

چونکہ وہ لوگ ایک جماعت کی شکل میں زکوۃ دینے سے انکار کر رہے تھے، بلکہ وہ فرضیت زکوۃ کے ہی منکر ہو گئے تھے اسی وجہ بالاتفاق ان کو مرتد کہا گیا ہے۔

آیۂ ربوا میں حرب سے مراد کون سی حرب ہے؟

اس سے مراد ایک تو وہی ہے جس کی ابھی تفصیل گزر گئی کہ اگر وہ جماعت بن کر سود کھانے پر اصرار کریں اور امام سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں تو ان کو باغی سمجھ کر قتل کر دیا جائے ورنہ ان کو قید کیا جائے، اسی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کر رہا ہے۔

"من کان مقیما علی الربوا لا ینزع عنه فحق علی امام السلمین ان تستتیبه فان نزع والا ضرب عنقه"

کہ جو شخص سود کھانے پر قائم رہے اور سود کھانے کو نہ چھوڑے تو مسلمانوں کے حاکم پر یہ حق ہے کہ وہ اسے توبہ کرنے کے متعلق کہے، اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اس کی گردن اڑا دے، اور اسی پر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول دلالت کر رہا ہے۔

"او عد الله اهل الربوا باتقل فجعلهم بهرجا اینما ثقفوا"

کہ اللہ تعالیٰ نے سود خواروں کو قتل کرنے کی وعید فرمائی ہے کہ تم ان کو جہاں بھی پاؤ تو تمہارے لئے مباح ہے۔ کہ ان کو قتل کر دو، لیکن اس سے مراد بھی وہی ہے کہ جب وہ اپنی جماعت بنالیں تو حاکم ان سے جنگ کرے، اس کا

Marfat.com

یہ مطلب نہیں کہ جس کا جی چاہے جسے چاہے قتل کرتا پھرے، شریعت نے قوانین اور ضوابط مقرر کر رکھے ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے، ان قوانین کے انبیاء کرام بھی پابند رہے ہیں اور ان کی امتیں بھی۔ شریعت میں معاذ اللہ سیاہ قانون نہیں جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ فوجی جرنیل قوانین کے پابند نہیں بلکہ قوانین پر عمل کرانے والے منصفین بھی ان کے تابع ہیں یہ کیا اندھیر نگری ہے یہ کیا جنگل کے قانون ہیں۔ لاقانونیت کی وجہ سے ایک شخص سیاہ وسفید کا مالک بنا بیٹھا ہے جو چاہتا ہے وہی کر رہا ہے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

آیہ کریمہ میں لڑائی سے مراد قیامت کے دن کی لڑائی کا بھی ایک قول ہے وہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی:

"روی عن ابن عباس رضی اللہ عنه انه یقال یوم القیامة لاکل الربوا خذسلاحک للحرب "

کہ قیامت کے دن سود کھانے والے کو کہا جائے گا کہ تو لڑائی کے لئے اپنے ہتھیار لے لے۔ (ماخوذ از قرطبی)

راقم کے نزدیک ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں بلکہ سود خواروں کو دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کا یقین دلایا گیا اور ان کو مطلع کیا گیا کہ قیامت کے دن بھی ان کو حکم دیا جائے گا کہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یعنی دنیا اور آخرت میں سود خواروں کیلئے ذلت وخواری ہوگی۔

"روی انها لما نزلت قال ثقیف لایدی لنا ای لاطاقة لنا بحرب من الله و رسوله "

یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو بنی ثقیف نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔

"لایدی " کا معنی "لاطاقة لنا" لیا گیا ہے، کیونکہ کوئی کام کیا جائے یا دفاع کرنا ہو تو ہاتھوں سے ہی کیا جاتا ہے اور اگر انسان دفاع سے عاجز آجائے تو گویا کہ وہ ہاتھوں سے محروم ہو جاتا ہے جب کسی کے ہاتھ معدوم ہو جائیں تو وہ کہتا ہے کہ "لایدی لنا" ہمارے ہاتھ نہیں اور مجازی معنی اس کا لیا جاتا ہے ہمیں کوئی طاقت حاصل نہیں۔

(از بیضاوی وشیخ زادہ)

سود شراب سے برا ہے:

Marfat.com

ابن بکیر کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابوعبداللہ میں نے ایک شخص کو نشے کی حالت میں دیکھا جو اونٹوں کی کوچیں کاٹ رہا ہے اور چاند کو پکڑنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

"فقلت امرأتي طالق ان كان يدخل جوف ابن آدم اشر من الخمر"

تو میں نے کہا کہ میری زوجہ کو طلاق ہے اگر انسان کے پیٹ میں شراب سے بھی بری چیز داخل ہو" ان الفاظ سے میری زوجہ کو طلاق ہوئی ہے یا نہیں۔ کیا شراب سے بھی کوئی چیز بری ہے؟ جو انسان کھاتا ہے تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا" ارجع حتى انظر في مسالتك " ابھی تم واپس چلے جاؤ، میں تمہارے مسئلہ میں غور وفکر کروں گا، پھر ہی کوئی فیصلہ کرسکوں گا، وہ واپس چلا گیا۔ دوسرے دن پھر حاضر ہوا، اس کے پوچھنے پر پھر وہی جواب آپ نے دیا کہ ابھی واپس چلے جاؤ، میں تمہارے مسئلہ میں غور وفکر کروں گا، تیسرے دن وہ پھر حاضر ہوا اور اپنے مسئلہ کا جواب طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔

"امرأتك طالق " اني تصفحت كتاب الله وسنة نبيه فلم أرشيئا اشر من الربوا لان الله اذن فيه بالحرب "

تمہاری عورت کو طلاق ہو چکی ہے کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں غور وفکر کیا تو مجھے سود سے زیادہ کوئی بری چیز نظر نہیں آئی، اسلئے کہ سود خواروں سے اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔

جب سود سب چیزوں سے بری چیز ہے تو لوگ سود کھا رہے ہیں، یعنی شراب سے بری چیز لوگوں کے پیٹوں میں جا رہی ہے جس سے تم نے اپنی زوجہ کی طلاق کو مشروط کیا ہے۔ جب شرط پائی گئی تو تمہاری زوجہ کی بھی طلاق ہو چکی ہے۔

(قرطبی بوضاحت)

"وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ"

"اور اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں"

یعنی اگر تم نے سود کا مال کھانے سے توبہ کرلی تو تم اپنا اصلی مال جو بطور قرض دیا تھا وہ واپس لے سکتے ہو البتہ

Marfat.com

سود نہیں لے سکتے۔ سود کی حرمت سے پہلے دئے ہوئے مال کا سود لینا بھی تم پر اب حرام کر دیا گیا ہے۔

سود سے توبہ کیسے کی جائے؟

سود سے توبہ کا یہ طریقہ ہے کہ جو مال سود کے طور پر لیا ہے وہ چونکہ حرام مال ہے اسلئے جس شخص سے مال لیا ہے اسے واپس لوٹا دے، پہلے لئے ہوئے مال کے گناہ پر نادم ہو جائے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلے، اگر وہ شخص نہ ملے تو پھر بھرپور کوشش کرے کہ وہ شخص مل جائے تو بہتر ہے، تاکہ اس سے سود کے طور پر لیا ہوا مال اسے لوٹا دیا جائے۔

"فان أيس من وجوده فليتصدق بذلك عنه"

اگر وہ شخص نہ ملے یا اس سے ناامید ہو جائے تو یہ مال کسی غریب پر صدقہ کر دے، لیکن یہ خیال رہے کہ اس صدقہ میں ثواب کی نیت نہ کرے کیونکہ حرام مال صدقہ کر کے ثواب کی نیت کرنا حرام ہے۔

اگر کسی شخص پر ظلم کر کے مال بٹور لیا تھا تو اس سے توبہ کرنے کا بھی یہی طریقہ ہے کہ ظالمانہ طور پر لیا ہوا مال مظلوم کو واپس کر دے، اگر وہ شخص نہ ملے تو سرتوڑ کوشش کرے کہ وہ شخص مل جائے تو اسے مال واپس کر دے اگر وہ کسی صورت میں بھی نہ ملے تو مال صدقہ کر دے۔

اگر ایک شخص نے مال حاصل کیا لیکن حلال اور حرام کی تمیز نہیں کی، جیسے مال ملتا رہا اسی طرح حاصل کرتا رہا اب اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق عطاء کر دی، اسے پتہ نہیں کہ میرے پاس کتنا مال حلال ہے اور کتنا حرام ہے تو اس کی توبہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی سوچ کے مطابق پوری کوشش کرے، جتنا مال اس کی سوچ میں حرام آئے وہ اصل مالکوں تک پہنچائے یا صدقہ کر دے۔ (ماخوذ از قرطبی)

"لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ" ''نہ تم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے''

یعنی تم اپنے اصلی مال سے زائد لے کر ظلم نہ کرو، اور وہ قرضہ لینے والے جان بوجھ کر دیر کرنے اور ٹال مٹول کرنے یا مال کم دینے کی وجہ سے تم پر ظلم نہ کریں۔ اسی سے یہ سمجھ آیا کہ سود خوار اگر توبہ نہ کرے تو وہ اپنا اصلی مال بھی نہیں

Marfat.com

لے سکتا۔ یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ وہ اپنا اصلی مال بھی نہیں لے سکتا؟

" وهو سديد على ماقلنا اذالمصرعلى التحليل مرتد وماله فيئى "

ہمارا یہ قول اس لئے درست ہے کہ جو شخص سود کا مال کھانے سے اسلئے باز نہ آئے کہ وہ اسے حلال سمجھنے پر اصرار کرے وہ مرتد ہے اور اس کا مال مال فئی ہے۔ (بیضاوی)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے کیونکہ بیضاوی رحمہ اللہ نے جو "علی ماقلنا" کہا ہے اس سے مراد امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

"واما عندابی حنیفة رحمه الله فما اکتسبه فی حال الا سلام ینتقل بعد قتله او لحوقه بدار الحرب الی ورثته للمسلمین وما اکتسبه فی حالة الردة کان فیئا"

لیکن امام اعظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اس نے حالت اسلام میں مال حاصل کیا وہ اس کے قتل کے بعد یا دار حرب میں مرتد ہو کر لاحق ہونے سے اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا۔ ہاں البتہ اس نے جو مال مرتد ہونے کے حال میں کسب کیا تھا وہ اس کے مرنے یا دار حرب میں لاحق ہونے کے بعد فیئی بن جائے گا۔ جس میں مسلمان حاکم کو تصرف کا اختیار ہوتا ہے، مسلمان حاکم اس کا مالک نہیں بنتا" (مظہری)

اور دینی طلباء سے یہ مخفی نہیں:

کہ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ کا یہ کہنا "یفهم منه انهم ان لم یتوبوا فلیس لهم مالهم" کہ اس آیۃ کریمہ سے یہ سمجھ آ رہا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کیلئے مال نہیں، یہ مفہوم مخالف ہے۔ اصول فقہ کی معتبر کتاب نور الانوار میں جہاں دلائل کی وجوہ فاسدہ بیان کی گئی ہیں ان میں ہی بیان کیا گیا ہے کہ "مفہوم مخالف" امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک کوئی دلیل نہیں۔ قاضی مظہری رحمہ اللہ نے علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کا رد کیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو مسئلہ میں تفصیل تھی اسے ذکر کیا (جو راقم نے نقل کر دی) تو ساتھ ہی ذکر کیا۔

" والمفهوم لیس بحجة عندابی حنیفة علی انه اذا کان لورثته لم یکن له "

Marfat.com

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مفہوم (مفہوم مخالف) کوئی حجت نہیں۔ ہاں البتہ اس کا کوئی وارث ہی نہ ہوتو پھراس کا مال فیئ بنے گا۔ (مظہری)

ہر مسلمان شخص کیلئے قانون وراثت یہی ہے کہ جب اس کا کوئی وارث نہیں تو اس کا مال بیت المال میں جمع کرلیا جاتا ہے۔ (راقم)

اپنا اصلی مال مقروض کی مرضی کے بغیر لیا جاسکتا ہے:

جب رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا'' وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم '' (اور اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے لئے ہے) تو اس سے واضح ہوگیا کہ قرضہ دینے والے کا یہ حق ہے کہ مقروض سے اپنے اصلی مال کا مطالبہ کرے '' وجواز اخذ رأس المال منہ بغیر رضاہ '' کیونکہ اس کیلئے یہ جائز ہے کہ اپنا اصلی مال اس کی رضامندی کے بغیر ہی حاصل کرلے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقروض کی مرضی کے بغیر ہی اپنا مال واپس لینے کی اجازت فرمائی، مقروض کی مرضی کو ذکر نہ فرما کر حکم کو عام کر دیا۔ اسی لئے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ صاحب حق اپنا حق، دینے والے کی مرضی کے بغیر لے سکتا ہے چونکہ زوجہ اپنا اور اپنے نابالغ اہل وعیال کا خرچ اپنے خاوند سے لینے کی حقدار ہے لہٰذا خاوند اگر اسے اتنا خرچ نہ دے جو اسے کافی ہو سکے تو وہ اس کے مال سے اس کی مرضی کے بغیر لے سکتی ہے۔

حضرت ہندہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی عرض کیا یارسول اللہ ﷺ!

''ان اباسفیان رجل شحیح لایعطینی مایکفینی وولدی فقال خذی من مال ابی سفیان مایکفیک وولدک بالمعروف ''

بے شک ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے وہ مجھے اتنا مال نہیں دیتا کہ جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تم (اپنے خاوند) ابوسفیان کے مال سے اتنا مال لے لیا کرو جو حکم شرع کے مطابق تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو سکے۔

Marfat.com

واضح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہندہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مرضی کے بغیر ہی اپنا حق لینے کی اجازت فرمائی۔ (احکام القرآن للجصاص)

بغیر کسی عذر کے قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے:

یعنی ایک شخص قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور کسی قسم کا اسے کوئی عذر لاحق نہیں تو پھر وہ ٹال مٹول سے کام لے اور قرض ادا نہ کرے تو یہ ظلم ہے۔ آیہ کریمہ اسی پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ''وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم'' تو اپنے اصلی مال کا مطالبہ کرنے کا حکم دیا گیا اسی سے مقروض کو قرض ادا کرنے کا بھی حکم دے دیا گیا ''فانہ متی امتنع منہ کان ظالما'' جب وہ قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن قرض ادا نہ کرے تو وہ ظالم ہے ''واذا کان کذالک استحق العقوبة وھی الحبس'' جب وہ ظالم کے درجہ میں ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے لہذا حاکم وقت اسے قرض کی ادائیگی تک قید کرنے۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ بھی اس مسئلہ پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے

''واللہ اعلم لاتظلمون باخذالزیادة و لاتظلمون بالنقصان من رأس المال فدل ذلک علی انہ متی امتنع من اداء جمیع راس المال الیہ کان ظالما لہ مستحقاللعقوبة''

اللہ تعالی جانتا ہے کہ تم زیادہ مال لے کر ظلم نہیں کرو گے اور تمہارے اصلی مال میں مقروض لوگوں کی طرف سے کمی کر کے ظلم نہیں کیا جائے گا اسی سے پتہ چلا کہ جب وہ قرض ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہو پھر سارا مال روک کر بیٹھا ہے تو وہ ظالم ہے اور سزا کا مستحق ہے۔

''وعن ابی ھریرة عن النبی ﷺ انہ قال مطل الغنی ظلم'' (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غنی کا قرض ادا کرنے میں تاخیر کرنا یعنی بلاوجہ ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے۔

Marfat.com

حدیث پاک سے بھی واضح ہوا کہ صاحب استطاعت کا قرض ادا نہ کرنا ظلم ہے۔ (احکام القرآن للجصاص)

قرض ادا کرنے والے کو قید کا حکم:

"عن هرماس بن حبيب رجل من البادية عن ابيه عن جده قال اتيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بغريم لی فقال لی الزمه ثم قال یااخابنی تميم ماتريد ان تفعلب بأسيرک"

ہرماس بن حبیب کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قرضہ دینے والے شخص کو لایا (جو قرضہ نہیں دے رہا تھا) تو آپ نے فرمایا کہ اسے لازم پکڑو، پھر آپ نے فرمایا اے بنو تمیم کے بھائی! تم اپنے قیدی سے کیا (سلوک) کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

حدیث پاک سے بھی واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضہ نہ دینے والے کو "الـزمـه" (لازم پکڑو) فرما کر قید کرنے کا حکم دیا پھر یہ پوچھ کر کہ "ماتريد ان تفعل باسيرک" (تم اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو) واضح کر دیا کہ وہ شخص قید کر لیا گیا تھا۔ (احکام القرآن للجصاص)

کتنی دیر قید رکھا جائے؟

فقہائے کرام نے بیان کیا ہے کہ قرض ادا نہ کرنے والے کو دو یا تین ماہ تک قید میں رکھا جائے۔ اگر پتہ چل جائے کہ واقعی وہ غنی ہے، قرضہ دے سکتا ہے لیکن دیتا نہیں تو اسے قرضہ کے ادا کرنے تک قید رکھا جائے اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ وہ غریب ہے قرض ادا نہیں کر سکتا تو اسے چھوڑ دیا جائے جب وہ قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھے گا تو قرض ادا کر دے گا۔ (احکام القرآن للجصاص)

مسئلہ : "وذروامابقی من الربوا" سے اور "وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم" سے جب یہ سمجھ آرہا ہے کہ جو سود کا مال سود کے حرام ہونے سے پہلے لے لیا گیا ہو وہ تو ٹھیک ہے، لیکن جو نہیں لیا گیا وہ منع کر دیا گیا ہے۔ اسی سے علماء احناف اور اصحاب شافعی نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ مبیع کو قبض کرنے سے پہلے کوئی ایسی

Marfat.com

چیز لاحق ہو جائے تو بیع باطل (فاسد) ہو جائے گی کیونکہ قبض سے پہلے حکم اور ہے اور قبض کرنے کے بعد حکم اور ہے یعنی قبض کے بعد فاسد کرنے والی صورت کے لاحق ہونے سے پہلے بیع فاسد نہیں ہوگی۔ جیسا کہ کسی مسلمان شکاری نے کوئی شکاری جانور خرید لیا ابھی قبضہ نہیں کیا تھا کہ بائع یا مشتری یا دونوں نے احرام باندھ لیا تو بیع فاسد ہوگئی۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ قبض کرنے سے پہلے اس پر وہ چیز جاری کر دی گئی جو بیع کو ناجائز کر دیتی ہے۔ اسی سے ایک اور مسئلہ سمجھ آیا کہ مبیع کو مشتری نے قبض نہیں کیا تھا بلکہ بائع کے ہاتھ میں ہی ہلاک ہو جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے مشتری پر ثمن (قیمت) دینا لازم نہیں۔ (ماخوذ از قرطبی)

سود تمام دینوں میں منع رہا:

زمانہ جاہلیت مین جو سود لیا جاتا رہا وہ مشرکین کی عادت تھی کہ جس سے منع کیا گیا یہود پر سود کے منع ہونے پر قرآن پاک کی ظاہر طور پر دلالت پائی گئی ہے۔ "اخذھم الربو وقد نھوا عنہ" انہوں نے سود لیا اور حالانکہ ان پر سود حرام کیا گیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی شریعت میں بھی سود منع تھا لیکن قوم نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا تھا:

"قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَامُرُکَ اَنْ نَتْرُکَ مَایَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْاَنْ نَفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَانَشٰٓؤُا اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ" (سورۃ ھود آیہ نمبر ۸۷)

بولے اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں، ہاں جی تمہیں بڑے عقلمند نیک چلن ہو۔

مطلب ان کا یہ تھا کہ ہم اپنے مال کے مالک ہیں چاہیں تو سود پر مال دیں، چاہیں تو کم تولیں، چاہیں تو کم ناپیں تمہیں ہم پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ سود کا لین دین ہر شریعت میں حرام رہا، البتہ لوگ اپنے نبی کے حکم کے خلاف اگر سود لیتے رہے تو وہ کسی شریعت کا قانون نہیں بلکہ شریعت کی اس میں مخالفت پائی گئی۔
(ماخوذ از قرطبی بتصرف)

Marfat.com

دین میں غلو جائز نہیں:

بعض اصحاب ورع لیکن دن میں غلو کرنے والوں نے یہ کہا کہ اگر کسی شخص کے حلال مال کے ساتھ حرام مال مل جائے تو یہاں تک کہ وہ اس کے حلال مال سے جدا نہ ہو سکے تو اس نے اتنی مقدار میں مال نکال دیا جتنی مقدار میں حرام مال ملا تھا لیکن پھر بھی تمام مال کا اس کیلئے استعمال جائز نہیں پتہ نہیں کون سا مال اس میں حلال ہے اور کون سا حرام۔

جیسا کہ حلال گندم میں حرام طریقے سے حاصل کی گئی گندم ملا لی گئی تو ایک ایک دانے کو جدا تو نہیں کیا جا سکتا اسلئے مثال کے طور پر ایک من گندم حرام طریقے سے حاصل کی گئی جب حلال گندم میں ملائی گئی اور ایک من گندم نکال لی گئی تو پھر باقی ماندہ گندم اسی طرح حرام رہے گی ہو سکتا ہے کہ اسمیں حرام گندم والے دانے باقی ہوں بلکہ یہ یقینی بات ہے کہ اس میں حرام دانوں کی آمیزش ہے

قال ابن العربی وهذا غلو فی الدین فان کل مالم یتمیز فالمقصود منه مالیته لاعینه ''

علامہ ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین میں غلو (بے جا زیادتی) ہے اسلئے قانون شریعت یہ ہے کہ جب کوئی چیز اس طرح خلط ملط ہو جائے تو جو جدا نہ ہو سکے تو وہاں مقصد یہ ہوگا کہ اسکی مالیت کے مطابق اس چیز کو نکال دیا جائے، عین اسی چیز کا نکالنا ضروری نہیں۔ (ماخوذ از قرطبی بزیادۃ)

لیکن، راقم کہتا ہے کہ جو مثال گندم کی میں نے دی ہے وہ مثال اور اس کی مثالوں کا یہ حکم ہے، کہیں یہ حکم نجس اور طاہر پر بھی نہ لگا دینا۔ کہیں یہ فتوی نہ دیتے پھرنا کہ ایک کلو دودھ دس گرام پیشاب مل جل جائے تو دس گرام دودھ انڈیل دینے سے باقی دودھ پاک ہو جائے گا، نہیں نہیں ایسا نہیں''

بلکہ نجس اور طاہر گندم کے مل جل جانے سے بھی نجس گندم کی مقدار گندم نکالنے سے باقی گندم پاک نہیں ہو گئی۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ اگر کوئی متقی شخص اپنے آپ کو اس سے بچانا چاہے کہ وہ سکتا ہے حرام چیز کی مقدار نکال دینے کے باوجود بھی باقی میں حرام کی آمیزش کا خطرہ ہے، لھذا میں یہ استعمال نہیں کرتا یہ غلو نہیں بلکہ یہ تقوی ہے غلو اس وقت ہوگا جب لوگوں کو فتوی دے کر اس پر مجبور کرے۔'' واللہ اعلم بالصواب''

Marfat.com

گندم کا بطور قرض لین دین:

حضرت فقیہ اعظم، رئیس الاتقیاء مولنا نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ سے فتویٰ طلب کیا گیا کہ گندم کا قرض شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا، بلا شک وشبہ وریب قطعا، (بغیر کسی شک وشبہ کے یقینی طور پر یہ ثابت ہے) کہ قرض گندم جائز ہے (عنایہ شرح ہدایہ ج ۶ ص ۲۷۹، مبسوط امام سرخسی علیہ الرحمۃ ج ۱۴ ص ۳۰، ۳۱، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۷۹، ''والنظم من المبسوط'' (الفاظ مبسوط کے ذکر کئے جا رہے ہیں، وہ یہ ہیں)

''الا قراض جائز فی کل مکیل اوموزون وکذلک فی العدديات المتقاربة''

یعنی قرض دینا جائز ہے ہر ایسی چیز میں جو ماپی جائے اور تولی جائے اور ایسے ہی گنتی کی ان چیزوں میں جن کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو۔ اور ''شامی ج ۴ ص ۲۳۹'' میں ہے

''وفی الفتاوی الهندية استقرض حنطة فاعطى مثلها بعد ماتغير سعرها يجبر المقرض على القبول'' (فتاوی ہندیہ)

یعنی عالمگیری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے گندم بطور قرض لی تو اسی کی مثل گندم واپس کی لیکن اس وقت بھاؤ بدل چکا تھا، پھر بھی قرض دینے والے کو مجبور کیا جائے کہ وہ اتنی مقدار گندم ہی واپس لے۔ (راقم)

فتاوی عالمگیر ج ۳ ص ۱۰۰'' میں ہے۔

''استقرض رجل من رجل حنطة وامره ان يزرعه فی ارض المتقرض فقد صح القرض'' (ایک شخص نے دوسرے سے گندم بطور قرض لی، قرض لینے والے نے قرض دینے والے کو کہا اسے میری زمین میں کاشت کر دو تو یہ قرض لینا جائز ہے۔ (راقم)

البتہ گندم چونکہ شرعا مکیلی ہے لھذا یہ ضروری کہ ماپ کر قرض دیا جائے اور ایسے ہی جبکہ گندم گندم سے فروخت کی جائے ماپنا ضروری ہے اور تول (کر بطور قرض دینے) سے جائز نہیں۔ اور روپیہ وغیرہ سے تول کر فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ درمختار صفحہ ۴۵۶ میں ہے کہ

Marfat.com

"ومانص الشارع علی کونہ کیلیا کبروشعیر وتمر وملح اووزنیا کذھب وفضۃ فھو کذلک لایتغیر لاابدا فلم یصح بیع حنطۃ بحنطۃ............ الخ

جس کے کیلی ہونے (ماپ کردینے) پر شارع (حضور ﷺ) کی جانب سے نص ہو وہ کیلی ہی رہے گی جیسے گندم اور جو اور کھجور اور نمک، اور جن چیزوں کو حضور ﷺ نے وزنی کہا ہے وہ وزنی ہی رہیں گی ان کا حکم کبھی بدلے گا نہیں۔لہذا گندم کی بیع گندم کے وزن سے صحیح نہیں اس میں کمی اور زیادتی کا احتمال ہے جسکی وجہ سے اسمیں سود کا احتمال پایا گیا ہے۔ (راقم)

فتاوی عالمگیری ج ۳ ص ۹۸ میں ہے کہ "لاخیر فی قرض الحنطۃ والدقیق وزنا"

گندم اور گندم کے آٹے کو وزن کر کے قرض دینا بہتر نہیں۔ (راقم)

باقی رہی وہ حدیث جس میں "یدا بید" (ہاتھ بہاتھ) کی قید ہے اس سے قرض کی ممانعت نہایت ہی بے جا ہے کہ اس حدیث شریف میں روایت رفع (پیش والی روایت) میں لفظ "بیع" مقدر ہے اور روایت نصب (زبر والی روایت) میں "بیعوا" مقدر ہے۔مبسوط ج ۱۲ ص ۱۱۰، ہدایہ مطبوع مع الفتح ج ۶ ص ۱۴۷، فتح القدیر، عنایہ شرح ہدایہ ج ۶ ص ۱۴۷ اوالنظم من العنایہ (عبارت عنایہ کی نقل کی جارہی ہے)

وروی بروایتین بالرفع مثل بمثل وبالنصب مثلابمثل ومعنی الاول بیع الحنطۃ "الی ان قال "ومعنی الثانی بیعوا"

(حدیث میں دو روایتیں ہیں۔ایک رفع (پیش) والی یعنی اس میں پڑھا گیا ہے" مثل بمثل" اور دوسری نصب (زبر) والی، جس میں پڑھا گیا ہے "مثلابمثل" پہلی روایت کے مطابق لفظ "بیع" مقدر ہے "الحذف والایصال" کے قانون کے مطابق لفظ "بیع کو حذف کر کے اس کا اعراب مضاف الیہ کو دے دیا ، اور دوسری روایت کے مطابق لفظ "بیعوا" مقدر ہے۔ (راقم)

بحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۷ قسطلانی شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۶۴ عینی شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۲۵۲ والنظم للعینی (الفاظ عینی کے نقل کئے جارہے ہیں)"قولہ والبر بالبر ای وبیع البر بالبرّ وھکذایقدر فی البواقی"

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے ارشادگرامی "والبر بالبر" میں لفظ "بیع" مقدر ہے اصل میں "بیع البر بالبر" ہے اور باقی الفاظ میں بھی اسی طرح لفظ "بیع" مقدر ہے۔ (راقم)

ترمذی شریف ج ا ص ۱۴۹ میں حدیث مذکور کے تحت ہے "والعمل علی هذاعنداهل العلم لایرون ان یباع البر بالبر الامثلا بمثل" (اہل علم کا اسی عمل پر ہے کہ وہ گندم کو گندم کے بدلے بیچنے کو جائز نہیں سمجھتے۔(راقم) چاور ایسے ہی بیع (یعنی لفظ بیع کا ذکر) مؤطاامام مالک ج ا ص ۳۴۴ اور اشعة اللمعات شرح مشکوۃ ج ۳ ص ۱۹ میں ہے بلکہ اس حدیث شریف کے طرق وروایات میں مادہ بیع موجود ہے۔ حدیث دانی اس کا نام نہیں کہ ایک روایت سے حدیث کو دیکھ لیا اور حکم لگا دیا بلکہ طرق مختلفہ پر نظر کر کے نتیجہ نکالنا لازم ہے۔

صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴ اور سنن الکبری بیہقی ج ۵ ص ۲۷۷ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہے کہ "ینھی عن بیع الذهب بالذهب......... الخ "سونے کی بیع سونے سے روکا گیا ہے سوائے برابر برابر کے۔"

سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۷۶، ۲۷۷ میں انہیں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"لاتبیعوا الذهب بالذهب" (الحدیث) سونے کو سونے کے بدلے سوائے برابر کے نہ بیچو۔

سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴ میں انہیں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

"نهی رسول الله ﷺ عن بیع الورق بالورق الحدیث"

کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کے بیع چاندی کے بدلے سوائے برابر کے منع فرمایا ہے۔

تو روز روشن کی طرح معلوم ہوا کہ "یدا بید" کی قید بیع میں ہے تو خواہ مخواہ قرض کو اس حدیث شریف سے کیوں ممنوع قرار دیا جاتا ہے اور اگر یہی شوق دامنگیر ہے تو صرف گندم کا قرض نہیں بلکہ روپیہ اشرفی وغیرہ کا قرض بھی حرام ہو جائے گا اور کہ اس حدیث شریف میں سونے چاندی کا بھی ذکر ہے یہ عجب بات کہ ایک چیز حرام ہو جائے اور دوسری حلال، حالانکہ دونوں ہی ایک حدیث شریف میں یکساں مذکور ہیں، بیع تو "مبادلة المال بالمال بالتراضی" کا نام ہے (یعنی بیع میں مال کا تبادلہ مال سے ہوتا ہے جبکہ دونوں فریق رضامند ہوں) اور قرض "ماتعطیه من مثلی لتقاضاه" یعنی وہ مثلی شے (چیز) جسے دی جائے اور اسی کا تقاضا کیا جائے۔ اور قرض

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ مثلی چیز یعنی مکیلی یا موزونی یا عددی متقارب دی جائے تا کہ واپس بھی کر لیا جائے ،یعنی قرض دینے والا اپنے قرض کا تقاضا کرنے کا حق رکھتا ہو)اسی سے معلوم ہوا کہ قرض اس خاص قسم کی عاریت (منگوی دینا) کا نام ہے تو جواز خود بخود ہی ثابت ہو گیا۔مبسوط ج ۱۴ص ۳۱ میں ہے:

"ان القرض فی معنی العاریۃلان مایسترده المقرض فی الحکم کانه عین مادفع اذلولم یجعل کذلک کان مبادلة الشیء بجنسه نسیئة وذلک حرام "

اورایسے ہی ص ۳۴ میں ہے کہ یعنی معنی قرض عاریۃ میں ہے اور جو چیز قرض دینے والا واپس لیتا ہے حکماایسا ہے گویا کہ اسی چیز کو واپس لیتا ہے جس کو اس نے دیا ہے اور یہ مبادلہ نہیں ۔ہاں اگر مبادلہ ہوتا تو تمام مکیلات وموزونات میں قرض حرام ہوتا اور صرف گندم کی تخصیص نہ ہوتی ،مگر جب حقیقۃ مبادلہ نہیں تو جائز ہے اور صورت مبادلہ کا اعتبار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ لفظ عاریہ سے بھی قرض ثابت ہو جاتا ہے۔

مبسوط ج ۱۴ص ۳۴ ،فتاوی عالمگیری ج ۳ص ۱۰۰ میں ہے والنظم من الہندیۃ (عبارت عالمگیری کی نقل کی جارہی ہے)

"وعاریة کل شیء یجوز قرضه قرض "

ہر وہ چیز جسے قرض دینا جائز ہوا سے عاریۃ (مانگوی) دینا بھی قرض کے حکم میں ہے تو امس وشمس کی طرح واضح ولائح ہوا (تو گذرے ہوکل اور سورج کی طرح واضح اور ظاہر گیا کہ قرض جائز ہے)

(فتاوی نوریہ ج ۴ص ۱۲۷ تا ۱۳۰)

فتاوی نوریہ کے اس فتوی کی تصدیق وتائید حضرت شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی صاحب فیصل آبادی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں فرمائی " استقراض الحنطة" (گندم کا قرض لینا قطعا جائز ہے) جو شخص اس کا منکر ہو گویا وہ اقوال السلف اور حدیث شریف کا منکر ہے کیونکہ " استقراض الحنطة" حدیث شریف اور معتبرہ کتب فقہیہ سے ثابت ہے قبلہ مجیب صاحب نے جو جواب فرمایا ہے بالکل ان کے موافق ہے۔ (فتاوی نوریہ ص ۱۳۰)

مسئلہ : گائے کے گوشت کی بیع گائے سے ،اسی طرح ہر جانور کے گوشت کی بیع اسی جنس کے زندہ جانور سے

Marfat.com

جائز ہے جبکہ ہاتھ بہاتھ ہو کیونکہ گوشت موزونی ہے اور جانور موزونی نہیں لیکن نسیئۃ (لیکن ادھار سے بیع) جائز نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ : گندم کی بیع گندم کے آٹے یا گندم کے ستو سے مطلقاً ناجائز ہے خواہ ہاتھ بہاتھ ہو یا نسیئۃ (ادھار بیع) ناجائز ہے کیونکہ اس میں مساوات نہیں پائی جا سکتی لہذا سود کا احتمال اس میں قوی طور پر پایا گیا لہذا ناجائز ہے۔ (ماخوذ از درمختار)

روٹی قرض لینا جائز ہے:

روٹی وزن کے طور پر اور گنتی سے قرض لینا جائز ہے، یہی قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے اسی پر فتوی ہے ابن ملک رحمہ اللہ کا ے اسی کو کمال رحمہ اللہ نے مستحسن سمجھا ہے اور اسی کو صاحب تنویر الابصار نے آسانی کے لئے مستحسن سمجھا ہے اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی یہ فرمایا "وانا أری قول محمد احسن" میں بھی امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو مستحسن بلکہ احسن سمجھتا ہوں۔ (ماخوذ از درمختار و شامی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ☆ (آیۃ نمبر ۲۸۰)

﴿۱﴾

اور اگر وہ تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لئے اور بھلا ہے اگر جانو۔

﴿۲﴾

اور اگر وہ تنگی والا ہے تو مہلت ہے آسانی تک اور تمہارا صدقہ کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جان لو۔

Marfat.com

مطلب واضح ہے کہ جس شخص کو تم نے قرض دے رکھا ہے اگر وہ تنگدست ہو، قرض ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دے دو، یعنی جب اسے قرض ادا کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے تو اس سے قرض وصول کرلو، اور اگر تم دیا ہوا قرض اسی پر صدقہ کردو، یعنی تمام قرض وصول ہی نہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں علم حاصل ہو جائے کہ یہ بہتر ہے تو ایسا ہی کرو۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ بامحاورہ ہے، مطلب سمجھانے کیلئے بہت خوب ترجمہ ہے، راقم نے صرف لفظی ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے۔

یہ مختصر مطلب جو بیان کیا ہے یہ تقریباً روح البیان سے ماخوذ ہے، طلباء کرام کی دلچسپی کے لئے روح البیان کی تفسیر بمع آیہ کریمہ درج کی جارہی ہے، ترجمہ مندرجہ بالا مختصر مطلب ہی سمجھیں۔

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ"ای وان وقع من غرمائكم ذوعسرة وهي بالاعدام او كساد المتاع (فَنَظِرَةٌ)ای فالحكم نظرة وهي من الانظار والامهال (اِلٰى مَيْسَرَةٍ)ای يسار (وَاَنْ تَصَدَّقُوْا)ای وتصدقكم بأسقاط الدين كله عمن اعسر من الغرماء اوبالتاخير والانظار (خَيْرٌلَّكُمْ)ای اكثر ثوابا(اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ)جوابه محذوف ای ان كنتم تعلمون انه خيرلكم عملتموه" (روح البیان)

تنگدست کو مہلت دینے کی فضیلت میں احادیث مبارکہ:

"عن ابی سعيد قال اصيب رجل في عهدالنبي ﷺ في ثمار ابتاعهافكثر دينه فقال رسول الله ﷺ تصدقوا عليه فتصدق الناس عليه فلم يبلغ ذلک وفاء فقال رسو ل الله ﷺ لغرمائه خذوا ما وجدتم وليس لكم الاذلک "

(رواه مسلم ،مشكوة باب الافلاس والانظار)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے پھل خریدے اوران کو آفت پہنچ گئی جس کی وجہ سے اس پر قرض بہت زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کو صدقہ دو، لوگوں نے ان کو صدقہ دیا تو وہ اس کے قرض کو پورا نہ کرسکا تو رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

اسکے قرض خواہوں کو فرمایا کہ جو تم نے پایا وہ لے لو اور نہیں ہے تمہارے لئے سوائے اس کے۔

وضاحت حدیث:

حدیث شریف میں جس شخص کا ذکر ہے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔انھوں نے پھل خریدے تھے،ابھی تک قرض ادا نہیں کیا تھا کہ پھلوں مین قدرتی آفت یعنی ژالہ باری یا گرم لو(آگ بگولہ)وغیرہ میں سے کوئی آفت واقع ہوئی جس کی وجہ سے وہ پھل تباہ وبرباد ہوگیا۔ادھر پھل بیچنے والا انے قرض کا مطالبہ کررہا تھا،ادھراور لوگوں نے بھی اپنے اپنے قرض کا مطالبہ کیا۔نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان کو صدقہ دے دو تاکہ ان میں قرض ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

سبحان اللہ! کیسا ہی خوب مشورہ تھا ایک طرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر مہربانی کی اور دوسری طرف صحابہ کرام کو ثواب میں شریک کیا،کیونکہ رب تعالی کا ارشاد گرامی ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَجۡزِی الۡمُتَصَدِّقِیۡنَ﴾ (بیشک اللہ جزا دے گا صدقہ کرنے والوں کو)۔حدیث پاک میں ایک بات سمجھنے کے قابل ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے صدقہ دینے کا ارشاد فرمایا اور صدقہ دینے پر قرض ادا نہ ہوسکنے کی صورت میں آپ کا یہ ارشاد قرض خواہوں کو" خذوما وجدتم ولیس لکم الا ذلک" کہ تمہیں جو مل رہا ہے وہ لے لو اور اس کے سوا کچھ نہیں۔"

آپ نے قرض خواہوں کو قرض لینے سے کس طرح منع فرمایا جبکہ قرض لینا ان کا حق تھا؟

اسکے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ

"لیس لکم زجرة وحبسه لانه ظهر افلاسه واذاثبت افلاس الرجل لایجوز حبسه بالدین بل یخلی ویمهل الی ان یحصل له مال فیاخذه الغرماء ولیس معناه انه لیس لکم الاما وجدتم وبطل مابقی من دیونکم لقوله تعالی "وَاِنۡ کَانَ ذُوۡعُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیۡسَرَةٍ"

تمہارے لئے مقروض کو ڈانٹنے اور قید کرنے کو کوئی حق نہیں کیونکہ اس نے اپنی غربت اور احتیاجی کو ظاہر کردیا اور یہ بات واضح ہے کہ جب کوئی شخص اپنا غریب ہونا ظاہر کردے تو اسے قرض کے

Marfat.com

بدلے قید نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کے مال کے حاصل ہونے تک اسے مہلت دی جاتی ہے، جب اسے مال مل جائے تو قرض خواہ اپنا مال لے لیں۔ یعنی "لیس لکم الاماوجدتم" کا یہ معنی نہیں کہ "تم اسکے بغیر اپنا قرض نہیں لے سکتے" بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اسے ڈانٹ نہیں سکتے، قید نہیں کر سکتے کیونکہ رب تعالی نے تنگدست کو مال کے ملنے پر اور قرض کی ادائیگی کی استطاعت حاصل ہونے تک مہلت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

(مرقاۃ ج۶ ص ۹۷)

دوسرا جواب راقم کے ذہن میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرض نہ لینے کا حکم نہیں فرمایا۔ البتہ مشورہ دیا ہے کہ تم یہی مال لے لو، باقی نہ لو اور رب تعالی کے ارشاد گرامی کے مطابق تم اعلی مقام کو حاصل کرو یعنی ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ﴾ "تم صدقہ کر دو (قرض نہ لو) تو تمہارے لئے بہتر ہے" پر عمل کرو۔

☆ "عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال کان رجل یداین الناس فکان یقول لفتاہ اذااتیت معسرا تجاوزعنہ لعل اللہ ان یتجاوزعنا قال فلقی اللہ فتجاوزعنہ"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ باب الافلاس والانظار)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیتا تھا پھر اپنے خادم کو کہتا کہ "جب تنگدست آئے تو اس سے درگزر کیا کر و شاید اللہ تعالی ہم سے درگزر فرمائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص کی اللہ تعالی سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالی نے اسے درگزر فرمایا۔

وضاحت حدیث:

"یداین الناس" کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے قرض کا معاملہ کرتا یعنی قرض کا لین دین کرتا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو قرض دیتا ہے۔

"فکان یقول لفتاہ" وہ اپنے جوان سے کہتا ہے جوان سے مراد یا تو خادم ہے یا لڑکا بلکہ مسلم کی دوسری

Marfat.com

روایت میں ''غلمانہ'' کے الفاظ ہیں کہ وہ اپنے لڑکوں کو حکم دیتا۔

''اذاتیت معسرا'' جب تمہارے پاس فقیر و تنگدست آئے ''تجاوز عنہ'' تم اس سے درگزر کرو، درگزر کرنا عام ہے تم اس سے چشم پوشی کر لیا کرو، جب وہ ادا کر سکے گا ادا کر دے گا اور اگر وہ مال دے اسمیں سے کوئی عیب ہو تو وہ لے لیا کرو، یا یہ کہ اگر کچھ کم ہو، کم ہی لے لو، یا یہ کہ اسے معاف ہی کر دیا کرو۔

علمی نکتہ :اس شخص نے کہا کہ ''لعل اللہ ان یتجاوز عنا''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمادے، اس نے ضمیر جمع کی ذکر کی ''عنا'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فلقی اللہ فتجاوز عنہ'' (جب وہ فوت ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا۔ رسول اللہ نے واحد کی ضمیر ''عنہ'' ذکر کی۔ اصل مراد یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی ذات ہی مراد لی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی ذات کا ہی ذکر کیا۔

''ارادالقائل نفسہ ولکن جمع الضمیر ارادۃ ان یتجاوز عمن فعل مثل ھذاالفعل لیدخل فیہ دخولا اولیا''

کہنے والا شخص اپنی ذات مراد لے رہا تھا لیکن جمع کی ضمیر اس نے اسلئے ذکر کی کی جو شخص بھی تنگدست سے درگزر کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے، یعنی وہ بھی میری دعا میں ابتدائی طور پر شامل ہو جائے۔

''ولذلک استحب للداعی ان یعم فی الدعاء ولا یخص نفسہ لعل اللہ تعالی ببرکتھم یستجیب دعائہ''

اسی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی دعا کو عام رکھے تا کہ باقی لوگوں کو بھی شامل کرے، دعا اپنے لئے خاص نہ کرے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے لوگوں کی برکت کی وجہ سے اسکی دعا کو قبول کر لے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حدیث پاک سے چند فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ تنگدست کو مہلت دینے میں فضیلت پائی گئی ہے۔ کل قرض معاف کرنا یا بعض معاف کرنا افضل ہے۔ قرض کے مطالبہ میں درگزر سے کام لینا اور قرض

Marfat.com

خواہ کیلئے آسانی پیدا کرنا افضل ہے خواہ وہ تنگدست ہو یا غنی۔ "ولا یحتقر شئی من افعال الخیر فلعله سبب السعادة" نیکی کے کاموں کو گھٹیا نہ سمجھے ہوسکتا ہے کہ معمولی کام بھی اس کی سعادت کا سبب بن جائے۔

اور یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اپنے کام میں کسی غلام کو یا لڑکے کو یا خادم کو وکیل بنانا جائز ہے، بلکہ جسے چاہے وکیل بنالے، غلام یا خادم یا لڑکے کی قید اتفاقی ہے۔ (مرقاۃ ج۶ ص ۹۸)

☆ "وعن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ من سره ان ینجیه الله من کرب یوم القیامة فلینفس عن معسر او یضع عنه" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب الافلاس والانظار)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو خوش لگے کہ اللہ تعالیٰ اسے نجات دے قیامت کی مصیبتوں میں سے تو چاہئے کہ تنگدست سے درگزر ے یا معاف کردے۔

وضاحت حدیث:

(من سره) ای احبه واعجبه" یعنی "من سره" کا معنی یہ ہے کہ جسے وہ پسند آئے، خوش لگے، تعجب میں ڈالے۔

(من کرب یوم القیامة)"بضم الکاف وفتح الراء جمع الکربة وهی المحنة الشدیدة والمشقة الاکیدة"

"کرب" کے کاف پر پیش ہے اور راء پر زبر ہے، یہ "کربۃ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے محنت شدیدہ اور سخت مشقت۔

(فلینفس) بتشدید الفاء ای فلیؤخر مطالبته" "یعنی "فلینفس" کی فاء پر شد ہے، اس کا معنی مطالبہ کو مؤخر کرنا۔

الفائدة الجلیلة:

"الفرض افضل من النفل بسبعین درجة الافی مسائل الأولی ابراء المعسر مندوب وهو افضل من انظاره الواجب الثانیة ابتداء السلام افضل من جوابه الثالثة الوضوء قبل الوقت مندوب افضل من الوضوء بعد دخول الوقت وهو فرض"

Marfat.com

فرض نفل (مستحب) سے ستر درجہ افضل ہوتا ہے لیکن چند مسائل میں مستحب فرض سے افضل ہوتا ہے، ان مسائل میں سے تین بطور مثال پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) تنگدست کو اس کے مطالبہ اور اپنی تنگدستی ظاہر کرنے سے پہلے مہلت دینا مستحب ہے، لیکن یہ افضل ہے اس مہلت دینے سے جو واجب ہو۔ جیسا کہ وہ اپنی تنگدستی کو ظاہر کر دے اور مہلت طلب کر لے تو واجب ہو جاتا ہے کہ اسے مہلت دی جائے۔

(۲) ایک آدمی دوسرے کو پہلے سلام دے تو یہ مستحب ہے لیکن افضل ہے بنسبت سلام کے جواب دینے کے، حالانکہ سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

(۳) وضوء کرنا نماز کے وقت سے پہلے نماز کی تیاری کیلئے مستحب ہے لیکن یہ اس وضوء سے افضل ہے جو وقت کے آخر میں کیا جائے، کیونکہ جب نماز کا وقت جا رہا ہو تو وضوء کرنا فرض ہے۔ (ماخوذ از مرقاۃ ج۶ ص۹۸)

☆ "وعن ابی قتادۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من انظر معسرا أو وضع عنہ انجاہ اللہ من کرب یوم القیامۃ" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب الافلاس والانظار)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس شخص نے تنگدست کو مہلت دی یا معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی مصیبتوں سے نجات عطاء فرمائے گا۔

☆ "عن ابی الیسر (بفتحتین) قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من أنظر معسرا أو وضع عنہ اظلہ اللہ فی ظلہ" (رواہ مسلم، مشکوۃ باب الافلاس والانظار)

حضرت ابوالیسر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوتے سنا جس شخص نے تنگدست کو مہلت دی، یا معاف کر دیا تو اللہ اسے اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا۔

"اظلہ اللہ فی ظلہ" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی گرمی سے بچائے گا یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حمایت وحفاظت میں رکھے گا، جیسے کہا جاتا ہے" فلان فی ظل فلان "فلاں شخص فلاں کے سایہ میں ہے یعنی اس کی حفاظت میں ہے۔

(مرقاۃ ج۶ ص۹۸)

Marfat.com

☆ "وعن كعب بن مالك انه تقاضى ابن ابى حدرد دينا له عليه فى عهد رسول الله ﷺ فى المسجد فارتفعت اصواتهما حتى سمعها رسول الله ﷺ وهو فى بيته فخرج اليهما رسول الله ﷺ حتى كشف سجف حجرته ونادى كعب بن مالك قال ياكعب قال لبيك يارسول الله فأشار بيده ان ضع الشطر من دينك قال كعب قدفعلت يارسول الله ﷺ قال قم فاقضه"

(بخاری ، مسلم ، مشکوۃ باب الا فلاس وا لا نظار)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میرا قرض تھا ابن ابی حدرد پر، میں نے ان سے اپنے قرض کا مسجد میں مطالبہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ (کی ظاہری حیات) کا زمانہ تھا۔ دونوں کی آواز بلند ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر میں ان کی آواز کو سنا، تو آپ ان دونوں کی طرف نکلے یہاں تک کہ اپنے حجرہ کے پردہ کو ہٹایا، اور کعب بن مالک کو آواز دی اور فرمایا اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا حاضر خدمت ہوں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنا آدھا قرض معاف کر دو، کعب کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے (آپ کے حکم کو مانتے ہوئے ایسا) کر دیا۔ آپ نے فرمایا (اے ابن ابی حدرد) اٹھو قرض ادا کر دو۔

وضاحت حدیث:

"سجف" کو دو طرح پڑھا گیا ہے" سین کے کسرہ اور سین کے فتحہ سے اور جیم کے سکون سے، البتہ سین کے کسرہ سے پڑھنا زیادہ فصیح ہے، اس کا معنی "پردہ" ہے۔ اور دروازے کی ایک طرف کو بھی "سجف" کہا جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک سے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

(۱) "فی الحدیث جواز المطالبة بالدین فی المسجد" حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ قرض کا مطالبہ مسجد میں جائز ہے۔

Marfat.com

(۲) "والشفاعة الی صاحب الحق" اور یہ ثابت ہوا کہ صاحب حق کو اپنا حق کل یا بعض معاف کرنے کی سفارش کرنا جائز ہے۔

(۳) "والاصلاح بین الخصوم وحسن التوسط بینهم" اگر کچھ لوگوں کا آپس میں جھگڑا ہو تو کوئی شخص ان میں صلح کرادے اور خود ان میں واسطہ بن جائے یعنی ثالث کا کردار ادا کرے تو یہ مستحب ہے۔

(۴) وقبول الشفاعة فی غیر معصیة" اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ ایسی سفارش جس میں کسی کا بھلا ہو اور سفارش نیک کام کی ہو، گناہ کے کاموں کی سفارش نہ وہ تو اس سفارش کو قبول کر لیا جائے۔

(۵) وجواز الاعتماد علی الاشارة واقامتها مقام القول لقوله فاشار بیده ان ضع الشطر" اور مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ کوئی بات اشارہ سے کرنا جبکہ دوسرا شخص اشارہ کو صحیح سمجھ رہا ہو اور اشارہ سے بھی کسی کی بھلائی مقصود ہو نقصان پہچانا نہ ہو تو ایسے اشارہ پر اعتماد کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رحمہ اللہ کو اشارہ سے نصف قرض معاف کرنے کے متعلق کہا۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۰۱)

اور سب سے بڑا مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ کہ نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام سے محبت بھرا سلوک اور تعلق تھا جو صحابی کل قرض ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ان کیلئے سفارش کر کے نصف قرض معاف کرا کے ان پر مہربانی کی اور جو نصف قرض معاف کرنے کی طاقت رکھتے تھے ان کو معاف کرنے کا مشورہ دے کر اجر عظیم کا مستحق بنا دیا۔ دونوں جھگڑے کو ابتدائی طور پر ہی مٹا دیا کہ کہیں جھگڑا طول نہ پکڑ جائے۔ (راقم)

فائدہ:

"عن عمرو بن عوف المزنی عن النبی ﷺ قال الصلح جائز بین المسلمین الاصلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطهم الاشرطا حرام حلالا او احل حراما"

(رواه الترمذی وابن ماجه وابوداؤد وانتهت روایته عند قوله شروطهم، مشکوة باب الافلاس والانظار)

عمرو بن عوف مزنی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح

Marfat.com

کرانا جائز ہے، ہاں البتہ حلال کوحرام کرنے سے یا حرام حلال کرنے سے صلح کرانا جائز نہیں اور مسلمان اپنی اپنی شرطوں پر قائم رہیں لیکن ایسی شرط پر قائم نہ رہیں جو حلال کوحرام کردے یا حرام کوحلال کردے۔

یعنی اگر ایک شخص کہے کہ میری اس دوسرے شخص سے صلح تو ہوسکتی ہے لیکن وہ شراب پی لے تب۔ تیسرا شخص دوسرے کومشورہ دے کہ چل یار شراب پی لے اور اس سے صلح کرانا حرام ہے کیونکہ اس میں حرام کوحلال کیا جارہا ہے۔

اسی طرح ایک شخص کی زوجہ کہے کہ میری صلح اپنے خاوند سے ہوسکتی ہے لیکن وہ اپنی دوسری زوجہ سے وطی نہ کرے، تیسرا شخص اسکے خاوند کومشورہ دے کہ تو ایسا ہی کرتو یہ صلح کرلے یہ صلح کرانا حرام ہے کیونکہ یہاں حلال کوحرام کرنے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ شرط کی بھی تقریبا اسی قسم کی مثالیں ہیں لیکن یہاں تیسرا آدمی درمیان میں نہیں ہوتا جیسا کہ خود ہی اپنے خاوند کو کہے کہ میرا تیرا جھگڑا ختم ہوسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تو اپنی دوسری زوجہ سے وطی نہیں کرسکتا، اس شرط کوتسلیم کرنا حرام ہے کیونکہ اس میں حلال چیز کوحرام کرنے سے مشروط کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر ایک عورت کسی مرد کو کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح تو کرتی ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تو میرے ساتھ میری بہن سے بھی نکاح کر، یہ شرط ماننا حرام ہے کیونکہ اس میں حرام کوحلال کرنے سے مشروط کیا گیا ہے۔

(مرقاۃ ج۶ ص۱۰۷)

☆ "وعن سعد بن الاطول قال مات اخی وترک ثلاث مائة دینار وترک ولدا صغارا فاردت ان انفق علیهم فقال لی رسول الله ﷺ ان اخاک محبوس بدینه فاقض عنه قال فذهبت فقضیت عنه ثم جئت فقلت یارسول الله ﷺ قدقضیت عنه ولم تبق الامراۃ تدعی دینارین ولیست لها بینه قال اعطها فانها صادقة"

(رواہ احمد ،مشکوۃ باب الافلاس والانظار)

حضرت سعد بن اطول کہتے ہیں میرا بھائی فوت ہوگیا اور تین سو دینار وہ چھوڑ گیا اور اس کے چھوٹے بچے رہ گئے میں نے ارادہ کے کہ یہ تمام دینار میں ان چھوٹے بچوں کے خرچ کیلئے رکھ لو، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک تمہارا بھائی قرضوں میں جکڑا ہوا تھا، تم اس کے قرض ادا کرو، وہ کہتے ہیں

Marfat.com

میں نے اس کے تمام قرضے ادا کر دیئے، پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنے بھائی کے تمام قرضے ادا کر دیئے، سوائے ایک عورت کے جو دو دیناروں کا دعوی کرتی ہے لیکن اس کے پاس کوئی گواہ نہیں آپ نے فرمایا اسے وہ دے دو وہ سچی ہے۔" آپ کا یہ ارشاد کہ وہ سچی ہے اس کا قرض بھی ادا کر دو" کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعے بتا دیا گیا ہو تو اس لحاظ پر یہ غیبی خبر ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کچھ ذرائع سے معلوم ہو کہ ہاں اس نے قرض دینا تھا اس عورت کا، اس لحاظ پر یہ مشورہ ہوگا فیصلہ نہیں ہوگا۔ فیصلہ تو گواہوں پر ہوتا ہے، البتہ حاکم اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے جبکہ مدعیٰ علیہ اس پر معترض نہ ہو۔

☆ عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ تلقت الملائکه روح رجل ممن کان قبلکم فقالوا اعملت من الخیر شیأ قال لا قالوا تذکر قال کنت اداین الناس فأمر فتیانی ان ینظروا المعسر ویتجوز واعن الموسر قال قال الله عزوجل تجوزواعنه"

(رواہ مسلم ج۲ص ۲۵)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کی روح سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی، تو فرشتوں نے کہا کیا تو نے کوئی نیک عمل بھی کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرشتوں نے کہا یاد کر (ہو سکتا ہے تو نے کوئی عمل کیا ہو) اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا، تو میں اپنے غلاموں کو حکم دیتا تھا کہ تنگدست کو مہلت دے دیا کرو اور غنی سے بھی چشم پوشی کر لیا کرو، راوی کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم اس سے درگذر کر لو۔

☆ "عن عبادة بن الصامت قال خرجت انا وأبی نطلب العلم فی هذاالحی من الأنصار قبل ان یهلکوافکان اول من لقینا (ابالیسر) صاحب رسول الله ﷺ ومعه غلام له ضمامة من صحف وعلی ابی الیسر بردة ومعافری وعلی غلامه بردة ومعافری فقال له ابی یاعم انی أری فی وجهک سعفة من غضب قال اجل کان لی علی فلان بن فلان الرامی مال فأتیت أهله فسلمت فقلت اثم هو ؟ قالوالا، فخرج علی ابن له جفر فقلت این ابوک ؟ فقال سمع صوتک فدخل اریکة أمی فقلت

Marfat.com

اخرج الی فقد علمت این انت؟ فخرج فقلت ماحملک علی ان أختبأت منی ؟ قال انا واللہ احدثک ثم لااکذبک ، خشیت واللہ ان أحدثک فأکذبک اوأعدک فأخلفک وکنت صاحب رسول اللہ ﷺ وکنت واللہ معسرا قال قلت آللہ قال آللہ ،ثم قال فاتی بصحیفة فمحاها بیدہ ثم قال فان وجدت قضاء فاقضنی والا فانت فی حل فأشهد ابصر عینای ها تان ووضع أصبعیه علی عینیه وسمع أذنای هاتان ووعاہ قلبی واشارالی نیاط قلبه رسول اللہ ﷺ وهو یقول من أنظر معسرا أ ووضع عنه اظله اللہ فی ظله " (رواہ مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے باپ انصار کے اس قبیلہ میں علم حاصل کرنے کیلئے نکلے کہ ان کی وفات سے پہلے علم حاصل کرلیا جائے۔سب سے پہلے ہماری ملاقات رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی (ابوالیسر) سے ہوئی ان کے ساتھ ان کا ایک غلام تھا، اسکے پاس صحف کا مجموعہ تھا۔ابوالیسر نے ایک چادر اور ایک ہمدانی کپڑا اپنے اوپر لیا ہوا تھا اور ان کے غلام کے پاس بھی یہی دو کپڑے تھے،ان کو میرے باپ نے کہا کہ اے میرے چچا میں آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے ایک شخص سے قرض لینا تھا میں اسکے گھر والوں کے پاس آیا میں نے سلام کیا پھر میں نے کہا کیا وہ شخص (صاحب منزل) یہاں ہی ہے؟انہوں نے کہا کہ نہیں۔تو اتنے میں اسکا ایک چھوٹا بچہ باہر نکلا، میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں ہیں؟اس نے کہا کہ وہ تمہاری آواز سن کر میرے ماں کے سونے والی پالکی میں داخل ہو گئے ہیں (یعنی چارپائی پر چھپ گئے ہیں) میں نے کہا کہ میری طرف نکل آؤ تحقیق مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم کہاں ہو، وہ شخص نکل آیا۔میں نے کہا کہ تم کس وجہ سے مجھ سے چھپ گئے تھے؟تو اس شخص نے جواب دیا قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تمہیں سچی بات بتا رہا ہوں کہ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔وجہ یہ تھی کہ مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ میں تم سے وعدہ کرلوں پھر اسکی خلاف ورزی کردوں۔قرض کی ادائیگی کی بات کرلوں پھر جھوٹ بول لوں، تم رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہو

Marfat.com

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی میں تنگدست ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا واقعی یہ سچ ہے؟ اسنے کہا ہاں واقعی یہ سچ ہے، پھر انہوں نے بتایا کہ قرض کی دستاویز سے قرض کو مٹا دیا گیا۔ پھر میں نے کہا کہ اگر تمہیں قرض دینے کی صلاحیت حاصل ہوگئی تو قرض ادا کر دینا ورنہ تمہیں معاف ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ میری ان دو آنکھوں نے دیکھا اور انہوں نے اپنی انگلیوں کو اپنی آنکھوں پر رکھا، اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اسے محفوظ رکھا اور اشارہ اپنے دل کے وسط کی طرف کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ جس شخص نے تنگدست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے گا۔ (ابن کثیر)

ابوالیسر رضی اللہ عنہ کی پریشانی کی وجہ تقریباً واضح طور پر حدیث شریف سے سمجھ آ رہی ہے کہ وہ مقروض آدمی کتنی غربت میں تھا، کتنا پریشان حال تھا کہ جس کی وجہ سے وہ مجھ سے چھپ رہا تھا۔

"اظله الله فی ظله" کی وضاحت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

تین قسم کی ضرورتوں کیلئے قرض لینا:

(۱) جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو یعنی جہاد میں مشغول ہو تو ضرورت کیلئے قرض لینا۔

(۲) کوئی شخص غربت کی حالت میں فوت ہو گیا اسے کفن پہنانا ہو لیکن یہ شخص خود بھی غریب ہو کفن نہ پہن سکے تو قرض لے لے۔

(۳) اپنے آپ کو جوانی میں گناہوں سے بچانے کیلئے نکاح کی ضرورت کیلئے قرض لینا۔

یہ تین ضرورتیں بڑی ضرورتیں ہیں۔ البتہ ان تین ضرورتوں کے علاوہ بھی قرض لیا جا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے قرض لینے کیلئے آسانی پیدا فرما دی:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

Marfat.com

”من ادان دیناوھوینوی قضائہ وکل بہ ملائکۃ یحفظونہ ویدعون لہ حتی یقضیہ“

جس شخص نے قرض لیا اس ارادہ سے وہ ضرور ادا کرے گا تو اللہ تعالی اس کے لئے فرشتے مقرر فرمادیتا ہے جو اسکی حفاظت کرتے ہیں اور اسکے لئے دعاء کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قرض ادا کردیتا ہے۔

حدیث پاک سے واضح ہوا کہ..........

”من یستدن متوکلا علی اللہ فاللہ تعالی یفتح ابواب اسباب القضاء“

جو شخص قرض ادا کرنے کی غرض سے اللہ تعالی پر توکل رکھتے ہوئے قرض لیتا ہے، اللہ تعالی اسکے لئے آسمانوں کے رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے تاکہ وہ قرض ادا کرسکے۔

”وکان جماعۃ السلف یستقرضون من غیر حاجۃ لھذاالخبر ومھماقدرعلی قضاء الدین فلیبادرالیہ ولوقبل وقتہ“

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین بغیر شدت ضرورت کے بھی قرض لیتے رہے، یہی حدیث ان کی دلیل تھی جب بھی ان کو قرض ادا کرنے کی طاقت مل جاتی تو وہ جلدی ہی قرض ادا کردیتے خواہ ابھی قرض کے ادا کرنے کا وقت نہ ہو۔یعنی وقت سے پہلے ہی وہ قرض ادا کردیا کرتے تھے۔

(ماخوذازروح البیان)

تارک فرائض کو قرض نہ دیا جائے:

اسکی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے کوئی پرواہ نہیں کرتا وہ کسی شخص کا قرض ادا کرنے کی کیا پرواہ کرے گا۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے۔

واشِ مدہ آنکہ بے نماز است   ورخود   دہنش   زفاقہ   بازاست

کو فرض خدا نمی گزار   از قرض   تو نیز غم   ندارد

قرض نہ دے اس شخص کو جو بے نماز ہے اگرچہ بھوک کی وجہ سے اس نے اپنا منہ کھلا رکھا ہوا ہو۔جو شخص

Marfat.com

خدا کا قرض ادا نہیں کرتا وہ تیرے قرض کا بھی غم نہیں رکھے گا۔ (روح البیان)

دینی طلباء کرام کو توجہ کیلئے:

"وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَةٍ" میں دو قراتیں ہیں ایک میں "ذُوْعُسْرَةٍ" پڑھا گیا ہے اور دوسری میں "ذَاعُسْرَةٍ" پڑھا گیا ہے۔ جس قرأت میں "ذُوْعُسْرَةٍ" پڑھا گیا ہے اسمیں "کان تامہ" ہے جو خبر کا تقاضا نہیں کرتا اور جس قرأت میں "ذَاعُسْرَةٍ" پڑھا گیا ہے اسمیں "کان ناقصہ" ہے "کان" میں ضمیر ہے جو اسم کان ہے اور "ذَاعُسْرَةٍ" اسکی خبر ہے۔

اسی طرح اور ایک خیال رکھا جائے کہ "عُسْرَةٍ" میں عام حضرات کی قرأت میں سین ساکن ہے اور ابو جعفر کی قرأت میں سین پر ضمہ پڑھا گیا ہے۔ (ماخوذ از روح المعانی و مظہری)

دینی طلباء کرام ایک اور توجہ فرمائیں:

"فَنَظِرَةٌ" فاء جواب شرط کی وجہ سے آئی ہوئی ہے "نَظِرَةٌ" مبتداء ہے اور اسکی خبر محذوف ہے یعنی "فعلیکم نظرۃ" تم پر لازم ہے مہلت دینا یا فاعل ہے اور فعل مقدر ہے یعنی "فتجب نظرۃ" مہلت دینا واجب ہے یا خبر ہے مبتداء محذوف کی یعنی "فالأمر نظرۃ" حکم یہ ہے کہ مہلت دی جائے یا عبارت یوں ہوگی "فالواجب نظرۃ" واجب ہے مہلت دینا۔

"نَظْرَةٌ" کو ظاء کے سکون سے بھی پڑھا گیا ہے جس کا معنی ہے انتظار کرنا۔ مراد اس سے مہلت دینا اور تاخیر کرنا۔

"مَیْسَرَةٌ" کو سین کے فتحہ سے بھی پڑھا گیا ہے اور ضمہ سے بھی جیسے "مقبرۃ" کی باء پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔

(روح المعانی)

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ☆ (آیہ نمبر ۲۸۱)

﴿۱﴾

اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے اور ہر جان کو اسکی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

﴿۲﴾

اور ڈرو اس دن سے، لوٹایا جائے گا تمہیں اس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو (بدلہ اس کا) جو اس نے کسب کیا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ماقبل سے تعلق:

"قوم کے بڑے بڑے سردار سودی کاروبار کرتے تھے، وہ اصحاب ثروت تھے اور بظاہر جاہ وجلال کے مالک تھے، لوگوں کے مددگار رہتے تھے، اسی وجہ سے وہ لوگوں پر مہربانیاں کرتے تھے تو ان کو لوگوں پر غلبہ حاصل تھا، رب تعالی نے سود کو حرام کر کے، قرض دینے کا شرعی قانون بیان کر دیا اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے مہلت دینے یا معاف کر دینے کا حکم دیا اور ساتھ بتا دیا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اب اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالی کے احکام سے عدولی سے ڈرایا گیا ہے کہ قیامت کا ہولناک منظر تمہیں یاد رہے، اس دن سے ڈرو، پھر یہ بھی خیال رکھو کہ اس دن تمہیں رب تعالی کے ہاں حاضر ہونا ہے رب تعالی کے احکام کو نہ ماننے کی وجہ سے وہاں تمہیں ندامت ہوگی۔ اس سے پہلے ہی بچ جاؤ، اس کا واحد ذریعہ اللہ تعالی کے احکام کو تسلیم کرنا ہے۔ یعنی اس آیۃ کریمہ میں مزید زجر و توبیخ (ڈانٹ، دھمکی) سے ان کو سود لینے سے منع کیا گیا ہے کہ وہ سود لینے اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے لینے سے باز آجائیں۔ (ماخوذ از نیر)

یہ آیت نزول کے لحاظ پر آخری آیت ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیۃ کریمہ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

Marfat.com

آپ کے حجۃ الوداع کے دوران سورۃ نساء کی آخری آیت ﴿یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَۃِ﴾ نازل ہوئی۔ پھر اسی حج کے دوران جب آپ مقام عرفات پر تشریف لے گئے تو ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ﴾ آیت نازل ہوئی۔ حج کے بعد ربیع الاول میں آپ کا وصال ہوگیا، آپ کے وصال سے چند دن پہلے یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی اور جبریل نے آپ کو بتایا کہ اس آیۃ کریمہ کو سورۃ بقرۃ کی دوسو اسی آیۃ کے بعد رکھیں۔ (ماخوذ از کبیر)

کبیر کے اس واضح بیان سے یہ عقدہ بھی حل ہوگیا کہ ان تینوں آیتوں کے متعلق ذکر ملتا رہتا ہے کہ یہ آیت آخر میں نازل ہوئی۔ چونکہ تینوں ہی وصال کے قریب آخر میں نازل ہوئیں، ان کے نزول میں وقفہ کم ہے، البتہ ترتیب وہی ہے جو کبیر سے بیان کردی گئی۔

دینی طلباء کرام کی خصوصی توجہ کیلئے:

"یَوۡمًا" پر نصب مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ہے، مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ مفعول فیہ ہو تو معنی یہ ہوگا اور ڈرو اس دن میں یعنی قیامت کے دن جا کر ڈرنا۔ یہ معنی مقصود نہیں بلکہ مقصود، مفعول بہ والا معنی ہے "اور ڈرو اس دن سے" یعنی مراد یہ ہے کہ "تأھبوا للقائہ بماتقدمون من العمل الصالح" نیک عمل کر کے آگے بھیج کر ابھی سے قیامت کے دن رب سے ملنے کی تیاری کرلو۔ (کبیر)

دن سے ڈرنے سے کیا مراد ہے:

دن تو ایک مخصوص وقت کو کہا جاتا ہے۔ اس سے ڈرنے کا تو کوئی خاص مقصد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ "وانمایتقی مایحدث فیہ من الشدۃ والاھوال واتقاء تلک الاھوال لایمکن الافی دار الدنیا بمجانبۃ المعاصی وفعل الواجبات فصار قولہ ﴿وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا﴾ یتضمن الامر بجمیع اقسام التکلیف"

Marfat.com

اور اس دن میں جو شدت اور ہولنا کی (سخت ڈرانے کی کیفیت) جو پائی جائے گی اس سے ڈرے، یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اس دار دنیا میں گناہوں سے بچے اور واجبات پر عمل کرے ،لہذا واضح ہوا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی "وَاتَّقُوْا یَوْمًا" اپنے اختصار کے باوجود تمام اقسام تکلیف کو شامل ہے کیونکہ انسان اوامر پر عمل کرنے کا مکلف ہے، اور نواہی سے بچنے کا بھی مکلف ہے، تو مختصر الفاظ وسیع معانی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالی کے تمام احکام پر اس دنیا میں عمل کر کے اور رب تعالی نے جن کاموں سے منع کیا ہے ان تمام کاموں سے بچ کر قیامت کے دن کے سخت ہولناک منظر اور اس دن کی سخت پریشانیوں سے بچ کر رہو۔ (کبیر)

اللہ تعالی کیطرف لوٹائے جانے سے کیا مراد ہے؟

بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ کسی کی طرف لوٹائے جانے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جس جگہ میں ہو اس جگہ کی طرف لوٹایا جائے ،یا جس جہت کی طرف کوئی ہو، اس جہت کی طرف لوٹایا جائے ،لیکن اللہ تعالی تو مکان اور جہت سے پاک ہے، تو پھر رب تعالی کے ارشاد (وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ) "اور ڈرو اس دن سے جس دن تمہیں لوٹایا جائے گا اس میں اللہ کی طرف" کا کیا مطلب ہے؟

بعض حضرات کا جواب:

اس سوال کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا تھا کہ یہاں حذف مضاف کا قانون جاری ہے اصل میں مراد یہ ہے کہ "ترجعون الی علمه وحفظه تم ڈرو اس دن سے جس دن تمہیں اللہ تعالی کے علم اور اسکی حفاظت کی طرف لوٹایا جائے گا۔

علامہ رازی رحمہ اللہ کا رد:

اس مذکورہ بالا جواب کو علامہ رازی رحمہ اللہ نے پسند نہیں فرمایا آپ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

"ولیس المراد منه الرجوع الی علمه وحفظه فانه معهم اینما کانوا"

یہ کہنا درست نہیں کہ مراد یہ ہے کہ ڈرو اس دن سے جس دن میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے علم اور حفاظت کی طرف لوٹایا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور حفاظت تو اسے ہر وقت حاصل ہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ علیہ کی طرف سے جواب:

آپ فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ کے دو مطلب ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ انسان کی تین حالتیں ہیں ان میں سے پہلی حالت یہ ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ خود کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی اسکے والدین کا اس پر کوئی تصرف ہوتا ہے اگر اس پر کسی کو تصرف حاصل ہوتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ انسان کی دوسری حالت پیدائش کے بعد ہوتی ہے اگرچہ حقیقی تصرف تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو ہی حاصل ہوتا ہے لیکن بظاہر اس کے کفیل اور اس کے احوال کی اصلاح کرنے والے شروع شروع میں اسکے والدین ہوتے ہیں پھر بعض لوگ بعض کی تربیت وغیرہ کرتے ہیں اور انسان کی تیسری حالت یہ ہے کہ موت کے بعد بظاہر اس پر کسی کو تصرف حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو حقیقی طور پر اس پر تصرف حاصل ہوتا ہے۔

"فکانه بعد الخروج عن الدنیا عاد الی الحالة التی کان علیها قبل الدخول فی الدنیا فهذا هو معنی الرجوع الی الله"

یعنی انسان جب دنیا سے نکلتا ہے تو وہ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اسے پیدائش سے پہلے حاصل ہوتی ہے یعنی وہ موت کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کے تصرف کی طرف لوٹتا ہے۔ لہٰذا واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا یہی مطلب ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ "ترجعون الی ما اعد الله لکم من ثواب او عقاب" اور ڈرو اس دن سے جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے ثواب اور عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

Marfat.com

"ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ"

''پھر پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو (بدلہ اسکا) جو اس نے کسب کیا''۔

ان الفاظ مبارکہ سے دو مطلب حاصل ہوئے۔ پہلا یہ کہ ہر مکلّف (عاقل و بالغ) کو اللہ تعالیٰ کے ہاں رجوع کے وقت مکمل بدلہ عطاء کیا جائے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کی جائے گی جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ"

''تو جو ایک ذرہ بھرا بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا''۔

"مَا كَسَبَتْ" میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسمیں ''جزاء'' کا لفظ مقدر ہے یعنی ہر نفس کو پورا پورا دیا جائے گا بدلہ اس کا جو اس نے کسب کیا۔

راقم نے طلباء کے فائدے کے لئے یہی مطلب مدنظر رکھتے ہوئے بریکٹ میں (بدلہ اس کا) تحریر کیا ہے کہ طلباء کرام کو دونوں مقاصد سمجھ میں آ جائیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ عمل خود ہی اس کی جزا ہو اب مطلب یہ ہوگا کہ ''توفی كل نفس مكتسبها'' ہر نفس کو پورا پورا اس کا کسب دیا جائے گا۔' وهذاالتاويل أولى لأنه مهما امكن تفسير الكلام بحيث لا يحتاج فيه الى الاضمار كان اولى " یہ دوسرا احتمال زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ جب ممکن ہو کہ کلام کی تفسیر بغیر مقدر الفاظ کے ہو سکے تو وہ بہتر ہوتی ہے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ کی تفسیر کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ (ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی) کو دیکھیں تو آپ کا ترجمہ بہت خوبصورت تحقیق بھرا نظر آئے گا۔

ان الفاظ مبارکہ سے دوسرا مطلب (یعنی دوسرا فائدہ) یہ حاصل ہوا کہ فاسق و فاجر کو عذاب تو دیا جائے گا لیکن وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

"لا نه لما امن فلا بد وان يصل ثواب الايمان اليه ولايمكن ذلك الا بان يخرج من النار ويد خل الجنة"

Marfat.com

اس لئے کہ جب اس نے ایمان لایا تو ضروری ہے کہ اسے ایمان کا ثواب حاصل ہو، یہ اس وقت تک ممکن نہیں کہ وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائے۔

"وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" "اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

سوال: (وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ) "اور ہر نفس کو اس کے کسب کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا" سے یہی بات سمجھ آ رہی ہے کہ کسی نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا، دوبارہ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" کا ذکر تکرار ہے، بلاوجہ تکرار فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب: (وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ) سے تو یہ سمجھ آ رہا ہے کہ فاسقوں اور کافروں کو ان کے کسب کا پورا پورا عذاب دیا جائے گا، تو اس پر وہم ہوتا تھا کہ "کیف یلیق بکرم اکرم الأکرمین ان یعذب عبیدہ" اللہ تعالیٰ "اکرم الأکرمین" ہے تو وہ اپنے بندوں کو عذاب کیسے دے گا؟

تو اس کا ایک جواب معتزلہ نے دیا ہے کہ بندہ خود اپنے آپ کو عذاب میں ڈال دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت واختیار دیا ہے کہ وہ اپنے آپ سے برائیوں کو دور کرے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے دلائل حاصل کرنے کی راہ بھی آسان کر دی، پھر اسے مہلت دی جلدی کوئی گرفت نہیں کی، لیکن بندہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اپنے نفس کو برائیوں کی طرف لے جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے عذاب دیا جاتا، اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ اپنے بندوں کو عذاب نہیں دیتا۔

دوسرا جواب اہل سنت وجماعت نے دیا ہے جو تحقیقی جواب ہے، معتزلہ کا جواب ظاہری جواب ہے۔ اہل سنت وجماعت نے کہا کہ "ان اللہ سبحانہ مالک الخلق والمالک اذا تصرف فی ملکہ کیف یشاء وأراد لم یکن ظلما" بیشک اللہ تعالیٰ مخلوق کا مالک ہے، اور اپنی ملکیت میں جو چاہے، جو ارادہ رکھے وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، اپنی ملکیت میں اپنے ارادہ کے مطابق تصرف ظلم نہیں۔ (از کبیر)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول "یہ آیۃ نزول کے لحاظ پر آخری آیۃ ہے" نقل کرنے کے بعد مندرجہ ذیل بحث ضمناً ذکر فرمائی ہے۔

Marfat.com

بیشک رسول اللہ ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے، پیر کو ہی مبعوث ہوئے یعنی پیر کو اعلان نبوت فرمایا، پیر کو ہی مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے، اور پیر کو ہی آپ کا وصال ہوا۔ آپ اٹھارہ دن بیمار رہے، لوگ آپ کی عیادت کیلئے آتے تو آپ فرماتے " الصلو ۃ و ما ملکت ایمانکم الصلو ۃ فانا للہ و انا الیہ راجعون " نماز اور جن کے تم مالک ہو اور نماز، بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یعنی آپ آخری مرض کے دنوں میں نماز کی پابندی کرنے کا حکم فرما رہے تھے اور غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دے رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

" من اصیب بمصیبة فلیذ کر مصیبته بی فانها اعظم المصائب "

جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری مصیبتوں کو یاد کرے، مجھے سب سے زیادہ مصیبتیں پہنچائی گئی ہیں۔

چونکہ جتنا مرتبہ بلند ہوتا ہی آزمائشیں زیادہ آتی ہیں۔ جب آپ افضل الانبیاء ہیں تو آپ پر سب سے زیادہ مصیبتوں کا آنا عقل کے مطابق ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

" من کان له فرطان من امتی ادخله الله بهما الجنة فقالت له عائشة فمن کان له فرط من امتک قال ومن کان له فرط یاموفقة قالت فمن لم یکن له فرط من امتک قال ان افرط لامتی لن یصابوا بمثلی "

میری امت میں سے جس شخص کے دو بچے فوت ہو جائیں اس کے لئے آگے جا کر منتظم بنیں تو اللہ تعالی اسے ان کے ذریعے جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا جس کا ایک بچہ فوت ہو جائے تو آپ نے فرمایا وہ ایک ہی اس کیلئے جنت میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے گا، اے توفیق دی ہوئی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا آپ کی امت میں سے کسی کا ایک بچہ بھی نہ فوت ہوا ہو تو آپ نے فرمایا اس کا آگے منتظم میں ہوں گا یعنی اس کا میں شفیع ہوں گا، میری جیسی تکالیف کسی اور کو نہیں پہنچائی گئیں۔

اگر کوئی اس حدیث پاک کی مزید وضاحت دیکھنا چاہے تو دوسرے پارہ ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ

Marfat.com

الْخَوْفِ ﴾ آیۃ کریمہ کے تحت بحث کو دیکھے۔

اور رب تعالی نے ارشاد فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ اور نہیں بھیجا آپ کو مگر سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔ "فکانت حیاتہ ومماتہ رحمۃ" جب آپ سب جہانوں کیلئے رحمت بن کر آئے اور سب زمانوں میں آپ کی رحمت نے قائم ودائم رہنا ہے تو اسی سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کا وصال رحمت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا اراد اللہ بأمۃ رحمۃ قبض نبیھا قبلھا فجعلہ سلفا وفرطالھا"

جب اللہ تعالی کسی نبی کی امت پر رحم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس امت کے نبی کو وصال عطاء کر دیتا ہے جو آگے جا کر اپنی امت کا منتظم بنتا ہے (اور شفاعت کرتا ہے)

نبی کریم ﷺ کے وصال پر بے قراری کا عالم:

اگر چہ نبی کریم ﷺ کا وصال بھی رحمت تھا، لیکن آپ کے وصال پر ظاہری طور پر صحابہ کرام کا بے قرار ہونا بھی قدرتی عالم تھا، کیونکہ آپ کا ظاہری طور پر صحابہ کرام کی نظروں سے پردہ فرما جانا ان کیلئے ظاہری بہت بڑی پریشانی کا سبب بنا۔ ایک انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کے وصال پر ان الفاظ سے مرثیہ کہتے ہیں:

"الصبر یحمد فی المواطن کلھا (لاعلیک فانہ مذموم)

صبر تمام مقامات میں قابل تعریف ہے، سوائے آپ پر صبر کے بیشک وہ مذموم ہے۔ (روح البیان)

یعنی بغیر کسی جزع وفزع کے بے قرار بھی نہ ہونا اور صبر کرنا، آپ وصال کے فرمانے اور ہم سے جدا ہونے پر ہم غم سے نڈھال نہ ہوں تو یہ بری بات ہے، البتہ شریعت کا دامن چھوڑ کر واویلا کرنا، بال نوچنا وغیرہ جیسے کام ہم کبھی نہیں کریں گے۔

یہ آیۃ کریمہ تمام قرآن پاک کا خلاصہ ہے:

بیشک اللہ تعالی نے اس آیۃ کریمہ میں قرآن کے تمام مضامین کو بطور خلاصہ جمع کر دیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس

Marfat.com

آیۃ کریمہ کو ''آخرالوحی'' اور ''آخرالانزال'' بنایا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے پہلی آسمانی کتابوں کے مضامین کو قرآن پاک میں بطور خلاصہ جمع کر دیا گیا ہے، اور قرآن پاک کو ''خاتم الکتب'' بنایا گیا، یعنی یہ آسمانی کتب سے آخری کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

'' ان النبی ﷺ خاتم الانبیاء علیھم السلام وقد جمع فیہ اخلاق الانبیاء ''

بیشک نبی کریم ﷺ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذات کو تمام انبیاء کرام کی تمام صفات سے متصف کیا گیا۔

(زیادہ تفصیل تفسیر کبیر سے ان شاء اللہ ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ﴾ کی وضاحت کے ضمن میں آجائے گی)

بیشک تمام کتابوں کا خلاصہ اور فائدہ بنسبت انسان کے دو معنوں کی طرف لوٹتا ہے، ایک ان میں سے یہ ہے کہ گھٹیا مقام سے نجات، اور دوسرا ان میں سے یہ ہے کہ بلند مقام کی طرف کامیابی۔ چونکہ گھٹیا مقامات کی تعداد سات ہے، ان سے نجات ضروری ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) کفر (۲) شرک (۳) جہالت (۴) معاصی (۵) برے اخلاق

(۶) اچھے اوصاف سے جو چیزیں حجاب کا سبب بنیں۔

(۷) نفس کیلئے جو چیزیں حجاب بنیں، یعنی نفس کو اچھائیوں سے ہٹا کر برائیوں کی طرف لے جائیں۔

بلند درجات کی طرف ترقی حاصل کرنا، اور اس پر کامیابی حاصل کرنا آٹھ چیزوں پر موقوف ہے، وہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالٰی کی معرفت (۲) اللہ تعالٰی کی توحید، یعنی اس کو ایک معبود ماننا اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرانا۔

(۳) علم حاصل کرنا جس میں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت پائی جائے اور احکام شرع کا پتہ چل جائے۔

(۴) طاعت، یعنی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے، ان کے اوامر و نواہی کو تسلیم کیا جائے۔

(۵) اچھے اخلاق پائے جائیں۔ (۶) اپنی ذات کو باقی رکھے۔

(۷) جذبات حق پائے جائیں یعنی حق کو حاصل کرنے کی کوشش کامل طور پر پائی جائے۔

(۸) اپنی انا کو فناء کر دے، یعنی اس کی میں ختم ہو جائے، میں یہ ہوں، میں وہ ہوں کو چھوڑ کر عجز وانکساری کا

Marfat.com

پیکر بن جائے۔

یہ آیۃ کریمہ ان تمام کے مجموعہ کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کررہی ہے۔(وَاتَّقُوْا)'اور ڈرو' یہ لفظ انسانی کوشش کی ان تمام قسموں کو شامل ہے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے یعنی حقیقی تقوی (ڈرنا) یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالی سے دور کرنے والی ہیں ان سے اجتناب کیا جائے اور جو چیزیں اللہ تعالی کے قریب کریں ان کو حاصل کیا جائے۔اس پر دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

جماع التقوی قول اللہ تعالی (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ) (سورۃ النحل، آیۃ ص ۹۰)

کہ تقوی کی تمام قسموں کو اللہ تعالی کے اس ارشاد گرامی میں جمع کر دیا گیا ہے۔ بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کو دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

گھٹیا مراتب سے نکلنا اور بلند مراتب کو حاصل کرنا تقوی کے تحت درج ہیں۔

عوام کا تقوی: یہ ہے کہ اللہ تعالی کی معرفت کے ذریعے کفر سے نکل آئے اور اللہ تعالی کی توحید کے ذریعے شرک سے نکل آئے اور علم کے ذریعے جہالت سے نکل آئے اور طاعات کے ذریعے معاصی سے نکل آئے اور اچھے اخلاق کے ذریعے برے اخلاق سے نکل آئے۔

یہاں تک عوام کی سیر کی انتہاء ہے، اس لئے کہ انسان کے عمل وکسب کی یہاں انتہاء ہو جاتی ہے اور مجتہدین (کوشش کرنے والوں) کی کوشش کا یہی مقصود ہوتا ہے کہ وہ ان شرائط کو حاصل کر لیں، جو اللہ تعالی کے اس ارشاد گرامی میں پائی گئی ہیں (وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) ''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت دیتے ہیں''

خواص کا تقوی:

وہ لوگ جو (لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) کو پانے کا شوق اور محبت اور جذبہ رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ درجہ

Marfat.com

مجذوبیت میں آجاتے ہیں، وہی شوق وجذبہ ان کے اوصاف کے حجابات کو ہٹا کر انہیں رب تعالی کی تجلیات سے منور کر دیتا ہے اور رب تعالی کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں خواص کی راہ سلوک کی حد آجاتی ہے، یہ لوگ ''جنۃ الماویٰ'' کے پاس '' سدرۃ المنتھی '' میں اللہ تعالی کی رحمت کے سایہ میں ہوتے ہیں اور (اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَایَغْشٰی) سے جو چھا جانے والی رحمت کا ظہور ہو رہا ہے اس کے عطیات سے وہ نفع حاصل کرتے ہیں۔

خواص الخواص کا تقوی:

یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی عنایت ومہربانی سے رفرف کی سواری پر سوار ہوتے ہیں اور جو رب تعالی کی تجلیات کو دیکھ کر (مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی) ''آنکھ نہ کسی طرف پھری، نہ حد سے بڑھی'' کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر وہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے (قَابَ قَوْسَیْن) کے اوصاف کو پالیتے ہیں۔ یعنی (ثم دنا فتدلی ☆فکان قاب قوسین او ادنی) (سورۃ النجم، آیۃ ص۹۰) ''پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم'' کے درجہ عظیمہ کو پالیتے ہیں۔ یہاں نفس کے حجابات کی انتہاء آجاتی ہے اور انوار قدس کی ابتداء ہوتی ہے، یہاں سے ہی یہ پتہ چل گیا کہ '' من عرف نفسہ عرف ربہ'' جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ (ماخوذ از روح البیان)

راقم کے نزدیک یہ مقام حقیقی طور پر صرف میرے پیارے مصطفیٰ کریم ﷺ کو حاصل ہے، البتہ آپ کے واسطہ جلیلہ سے مجازی طور پر اس کی جھلک آپ کی امت کے خواص الخواص کو حاصل ہو جائے تو عین ممکن ہے لیکن رب تعالی کی تجلیات کو برداشت کرنا، جب موسیٰ علیہ السلام سے نہ ہو سکا تو غیر انبیاء سے کیسے ممکن ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ مجازی طور پر مقام کشف میں ادراک تجلیات ہو جائے۔ راقم نے اپنی سوچ کے مطابق ذکر کر دیا ہے، حقیقی علم رب تعالی کے پاس ہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ
وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا
اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا
شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
تَسْــَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ
وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ☆ (آیۃ نمبر ۲۸۲)

﴿۱﴾

اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور چاہیے کہ

Marfat.com

تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے، تو اسے لکھ دینا چاہیے تو جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے۔ اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کرلو۔ یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے، اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے، مگر یہ کہ کوئی سردست کا سودا دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں تو جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کرلو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

﴿۲﴾

اے ایمان والو! جب تم لین دین کرو کسی دین (قرض) کا ایک مقرر مدت تک تو اسے لکھ لو اور چاہئے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے اور نہ انکار کرے کوئی لکھنے والا لکھنے سے جس طرح سکھایا اسے اللہ نے، تو چاہئے کہ وہ لکھ دے اور چاہئے کہ لکھائے وہ شخص جس پر حق ہو اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور نہ گھٹائے اس سے کوئی چیز پھر جس پر حق اس کا ہے، اگر بے عقل یا کمزور ہو یا نہیں طاقت رکھتا لکھانے کی وہ تو چاہئے کہ لکھائے اس کا ولی انصاف سے اور بنالو دو گواہ اپنے مردوں میں سے، پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان میں

Marfat.com

سے کہ تم پسند کرو انہیں گواہ، یہ کہ بھول جائے ایک (عورت) ان دونوں میں سے تو یاد دلائے ان میں سے ایک کو دوسری اور نہ انکار کریں گواہ جب انکو بلایا جائے اور نہ پریشان ہو لکھنے سے اس دین کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا وقتِ مقررہ تک (اسے لکھ لو)۔ یہ تمھارے لئے انصاف کی بات ہے اللہ کے حضور اور درست ہے گواہی کے لئے اور قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ تجارت ہاتھ بہاتھ ہو جس کو تم دائر (جاری) کرو اپنے درمیان تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ تم اسے نہ لکھو اور گواہ بنالو جب تم خرید و فروخت کرو اور نہ ضرر پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو (یا نہ ضرر پہنچائے لکھنے والا اور گواہ) اور اگر تم نے (ایسا) کیا تو بے شک وہ فسق ہوگا تمہارا، اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

آیہ کریمہ کا مختصر مطلب:

مختصر مطلب تو تقریباً آیۃ کریمہ کے ترجمہ سے ہی سمجھ آرہا ہے، لیکن اس آیۃ کریمہ میں کئی مسائل مذکور ہیں۔ جن کو انشاء اللہ تفصیل سے ذکر کیا جائے گا، یعنی قرض کا لین دین، پھر اسے لکھنے کا حکم، لکھنے والے کو کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، پھر کون لکھائے؟ یعنی صاحب حق لکھائے۔ صاحب حق لکھانے سے عاجز آجائے تو اسکا ولی لکھائے، پھر قانونِ شہادت، گواہی کیا ہے؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ پھر عورت بحیثیت گواہ کے کیا مقام رکھتی ہے، گواہوں کو گواہی کیلئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، لین دین چھوٹا ہو یا بڑا اسے لکھ لیا جائے، لکھنے میں ملال نہ ہو، اس کی مقرر میعاد لکھ دی جائے، لکھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگا کیونکہ یہ اس کے نزدیک انصاف پر مبنی کام ہے اور گواہی کیلئے سیدھی راہ کا تعین ہو جائے اور شک وشبہ سے بالاتر کام ہوگا۔ اگر تجارت ہاتھ بہاتھ آمنے سامنے ہو تو نہ لکھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن گواہ بنالئے جائیں، لکھنے والے شخص اور گواہ کو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے اور نہ ہی لکھنے والا اور گواہ کسی کو نقصان پہنچائیں۔

Marfat.com

ان تمام مسائل پر انشاءاللہ تفصیلی بیان ہوگا اور یہی مسائل اس آیۃ کریمہ میں مذکور ہیں۔

ماقبل سے تعلق:

اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قسم کے حکم بیان کیے ہیں، ایک اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا جس کی وجہ بظاہر مال میں کمی واقع ہوتی ہے اور دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ سود کا لین دین ختم کردو، یہ حرام ہے اس میں بھی ظاہری طور پر مال میں کمی واقع ہوتی ہے، پھر رب تعالیٰ سے سخت ڈرنے کا حکم اس آیۃ کریمہ میں دیا گیا ہے۔ "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ"
"اور ڈرو اس دن سے جس میں تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا"۔

اس آیۃ کریمہ میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ تقویٰ میں بھی انسان پر مال حاصل کرنے کے زیادہ دروازے بند رہتے ہیں۔ اب اس زیر بحث آیۃ کریمہ میں مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، اور مال کو تلف کرنے سے بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

"لا ن القدرة على الانفاق فى سبيل الله وعلى ترک الربوٰ وعلى ملازمة التقوى لايتم ولا يكمل الا عند حصول المال ثم انه تعالى لاجل هذه الدقيقة بالغ فى الوصية بحفظ المال الحلال عن وجوه التوى والتلف"

اس لئے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ اور سود کے چھوڑنے اور تقویٰ کو لازم پکڑنے کی طاقت حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی وہ طاقت تکمیل تک پہنچتی ہے سوائے مال کے حاصل ہونے کے پھر اسی دقیقہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے حلال مال کی حفاظت کرنے اور اسے تباہ و برباد ہونے سے بچانے کیلئے نصیحت فرمائی۔ جس میں بہت مبالغہ اور تاکید پائی گئی ہے۔

دوسری وجہ:

ماقبل سے تعلق کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے پہلے سود کے لین دین کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو اس سے بظاہر یہ پتہ چلا کہ شاید بیع سلم بھی ناجائز ہوگی، تو اس آیۃ کریمہ میں بیع سلم کے جائز ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ پیسے پہلے دیئے جائیں اور چیز بعد میں لی جائے، بیع مسلم کی تفصیل انشاءاللہ قریب ہی آرہی ہے۔

(ماخوذ از کبیر)

Marfat.com

''یٰآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ''

''اے ایمان والو! جب تم لین دین کرو کسی دین (قرض) کا ایک مقرر مدت تک تو اسے لکھ لو۔''

شانِ نزول:

اگرچہ آیۃ کریمہ کا تعلق تمام قسم کے دیون (قرضوں) سے ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیۃ کریمہ میں جس دین کے لین دین کا ذکر ہے اس سے مراد بیع سلم ہے۔

''قال فی الهدایة السلم عقد مشروع بالکتاب وهو اٰیة المداینة'

اسی وجہ سے صاحب ہدایۃ نے بیان کیا ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔ اس کا جواز کتاب اللہ (قرآن پاک) سے ثابت ہے، یعنی آیۃ مداینہ (جس میں دین کا ذکر ہے، وہ یہی آیۃ ہے) اس کے جواز پر دلالت کررہی ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)

تفسیر زاہدی میں ہے کہ آیۃ کریمہ عام ہے، بیع سلم کو بھی شامل ہے اور ہر دین کو شامل ہے، سوائے قرض کے۔

قرض اور دین میں فرق:

اصل میں اردو کا دائرہ تنگ ہے، عربی کے کئی الفاظ کا ترجمہ میں حق ادا نہیں ہوتا۔ ہم عام طور پر دین کا معنی قرض کرتے ہیں، جیسا کہ راقم نے طلباء کرام کو سمجھانے کیلئے دین کے بعد بریکٹ میں قرض بڑھایا ہے۔ ورنہ حقیقت میں دین اور چیز ہے، اور قرض اور چیز ہے۔

قرض کی تعریف:

"القرض ما یکون بجنسه مثل ان یقرضه درهما علی ان یعطیه درهما عوضه غدا ویقرض شعیرا لیعطیه مثله ولا یقبل التاجیل ومعناه اذا وعد الی مسمی معین فله المطالبة قبله"

قرض وہ ہے جو جنس کے بدلے جنس دی جائے، مثلاً درہم بطور قرض دیئے جائیں کہ کل یا فلاں وقت میں تم مجھے اتنے ہی درہم دے دینا۔ اسی طرح جو یا گندم وغیرہ قرض دینا کہ تم مجھے بعد میں اتنی مقدار میں ہی جو یا گندم دے

Marfat.com

دینا۔قرض میں وقت نہیں ہوتا،یعنی اگر کہے کہ تم مجھے ایک ماہ کے بعد قرض ادا کرنا لیکن وہ پہلے ہی مطالبہ کرلے کہ مجھے کوئی اور ضرورت درپیش آگئی ہے،لہذا اتم میرا قرض مجھے ادا کر دو،تو یہ اس کا حق ہے،لیکن خیال رہے کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ اسے ضرورت ہی درپیش آئے بلکہ مطلقاً وہ مقرر کئے ہوئے وقت سے پہلے مطالبہ کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات میں قرض حسن کا ذکر فرمایا:

”و معنی القرض الحسن ان لایطالبه من عند نفسه و ان اعطاه المستقرض لا یاخذ علیه زیادة و لایجریه نفعا وهو فی معنی التصدق و لهذا قیل القرض سؤال“

قرض حسن یہ ہے کہ وہ اپنے قرض کا مطالبہ ہی نہ کرے،مقروض اپنی مرضی سے جب چاہے ادا کرے۔اگر قرض لینے والا خود قرض ادا کرے تو یہ اس سے زیادہ نہ لے اور کسی قسم کا نفع مقروض سے حاصل نہ کرے ایسا کہ جس سے پتہ چلے کہ یہ قرض کا نفع حاصل کررہا ہے۔

جب قرض حسن دے گا تو اسے صدقہ کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے۔’قرض سوال ہے‘،یعنی جس طرح سوال پر عطا کرنا صدقہ کا درجہ رکھتا ہے۔اسی طرح قرض حسن میں بھی صدقہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

دین کی تعریف:

”والدین مایکون علی اختلاف الجنس ویکون واجبا فی الذمه ویکون المطالبة حین الأجل مثل ثمن المبیع ونحوه“

یعنی دین اختلاف جنس پر ہوتا ہے۔جیسا کہ مبیع (جس چیز کو بیچا جائے) کا ثمن۔اور فرق یہ ہے کہ دین کا ادا کرنا وقت مقرر پر واجب ہوتا ہے اور مطالبہ بھی وقت مقرر سے پہلے نہیں کیا جاسکتا،دین مدیون کے ذمہ واجب ہوتا ہے لیکن قرض حسن میں جب ادا کرنے والے کی طرف سے اتنا اختیار دے دیا جائے کہ اگر تم ادا کرسکے تو ادا کر دینا اور اگر تم ادا نہ کرسکے تو میں تم سے مطالبہ نہیں کروں گا بلکہ وہ قرض تمہارے لئے صدقہ کا درجہ رکھے گا،ایسی صورت میں قرض حسن کا ادا کرنا مستحب ہوا۔

(ماخوذاز تفسیرات احمدیہ بتصرف)

Marfat.com

آیۃ کریمہ کے شانِ نزول میں مفسرین کے اقوال:

(۱) ایک قول تو وہی ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیۃ کریمہ میں بیع سلم کے جواز اور اسے لکھنے کا حکم ہے۔

(۲) دوسرا قول بعض حضرات کا ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں قرض کا ذکر ہے۔ لیکن علامہ رازیؒ نے اسے یوں رد فرمایا

"وهو ضعيف لما بينا ان القرض لا يمكن ان يشرط فيه الأجل والدين المذكور في الاية اشترط فيه الأجل"

یہ قول ضعیف ہے اسلئے کہ قرض کی تعریف ہم نے بیان کر دی کہ اس میں وقت مقرر نہیں ہوتا، قرض دینے والا جب چاہے مطالبہ کر لے۔ اور آیۃ کریمہ میں جس دین کا ذکر ہے اس کے ساتھ "اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی" کی قید ہے یعنی جس میں وقت مقرر کر دیا گیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آیۃ کریمہ میں ذکر دین کا ہے، قرض کا نہیں، اسلئے قرض کا قول ضعیف ہے۔ چونکہ قرض اور دین دو علیحدہ علیحدہ چیزوں کے نام ہیں۔

(۳) تیسرا قول اکثر مفسرین کرام کا ہے، وہی زیادہ معتبر ہے کہ آیۃ کریمہ کا تعلق بیع سلم سے بھی ہے اور دین سے بھی ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے پہلے یہ سمجھا جائے کہ بیع کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: عین چیز کی بیع عین سے، یعنی سودا آمنے سامنے ہاتھ بہاتھ ہو، ادھر مال دیا اور ادھر ثمن۔ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں، وہ اس آیۃ کریمہ کے ان الفاظ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ" میں داخل نہیں کیونکہ اس کے لکھنے کا حکم نہیں بلکہ وہ اسی آیۃ میں آنے والے استثناء میں داخل ہے یعنی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَكُمْ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا" مگر یہ کہ تجارت ہاتھ بہاتھ ہو جس کو تم دائر کرو اپنے درمیان تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ تم اسے نہ لکھو۔ جب اسمیں مداینہ (دین کا معاملہ) نہیں تو لکھنے کا بھی حکم نہیں، اسلئے یہ قسم اس سے خارج ہے۔

دوسری قسم: دین کی بیع دین سے، یعنی نہ مبیع دیا جائے اور نہ ہی ثمن، یہ بیع ناجائز ہے۔ یہ بھی آیۃ کریمہ کے اس

Marfat.com

حکم میں داخل نہیں۔

تیسری قسم: بیع العین بالدین ، یعنی مبیع پہلے دیا جائے اور ثمن بعد میں وقت مقرر کو لیا جائے ، آیۃ کریمہ کا یہ حکم اسے بھی شامل ہے ، یعنی جب تم عین کی بھی دین سے بیع کرو تو اس ادھار کی بیع کا معاملہ لکھ لیا کرو تا کہ بعد میں تمہارے درمیان کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

چوتھی قسم: بیع الدین بالعین ، یعنی رقم دے دی جائے اور چیز بعد میں لینے کا وقت مقرر کر دیا جائے تو اسے بیع سلم کہا جاتا ہے۔ آیۃ کریمہ کا حکم اسے بھی شامل ہے کہ جب تم پیسے پہلے دے دو اور چیز بعد میں لینے کا وقت مقرر کرو، تو اسے لکھ لو۔

اعتراض: " تداینتم " تو دلالت کر رہا ہے مشارکت پر جس کا مطلب یہ کہ تم دین دو اور دوسرا شخص بھی دین سے ہی کام لے، یعنی دین کی بیع دین سے۔ اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ " تداینتم " کے الفاظ سے پتہ چل رہا ہے کہ ادھار کی بیع ادھار سے جائز ہے حالانکہ اس کے ناجائز ہونے پر اجماع امت بھی ہے اور رسول ﷺ نے بھی " بیع الکالئی بالکالئی " (ادھار کی بیع ادھار) سے منع فرمایا تو " تداینتم " کا استعمال کیسے صحیح ہے؟

" ان المراد من تداینتم تعاملتم و التقدیر اذا تعاملتم بما فیه دین "

بیشک مراد " تداینتم " سے " تعاملتم " ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم معاملہ کرو جس میں دین پایا جائے۔ (کبیر)

اس معنی سے ہی واضح ہو گیا کہ دونوں قسموں کو آیۃ کریمہ کا حکم شامل ہو گیا کہ تم بیع کا معاملہ کرو ثمن دین ہو یا تم بیع کا معاملہ کرو اور مبیع اس میں دین ہو تو اسے لکھ لو۔

اعتراض: جب دین کا ذکر " تَدَایَنْتُمْ " (جب تم معاملہ کرو دین کا) میں آ چکا ہے تو اس کے بعد " بِدَیْنٍ " ذکر کرنے کا کیا مقصد ہے۔ یہ تو تکرار ہے جبکہ بلا وجہ تکرار درست نہیں؟

پہلا جواب: تداین کبھی مشتق ہوتا ہے دین (بفتح الدال) دال کی زبر سے، جس کا معنی ہوتا مال میں دین کا معاملہ کرنا اور کبھی یہ مشتق ہوتا دین (بکسر الدال) دال کی زیر سے جسکا معنی ہوتا بدلہ دینا، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ '' کما

Marfat.com

تدین تدان' جیسے تم بدلہ دو گے ایسے ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ جب تداینتم کے دو معنی تھے تو ایک کو خاص کرنے کیلئے رب تعالی نے اس کے بعد بدین ذکر فرمایا تا کہ پتہ چل جائے کہ اس مقام میں۔ "تداینتم" کا معنی دین کا معاملہ کرنا ہے، بدلہ دینا نہیں۔

دوسرا جواب : قرآن پاک میں فصاحت و بلاغت کا اعلی معیار قائم کیا گیا ہے، اسی وجہ سے نظم قرآن یعنی قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ کی ترتیب کو خوبصورت بنانے کیلئے پہلے بدین ذکر کیا پھر " فکتبوہ" ذکر کیا جس میں ضمیر کا مرجع "دین" ہے اگر پہلے "بدین" ذکر نہ کیا جاتا تو مضمون کو مکمل کرنے کیلئے "فاکتبوا الدین" کہنا پڑتا، اس میں وہ خوبصورتی اور فصاحت نہ ہوتی جو قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ میں پائی گئی ہے ۔ حقیقت یہی ہے کہ رب تعالی کا کلام بلند مقام رکھتا ہے، جہاں انسانی عقل اس کے اعلی معیار کو سمجھنے سے متحیر (حیران) ہو جاتی ہے۔

تیسرا جواب : بعض اوقات الفاظ تاکید کیلئے ذکر کیے جاتے ہیں ان میں فقط تکرار نہیں ہوتا، جیسا کہ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" میں تاکید کیلئے "کلھم ، اجمعون" استعمال کیے گئے ہیں اسی طرح۔ "اِلَّا طَائِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ" میں "بجناحیه" اسی پر دلالت کر رہا ہے ورنہ نحوی قانون کے مطابق حقیقی تاکید نہیں پائی گئی۔

چوتھا جواب : تداینتم ہر قسم کے قرض کو شامل تھا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، خواہ قرض ہو یا بیع سلم ہو یا ثمن کا ادھار ہو "بدین" ذکر کر کے قرض کو نکال دیا اور حکم دین میں خاص کر دیا۔

پانچواں جواب : صرف "تداینتم" مشارکت کیلئے استعمال ہوتا ہے، لیکن جب "بدین" ذکر کیا تو وہ قرینہ بن گیا جس سے پتہ چل گیا کہ یہاں مشارکت والا معنی نہیں بلکہ دین کا معاملہ کرنا مراد ہے، صرف ایک جانب دین مراد ہے خواہ مبیع کی جانب ہو یا ثمن کی جانب ہو۔ (ماخوذ از کبیر)

بیع سلم کا جواز حدیث پاک سے:

"عن ابن عباس قال قدم رسول ﷺ والناس یسلفون فقال لهم رسول ﷺ من اسلف فلا یسلف الا فی کیل معلوم ووزن معلوم" (مسلم، بخاری، مشکوۃ کتاب السلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ (مدینہ طیبہ میں) آئے، وہاں لوگ بیع سلم

Marfat.com

کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بیع سلم نہ کرے مگر کیل معلوم ہو اور وزن معلوم ہو۔

"عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینه وهم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال من سلف فی ثمر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے وہاں لوگ پھلوں میں ایک سال یا دو سال (کیلئے قیمت ادا کر دیتے پھل بعد میں لیتے) کی بیع سلم کر لیتے تھے تو آپ نے فرمایا جو لوگ کھجور (وغیرہ) میں بیع سلم کریں تو کیل معلوم ہو، وقت مقرر ہو۔

تنبیہ: بیع سلم اور بیع سلف کا ایک معنی ہے، سلم اس لئے دیا جاتا ہے کہ رأس المال (ثمن) پہلے بائع کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور سلف اس لئے کہا جاتا ہے کہ رأس المال پہلے دیا جاتا ہے، یعنی سلم کا معنی ہے سپرد کرنا اور سلف کا معنی ہے گزرنا۔ پہلے دینے کے لحاظ پر سلف، سپرد کرنے کے لحاظ پر سلم۔ (نووی)

بیع سلم کی مختصر الفاظ میں یہ تعریف حسین اور پسندیدہ ہے:

"انه عقد موصوف فی الذمة یعطی عاجلا"

بیشک یہ عقد ہے کہ ایک چیز کا جس کو واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے اور وہ بائع کے ذمہ میں ہوتی ہے کہ وقت مقرر میں ادا کرے اور اس کا بدل یعنی ثمن پہلے دے دیا جاتا ہے۔ (نووی)

بیع سلم کی تفصیلی بحث:

بیع سلم کی تعریف تو علامہ نووی رحمۃ اللہ کے قول سے واضح ہو چکی ہے کہ پیسے پہلے دے دیئے جائیں اور چیز بعد میں لی جائے، اسے بیع سلم کہا جاتا ہے۔

بیع سلم کن چیزوں میں جائز ہے اور کن میں ناجائز:

بیع سلم مکیلی چیزوں میں جائز ہے، یعنی جن چیزوں کو صاع (ٹوپے) وغیرہ سے ماپا جائے، گندم، جو وغیرہ۔ اور بیع سلم موزونی چیزوں میں جائز ہے، یعنی چیزوں کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے جیسے لوہا، تانبہ، پیتل، وغیرہ ان کے جواز پر دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

Marfat.com

"من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم"

جو شخص تم میں سے بیع سلم کرے تو وہ معلوم کیل اور معلوم وزن میں اور وقت مقرر تک بیع سلم کرے۔

تنبیہ: مکیلی یا موزونی چیزوں کی جنس سے بیع سلم جائز نہیں اس میں سود پایا جاتا ہے، البتہ رقم پہلے دے دی جائے اور وہ چیز بعد میں لی جائے، شرط یہ ہے کہ مبیع اور ثمن ایک جنس نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ دراہم اور دنانیر کی بیع سلم جائز نہیں۔ بیع سلم میں ثمن پہلے دیا جاتا ہے اگر دراہم کی بیع سلم جائز ہو جائے تو ثمن میں تاخیر ہوگی اس بیع سلم نہیں کہا جاتا۔

بیع سلم کا جواز:

بیع سلم کے جواز پر ایک تو یہی زیر بحث آیۃ کریمہ ہے اور احادیث مبارکہ ہیں جن کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ قیاس کہتا ہے کہ بیع سلم جائز نہ ہو۔ کیونکہ سنن اربعہ میں عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ، دادا سے ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تبع ما لیس عندک" جو چیز تمہارے پاس نہیں وہ نہ بیچو۔ لیکن بخاری اور مسلم کی احادیث جو قریب ہی ذکر کی گئی ہیں ان سے واضح طور پر جواز ثابت ہو رہا ہے۔ ان دو احادیث سے بطور نتیجہ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا:

" و بالسنة وهو مروی انه ﷺ نهى عن بيع ما ليس عند الانسان ورخص في السلم والقياس وان كان يأباه ولكنا تركناه بمارويناوجه القياس انه بيع المعدوم"

بیع سلم کا جواز حدیث پاک سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ کی روایت ہے کہ آپ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو انسان کے پاس نہیں اور بیع سلم کی رخصت فرمائی۔ قیاس اگرچہ بیع سلم کے جواز سے انکار کرتا ہے۔ لیکن جب احادیث سے بیع سلم کا جواز ثابت ہو گیا تو ہم نے احادیث کے مقابل واقع ہونے والے قیاس کو چھوڑ دیا۔ قیاس بیع سلم کے جائز نہ ہونے کا تقاضا اس لئے کرتا ہے کہ یہ بیع معدوم کی لازم آ رہی ہے۔

مذروعات اور معدودات متقاربہ میں بیع سلم کا جواز:

کپڑا وغیرہ جو گز سے ناپا جائے اس کی بیع سلم جائز ہے البتہ شرط یہ ہے کہ اس کپڑے وغیرہ کا وصف بیان کر

Marfat.com

دیا جائے اور اسکی صنعت (کوالٹی) وغیرہ کا ذکر کر دیا جائے تاکہ بعد میں کوئی نزاع نہ ہو۔ اسی طرح جو چیز گن کر بیچی جائیں لیکن ان میں زیادہ تفاوت (فرق) نہ پایا جائے، جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ ان میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ اس میں نزاع کا کوئی خطرہ نہیں۔ یہ معدودات متقاربہ ہیں۔ اگر ان چیزوں میں زیادہ فرق ہو جیسے خربوزیا تربوز وغیرہ ان کو گن کر بیچنے کی صورت میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ یہ کوئی بہت بڑے اور کوئی بہت چھوٹے ہوتے ہیں ان کو معدودات متقاونہ کہا جاتا ہے۔ان میں نزاع کا خطرہ ہوتا ہے۔

حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں:

اس لئے کہ حیوانات کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، اس میں نزاع کا خطرہ پایا جاتا ہے، یعنی جنس اوا صفت بیان کرنے کے باوجود حیوانات میں تعین نہیں ہوسکتا۔

☆ "عن ابن عباس ان النبی ﷺ نهی عن السلف فی الحیوان" (اخرجه الحاکم والدار قطنی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بیشک نبی کریم ﷺ نے حیوانات میں بیع سلم سے منع فرمایا۔

اس حدیث کے متعلق حاکم نے بیان کیا ہے کہ

" صحیح الاسناد ولم یخرجاه " حدیث صحیح الاسناد ہے اگر بخاری و مسلم نے اسے اپنی کتب میں ذکر نہیں کیا۔

بیع سلم میں بیع کا موجود ہونا ضروری ہے:

اصل اس مسئلہ پر دلیل رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

☆ "عن ابی البختری قال سألت ابن عمر عن السلم فی النخل قال نهی رسول الله ﷺ عن بیع النخل حتی یصلح"

ابوالبختری کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کھجوروں میں بیع سلم کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کی بیع کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ

Marfat.com

ان میں کھانے جانے کی صلاحیت پائی جائے۔ (بخاری)

دوسری حدیث شریف میں ہے۔

" ولاتسلموافی نخل حتی یبدو صلاحه"

کھجوروں میں بیع سلم اس وقت تک نہ کرو جب تک ان کی صلاحیت ظاہر نہ ہوجائے۔

وجہ اصل میں یہ ہے کہ ابھی کھجوریں کارآمد ہی نہ ہوں تو بیع سلم کرلے تو ہوسکتا ہے وہ کسی آفت کی وجہ سے تباہ ہوجائیں اور یہ ادا کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھے تو نزاع کا خطرہ ہے۔

نمک لگائی مچھلی کی بیع سلم جائز ہے: لیکن شرط یہ ہے کہ وزن معلوم ہو اور قسم معلوم ہو۔ جب قدر اور وصف معلوم ہوں گے تو وقت مقرر پر خریدار کے حوالے کرنے میں آسانی ہوگی، نزاع خطرہ نہیں ہوگا۔

تازہ مچھلی کی بیع سلم: تعداد کے لحاظ پر تو مچھلی کی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ کوئی مچھلی بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور کوئی بہت بڑی۔ البتہ وزن معلوم ہو اور قسم معلوم ہو تو پھر بیع سلم جائز ہوگی، یہ بھی ان شہروں میں جہاں گرمیوں، سردیوں میں مچھلی ملتی رہتی ہے۔ جہاں کبھی مچھلی ملے اور کبھی نہ ملے ان مقامات میں مچھلی کی بیع سلم جائز نہیں۔

گوشت کی بیع: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھما اللہ کے اقول میں اختلاف کو دیکھ کر راقم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ شہروں میں صرف چھوٹا گوشت اور بڑا گوشت کہہ کر بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ اسلئے کچھ وصف بھی بیان کردیا جائے تو بیع سلم جائز ہوگی۔ لیکن دیہاتوں میں صرف چھوٹا اور بڑا گوشت نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بکری یا بھیڑ کتنی عمر کی تھی اسی طرح گائے وبھینس کا حکم بھی یہی ہے۔ لھذا دیہاتوں میں جھگڑے کے خوف سے گوشت میں بیع سلم جائز نہیں۔

کسی معین شخص کے کیل یا پیمائش سے بیع جائز نہیں:

اگر یہ طے کرلیا جائے کہ فلاں شخص ہی ماپ کرے گا یا فلاں شخص ہی پیمائش کرے گا تو اس بیع سلم جائز نہیں۔ اسلئے کہ کہ ہوسکتا ہے ادائیگی کے وقت وہ آدمی ہی نہ ملے تو جھگڑے کا سبب بنے گا، لہذا یہ جائز نہیں ہوگا۔

Marfat.com

معین شہر کی چیز کی بیع سلم جائز نہیں:

وجہ اس کی بھی یہ ہے سکتا ہے اس معین شہر یا بستی میں ژالہ باری آجائے یا کسی اور آفت سے وہ غلہ وغیرہ تباہ ہو جائے تو بائع اس بستی کا غلہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھے گا جس کی وجہ سے جھگڑے کا خطرہ ہے لہذا بیع سلم کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسی طرح کسی معین درخت کے پھل میں بیع سلم جائز نہیں خطرات وہی ہیں جو معین بستی کی بیع سلم میں بیان کئے جاچکے ہیں۔

بیع سلم کی شرائط: بیع سلم کی سات شرائط ہیں جن کے بغیر بیع سلم جائز نہیں ہوسکتی:

(۱) جنس معلوم ہو، یعنی یہ واضح کیا جائے کہ بیع گندم کی ہورہی ہے یا مکی وغیرہ کی۔

(۲) نوع معلوم ہو، یعنی بتایا جائے کہ وہ گندم بارانی زمین کی ہوگی یا نہری زمین کی ہوگی۔

(۳) اسکی صفت معلوم ہو، یعنی جس چیز کا سودا ہو رہا ہے اس کے متعلق واضح کیا جائے کہ وہ عمدہ ہوگی یا گھٹیا۔

(۴) مقدار معلوم ہو۔ مکیلی چیز ہو تو بتایا جائے کہ اتنے صاع گندم وغیرہ اس رقم کے دیئے جائیں گے۔ اگر کوئی موزونی چیز ہو تو بتایا جائے کہ اتنے سیر یا اتنے من اس رقم کے دیئے جائیں گے۔

(۵) اجل معلوم ہو، یعنی یہ بتایا جائے کہ ایک ماہ یا دو ماہ وغیرہ کے بعد یہ چیز ادا کی جائے گی۔

(۶) رأس المال معلوم ہو۔ جب قیمت کے طور پر وہ چیز ہو جو مکیلی یا موزونی یا عددی ہو تو اسکا معین کرنا بھی ضروری ہے

(۷) مکان معین کرنا کہ یہ چیز فلاں جگہ دی جائے گی، یہ اس چیز کیلئے ضروری ہے جو وزنی ہو جب تک سواری اور مزدوری وغیرہ نہ ہو تو وہ چیز لانی مشکل ہو جائے، جب تک جگہ کو معین نہیں کیا جائے گا تو جھگڑے کا خطرہ برقرار رہے گا۔

تنبیہ: جب مختلف جنسوں کی بیع ہو تو دونوں کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے جو چیز پہلے دی جائے گی وہ رأس المال ہوگی اور جو بعد میں وقت مقرر پر دی جائے گی وہ مبیع ہوگی۔ بیع سلم میں بیچنے والے کا مجلس سے جدا ہونے سے پہلے رأس المال پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ : بیع سلم میں رأس المال یا مبیع کے قبض کرنے سے پہلے کسی ایک میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ رأس المال میں قبض سے پہلے تصرف اس لئے جائز نہیں کہ بیع سلم میں جب رأس المال کا قبض کرنا ضروری ہے تو پہلے تصرف سے قبض کرنا فوت ہو جاتا ہے اور مبیع میں قبض سے پہلے تصرف ہر بیع میں منع ہے۔

ضابطہ : ہر وہ چیز جسکی مقدار وغیرہ معلوم ہو جائے اسکی بیع سلم جائز ہے جیسے اینٹوں وغیرہ کا سانچہ معلوم ہوتا ہے لیکن دیکھنے پر اگر کوالٹی پسند نہ آئے تو واپس کر سکتا ہے، اسلئے کہ ہر بیع میں خیار رؤیۃ (دیکھنے پر پسند آئے تو لے لے نہ آئے تو واپس کر دے) کا حق حاصل رہتا ہے۔ (ماخوذ از ہدایۃ)

''اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' ''ایک مقرر مدت تک''

اجل، کا لغوی معنی ہے وہ وقت جس سے ایک چیز کی انتہاء بیان کی جائے اسی وجہ سے انسان کی عمر کے ختم ہونے کے وقت، یعنی موت کے وقت کو ''اجل'' کہا جاتا ہے۔'' اجل الدین'' کا مطلب ہے کہ مستقبل میں قرض کی ادائیگی کا وقت معین کر دیا جائے۔ اصل میں ''اجل'' کا معنی ہے تاخیر کرنا اجل، یأجل، اجولا، کا معنی ہے تاخیر کرنا۔'' آجل'' نقیض ہے ''عاجل'' کی، یعنی عاجل کا معنی جلدی کرنے والا اور آجل کا معنی ہے دیر کرنے والا۔

سوال : دین تو ہوتا ہی وہ ہے جو دیر سے ادا کیا جائے تو ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' کے بعد ''اِلٰی اَجَلٍ'' کے ذکر کا کیا مقصد ہے؟

جواب: ''اجل'' کی دو قسمیں ہیں ''اجل معین'' اور ''اجل مبہم''

اجل معین: یہ ہے کہ یہ دین ایک ماہ کے بعد ادا کیا جائے گا یا ایک سال کے بعد ادا کیا جائے گا۔

اجل مبہم: یہ ہے کہ گندم کی کٹائی کے وقت حاجیوں کے آنے کے وقت یہ دین میں تمہیں ادا کروں گا، چونکہ دین مطلقاً دیر سے ادا کرنے کو کہا جاتا ہے جو اجل معین اور اجل مبہم دونوں کو شامل تھا۔

یہاں'' اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ'' کے بعد مطلق اجل کا ذکر نہیں بلکہ '' اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' ذکر ہے جس سے یہ حکم بھی واضح کیا گیا ہے کہ جب تم دین کا معاملہ کرو تو اسکا وقت مقرر کرو، وقت مبہم نہ ہو۔ (از کبیر)

Marfat.com

"فَاکْتُبُوْہُ" "تو اسے لکھ لو"

جب مسلمان دین کا معاملہ کریں اور اسکی ادائیگی کا وقت مقرر کر دیں تو اس کیلئے رب تعالیٰ نے دو حکم دیئے ہیں۔ایک "فَاکْتُبُوْہُ" تو اسے لکھ لو۔اور دوسرا "فَاسْتَشْهِدُوْا ،تو گواہ بنا لو" لکھنے اور گواہ بنانے کا فائدہ جب دین دیر سے ادا کرنا ہے۔

(فیتخلله النسیان ویدخل فیه الجحد) تو اس میں بھولنے کا احتمال ہے اور انکار کرنے کا بھی اس میں دخل موجود ہے۔"فصارت الکتابة کالسبب لحفظ من الجانبین "لکھ لینے کا یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ دونوں جانب سے مال کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے گا اور خصوصا جب لکھنے کے ساتھ گواہ بھی بنا لئے جائیں گے تو قرض دینے والا زیادتی کا مطالبہ نہیں کرے گا اور نہ ہی وقت مقرر سے پہلے مطالبہ کرے گا۔اور جس نے قرض لیا ہے وہ انکار نہیں کر سکے گا، اور جب اسے معلوم ہوگا کہ قرض کی ادائیگی کا وقت لکھ لیا گیا ہے اور اس پر گواہ بھی بنا لئے گئے تو وہ وقت مقرر سے پہلے قرض ادا کرنے کیلئے مال جمع کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بروقت قرض ادا کر سکے۔

"فلما حصل فی الکتابة والاشهاد هذا الفوائد لا جرم امر الله به والله اعلم "

جب لکھنے اور گواہ بنانے کے یہ فوائد حاصل ہوئے تو اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کا حکم دیا ہے۔ (کبیر)

لکھنے کا حکم استحبابی ہے:

" واما کتابة الدین التی امرنا الله بها فی قوله تعالی فاکتبوه فجمهور المفسرین علی انه للندب والا ستحباب ولیس بشرط واجب لجواز الدین والسلم بدونها "

لکھنے کا حکم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد "فَاکْتُبُوْہُ" (تو اسے لکھ لو) سے دیا ہے۔جمہور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم مستحب ومندوب ہے۔شرط وجوب نہیں کیونکہ لکھنے کے بغیر ہی قرض اور بیع سلم جائز ہیں۔ (تفسیرات احمدیہ)

Marfat.com

علامہ رازی نے اگر چہ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض حضرات وجوب کے قائل ہیں، لیکن جمہور علماء کرام کا مذہب آپ نے بھی بیان کیا ہے:

"وقال الآخرون هذاالامر محمول على الندب وعلى هذا جمهور الفقهاء المجتهدين"

دوسرے حضرات (یعنی وجوب کے خلاف دوسرے حضرات) نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے یعنی واجب نہیں یہی جمہور مجتہدین کا قول ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ہم جمہور مسلمانوں کو دیکھتے ہیں جو دین کا معاملہ کرتے ہیں اور لکھتے نہیں اور نہ ہی گواہ بناتے ہیں:

"وذالک اجماع على عدم وجوبهما ولان في ايجابهما اعظم التشديد على المسلمين"

لہٰذا لکھنے یا گواہ بنانے کا واجب نہ ہونے پر اجماع امت ہے اگر چہ قلیل لوگوں کا وجوب کا قول ہے لیکن وہ اجماع کے منافی نہیں اور اگر وجوب کا قول کیا جائے تو مسلمانوں پر بہت سخت حکم ہو جائے گا۔ اور ترک کرنے والے گناہ گار ہوں گے، حالانکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت میں آسانی ہے:

"والنبی ﷺ يقول بعثت بالحنيفية السهلة السمحة" (کبیر)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں مجھے دینِ حنیف عطا کر کے بھیجا گیا۔ وہ دین وشریعت آسان ہیں اور اس میں (شریعت کی جہاں تک اجازت ہوگی) درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

دینی طلباء کرام کی توجہ مطلوب ہے:

آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے: "كلما تداينتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه" ہر مرتبہ جو تم دین کا معاملہ کرو وقت مقرر تک تو اسے لکھ لو۔ "کلما" عموم پر دلالت کرتا ہے۔ "اذا" عموم پر دلالت نہیں کرتا تو "کلما" کا ذکر نہ کرنا اور "اذا" کا ذکر کرنا کس طرح صحیح ہے؟

"الجواب ان كلمة اذا وان كانت لا تقتضى العموم الا انها لا تمتع من العموم"

Marfat.com

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کلمہ ''اذا'' اگرچہ عموم کا تقاضا تو نہیں کرتا لیکن عموم کے منافی نہیں۔ اگر'اذا' کو مقام عموم میں استعمال کیا جائے تو جائز ہے۔ (خاص کر کے عموم کے ساتھ وقت کا معنی بھی نکلتا ہے جس وقت بھی تم دین کا معاملہ کرو وقت مقرر تک تو اسے لکھ لو۔

یہ کیسے پتہ چلا کہ ''اذا تداینتم'' میں عموم پایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی جو اسی آیۃ کریمہ میں آگے آرہا ہے دلالت کر رہا ہے۔

''ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰى اَلَّا تَرْتَابُوْا''

''یہ تمہارے لیے انصاف کی بات ہے اللہ کے حضور اور درست ہے گواہی کے لئے اور قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو''۔

یہ واضح ہے کہ جب دین کا معاملہ کیا گیا اور اسے نہ لکھا گیا تو اس میں بھول واقع ہو گی، کبھی زیادتی کا مطالبہ کیا جائے گا جو ظلم ہو گا اور کبھی کم کا مطالبہ ہو گا، بھولنے کی وجہ سے اپنے حق کو چھوڑنے پر کوئی اجر وثواب مرتب نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ فعل قابلِ تعریف ہے۔ جب لکھنے کی وجہ سے ان ممنوعات سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے تو پتہ چلا کہ ہر معاملہ کو لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (از کبیر)

مقصود حصولِ کتابت ہے:

''فَاكْتُبُوْهُ'' (تو اسے لکھ لو) کا حکم ہر شخص کو نہیں کہ وہ خود ہی لکھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ دین کا معاملہ لکھا جائے۔ اسی وجہ سے بعد میں یہ ارشاد فرمایا (وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ) ''یعنی کوئی شخص بھی لکھ دے جو لکھنا جانتا ہو اور انصاف سے لکھے''۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا) ''اور چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹو''۔

بظاہر یہ حکم ہر شخص کو ہے لیکن یہاں بھی مقصد چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹنا ہے۔ وہ قاضی کے حکم سے جلاد

Marfat.com

کاٹے گا۔ ہر شخص خود ہی نہیں کاٹے گا۔

”وَلۡيَكۡتُبْ بَّيۡنَكُمْ كَاتِبٌ بِالۡعَدۡلِ“

”اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے“۔

عدل سے لکھنے کا مطلب:

(۱) لکھنے والا قرض اسطرح لکھے کہ نہ اس میں حقیقی دین سے زیادہ لکھے اور نہ ہی کم اور اس طرح صاف لکھے کہ وہ خط پڑھا جاسکے تاکہ بوقت ضرورت وہ لکھی ہوئی دستاویز کام آسکے ایسا خط نہ ہو جو پڑھا ہی نہ جاسکے۔

(۲) لکھنے والا جب فقیہ ہو تو ضروری ہے کہ اس طرح لکھے کہ دونوں فریق مطمئن ہوں، کسی کا حق باطل کرنا لازم نہ آئے، بلکہ احتیاط سے لکھے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

اصل میں فقیہ کو یہ حکم خصوصی طور پر دینے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات فقہ سے واقف شخص ایک لفظ کے ہیر پھیر سے کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور کسی کو فائدہ، لہٰذا صاحب علم کو زیادہ حق پہنچتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لے، کسی کو ناجائز نفع پہنچانا اور کسی کو ناجائز نقصان دینا عالم کی شان کے لائق نہیں۔ (راقم)

(۳) بعض فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ انصاف سے لکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اس طرح لکھے جس میں اہل علم کا اتفاق ہو تاکہ قاضی مجتہدین کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر کسی کا حق باطل نہ کرسکے۔

(۴) مجمل الفاظ نہ لکھے جس کی وجہ سے بعد میں نزاع سے بچا جاسکے، کیونکہ مجمل الفاظ باعث نزاع ہوتے ہیں:

”وهذا الامور التی ذکرناها لایمکن رعایتها الا اذا کان الکاتب فقیها عارفا بمذاهب المجتهدین وان یکون ادیبا ممیزا بین الالفاظ المتشابهة“

عدل کی جو وجوہ ہم نے بیان کی ہیں، ان سے ہی یہ واضح ہوگیا کہ لکھنے والا فقیہ ہو اور مجتہدین کے مذاہب کو جانتا ہو اور ادیب ہو کہ صاف لکھنا جانتا ہو اور مجمل اور متشابہ الفاظ کو پہچانتا ہو تاکہ ان سے اجتناب کرسکے۔

Marfat.com

”وَلَا یَأْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَکْتُبْ“

”اور نہ انکار کرے کوئی لکھنے والا لکھنے سے جس طرح سکھایا اسے اللہ نے تو چاہیے کہ وہ لکھ دے“۔

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص جو لکھ سکتا ہو اس پر لکھنا واجب ہے، لیکن تفصیلی طور پر اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) ”الاول ان هذا علی سبیل الارشاد الی الاولی لا علی سبیل الایجاب“.

اس میں پہلا قول یہ ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں۔ بلکہ بہتری کی طرف راہنمائی کیلئے یہ حکم پایا گیا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو لکھنا سکھایا ہے اور احکام شرعیہ کی معرفت سے اسے مشرف کیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے دین کا معاملہ لکھے جو اس کیلئے اہم ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا جا سکے۔ یہ حکم اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے ۔ ”وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْکَ“ اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ (زیادہ تفصیل ان الفاظ مبارکہ کی اپنی جگہ پر آئے گی)

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا حکم استحبابی طور پر دیا ہے کہ اے لکھنے والے جس طرح اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا علم عطاء کر کے تجھے نعمت سے نوازا ہے۔ اسی طرح ضرورت مند لوگوں کو ان کے دین کے معاملات لکھ دے تاکہ تیری طرف سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ پایا جائے۔

(۲) ”القول الثانی وهو قول الشعبی انه فرض کفایة“

دوسرا قول علامہ شعبی رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ حکم فرض کفایہ کے طور پر ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ اگر لکھنے والا اور کوئی موجود نہ ہو صرف ایک ہی شخص ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ لکھ دے۔ ہاں اگر اور لکھنے والے بھی ہو تو ان میں سے کوئی ایک بھی لکھ دے تو سب کی طرف سے فریضہ ادا ہو جائے گا۔

(۳) ”القول الثالث ان هزا کان واجبا علی الکاتب ثم نسخ بقوله تعالی ولا یضار کاتب ولا شهید“

اور تیسرا قول یہ ہے کہ بیشک یہ لکھنا کاتب (لکھنے والے) پر واجب تھا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

Marfat.com

گرامی "وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ "(اور نہ ضرر پہنچایا جائے لکھنے والے اور گواہ کو) سے منسوخ کر دیا گیا۔

(۴) "والقول الرابع ان متعلق الا یجا ب هو ان یکتب کما علمه الله"

چوتھا قول یہ ہے کہ لکھنے کے وجوب کا تعلق "کما علمه الله" سے ہے، اب مطلب یہ ہوگا۔

"فالواجب ان یکتب علی ما علمه الله"

کہ واجب ہے لکھنے والے پر کہ وہ لکھے ان شرائط پر جو اللہ تعالی نے اسے لکھنے کا علم دیا ہے، یعنی دین کا معاملہ کرنے والوں نے جن شرائط کو طے کیا ہے، ان میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہ کرے، اپنی طرف سے کسی قسم کی کوئی قید نہ بڑھائے جس سے کسی انسان کا مال ضائع ہو جائے اور اس کے مقصد میں خلل واقع ہو، گویا کہ رب تعالی کے ارشاد گرامی کا مطلب یوں ہوگا۔

"ان کنت تکتب فاکتبه عن العدل واعتبار کل الشرائط التی اعتبرها الله تعالی"

اگر تم لکھنا جانتے ہو تو عدل وانصاف سے لکھو، اور ان تمام شرائط کا اعتبار کرو جن کے اعتبار کرنے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے۔ (ماخوذ از کبیر)

راقم کے نزدیک ان اقوال مین کوئی تعارض نہیں۔طلباء کرام بغور مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھیں تو ان تمام اقوال میں تطبیق نظر آئے گی۔گویا کہ مطلب یوں ہوا کہ اے لکھنے والے! جب تو ہی موجود ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ہو تو تجھ پر فرض ہے کہ دین کے معاملہ کرنے والے اگر تجھ سے لکھنے کا مطالبہ کریں تو تو لکھ دے، اگر اور لوگ بھی لکھنے والے موجود ہوں تو تجھ پر فرض تو نہیں، البتہ مستحب ہے کہ تو سب سے آگے بڑھ کر لکھ دے تا کہ اللہ تعالی کی دی ہوئی نعمت کا تو شکریہ ادا کر سکے۔ تجھے ضرر سے بچانے کے لئے وجوب تو تجھ سے اٹھالیا گیا ہے لیکن جب تو لکھے تو اللہ تعالی نے جس طرح عدل وانصاف کا حکم دیا ہے اس طرح تجھ پر عدل وانصاف سے لکھنا واجب ہے۔ (راقم)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

"كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ" جار مجرور کے متعلق میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اسکا تعلق ما قبل یعنی "وَلَا يَأْبَ" سے

Marfat.com

ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا، اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا ہے تو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے (بلکہ لکھ کر اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرے)

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق مابعد یعنی "فَلْیَکْتُبْ" سے ہو، اب اس صورت میں تمام الفاظ مبارکہ کا مطلب یہ ہوگا اور نہ انکار کرے لکھنے والا لکھنے سے، جس طرح اسے اللہ نے سکھایا اسے چاہیے کہ وہ اس طرح لکھ دے۔

(از تفسیر کبیر)

"وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ"

"اور چاہیے کہ لکھائے وہ شخص جس پر حق ہو۔"

لکھنے کیلئے اگرچہ ضروری ہے کہ ایسے صاحب علم سے لکھوائے جو لکھنے کی تمام شرائط وغیرہ کو جانتا ہو اس کی تحریر سے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو اور کسی کی حق تلفی نہ ہو:

"لکن ذلک لا یتم الا باملاء من علیه الحق لیدخل فی جملة املائه اعترافه بما علیه من الحق فی قدره وجنسه وصفته واجله الی غیر ذلک فلاجل ذلک قال تعالیٰ، ولیملل الذی علیه الحق"

لیکن تحریر اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک وہ شخص نہ لکھوائے جس پر حق کا ادا کرنا لازم ہے، اس لئے کہ جب وہ لکھوائے گا تو وہ دین کی قدر (مقدار) اور جنس اور صفت ادائیگی کے وقت کا اقرار کرے گا، تو تحریر پختہ ہو جائے گی، نزاع کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوگی اسی لئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ " اور چاہیے کہ وہ شخص لکھوائے جس پر حق ہے۔ (کبیر)

دینی طلباء کرام کیلئے فائدہ مند:

" الاملال" اور " الاملاء" ایک ہی معنی ہے، لکھوانا۔ بنی حجاز اور بنی اسد کی لغت میں "الاملال" استعمال ہے، جیسا کہا جاتا ہے "امللت علیه الکتاب"، میں نے اس سے خط لکھوایا اور بنی تمیم بنی قیس

Marfat.com

کی لغت میں " الا ملاء " استعمال ہے۔

قرآن پاک میں دونوں لغتوں کو استعمال کیا گیا ہے، یہاں اس آیۃ کریمہ "ولیملل "استعمال ہے جسکا معنی ہے "چاہئے کہ لکھوائے" اور دوسرے مقام میں استعمال ہے۔ "فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا" توان پر صبح وشام لکھا جاتا ہے۔ یہاں "املاء" کا معنی ہے لکھوانا۔ یہ بھی خیال رہے کہ "املاء" کا معنی پڑھنا بھی آتا ہے، زیادہ وضاحت انشاءاللہ " فَهِیَ تُمْلٰی "کی وضاحت سے ہی پتہ چلے گی:

"وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْئًا"

"اور چاہیے کہ ڈرے اللہ سے جو اسکا رب ہے اور نہ گھٹائے اس سے کوئی چیز۔"

یہ حکم ہے اس لکھانے والے کو جس پر حق ہے کہ وہ لکھانے میں اللہ سے ڈرے، صحیح لکھائے، اقرار کرے کہ مجھ پر اتنا حق ہے، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ "بخس" کا معنی ہے گھٹیا چیز اور ناقص، جیسا کہ رب تعالی نے فرمایا" وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ "اور "بخس" کا معنی ہے کسی چیز کو ظلماً کم کرنا، گھٹانا۔ اسی معنی میں رب تعالی کے ارشادات گرامی استعمال ہیں:" وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ "اور " وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَهُمْ"

(مفردات راغب)

اور زیر بحث آیۃ کریمہ میں "وَلَا یَبْخَسْ "اسی معنی میں استعمال ہے کہ جس پر حق ہے وہ اس حق سے کوئی چیز نہ گھٹائے ورنہ جس کا حق ادا کرنا ہے اس پر ظلم ہوگا۔

تنبیہ : یہ آیۃ کریمہ ہر اس عقد کو شامل ہے جس میں دین مؤجل لازم آئے (وقت مقرر پر ادا کرنے والا قرض لازم آرہا ہو) خواہ وہ دین منافع کا بدل ہو یا کسی عین چیز کا، اسلئے ہر قسم کے دین کو لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم ہے خواہ مہر ہو یا خلع ہو یا کرایہ ہو، خون بہا ہو (یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے والے سے یا مال پر صلح ہو وہ خون بہا کہلاتا ہے)۔

(احکام القرآن للجصاص)

دینی طلباء کرام کے فائدہ کیلیے:

"وَلْیَتَّقِ" کی ضمیر میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ضمیر "اَلَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ" کی طرف لوٹے کہ جس پر حق

Marfat.com

ہے وہ اللہ تعالی سے ڈرے اور حق میں سے کسی چیز کی کمی نہ کرے، یہ تفسیر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ہے اور جمہور کے نزدیک یہی قول معتبر ہے اور ایک قول یہ ہے، کہ یہ ضمیر ''کاتب'' کی طرف لوٹے کہ کاتب لکھنے میں اللہ تعالی سے ڈرے اور لکھنے میں کسی چیز کی کمی نہ کرے، لیکن یہ قول زیادہ معتبر اس لئے نہیں کہ کاتب لکھنے میں کبھی زیادتی کرتا ہے اور کبھی کمی اسی وجہ سے اسے عدل سے لکھنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جس پر حق ہے وہ لکھانے میں کمی کرے یہ احتمال پایا گیا ہے لیکن زیادتی کا احتمال نہیں پایا گیا کیونکہ انسان کی پیدائشی عادت یہی ہے کہ وہ اپنا نفع سوچتا ہے نقصان نہیں سوچتا۔ (از روح المعانی)

''فَاِنۡ کَانَ الَّذِیۡ عَلَیۡهِ الۡحَقُّ سَفِیۡهًا اَوۡ ضَعِیۡفًا اَوۡلَا یَسۡتَطِیۡعُ اَنۡ یُّمِلَّ هُوَ فَلۡیُمۡلِلۡ وَلِیُّهٗ بِالۡعَدۡلِ''

''اور اگر وہ شخص جس پر حق ہے بے عقل یا کمزور ہو یا طاقت نہیں رکھتا لکھانے کی وہ، تو چاہئے کہ لکھائے اسکا ولی انصاف سے''۔

مطلب واضح ہے کہ اگر چہ لکھانا کام اس شخص کا ہے جس پر حق ہے لیکن وہ اگر بے عقل یا کمزور ہو یا لکھانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسکا ولی عدل وانصاف سے لکھوائے، اسلئے کہ جس پر حق ہے جب اسکا قول غیر معتبر ہوگا تو اسکے ولی کا قول معتبر ہوگا۔

قرآن کی عظمت شان:

قرآن پاک ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ عظیم معانی پر دلالت کرتا ہے، یہاں تین الفاظ ''سفیها'' اور ''ضعیفا'' اور ''لایستطیع ان یمل'' کے درمیان لفظ ''او'' ذکر ہے جو دلالت کر رہا ہے کہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ مطالب رکھتے ہیں۔ یعنی جس پر حق ہو وہ سفیہ ہو یا ضعیف ہو یا لکھانے کی طاقت نہ رکھے تو اسکا ولی انصاف سے لکھائے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ ایک دوسرے سے مغائر ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی وضاحت کی جائے جس سے ان کے مطالب علیحدہ علیحدہ سمجھ آجائیں۔

''السفیه هو الضعیف الرای، نا قص من البالغین'' سفیہ اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ بالغ لوگوں میں جس

Marfat.com

کی رائے ضعیف ہو اور عقل ناقص ہو۔

''والضعیف ھو الصغیر والمجنون والشیخ الخرف وھم الذین فقدوا العقل بالکلیة''

ضعیف سے مراد یہ کہ یا وہ جس پر حق ہے وہ چھوٹا بچہ ہو یا مجنون (پاگل) ہو اور یا بہت زیادہ بوڑھا ہو، ان کی عقل مکمل طور پر زائل ہوتی ہے۔

''والذی لایستطیع ان یمل ھو من یضعف لسانه عن الا ملاء لخرس او جھله بماله وما علیه''

لکھانے کی طاقت نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی زبان میں گنگا پن کیوجہ سے ضعف ہو کہ وہ لکھانے کی طاقت نہ رکھے یا وہ اپنے حقوق اور غیر کے حقوق سے ہی جاہل ہو، جہالت کی وجہ سے یہ علم اسے حاصل نہ ہو کہ میرے لئے کیا حقوق ہیں اور مجھ پر کیا حقوق ہیں۔

یہ لوگ لکھانے کی طاقت نہیں رکھتے اسلئے ان کے لکھانے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان کے اقرار کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، لہذا ضروری ہے کہ اسکا کوئی متبادل ہو جو صحیح طور پر لکھا سکے اور اسکے انصاف سے لکھانے کا اعتبار کیا جا سکے۔ اور وہ ان کا ولی ہوگا جسے ان پر حق حاصل ہوگا کہ وہ ان کی طرف سے ان کے حقوق لکھائے۔ (کبیر)

عقل میں ضعف پر حدیث پاک:

''عن انس بن مالک ان رجلا علی عھد النبی ﷺ کان یبتاع وفی عقله ضعف فاتی اھله نبی الله و فقالوا یا نبی الله احجر علی فلان فانه یبتاع وفی عقله ضعف فدعاه النبی ﷺ فنھاه عن البیع فقال یارسول الله انی لا اصبر عن ساعة فقال رسول الله ﷺ ان کنت غیر تارک البیع فقال ھا وھا ولا خلابة'' (ابوداؤد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک ایک شخص نبی کریم ﷺ کے زمانے میں خرید وفروخت کرتے تھے اور ان کے عقل میں ضعف تھا، ان کے افراد نبی کریم ﷺ کے پاس آئے کہ ان کو خرید وفروخت سے روکا جائے کیونکہ ان کے عقل میں ضعف ہے، تو نبی کریم ﷺ نے ان کو بلا کر بیع سے منع فرمایا، لیکن وہ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں خرید وفروخت سے رک نہیں

Marfat.com

سکتا (یعنی خرید وفروخت میری عادت بن چکی ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم خرید وفروخت سے نہیں رک سکتے تو یہ کہا کرو ہاں ہاں مجھے دھوکا نہ دینا۔

نبی کریم ﷺ کی معیت میں یہ ایک غزوہ میں شریک تھے انکے سر پر چوٹ آ گئی تھی جس کی وجہ سے ان کے عقل میں ضعف آ گیا تھا اور زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ (قرطبی)

فرشتوں نے لکھی ہوئی دستاویز آدم علیہ السلام کے سامنے رکھ دی:

لکھنے کا فائدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مزید اس کو سمجھنے کیلئے ایک حدیث پاک کو مدنظر رکھا جائے کہ لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انکار کرے خواہ بھول کر ہی ہو تو اسکے سامنے لکھی ہوئی دستاویز پیش کر دی جائے۔

"عن ابی هريره قال قال رسول الله ﷺ لماخلق الله آدم مسح ظهره فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته الى يوم القيامةوجعل بين عينى كل انسان منهم و بيصامن نور ثم عرضهم على آ دم فقال اى رب من هولا ء قال ذريتك فرأى رجلا منهم فاعجبه و بيص مابين عينيه قال اى رب من هذا قا ل داؤد فقال اى رب كم جعلت عمره قال ستين سنة قال رب زده من عمرى اربعين سنة قا ل رسول الله ﷺ فلما انقضى عمر آ دم الاار بعين جاء ه ملك الموت فقال آدم اولم يبق من عمرى اربعون سنة قال اولم تعطها ابنيك داؤد فجحدآدم فجحدت ذريته ونسى آ دم فأكل من الشجرة فنسيت ذريته وخطا آ دم وخطات ذريته"

(رواه الترمذی ، مشكوة باب الايما ن بالقدر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو ان کی پیٹھ پر اپنا دست قدرت پھیرا تو ان کی پیٹھ سے تمام ذی روح اولاد جس نے قیامت تک پیدا ہونا ہے اسے نکال کر ظاہر کیا۔

اور ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک کو رکھا، پھر ان کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا، تو انہوں

Marfat.com

نے کہا اے میرے رب یہ کون ہے؟ رب تعالی نے فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے، آپ نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا اسکی آنکھوں کے درمیان نورانی چمک نے آپ کو تعجب میں ڈالا، آپ نے کہا اے میرے رب یہ کون ہے؟ رب تعالی نے فرمایا (یہ) داؤد ہے، آپ نے کہا اے میرے رب اسکی تو نے کتنی عمر بنائی ہے۔ رب تعالی مے فرمایا ساٹھ سال۔ آپ نے کہا اے میرے رب میری عمر میں سے اس کی عمر چالیس سال زیادہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کی عمر ختم ہونے میں چالیس سال باقی رہ گئے تو موت کا فرشتہ (عزرائیل) آپکے پاس آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کیا میری عمر میں ابھی چالس سال باقی نہیں؟ تو اس نے کہا کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو وہ نہیں دے دیئے تھے، تو آدم علیہ السلام نے انکار کیا تو اسی وجہ سے آپکی اولاد بھی انکار کرتی ہے خطاء ہوئی تو اسی وجہ سے آپکی اولاد سے بھی خطاء واقع ہوتی ہے۔

''(ونسی آدم) اشارة الی ان الجحد کان نسیا نا ایضا اذلا یجوز عنادا''

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ''ونسی آدم'' سے اس طرف اشارہ پایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کا انکار بھول کی وجہ سے تھا عناد کی وجہ سے نہیں تھا۔

''(خطاء) الی فی اجتهاد ہ من جهة التعیین و التخصیص''

آپکی خطاء اس درخت کی تعیین اور تخصیص میں تھی۔

تفصیل پہلے پارہ ''نجوم الفرقان'' کی ''جلد دوم'' میں دیکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو دیئے۔

''فکتب اللہ علیه کتاباً و اشهد علیه ملائکته''

تو اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کے قول کو لکھنے کا حکم دے دیا اور فرشتوں کو گواہ بنالیا۔ جب آپ کی عمر سے چالیس سال باقی رہ گئے تو آپ کے پاس فرشتے آگئے کہ تمہاری موت کا وقت آگیا ہے کیونکہ تم نے اپنی عمر سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو دے دیئے تھے تو آپ نے فرمایا'' ما وهبت لاحد شئیا'' میں نے کسی ایک

Marfat.com

کوکوئی چیز (اپنی عمر میں سے) نہیں دی۔

"قال فاخرج اللہ الکتاب وشہد علیه وملائکته"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ لکھی ہوئی دستاویز ظاہر کرنے کا حکم دے دیا اور فرشتوں نے اس پر گواہی دے دی۔ (قرطبی)

رب تعالیٰ کی کیا خوب رحمت ہے:

"وفی روایة واتم لداؤد مائة سنة والآدم عمره الف سنة"

ایک روایت میں یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے داؤد علیہ السلام کو سو سال عمر عطا فرمادی اور آدم علیہ السلام کی ہزار سال کو بھی پورا فرمادیا۔ (قرطبی)

"وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا"

"اور بنالو دو گواہ اپنے مردوں میں سے، پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں، ان میں سے کہ تم پسند کرو انہیں گواہ، یہ کہ بھول جائے ایک (عورت) ان دونوں میں سے تو یاد دلا دے ان میں سے ایک کو دوسری۔"

"استشہاد" کا معنی ہے "گواہی طلب کرنا"۔ خیال رہے کہ دین کے معاملہ میں گواہ بنانے میں اگرچہ اقوال تو ہیں کہ گواہ بنانا فرض ہے یا مستحب "والصحیح انه ندب" صحیح یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں گواہ بنانے مستحب ہیں تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو، لیکن گواہ بنانے فرض نہیں۔

Marfat.com

﴿ شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ سے ایک مسئلہ یہ واضح ہوا کہ دو مردوں کی گواہی تمام حقوق مالیہ میں معتبر ہے بلکہ حقوق بدنیہ اور حدود میں بھی معتبر ہے سوائے حدِ زنا کے، اس کیلئے صرف چار مردوں کی گواہی معتبر ہے، جس کا ذکر انشاء اللہ سورۃ النساء میں آئے گا۔ جب خطاب ایمان والوں کو ہے تو "مِنْ رِجَالِكُم" سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ گواہ مسلمان ہی بنائے جاسکتے ہیں، کفار کو گواہ نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ مومنوں کے نہیں۔

اور یہ بھی سمجھ میں آیا کہ بچوں کی گواہی معتبر نہیں کیونکہ "رجال" کا اطلاق بالغ مردوں پر ہے بچوں پر نہیں۔ اسی طرح دو گواہوں والا حکم مردوں کو شامل ہے عورتوں کو نہیں، یہ بھی "مِنْ رِجَالِكُم" سے سمجھ آیا اسی کی مکمل تفصیل انشاء اللہ آگے قریب ہی آرہا ہے۔ (تفسیر قرطبی)

☆ "اخرج سعید بن منصور وابن ابی حاتم والحاکم وصححه والبیهقی فی سننه عن ابن ابی ملیکة قال کتبت الی ابن عباس اسئاله عن شهادة الصبیان فکتب الی ان الله یقول ممن ترضون من الشهداء فلیسوا ممن ترضی لا تجوز"

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا، میں نے آپ سے بچوں کی گواہی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ) "جو گواہ تم پسند کرو"۔ جب تم بچوں کی گواہی پر راضی نہیں ہوتے، ان کی گواہی کو پسند نہیں کرتے تو بچوں کی گواہی بھی جائز نہیں۔ (درمنثور)

غلاموں کی گواہی بھی جائز نہیں، بلکہ آزاد لوگوں کی گواہی معتبر ہوگی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

☆ "اخرج سفیان وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم والبیهقی عن مجاهد فی قوله واستشهدوا شهیدین من رجالکم قال من الاحرار"

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی "وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ" (تم گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے) کی تفسیر "من الاحرار" سے کی ہے کہ وہ آزاد ہوں (غلام

Marfat.com

نہ ہوں)۔ (درمنثور)

☆ "واخرج الشافعی والبیھقی عن مجاھد فی قولہ ممن ترضون من الشھداء قال عدلان حران مسلمان"

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ" سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ گواہ دو عادل آدمی ہوں اور مسلمان ہوں کیونکہ ان کی گواہی پر ہی انسان راضی ہوتا ہے فاسق، غلام اور کفار کی گواہی کو پسند نہیں کیا جاتا اس لئے ان کی گواہی جائز نہیں۔ (درمنثور)

☆ "واخرج ابن جریر عن الربیع فی قولہ ممن ترضون من الشھداء، قال عدول"

ربیع سے مروی ہے کہ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ" سے واضح ہے کہ گواہ عادل ہوں کیونکہ فاسقوں کی گواہی معتبر نہیں۔

شہادت یعنی گواہی کے متعلق تفصیلی بیان:

شہادت کا لغوی معنی یقینی خبر اور شرعی معنی سچی خبر حق کو ثابت کرنے کیلئے۔ (درمختار، فتح القدیر)

یعنی حقیقی معنی کے لحاظ پر شہادت سچی گواہی کو کہا جائے گا، جھوٹی گواہی مجازی طور پر شہادت کہلاتی ہے، حقیقی طور پر شہادت نہیں جیسا کہ جھوٹی قسم حقیقت میں "یمین" نہیں کہلاتی مجازی طور جھوٹی قسم یعنی "یمین غموس" کو یمین کہہ لیا جاتا ہے۔

شہادت (گواہی) کی شرطیں :

گواہی کی شرطیں تین قسم پر ہیں: (۱) شرط مکان (۲) شرائط تحمل (۳) شرائط اداء۔

پھر شرائط اداء کی دو قسمیں ہیں: شرائط عامہ اور شرائط خاصہ۔

شرط مکان یہ ایک ہی شرط ہے کہ مکان ایک ہو، یعنی مجلس قضاء ہو کہ قاضی کے سامنے دی ہوئی

Marfat.com

گواہی معتبر ہوگی، دوسرے لوگوں کے سامنے گواہی دی پھر قاضی کے سامنے گواہی نہ دی تو اس گواہی کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرائط تحمل یعنی شرائط تحمل تین ہیں:

(۱) عقل کامل ہو جب اس نے گواہی کو حاصل کیا ہو۔

(۲) اور وہ واقعہ اس کے سامنے ہوا ہو اس نے دیکھا ہو۔

(۳) اور معاینہ پایا جائے کہ آمنے سامنے وہ چیز ہو یعنی جس چیز کی گواہی دے رہا ہو وہ اس نے دیکھی ہو، صرف سننا کافی نہیں۔ ہاں واقعہ ہی صرف سننے سے متعلق ہو تو سن کر گواہی دی جا سکتی ہے، مزید تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

شرائط عامۃ للاداء دس ہیں:

گواہی دینے کیلئے دس شرطیں وہ ہیں جو گواہی کی تمام قسموں کو شامل ہیں، اسی وجہ سے ان کو "شرائط عامہ" کہا جاتا ہے۔ وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) گواہ آزاد ہو، غلام نہ ہو۔ (۲) گواہ کی نظر صحیح ہو، دیکھ سکتا ہو، اندھا نہ ہو۔

(۳) عدالت پائی جائے یعنی گواہ عادل ہو فاسق نہ ہو۔ خیال رہے کہ یہ شرطیں جب پائی جائیں گی تو قاضی کو فیصلہ کرنا لازم ہو جائے گا۔ اس کو یہ اختیار باقی نہیں رہے گا کہ وہ فیصلہ کرے یا نہ کرے۔

(۴) گواہ "محدود فی القذف" نہ ہو یعنی اسے بہتان لگانے کی وجہ سے حد نہ لگ چکی ہو۔

(۵) گواہ کی اس گواہی میں اپنے منافع نہ پائے جائیں۔

(۶) گواہ گواہی کے ذریعے اپنے آپ سے ضرر دور نہ کر رہا ہو۔

(۷) فروع اصول کیلئے یعنی اولاد اپنے آباؤ اجداد کے حق میں گواہی نہیں دے سکتی البتہ ان کے مخالف گواہی دے سکتی ہے، ان کے حق میں گواہی دینے میں جھوٹ کا احتمال پایا جاتا ہے اس لئے وہ گواہی قابل قبول نہیں اور اسی طرح اصول کی گواہی فروع کے حق میں یعنی آباؤ اجداد کی گواہی اولاد کے حق میں قبول نہیں، البتہ ان

Marfat.com

کے خلاف دی جانے والی گواہی قبول ہوگی۔

(۸) زوجین ایک دوسرے کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے نہ زوجہ خاوند کے حق میں گواہی دے سکتی ہے اور نہ ہی خاوند زوجہ کے حق میں گواہی دے سکتا ہے، البتہ ایک دوسرے کے خلاف یہ بھی گواہی دے سکتے ہیں۔

(۹) گواہ خصم نہ ہو، یعنی مدعی اور مدعی علیہ میں سے کوئی ایک بھی گواہ نہیں بن سکتا، یہی وجہ ہے کہ یتیم کیلئے جسے وصی بنایا گیا ہو وہ یتیم کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا۔

(۱۰) جس چیز کی گواہی دے رہا ہو وہ گواہی کے وقت اسے یاد ہو صرف کسی خط کو دیکھ کر گواہی نہیں دی جاسکتی۔

شرائط خاصہ للاداء سات ہیں:

(۱) مشہود علیہ (یعنی جس کے خلاف گواہی دینی ہو وہ) مسلمان ہو کیونکہ مسلمان کافر کے خلاف گواہی نہیں دے سکے گا جب مدعی مسلمان ہو (لیکن اس کا تعلق معاملات سے ہے دینی مسائل میں کہ اس نے یہ شریعت کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا دینے والی بات کی ہے، اس میں مسلمان کی گواہی کافر کے خلاف قبول ہوگی۔

(۲) گواہ مرد ہو سکتے ہیں عورتیں گواہی نہیں دے سکتیں، لیکن یہ حکم خاص ہے حدود و قصاص کے ساتھ کہ حدود و قصاص میں گواہی صرف مرد ہی دے سکتے ہیں، عورتیں حدود و قصاص میں گواہی نہیں دے سکتیں۔

(۳) پہلے دعویٰ کا پایا جانا ضروری ہے، دعویٰ کے بغیر گواہی معتبر نہیں، لیکن یہ حقوق العباد کے ساتھ خاص ہے حقوق اللہ میں دعوی یا مدعی کا ہونا ضروری نہیں۔

(۴) گواہی دعویٰ کے مطابق ہو تو قبول کی جائے گی اور اگر دعویٰ کے مخالف ہو تو قبول نہیں کی جائے گی، ہاں اگر مدعی نے بھی اس سے اتفاق کرلیا ہو جبکہ وہ کام ممکن ہو تو گواہی قبول کی جائے گی۔

(۵) اگر کسی کے شراب پینے کی گواہی دی جائے تو اس کیلئے شرط یہ ہے کہ شرابی کے منہ سے شراب کی بوآ

Marfat.com

رہی ہو، خواہ وہ نشے میں اس وقت نہ ہو پھر بھی گواہی دی جاسکے گی، البتہ مسافت کے دور ہونے کی وجہ سے گواہی میں تاخیر ہوگئی اس صورت میں منہ میں بو نہ ہونے کے باوجود گواہی دی جاسکے گی۔

(٦) حدود و قصاص میں گواہ خود بنفس نفیس گواہی دے سکتا ہے، اپنی جگہ کسی اور کو بطور نمائندہ گواہ نہیں بنا سکتا خواہ اسے کوئی شدید عذر بھی لاحق ہو۔

(٧) اور معاملات وغیرہ میں گواہ اپنی جگہ دوسرا گواہ بنا سکتا ہے، وہ دوسرا گواہ یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ واقعہ دیکھا ہے وہ موقع کا گواہ ہے اس نے مجھے گواہی دینے کے لئے بھیجا ہے، لیکن خیال رہے کہ یہ دوسرا گواہ اس وقت بنایا جاسکتا ہے جب اصل گواہ کو عدالت میں حاضر ہونے سے شدید عذر لاحق ہو اس طرح کا مریض ہو کہ عدالت میں حاضر نہ ہو سکے۔

واضح ہوا کہ شہادت (گواہی) کی کل اکیس شرطیں ہیں۔ شرط مکان ایک، شرائط تحمل تین، شرائط عامہ للاداء دس اور شرائط خاصہ للاداء سات ۔

رکن شہادت:

گواہی کا رکن یہ ہے کہ لفظ "اشھد" (میں گواہی دیتا ہوں) استعمال کرے اور اگر یہ کہے کہ مجھے یہ علم ہے کہ واقعہ ایسے ہے یا یہ کہے میں اس واقعہ کی خبر دیتا ہوں تو یہ گواہی نہیں بن سکتی اور یہ بھی خیال رہے کہ ماضی کا صیغہ "شھدت" (میں نے گواہی دی) بھی گواہی کیلئے کافی نہیں۔

تنبیہ: جب تمام شرائط پائی جائیں تو گواہی دینا لازم ہو جاتا ہے، اس حال میں گواہی کا چھپانا گناہ ہے جیسا کہ زیر بحث آیۃ کریمہ میں ہی ان شاء اللہ آگے آجائے گا۔ حقوق اللہ میں شہادت بغیر طلب کرنے کے جائز ہے۔ اگرچہ حقوق اللہ کثیر ہیں تاہم زیادہ درپیش آنے والے چودہ حقوق کا فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(١) بغیر دعوی اور بغیر مطالبہ کے عورت کی طلاق میں دو گواہوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

(٢) غلامہ کو آزاد کرنے کی گواہی۔ (٣) وقف کے متعلق گواہی۔

Marfat.com

(۴) چاند کی گواہی خواہ رمضان کا چاند ہو یا عید فطر کا چاند ہو یا قربانی والی عید کا چاند ہو یا کسی اور مہینے کا چاند ہو۔

(۵) اور حدود کی گواہی سوائے حد قذف (تہمت لگانے کی حد) اور سوائے چوری کی حد کے کیونکہ ان میں دعوی ضروری ہے۔

(۶) نسب کی گواہی، اگرچہ نسب کی گواہی میں اختلاف ہے کہ بغیر دعوی کے قبول ہے یا نہیں لیکن ابن وہبان رحمہ اللہ نے بغیر دعوی کے نسب کی گواہی میں جزم (یقین) کیا ہے۔

(۷) لونڈی کو مدبرہ بنانا، یعنی تو میری موت کے بعد آزاد ہے۔

(۸) خلع (۹) ''ایلاء'' یعنی عورت سے چار ماہ یا اس سے زائد وطی نہ کرنے کی قسم اٹھانا۔

(۱۰) ''ظہار'' یعنی اپنی زوجہ کے پیٹ، پیٹھ، فرج وغیرہ کو اپنی محرمات عورتوں کے ان اعضاء سے ہی تشبیہ دینا۔

(۱۱) غلام کو آزاد کرنا۔ (۱۲) غلام کو مدبر بنانا۔

(۱۳) رضاعت یعنی دودھ پلانے کے متعلق گواہی دینا کہ اس عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے۔

(۱۴) راویوں کی جرح بیان کرنا کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے، اس کے ثقہ نہ ہونے کی وجہ فلاں ہے۔

خیال رہے کہ غلام کے آزاد کرنے یا مدبر بنانے میں صاحبین کا یہ مسلک ہے کہ بغیر دعوی کے گواہی جائز ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دعویٰ شرط ہے۔

تنبیہ شدید:

کسی عورت کے متعلق طلاق کی گواہی بغیر دعویٰ کے دینا جائز ہے، لیکن قاضی اس وقت ان گواہوں کی گواہی کے مطابق طلاق کا فیصلہ کرے گا جب عورت تسلیم کرے، اگر عورت تسلیم نہ کرے تو طلاق کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے کہ عورت اس مسئلہ میں مدعیہ ہے، یعنی مرد اور عورت جب یہ تسلیم کرلیں کہ ہاں واقعی اتنی طلاقیں دی گئیں تو اس وقت طلاق کا فیصلہ عدالت دے گی، مرد اور عورت کے انکار پر گواہ عادل بھی ہوں تو پھر بھی عدالت ان گواہوں کے حق میں فیصلہ نہیں کرسکتی، یہ مسئلہ بھی اس وقت ہے جب گواہ یہ گواہی دیں کہ اس شخص نے ہمارے سامنے طلاق دی

Marfat.com

ہے۔ اگر گواہ یہ کہیں کہ اس شخص نے ہمارے سامنے اقرار کیا ہے، طلاق دینے کا تو پھر بھی نوعیت بدل جائے گی، پھر اس کے اقرار کے الفاظ کو دیکھنا پڑے گا کہ اس نے اقرار کن الفاظ سے کیا ہے۔ ان الفاظ کو دیکھ کر کوئی حکم لگایا جائے گا، پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ اقرار پر قائم ہے یا نہیں۔ جب تک ان باریکیوں کی طرف نہ دیکھا جائے اس وقت تک بغیر سوچے سمجھے فتوی ٹھونسنا صرف حماقت ہی حماقت ہے، عقل ودانش کا کام نہیں۔ (راقم)

الانتباہ : ”تحمل الشهادة فرض على الكفاية كا دائها والالضاعت الحقوق“

جس طرح گواہی دینا فرض کفایہ ہے اسی طرح واقعہ کو دیکھنا اور گواہ بننا بھی فرض کفایہ ہے ورنہ حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

یہی صورت کتابت کی بھی ہے، دین وغیرہ میں اگر لکھنے والا ایک ہی ہو تو اس پر لکھنا فرض ہو جاتا ہے، جب کئی شخص ہوں تو ان میں سے کوئی ایک بھی لکھ دے تو کوئی بھی گنہگار نہیں ہوگا۔ شہادت اور کتابت میں یہ فرق ہے کہ کتابت کی اجرت لی جاسکتی ہے لیکن شہادت کی اجرت نہیں لی جاسکتی البتہ گواہ کو عدالت میں لے جانے کا کرایہ دیا جائے گا اور بوقت ضرورت طعام کھلایا جائے گا۔

گواہ پیش کرنا کیوں ضروری ہے؟

اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات سے واضح کر دیا ہے۔

☆ ”عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لو يعطى النا س بدعواهم لا دعى نا س دماء رجا ل و اموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه“ رواه مسلم“ وفى شرحه للنووى انه قال وجاء فى رواية البيهقى باسناد حسن او صحيح زيادة ابن عباس مرفوعا لكن البينة على المدعى واليمين على من انكر“ (مشکوۃ باب الاقضیۃ والشهادات)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لوگوں کو دعوی کے مطابق دیا جائے تو البتہ لوگ دوسرے اشخاص کے خونوں اور مالوں کا دعوی کریں گے، لیکن مدعی علیہ پر قسم لازم ہے۔ (مسلم)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کی شرح میں بیہقی سے حدیث بیان کی جو حسن یا صحیح ہے اور وہ

Marfat.com

روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے اور حدیث مرفوع ہے یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " لکن البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر "

یعنی حدیث مذکور کے آخر میں یہ بالا الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ گواہ مدعی پر لازم ہیں اور قسم منکر پر۔

وضاحت حدیث:

حدیث پاک کا مفہوم بہت واضح ہے کہ اگر لوگوں کو صرف ان کے دعاوی (دعووں) کے مطابق حق دے دیا جائے، ان سے گواہ نہ طلب کئے جائیں اور نہ ہی "مدعی علیہ" ان کی تصدیق کرے تو لوگ دعویٰ کر کے دوسروں کی جان اور مال کو مباح کرالیں، اصل قانون یہ ہے کہ مدعی جب دعوی کرے تو مدعی علیہ سے پوچھا جائے کیا یہ اپنے دعوی میں سچا ہے؟ اگر وہ تصدیق کر دے کہ ہاں یہ سچا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر مدعی علیہ تصدیق نہ کرے تو مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ جب مدعی گواہ پیش کر دے تو پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعی علیہ بھی اسے جھوٹا کہے تو مدعی علیہ سے قسم طلب کی جائے گی جب مدعی علیہ قسم اٹھا دے کہ مدعی جھوٹا ہے اس کا دعوی غلط ہے تو فیصلہ مدعی علیہ کے حق میں ہوگا۔

اعتراض : مدعی پر صرف گواہ پیش کرنے ہی لازم نہیں بلکہ ایک گواہ پیش کر دے اور دوسرا گواہ نہ ہونے کی صورت میں وہ اس کی جگہ قسم اٹھا دے تو پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک سے واضح ہے۔

☆ **"وعن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قضی بیمین و شاهد "** (رواه مسلم ،مشکوة کتاب الاقضية و الشهادات)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بیشک رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ سے فیصلہ فرمایا۔

جواب : یہ حدیث جو معترض نے پیش کی ہے خبر واحد ہے، لیکن جو حدیث ہم نے پیش کی ہے وہ خبر مشہور ہے، خبر مشہور کو خبر واحد پر ترجیح دی جائے گی۔ ترمذی شریف میں "خبر مشہور" کے الفاظ یہ ہیں۔

☆ **"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال البینة علی المدعی و الیمین علی المدعی علیه"** (رواه الترمذی ، مشکوة کتاب الاقضية و الشهادات)

عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی ﷺ نے فرمایا مدعی پر گواہ لازم ہیں اور

Marfat.com

مدعی علیہ پر قسم۔ مسلم شریف اور بیہقی شریف کے خبر مشہور کے الفاظ مبارکہ پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں۔

مدعی علیہ کے قسم اٹھانے پر اس کے حق میں فیصلہ ہوگا:

"عن علقمة بن وائل عن ابيه قال جاء رجل من حضر موت و رجل من كندة الى النبى ﷺ فقال الحضرمي يارسول الله ان هذا غلبني على ارض لي فقال الكندى هي ارضي وفي يدى ليس له فيها حق فقال النبى ﷺ للحضرمي الك بينة قال لا قال فلك يمينه قال يارسول الله ان الرجل فاجر لا يبالي على ما حلف عليه وليس يتورع من شئى قال ليس لك منه الا فانطلق ليحلف فقال رسول الله ﷺ لما ادبر لئن حلف على ما له ليأ كله ظلما ليلقين الله وهو معرض عنه"

(رواه مسلم، مشكوة كتاب الاقضيه والشهادت)

حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرموت سے اور ایک شخص کندہ سے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، حضرموت سے آنے والے نے کہا یارسول اللہ یہ شخص میری زمین پر مجھ پر غالب آ گیا ہے، تو کندی نے کہا یہ زمین میری ہے اور میرا اس پر قبضہ ہے، اس شخص کا اس زمین پر کوئی حق نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے حضرمی کو کہا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے عرض کیا میرے پاس گواہ تو نہیں، پھر آپ نے (دوسرے سے) کہا تم قسم اٹھاؤ۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ بیشک یہ شخص تو فاجر ہے یہ قسم اٹھانے میں کوئی پرواہ نہیں کرے گا یعنی اسکی قسم کوئی معتبر نہیں، کیونکہ اس میں پرہیزگاری کی کوئی چیز موجود نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے اس کی طرف سے اس کے سواء اور کچھ نہیں۔ وہ شخص قسم اٹھانے کیلئے چلا اس کے پیٹھ پھیرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس نے مال کھانے کیلئے ظلماً قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ اسے پھینک دے گا۔ تو اس شخص نے قسم اٹھانے سے اعراض کرلیا۔

وضاحت حدیث:

حضرمی سے مراد حضرموت میں رہنے والا، حضرموت یمن کے علاقہ میں ایک شہر کا نام ہے۔ اور کندی سے مراد کندہ سے تعلق رکھنے والا، کندہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن کے علاقہ میں پایا جاتا ہے۔ "ان هذا غلبني على

Marfat.com

ارضی" حضرمی کا یہ کہنا کہ یہ میری زمین پر غالب آچکا ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس نے ظالمانہ طریقے سے میری زمین پر تجاوز کرلیا ہے اور اس پر قابض ہو چکا ہے۔ کندی نے کہا یہ زمین تو میری اپنی ملکیت ہے میرے تصرف میں ہے اسکا اس پر کوئی حق نہیں، تو نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کی باتوں کو سن کر پہلے مدعی سے گواہ طلب کئے چونکہ یہی قانون شریعت ہے جب اس نے کہا میرے پاس گواہ نہیں۔ تو پھر آپ نے دوسرے شخص یعنی مدعی علیہ سے قسم طلب کی کیونکہ مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز آجائے اور مدعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کو قبول نہ کرے تو قانونِ شریعت یہی ہے کہ مدعیٰ علیہ قسم اٹھائے۔ جب حضرمی نے کندی کے متعلق کہا کہ شخص تو فاسق وفاجر ہے۔ یہ قسم اٹھانے میں کوئی پرواہ نہیں کرے گا، یعنی اسکی قسم کا تو کوئی اعتبار ہی نہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا" **لیس منه الا ذلک**" اس شخص کی طرف سے تمہارے لئے اور کچھ نہیں، یعنی قانون شریعت سے ہٹ کر تمہارے لئے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ نبی کریم ﷺ نے کندی کو سمجھایا کہ اگر صرف مال ہتھیانے پر جھوٹی قسم اٹھائی تو "لیلقین اللہ" اللہ تعالیٰ تمہیں پھینک دے گا۔

"قال الطیبی هو مجاز عن الا ستهانة به والسخط علیه والابعاد عن رحمته نحو قوله تعالٰی لا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة"

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے گا اور اس پر ناراض ہوگا اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے (دنیاوی منافع کی وجہ سے وعدہ توڑنے والوں کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ان سے محبت بھرا) کلام نہیں فرمائے گا اور ان کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

خیال رہے حضرمی کے قول "**وغلبنی علی ارضی لی**" کا یہ مطلب ہے "**ای شعبا منی قهرا**" کہ یہ شخص میری زمین کے کچھ حصہ پر قہراً قابض ہو چکا ہے۔

فائدہ: مقدمہ کا فیصلہ ظاہر طور پر گواہوں کی گواہی سن کر ہوگا۔ یا مدعیٰ علیہ کے قسم اٹھانے پر ہوگا۔ حقیقت حال اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگی۔ اسی وجہ سے مدعی علیہ فاسق وفاجر ہوا تو پھر بھی اس کی قسم پر ایسے ہی فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ عادل شخص کی قسم پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ دو آدمیوں کا جب جھگڑا ہو تو ایک

Marfat.com

شخص دوسرے کے متعلق یہ کہے "انه ظالم او فاجر اونحوه فی حال المخاصمة یحمل ذلک منه" کہ بیشک یہ ظالم ہے یا فاجر ہے یا اس قسم کے اور الفاظ پیش کرنے کا احتمال پایا جاتا ہے کہ جھگڑے میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال عام طور پر پایا جاتا ہے۔

جھوٹی قسم سے مال ہتھیانہ جہنم حاصل کرنا ہے:

"عن ابی امامة قال قال رسول الله ﷺ من اقتطع حق امرئ مسلم بیمینه فقد اوجب الله له النار وحرم الله علیه الجنه فقال له وان کان شیئا یسیرا یا رسول الله قال وان کان قضیبا من اراک" (مسلم، مشکوۃ کتاب الاقضیة والشهادات)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مسلمان بھائی کا حق قسم کے ذریعے کاٹ لیا تو اللہ تعالی اس کیلئے (جہنم کی) آگ واجب کردے گا اور جنت اس پر حرام کردے گا، ایک شخص نے عرض کیا خواہ وہ تھوڑی چیز ہی ہو یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ پیلو کے درخت کی ایک چھوٹی سی شاخ ہو (مسواک ہی ہو)۔

حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کا مال ناحق طور پر ہتھیا لینا جہنم کی آگ کا اپنے آپ کو مستحق بنانا ہے اور اپنے لئے جنت کے دروازے بند کرنا لازم آئے گا۔ ناجائز طور پر معمولی سے معمولی مال جھوٹی قسم کے ذریعے ہتھیا لینا بھی باعث عذاب ہوگا خواہ وہ مسواک ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ شریعت جس چیز کو مال نہیں کہتی جیسے مردہ جانور کا چمڑا وغیرہ اس کو بھی جھوٹی قسم کے ذریعے ناحق طور پر کسی سے حاصل کر لینا باعث عذاب ہوگا۔

"وعن ام سلمة ان رسول الله ﷺ قال انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له علی تحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشی من حق اخیه فلا یا خذنه فانما اقطع له قطعة من النار"
(بخاری و مسلم، مشکوۃ کتاب الاقضیة والشهادات)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیشک میں بشر ہوں اور بیشک تم

Marfat.com

اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، ہوسکتا ہے تم میں سے بعض اپنے دوسرے بعض زبان کو پھیر کر اپنی دلیل اسطرح پیش کریں تو میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں اسی طرح جس طرح اس کی بات کو میں سنوں، تو میں نے جس شخص کیلئے کسی چیز کا فیصلہ اس کے بھائی کے حق سے کر دیا تو وہ اسے ہرگز نہ لے بیشک میں نے اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے دیا۔

وضاحت حدیث : "قال الراغب اللحن صرف الكلا م عن سننه الجاری علیه"

"لحن" کا مطلب یہ ہے کہ زبان کو عام جاری طریقہ سے پھیر کر کلام کرنا، یعنی چرب زبانی سے کلام کر کے بظاہر اپنے آپ کو سچا کر کے دکھائے اور واقعہ میں سچا نہ ہو، اس حدیث پاک میں بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی شخص کے باطن پر مطلع نہ ہوں اور اس کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کر دیں یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ آپ سے اجتہادی خطاء ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر بھی مطلع فرما دیتا ہے، تو اسکا جواب یہ دیا گیا

"واما الذی فی الحديث فليس من الا جتها د فی شئی لانه حكم بالبينة او اليمين فلو وقع منـه مـا يخـالف الباطن لا يسمی الحكم خطاء بل الحكم صحيح بناء علی ما استقـر بـه التـكـليف وهـو وجـوب العمل بشاهدين مثلا فان كا نا شاهدی زور او نـحو ذالک فالتقصير منهما و اما الحا كم فلا حيلة له فی ذلک و لا عتب عليه بسببه بخلا ف ما اذا اخطأ فی الا جتهاد" (مرقاۃ ج۷ ص ۲۵۲)

حدیث پاک میں جو ذکر ہے اس میں اجتہاد کی کوئی بات نہیں، بلکہ یہ حاکم کا فیصلہ ہے گواہوں کی گواہی سن کر یا مدعیٰ علیہ کی قسم کو سن کر، اگر باطن ظاہر کے خلاف ہو تو اس حکم کو خطاء نہیں کہتے بلکہ وہ قانون شریعت کے مطابق حکم صحیح ہے اسلئے کہ مدعی کے دعویٰ کے مطابق دو گواہ جب گواہی دے دیں تو حاکم کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے خواہ گواہ جھوٹے ہی ہوں کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے کوتاہی گواہوں کیطرف سے آرہی ہے نہ کہ حاکم کی طرف سے حاکم کو فیصلہ نہ کرنے یا گواہوں کے جھوٹ کو باطل کرنے کا کوئی حیلہ نہیں، للہذا حاکم پر گواہوں کی گواہی

Marfat.com

کے مطابق فیصلہ کرنے کی وجہ سے کوئی عتاب نہیں بخلاف اجتہادی خطاء کے، جب حاکم اپنے فیصلہ میں اجتہادی خطاء پر مطلع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس فیصلہ کو ختم کر کے صحیح فیصلہ کر دے۔

گواہی طلب کرنے سے پہلے گواہی دینا بہتر ہے:

"عن زید بن خالد قال قال رسول اللہ ﷺ الاخبر کم بخیر الشهداء الذی یاتینی بشهادته قبل ان یسألها" (رواہ مسلم، مشکوۃ کتاب الاقضیہ والشهادات)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں بہتر گواہوں کی کہ یہ وہ ہیں جو اپنی گواہی لاتے ہیں ان سے سوال کرنے سے پہلے۔

اعتراض: نبی کریم ﷺ نے تو اپنے ایک ارشاد گرامی "یشھدون ولا یستشھدون" میں گواہی بغیر طلب کے دینے کی مذمت بیان فرمائی ہے تو دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے پائی گئی؟

جواب: ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی تین وجوہ پائی گئی ہیں۔

(۱) خود ہی گواہی دینا اس وقت معتبر ہے جبکہ ایک شخص کو واقعہ کا علم ہے لیکن مدعی کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا کون گواہ ہے" فیاتی الیه فیخبره بانه شاهد له لا نها امانة له عنده" تو یہ خود ہی اسکے پاس آئے اور بتائے کہ میں اس تمہارے دعویٰ کا گواہ ہوں اس کا یہ خود ہی بتانا اس لئے بہتر ہے کہ گواہی اس کے پاس امانت ہے حق یہی ہے کہ امانت خود ہی ادا کر دی جائے۔

(۲) جس گواہی کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو بلکہ نظام کو درست کرنے کیلئے گواہی دی جائے تاکہ ان چیزوں کا تدارک (پایا جا سکے) ہو سکے تو احتساب کی غرض سے خود ہی گواہی دینا بہتر ہے جیسے طلاق، عتق، وقف، وصیت عامہ اور حدود وغیرہ کی خود ہی گواہی دینا بہتر ہے:

" ضمن علم شیئا من هذا النوع وجب علیه رفعه الی القاضی واعلامه به قال تعالی واقیموا الشهادة لله"

Marfat.com

اس قسم کی چیزوں کا جن کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو، احتساب کیلئے خود ہی گواہی قاضی کو دینا اور اس غرض سے کہ قاضی کو علم حاصل ہو جائے تو یہ بہتر ہے، اس لئے کے رب تعالیٰ نے فرمایا (وَاَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ) ''اور قائم کرو گواہی اللہ کیلئے'' یعنی گواہی دیتے ہوئے صرف یہ تصور ذہن میں لائے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے یہ گواہی دینی ہے۔ مقصد یہ نہ ہو کہ اس میری گواہی سے فلاں کا فائدہ ہے اور فلاں کا نقصان ہے۔

(۳) تیسری وجہ تطبیق کی یہ ہے کہ جس حدیث پاک میں گواہی طلب کرنے سے پہلے خود ہی گواہی دینے کی تعریف کی گئی ہے اس میں مقصد مبالغہ ہے اور یہ بامحاورہ کلام ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے:

'' الجواد یعطی قبل السؤال ای یعطی سریعا عقیب السؤال من غیر توقف''

وہ سخی سوال سے پہلے ہی دے دیتا ہے یعنی سوال کے بعد جلدی ہی دیتا ہے اس میں کوئی توقف نہیں کرتا (یعنی ٹال مٹول سے کام نہیں لیتا) (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۵۵)

اس سے واضح ہوا کہ جب مدعی کو گواہ کے متعلق خود ہی علم ہو تو اسکی طلب کے بغیر گواہی دینا بہتر نہیں اور اگر اسے علم نہ ہو تو خود ہی گواہی دینا بہتر ہے۔ جن واقعات کا تعلق حقوق العباد سے نہیں ان کی گواہی خود ہی دینا جب کہ مقصد صرف رب تعالیٰ کی رضا ہو تو بہتر ہے۔

جن واقعات کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہاں مدعی کو جب گواہ کا علم ہو تو بغیر گواہی طلب کرنے کے خود ہی گواہی دینا بہتر نہیں البتہ طلب کے بعد گواہی دینا بہتر ہے۔ اور گواہی طلب کرنے کے بعد جلدی گواہی دینا بہتر ہے بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرنا درست نہیں۔

وہ کون سی گواہی ہے جسے چھپانا بہتر ہے:

حدود کی گواہی کو چھپانا بہتر ہے تاکہ مسلمان بھائی کی پردہ پوشی رہے، ہاں اگر جرائم بڑھ رہے ہوں ان کی روک تھام کیلئے گواہی دی جائے تو بہتر ہے خواہ اسکا تعلق حدود سے ہی کیوں نہ ہو۔

فائدہ: چوری کی گواہی کو مطلقاً نہ چھپایا جائے بلکہ اس طرح گواہی دی جائے کہ مالک کو مال مل جائے

Marfat.com

اور چور کا ہاتھ کٹنے سے بچ جائے، یعنی گواہی یوں دے ''اشھد انہ اخذ مال فلان'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اس شخص نے فلاں کا مال لیا ہے، اس گواہی سے مالک کو مال مل جائے گا اور چور کا ہاتھ کٹنے سے بچ جائے گا لیکن اس نے اگر گواہی یوں دی'' اشھد انہ سرق مال فلان'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فلاں کا مال چوری کرلیا ہے۔ تو اس صورت میں مالک کو مال مل جائے گا چور کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا لیکن یہ گواہی بہتر نہیں، بہتر وہی ہے جس میں چور کا ہاتھ کٹنے سے بچ جائے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ جب چوریاں عام کرائی جارہی ہوں تو چور کی چوری کی گواہی دینا اور اس کا ہاتھ کاٹنا ہی بہتر ہوگا تاکہ ملک کا نظام بہتر رہے اور جرائم کی روک تھام پائی جائے۔

فاسق کی گواہی پر قاضی کا فیصلہ کرنا:

اگر گواہ فاسق ہوں، ان کی گواہی سن کر قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کردے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا البتہ قاضی گنہگار ہوگا۔ اگر قاضی کو حاکم نے فاسق کی گواہی سن کر فیصلہ کرنے سے منع کردیا تھا تو اس صورت میں اسکا فیصلہ بھی نافذ نہیں ہوگا۔

گواہی کس طرح دی جائے؟

گواہ مدعی کی طرف اشارہ کر کے یہ بتائے کہ ہاں یہ مدعی ہے، اور مدعی علیہ کی طرف بھی اشارہ کر کے بتائے کہ یہ مدعی علیہ ہے، جس چیز کا دعوی ہے اگر وہ عین چیز ہے قرض نہیں تو اس عین چیز کی طرف بھی اشارہ کر کے بتائے کہ ہاں اس چیز میں جھگڑا ہے۔ جس کے متعلق گواہی دینی ہے وہ موجود نہ ہو یا فوت ہو چکا ہے تو اس کے متعلق گواہی دیتے وقت اسکا نام لے اور اسکے باپ کا نام ذکر کرے اور اسکے دادا کا نام بھی لے، صرف اس شخص کا نام لینا اور اسکے باپ کا نام لینا کافی نہیں بلکہ اسکے دادا کا نام بھی لیا جائے تاکہ اسکا صحیح تعین ہوسکے۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص کسی پیشہ میں مشہور ہو، اس پیشہ والا اس شہر میں اور کوئی نہ ہو تو صرف اس کا نام لینا اور اسکے باپ کا نام لینا اور اس کے پیشے کا نام لینا کافی ہے۔

گواہوں کے عادل ہونے کا کیسے پتہ چلایا جائے؟

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ارشاد یہ فرمایا کہ گواہوں کے ظاہری حال کو دیکھ کر اگر سمجھا کہ یہ گواہ عادل

Marfat.com

ہیں تو ان کو عادل سمجھ لینا کافی ہے۔البتہ حدود وقصاص کے گواہوں کے حال کی تفتیش کی جائے اگر پتہ چل جائے کہ یہ عادل ہیں تو ان کی گواہی کا اعتبار کرلیا جائے اور اگر پتہ چلے کہ یہ عادل نہیں تو رد کردیا جائے۔

"وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم سرا وعلنا وبه یفتی وھو اختلاف زمان"

لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ نے زمانہ کے حالات اور گواہوں کے حالات کو بدلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ ہر قسم کے مقدمات میں گواہوں کے متعلق تفتیش کی جائے، ظاہر طور پر عدالت میں بھی پوچھا جائے کہ یہ گواہ عادل ہیں یا فاسق اور باطنا یعنی ان کے محلہ کی مسجد میں نمازیوں سے خفیہ طور پر پوچھا جائے کہ یہ گواہ کیسے ہیں۔ جب گواہ کی عدالت (عادل ہونے) کے متعلق وہ بتادیں تو ان کی گواہی کو معتبر مان لیا جائے، امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ کے قول پر ہی فتوی ہے۔

گواہ صرف اپنے خط کو دیکھ کر گواہی نہ دے:

گواہ کو جب واقعہ یاد نہیں آرہا، لیکن اسے اپنا خط مل گیا جس پر وہ واقعہ لکھا ہوا ہے تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ صرف خط کو دیکھ کر گواہی دے دے بلکہ واقعہ کا یاد ہونا ضروری ہے۔اسی طرح قاضی اپنے خط کو دیکھ کر کسی پر فیصلہ نہیں ٹھونس سکتا جب تک اسے مدعی کا دعوی اور گواہوں کی گواہی اور اپنا فیصلہ یاد نہ آئے، فیصلہ یاد آجائے تو ٹھیک ورنہ صرف خط کو دیکھ کر کسی کو اپنے فیصلے کا پابند نہیں کرسکتا، اسی طرح راوی صرف اپنے خط پر اعتماد کرکے روایت نہیں بیان کرسکتا ہاں اسے خط دیکھ کر روایت بھی یاد آجائے تو اسے بیان کرسکتا ہے۔

دس چیزوں کی شہادت سوائے دیکھنے کے دے سکتا ہے:

یعنی دس چیزوں کی خبر مشہور ہونے پر گواہی دے سکتا ہے ان میں دیکھنا ضروری نہیں، البتہ گواہی بھی اسی طرح دے کہ لوگوں میں یہی مشہور ہے۔

(۱) نسب کی گواہی دینا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

Marfat.com

(۲) عتق کی گواہی دینا کہ اسے مالک نے آزاد کر دیا ہے۔

(۳) ولاء کی گواہی کہ فلاں نے اسے آزاد کیا ہے جو اسکی جائیداد کا وارث ہے۔

(۴) ولادت کی گواہی کہ فلاں کی عورت کا بچہ یا بچی پیدا ہوئی۔

(۵) مہر کی گواہی کہ فلاں عورت کا اتنا مہر مقرر ہوا ہے۔

(۶) موت کی گواہی کہ فلاں شخص فوت ہو گیا۔

(۷) نکاح کی گواہی کہ فلاں شخص کا نکاح فلاں عورت سے ہوا ہے۔

(۸) زوجہ سے دخول کی گواہی۔

(۹) قاضی کی ولایت کی گواہی۔ (۱۰) وقف کی گواہی۔

تنبیہ: عزیز طلباء کرام! ضرورت کے مطابق شہادت کے مسائل ذکر کر دیئے گئے ہیں، جو کہ درمختار، شامی ھدایہ، فتح القدیر، العنایۃ، الکفایۃ، البحر الرائق سے ماخوذ ہیں۔ زیادہ تفصیل فقہی کتب میں دیکھیں۔ عورت کی گواہی کا ذکر قریب ہی انشاء اللہ آ رہا ہے۔ (راقم)

فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰی"

"پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں، ان میں سے کہ تم پسند کرو انہیں گواہ، یہ کہ بھول جائے ایک (عورت) ان دونوں میں سے تو یاد دلا دے ان میں سے ایک کو دوسری یعنی گواہ جب دو مرد نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائے جائیں، دو مردوں کا نہ پایا جانا عام ہے۔"

" (فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا) ای الشهیدان (رَجُلَیْنِ) الی لم یقصد اشهادهما ولو کا نا مو جو دین "

(روح المعانی)

دو مرد گواہی کے طور پر موجود نہ ہوں بلکہ واقعہ کا گواہ ایک مرد ہو اور دو عورتیں ہوں تب بھی ان کی گواہی معتبر

Marfat.com

ہے اسی طرح واقعہ کے گواہ تو کئی مرد ہیں۔ لیکن مدعی ان میں سے دو مردوں کو گواہ نہیں بنانا چاہتا بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا چاہتا ہے تو پھر بھی یہ گواہی معتبر ہے۔ ہاں البتہ دو مرد واقعہ کے گواہ ہیں، عادل بھی ہیں، انکو گواہ بنانے میں مدعی کو کوئی عذر لاحق نہیں تو ایسی صورت میں ایک مرد دو عورتوں کو گواہ نہ بنائے تا کہ ''فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ'' کا مقصد پورا ہو جائے۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

''فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ'' میں رفع کی چار وجہ ہیں، چاروں معتبر ہیں جس پر چاہیں عمل کرلیں۔

(۱) ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اصل عبارت ہو ''فَلْیَکُنْ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ'' یعنی کان محذوف کا اسم ہوں۔

(۲) ان میں سے دوسری وجہ یہ ہے کہ اصل عبارت ہو ''فَلْیَشْھَدْ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ'' یعنی فعل محذوف ''فَلْیَشْھَدْ'' کا فاعل ہوں۔

(۳) ان میں سے تیسری وجہ یہ ہے کہ اصل عبارت ہو ''فالشاھد فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ'' یعنی مبتداء محذوف کی خبر ہو۔

(۴) اور ان میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ اصل عبارت ہو ''فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ یَشْھَدُوْنَ'' یعنی یہ مبتداء ہو اور ان کی خبر ''یَشْھَدُوْنَ'' محذوف ہو۔ (کبیر)

خیال رہے کہ پہلی صورت میں ''فَلْیَکُنْ'' تامہ ہے اسی وجہ سے اس کی خبر ذکر نہیں کی۔ (کبیر)

تنبیہ: ہمارے احناف کے نزدیک سوائے حدود و قصاص کے ہر جگہ ایک مرد، دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مال کے لین دین کے معاملہ میں عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ اور کسی مقام میں ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حدود و قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور ولاء ثابت کرنے کیلئے (یعنی فلاں شخص نے فلاں غلام یا فلاں لونڈی کو آزاد کیا ہے اسے ولاء حاصل ہے) بھی عورتوں کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں اور احصان ثابت کرنے کیلئے بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

احصان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ یہ بالغ ہے، آزاد ہے، عاقل ہے اور اس نے اپنی زوجہ سے

Marfat.com

مجامعت کر لی ہے یا خلوت صحیحہ پائی گئی ہے۔ جب اس کا محصن ہونا ثابت ہو جائے گا تو اس کے زانی ہونے کے ثبوت پر اسے سنگسار کیا جائے گا اور باقی وکالت اور وصیت وغیرہ میں عورتوں کی گواہی امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی معتبر ہے۔

دینی طلباء کے فائدہ کیلئے:

" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" میں "ممن" اصل میں "مِن مَن" ہے، یہ ظرف مستقر ہے جار مجرور کا تعلق "کائنون" محذوف سے ہے اور پھر صفت ہے "فرجل و امراتان" کی تقدیر عبارت کی یہ ہوگی "فرجل و امرآتان ممن ترضونهم" یعنی اگر دو مرد گواہ نہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو جائیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ "والتصریح بذلک هنا مع تحقق اعتباره فی کل شهید لقلة اتصاف النساء به" اگر چہ صراحۃ (ظاہر طور پر) اس صفت کا تعلق ایک مرد دو عورتوں سے ہے لیکن یہ صفت معنوی لحاظ پر ہر گواہ میں معتبر ہے کیونکہ اسی گواہ کو گواہ سمجھا جائے گا جس کو عدالت وغیرہ کی وجہ سے پسند کیا گیا۔

بعض حضرات نے "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" کو "شَهِيْدَيْنِ" کی صفت بنایا ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں موصوف وصفت کے درمیان اجنبی کا فاصلہ لازم آئے گا جو درست نہیں اور بعض حضرات نے "مـن رجالکم" سے اسے بدل مانا ہے اور یہ کہا کہ یہ تکرار عامل کے حکم میں ہے، لیکن یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی فاصلہ پایا گیا ہے جو درست نہیں۔

"واختار ابو حیان تعلقه باستشهدوا لیکون قیدا فی الجمیع"

ابوحیان رحمہ اللہ نے اس کا تعلق "استشهدوا" سے کیا ہے، اس طرح یہ صفت تمام گواہوں کو شامل ہوگی، یعنی وہی گواہ بناؤ جن کو تم پسند کرتے ہو۔ اگر چہ اس قول پر بھی علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے یوں گرفت فرمائی ہے "ویلزمه الفصل بین اشتراط المرآتین و تعلیله" کہ اس میں "وامراتان" کے ذکر اور ان کے ساتھ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" کی شرط میں فاصلہ آئے گا۔ لیکن راقم کو ابوحیان رحمہ اللہ کا قول زیادہ پسند آیا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" میں خطاب مؤمنین کو ہے یعنی اے مومنو گواہ بناؤ جن کو تم پسند کرتے ہو یا یہ خطاب حکام کو

Marfat.com

ہے، یعنی اے حاکمو! ان گواہوں کی گواہی کا اعتبار کرو جن کو تم پسند کرو۔ (روح المعانی)

پسند کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں بلکہ ان میں دس قسم کی صفات کا پایا جانا سمجھ آرہا ہو۔

قرآن کی شان بیان:

کیا خوب قرآن پاک کا انداز بیان ہے۔ نہایت مختصر سے الفاظ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" ذکر کیے گئے ہیں لیکن ان سے یہ پتہ چلا کہ گواہ ان لوگوں کو بنایا جائے جن میں یہ دس صفات پائی جائیں کیونکہ ان صفات کے پائے جانے سے مؤمنین اور ان کے حکام ان کو بطور گواہ قبول کریں گے۔

(۱) گواہ آزاد ہو، غلام نہ ہو، کیونکہ غلام کو گواہ بنانا مومنین کو پسند نہیں اس لئے کہ ہوسکتا ہے گواہی کے وقت وہ مالک کہ حکم کے مطابق کسی اور کام کیلئے چلا جائے گواہی نہ دے سکے یا مالک اسے گواہی دینے سے ہی روک دے۔

(۲) بالغ ہو، بچوں کی گواہی کو پسند نہیں کیا جاتا کیونکہ ان میں عقل کامل نہیں ہوتی۔ ان کی توجہ کامل نہیں ہوتی، وہ واقعہ کو صحیح اور کامل طور پر سمجھ نہیں سکتے۔ لہذا ان کی گواہی معتبر نہیں۔

(۳) مسلمان ہو، اس لئے کہ مومن کافروں کی گواہی کو پسند نہیں کرتے اس لئے کہ خود رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ اور ہرگز نہیں بنائے گا اللہ کافروں کیلئے مومنوں پر کوئی راستہ۔

(۴) عادل ہو، کیونکہ فاسق وفاجر کی گواہی کو اس لئے مؤمنین اور ان کے حکام پسند نہیں کرتے کہ وہ جب شریعت کا لحاظ ہی نہیں کرتے تو جھوٹی گواہی دینے کو وہ عیب نہیں سمجھیں گے بلکہ اپنا کمال سمجھیں گے فاسق کی گواہی تو دور کی بات ہے فاسق کی خبر بھی معتبر نہیں، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾

"اے ایمان والو اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی چھان بین کرلو"۔

(۵) واقعہ اسکے سامنے پایا گیا ہو، یعنی جس دعویٰ کی وہ گواہی دے رہا ہو وہ اس کا چشم دید ہو، صرف سنی سنائی باتوں کا اعتبار کرکے گواہی نہ دے۔

Marfat.com

(۶) اس گواہی میں گواہ کا اپنا نفع نہ ہو، جب اس کا اپنا نفع ہوگا تو اس میں بھی جھوٹ کا احتمال قوی طور پر پایا جائے گا۔

(۷) اس گواہی سے گواہ اپنے آپ سے کسی ضرر کو دور نہ کررہا ہو، اسلئے کہ جب گواہی کی وجہ سے وہ اپنے نقصان کو دور کر رہا ہوگا تو اس میں احتمال پایا جائے گا کہ یہ جھوٹ سے کام لے رہا ہو۔

(۸) وہ گواہ کثیر غلطیوں میں مشہور نہ ہو، یعنی بات کرتے ہوئے توجہ نہ کرنے یا بھولنے وغیرہ کی وجہ سے اکثر طور پر وہ بات غلط کرتا ہو تو اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔

(۹) مروّت کے خلاف کام نہ کرے، مروّت کو چھوڑنے والے کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ فقہاء کرام عام طور پر مثال یہ دیتے ہیں کہ راستہ میں پیشاب کرنا یا راستے میں کھانا مروّت کے خلاف ہے، لیکن راقم کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے یہ حکم مطلق نہیں، اسلئے کہ راستے میں پیشاب کرنے کی عادت بنانا مرووت کے خلاف ہے، اگر کوئی شخص پیشاب کرنے کی حاجت میں شدید مبتلاء ہے، شہری ماحول ہے کوئی باپردہ جگہ نہیں مل رہی، کسی دیوار کے ساتھ وہ پیشاب کرلے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی گواہی معتبر نہیں، اسلئے کہ وہ معذور ہے، اس عادت کا مرتکب نہیں۔ اسی طرح ایک شخص راستہ میں کھانے کی عادت بنالے عام طور پر وہ چلتے پھرتے کھاتا رہے تو یہ مروت کے خلاف ہے اگر کوئی مسافر راستہ میں ریڑی پر کھانا مناسب قیمت کا لے کر کھالے یا کوئی چیز مسافر نے خرید لی اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ چیز آہستہ آہستہ کھانے والی ہے، سفر بھی طے ہوتا رہے اور آہستہ آہستہ یہ چیز بھی کھالوں تو راقم کے نزدیک یہ مروت اور وقار کے مخالف نہیں۔ تاہم جہاں تک ممکن ہو وہاں تک راستہ میں پیشاب کرنے اور راستہ میں کھانے سے اجتناب کرے تاکہ اس کی مروّت برقرار رہے۔

(۱۰) جو شخص گواہی دینے والا ہو اس کے درمیان اور جس کے خلاف گواہی دے رہا ہو اس کے درمیان عداوت نہ پائی گئی ہو۔ عداوت کے پائے جانے کی صورت میں بھی جھوٹ کا احتمال ہے۔ (ماخوذ از کبیر بالتفصیل)

فائدہ جلیلہ:

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ " جن کو تم پسند کرو، یعنی تم ان کے ظاہر حال کو دیکھ کر سمجھ لو کہ یہ

Marfat.com

عادل ہیں، فاسق نہیں، یعنی گواہی دینے کے قابل ہیں۔ رب تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا" مِمَّنْ تَرْضَوْنَ" ان کو گواہ بناؤ جو حقیقت میں ہی پسندیدہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے "ولا طریق لنا الی معرفته فان لنا الظاهر والله تعالی یتولی السرائر" کہ ہم کسی کی حقیقت اور باطن کو نہیں پہچان سکتے کہ یہ حقیقت میں اور واقعی عادل ہے، نیک ہے، فاسق نہیں کیونکہ ہم تو ظاہر کو جانتے ہیں، باطنی امور کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (از روح المعانی)

سبحان اللہ! قرآن پاک کیسی عظیم الشان کتاب ہے جس کے ایک ایک لفظ میں کیسے کیسے عظیم مسائل مذکور ہیں۔

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

"مِنَ الشُّهَدَآءِ" جار مجرور محذوف سے متعلق ہیں، یعنی ظرف مستقر ہے اور حال واقع ہو رہا ہے۔ عائد اس جملہ کا محذوف ہے۔ معنوی لحاظ پر عبارت یوں بن گئی۔

" ممن ترضونهم حال کو نهم کا ئنین بعض الشهداء لعلمکم بعد التهم"

ان میں سے جن کو تم پسند کرو دراں حالیکہ وہ گواہوں میں سے بعض ہوں اور تمہیں ان کی عدالت کا علم ہو۔

اور یہ خیال رہے کہ " الشهداء "جمع مذکر ہے" وادراج النساء فی الجمع بطریق التغلیب" اور عورتوں کا اس میں ذکر قاعدۂ تغلیب کے مطابق ہے۔ (روح المعانی)

"اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰی"

"یہ کہ بھول جائے ایک (عورت) ان دونوں میں سے تو یاد دلا دے ان میں ایک دوسری کو"

یہاں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہونے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ایک ان دونوں میں بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔

" والمعنی ان النسیا ن غالب طباع النساء بکثرة البرد والر طوبة فی امز جتهن"

مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت میں بھولنا زیادہ ہے کیونکہ ان کے مزاج میں برودت اور رطوبت زیادہ

Marfat.com

پائی جاتی ہے، دونوں کے ملنے سے ان میں بھول واقع ہوتی ہے، اسلئے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دی کہ ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلادے۔" واجتماع المرأتین النسیان ابعد فی العقل" دونوں عورتوں کا بیک وقت بھولنا عقل کے بھی خلاف ہے سب سے بڑی دلیل رب تعالی کا ارشاد گرامی ہے۔ اگر ایک مرتبہ ہی دونوں کا بھولنا پایا جاتا تو رب تعالی یہ ارشاد نہ فرماتا ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى﴾ یہ کہ ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلادے۔

عورتوں کے بھولنے پر ارشاد مصطفوی ﷺ:

"قال رسول اللہ ﷺ ما رایت من ناقصات عقل و دین اذهب للب الرجل الحازم من احداکن قلن یارسول اللہ ما نقصان عقلنا قال الیس شهادة المرأة علی النصف من شهادة الرجل قلن بلی قال فذلک من نقصان عقلها قلن فما نقصان دیننا یارسول اللہ قال الیس اذا حاضت لم تصل و لم تصم قال فذلک من نقصان دینها"

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم سے زیادہ کسی ایک کو نہیں دیکھا جو خود تو ناقص العقل ہو اور ناقص الدین ہو لیکن بڑے بڑے ماہر عقلمندوں کی عقل کو ضائع کر دے۔ عورتوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے عقل اور دین میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی شہادت مردوں کی شہادت کے نصف کے برابر نہیں۔ عورتوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ایسا ہی ہے آپ نے فرمایا یہ ان کے عقل کی کمی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز ادا نہیں کرتی اور روزہ نہیں رکھتی، عورتیں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔ (مظہری)

خیال رہے یہ حدیث مکمل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی دوسرے پارہ میں ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

Marfat.com

عورت کے بھولنے کی اور وجہ:

عورت اپنی نازک طبع کی وجہ سے قدرتی طور پر ڈر پوک ہے، عدالت میں اس پر رعب کا طاری ہونا اور بھول جانا عین ممکن ہے۔ جب اس کے بھولنے پر دوسری اسے یاددلائے گی تو اس کو کچھ سکون حاصل ہوگی اور ڈھارس بندھ جائے گی۔

تنبیہ: "تضل " کا اصلی معنیٰ " بھٹکنا اور حیران ہونا " بھی ہے۔ لیکن آیۃ کریمہ میں معنی بھولنا ہے، چونکہ بھولنا حیرانگی کی جزء ہے۔ (اور یہ بھی خیال رہے کہ عورت کا بھولنا عام طور پر پایا جاتا ہے) اسی وجہ سے "ومن نسی الشهادة جملة فليس يقال ضل فيها" مطلقاً گواہی کے بھول جانے کو "ضل فیھا" (وہ اس میں بھول گیا) نہیں کہا جاتا۔ (ماخوذ از قرطبی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

" ان تضل " میں ایک قراءت میں بفتح الھمزہ ہے اور "تضل " پر نصب ہے اور ایک قراءت میں "تضل " پر رفع ہے اور ایک قراءت میں بکسر الھمزہ ہے اس صورت میں " ان تضل " شرط ہوگی اور " فتذکر "......... الخ جزا ہوگی۔ (از قرطبی)

جہاں بھی عقل کی کمی ہوگی گواہی قبول نہیں ہوگی:

" فلا يجوز شهادة المجنون والمعتوه ايضا والوجه لعدم قبول شهادتهم نقصان العقل والتميز وعليه انعقد الاجماع لانه في معنى الصبي بل اولى لعدم القبول"

(مظھری مع تقدیم وتاخیر)

پاگل اور نیم پاگل کی گواہی معتبر نہیں کیونکہ ان میں عقل وتمیز نہیں پائی گئی، اسی پر اجماع امت پایا گیا ہے اور مجنون اور معتوہ (نیم پاگل) بچے کے حکم میں ہیں، بلکہ بچے سے بھی زیادہ ان کی گواہی قبول نہ کرنے کا حکم ہے۔ (مظہری)

اس لئے کہ بچے کی خبر کا تو اعتبار ہے یہ چیز لے لو میرے گھر والوں نے آپ کیلئے دی ہے اور یہ کہے میرے گھر والوں نے آپ کو دعوت دی ہے آپ کھانا ہمارے گھر کھائیں، دکان سے کوئی چیز خرید لائے لیکن مجنون اور معتوہ

Marfat.com

کی خبر میں بھی معتبر نہیں۔ (راقم)

عادل ہونے میں مرد اور عورت کا حکم ایک ہے، مرد ہو یا عورت ہو گواہ تب ہی بن سکیں گے جب ان میں عدالت پائی جائے فسق نہ پایا جائے اس حکم میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی مطلق ہے ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ ''تم اپنے دو عادل شخصوں کو گواہ بناؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے بھی مطلق حکم فرمایا'' لا نکاح الا بولی وشاهدی عدل '' نکاح بغیر ولی اور دو عادل گواہوں کے نہیں۔

(ولی کا حکم کیا ہے؟ تفصیل نجوم الفرقان دوسرے پارہ میں دیکھیں)

حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہونا اور باقی معاملات میں قبول ہونے میں فرق کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود کے متعلق قانون یہ ہے'' الحدود تندرئ بالشبهات ''حدود شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ عورتوں کی گواہی میں بھول واقع ہونے کی وجہ سے گواہی میں شبہ پائے جانے کی وجہ سے حدود وقصاص میں ان کی گواہی معتبر نہیں لیکن باقی معاملات میں ایک عورت کے ساتھ دوسری عورت کو شامل کر کے گواہی قبول کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں، اسی وجہ سے مالی معاملات ہوں یا نکاح ہو یا مقام عزت ہو وہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔

''قال علیه الصلوة والسلام فی خطبته یوم عرفة ویوم النحر فی حجة الوداع ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام''

نبی کریم ﷺ نے عرفہ کے دن (نو ذالحج) اور دس ذی الحج کے دن دوران خطبہ ارشاد فرمایا بیشک تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں حرام ہیں۔ یعنی کسی کا ناحق تصرف تمہارے خونوں اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں میں حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے''حرمة مالکم کحرمة دمکم'' تمہارے مال کی حرمت (عزت واحترام) تمہارے

Marfat.com

خون کی حرمت کی طرح ہی ہے۔

وقال علیہ الصلوۃ والسلام من قتل دون مالہ فھو شھید ومن دون قتل دمہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید“

(رواہ احمد وابن حبان عن سعید بن زید)

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص دین کی حفاظت کرتے ہو قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی اہل کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے، ان حقوق کی پاسداری کیلئے دو عورتوں کی گواہی کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔ (ماخوذ از مظہری)

اعتراض: رب تعالی کے ارشاد گرامی ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ میں "منکم" میں ضمیر مذکر کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی گواہی معتبر ہی نہیں، تو عورتوں کی گواہی کس طرح معتبر ہے۔

جواب: ایک نص پر دوسری نص سے زیادتی جائز ہے، جب رب تعالی نے خود ہی ارشاد فرمایا ﴿فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ﴾ ''پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں'' تو اس سے واضح ہو گیا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ البتہ حدود وقصاص میں گواہی کا معتبر نہ ہونا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ہاں البتہ ﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ میں "منکم" کی مذکر ضمیر سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کو گواہ بنانا بہتر ہے۔ صرف مرد گواہ نہ ہوں یا کسی مصلحت کی وجہ سے صرف مردوں کو گواہ بنانا مقصود نہ ہو تو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قبول ہو رب تعالی کے ارشاد سے واضح ہے۔ (ماخوذ از مظہری)

بہت مفید:

بعض حضرات نے حدیث" لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل " سے بھی اعتراض کیا تھا کہ اس

Marfat.com

حدیث میں بھی " وشاھدی عدل " مذکر کا صیغہ استعمال ہے تو عورتوں کی گواہی کس طرح معتبر ہے؟ اسکا ایک جواب تو یہی ہے کہ مردوں کو گواہ بنانا بہتر ہے یہ تو ثابت ہوسکتا ہے، لیکن عورتوں کی گواہی قبول نہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ حدیث بھی ضعیف ہے جس سے احکام ثابت نہیں ہوسکتے۔ یہ حدیث مختلف راویوں سے ثابت ہے لیکن سب ضعیف ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں راوی ''محمد بن یزید بن سنان'' اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، جسے امام احمد بن مدینی، یحیٰ بن معین، نسائی اور دار قطنی نے ضعیف، غیر ثقہ اور متروک الحدیث قرار دیا اور رافع بن میسر کی روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ ابو خطیب نے نافع بن میسر کو مجہول راوی کہا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''نہاش'' راوی ہے جسے یحیٰ بن معین اور ابن عدی نے ضعیف کہا ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''بکر بن بکار'' جسے یحیٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اور اس روایت میں ''عبداللہ بن محرز'' ہے، جسے دار قطنی نے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ثابت بن زھیر ہے جس کی روایات ثقہ راویوں کے مخالف ہونے کی وجہ ''منکر'' کہلاتی ہیں، اسلئے اس حدیث کو عورت کی گواہی کے قبول نہ ہونے کیلئے دلیل بنانا درست نہیں۔ (ماخوذ از مظہری)

عورت بحیثیت گواہ:

عورت کی گواہی کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) عورت کی گواہی مرد کے برابر۔ (۲) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر۔

(۳) ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔ (۴) عورت کی گواہی قبول نہیں بلکہ مرد کی گواہی قبول ہے۔

پہلی قسم: عورت کی گواہی مرد کے برابر کب ہوتی ہے؟

" واذ کان السماء علۃ قبل الامام شھادۃ الواحد العدل فی رؤیۃ الھلال رجلا کان او امرأۃ"

(بدایۃ المبتدی)

جب آسمان ابر آلود ہو یعنی مطلع صاف نہ ہو بلکہ بادل چھائے ہوئے ہوں یا گرد و غبار ہو تو رمضان

Marfat.com

المبارک کے چاند کی شہادت ایک عادل شخص کی معتبر ہے خواہ وہ شہادت دینے والا مرد ہو یا عورت ہو۔ شہادت دینے والے کیلئے عادل ہونا ضروری ہے کیونکہ فاسق کی شہادت دینی مسائل میں معتبر نہیں۔ البتہ فاسق کا سچا ہونا یقینی طور پر سمجھ آجائے تو اس کی شہادت قابل قبول ہے۔

دوسری قسم: دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ یہ حدود اور قصاص کے علاوہ حقوق مالیہ اور غیر مالیہ میں ہے، حقوق مالی میں جیسے قرض، بیع، شراء اور اجارہ وغیرہ اور غیر مالی میں جیسے طلاق، نکاح اور وقف وغیرہ میں۔

"اما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین اور جل وامرأتین سواء کا ن الحق مالا اوغیر مال مثل النکاح والطلاق والعتاق والعدة والوقف والصلح والوکالة والوصیة والهبة والاقرار والابراء والولد والولاد والنسب ونحو ذلک"

(هدایة کتاب الشهادات)

حدود و قصاص کے ماسواء حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عوتوں کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حقوق مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح، طلاق، عتاق (غلام آزاد کرنا) عدت، حوالہ (کسی کے قرض کو اپنے ذمہ لینا) وقف، صلح، وکالت، وصیت، ھبہ، اقرار، ابراء، (کسی کو قرض وغیرہ سے بری کرنا) ولد (یہ فلاں کی اولاد ہے) ولادت (اس عورت کا بچہ یا بچی پیدا ہوا ہے) نسب وغیرہ میں۔

البتہ قتل خطاء اور جس قتل میں قصاص لازم نہ ہو ان کو ثابت کرنے کیلئے دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت قابل قبول ہے کیونکہ جب قصاص نہیں تو دیت وغیرہ لازم ہوگی جو مال ہے۔

"قال فی الخانیة ولو شهد رجل وامراتان بقتل الخطاء او بقتل لا یوجب القصاص تقبل"

(تکمله شامی ج ۱ ص ۵۰)

علامہ قاضی خان رحمہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ اگر ایک مرد دو عورتیں قتل خطا میں شہادت دیں یا اس قتل میں شہادت دیں جس میں قصاص لازم نہیں آتا (شبہ عمد وغیرہ میں بھی قصاص لازم نہیں آتا) تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی شاہد ہے۔ زیر بحث آیہ کریمہ کی ترتیب سے ہی مسئلہ واضح ہے کہ بہتر یہی ہے کہ مردوں کو

Marfat.com

گواہ بنایا جائے۔ ہاں اگر دو مرد میسر نہیں یا ان کو کسی مصلحت کی وجہ سے گواہ بنانا مقصود نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔

تیسری قسم: عورت کی گواہی قابل قبول ہے لیکن عام حالات میں مرد کی گواہی قبول نہیں، یہ وہ مقامات ہیں جن میں مرد کو مطلع ہونے کی طاقت نہیں جیسے ولادت، بکارت (پردۂ بکارت کے قائم ہونے یا نہ ہونے کی گواہی) اور اس قسم کے عورتوں کے حقوق جن پر مرد مطلع نہ ہو سکیں، ان میں صرف ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔

"وتقبل في الولادة والبكارة والعيوب بالنساء في موضع لايطلع عليه الرجال شهادة امرأة واحدة لقوله ﷺ شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه"

(هداية كتاب الشهادت)

ولادت اور بکارت اور وہ عیوب جو عورتوں میں پائے جاتے ہوں جن پر مردوں کو مطلع ہونے کی شرعاً طاقت نہ ہو، ان میں ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "عورتوں کی گواہی وہاں جائز ہے جہاں مرد انہیں دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں"۔

لیکن خیال رہے کہ اگر مرد اتفاقی طور پر کسی عورت کے کسی ایسے عیب وغیرہ پر مطلع ہو گیا جہاں اسے قصداً دیکھنا جائز نہیں تھا اس صورت میں وہ گواہی دے سکتا ہے اور اس ایک مرد کی گواہی بھی قابل قبول ہے لیکن اس نے ارادہ سے دیکھا جبکہ کوئی عذر بھی نہیں تھا تو ایسی صورت میں وہ فاسق ہو جائے گا۔ اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ہاں ایک مرد نے عورت کی ولادت کو ارادہ سے دیکھا لیکن دیکھنے کا عذر تھا تو پھر بھی ایک مرد کی گواہی قبول ہوگی، جیسے ڈاکٹر کو مقام مرض دیکھنا جائز ہے۔ اگر کسی عورت کا اپریشن وغیرہ کرنا پڑا جس میں کوئی عورت یہ کام نہ کر سکتی ہو مرد کیلئے ضروری ہو گیا تھا تو ایسی صورت میں بھی مرد کی گواہی قبول ہوگی۔ (از شامی)

"ولو شهد رجل واحد بالولادة يقبل لانه لما قبل شهادة امرأة واحدة فشهادة رجل واحد اولى" (البحر الرائق ج ۷)

اگر علاج وغیرہ کی غرض سے دیکھنے یا اچانک دیکھنے کی وجہ سے ایک مرد نے ولادت کی گواہی دی تو

Marfat.com

وہ قبول ہو جائے گی کیونکہ جب ایک عورت کی گواہی قبول ہے تو ایک مرد کی گواہی تو زیادہ بہتر طریقہ سے قبول ہوگی۔

چوتھی قسم: عورت کی گواہی قبول نہیں بلکہ صرف مردوں کی گواہی قبول ہوگی۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ جہاں چار مردوں کی گواہی قبول ہوگی۔ دوسری قسم یہ کہ جہاں دو مردوں کی گواہی قبول ہوگی۔ مقدمہ زنا میں چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ زنا کا جرم جس کی وجہ سے حد لازم آتی ہے اسے ثابت کرنے کیلئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ اگر مردوں کی تعداد چار سے کم ہو یا صرف عورتیں ہوں یا دو مرد اور دو عورتیں ہوں یا تین مرد اور دو عورتیں ہوں یا تین مرد اور ایک عورت ہو یا ایک مرد اور تین عورتیں ہوں تو اس گواہی سے زنا کا جرم جو حد کا سبب بنتا ہے وہ ثابت نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ ''ان میں خاص اپنے چار مردوں کی گواہی لو''۔ (پ۴ النساء)

﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ ''پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں (تو ان کو حد قذف لگا دو)'' (پ۱۸ النور)

اور احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ زنا کی حد ثابت کرنے کیلئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا زنا کے الزام کو ثابت کرنے کیلئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ ''قال نعم'' آپ نے فرمایا ''ہاں'' چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۶۷)

نیز امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ولابد ان يكون ذكورا لقوله تعالى" منكم" ولاخلاف فيه بين الأمة وان يكون عدولا"

(تفسیر قرطبی ج۵ ص۸۷)

یعنی ضروری ہے کہ زنا کے گواہ مرد ہوں اور عادل ہوں اس میں امت کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے "فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ" فرمایا ہے جس میں "منکم" میں ضمیر مذکر کی استعمال ہے۔

واضح ہوا کہ زنا کی حد ثابت کرنے کیلئے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر زنا کو ثابت کرنے میں مقصد حد لگوانا نہ ہو بلکہ کوئی اور مقصد ہو تو اس صورت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے

Marfat.com

اپنی بیوی کی طلاق کو زنا سے معلق یا مشروط کیا مثلاً یوں کہا اگر میں زنا کروں تو تجھے طلاق اور بیوی نے دعوی کیا ہے کہ میرے خاوند نے زنا کرنے کا ارتکاب کیا ہے لہذا مجھے طلاق ہوگئی اور خاوند انکار کر رہا ہے، یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے زنا نہیں کیا تو عورت نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ پیش کر دیئے تو اس صورت میں ان کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے گا، عورت کو طلاق ہو جائے گی، لیکن اس گواہی سے حد ثابت نہیں ہوگی بلکہ دو گواہ جب دو اور گواہ نہ پیش کر سکیں تو یہ حد قذف کے مستحق ہوں گے۔ خیال رہے جب زنا ثابت ہو جائے اور حد ثابت نہ ہو تو اس صورت میں قاضی اسے رجم کی حد تو نہیں لگا سکتا البتہ تعزیری سزا لگائے تو لگا سکتا ہے۔

"والشھادۃ علی مراتب منھا الشھادۃ فی الزنا یعتبر فیھا اربعۃ من الرجال" (ھدایۃ)

گواہی کے مختلف مراتب ہیں ان میں سے زنا کی گواہی کیلئے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے۔

اس بغیر کے باقی حدود اور قصاص میں بھی عورت کی گواہی قبول نہیں، البتہ دو مردوں کی گواہی زنا کے سوا باقی تمام حدود میں اور قصاص میں قبول ہوگی۔ زنا کے سوا حدود سے مراد شراب، قذف تہمت لگانے اور چوری کی حدود میں قصاص میں بھی دو مردوں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ قصاص نفس (جان کا قصاص) یا قصاص اطراف ہو (یعنی اعضاء کا قصاص ہو) زیر بحث کریمہ میں ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ کا حکم بھی عام ہے اگرچہ نازل تو دین وغیرہ کے معاملات سے ہے، ابھی تک جو مسئلہ ذکر کیا ہے اس سے واضح ہو چکا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں، چنانچہ مصنف امام ابن ابی شیبہ میں امام زہری سے مروی ہے:

"مضت السنۃ من رسول اللہ ﷺ والخلیفتین من بعدہ ان لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود" (ھدایۃ کتاب الشھادات)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے لے کر یہی سنت چلی آ رہی ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

نیز امام ابن ابی شیبہ زہری کے علاوہ امام شعبی و امام نخعی و امام ضحاک رحمہ اللہ علیہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

"لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود" حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔ (نصب الرایۃ ج۴ ص۷۹)

Marfat.com

واضح ہوا کہ زنا کے سواء تمام حدود وقصاص میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔لیکن اسی صورت میں اثبات حدود وقصاص کے بجائے کسی دوسرے کے حق کا اثبات مقصود ہو تو ایسی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔جیسا کہ کسی شخص نے اپنے غلام کی آزادی کو شراب پینے سے مشروط کر دیا ہو کہ اگر میں شراب پیوں تو میرا غلام آزاد ہے، تو اس صورت میں جرم ثابت کرنے کیلئے ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہوگی۔اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا لیکن شراب کی حد اس پر جاری نہیں ہوگی کیونکہ حد لگانے کیلئے مردوں کی گواہ معتبر ہے، عورتوں کی نہیں۔البتہ حاکم وقت کو اختیار ہوگا اگر وہ تعزیری سزا لگانا مناسب سمجھے تو تعزیری سزا لگا دے۔

”وصورته كما في البحر عن الولوالجية رجل قال ان شربت الخمر فمملو كي حر فشهد رجل وامرأتان انه شرب الخمر عتق العبد ولا يحد لان هذا شها دة لا مجال لها في الحدود“ (تکملہ شامی ج ۱ ص ۴۹)

اس کی صورت البحر الرائق میں ولوالجیہ کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص نے کہا اگر میں شراب پیوں تو میرا غلام آزاد ہے۔اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے اس کے شراب پینے پر شہادت دی تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا اور اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں۔

(فیوض الباری شرح بخاری ج ۵)

دینی طلباء کرام کے ذوق کیلئے دلچسپ بحث:

علامہ حسین بن علی مغربی نے ” ان تضل احداهما “ میں ” احداهما “ کی ضمیر کا مرجع ”شھادتین“ کو بنایا اور ” فتذكر احداهما الاخرى “ میں ” احداهما “ کی ضمیر کا مرجع ” مرأتين “ کو بنایا۔حاصل معنی ان کے قول کے مطابق یہ ہے ”ان تضل احدى الشهادتين الىٰ تضييع بالنسيان فتذكر احدى المرأتين الاخرى منهما “ یعنی عورت جب دو شہادتوں میں سے ایک شہادت کو بھول جائے یعنی بھول کی وجہ سے اس کی گواہی ضائع ہو جائے تو دو عورتوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلا دے۔اس قول کی تائید علامہ طبرسی نے کی کہ یہ قول

Marfat.com

درست ہے،اس کی وجہ یہ ہے۔

" لا یسمی نا سی الشھا دۃ ضا لا " کہ صرف گواہی کے بھولنے والے کو ضال نہیں کہا جاتا بلکہ اس وقت "یقال ضلت الشھادۃ اذا ضاعت" کہا جاتا ہے " ضلت الشھا دۃ " جب کہ گواہی ضائع ہو جائے ،لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے علامہ مغربی کے قول کو رد کیا کہ یہ قول درست نہیں اس لئے کہ ضمیروں کے مختلف مرجع سے مضمون میں نظم ونسق باقی نہیں رہتا۔اسی طرح آپ نے علامہ طبرسی کی تائید کو بھی رد کرتے ہوئے کہا "وما ذکر فی التا یید ینبیٔ عن قلۃ الا طلا ع علی اللغۃ" علامہ مغربی کے قول کی تائید کرتے ہوئے جو علامہ طبرسی نے دلیل قائم کی ہے وہ حقیقت لغت سے ناواقفی کی وجہ ہے۔ورنہ نہایۃ ابن کثیر میں اور دوسری کتب میں "اطلا ق الضال علی الناسی" ضال کا اطلاق بھولنے والے پر مطلق آیا ہوا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی عادت اور طبیعت میں بھولنا راسخ ہی ہو تب ہی اسے ضال کہا جائے۔عام طور پر اونٹ یا گھوڑے کے گم ہو جانے پر کہا جاتا ہے" ضل البعیر ،ضل الفرس " جو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے رد کیا ہے،اسی کے مطابق محققین اہل علم کے اقوال ہیں۔علامہ خفاجی رحمہ اللہ نے علامہ مغربی کے قول کو ناپسند کرتے ہوئے قاضی القضاۃ شہاب الدین غزنوی سے "احدھما" کے تکرار کے اسرار کے متعلق منظوم طور پر یوں سوال کیا۔

یاراس اھل العلوم السادۃ البررۃ	ومن نداہ علی کل الوری نشرہ
ما سر تکرار " حدی " دون " تذ کرھا "	فی آیۃ لذوی الا شھاد فیالبقرۃ
وظاھر الحا ل ایجا ز الضمیر علی	تکرار احداھما لو ا نہ ذکر ہ
احمل الاحدی علی نفس الشھا دۃ فی	او لا ھما لیس مر ضیا لدی المھرۃ
فغص بفکر ک لا ستخراج جو ھرہ	من بحر علمک ثم ابعث لنا دررہ

اے علوم کے سردار علوم دینیہ کے رئیسو اور ہر زمانے میں علوم کی نشر و اشاعت کی غرض سے اہل علم کے ہم نشینو۔کیا راز ہے کہ "احدھما" کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور " تذکر " کو دو مرتبہ نہیں ذکر کیا گیا۔سورۃ بقرہ کی اس آیۃ میں جس میں گواہ بنانے کا ذکر ہے "احدھما" جو پہلے ذکر ہے اس سے مراد گواہی لینا تو ماہر اہل علم کے نزدیک پسندیدہ

Marfat.com

نہیں۔تم اپنے علم کے دریا میں یہ موتی نکالنے کیلئے اپنی فکر کو غوطہ زن کر دو، پھر موتی ہماری طرف بھیج دینا۔قاضی القضاۃ شہاب الدین غزنوی نے بھی منظوم جواب دیا۔

یا من فوائده بالعلم منتشره — ومن فضائله فی الکون مشتهره

یا من تفرد فی کشف العلوم لقد — وافی سؤالک والا سرار مستتره

(تضل احداهما) فالقول محتمل — کلیهما فهی للا ظها ر مفتقرة

ولواتی بضمیر کا ن مقتضیا — تعیین واحده للحکم معتبرة

ومن رددتم علیه الحل فهو کما — اشرتم لیس مرضیا لمن سبره

هذا الذی سمح الذهن الکلیل به — والله اعلم فی الفحوی بما ذکر ه

اے وہ شخص جس کے علمی فوائد جہان میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہان میں فضائل مشہور ومعروف ہیں۔اے وہ شخص جو علوم میں یکتا ہے۔تحقیق تمہارا سوال کامل ہے اور اس میں راز پوشیدہ ہیں۔''ان تضل احداہما'' میں دونوں کا احتمال تھا، اسلئے یہ وضاحت کا محتاج تھا۔یہ ضمیر کے لانے کا تقاضا کرتا تھا، تا کہ ایک معتبر حکم متعین ہو جائے اور جس کے حل کا تم نے رد پیش کیا ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے اشارہ کیا ہے وہ کسی بھی جانچ پڑتال کرنے والے کو پسند نہیں آیا۔یہی بات میرے تھکے ماندہ ذہن میں آئی ہے۔اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اپنے بیان کو جو اس نے ذکر کیا ہے۔لھذا واضح ہوا کہ دونوں "احدهما" کی ضمیر " مرأتان "کی طرف ہی لوٹ رہی ہے، پہلے "احدهما" کا تعلق " ان تضل احداهما " سے ہے۔اور دوسرے "احدهما" کا تعلق " فتذکر ،، سے ہے، لھذا ''تذکر'' کو دو مرتبہ ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ (ماخوذ از روح المعانی)

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا﴾ ''اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے۔''

یہاں چند احتمال ہیں۔

(۱) جب صاحب حق کو ضرورت ہو اور وہ گواہوں کا محتاج ہو تو گواہ گواہی دینے سے نہ انکار کریں۔

(۲) گواہ، گواہ بننے سے انکار نہ کریں یعنی واقعات ومعاملات میں خود ہی دیکھنے کی دلچسپی پیدا کریں تا کہ گواہ بن سکیں۔

Marfat.com

(۳) جب کوئی اور موجود نہ ہو تو جو شخص موجود ہے وہ گواہ بننے سے انکار نہ کرے۔

(۴) دونوں امروں کا مجموعہ مراد ہے کہ وہ گواہ بننے سے انکار نہ کریں اور گواہی دینے سے بھی انکار نہ کریں۔ (کبیر)

راقم کے نزدیک تمام ہی اقوال مجموعی طور پر معتبر ہیں کہ جب واقعہ کے وقت اور لوگ موجود نہ ہوں تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو وہ گواہ بننے سے انکار نہ کریں، کیونکہ ان کا گواہ بننا فرض ہے اور اگر زیادہ لوگ وہاں موجود ہوں تو اس صورت میں گواہ بننا فرض کفایہ ہے۔ گواہی کی تعداد کے مطابق کوئی گواہ بن گیا تو کافی ہے تاہم سب ہی گواہ بن جائیں تاکہ سب کو ثواب مل جائے اور کسی گواہ کے فوت ہونے پر معذور ہونے پر اس کا متبادل اور واقعہ کا چشم دید گواہ پایا جائے۔ پھر جب صاحب حق کو گواہی کی ضرورت ہو تو گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ (راقم)

﴿اِذَا مَا دُعُوْا﴾ سے پتہ چلا کہ جب گواہی دینے کیلئے گواہ کو طلب کیا گیا تو اس پر گواہی دینا، اللہ تعالی نے فرض کر دیا ہے۔ اور اگر گواہی کیلئے اسے نہیں بلایا گیا تو گواہ کا خود بخود گواہی دینا مستحب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی (جو پہلے بیان کیا جا چکا) ہے ''خیر الشھداء الذی یاتی بشھادتہ قبل ان یسالھا'' بہتر گواہ وہ جو طلب کرنے سے پہلے خود ہی گواہی دیں۔

" والصحیح ان اداء ھا فرض وان لم یسألھا اذاخاف علی الحق ضیاعه اوفوته اوبطلاق اوعتق"

صحیح یہ ہے کہ بیشک گواہی دینا فرض ہے اگرچہ اس سے گواہی دینے کا مطالبہ نہ کیا جائے جبکہ اسے صاحب حق کے حق کے ضائع ہونے اور فوت ہونے کا خطرہ ہو، اسی طرح طلاق کی گواہی دینا فرض ہوگا جبکہ یہ خیال کیا جائے کہ عورت تو طلاق کا دعوی کر رہی ہے اور مرد انکار کر رہا ہے تو جس شخص نے طلاق کے الفاظ سنے تھے وہ گواہی دے تاکہ مرد عورت سے ناجائز اور حرام منافع حاصل نہ کرے۔ اسی طرح غلام دعوی کرے کہ میرے مالک نے مجھے آزاد کر دیا ہے لیکن مالک انکار کر رہا ہو تو جن دو شخصوں کے سامنے آزاد کیا گیا تھا وہ خود ہی گواہی دیں تاکہ آزاد کئے ہوئے شخص سے غلام کی طرح خدمت نہ لی جائے اور اسے بیچا نہ جا سکے، اسکے نکاح وغیرہ پر پابندی نہ لگائی جا سکے، وغیرہ۔

مذکورہ بالا گواہوں میں ''ولا یقف اداء ھا علی ان تسأل منه فیضیع الحق'' گواہی کے مطالبہ پر گواہی موقوف نہیں بلکہ خود بخود ہی گواہی دی جائے تاکہ حقوق ضائع نہ ہوں۔

Marfat.com

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ اور قائم کرو گواہی اللہ کیلئے اور بخاری میں ذکر ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انصر اخاک ظالما او مظلوما" اپنے (مومن) بھائی کی امداد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ جو حقوق انکار کی وجہ سے ضائع ہو رہے ہوں ان کی گواہی دے کر ان کی حفاظت کی جائے تو یہ مظلوم کی امداد ہوئی کہ اسے اپنے حقوق حاصل ہو جائیں گے، اور ظالم کی امداد ہوگی کہ وہ مدعی کے حقوق ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے گا، کیونکہ حقوق العباد رب تعالیٰ نے بھی معاف نہیں کرنے۔

تنبیہ شدید: جہاں گواہی دینا واجب ہو وہاں گواہی نہ دینا گواہ اور گواہی میں عیب ہے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں، یہ بھی خیال رہے کہ گواہ میں عیب کا مطلب یہ ہے کہ وہ گواہی کے قابل نہیں ہوگا کیونکہ واجب کام کو جو شخص بغیر کسی عذر کے چھوڑتا ہے تو وہ گنہگار ہوتا ہے اور فاسق ہوتا ہے، فاسق کی گواہی قبول نہیں۔ (قرطبی)

"وعن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال من کتم شهادة اذا دعی الیها کان کمن شهد بالزور" (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط وفی سنده عبدالله بن صالح کاتب لیث احتج به البخاری)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص کو گواہی کیلئے طلب کیا جائے تو وہ گواہی کو چھپائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ جھوٹی گواہی دینے والا ہے۔ یعنی ضرورت کے وقت گواہی نہ دینے والا اور جھوٹی گواہی دینے والا دونوں ہی گنہگار ہیں۔ بعض لوگوں کا اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن صالح پر اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے حجت پکڑی ہے یعنی انیس میل تک فاصلہ ہو۔ (مظہری)

مسئلہ: جب گواہ کو حاکم کی مجلس میں بلایا جائے تا کہ وہ گواہی دے تو بیان کیا گیا کہ اگر قاضی کی مجلس قریب ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ گواہی دے، اور اگر قاضی کی مجلس دور ہو تو اس پر گواہی دینا لازم نہیں، کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ ﴾ "اور نہ ضرر پہنچایا جائے کاتب اور گواہ کو"۔

قرب اور بعید کی حد کیا ہے؟ اس کی حد نصر رحمہ اللہ نے یہ بیان کی کہ اگر ایک دن میں ہی یعنی شام تک واپس اپنے اہل وعیال تک پہنچ جائے تو یہ قریب ہے اسے گواہی دینا لازم ہے اور اگر واپس نہ پہنچ سکے تو بعید ہے گواہی دینا لازم نہیں۔

مسئلہ: اگر گواہ بوڑھا شخص ہو تو اسے مدعی سواری پر سوار کر کے لے جائے تو کوئی حرج نہیں۔ سلیمان کا قول تو مطلق

Marfat.com

ہے کہ گواہوں کو سواری پر سوار کر کے لے جانا جائز نہیں ،لیکن بعض حضرات نے مسئلہ میں تفصیل بیان کی ہے کہ اگر گواہ سواری کا محتاج ہو تو سوار کر کے لے جائے ورنہ سوار کر کے لے جانا جائز نہیں لیکن ابن ھمام رحمہ اللہ صاحب فتح القدیر نے اس تفصیل کو رد کرتے ہوئے فرمایا''وفیہ نظر لا ن اکرام الشھود ما موربہ '' کہ یہ درست نہیں اس لئے کہ گواہوں کی عزت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(ابن ھمام رحمہ اللہ کا قول ہی زیادہ معتبر ہے)

مسئلہ: اگر گواہوں کو کھانا پیش کیا گیا ہے تو انہوں نے وہ کھانا کھالیا تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی جبکہ کھانا پہلے تیار تھا۔اگر گواہوں کیلئے ہی کھانا تیار کیا گیا ہو تو وہ کھانا کھالیں تو ان کی گواہی معتبر نہیں ،یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلقا جائز نہیں خواہ کھانا پہلے تیار ہو یا گواہ کیلئے تیار کیا جائے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلقا جائز ہے کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ جو شخص گھر آئے اسے کھانا کھلایا جاتا ہے خواہ وہ گواہ ہو یا کوئی اور ہو کیونکہ گھر آئے ہوئے شخص کی عزت کرنا عادتاً ضروری ہے۔ہاں اگر گواہ شرط لگائے کہ اگر تم مجھے کھانا کھلاؤ تو میں گواہی دوں گا ،ورنہ گواہی نہیں دوں گا۔تو اس صورت میں اسے کھانا کھلانا جائز نہیں کیونکہ یہ اجرت کے درجہ میں آجائے گی ،اجرت دے کر گواہی حاصل کرنا گویا کہ رشوت ہوگی جو جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''الراشی والمر تشی فی النار رواہ الطبرانی فی الصغیر عن عمر باسناد حسن''

رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا جہنمی ہیں اور خاص کر کے گواہی دینا عبادت ہے۔

''ولا یجوز اخذ الا جرۃ علی العباد عندنا ''اور عبادت پر اجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ (مظہری)

دینی طلباء کرام توجہ فرمائیں:

'' اذا''اور '' اذا ما''دونوں ہی ظرفیت کیلئے آتے ہیں ان کا معنی ہوتا ہے''جس وقت''یعنی '' اذا ما''میں '' ما'' کا کوئی علیحدہ معنی نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ جلالین میں بیان کیا گیا ہے '' اذا ما''زائدۃ۔یعنی''ما''کسی علیحدہ معنی پر دلالت نہیں کر رہا۔

﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ﴾

''اور نہ پریشان ہو لکھنے سے اس دین کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا وقت مقرر تک''

'' وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا ''لیا ہو ہے''سامۃ'' سے جس کا معنی ہوتا ہے ملال اور ضجر (دل تنگی ،پریشانی) جیسے کہا جاتا ہے:

Marfat.com

" سمت الشی ساما و سامة" میں اس چیز سے ملال میں پڑ گیا اور تنگ ہو گیا۔ (کبیر)

زہیر نے کہا: سمت تکالیف الحیاۃ و من یعش ثمانین حولا لاابالک یسام

میں زندگی کی تکالیف سے تنگ آ گیا اور جو شخص اسی سال زندہ رہتا ہے "تمہارا باپ نہ رہے" وہ تنگ ہی آ جاتا ہے۔

"لا یسأم" شعر میں جملہ معترضہ ہے۔ (شرح مائۃ عامل پڑھنے والے طلباء کرام بھی جملہ معترضہ سے بخوبی واقف ہیں) (روح المعانی)

آیۃ کریمہ میں مقصود کتابت پر برانگیختہ کرنا ہے خواہ مال قلیل ہو یا کثیر یعنی قلیل مال کے لین دین میں بھی اسی طرح احتیاط ضروری ہے جس طرح کثیر مال میں احتیاط ضروری ہے۔

" فان النزاع الحاصل بسبب القلیل من المال ربما ادی الی فساد عظیم و لجاج شدید فامرا اللہ تعالی فی الکثیر و القلیل بالکتابة"

اسکی وجہ یہ ہے کہ قلیل مال میں بھی کبھی نزاع حاصل ہو جاتا ہے جو بہت بڑے فساد اور شدید جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے لکھنے کا حکم دیا کہ لین دین تھوڑا ہو یا زیادہ اسے لکھ لو۔

(وَلَا تَسْئَمُوْا) ای و لا تملوا فتترکوا ثم تندموا" ملال میں نہ پڑو کہ لکھنے کو چھوڑ کر بعد میں ندامت میں مبتلاء ہو جاؤ۔ (کبیر)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

" سئم یسئم " متعدی بنفسہ بھی ہوتا ہے اور حرف جار یعنی " من " کے واسطہ سے بھی۔ البتہ اسکے بعد آنے والے فعل پر "ان مصدریہ" آتا ہے تاکہ وہ مفعول بن سکے۔ لہذا " من " کے واسطہ سے مفعولیت کے درجہ میں ہو کہ عبارت کا مفہوم یہ ہو" ولا تساموا من ان تکتبوہ" یا بغیر کسی واسطہ کے براہ راست مفعول " ولا تساموا ان تکتبوہ " دونوں طرح جائز ہے۔ "صغیرا او کبیرا" دونوں " تکتبوہ "کی ضمیر سے حال واقع ہو رہے ہیں۔

(ماخوذ از صاوی)

Marfat.com

" صغیرا " کو" کبیر ا" پر مقدم کرنے کی وجہ:

"صغیرا " کو اہتمام کیلئے مقدم ذکر کیا ہے کہ لوگ عام طور پر چھوٹے لین دین پر لکھنے کو تردد سمجھتے تھے، یعنی اس میں وہ پریشان ہوتے ہیں کہ اسے لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔"فاکد تعالی التحضیض فی القلیل والکثیر" تو اللہ تعالی نے لکھنے پر برانگیختہ کرنے (ابھارنے) کیلئے تاکیدی طور پر حکم دیا کہ لین دین کے ہر معاملہ کو لکھ لو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہاں البتہ بہت ہی تھوڑی چیز ہو جو عام عرف میں اس کے لین دین کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی اور نہ ہی عرف میں اسے لکھا جاتا ہو تو اس کے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (قرطبی)

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

"الی اجلہ" (وقت مقرر تک) یہ ظرف مستقر ہے اور "تکتبوہ" کی "ھاء" ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جو مدیون کے ذمہ دین ہے جس کی ادائیگی کا وقت مقرر کر رکھا ہے اور مدیون اس کا اقرار بھی کر رہا ہو تو اسے لکھ لو۔

" ولیس متعلقا بتکتبوہ لعدم استمرار الکتابة الی الا جل اذھی مما ینقض فی زمن یسیر"

"الی اجلہ" جار مجرور کا تعلق "تکتبوہ" سے نہیں ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ وقت تک اسے لکھتے رہو، یہ مطلب درست نہیں کیونکہ لکھنے کا کام تو تھوڑے وقت میں ختم ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

﴿ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا﴾

" یہ تمہارے لئے انصاف کی بات ہے اللہ کے حضور اور درست ہے گواہی کیلئے اور قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو"۔

"ذالکم" کا اشارہ" ان تکتبوہ" کی طرف ہو جو مصدر کی تاویل میں ہے یعنی تمہارا لکھنا اللہ کے حضور انصاف کی بات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "ذالکم" کا اشارہ ماقبل امور کی طرف ہے یعنی جن چیزوں کا تمہیں حکم

Marfat.com

دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا تمہارے لئے انصاف کی بات ہے اللہ کے حضور۔ وہ حکم لکھنے کا دیا گیا ہے اور گواہ بنانے کا بھی دیا گیا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ لین دین کے معاملات کو تمہارا لکھنا اور گواہ بنانا تمہارے لئے اللہ کے حضور انصاف کی بات ہے۔ " القسط هو النصيب بالعدم كالنصف و النصفة" قسط کا معنی ہے "عدل و انصاف سے کسی کو حصہ دینا، برابر تقسیم کرنا" وغیرہ۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ﴾

تا کہ وہ جزا دے ایمان والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کو انصاف سے" اور رب تعالیٰ نے فرمایا

﴿وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ﴾ "اور قائم کرو وزن کو انصاف سے" یعنی برابر تولو، کمی نہ کرو"۔ (کبیر)

عربی زبان کی چاشنی:

" والقسط هو ان يا خذ قسط غيره وذلك جو روالاقساط ان يعطى قسط غيره وذلك انصاف"

" قسط" کا معنی یہ بھی آتا ہے کہ غیر کی قسط اور حصہ لے لینا یہ ظلم ہے اور اقساط (باب افعال کا مصدر) کا معنی ہے غیر کو قسط دینا، یہ انصاف ہے۔ "ولذلک قیل قسط الرجل اذا جار واقسط اذا عدل" یہی وجہ ہے کہ جب کوئی ظلم کرے تو اس وقت "قسط الرجل" کہا جاتا ہے اور جب کوئی انصاف کوے کو کہا جاتا "اقسط الرجل" رب تعالیٰ کے ارشادات گرامی میں دونوں معنی مذکور ہیں ﴿وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ "لیکن ظلم کرنے والے جہنم کا ایندھن ہیں"۔ یہاں "قاسطون" کا معنی ظلم کرنے والے اور ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ "بیشک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف کرنے والوں کو"۔ یہاں "مقسطین" کا معنی انصاف کرنے والے۔ (مفردات راغب)

"وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ" "اور درست ہے گواہی کیلئے"

یہاں لکھنے کا دوسرا فائدہ بیان کیا جارہا ہے کہ لین دین کے معاملہ کو لکھنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ لکھی ہوئی دستاویز کو دیکھ کر گواہی دینے والا درست گواہی دے گا۔ "اقوم" کا معنی ہے زیادہ درست "استقامت" میں مبالغہ پایا گیا ہے۔ یہ

Marfat.com

ضد ہے''اعوجاج'' کی جو سیدھا قائم ہوا سے کہا جاتا ہے''مستقیم'' اور جو ٹیڑھا ہوا سے کہا جاتا ہے''معوج'' لکھنے کا حکم دیا گیا "لان الکتابة سبب للحفظ والذکر فکانت اقرب الی الاستقامة" اسلئے کہ کتابت یاد رکھنے اور یاد آنے کا سبب ہے جس کی وجہ سے درست گواہی دی جاسکے گی۔

لکھنے کے پہلے فائدہ''اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اور ''وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ''میں فرق یہ ہے۔

" ان الاولی تتعلق بتحصیل مرضاة الله والثانية بتحصيل مصلحة الدنيا " بیشک پہلے فائدہ کا تعلق اللہ تعالی کی رضا مندی سے ہے، کہ لکھنا اللہ تعالی کے حضور انصاف پر مبنی ہے اور دوسرے فائدہ کا تعلق دنیا کی مصلحت سے ہے کہ گواہی درست دینے کا ذریعہ ہے۔''اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ " کو مقدم ذکر کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس سے یہ مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔" ان الدين يجب تقدم على الدنيا " بیشک دین پر مقدم ہے۔ (کبیر)

آج دنیا بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اسکی وجہ ہی یہ ہے کہ مسلمان دین پر دنیا کی مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں جسکی وجہ سے رب تعالی کی گرفت میں ہیں، کفار ان پر چھائے ہوئے ہیں کاش! کہ یہ دین کا لحاظ پہلے کریں اور دنیا کا لحاظ بعد میں کریں یعنی دنیاوی مصلحتوں کو دین پر قربان کر دیں اور دین کو دینی مصلحتوں پر قربان نہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی مسلمانوں کے قدم نہ چومے۔ (کبیر)

تنبیہ:

لکھے ہوئے خطوط کو دیکھ کر گواہ کو اصل واقعہ یاد آجائے تو گواہی دینے میں آسانی ہوگی، اصل واقعہ یاد نہ آئے تو صرف لکھی ہوئی دستاویز کو دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں کیونکہ خطوط کے ساتھ خطوط مشابہ ہوسکتے ہیں۔ (ماخوذ از قرطبی)

" اقسط " اور" اقوم "اسم تفضیل ہیں اور یہ ماخوذ ہیں" اقساط" اور" اقوام " سے تو ان کا اسم تفضیل بنانا کس طرح درست ہے جبکہ ثلاثی مزید سے " افعل "کے وزن پر اسم تفضیل نہیں آسکتا؟

تو اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ سیبویہ کا مذہب درست ہو وہ غیر ثلاثی مجرد سے''افعل'' کے وزن پر اسم تفضیل کو جائز مانتا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے " اقسط "ماخوذ ہو" قسط"(بمعنی

Marfat.com

انصاف) سے اور" اقوم "ماخوذ ہو" قویم "سے۔(از کبیر)

﴿وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾ "اور قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو"

یہ تیسرا فائدہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ تمہارے لکھنے کا یہ فائدہ حاصل ہوگا" فھی اقرب الی زوالی الشک والارتیاب عن قلوب المتدینین" کہ شک کے زوال کے قریب ہوگا اور لین دین کرنے والے شخصوں کے دل مطمئن ہوں اور ان کے دلوں سے شکوک وشبہات زائل ہوں گے۔ لکھنے کے پہلے دو فائدوں اور تیسرے فائدہ میں فرق یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے فائدہ میں مصلحت کا ذکر تھا، پہلے میں دینی مصلحت کا ذکر اور دوسرے میں دنیاوی مصلحت کا ذکر۔ اور یہ تیسرا ﴿وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾ جو ذکر کیا گیا ہے اس اپنے نفس اور غیروں سے ضرر کو دور کرنے کیلئے بیان کیا گیا ہے۔ اپنے نفس سے ضرر دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب لکھی ہوئی چیز سامنے آئے گی تو اسے تمام معاملات یاد آ جائیں گے یہ شکوک اس سے زائل ہو جائیں گے کہ یہ معاملہ کیسے تھا۔ یہ جو میں دعوی کر رہا ہوں کیا بالکل سچ ہے یا بھولنے وغیرہ کی وجہ سے اس میں کوئی جھوٹ بھی پایا گیا ہے۔ لیکن غیروں سے ضرر کو دور کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دوسرا شخص جب تحریر کو دیکھے گا تو اسے بھی یقین آ جائے گا کہ ہاں مدعی سچا ہے۔ اگر تحریر نہ ہوئی تو وہ مدعی کو جھوٹا کہے گا اور یہ کہے گا کہ اس کا قول درست نہیں تو وہ یا تو غیبت کا مرتکب ہوگا یا بہتان کا۔ اسلئے تحریر اسے وثوق دلا کر ان عظیم جرائم یعنی غیبت اور بہتان جیسے کبائر سے بچا لے گی۔

"فما احسن ھذا الفوائد وما ادخلھا فی القسط وما احسن ما فیھا من الترتیب"

کتنے ہی اچھے ہیں یہ فوائد اور کتنے ہی زیادہ انصاف کرنے کی ترغیب دلا رہے ہیں اور ان فوائد کی کتنی ہی اچھی ترتیب ہے۔ (کبیر)

جب یہ کلام ہی رب قدوس کا ہے تو یقیناً اس میں ہر قسم کے فوائد نے پایا جانا ہے۔

فائدہ:

"وھذا حکمة خلق اللوح المحفوظ والکرام الکاتبین مع انه الغنی الکامل عن کل

Marfat.com

شئی تعلیماللعباد وارشادا للحکام"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم وتربیت کیلئے اور حکام کی راہنمائی کیلئے لوح محفوظ کو پیدا کیا اور کراما کاتبین فرشتوں کو کہ ہمارے لکھنے کے نظام سے ہمارے بندوں کو بھی تعلیم حاصل ہوگی، وہ بھی لکھ لیا کریں گے ورنہ رب تعالیٰ کامل غنی ہے اسے لکھنے کی کیا ضرورت ہے، وہ ذات بھولنے اور غلطی سے پاک ہے۔ (روح المعانی)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خوب تحقیق:

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب خط تبدیلی سے محفوظ رہا ہو تو صرف خط پر اعتبار کرتے ہوئے گواہی دی جاسکتی ہے۔

"الاتری ان الصحابة والتابعین کانوا یعملون علیٰ کتب النبی ﷺ وخلفائه کما کانوا یعملون علی خطابته"

صاحبین نے اپنے مؤقف پر دلیل یہ قائم کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے خطوط پر اعتبار کر کے اسی طرح عمل کیا جس طرح وہ آپ ﷺ کے خطابات کو سن کر کرتے تھے۔ امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہے خود عمل کرنا اور ایک ہے گواہی دینا۔ خطوط پر عمل کر کے خود عمل تو کیا جاسکتا ہے لیکن گواہی نہیں دی جاسکتی۔

"لان الشهادة مبنی علی المشاهدة ومن ثم یشترط لفظ الشهادة وقد قال علیه الصلوٰة والسلام اذا رائیت مثل الشمس فاشهد"

کیونکہ شہادت کا دارومدار مشاہدہ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گواہی دیتے وقت لفظ شہادت کا ذکر کرنا (یعنی میں گواہی دیتا ہوں) ضروری ہے۔ یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ میں جانتا ہوں، میں نے سنا ہے ہاں یہ اسی طرح ہے وغیرہ ایسے الفاظ سے گواہی ادا نہیں ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی روز روشن کی طرح جگمگا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تم سورج کی طرح (واقعہ کو خوب) دیکھ لو تو گواہی دو۔ (از مظہری)

راقم کے نزدیک یہ دلیل قوی نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف خطوط کو دیکھ کر عمل کیا ہو، کسی صحابی کو بھی خط دیکھ کر آپ ﷺ کے ارشادات یاد نہ آتے ہوں۔ بظاہر یقین اسی بات پر ہے کہ صحابہ کرام کو خطوط دیکھ کر آپ ﷺ

Marfat.com

کے ارشادات بھی یاد آ گئے تھے۔اس لحاظ پر ان کا عمل خطوط وارشادات پر مبنی ہے۔

﴿اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَلَّا تَكۡتُبُوۡهَا﴾

''مگر یہ کہ ہاتھ بہاتھ ہو جس کو تم دائر (جاری) کرو اپنے درمیان تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ تم اسے نہ لکھو''

یہ حکم ماقبل سے مستثنیٰ ہے۔(لکھنے سے تم ملال میں نہ پڑو) مگر یہ کہ جب تجارت ہاتھ بہاتھ ہو، ادھر سے چیز دی، ادھر سے لے لی اسے نہ لکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب ادھار نہیں سودا نقد سے ہو رہا ہو تو اس میں بھولنے کا یا نزاع (جھگڑے) کا کوئی خطرہ نہیں۔اگر ہاتھ بہاتھ تجارت پر بھی گواہ بنانے اور لکھنے کا حکم دیا جاتا تو اس میں فریقین کیلئے آسانی کی بجائے مشکلات پیدا ہوتیں۔ (خازن)

'' التجارة عبارة عن التصرف فی المال سواء کان حاضرا اوفی الذمة لطلب الربح''

تجارت کا معنی ہے مال میں تصرف کرنا خواہ وہ ہاتھ بہاتھ ہو یا ادھار ہو اسی لئے ''تجارة'' کے ساتھ ''حاضرة'' کی قید بڑھا دی تا کہ نہ لکھنے والا حکم تجارت حاضرة یعنی نقد خرید وفروخت کو ہی شامل ہو۔ (ماخوذ از کبیر)

﴿وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ﴾ ''اور گواہ بنالو جب تم خرید وفروخت کرو''۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ اور داؤد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ یہ امر وجوب کیلئے ہے۔مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت نقد سے ہو یا ادھار اس پر گواہ بنانے واجب ہیں اور ایک قول ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے کہ یہ حکم وجوب کیلئے تھا لیکن بعد میں ﴿فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا﴾ سے منسوخ ہو گیا۔

'' وعند الجمهور الامر للندب و کثیرا مالم یشهد النبی ﷺ عند المبایعة''

اور جمہور حضرات کے نزدیک امر استحباب کیلئے ہے کیونکہ اگر امر وجوب کیلئے ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس پر عمل

Marfat.com

ضرور کرتے حالانکہ کثیر مواقع خرید وفروخت آپ ﷺ کو درپیش آئے لیکن آپ ﷺ نے گواہ نہیں بنائے۔

"روی احمد من حدیث عمارة بن خزیمة عن عمه وھو من اصحاب النبی ﷺ ان النبی ﷺ ابتاع فرسامن اعرابی فاسرع النبی ﷺ فی المشی لیؤتی ثمن فرسه وابطأ الاعرابی فطفق رجال یعرضون للاعرابی فیساومون بالفرس لا یشعرون ان النبی ﷺ ابتاعه حتی زاد بعضھم الاعرابی فی السوم علی ثمن الفرس فنادی الاعرابی النبی ﷺ ان کنت مبتاعا لھذا الفرس فابتعه والا بعته فقام النبی ﷺ حین سمع نداء الاعرابی فقال اولیس قدابتعته منک فقال لا واللہ ما بعتک فقال النبی ﷺ بلی قد ابتعته فطفق الاعرابی یقول ھلم شھیدا یشھدانی قد بایعتک فطفق الناس یقولون للاعرابی ویلک ان رسول اللہ ﷺ لم یکن لیقول الا حقا حتی جاء خزیمة فاستمع مراجعه النبی ﷺ ومراجعة الاعرابی و طفق الاعرابی یقول ھلم شھیدا یشھدانی بعتک فقال خزیمة انا اشھد انک قد بایعته، فاقبل النبی ﷺ علی خزیمة فقال بم تشھد قال بتصدیقک یا رسول اللہ فجعل رسول اللہ ﷺ شھادة خزیمة بشھادة رجلین"

مسند احمد میں عمارہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی گئی جو انہوں نے اپنے چچا سے روایت کی جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا تو نبی کریم ﷺ جلدی جلدی چلے تاکہ اعرابی کو گھوڑے کی قیمت ادا کر دیں۔ اعرابی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اسے کئی اور لوگ ملے جو اس سے گھوڑے کا بھاؤ کرنے لگے ان کو معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ یہ خرید چکے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے گھوڑے کی قیمت زیادہ چڑھا دی۔ اعرابی نے نبی کریم ﷺ کو پکارا کہ اگر تم گھوڑا خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو ورنہ میں بیچ دوں۔ نبی کریم ﷺ اس کی آواز سن کر کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے یہ خرید نہیں لیا؟ وہ کہنے لگا، نہیں۔ قسم ہے اللہ کی میں نے تم پر نہیں بیچا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں میں نے تو تم سے

Marfat.com

خرید لیا ہے۔ اعرابی کہنے لگا تم گواہ لاؤ کہ میں نے تم پر یہ بیچ دیا ہے، لوگ اعرابی کو کہنے لگے تمہاری بربادی، بیشک رسول اللہ ﷺ تو کوئی ناحق بات نہیں فرماتے صرف حق بات ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خزیمہ رضی اللہ عنہ آگئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور اعرابی کی بات کو سنا، اعرابی پھر کہنے لگا کوئی گواہ لاؤ جو گواہی دے کہ میں نے یہ تمہیں بیچ دیا ہے۔ خزیمہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا حضور ﷺ پر فروخت کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے کیسے گواہی دے دی، انہوں نے کہا آپ کی تصدیق کرتے ہوئے یا رسول اللہ ﷺ، تو رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ رضی اللہ عنہ اکیلے کی گواہی دو مردوں کے برابر قرار دی۔

اس حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کئی مرتبہ خرید و فروخت پر گواہ نہیں بنائے جیسے اعرابی سے گھوڑے کی خرید پر آپ نے گواہ نہیں بنائے۔

حدیث شریف سے مسائل کے استنباط میں قاضی مظہری رحمہ اللہ کا موقف:

آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے گھوڑا خریدنے پر اپنے علم کے مطابق حکم لگایا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اعرابی جھوٹا ہے صرف خزیمہ رضی اللہ عنہ کے اکیلے گواہی کو دو مردوں کے برابر سمجھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے کمال ایمان اور کامل عقل اور سمجھ کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ فرمایا۔

"ویستنبط من هذا الحديث ان القاضي لو كان عالما بالحق يسعه الحكم على وفق علمه لان علمه فوق ما يحصل من الظن بشها دة رجلين"

اور اس حدیث پاک سے یہ ثابت ہوا کہ بیشک قاضی اگر حق کو جانتا ہو اور گواہوں کو یقین نہ ہو۔ بلکہ گمان ہو تو قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دے، کیونکہ اسکا علم بنسبت گواہوں کے گمان کے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔

"كما ان ابا بكر حكم على فاطمة بمنع الارث بحديث وسمعه النبي ﷺ نحن معا

Marfat.com

شر الا نبیا لا نورث"

جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے منع کرنے کا حکم لگایا بوجہ (اپنے علم پر اعتبار کرتے ہوئے) اس کے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے آپ نے ارشاد سنا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا ہم انبیاء کرام کے گروہ کا کسی کو وراثت نہیں بنایا جاتا۔ اسی سے واضح ہو کہ بادشاہ یا قاضی یا ان کا غیر اگر کسی سے کوئی چیز خریدے یا اسکا کسی پر کوئی حق ہو۔

"وھو یعلم ذلک یقینا وسعہ ان یا خذ من ذلک الغیر حقہ جبرا وان کا ن ذلک الغیر منکر الحقہ"

اور اسے یقینی طور پر اسکا علم ہو تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص سے اپنا حق جبراً لے لے اگرچہ وہ غیر اسکے حق کا منکر ہو۔ یہ سارا مسئلہ اس وقت ہے جب قاضی نے اپنا حق غیر سے لینا ہو۔ لیکن جب کوئی اور شخص قاضی کے پاس اپنا دعوی لائے تو قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ مدعی سے گواہ طلب کرے گا۔ (مظہری)

احتیاط یہ ہے کہ گواہ بنالئے جائیں:

" عن النبی ﷺ قال ثلاثہ یدعون اللہ فلا یستجا ب لھم رجل لہ امراۃ سیئۃ الخلق فلم یطلقھا ورجل دفع مال یتیم قبل ان یبلغ ورجل ا قرض رجلا مالا فلم یشھد"

(رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخصوں کی دعاء اللہ تعالی قبول نہیں فرماتا، ایک وہ شخص جسکی زوجہ بد خلق، بدمزاج ہو تو یہ اسے طلاق نہ دے اور دوسرا وہ شخص جو یتیم کا مال اسے بالغ ہونے سے پہلے ہی دے دے (وہ بچپن کی وجہ سے مال ضائع کردے) اور تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال بطور قرض دے اور گواہ نہ بنائے۔ (صابونی)

یہ خیال رہے کہ یہ وعید وجوب پر ہوسکتی ہے، وجوب اسی وقت ہوگا جب قرض دیتے وقت ہی غالب گمان ہو جھگڑا

Marfat.com

پیدا ہونے کا، ورنہ گواہ بنانے مستحب ہیں ترک مستحب پر وعید نہیں اور دعاء کی قبولیت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی دعاء ان الفاظ سے ہی قبول نہیں ہوگی، ان کو نیکی کی توفیق عطاء کر کے یا گناہوں سے دور کر کے دعا کو قبول کر لیا جائے گا۔ زیادہ تفصیل دوسرے پارہ ﴿اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ کی وضاحت کے ضمن میں دیکھئے۔ (راقم)

﴿وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ﴾

''اور نہ ضرر پہنچایا جائے لکھنے والے اور نہ گواہ کو'' (یا) ''اور ضرر نہ پہنچائے لکھنے والا اور نہ گواہ۔''

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے یہ دونوں ترجمے کیے اور راقم نے بھی دونوں نقل کر دیئے دو ترجمہ کرنے کی وجہ کیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسرین کرام نے "ولا یضار" کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صیغہ مجہول کا ہو، اصل میں 'ولا یضارر" (بفتح الراء) ہو اس لحاظ پر، ''کاتب ولا شهید'' مفعول مالم یسم فاعلہ (نائب فاعل) ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوگا اور نہ ضرر پہنچایا جائے لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اصل میں "ولا یضارر" (بکسر الراء) ہو۔ اس صورت میں ''کاتب ولا شهید'' فاعل ہوں گے۔ معنی یہ ہوگا اور ضرر نہ پہنچائے لکھنے والا اور نہ گواہ۔ لکھنے والے اور گواہ کو ضرر نہ پہنچائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو طلب کیا جائے وہ کہیں ہم مشغول ہیں کسی کام میں یا کہیں ہم مریض ہیں وغیرہ اس قسم کا کوئی عذر پیش کریں کہ اور گواہ بھی ہیں ان کو طلب کر لیا جائے اور لکھنے والے بھی ہیں ان سے لکھوا لیا جائے لیکن مدعی ان کو ہی مجبور کرے تو یہ ان کو ضرر پہنچانا ہے۔ اسی طرح لکھنے والے کو کاغذ اور سیاہی وغیرہ کی اجرت ادا نہ کرنا اور گواہ کو عدالت کے دور ہونے پر سواری کا کرایہ نہ دینا بھی ان کو ضرر پہنچانا ہی ہے۔ ''لکھنے والا ضرر نہ پہنچائے'' کا مطلب کیا؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ لکھنے والا زیادہ لکھ کر، یا کم لکھ کر یا لکھنے کی احتیاط کو چھوڑ کر مدعی اور مدعی علیہ کو نقصان نہ پہنچائے بلکہ عدل وانصاف سے حق بات لکھے۔

''گواہ ضرر نہ پہنچائے'' اسکا مطلب کیا ہے؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ گواہ گواہی نہ دے کر نقصان نہ پہنچائے یا ایسی گواہی دے جس کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو یعنی مقدمہ کے فیصلہ کرنے میں اس کی مبہم (غیر واضح) گواہی فائدہ مند نہ ہو

Marfat.com

توان صورتوں میں گواہ کو گویا کہ صاحب حق کو نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔

﴿وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌ بِكُمۡ﴾

''اور اگر تم نے (ایسا) کیا تو وہ بے شک فسق ہوگا تمہارا''

یعنی جن کاموں سے منع کیا گیا ہے اگر تم نے وہ کام کیے تو یہ گناہ ہوگا، فسق و فجور ہوگا۔ لہٰذا تم ان کاموں سے باز آجاؤ جن سے رب تعالیٰ نے منع فرمایا۔ یعنی لکھنے والا اور گواہ مدعی اور مدعی علیہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور صاحب حق ان کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

"فانه فسوق "ای یترتب علیه الفسوق آخر لان من لم یدر العواقب فلیس له فی الدنیا صاحب"

یعنی رب تعالیٰ کے حکم کی عدولی گناہ ہے اور کے اوپر ایک اور فسق مرتب ہوتا ہے، اسلئے کہ جو شخص انجام کو نہ جانے اس کا دنیا میں کوئی دوست و مددگار نہیں ہوتا۔ (صادی)

خیال رہے کہ " بکم "میں باء معنوی لحاظ پر زائد ہو اور فسوق کے متعلق ہو، ایک احتمال یہ ہے اسی کے مطابق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے "تو یہ تمہارا فسق ہوگا"۔ راقم نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ تاہم جلالین میں " بکم " سے پہلے "لاحق "لفظ ذکر کیا گیا ہے کہ " بکم " کا تعلق "لاحق " سے ہے اور باء الصاق کیلئے ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا "بے شک فسق تمہیں لاحق ہونے والا ہے" یعنی فسق تمہارے ساتھ ملنے والا ہے۔ (راقم)

"فسوق ای خروج عن الطاعة" فسق کا معنی ہی "طاعت سے نکلنا" ہے یعنی جن کاموں سے تمہیں روکا گیا ہے ان کے کرنے سے تم اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہو جاؤ گے۔

تنبیہ :

﴿وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌ بِكُمۡ﴾ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہاں خاص طور پر جن چیزوں کا ذکر ہے

Marfat.com

کہ لکھنے سے ملال میں نہ پڑو، لکھنے والے اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور لکھنے والا اور گواہ صاحب حق کو نقصان نہ پہنچائیں، ان کاموں کا کرنا جن سے روکا گیا ہے فسق ہے۔ لیکن عام الفاظ کو دیکھتے ہوئے اور اس ضابطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ خصوص مورد کا لحاظ نہیں عموم الفاظ کا اعتبار ہے تو اسے عام ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔

"یعنی انه عام فی جمیع التکلیف والمعنی وان تفعلو شیئا مما نهیتکم عنه اوتترکو اشیئا مما امرتکم بہٖ فانه فسوق بکم ای خروج عن امر الله وطاعته"

یعنی یہ حکم عام ہے مکلفین کو جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سب کو شامل ہے بلکہ تمام امور کو بھی شامل ہے اب معنی یہ بنا کہ اگر تم نے وہ کام کیے جن سے رب تعالی نے منع فرمایا، یا تم نے وہ کام چھوڑ دیئے جن کا تمہیں حکم دیا گیا تو یہ تمہارا فسق ہے یعنی اللہ تعالی کے امر اور اطاعت سے نکلنا لازم آئے گا۔ (کبیر)

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

"اور ڈرو اللہ سے اور سکھاتا ہے تمہیں اللہ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے"۔

یعنی اللہ تعالی کے اوامر اور نواہی میں اسی سے ڈرو اور وہ تمہیں سکھاتا ہے یعنی "ویعلمکم الله ای العلم النافع لان العلم نور لا یهدی لغیر المتقی" اللہ تعالی تمہیں نفع مند علم عطاء کرتا ہے اس لئے کہ علم نور ہے اور نور سوائے متقی کے کسی اور کو ہدایت عطاء نہیں کرتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

شکوت الی وکیع سوء حفظی فارشدنی الی ترک المعاصی
واعلمنی بان العلم نور ونور الله لا یهدی لعاصی

میں نے حضرت وکیع رحمہ اللہ سے اپنے حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے میری گناہوں کو چھوڑ دینے کی راہنمائی کی اور آپ نے مجھے بتایا کہ بیشک علم نور ہے اور اللہ کا نور نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

"وقال الامام مالک من عمل بما علما ورثه الله علم مالم یکن یعلم فالتقوی سبب

Marfat.com

لا عطاء العلم النافع"

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطاء فرماتا ہے جو اسے پہلے حاصل نہیں تھا لہذا التقوی سبب ہے نفع مند علم کے حاصل ہونے کا۔ (صاوی)

﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ "اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے"۔

اس پر تمہارا حال مخفی نہیں وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر کامل رحمت ہے کہ وہ ان کے اعمال کی کیفیات کو جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اس آیۃ کریمہ میں اپنے بندوں کو واضح طور پر لین دین کے احکامات بیان فرمائے کہ حقوق کی حفاظت کیلئے لکھنے کا حکم دیا اور گواہ بنانے کا حکم دیا گواہی کو حاصل کرنا یعنی گواہ بننے کا حکم دیا، گواہی دینے کا حکم دیا، پھر عدل وانصاف سے لکھنے کا حکم دیا، ان تمام احکام کی اصل وجہ یہ ہے:

"لئلا یجری من بعضهم علی بعض حیف ولئلا یتخاصموا ویتنازعوا فیحقد بعضهم علی بعض"

کہ بعض لوگ دوسرے پر ظلم نہ کریں، اور ایک دوسرے کوئی جھگڑا اور کوئی تنازع نہ کریں یہ جھگڑے اور فساد ایک دوسرے سے کھوٹ کینہ اور بغض کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے گویا کہ اس آیۃ کریمہ میں بہت بسیط طریقہ سے وضاحت فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ

"ان مراعاة حقوق الخلق واجبة والاحتیاط علی الاموال التی بها امور الدین والدنیا لازم فمن سعی بالحق فقد نجا والا فقد غوی"

بیشک مخلوق کے حقوق کی رعایت واجب ہے۔ اور امور دین ودنیا میں مال کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے جس شخص نے حق کی کوشش کی تحقیق وہ نجات حاصل کر گیا ورنہ بھٹک گیا۔

کسے را کہ سعی قدم بیشتر — بدرگاہ حق منزلش پیشتر

جس کسی نے زیادہ کوشش کا قدم بڑھایا۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مقام آگے ہوگا (یعنی اسے قرب الٰہی حاصل ہوگا) یعنی جس نے اعمال میں زیادہ سے زیادہ کوشش کی اسے رب تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا۔ (از روح البیان)

Marfat.com

فائدہ جلیلہ : اس آیۃ کریمہ میں غور وفکر کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ ایک اللہ تعالیٰ کا حال بندوں سے ہے اور دوسرا حال بندوں کا اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اور تیسرا حال بندوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ہے۔

رب تعالیٰ کا حال بندوں سے یہ ہے:

کہ وہ اپنے بندوں پر اپنی مہربانیوں کو ظاہر فرماتا ہے، ان پر نرمی فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیاوی معاملات سکھائے تاکہ وہ دنیا کے معاملہ میں خسارہ میں نہ ہوں اور ان کے درمیان عداوت نہ ہو اور کوئی جھگڑا نہ پایا جائے جس کی وجہ سے ان کی دنیاوی زندگی برباد نہ ہو اور آخرت میں عذاب کے مستحق نہ ہوں۔ اللہ کے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ ان احکام اور ظاہری تکالیف کو اپنے لئے رحمت سمجھیں ''استعملھم بھا لیفیض بھا علیھم سجال نعمہ'' اور ان احکام پر عمل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی نعمتوں کے ڈول بھر بھر کہ بہائے یعنی ان پر بہت زیادہ اپنی نعمتوں کا فیضان کرے، رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ﴾

''اللہ تعالیٰ یہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تمہیں حرج میں ڈالے لیکن ارادہ فرماتا ہے کہ وہ تمہیں پاکیزہ کرے اور تم پر اپنی نعمتیں مکمل فرمائے''

بندوں کو یہ علم حاصل ہونا چاہیے کہ وہ دقیق مسائل کی رعایت کریں، وہ یہ جانیں کہ امور دنیوی فانی ہیں اور امور اخروی باقی ہیں بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کثیر دقائق پائے جاتے ہیں اور بندں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا حساب لیا جائے گا۔

''وعلی مثقال ذرہ من خیر ھامثابون وعلی مثقال ذرہ من شرھامعاقبون''

اور ایک ذرہ بھر نیکی کا انہیں ثواب دیا جائے گا اور ایک ذرہ بھر برائی پر انہیں (اگر رب کا فضل نہ ہوا) عذاب دیا جائے گا اور بندوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ امور دنیا کی رعایت زیادہ بہتر اور مناسب ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے جس طرح بندوں کو اپنے لین دین کے معاملات کو لکھنے کا حکم دیا اور عدل وانصاف سے لکھنے کا حکم دیا، اسی طرح اس نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان ان کی جانوں کو خریدنے کا ایک وعدہ لکھا اور ارشاد فرمایا۔

Marfat.com

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

"بیشک اللہ نے خرید لیا ہے مؤمنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو بیشک اسکے بدلے ان کیلئے جنت ہے۔"

"وعلی هذا عاهدهم واشهد الملا ئکه الکرام علیه ثم رقم فی الکتا ب ان یا قوته من الجنة ودیعة الحجر الاسود"

اسی پر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا اور ملائکہ کو اس پر گواہ بنایا، پھر یہ معاہدہ لکھ دیا گیا اور بیشک اسکا جنتی یا قوت امانت ہے، وہ حجر اسود ہے یعنی وہ معاہدہ حجر اسود میں محفوظ کر دیا گیا۔

بندوں کا حال آپس میں:

بندوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کو دیکھ کر اپنے آپ میں وہی صفات لائیں تا کہ بندے رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر نظر آئیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں، رحمتوں اور فضل وکرم کو دیکھ کر بندے آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں اور ایک دوسرے سے نرم سلوک کریں، اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کریں، رب تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہی کسی سے ناراض ہوں اور اسی کی رضاء کیلئے کسی سے محبت کریں، یعنی "الحب لله والبغض لله" کا کامل نمونہ بن کر رہیں۔

"ولیتمسک بعروة محبتهم فی الله وجذ بتهم لله ونصحهم بالله لیحرز فی رفقتهم صراطا مستقیما ویفوز من زمر تهم فوزا عظیمافقی جمیع الاحوال کونوامع الله"

بندوں سے محبت کی رسی کو اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہی مضبوطی سے پکڑے، ان کی محبت کو کھینچ کر اللہ کیلئے ہی اپنے دل میں بسالے اور ان کو اللہ کے دین کی خالص نصیحت کرے اور رب تعالیٰ کی رضاء کیلئے ان سے خالص محبت رکھے، نیک لوگوں کی رفاقت حاصل کر کے سیدھی راہ کو اختیار کرے اور ان کی جماعت سے مل کر بہت بڑی کامیابی حاصل کرے تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا یہی مطلب ہے کہ تمہارا ہر کام اللہ کیلئے ہو، کوئی کام کر وتو اللہ کیلئے اور کوئی کام چھوڑ وتو اللہ کیلئے، کسی سے محبت کر وتو اللہ کیلئے کسی سے بغض رکھوتو اللہ کیلئے، نیک لوگوں کی محافل میں بیٹھوتو اللہ کیلئے اور برے لوگوں کی محافل سے کنارہ کشی کر وتو اللہ کیلئے۔

یہ تین احوال جو بیان کئے ہیں ان تمام میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ جمیع احوال میں تمہارے اقوال وا

Marfat.com

فعال کو جاننے والا ہے، وہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، وہ تمہارے چھپے ہوئے رازوں کو جانتا ہے، وہ تمہارے اچھے اعمال کی تمہارے خلوص کے مطابق اور تمہاری صاف نیتوں کے مطابق جزاء دے گا۔

"فطوبی لمن صفی قلبه عن سفساف الا خلاق وعزم الی عالم السر والاطلاق واحسن المعامله مع الله فی جمیع الحالات ووصل الی الدرجات العالیات"

وہی خوش قسمت انسان ہے جس نے گھٹیا اخلاق سے اپنے دل کو صاف کرلیا اور رب تعالی کے قرب کیلئے اسی ذات کی طرف رجوع کرنے کا عزم کرلیا اور اسی ذات کی طرف چلا، یہی وہ مقام ہے جسے "عالم سر" (رازوں کا جہاں) کہا جاتا ہے۔

"ان عالم الغیب کالبیت المزین والهوی کالنقع المثار فما دام لم یترک المرء هواء لا یری ما یهواه فان الحجاب اذا توسط بین الرائی والمرئی یمنع من الرئویة فارفع الموانع من البین وتشرف بوصول العین"

جس طرح مزین گھر کی زینت کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اسے گرد وغبار سے صاف رکھے، گرد وغبار کے ہوتے ہوئے زیب وزینت برقرار نہیں رہ سکتی، اسی طرح (بلا تشبیہ وتمثیل) اگر تم اللہ تعالی عالم الغیب کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی خواہشات نفسانیہ کو ترک کردو، اسی کی رضاء حاصل کرو، جب تک تم خواہشات نفسانیہ کو نہیں چھوڑو گے تو اپنے محبوب (یعنی رب تعالی کی ذات) کی تجلیات کو نہیں دیکھ سکو گے، کیونکہ یہ خواہشات حجاب کی حیثیت ہیں، جب تک دیکھنے والے اور جس چیز کو دیکھنا ان کے درمیان حجاب (پردہ) ہو تو دیکھنا ممکن نہیں اسی طرح رب تعالی کی تجلیات کو پانا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ موانع نہ اٹھائے جائیں، خواہشات نفسانیہ کی کدورت اور گرد وغبار کو دور کردو تو رب تعالی کا تمہیں قرب حاصل ہوگا اور اسکی تجلیات کا تمہیں مشاہدہ نصیب ہوگا۔ بیشک تم مکان میں ہوگے وہ لامکان میں لیکن ذات قدیر کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ تمہیں اپنا قرب عطاء کردے بیشک اس قرب کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (ماخوذ از روح البیان)

☆ "اخرج ابو یعقوب البغدادی فی کتاب روایة الکبار عن الصغار عن سفیان قال من

Marfat.com

عمل بمایعلم وفق لما لایعلم"

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شخص علم کے مطابق عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید علم کی توفیق عطاء فرمادیتا ہے جو علم اسے حاصل نہیں ہوتا۔ (درمنثور)

☆ " اخرج ابو نعیم فی الحلیة عن انس قال قال رسول الله ﷺ من عمل بما علم ورثه الله علما مالم یعلم"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس علم کا وارث بنا دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔ (درمنثور)

☆ "واخرج الترمذی عن یزید بن سلمة الجعفی انه قال یا رسول الله انی سمعت منک حدیثا کثیرا اخاف ان ینسینی اوله آخره فحدثنی بکلمة تکون جماعا قال اتق الله فیما تعلم"

یزید بن سلمہ جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ بیشک میں نے آپ سے کثیر حدیثیں سنی ہیں، مجھے خوف ہوتا کہ میں آگے پہنچتا ہوں تو پیچھے سے بھول جاتا ہوں۔ اس لئے مجھے کوئی ایسا کلمہ بتائیں جس کی وجہ سے وہ مجھے مکمل طور پر یاد رہیں۔ آپ نے فرمایا جو علم تمہیں حاصل ہے اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو (یعنی علم کے مطابق عمل کرو) (درمنثور)

☆ " واخرج الدارمی عن عبد الله بن عمر ان عمر بن الخطاب قال لعبدالله بن سلام من ارباب العلم قال الذین یعملون بما یعلمون قال فما ینفی العلم من صدور الرجال قال الطمع"

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہم) سے پوچھا کہ اصحاب علم کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا جو لوگ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ علم لوگوں کے سینوں سے کس چیز کو دور رکھتا ہے تو انہوں نے کہا لالچ کو (درمنثور) یعنی حقیقی عالم وہ ہے جو علم کے مطابق عمل کرے اور اس کے دل میں لالچ نہ پائی جائے، رب تعالیٰ کے حضور عرض کناں ہوں کہ اے رب کائنات ہمارے قال کو حال بنا دے اور دینی علوم کی تعلیم اور مسائل کے بیان کرنے اور فتوی لکھنے میں کسی طرح دل میں لالچ نہ آئے، طمع وحرص کے

Marfat.com

بغیر علوم دینیہ کی تعلیم دے سکیں۔ (یا اللہ! یہود و نصاری کی سازش سے علماء اور علوم دینیہ کی حفاظت فرما)۔ (درمنثور)

☆ "واخرج البیھقی فی الشعب عن جابر بن عبد اللہ قال تعلموا الصمت ثم تعلموا الحلم ثم تعلموا العلم ثم تعلموا العمل بہ ثم انشروا"

حضرت جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خاموشی سیکھو، پھر بردباری سیکھو، پھر علم سیکھو، پھر علم کے مطابق عمل کرنا سیکھو، پھر علم کو پھیلاؤ۔ (درمنثور)

یعنی تبلیغ کرنا آخری درجہ ہے، اس سے پہلے یہ تمام چیزیں حاصل ہونا ضروری ہیں، خاموشی،، بردباری، علم اور علم کے مطابق عمل۔

☆ "واخرج ابو الشیخ من طریق جویبر عن الضحاک عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ العلم حیاۃ الاسلام وعماد الایمان ومن علم علما أنمی اللہ لہ الی یوم القیامۃ ومن تعلم علماء فعمل فان حقا علی اللہ ان یعلمہ مالم یکن یعلم"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم اسلام کی زندگی ہے (یعنی علم دین اور علماء دین کی وجہ سے ہی اسلام زندہ رہے گا) اور علم ایمان کا ستون ہے اور جس شخص نے علم حاصل کیا اللہ تعالی اسکا اجر قیامت تک بڑھاتا رہے گا اور جس شخص نے علم حاصل کیا پھر اسے مطابق عمل کیا تو بیشک اللہ تعالی نے اپنے ذمہ کرم پر یہ لگا لیا ہے کہ وہ بندہ یہ حق رکھتا ہے کہ اسے وہ علم عطاء کر دیا جائے جو علم وہ نہیں جانتا۔ (درمنثور)

☆ "واخرج ھناد عن الضحاک قال ثلاثہ لا یسمع اللہ تعالی لھم دعاء رجل معہ امراۃ زناء کلما قضی شھوتہ منھا قال رب اغفرلی فیقول الرب تبارک وتعالیٰ تحول عنھا وانا اغفرلک والافلا ورجل باع بیعا الی اجل مسمی ولم یشھد ولم یکتب فکافرہ الرجل بمالہ فیقول یارب کافرنی فلان بمالی فیقول الرب لا آجرک ولا اجیبک انی امرتک بالکتاب والشھود فعصیتنی ورجل یأکل مال قوم وھو ینظر الیھم ویقول یا رب اغفرلی ما أکل من مالھم فیقول الرب تعالی

Marfat.com

ردالیھم مالھم والا فلا"

ضحاک کہتے ہیں تین اشخاص کی دعاء کو رب تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، ایک وہ شخص جو کسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ جب بھی اس سے اپنی شہوت پوری کر لیتا ہے تو کہتا ہے۔"رب اغفرلی" اے میرے رب میری مغفرت فرما رب تعالیٰ فرماتا ہے تو اس فعل سے اور اس عورت سے مکمل طور پر پھر جا، دور ہو جا تو میں تیری مغفرت کردوں گا ورنہ نہیں (کیونکہ تیری توبہ سچے دل سے نہیں ہوتی صرف زبان سے مغفرت کی دعاء توبہ کیلئے کافی نہیں) اور (دوسرا) وہ شخص جو ایک وقت تک (یعنی ادھار) خرید وفروخت کرتا ہے اور گواہ نہیں بناتا اور لکھتا نہیں وہ خریدار اس کے مال کا انکار کر دیتا ہے کہ میں نے اس کا کوئی مال نہیں دینا تو وہ شخص (یعنی بائع) کہتا ہے اے میرے رب فلاں شخص نے میرے مال کا انکار کر دیا ہے تو رب تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں کوئی اجر نہیں دوں گا اور نہ ہی تیری دعاء کو قبول کروں گا کیونکہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ ادھار لین دین کو لکھ لینا اور گواہ بنا لینا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی (خیال رہے کہ یہ وعید اسی وقت ہے جبکہ پہلے ہی معلوم تھا کہ جس سے میں ادھار کی بیع کر رہا ہوں وہ فراڈی، جھوٹا ہے انکار کر دے گا تو لکھنا واجب تھا ورنہ لکھنا یا گواہ بنانا مستحب ہے، ترک مستحب پر گناہ اور وعید نہیں) اور تیسرا وہ شخص ہے جو لوگوں کا مال ناحق طور پر کھاتا رہتا ہے۔ وہ ان کو دیکھ رہا ہوتا ہے (یعنی قوم کا مال ان کے سامنے ظالمانہ طور پر ہڑپ کر جاتا ہے) پھر کہتا اے میرے رب میری مغفرت فرما دے جو مال میں ان کا کھا رہا ہوں، تو رب تعالیٰ فرماتا ہے ان لوگوں کا مال ان پر لوٹا دے تو میں تیری مغفرت کردوں گا ورنہ نہیں۔ (یعنی بندے جب تک خود اپنے حقوق معاف نہ کریں میں ان کے حقوق (یعنی حقوق العباد) معاف نہیں کرتا۔ (درمنثور)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ☆ (آیۃ نمبر ۲۸۳)

﴿۱﴾

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو ہو قبضہ میں دیا ہوا، اور اگر تم میں ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرو جو اس کا رب ہے اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

﴿۲﴾

اور اگر ہو تم سفر میں اور تم نہ پاؤ لکھنے والا تو رہن ہو قبض کیا ہوا، پھر اگر بعض تمہارا امن میں ہو بعض سے تو ادا کر دے وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی اسکی امانت اور چاہیے کہ ڈرے اللہ سے جو اسکا رب ہے اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپائے گا اسے (گواہی) تو بیشک گنہگار ہوگا اسکا دل اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو جاننے والا ہے۔

ماقبل سے تعلق:

بیع کے تین طریقوں کا ذکر فرمایا گیا، پہلی آیۃ میں ذکر فرمایا کہ جب ادھار کی بیع ہو تو اسے لکھ لو اور گواہ بنا لو۔ اب اس آیۃ کریمہ میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ اگر سفر میں تمہیں لکھنے والا نہ ملے، یا لکھنے والا ملے لیکن لکھنے کیلئے کاغذ، سیاہی قلم وغیرہ میسر نہ ہوں تو قرض لے کر اسکے بدلے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس رہن رکھ دو تا کہ وہ مطمئن ہو

Marfat.com

جائے کہ میرا قرض مجھے مل جائے گا اور تیسری چیز کا بھی اسی آیۃ کریمہ میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ امانتیں واپس لوٹائی جائیں جب اعتماد بحال ہو۔

یعنی بیع کی تین قسمیں ہوگئیں "بیع بکتاب و شهود ، بیع برهان مقبوضه ، بیع امانت" اس آیۃ کریمہ کا ماقبل سے رابطہ بھی سمجھ آ گیا اور یہ بھی سمجھ آ گیا کہ بنسبت لکھنے کے اور بنسبت گواہ بنانے کے ادھار کی بیع میں یا قرض کے بدل رہن رکھنے میں زیادہ احتیاط پائی گئی ہے۔ (از کبیر)

آیۃ کریمہ کا مختصر مطلب:

آیۃ کریمہ کا مختصر مطلب یہ ہے کہ اے لین دین کا معاملہ کرنے والو! جب تم سفر میں ہو وہاں کوئی لکھنے والا نہ ہو تو تم اپنی کوئی چیز مالک (قرض خواہ) کے پاس رہن رکھ دو اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دے دو، یعنی اسے وثوق (پختہ اعتبار) حاصل ہو جائے کہ مجھے اپنا قرضہ مل جائے گا، اگر تم میں سے بعض نے بعض کو امین سمجھ کر اسے بغیر لکھنے اور بغیر رہن کے مال دے دیا جو امانت کے درجہ میں ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ قرض جو حکم امانت میں ہے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے یعنی بلا عذر قرض واپس نہ کرنا اور ٹال مٹول کرنا رب تعالیٰ کے عذاب اور اسکی گرفت کا ذریعہ ہے اسلئے اس سے ڈرو، اور اگر تمہارے پاس گواہی موجود ہے تو اسے چھپاؤ نہیں اور جو شخص گواہی کو بغیر کسی عذر کے چھپائے گا تو وہ اندر سے دلی طور پر گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے، لہذا تمہیں چاہیے کہ تم اپنے اعمال کو درست رکھو۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ﴾ ''اور اگر تم سفر میں ہو''۔

''قال اهل اللغة تركيب هذه الحروف للظهور والكشف''

اہل لغت نے یہ بیان کیا ہے کہ ان حروف سے ترکیب (یعنی س، ف، ر سے بننے والا کلمہ) کشف وظہور پر دال ہے یعنی ان حروف سے بننے والے کلمہ میں معنی پایا جاتا ہے ''ظاہر ہونا اور منکشف ہونا''

''کتاب'' کو ''سفر'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک چیز کو بیان کرتی ہے اور اس کی وضاحت کرتی ہے۔ ''سفر'' کو

Marfat.com

''سفر'' کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس سے لوگوں کے اخلاق واضح اور ظاہر ہوتے ہیں یا اس وجہ سے ''سفر'' کو ''سفر'' کہنے کی یہ وجہ ہے کہ پہلے وہ شخص اپنے گھر میں رہنے کی وجہ سے مکنون (چھپا ہوا) تھا اب باہر نکلنے کی وجہ سے وہ ظاہر ہو گیا یا اس وجہ سے ''سفر'' کو ''سفر'' کہتے ہیں کہ جب بندہ گھر سے نکلتا ہے تو اس کا گھر اس شخص سے خالی ہونے کی وجہ سے منکشف ہو جاتا ہے۔

اور کہا جاتا ہے ''اسفرت المراۃ عن وجھھا ''عورت نے اپنے چہرے سے پردہ ہٹا کر چہرے کو ظاہر و منکشف کر دیا۔

اور کہا جاتا ہے ''سفرت عن القوم ،اسفر سفارۃ '' یعنی سفیر بنا، چونکہ سفیر کچھ اپنی باتیں بتاتا ہے اور ان لوگوں کی دلوں کی باتیں اس پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ''اسفر '' کا معنی جھاڑو دینا بھی آتا ہے، کوڑے کو ''سفر'' کہا جاتا ہے ،چونکہ جھاڑو دینے سے کوڑے اور گرد وغبار سے جگہ کو صاف کر کے ظاہر کر دیا جاتا ہے، ''السفر من الورق '' اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ زمین کو پتوں سے صاف کر کے زمین کو ظاہر و منکشف کر دے۔ سورج کے غائب ہونے کے بعد جو کچھ دیر کیلئے روشنی رہتی ہے، اس روشنی کو بھی ظہور کی وجہ سے ''سفر'' کہا جاتا ہے۔ (کبیر)

﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا﴾ ''اور نہ پاؤ تم لکھنے والا''

سفر میں لکھنے والے کو نہ پانے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ واقعی لکھنے والا ہی کوئی نہ ملے اور دوسرا یہ ہے کہ لکھنے والا تو مل رہا ہو لیکن آلات کتابت میسر نہ ہوں، کاغذ، قلم، دوات نہ مل سکیں تو ان دونوں صورتوں میں لکھنے والے کا نہ ملنا سچا آ رہا ہے۔

﴿فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ ''تو رہن ہو قبض کیا ہو''

''رھـــن '' کا معنی اردو زبان میں ''گرد'' یا ''گروی'' کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے اعلی حضرت رحمہ اللہ نے ''گرد'' ترجمہ کیا ہے اور ہماری پنجابی زبان میں ''گانڑھے رکھنا'' کہا جاتا ہے۔ آجکل اردو زبان میں بھی عربی لفظ ''رھن ''ہی استعمال ہو رہا ہے، اسی وجہ سے راقم نے اپنے ترجمہ میں بھی ''رھن ''کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔

''رھن '' کا اصطلاحی معنی:

''معنی الرھن احتباس العین وثیقة با لحق لیستوفی الحق من ثمنھاا و من ثمن منا

Marfat.com

فعها عند تعذر اخذه من الغریم"

"رھـــن" کا اصطلاحِ فقہاء میں یہ معنی ہے کہ "عین چیز کو روک رکھنا کہ وہ حق کا وثیقہ بن جائے" یعنی ایک چیز کا ثمن (قیمت) جو اس نے وصول کرنا ہے وہ وصول ہو سکے یا مقروض (قرض دہندہ) سے منافع کا ثمن حاصل کر سکے جب عین چیز حاصل نہ کر سکے۔ (قرطبی)

لیکن خیال رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منافع کی قیمت نہیں، طلباء کرام نورالانوار میں اس مسئلہ کو تفصیلی طور پر دیکھیں۔

رھن کا لغوی معنی: دوام واستمرار (ہمیشہ رہنا) جیسے کہا جاتا "رھنہ" اس نے فلاں کو ہمیشہ رکھا" ایک شاعر نے کہا:

الخبز و اللحم للھم راھن   وقھوۃ راوو قھاساکب

روٹی اور گوشت ان کو ہمیشہ حاصل رہا اور قہوہ پلانے والے ان پر انڈیل دیا (وافر مقدار میں دیا)

اور کہا جاتا ہے "ارھنت لھم الطعام و الشراب" میں ان کو ہمیشہ کھانے اور پینے کی اشیاء دیتا رہا۔

ابوعلی نے کہا کہ کسی مہنگی چیز کیلئے "ارھـــنـــت" (ثلاثی مزید فیہ) استعمال ہوتا اور بیع یا قرض کیلئے "رھنت" (ثلاثی مجرد) استعمال ہوتا ہے۔ کمزور اونٹوں یا کمزور لوگوں کو بھی "راھنی" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شاعر اپنی زوجہ کو کہتا ہے۔

اما تری جسمی خلا قد رھن   ھز وما مجد الرجال فی السمن

کیا تو میرے جسم کو لاغر و کمزور دیکھ رہی ہے؟ موٹاپے میں تو لوگوں کو بزرگی حاصل نہیں۔ (ماخوذ از قرطبی)

اصطلاحات: جو شخص اپنی چیز کسی کے پاس گرو رکھے اس شخص کو "راہن" کہا جاتا ہے۔ اور جس کے پاس وہ چیز رکھے اسے "مرتہن" کہا جاتا ہے اور وہ چیز "رہن، مرہون، رہین یا رہینہ" کہلاتی ہے۔ (ماخوذ از قرطبی)

دینی طلباء کرام کے ذوق کیلئے:

"رھــن" کا لفظ کبھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہوگا "رہن رکھنا" مصدری معنی کے لحاظ

Marfat.com

پر جب کہا جائے" رھنت رھنا"تو" رھنا" پر نصب مفعول مطلق کے طور پر آئے گی اور معنی ہوگا" میں نے رہن رکھا رہن رکھنا" یعنی میں نے یقیناً رہن رکھا اور جب" رہن" کا لفظ بطور اسم استعمال ہو تو" رھنت رھنا" میں" رھنا" پر نصب بطور" مفعول بہ" کے ہوگی۔اب معنی ہوگا" میں نے فلاں چیز رہن رکھی۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے" سقف" کا معنی چھت بنانا بھی ہے اور چھت بھی اور" نشر" کا معنی پھیلانا بھی ہے اور پھیلائی ہوئی چیز بھی اور" خلق" کا معنی پیدا کرنا بھی ہے اور" مخلوق" بھی اور قلیل طور پر بھی استعمال ہے کہ" فعل" کا معنی کرنا بھی ہے اور کیا ہوا کام بھی ہے۔ جب" رھن" کا لفظ بطور اسم استعمال ہوگا تو اس کی جمع بھی ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے" رھان" کو مصدر کہا ہے اور بعض حضرات نے" رھن" کی جمع کہا ہے۔(ماخوذ از کبیر)

رھن کے جواز پر دلیل:

" وھو مشروع بقوله تعالیٰ فرھان مقبوضه" رہن کے جواز پر ایک دلیل تو رب تعالیٰ کا یہی ارشاد گرامی جس کی بحث جاری ہے۔" فرھان مقبوضة" تو رہن ہو قبض کیا ہوا۔اور دوسری دلیل" وبما روی انه علیه اسلام اشتری من یهودی طعاما و رهنه به درعه" یعنی رہن کا جواز حدیث پاک سے بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی سے طعام خریدا اور اس کے بدلے اپنی زرہ کو رہن رکھا۔آپ کا یہ فعل یعنی رہن رکھنا رہن کے جواز پر روز روشن کی طرح دلیل ہے۔

اور تیسری دلیل" وقد انعقد علی ذالک الاجماع" یعنی رہن کے جواز پر اور دلیل یہ ہے کہ اجماع امت سے رہن کا جواز ثابت ہے۔ (ہدایہ)

رہن کیلئے قبض کرنا ضروری ہے:

یعنی رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اور قبض کرنے سے مکمل ہوتا ہے جب تک مرتہن رہن کو اپنے قبضہ میں نہیں لے گا اس وقت تک رہن مکمل نہیں ہوگا کیونکہ رب تعالیٰ نے" فرھان" کے ساتھ" مقبوضة" کی قید لگائی ہے۔

" لاجل هذا القید قال ابو حنیفة و الشافعی و احمد رحمهم الله لا یجوز الرهن

Marfat.com

ای لا یلزم بدون القبض"

اسی قید کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد رحمھم اللہ نے فرمایا کہ رہن بغیر قبض کرنے کے لازم نہیں ہوتا البتہ امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نفس عقود سے ہی رہن مکمل ہو جاتا ہے لیکن راہن کو مجبور کیا جائے کہ وہ مرتہن کو قبضہ دے دے۔

"لنا ان مشروعیته ولزومه ثبت بنص القرآن مقبوضة"

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے کہ رہن قبض کیا ہوا ہو یعنی رہن میں راہن قبضہ دے دے۔ اور مرتہن قبضہ کر لے۔ اگر چہ قیاس چاہتا ہے کہ رہن میں قبض کرنا خوشی پر موقوف ہونا چاہیے لیکن حکم "فیقتصر علی مور دالنص" نص پر موقوف رہے گا۔ نص کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (مظہری)

رہن کی تکمیل کے بعد مرھون کا حکم:

جب رہن رکھی ہوئی چیز پر مرتہن نے قبضہ کر لیا اور راہن نے اسے قبضہ دے دیا تو وہ چیز راہن کے قبضہ سے نکل گئی، اور مرتہن کے قبضہ میں آ گئی۔ البتہ ملکیت راہن کی ہی رہے گی مرتہن کو ملکیت حاصل نہیں ہو گی۔ جب راہن کا قبضہ ختم ہو جاتا ہے تو راہن رہن کے طور پر رکھی ہوئی سواری پر سوار نہیں ہو سکتا، اور رہن رکھے ہوئے مکان میں سکونت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح رہن رکھے ہوئے کپڑے کو پہن نہیں سکتا۔ ہاں اگر مرتہن اجازت دے دے تو پھر سواری پر سوار ہو سکے گا، مکان میں رہائش رکھ سکے گا، کپڑا پہن سکے گا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی تک رہن والی چیز کو اپنے پاس روک کر رکھنے کا اختیار ہے اور قبضہ بھی مرتہن کا ہی ہے، اگر راہن کو مرتہن کی اجازت کے بغیر تصرف کی اجازت دے دی جائے تو مرتہن کے قبضہ کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، اسلئے راہن باوجود مالک ہونے کے مرتہن میں تصرف نہیں کر سکے گا۔ یہ تمام تفصیل امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔

طلباء کرام عربی عبارت سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، وہ مندرجہ بالا اردو کو مندرجہ ذیل عربی کی عبارت میں دیکھیں۔

"واذاتم الرهن بالقبض خرج المرهون من ملک الراهن یدا وبقی فی ملکه رقبة و ملکه المرتهن یدا لارقبة فلا یجوز الراهن الانتفاع بالمرهون من رکوب الدابة

Marfat.com

المرهونة والسكون في الدار ولبس الثوب و نحو ذلك الابرضاء المرتهن لانه ينافي ما لكية المرتهن يدا سولزعم جسه دائما هذا عند ابي حنيفة رحمه الله"

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں راہن کو جائز ہے کہ وہ اس سے نفع حاصل کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "الرهن مركوب محلوب " رہن کی سواری اختیار کی جاسکتی ہے اور اس کا دودھ دوہا جاسکتا ہے۔

"قلنا هذاالحديث مجمل يحتمل ان يكون مركوبا للراهن ويحتمل ان يكون مركوبا للمرتهن فلا يجوز الاستدلال به"

ہم کہتے ہیں یہ حدیث مجمل ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ راہن کے سوار ہونے کا ذکر ہو، اور یہ بھی ہے کہ احتمال کے مرتہن کے سوار ہونے کا ذکر ہو لھذا اس حدیث سے دلیل پکڑنا درست نہیں لھذا راہن یا مرتہن دونوں میں سے کسی ایک کو بھی سواری پر سوار ہونا جائز نہیں ہوگا۔ راہن کو اس لئے کہ اس کا قبضہ نہیں اور مرتہن کو اس لئے کہ وہ مالک نہیں۔ (ماخوذ از مظہری)

راہن کے مرہون میں تصرفات:

راہن کے مرہون چیز میں تصرفات شرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو فسخ کا احتمال رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر بیع اور ہبہ وغیرہ فسخ کا احتمال رکھتے ہیں۔ اگر راہن نے مرہون چیز کو بیچ دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو اس کی بیع یا ہبہ کرنا جائز تو ہوگا کیونکہ وہ اپنی چیز کا مالک ہے لیکن اس کی بیع یا ہبہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا یا رہن کے چھڑانے پر موقوف ہوگا۔ اگر مرتہن نے اجازت دے دی تو ٹھیک اور اگر اس نے قرض ادا کر کے اپنی رہن رکھی ہوئی چیز واپس کر لی پھر بھی ٹھیک ورنہ بیع اور ہبہ موقوف رہیں گے اور اگر فسخ کا احتمال نہ رکھے جیسے غلام آزاد کرنا۔ اگر راہن نے اپنے رہن رکھے ہوئے غلام کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد تو ہو جائے گا کیونکہ عتق (آزاد کرنے میں) فسخ کا احتمال نہیں، البتہ غلام کے آزاد ہونے کے بعد دیکھا جائے کہ مالک غنی ہے یا تنگدست ہے اگر غنی ہو تو غلام کی جتنی قیمت بنتی ہے اتنی قیمت وہ مرتہن کے پاس بطور

Marfat.com

رہن رکھ دے اور اگر مالک تنگدست ہے تو غلام محنت ومزدوری کر کے اپنی قیمت مرتہن کے پاس بطور رہن رکھ دے۔ مالک جب قرض ادا کر دے تو یہ آزاد کردہ غلام اپنی رقم واپس کر لے یا مالک اپنی طرف سے غلام کی قیمت رہن رکھنے کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے تب بھی غلام اپنی رقم واپس لے لے گا۔ یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عتق بھی بیع کی طرح موقوف رہے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مالک غنی تھا تو عتق نافذ ہو گیا۔ اگر تنگدست ہو تو اس کا عتق نافذ نہیں ہوگا۔ (مظہری)

مرہون کے نفقہ اور اس کے زوائد کا حکم:

"یجب علی الراهن نفقة المرهون بناء علی ملک الرقبة"

رہن رکھی ہوئی چیز کا خرچ "خواہ غلام یا لونڈی یا کوئی جانور وغیرہ ہوں" مالک پر ہی لازم ہوگا۔

یعنی اس چیز کا مالک جب راہن ہے تو اسی کے ذمہ خرچ ہوگا۔

رہن رکھی ہوئی چیز کے زوائد یعنی اولاد جیسا کہ گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ رہن رکھی ہوئی تھیں، ان کے بچے پیدا ہو گئے تو وہ بچے راہن کے ہی ہوں گے کیونکہ رہن رکھی چیز جب اس کی ہے تو اس کے بچے بھی یقیناً اسی کے ہوں گے۔ اسی طرح بھیڑ وغیرہ کی اون، بکری کے بال راہن کے ہوں گے اور گائے وغیرہ کا دودھ بھی راہن کا ہوگا۔ اور درخت رہن رکھا ہوا تھا تو اس کا پھل بھی راہن کا ہی ہوگا۔ وجہ سب چیزوں کی ملکیت کی ایک ہی ہے کہ جب راہن اصل چیز کا مالک ہے تو اس چیز سے زائد چیزیں جو حاصل ہوں ان کا بھی وہی مالک ہوگا۔

اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "لہ غنمہ وعلیہ غرمہ" رہن رکھی ہوئی چیز کے منافع بھی راہن کو حاصل رہیں گے اور اس کی چٹی یعنی اس کا خرچ، چٹی وغیرہ بھی راہن پر لازم رہیں گے۔ وجہ وہی ہے کہ رہن رکھی ہوئی چیز کا مالک راہن ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے کہا تھا کہ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوائد کی ملکیت مرتہن کو حاصل رہے گی، لیکن ابن جوزی کی تحقیق کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں مذہب یہ ہے۔

"انه ملک الراهن عنده حیث قال للمرتهن استیفاء النفقة من دره وظهره"

Marfat.com

کہ رہن والی چیز راہن کے ملک میں ہی رہے گی، کیونکہ راہن مرتہن کو کہے گا کہ تو اس گائے اور بھیڑ وغیرہ کے دودھ اور صوف کی قیمت سے ان کا خرچ پورا کرلے۔ (مظہری)

خیال رہے کہ اس مسئلہ میں تقریبا ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ راہن اپنی مرہون چیز کا خرچ ادا کرلے اور اس کے زوائد خود حاصل کرلے۔ چاہے تو مرتہن کو یہ کہے کہ تو اس کے زوائد سے اس چیز پر خرچ کرلے کمی اور بیشی کا حساب ہو جائے گا۔ اگر دودھ، اون وغیرہ کی قیمت سے خرچ زیادہ ہوا تو میں دے دوں گا اور دودھ، اون وغیرہ کی قیمت خرچ سے زائد ہوئی تو وہ زائد رقم تم مجھے دے دینا۔

مرھون کے زوائد بھی مرھون ہوں گے:

جس چیز کو رہن رکھا گیا" زوائد المرهون يكون مرهونا عند ابی حنيفة رحمه الله "اس کے زوائد یعنی اولاد، اون وغیرہ بھی رہن ہوں گے یہ مذہب ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کیونکہ جو حکم اصل کا ہے وہی زوائد کا ہوگا، لہٰذا مالک تو راہن ہی ہوگا لیکن قبضہ مرتہن کا رہے گا۔

"وبناء على عدم مالكيته رقبة لا يجوز للمرتهن الا نتفاع بالمرهون بل يكون ذلك ربا ولا يجوز للمرتهن فی المرهون شئی من التصرفات المبنية على الملك"

جب اصل مالک راہن ہی ہے۔ مرتہن مالک نہیں تو رہن رکھی ہوئی چیز سے مرتہن کا نفع حاصل کرنا ربوا (سود) بنے گا اس لئے مرتہن رہن رکھی ہوئی چیز سے کوئی ایسا نفع حاصل نہیں کرسکتا جس کا تعلق ملکیت سے ہو۔ (مظہری)

معاشرہ کا بگاڑ: آجکل زمین عام طور پر رہن رکھ کر قرض لیا جاتا ہے، زمین کا مالک راہن ہوتا ہے لیکن زمین کی پیداوار مرتہن استعمال کرتا ہے اور قرض بھی اسکا جوں کا توں رہتا ہے، یہ نفع حاصل کرنا شرعا حرام ہے اور سود ہے، جس سے مسلمان کو اجتناب ضروری ہے۔ (راقم)

فقیہ اعظم رحمہ اللہ کا عظیم فتوی:

حضرت شیخ کامل، فقیہ اعظم مولانا نور اللہ بصیر پوری رحمہ اللہ ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔

Marfat.com

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے زمین خرید نے کیلئے بکر سے آٹھ ہزار روپیہ مانگا، تو بکر نے روپیہ اس شرط پر دیا کہ رقم کی ادائیگی تک زمین میرے قبضہ میں رہے گی اور جملہ آمدنی بھی میری ہوگی جب رقم ادا کی گئی تو زمین واپس دے دوں گا مگر وہ آمدنی اس رقم میں شمار نہیں کی جائے گی، تو کیا بکر کی یہ شرط درست ہے اور آمدنی بغیر عوض کے لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:

بکر نے آٹھ ہزار کے عوض آٹھ ہزار لینا ٹھہرایا اور زمین کی آمدنی مدت مجہول تک بھی مزید برآں کی لینی شرط کی اور یہ صراحۃ سود ہے کہ شریعت غراء (روشن) کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ایسا قرض جس میں مقرض کی منفعت مشروط ہو ربو ہے۔ تفسیر خازن ج ص ۲۵۲ تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۵۲ تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۴۳۷، میں ہے "کل قرض جر منفعة فهو ربوا" (ہر قرض جس میں نفع حاصل کیا جائے وہ ربو ہے) ومثلہ فی المبسوط الامام شمس الائمۃ السرخسی ج ۱۴ ص ۳۵، نیز شامی ج ۴ ص ۲۴۲، شامی ج ۵ ص ۲۴۷ میں جواھر الفتاوی سے ہے۔

"اذا کان مشروط صار قرضا فیه منفعة وهو ربوا" (جس قرض میں نفع حاصل کرنے کو شرط رکھ دیا جائے تو وہ ربوا ہے)

فتح القدیر ج ۶ ص ۱۴۷ میں ہے "القرض بالشرط حرام" (نفع کی شرط پر قرض دینا حرام ہے)

مبسوط ج ۱۴ ص ۳۵، ہدایہ مطبوعہ مع الفتح ج ۶ ص ۳۵۶، فتاوی خیریہ ج ۳ ص ۱۱۸ میں ہے "والنظم من الخیریۃ"

"وقد نهی عن کل قرض جر منفعة" (ہر اس قرض سے منع کیا گیا ہے جس میں منفعت پائی جائے) فتاوی عالمگیری میں ہے "قال محمد فی کتاب الصرف ان ابا حنیفة کان یکره کل قرض جر منفعة" (امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الصرف میں ذکر فرمایا ہے کہ بے شک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہر وہ قرض ناپسند سمجھتے تھے جس میں نفع حاصل کیا جاتا) سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۵۰ میں حضرت ابن سیرین سے ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو کچھ روپے قرض دیئے اس شرط پر کہ اس کے گھوڑے پر سواری کرے گا تو حضرت عبداللہ بن مسعود جلیل القدر صحابی نے

Marfat.com

فرمایا "ماصاب من ظهره فهو ربوا" "جو شخص اس پر سواری کرے وہ سود ہے۔

مؤطا امام مالک ص ۲۸۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وان کان قبضة عن علف فهو ربوا" کہ اگرچہ مٹھی بھر گاس ہو تو وہ بھی سود ہے۔ سنن بیہقی کے اسی صفحہ پر حضرت فضالہ بن عبید صحابی سے روایت کہ آپ نے فرمایا۔ "کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربوا" (ہر قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے، نفع کی وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی ہو وہ ربوا ہے) سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۸ میں حضرت ابراہیم (نخعی) تابعی سے ہے کہ سلف صالحین (جو سادات تابعین اور صحابہ کرام تھے) رہن سے ذرہ بھر نفع اٹھانے کو بھی ضرور بر ضرور برا جانتے تھے۔

"ان کانوا لیکرهون ان یستمتعوا من الرهن بشئی"

(کہ وہ رہن سے کسی طرح کا نفع حاصل کرنا ناپسند سمجھتے تھے) اسی صفحہ پر امام شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں "لیس للمرتهن منها شئی" (مرتہن کو نفع حاصل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں) اور ایسے ہی ص ۳۹ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابی اور شعبی تابعی سے ہے۔

حضرت شریح جلیل القدر تابعی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی نے اس کا نام سود رکھا۔ حضرت شریح کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

"سئل شریح عند رجل ارتهن بقرة فشرب من لبنها قال ذالک شربه الربوا"

(حضرت شریح رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے پاس گائے کو رہن رکھا گیا تو اس نے اس گائے کا دودھ پی لیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا رہن والی گائے کا دودھ پینا ربوا ہے) اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کنز العمال ض ۳ ص ۲۶۱ میں بھی مذکور ہے "برمز عب" "والنظم"

"جاء رجل الی ابن مسعود فقال ان رجلا رهننی فرسا فرکبتها قال مااصبت ظهرها فهو ربوا"

ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ میرے پاس ایک شخص نے ایک گھوڑی رہن رکھی میں اس پر سوار ہو گیا" آپ نے فرمایا سواری کے پیٹھ سے جو تم نے نفع حاصل کیا ہے وہ

Marfat.com

ربوا ہے) اور سود سخت ترین حرام ہے اور بدترین کام ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ اور بکثرت احادیث شریفہ اور اجماع امت وجمیع ائمہ اور قیاس شرعی سے خباثت سود اور شقاوت سودخوار ثابت ہے۔ قرآن کریم کی صرف ایک آیہ پاک سنئے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود، اگر تم مسلمان ہو، پھر اگر ایسا نہ ہو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

صرف ایک حدیث شریف بھی سنیں، مشکوۃ شریف ص ۲۴۶ میں بروایت ابن ماجہ وبیہقی فی شعب الایمان سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "الربو اسبعون جز ۱۱ ایسرھا ان ینکح الرجل امه" یعنی سود کے ستر ٹکڑے (حصے) ہیں ان ستر کا سب سے ہلکا یہ ہے کہ مرد اپنی ماں کے ساتھ مجامعت کرے۔

"اعاذنا الله تعالی من ذالك" ہم اس سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتے ہیں۔

فتویٰ کو ذرا طول اس وجہ سے دیا کہ آج یہ "وباء عام" واقع ہے کہ لوگ ایسی صورتوں کو رہن کا نام دے کر اس خالص سود کو شیر مادر (ماں کا دودھ) تصور کئے ہوئے ہیں، حالانکہ ہمارے حضرات فقہائے کرام نے ایسی صورتوں کو اجارہ فاسدہ کے مرتبہ میں قرار دیا ہے۔ کہ اگر نفع اٹھائے تو اجر لازم اور رہن نہ ہوگا۔ شامی ج ۵ ص ۴۲۸ میں ہے۔

"قال فی التتار خانية ما نصه ولو استقرض دراهم وسلم حماره الی المقرض يستعمله الی شهرين حتى يوفيه دينه او داره يسكنها فهو بمنزلة الا جارة الفاسدة ان استعمله فعليه اجر مثله ولايكون رهنا"

تتارخانیہ میں واضح طور پر ذکر ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے اور اسے اپنا گدھا دے دے کہ تم اس سے نفع حاصل کرتے رہو یہاں تک کہ میں تمہیں قرض واپس کردوں گا (تم مجھے گدھا واپس کردینا) یا کسی سے قرض لے اور اپنا مکان اسے دے دے کہ تم اس سے نفع حاصل کرتے

Marfat.com

رہو یاں تک کہ میں تمہیں جب قرض واپس کردوں گا تو تم مجھے مکان واپس کردینا یہ اجارہ فاسدہ کے درجہ میں ہے اگر اس شخص نے گدھے یا مکان سے فائدہ حاصل کیا تو اس پر لازم ہے کہ جو اجرت بنتی ہے وہ ادا کردے اسے رہن نہیں کہا جاتا، کیونکہ رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

اور ایسے ہی ص ۵۴ میں ہے:

"مع زیادة التعلیل 'لان المستقرض انما اسکنه فی داره عوضا عن منفعة القرض لا مجانا"

(اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ جس شخص نے قرض لیا ہے اس نے دینے والے کو اپنا مکان ٹھہرنے کیلئے اس لئے دیا ہے کہ وہ قرض کے بدلے اس سے نفع حاصل کرلے' اس نے مکان مفت عاریۃ (منگوا) تو اس کو نہیں دیا ہے لہذا یہ ربوا ہے حرام ہے، یہ رہن نہیں) بلکہ یہ " لزوم اجر مثل " (جتنا کرایہ بنتا ہے اتنا دینا) حدیث شریف سے مستفاد ہے" کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۸، ۲۷۸ میں برمز طب حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے:

"من رهن بدين عليه فانه يقضى من ثمر تها ما فضل بعد نفقتها يقتضى ذالک من دينه ذالک الذى عليه بعد ان يحسب لصاحبها الذى هى عنده عَمله و نفقته بالعدل "

الحاصل، اجر مثل دے کر جان چھڑائے اگر کچھ نفع اٹھا چکا ہے تو اور اگر ابھی تک نفع نہیں اٹھا چکا تو شرط کو اٹھا کر معاملہ نیک کرلے ورنہ زمرہ سود خواراں میں داخل اور وعید و عذاب ربوا خواران اسے شامل ہوگا۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۴ ص ۱۷۸ تا ص ۱۹۱ مع تراجم راقم)

مرتہن کا مرہون پر خرچ کرنے کا حکم:

"ما انفق المرتهن على المرهون ان كان باذن الراهن يكون دينا عليه و ان كان بغير اذنه يكون متطوعا"

مرتہن نے اگر راہن کی اجازت سے مرہون پر خرچ کیا تو وہ راہن پر قرض ہوگا۔ اگر راہن سے اجازت نہیں لی تو راہن پر قرض نہیں ہوگا بلکہ اپنی خوشی سے خرچ کئے ہونے کا عوض نہیں ہوگا۔

البتہ امام احمد رحمہ اللہ نے مطلقا راہن کے ذمہ قرض قرار دیا ہے خواہ اس کی اجازت سے رہن پر خرچ کیا گیا

Marfat.com

یا بغیر اجازت کے۔ ابن جوزی نے امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب پر حدیث پاک سے دلیل پکڑی ہے، وہ حدیث یہ ہے "الرھن مرکوب و محلوب" رہن والی چیز پر سوار ہو سکتا ہے اور اس کا دودھ دوہ سکتا، تاہم اس حدیث کا جواب پہلے گذر چکا ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اس سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ (مظہری)

اعتراض: حدیث بخاری سے تو یہ سمجھ آ رہا ہے کہ مرتہن رہن سے فائدہ بھی حاصل کر سکتا ہے اور نفقہ بھی اسی پر لازم ہے۔

"عن الشعبی عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الرهن بما فيه يركب بنفقته اذا كان مرهونا و لبن الدر يشرب بنفقته اذا كان مرهونا وعلى الذى يركب و يشرب نفقته"

سواری کو جب رہن رکھا جائے تو اس پر نفقہ کے بدلے سوار ہو جائے، اور دودھ والے جانور کا دودھ اس پر خرچ کے بدلے پی لے، جو سوار ہوگا اور دودھ پئے گا خرچ اسی پر لازم ہوگا۔

جواب: ہو سکتا ہے یہ حکم ربوا کے حرام ہونے سے پہلے کا ہو جب قرض سے نفع حاصل کرنا جائز تھا۔ لیکن قرض سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت پر یہ حدیث منسوخ ہوگئی ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ راہن اور مرتہن میں یہ طے پا جائے کہ راہن مرتہن کو یہ کہے تم اس سواری پر سوار ہو سکتے ہو لیکن اس کا کرایہ تمہارے ذمہ ہوگا، اسی کرایہ سے اس جانور کا خرچ پورا کرنا۔ اگر خرچ سے کرایہ زیادہ ہوا تو مجھے دے دینا۔ اگر کم ہو تو مجھ سے لے لینا یا یہ کہے کہ اس جانور کا دودھ تم پی لینا دودھ کی قیمت سے تم اس جانور کا خرچ پورا کرنا، یہ جائز ہے۔ اس صورت میں یہ حدیث منسوخ نہیں۔ (ماخوذ از مظہری)

مرہون چیز مرتہن کی ضمان میں ہوتی ہے:

"واذا سلمه اليه فقبضه دخل فی ضمانه" جب راہن نے مرتہن کے قبضہ میں ایک چیز دے دی تو وہ اس کی ضمان میں آگئی۔

اگر رہن کا مال ہلاک ہوگیا تو مرتہن کا اس کی قیمت کے برابر قرض واپس لینے کا حق ختم ہوگیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رہن اس کے ہاتھ میں امانت ہے اس کے ہلاک ہونے پر قرض ساقط نہیں ہوگا۔

"بقوله عليه السلام لا يغلق المرهن قالها ثلاثا لصاحبه غنمه وعليه غرمه" رواه ابن

Marfat.com

حبان فی صحیحه والدارقطنی والحکم من طریق ابن سعد عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ مرفوعا" (ھدایۃ، مظھری)

"ومعنی قوله علیه السلام لا یغلق الرھن لا یصیر مضمونا بالدین وقوله لصاحبه غنمه ای زوائده یکون له وعلیه غرمه ای لو ھلک لھلک علی المراھن" (الکفایۃ)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا رہن کو بند نہ کیا جائے، یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا اسی کے صاحب کے منافع بھی ہیں اور اسی پر تاوان بھی۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ رہن کو بند نہ کیا جائے کہ قرض کو اس کی ضمان بنالیا جائے (تو کوئی قرض دے ہی نہیں) اور آپ کے ارشاد "لصاحبه غنمه" کا مطلب یہ ہے کہ راہن جو اس چیز کا صاحب و مالک ہے اسی کیلئے اس کے زوائد یعنی جانوروں کی اولاد اور اون وغیرہ بھی ہیں۔ "وعلیه غرمه" کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ رہن والا مال ہلاک ہوگیا تو راہن کا مال ہی ہلاک ہوا، یہی مطلب ہے کہ اس کے صاحب پر چٹی اور تاوان ہے۔ یعنی مرتہن کے قرض میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ مرہون چیز کی ہلاکت پر مرتہن پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ خیال رہے کہ بعض نسخوں میں "لا یغلق الراھن" (یعنی مہملہ ہے) ہے یعنی رہن کو معلق نہ چھوڑا جائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے عقلی دلیل اس پر یہ قائم کی ہے کہ رہن تو ایک قسم کا وثیقہ وضمان ہے۔ جس طرح دستاویز لکھی جائے وہ وثیقہ وضمان ہوتی ہے۔ جب دستاویز کے ضائع ہونے سے قرض میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح مرہون چیز کی ہلاکت پر قرض میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

احناف کے دلائل یہ ہیں:

"قال ﷺ بعد ما نفق فرس الرھن عنده ذھب حقک" (ھدایۃ)

اصل حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عطاء بن رباح ان رجلا ارتھن فرسا فمات الفرس فی یدالمرتھن فقال رسول اللہ ﷺ ذھب حقک رواہ الطحاوی" (مظھری)

عطاء بن رباح کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک گھوڑا اپنے پاس بطور رہن رکھا۔ وہ گھوڑا اسی مرتہن کے ہاتھ

Marfat.com

میں ہلاک ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا حق چلا گیا۔ (یعنی اتنا تمہارا قرض ساقط ہو گیا)۔

خیال رہے "هذا مرسل والمرسل عند نا حجة" یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں "وعلیه غرمه" (اور صاحب رہن یعنی راہن پر چٹی، تاوان ہے) کا یہ مطلب نہیں کہ رہن والی چیز کے ہلاک ہونے پر راہن کے ذمہ سے قرض ساقط نہیں ہوگا اور مرتہن پر کوئی ضمان نہیں ہوگی بلکہ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے۔

ومعنى قوله "له غنمه" يعني زوائد المرهون له "وعليه غرمه" يعني عليه نفقته وهذا المعنى مجمع عليه "

حدیث شریف میں "لـه غـنـمـه" کا مطلب یہ ہے کہ مرہون چیز کے زوائد راہن کیلئے ہیں اور "وعليه غرمه" کا مطلب یہ ہے کہ مرہون چیز کا خرچ راہن کے ذمہ ہے۔ "وعليه غرمه" کا جو معنی ہم نے بیان کیا ہے اس پر اجماع ہے۔ (از مظہری)

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث پاک " لا يغلق الرهن " جو پیش کی ہے اس کا مطلب "اقتباس کلی" ہے۔ یعنی مرتہن کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مرہون چیز کا مالک بن جائے، اور نہ ہی راہن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قرض کا مالک بن جائے اور قرض واپس ہی نہ کرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی عقلی دلیل کا یہ جواب ہے کہ رہن وثیقہ ہے کہ مرتہن کو یہ اعتبار ہے کہ راہن میرے قرض کا انکار نہیں کرے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرہون چیز کے ہلاک ہونے پر اس پر کوئی ضمان ہی نہ ہو۔ مرہون چیز کی جتنی قیمت ہوگی اس مرہون کے ہلاک ہونے پر اتنی مقدار میں قرض کم ہو جائے گا۔ (ماخوذ از ہدایہ)

"فالقول بالامانة خرق الاجماع ولم يفهم احد من اللغة من قوله عليه اسلام لا يغلق الرهن نفي الضمان عن المرتهن "

یہ کہنا کہ رہن امانت ہے یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی "لايغلق المرهن" کا اہل لغت میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رہن کے ہلاک ہونے میں مرتھن پر کوئی ضمان لازم نہیں آتی۔

Marfat.com

علامہ کرخی رحمہ اللہ نے سلف صالحین یعنی طاؤس اور ابراہیم نخعی وغیرہ سے ذکر کیا ہے کہ اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہے "لا یغلق المرھن "کا معنی یہ ہے:

"لا یحبس الرھن عند المرتھن احتیاسا لا یمکن فکا کہ بان یکون مملو کا للمرتھن "

کہ رہن کو مرتھن اپنے پاس کامل طور پر روک کر مالک ہی نہ بن بیٹھے کہ اس سے رہن والی چیز کو چھڑانا ہی ممکن نہ رہے۔ سلف صالحین کا اس معنی پر اتفاق روائت زہری کی وجہ سے ہے۔

"عن الزھری ان اھل الجاھلیة کا نوا تر تھنون و یشترطون علی الراھن انه ان لم یقض الدین الی وقت کذا فالرھن مملوک للمرتھن فابطل رسول الله ﷺ ذالک بقوله "لا یعلق الرھن "

زہری کہتے ہیں بیشک زمانہ جاہلیت میں لوگ رہن رکھتے تھے، مرتھن راہن پر شرط لگاتا کہ اگر تم نے وقت مقرر پر قرض ادا نہ کیا تو یہ مرہون چیز میری ملکیت ہوگی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس طریقہ کو باطل کر دیا اور ارشاد فرمایا "لا یعلق المرھن "(مہملہ سے) کہ رہن کو اس شرط سے معلق نہ کرو کہ اگر وقت مقرر پر تم نے قرض ادا نہ کیا تو مرہون چیز میری ملکیت میں ہوگی۔ اور "لا یغلق الرھن "(غین معجمہ سے ہو) تو معنی یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیں لگا کر رہن کو بند نہ کرو۔ جو تمہارے لئے مشکلات کا سبب بن جائے اور قرض کا لین دین ہی ختم ہو جائے۔ (ماخوذ از کفایہ)

رہن سے ہلاک ہونے پر ضمان کا طریقہ:

اگر رہن اور قرض برابر تھے، یعنی جتنی قیمت مرہون چیز کی ہو اتنی مقدار میں قرض بھی دیا گیا ہو تو رہن کے ہلاک ہونے پر قرض ختم ہو گیا۔ اگر رہن کی قیمت کم ہو اور قرض زیادہ ہو تو رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں اتنی مقدار میں قرض کم ہوگا جتنی مقدار رہن کی قیمت تھی باقی قرض ادا کرنا پڑے گا۔ اگر رہن کی قیمت زیادہ تھی اور قرض کم تھا تو رہن کے ہلاک ہونے پر اس کی قیمت کا حساب کر کے قرض ختم کر کے باقی قیمت راہن کو دی جائے گی۔ (ماخوذ از ہدایہ)

Marfat.com

مرہون چیز کو روک رکھنے کا حکم:

جب تک راہن قرض ادا نہ کرے اس وقت تک مرتہن کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے پاس مرہون چیز کو روک رکھے۔ مرتہن جب قرض کی ادائیگی کا راہن سے مطالبہ کرے گا تو مرتہن کو بھی حکم دیا جائے گا کہ تو مرہون چیز حاضر کر تا کہ قرض ادا کرتے وقت مرہون چیز مرتہن سے لے کر راہن کے حوالہ کی جائے۔

مرہون چیز سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا منع ہے:

"ولیس للمرتهن ان یشفع بالرهن لا با ستخدام ولا بسکنی ولا لبس الا ان یاذن له المالک لان له حق الحبس دون الا نتفاع"

مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ رہن والی چیز سے نفع حاصل کرے، کوئی غلام یا لونڈی رہن رکھے گئے تو ان سے خدمت حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی مکان رہن رکھا گیا ہو تو اس میں وہ سکونت اختیار نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کپڑا رہن رکھا جائے تو وہ پہن نہیں سکتا۔ ہاں البتہ مالک اسے اجازت دے دے تو جائز ہے۔ مرتہن کو نفع حاصل کرنے کی اجازت اس لئے نہیں کہ اسے مرھون چیز اپنے پاس روکنے کا حق شریعت نے دیا ہے، نفع حاصل کرنے کا حق نہیں دیا۔ (از ہدایہ)

خیال رہے کہ قرض دیتے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ تم میرے پاس فلاں چیز رہن رکھو اور جب تک تم قرض ادا نہیں کرو گے تو میں اس چیز سے نفع حاصل کروں گا۔ اس صورت میں نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح شرط تو نہیں لگائی گئی البتہ مالک کی اجازت کے بغیر نفع حاصل ؛ کرنا شروع کر لیا تو یہ بھی منع ہے۔ ہاں البتہ مرتہن نے بغیر کسی شرط کے قرض دے دیا اور راہن نے اس کے پاس کوئی چیز رہن رکھ دی بعد میں مالک نے اسے اجازت دے دی کہ تم میری مرہون چیز سے نفع حاصل کر لیا کرو، تو یہ جائز ہے۔ لیکن تقویٰ کے پھر بھی خلاف ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ مالک کی اجازت ہو یا نہ ہو کسی طرح بھی مرہون چیز سے نفع نہ حاصل کرے، کیونکہ جس طرح ربوا سے بچنا ضروری ہے، اسی طرح جہاں ربوا کا شائبہ بھی پایا جائے اس سے بچنا تقویٰ ہے۔ (راقم)

مرہون چیز کی حفاظت کون کرے گا:

مرتہن خود حفاظت کرے یا اس کی زوجہ حفاظت کرے یا اس کی اولاد جو اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہتے

Marfat.com

ہوں ان میں سے کوئی حفاظت کرے، البتہ وہ بچے جو بڑے ہوں ماں باپ سے علیحدہ رہتے ہوں وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ اسی طرح وہ خادم جو گھر میں رہتا ہو، خواہ ماہانہ تنخواہ لیتا ہو، یا سال کی ایک مرتبہ لیتا ہو، خواہ بغیر تنخواہ کے ہی مستقل طور پر گھر میں رہتا ہو وہ بھی حفاظت کر سکتا ہے۔ لیکن ایسا خادم جو یومیہ مزدوری لیتا ہے اور گھر میں مستقل طور پر نہیں رہتا اس سے حفاظت نہیں کرائی جاسکتی۔

جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بغیر کسی اور سے اگر حفاظت کرائی گئی اور رہن والی چیز ہلاک ہوگئی تو ضمان لازم آئے گی۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرا جو حفاظت کر رہا تھا جسے حفاظت کرنے کا حق نہیں تھا اس پر ضمان لازم آئے گی اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضمان مرتہن پر لازم آئے گی۔

مرتہن کا رہن میں تعدی کرنا:

اگر مرتہن جان بوجھ کر رہن والی چیز میں خود تجاوز کرلے اور اس تجاوز و تعدی کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر اسی طرح ضمان لازم آئے گی جیسے غاصب پر ضمان لازم آتی ہے۔ یعنی کل قیمت کی ضمان لازم آئے گی، اسلئے کہ جو قرض کی مقدار سے زائد رقم بنتی تھی وہ اس کے ہاتھ میں امانت کے درجہ میں تھی اور امانت میں تجاوز کرنے اور اس کے ہلاک ہونے پر ضمان لازم آتی ہے۔ (از ہدایہ)

مرتہن کا رہن میں تصرف کرنا:

مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رہن کو بیچ دے یا کرایہ پر دے یا عاریۃ (منگوی) کسی کو دے۔ اسلئے کہ جب اسے خود نفع حاصل کرنے سے منع کیا تو دوسرے کو بھی وہ نفع حاصل کرنے کیلئے نہیں دے سکتا۔ ہاں مالک اسے کہے کہ میری یہ چیز تم بیچ دو تو پھر بیچ سکتا ہے اور بیچ کردہ قیمت بطور رہن رکھ لے۔ (ماخوذ از ہدایہ)

تنبیہ: پھل درخت سے توڑے ہوئے ہوں تو پھل رہن رکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن جب پھل درخت پر ہی ہوں، توڑے ہوئے نہ ہوں تو بغیر درخت کے صرف پھل رہن نہیں رکھے جاسکتے۔ کوئی فصل، کھیتی کاٹ لی جائے تو اسے رہن رکھا جاسکتا ہے لیکن کاٹنے کے بغیر زمین میں کاشت شدہ کھیتی بغیر زمین کے رہن نہیں رکھی جاسکتی۔ اسی طرح

Marfat.com

کاشت شدہ کھیتی کے بغیر صرف زمین رہن نہیں رکھی جاسکتی، ہاں البتہ اگر زمین پہلے کھیتی سے فارغ کرلی جائے تو صرف زمین رہن رکھی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ از ہدایہ)

زمین کو رہن رکھنے سے اس میں لگے ہوئے درخت خود بخود رہن میں داخل ہوجائیں گے، حویلی اور صحن کو رہن رکھنے سے اس میں بنے ہوئے کمرے خود بخود رہن میں داخل ہوجائیں گے۔ (ہدایہ)

وہ چیزیں جن کا رہن رکھنا منع ہے:

کسی کی امانت کو رہن رکھنا جائز نہیں، کسی سے مانگی ہوئی چیز کو رہن رکھنا منع ہے، کسی کا مال تجارت کی غرض سے (بطور مضاربت) لیا ہوا رہن نہیں رکھا جاسکتا، مال شرکت یعنی جس مال میں دوسرے شرکاء کا بھی حصہ ہو اسے بھی رہن نہیں رکھا جاسکتا، اسی طرح چیز کو بیچ دیا گیا، مبیع (بیچی ہوئی چیز) بیچنے والے کے ہاتھ میں تو وہ رہن رکھنا جائز نہیں۔ البتہ بدل خلع اور مہر اور قتل عمد میں صلح کی وجہ سے حاصل ہونے والے مال کو رہن رکھنا جائز ہے۔ (ماخوذ از ہدایہ)

نوحہ کرنے والی عورت کی اجرت یا گانا گانے والی عورت کی اجرت کو رہن رکھا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ اجرت ضائع ہونے پر کوئی ضمان نہیں جبکہ رہن کے ضائع ہونے پر ضمان ہے۔ مسلمان شراب رہن نہیں رکھ سکتا کیونکہ مسلمانوں کیلئے شراب مال نہیں، اگر کوئی شراب کو ضائع کردے تو اس پر ضمان نہیں، رہن تو وہ چیز رکھی جاسکتی ہے جس کے ضائع ہونے پر ضمان لازم آئے۔ (از ہدایہ)

باپ کا چھوٹے بیٹے، بیٹی کا مال رہن رکھنا:

اگر باپ نے اپنی نابالغ اولاد کا مال اپنی طرف سے رہن رکھا یا نابالغ اولاد کا مال ان کی جانب سے ہی رہن رکھا تو جائز ہے، جس طرح چھوٹی اولاد کا مال باپ کو بیچنے کا حق حاصل ہے، کیونکہ باپ کو کامل شفقت حاصل ہوتی ہے لھذا اس کا رہن رکھنا جائز ہے بلکہ باپ بچے کی جانب سے خود ہی راہن اور مرتہن ہو تب بھی جائز ہے وہ وجہ اسکی شفقت ہی ہے کہ بچے کے حق میں اس کا کام شفقت آمیز ہوگا نقصان دہ نہیں ہوگا۔ (ہدایہ بتصرف)

Marfat.com

کسی تیسرے کے پاس رہن رکھنا:

اگر راہن اور مرتہن دونوں رضا مند ہو جائیں کہ رہن والی چیز کسی عادل کے پاس رکھ دی جائے تو یہ جائز ہے۔ جب مرتہن نے عادل کے پاس رہن رکھنے پر رضا مندی کا اظہار کر لیا تو اسے اپنا قرض ملنے پر وثوق حاصل ہو گیا۔ عادل شخص رہن والی چیز راہن یا مرتہن میں سے کسی ایک کو دوسرے کی موجودگی کے بغیر نہیں دے سکے گا دونوں موجود ہوں تو واپس کر دے، وہ چیز خود بخود مرتہن کے پاس آ جائے گی، کیونکہ رہن نے مرتہن کے پاس ہی ہونا تھا۔

راہن کی وفات پر رہن کا حکم:

راہن اگر فوت ہو جائے تو رہن ختم نہیں ہوگا، بلکہ وہ ورثاء کی طرف مستقل ہو جائے گا کہ وہ پہلے اپنے مورث لہ کا قرض ادا کریں اسکے بعد رہن والی چیز واپس کریں۔ بغیر قرض کی ادائیگی کے ان کو رہن کے منسوخ کرنے کا کوئی حق نہیں۔

فائدہ عظیمہ:

" اتفقت الفقها ء اليوم على ان الرهن لا يجو ز الا فى السفر و الحضر سواء فى حال وجود الكا تب وعدمه "

فقہاء کرام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ رہن رکھنا ہر صورت میں جائز ہے خواہ سفر میں ہو یا سفر میں نہ ہو بلکہ گھر ہی موجود ہو۔ پھر عام ہے کہ لکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو رہن رکھنا جائز ہے، وجہ اس کی واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زرہ یہودی کے پاس جو کے بدلے جو رہن رکھی تھی وہ بغیر سفر کے رہن تھا اور لکھنے والے بھی موجود تھے۔

" وانـمـا تقيدت الا ية بذكر السفر على سبيل الغالب كقوله تعالى ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ﴾ وليس الخوف من شرط جو از القصر"

آیۃ کریمہ میں جو سفر کا ذکر کیا گیا ہے وہ غالب ضرورت سفر میں واقع ہونے کی وجہ سے مقید کیا گیا

Marfat.com

ہے جس طرح قصر نماز کے متعلق رب تعالیٰ نے بیان فرمایا، تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز کو قصر کرو اگر تمہیں خوف ہو، خوف کا ذکر ابتدائی طور پر آیۃ کے نزول کے وقت اکثر واقع ہونے کی وجہ سے کر دیا گیا ہے، ورنہ نماز کا قصر کرنا خوف پر موقوف نہیں۔ سفر کی مقدار پوری ہونے پر نماز قصر کی جا سکے گی، خواہ خوف ہو یا نہ ہو۔ (کبیر بزیادۃ)

﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ﴾

''پھر اگر بعض تمہارا امن میں ہو بعض سے تو ادا کر دے وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی، اس کی امانت''۔

بیع کی یہ تیسری قسم ہے:

''وهو بيع الا ما نة اعني ما لا يكون فيه كتابة ولا شهو د ولا يكون فيه رهن''

جسے بیع امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس میں نہ لکھنا شرط کیا گیا ہے اور نہ گواہ بنانے اور نہ ہی رہن رکھنے کی اس میں شرط رکھی گئی ہے۔ (کبیر)

قرآن پاک کے ان الفاظ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے پر اعتبار کرے، اسے امین سمجھے کہ یہ میرا قرض واپس لوٹا دے گا تو اسے بغیر لکھنے اور بغیر گواہ بنانے اور بغیر رہن رکھنے کے اسے قرض دے دے، اور اس شخص کو بھی چاہیے کہ وہ وقت مقرر پر یا جس شخص نے اسے قرضہ دیا ہے اس کے مطالبہ پر اسکا قرض واپس دے دے۔

(فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا) ای بعض الدا ئنین بعض المد یو نین واستغنی بامانته عن الرهن والکتابة''

''پھر اگر امن میں ہو بعض تمہارا بعض سے'' اسکا مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اپنا مال کسی کو بطور قرض دے رہے ہیں یہ قرضہ دینے والے ان لوگوں سے امن میں ہیں، جنہیں یہ قرض دے رہے ہیں تو یہ قرض دے دیں، یہ لوگ اپنے قرض کے بدلے رہن رکھنے یا قرض کو لکھنے سے بے پرواہ ہوں گے، اپنی کوئی ضرورت در پیش نہیں ہو گی۔

(فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ) ای فلیو د المدیون الذی کا ن امینا و مؤتمنافی ظن

Marfat.com

الدائن فلا یخلف ظنه فی اداء امانته وحقه الیه ؔ

تو ادا کردے وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی، اسکی امانت کو یعنی مقروض جو قرض دھندہ (قرض دینے والے) کے گمان میں امین سمجھا گیا کہ یہ بڑا امانت دار ہے تو اسے بھی چاہیے کہ وہ اسکے گمان کے خلاف نہ کرے بلکہ اس کا قرض ادا کردے تا کہ اس کا گمان اس شخص کے حق میں سچا ہو سکے۔ (کبیر)

" امانته ای دینه سماه اما نة لا یتمانه بترک الکتابة والرهن "

یہاں امانت کا جو ذکر ہے اس سے مراد دین (قرض) ہے، قرض کو امانت سے اسی وجہ سے تعبیر کیا گیا کہ قرض دینے والے نے مقروض کو امین سمجھا اس پر اعتبار کیا اور کتابت اور رہن کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ (مظہری)

"عن انس قال قلما خطبنا رسول ﷺ الاقال لا ایمان لمن لا امانة له ولادین لمن لا عهد له رواه البیهقی فی الشعب"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے کم ہی ہمیں خطبہ دیا مگر یہ کہا اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں اور اس شخص کا دین کامل نہیں جس کو وعدہ کا پاس نہیں۔

(مظهری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ کہ رسول ﷺ نے اکثر اوقات ہمیں خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا، بہت کم ہی ایسا خطبہ آپ کا پایا گیا ہو جس میں آپ نے یہ ذکر نہ فرمایا ہو۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کا خوبصورت تحقیق پر مبنی ترجمہ:

(فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ) کی تفسیر جو کبیر اور مظہری سے بیان کی گئی ہے اسے دیکھنے کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کے ترجمہ کو دیکھیں تو آپ کو بہت خوبصورت، تحقیق پر مبنی، مطلب کو سمجھانے والا ترجمہ نظر آئے گا، منصف مزاج کو بے ساختہ کہنا پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علم کا بحر بیکراں تھے، فہم و ذکاء کا دریاء رواں تھے آپ کا تر

Marfat.com

جمہ یہ ہے اور اگر تم میں ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کردے راقم نے طلباء کرام کیلئے لغوی معنی تحریر کیا ہے، لیکن راقم کا ترجمہ مطلب کو سمجھانے کے لئے کافی نہیں، البتہ مختصر مطلب جو راقم نے لکھا ہے اس سے مطلب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ صرف ترجمہ سے یہ مطلب حاصل کرنے کیلئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے ترجمہ کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔

﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ ''اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے''۔

یعنی امانت کی رعایت کرنے میں اور قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرنے میں (اسی وقت عمل کرسکتا ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اس کا خوف دل میں رکھے۔ (روح البیان)

☆ "عن سمرة ان رسول ﷺ قال على اليد ما اخذت حتى تؤديه" (رواه احمد واهل السنن)

حضرت سمرہ فرماتے ہیں بے شک رسول ﷺ نے فرمایا ''ہاتھ پر لازم ہے کہ جو لے وہ ادا کرے''۔ (صابونی)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مدیون ''جس سے قرض دینے والے نے اچھا معاملہ کیا، (اسے امین سمجھا) اسے لکھنے کی یا گواہ بنانے کی تکلیف نہیں دی کو بھی چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور قرض دینے والے سے اچھا معاملہ کرے، حق سے انکار نہ کرے اور وقت مقرر پر قرض ادا کردے، ضمنی طور پر ایک مسئلہ بھی سمجھ آ گیا کہ مرتہن کے ہاتھ میں رہن امانت ہوتا ہے، مال واپس مل جانے پر مرتہن کو چاہیے کہ بغیر ٹال مٹول کے اور بغیر کسی کمی کے رہن راہن کو واپس کردے۔

(از کبیر)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا :"آية المنافق ثلاث (و ذكر فيه) اذا ائتمن خان" منافق کی نشانیاں تین ہیں۔ ان میں ایک یہ ذکر فرمائی کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جاتے تو خیانت کرے۔ (مظہری)

﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ﴾ ''اور نہ چھپاؤ گواہی''۔

اے گواہو! جب تمہیں حاکم کے پاس گواہی دینے کیلئے بلایا جائے تو گواہی نہ چھپاؤ۔ (روح البیان)

گواہی دینے کی ضرورت پر گواہی نہ دینا بھی گواہی چھپانا ہے اور گواہی میں ردوبدل کرنا بھی گواہی چھپانے کے مترادف ہے۔

Marfat.com

﴿وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾

اور جو شخص چھپائے گا اسے (گواہی کو) تو بیشک گنہگار ہوگا اس کا دل۔

گناہ کی نسبت دل کی طرف کرنے کی کیا وجہ ہے؟

"واسند الاثم الی القلب لا ن الکتمان فعل القلب ففی الا سناد الیه تا کید و مبا لغة"

گناہ کی نسبت دل کی طرف اس لئے کی گئی، کہ چھپانا دل کا ہی فعل ہے، جب دل گواہی چھپائے گا تو دل ہی سب اعضاء سے زیادہ گنہگار ہوگا۔ دل کی طرف نسبت کر کے تاکید اور مبالغہ بھی پیدا کر دیا۔ عام طور پر یہ الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں۔

"رایته بعینی و سمعته باذنی و حفظته بقلبی"

میں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا اور میں نے اسے اپنے کان سے سنا اور میں نے اسے اپنے دل میں یاد رکھا، حالانکہ سننا کام ہی کان کا ہے اور دیکھنا کام ہی آنکھ کا ہے اور یاد رکھنا کام ہی دل کا ہے، لیکن یہ بطور تاکید اور مبالغہ کیلئے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایسے ہی شہادت کا چھپانا دل کا کام ہے اور دل نے ہی گنہگار رہنا ہے پھر گناہ کی نسبت دل کی طرف کر کے تاکید اور مبالغہ ثابت کر دیا۔

دل کی طرف منسوب کرنے کی اور وجہ یہ ہے:

" اولأنه رئیس الا عضاء وافعاله اعظم قال رسول الله ﷺ ان فی جسد بنی آدم لمضغة اذا اصلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب" (رواه البخاری و مسلم عن النعمان بن بشیر)

کہ دل تمام اعضاء کا رئیس و سردار ہے اور دل کے افعال عظیم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بیشک بنی آدم (انسان) کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح رہے تو تمام جسم صحیح رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو (بگڑ) جائے تو تمام جسم ہی فاسد ہو جاتا ہے، خبردار وہ دل ہے۔

Marfat.com

بعض حضرات نے ﴿ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ﴾ کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے "مسخ القلب "اس کا دل مسخ ہو جائے گا۔اس قول کے مطابق شدید وعید (سخت عذاب کی دھمکی) پائی گئی کہ انسان کا دل کسی اور جانور کے دل سے تبدیل کر دیا جائے تو اس کیلئے کتنی ذلت ورسوائی ہوگی۔(ماخوذ از مظہری)

راقم کے نزدیک مسخ کا قول امتِ مصطفیٰ ﷺ کیلئے ضعیف ہے، کیونکہ اس امت کو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے واسطہ جلیلہ سے مسخ کے عذاب سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔تاہم مسخ کا مطلب کسی حد تک یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دل تو انسان کا ہی رہے اس کی سمجھ جانوروں کی سمجھ کی طرح کر دی جائے اسے پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کر رہا ہے، یہ بھی شدید گرفت ہے۔

اعتراض: گواہی دینا یا نہ دینا تو زبان کا کام ہے، زبان کی طرف گناہ کی نسبت نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مذکورہ بالا حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ دل تمام اعضاء کا رئیس وسردار ہے، جب دل کا گنہگار ہونا ثابت ہوگا تو زبان کا گنہگار ہونا خود ثابت ہو جائے گا۔

"وان افعال القلوب اعظم من افعال سائر الجوارح وهي لها كالاصول التي تتشعب منها الا ترى ان اصل الحسنات والسيات الا يمان والكفر وهما من افعال القلوب"

کیونکہ دل کے افعال تمام اعضاء کے افعال سے عظیم ہیں۔ دل کے افعال اصل ہیں اور باقی افعال ان سے ہی نکلنے والے ہیں۔ اس لئے دل کی طرف گناہ کہ نسبت کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نیکیوں اور گناہوں، اور ایمان اور کفر کو دل کے افعال ہی سمجھا گیا ہے۔حالانکہ گناہوں میں دوسرے اعضاء کو بھی دخل ہوتا ہے۔

" فاذا جعل كتمان الشهادة من آثام القلوب فقد شهدله بانه من معاظم الذنوب"

جب گواہی کا چھپانا دل کا کام ہے تو واضح ہوا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔کیونکہ دل کے افعال بڑے افعال (کام) ہیں۔

عن ابن عباس رضى الله عنه اكبر الكبائر الا شراك بالله بقوله تعالىٰ ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾ و شهادة الزور كتمان الشهادة"

Marfat.com

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب گناہوں سے بڑا گناہ شرک ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا اور اسی شرک کی حالت میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ہمیشہ کیلئے جنت کو حرام کر دیا ہے اور جھوٹی گواہی دینا بھی بڑا گناہ ہے اور گواہی چھپانا بھی بڑا گناہ۔ ''نعوذ باالله من الكبائرِ و الصغائر''

(ماخوذ از روح البیان)

''ان القلب اصل متعلقه و معدن اقترافه و اللسان ترجمان عنه''

بیشک دل اصل ہے یعنی حقیقت میں گناہ دل سے ہی متعلق ہیں اور دل ہی اصل کسب کا معدن ہے، زبان تو صرف اس کی ترجمان ہے۔ (روح المعانی، روح البیان)

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ جو تم عمل کرتے ہو جاننے والا ہے۔''

ان الفاظ مبارکہ سے گواہی کے چھپانے سے ڈرایا گیا ہے کہ تم رب تعالیٰ کی گرفت میں آؤ گے، اسلئے کہ تمہارے ہر عمل کو رب تعالیٰ جانتا ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس پر پوشیدہ نہیں۔ انسان کو جب یہ علم ہو جائے کہ رب تعالیٰ میرے تمام اعمال سے باخبر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی مخالفت نہیں کرے گا۔

''فانه يعلم انه تعالیٰ يحاسبه على كل تلك الافعال ويجازيه عليها ان خيرا فخيرا و ان شرا فشر''

انسان کو بخوبی یہ علم حاصل ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام افعال کا حساب لے گا اور ان کی جزاء دے گا۔ اگر اچھے اعمال ہوئے تو ان کا بدلہ بھی اچھا دے گا، اور اگر انسان کے اعمال برے ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ بھی برا دے گا۔

آیہ کریمہ سے یہ واضح ہوا:

''كتمان الشهادة حرام واداؤها فريضة وان لم يسئله المشهود له''

کہ گواہی کا چھپانا حرام ہے اور گواہی دینا فرض ہے، اگر چہ مدعی گواہ سے گواہی نہ بھی طلب کرے تو پھر بھی یہ گواہی دے۔

''واذا كان المشهود له لا يعلم بشهادة الشاهد يجب على الشاهد ان يعلمه بانه شاهد''

Marfat.com

جب مدعی کو علم نہ ہو کہ فلاں شخص بھی میرے دعویٰ کا چشم دید گواہ ہے تو گواہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اسے بتائے کہ یہ واقعہ میرے سامنے کا ہے، میں اس کا گواہ ہوں، جب بھی مجھے طلب کیا گیا تو میں گواہی دوں گا۔ (از مظہری)

مال و دولت کا جمع کرنا شرعاً منع نہیں:

جب رزق حلال جمع کیا جائے اور اس سے حقوق شرعیہ ''زکوٰۃ صدقات واجبہ'' ادا کئے جائیں تو وہ مال خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ ہاں البتہ مال حلال طریقہ سے نہ جمع کیا جائے بلکہ حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا حلال طریقہ سے مال تو حاصل کیا لیکن صدقات فرضیہ اور واجبہ ادا نہیں کئے تو یہ مال جمع کرنا مذموم (برا) ہے۔ (راقم)

تقریباً یہی مؤقف علامہ قرطبی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ آپ مال جمع کرنے پر اسی آیۃ کریمہ سے یوں دلیل قائم فرماتے ہیں۔

''لما امر الله تعالیٰ بالكتب والاشهاد واخذالرهان كان ذالك نصاقا طعا على مراعاة حفظ المال وتنميتها''

جب رب تعالیٰ مال بطور قرض دینے پر لکھنے اور گواہ بنانے یا رہن رکھنے کا حکم دیا تو یہ نص قطعی ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے اور مال کو بڑھایا جائے اور نبی کریم ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا:

''انک ان تذر ورثتک اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس''

بیشک تمہارا وارثوں کو غنی چھوڑنا بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ کر جاؤ، وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ما نفعنی مال کمال ابی بکر'' مجھے ابوبکر نے جیسا نفع پہنچایا ہے ایسا کسی اور مال نے نفع نہیں پہنچایا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص کو فرمایا ''نعم المال الصالح للرجل الصالح'' اچھا مال وہ ہے جو پاکیزہ ہو اور نیک آدمیوں کے پاس ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کیلئے دعاء کی ''اللهم اكثر ماله وولده وبارک له فيه'' اے اللہ! اسے مال زیادہ عطاء کر اور اولاد زیادہ عطاء کر اور اسے برکت عطاء فرما۔ ایک روایت میں ''بارک فی عمره'' کے الفاظ ہیں، کہ اے اللہ اسکی عمر میں برکت عطاء فرما۔

Marfat.com

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ"

یارسول اللہ ﷺ بیشک میں اپنا تمام مال اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضاء کیلئے صدقہ کرتا ہوں کہ اللہ نے میری توبہ کو قبول فرمایا (یہ غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں میں تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "امسک علیک بعض مالک فھو خیر لک" اپنا کچھ مال اپنے پاس روک رکھو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ یہ تمام احادیث صحاح سے نقل کی گئی ہیں۔ جن میں مال جمع کرنے کی اجازت فرمائی گئی۔ (از قرطبی)

تاہم فقر کی تعریف:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کی بحث کے ضمن میں گزر گئی۔ محاکمہ وہی ہے کہ کبھی مال جمع کرنا قابل تعریف ہے اور کبھی مال جمع کرنا مذموم ہے، جو پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (راقم)

فائدہ جلیلہ : دین دار لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واقفین اور دوسرے سائرین۔ واقفین وہ ہیں جو صورت یعنی ظاہر کی دہلیز کو لازم پکڑے ہوئے ہیں، ابھی تک ان کیلئے عالم معنی یعنی حقیقت کا دروازہ نہیں کھولا گیا، وہ ابھی چوزے کی طرح ہیں جو انڈے کے خول میں محبوس (روکا ہوا) ہوتا ہے۔ ان کا مشرب یعنی ان کا طور وطریقہ ابھی تک عالم معاملات بدنیہ ہوتا ہے ابھی تک ان کی رسائی (پہنچ) عالم قلب کی طرف نہیں ہوتی، ان کا معاملہ اس درجہ میں وہی ہے جو چوزہ کو انڈے کے خول میں حاصل ہوتا یہ جسم کے قید خانہ میں محبوس ہوتے ہیں، اور ان پر کراما کاتبین فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو ان کے ہر چھوٹے اور بڑے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ سائرین وہ لوگ ہیں جو کہیں ٹھرتے نہیں، ان کے رکنے کی کوئی منزل، کوئی مکان نہیں ہوتا، بلکہ وہ چلتے رہتے ہیں، عالم صورت سے عالم معنی کی طرف وہ رواں دواں ہوتے ہیں کیونکہ انکا اصل مقصد ظاہر سے باطن کی طرف جانا ہے، وہ جسم کی تنگی سے نکل کر روح کی وسعت کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ سائرین کی پھر دو قسمیں ہیں، سیار اور طیار۔

" فالسیار من یسیر بقدم الشرع والعقل علی جادۃ الطریقۃ"

سیار وہ ہیں جو شریعت اور عقل کے قدموں سے چل کر طریقت کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

Marfat.com

"والطیار من یطیر بجناحی العشق والهمة فی فضاء الحقیقة وفی رجله جلجلة الشریعة"

اور طیار وہ لوگ ہیں جو عشق و ہمت کے پروں سے فضاء حقیقت کی طرف اپنی اڑان جاری رکھتے ہیں اور ان کے پاؤں میں شریعت کے گھنگرو ہوتے ہیں۔ یعنی وہ شریعت کی بھی پابند ہوتے ہیں وہ لوگ سراسر جھوٹے ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں ہم طریقت پر چلنے سے شریعت سے آزاد ہیں۔ ہاں اگر ان کو سچا سمجھنا ہو تو یوں سمجھ لیں کہ وہ طریقت ابلیس کے بادشاہ ہیں اور شریعت مصطفوی کے باغی ہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ طریقت شیطانی پر چلنے والے اپنے آپ کو شریعت مصطفوی سے آزاد سمجھتے ہیں۔ وہ طریقت جو سائرین کو حاصل ہے وہ شریعت کے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اس آیۃ کریمہ اور اس سے پہلی آیۃ کریمہ میں ان تینوں قسموں کا ذکر دیا گیا کہ اے اللہ کے بندو جو بھی تم واقفین کے درجہ میں ہو اپنے اعمال کا قدم قدم پر محاسبہ کرو، یہ محاسبہ لکھنے اور گواہ بنانے کے مترادف ہوگا۔ گویا کہ واقفین کو کہا گیا ہے کہ تم اپنے اعمال لکھ لیا کرو اور ان پر گواہ بنالیا کرو۔ پھر سائرین میں سے سیار حضرت کو کہا کہ تمہارا سودا ہاتھ بہاتھ ہو رہا ہے، تم پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے ہو، شریعت کے ضوابط پر عمل کرتے ہوئے طریقت کی منازل کو طے کر رہے ہو، لھذا یہ تمہاری تجارت حاضرہ ہے تمہیں لکھنے کی ضرورت نہیں، یعنی تمہیں اپنا محاسبہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ تم پہلے ہی اپنا محاسبہ کیے ہوئے ہو، اللہ تعالی تمہارا محافظ ہے تاہم تمہیں تجارت حاضرہ حاصل ہونے کے باوجود اگر تم اپنے اعمال کو لکھ لیا کرو یعنی اپنا محاسبہ کرتے ہی رہو تو بہتر ہے اور طیار حضرات کو کہا کہ اے طریقت کی راہ کے مسافرو، عشق و محبت اور ہمت کے پروں سے اڑکر حقیقت کو پانے والو تم اپنے آپ کو ہی رب کائنات کے حضور رہن رکھ دو۔ (ماخوذ از روح البیان بتغیر)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com